ہماری ویب ڈیجیٹل بک

محمد جہان یعقوب

MUHAMMAD JEHAN YAQOOB

ہماری ویب پر شائع شدہ تحریروں کا مجموعہ

E-BOOK SERVICES

Collection of Published Articles
By "Muhammad Jehan Yaqoob"
at Hamariweb.com

آپ خود بھی استخارہ کرسکتے ہیں

ایک مقتدی نے پوچھا: امام صاحب! آپ استخارہ کرتے ہیں؟ دوسرے مقتدی کا کہنا تھا: میں آن لائن سروس کے ذریعے کراتا ہوں، یہ ایک فاسٹ سروس ہے اور ایک ہی دن کے اندر جواب مل جاتا ہے۔

یہ صرف ان دو مقتدیوں کی بات نہیں، اکثر مسلمانوں کا یہ حال ہے خود کو تو اس قابل نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالی سے اپنے مسئلے میں خیر طلب کرسکیں، جس سے راہ فرار'' کسی سے استخارہ کراکر'' حاصل کرتے ہیں، حالاں کہ یہ فرد کا انفرادی اور ذاتی معاملہ ہے کہ وہ اپنے رب سے خیر اور بہتر راہ کی طرف رہنمائی طلب کرے۔۔ برا ہو پیٹ کے پجاریوں اور موقع پرست '' گندم نماجو فروشوں'' کا، جو بجائے عوام کالانعام کی درست سمت رہنمائی کرنے کے، اس عمل کو اپنے پیٹ کی آگ بجھانے کا ذریعہ سمجھتے اور مختلف '' استخارہ سینٹرز'' کھول کر خوب مال بنانے میں رات، دن مصروف ہیں۔ ذیل میں عوام کی درست سمت رہنمائی کی غرض سے مستند علمائے کرام کی کتب سے استخارے کے حوالے سے ضروری تفصیلات درج کی جارہی ہیں، تاکہ صحابہ کرام اور پچھلے ادوار کے عوام کی طرح عوام اس عمل کو، جو حد درجہ آسان و سہل نیز سراسر خیر ہی خیر ہے، خود کرنے لگیں۔ مفصل رہنمائی کے لیے بازار میں عام دستیاب اس موضوع پر علمائے کرام کی کتب ورسائل ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں، ہمارے

استاذ محترم داعی قرآن حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن شہید کا اس موضوع پر ایک انتہائی آسان، مختصر اور دل نشیں رسالہ ہے، جو جامعہ بنوریہ عالمیہ میں ان کے صاحبزادے وخلف الرشید مولانا مفتی جمال عتیق سے مفت طلب کیا جاسکتا ہے۔ لیجیے ! اب ضروری تفصیلات ملاحظہ فرمایئے:

استخارہ کا مسنون اور آسان طریقہ : سنت کے مطابق استخارہ کا سیدھا سادہ اور آسان طریقہ یہ ہے کہ دن رات میں کسی بھی وقت (بشرطیکہ وہ نفل کی ادائیگی کا مکروہ وقت نہ ہو) دو رکعت نفل استخارہ کی نیت سے پڑھیں' نیت یہ کریں کہ میرے سامنے یہ معاملہ یا مسئلہ ہے' اس میں جو راستہ میرے حق میں بہتر ہو' اللہ تعالیٰ اس کا فیصلہ فرمادیں۔

سلام پھیر کر نماز کے بعد استخارہ کی وہ مسنون دعا مانگیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی ہے' یہ بڑی عجیب دعا ہے 'کوئی گوشہ زندگی کا اس دعا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑا نہیں' اگر عام انسان ایڑی چوٹی کا زور لگالیتا تو بھی ایسی دعا کبھی نہ کرسکتا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی' اگر کسی کو دعا یاد نہ ہو تو کوئی بات نہیں' کتاب سے دیکھ کر یہ دعا مانگ لے' اگر عربی میں دعا مانگنے میں دقت ہو رہی ہو تو ساتھ ساتھ اردو میں بھی یہ دعا مانگے' بس ! دعا کے جتنے الفاظ ہیں وہی اس سے مطلوب ومقصود

ہیں' وہ الفاظ یہ ہیں:

استخارہ کی مسنون دعا: اللھم انی استخیرک بعلمک واستقدرک بقدرتک واسألک من فضلک العظیم فانک تقدر ولااقدر وتعلم ولا اعلم وانت علام الغیوب اللھم ان کنت تعلم ان ھذا الامر خیر لی فی دینی ومعاشی وعاقبۃ امری وعاجلہ واٰجلہ فاقدرہ لی ویسرہ لی ثم بارک لی فیہ، وان کنت تعلم ان ھذا الامر شرّ لی فی دینی ومعاشی وعاقبۃ امری وعاجلہ واٰجلہ فاصرفہ عنی واصرفنی عنہ واقدر لی الخیر حیث کان ثم ارضنی بہ۔ (بخاری' ترمذی)

دعا کرتے وقت جب ''ھذا الامر'' پر پہنچے اگر عربی جانتا ہے تو اس جگہ اپنی حاجت کا تذکرہ کرے یعنی ''ھذا الامر'' کی جگہ اپنے کام کا نام مثلاً'' ھذاالسفر'' یا ''ھذاالنکاح'' یا ''ھذہ التجارۃ'' یا ''ھذاالبیع'' کہے اور اگر عربی نہیں جانتا تو ''ھذا الامر'' ہی کہہ کر دل میں اپنے اس کام کے بارے میں سوچ اور دھیان دے' جس کیلئے استخارہ کررہا ہے۔

بہتر یہ ہے کہ استخارہ تین سے سات دن تک پابندی کے ساتھ متواتر کیا جائے' اگر اس کے بعد بھی تذبذب اور شک باقی رہے تو استخارہ کا عمل مسلسل جاری رکھے' جب تک کسی ایک طرف رجحان نہ ہو جائے کوئی عملی اقدام نہ کرے' اس موقع پر اتنی بات سمجھنی ضروری ہے کہ استخارہ کرنے کیلئے کوئی مدت متعین نہیں' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو ایک ماہ تک استخارہ کیا تھا تو ایک

ماہ بعد آپ کو شرح صدر ہو گیا تھا' اگر شرح صدر نہ ہوتا تو آپ آگے بھی استخارہ جاری رکھتے۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''دعائے استخارہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعائے خیر کرتا رہے' استخارہ کرنے کے بعد ندامت نہیں ہوتی اور یہ مشورہ کرنا نہیں ہے' کیونکہ مشورہ تو دوستوں سے ہوتا ہے' استخارہ سنت عمل ہے' اس کی دعا مشہور ہے' اس کے پڑھ لینے سے سات روز کے اندر اندر قلب میں ایک رجحان پیدا ہو جاتا ہے اور خواب میں کچھ نظر آنا' یا یہ قلبی رجحان حجت شرعیہ نہیں ہیں کہ ضرور ایسا ہی کرنا پڑے گا اور یہ جو دوسروں سے استخارہ کرایا کرتے ہیں' یہ کچھ نہیں ہے' بعض لوگوں نے عملیات مقرر کر لئے ہیں' دائیں طرف یا بائیں طرف گردن پھیرنا یہ سب غلط ہیں' ہاں دوسروں سے کرا لینا گناہ تو نہیں لیکن اس کے الفاظ ہی ایسے ہیں کہ خود کرنا چاہئے'' ۔ (مجالس مفتی اعظم

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ استخارہ کا صرف اتنا اثر ہوتا ہے کہ جس کام میں تردد اور شک ہو کہ یوں کرنا بہتر ہے یا یوں؟ یا یہ کرنا بہتر ہے یا نہیں؟ تو استخارے کے مسنون عمل سے دو فائدے ہوتے ہیں: دل کا کسی ایک بات پر مطمئن ہو جانا۔ اور اس مصلحت کے اسباب

(میسر ہو جانا۔تاہم اس میں خواب آ نا ضروری نہیں۔ (اصلاح انقلاب امت
استخارہ میں صرف یکسوئی کا حاصل ہونا استخارہ کے مقبول ہونے کی دلیل ہے' اس کے بعد اس کے مقتضا پر عمل کرے' اگر کئی مرتبہ استخارہ کے بعد بھی یکسوئی اور کسی ایک جانب اطمینان نہ ہو تو استخارہ کے ساتھ ساتھ استشارہ بھی کرے' یعنی اس کام میں کسی سے مشورہ بھی لے لیکن استخارہ میں ضروری نہیں کہ یکسوئی ہوا ہی کرے۔ (الکلام الحسن)

بعض حضرات کا یہ کہنا ہے کہ استخارہ کرنے کے بعد خود انسان کے دل کا رجحان ایک طرف ہو جاتا ہے' بس جس طرف رجحان ہو جائے وہ کام کرلے اور بکثرت ایسا رجحان ہو جاتا ہے' لیکن بالفرض اگر کسی ایک طرف رجحان نہ بھی ہو' بلکہ دل میں کشمکش موجود ہو تو بھی استخارہ کا مقصد حاصل ہو گیا' اس لئے کہ بندہ کے استخارہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ وہی کرتے ہیں جو اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے' اس کے بعد حالات ایسے پیدا ہو جاتے ہیں پھر وہی ہوتا ہے جس میں بندے کیلئے خیر ہوتی ہے اور اس کو پہلے سے معلوم بھی نہیں ہوتا' بعض اوقات انسان ایک راستے کو بہت اچھا سمجھ رہا ہوتا ہے لیکن اچانک رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کو اس بندے سے پھیر دیتے ہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ استخارہ کے بعد اسباب ایسے فرما دیتے ہیں کہ پھر وہی ہوتا ہے جس میں بندے کیلئے خیر ہوتی ہے۔

میڈیا وار اور دینی حلقوں کا کردار

یہ میڈیا وار کا دور ہے، جس میں جنگیں بھی میڈیا کے ذریعے لڑی جا رہی ہیں۔ حالیہ چند برسوں میں میڈیا کی حیران کن ترقی، وسعت و ہمہ گیری نے دنیا کو ایک ''گلوبل ولیج'' بنا کر رکھ دیا ہے۔ میڈیا کی حیران کن ترقی نے دنیا بھر کی طرح پاکستان کو بھی شدید متاثر کیا ہے۔ اس نے ہر معاشرے کی طرح ہمارے ہاں بھی گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ میڈیا کے طاقتور اثرات کے باعث معاشرتی رویے تبدیل ہوئے ہیں، جبکہ اس نے بعض روایات کو بدلنے میں بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔ میڈیا کے معاشرے پر بے پناہ اثرات کی وجہ سے ہی آج کے دور کو ذرائع ابلاغ کا دور قرار دیا جاتا ہے۔ ترقی یافتہ دنیا میں میڈیا کو باقاعدہ منصوبہ بندی سے استعمال کرنے کا آغاز کئی دہائیاں پہلے ہو چکا تھا، تاہم ہمارے ہاں الیکٹرانک میڈیا اور انٹرنیٹ کی آمد کو ابھی چند سال ہی ہوئے ہیں۔

یہ ایک نیا چیلنج ہے، جس نے ہمارے معاشرے کے دیگر طبقات کی طرح دینی حلقوں کو بھی متاثر کیا ہے۔ میڈیا کی روایتی پریکٹس اور تفریحی مواد کی زیادتی کے باعث اسے اسلام اور سماج مخالف سمجھ لیا گیا ہے اور بہت سے حلقے تو تمام تر برائیوں کی جڑ اسے ہی قرار دینے پر مصر ہیں، ایسا لگتا ہے کہ دینی

حلقوں میں یہ بات سرایت کر چکی ہے کہ میڈیا ہمارے معاشرے میں الحاد، فحاشی، غیر اسلامی روایات اور ایسی ہی منفی سرگرمیوں کو فروغ دینے کے لیے تیار کردہ ایک سازش کا حصہ ہے اور اس سے صرف اور صرف وہی کام لیا جا سکتا ہے جو کہ آج کل پاکستانی، بھارتی اور مغربی میڈیا پر نظر آ رہا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ دینی حلقے اس سے دور نظر آتے ہیں۔ میڈیا کے خلاف تقریروں اور تحریروں کی بھرمار ہے، لیکن اس کے اثرات کم ہونے کی بجائے مزید بڑھتے ہی جا رہے ہیں، تاہم کچھ مخلص حلقوں نے میڈیا کے میدان میں دینی حوالے سے سرگرمی دکھائی ہے اور شاید اسی لیے اب کہیں کہیں میڈیا کو سمجھنے اور اس کے درست استعمال کی کوششیں بھی نظر آتی ہیں۔ حالات کی ٹھوکروں نے میڈیا کی اہمیت باور کرا دی ہے۔

یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ اگر میڈیا ٹیکنالوجی کو دینی علوم رکھنے والے افراد مکمل پیشہ ورانہ اصولوں کے ساتھ استعمال کریں تو اسے تبلیغ دین کے لیے باآسانی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ میڈیا ٹیکنالوجی بھی ہوائی جہاز، موٹر کاروں اور دیگر سہولیات کی طرح ایک ایجاد ہی ہے، چند آلات بنائے گئے ہیں کہ جن کو پیغام رسانی، اپنے نظریات کے فروغ اور ان کو پھیلانے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اگر آپ اس کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کریں گے تو یہ آپ کا نظریہ اور پیغام ہر سو پھیلا دے گا اور اگر اس

سے دور رہ کر محض تنقید سے کام چلانے کی کوشش کی تو یہ اتنا طاقتور ہے کہ آپ کی آواز کو گمنام بنا دے گا یا آپ خود ہی اس کے اثرات کے سامنے خاموش ہو جائیں گے۔ آج ہم گاڑیوں، کمپیوٹرز اور ایسی ہی دیگر چیزوں سے صرف اس لیے دور ہونا پسند نہیں کریں گے کہ ان کا غلط استعمال بھی ہوتا ہے۔ یہی حال میڈیا ٹیکنالوجی کا ہے۔ یہ تو دعوت کو تیز ترین طریقے سے بڑے پیمانے پر پھیلا دینے کا ہتھیار ہے۔ اگر ملحدین اپنا پیغام پھیلانے کے لیے ایسا مواد تیار کر سکتے ہیں کہ جو معاشرے میں بگاڑ کا باعث بنے تو اسلامی اصولوں کے اندر رہتے ہوئے بھی ایسا مواد تیار کیا جا سکتا ہے کہ جس سے، عقائد پر بھی فرق نہ آئے اور دعوت کا کام بھی ہو سکے۔ شرط یہ ہے کہ اس کا استعمال سیکھ کر آلات کو مرضی کے مطابق چلانا سیکھا جائے۔ سوچ و بچار کے بعد اور بھرپور تیاری سے مواد کی تیاری کے لیے کام کیا جائے۔

یہ حقیقت ہے کہ ہمارے معاشرے میں دین کی جو رہی سہی جھلک نظر آتی ہے وہ مسجد و محراب کے ان وارثوں کی ہی وجہ سے ہے۔ مدارس کے پڑھے ہوئے علما کرام ہی ہمارے معاشرے میں دین کے بقا کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ دعوت کے جذبے سے ان آلات کو اپنی آواز کفر کے ایوانوں میں پہنچانے کے لیے تصرف میں لایا جائے۔ میڈیا کے درست استعمال کے حوالے سے درپیش مسئلہ کو سمجھنے اور اس کو حل کرنے کے لیے منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔ یہ واضح ہے کہ اسلام گوشہ نشینوں

اور تارک دنیا افراد کا دین نہیں ہے اس کے ماننے والے معاشرے کے فعال رکن بن کر جیتے ہیں۔ تو پھر کیونکر دینی طبقہ کی جانب سے میڈیا کے میدان کو کھلا چھوڑ دیا گیا ہے ؟ سوال یہ ہے کہ کیا ابلاغ کا شعبہ معاشرے کی تشکیل میں شامل نہیں ہوتا ؟ دینی دعوت کا کام سرانجام دینے والے لوگ اور تنظیمیں کیونکر اس کے بارے میں غور نہیں کرتے۔

یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ میڈیا کا خود اپنا کوئی نظریہ نہیں ہوتا بلکہ اس کو چلانے والے اپنے خیالات عام کرتے ہیں۔ اگر دینی لوگ اس کی باگ دوڑ سنبھالیں گے تو یقیناً اسے ہدایت کا سرچشمہ بنایا جا سکتا ہے اور اگر کم دینی علم رکھنے والے یا بالکل ہی نابلد لوگوں کے ہاتھ میں میڈیا کی طاقت دے دی جائے تو پھر یقیناً یہی کچھ ہو گا کہ جو آج آپ دیکھ رہے ہیں۔ یہ واقعی المیہ ہے کہ اس وقت جو دینی پروگرام پیش کیے جا رہے ہیں ان میں ٹھوس دینی علم رکھنے والوں کی بجائے نیم دینی علم رکھنے والے لوگ غالب ہیں۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ مستند دینی حلقے اچھے اینکر اور ٹی وی پر اچھے بولنے والے افراد فراہم کرنے میں ناکام رہے ہیں، یا ان کی اس جانب سرے سے توجہ ہی نہیں ہے، جس کی وجہ سے یہ میدان جاوید غامدی اور ڈاکٹر عامر لیاقت جیسے لوگوں کے لیے کھلا چھوڑ دیا گیا ہے۔ اگر آج میڈیا پر لادینیت اور سیکولرازم غالب نظر آتا ہے اور ایسی چیزوں کی بہتات ہے جو کہ اسلامی

تعلیمات کے خلاف ہیں تو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ عالمی سطح پر اسلام مخالف اداروں نے اس کے لیے بھرپور کوششیں کی ہیں۔ ایسے ادارے موجود ہیں کہ جو مکمل منصوبہ بندی کے ذریعے میڈیا پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ ریسرچ سینٹرز قائم کیے گئے ہیں، سروے رپورٹس اور انکشافات کے زریعے میڈیا کو ایک خاص لائن فراہم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اسلام مخالفت ادارے میڈیا سے منسلک ہنرمند اور تجربہ کار افراد کی خدمات حاصل کرتے ہیں اور ان کی رہنمائی میں ایسا مواد تیار کیا جاتا ہے جو کہ بظاہر تفریح، کھیل یا کسی بھی اور مقصد کے لیے ہوتا ہے لیکن اس کا پوشیدہ مقصد معاشرے میں لادینیت پھیلانا ہے۔ میڈیا پر اس مواد کی اشاعت کے لیے اسپانسرز ڈھونڈے جاتے ہیں اور ایک نیٹ ورک کے ذریعے اس کو عام کر دیا جاتا ہے۔

اسی طرح دینی طبقات میں اچھی کتابیں لکھنے کا رواج تو عام ہے لیکن میڈیا کے لیے مضامین نہیں لکھے جاتے۔ ہمارے ہاں حالات حاضرہ کو دینی نقطہ نظر سے زیر بحث لانے کا انتظام نہیں۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ علما کی کتابیں انہی کے حلقے کے لوگ تو ضرور پڑھتے ہیں یا پھر اچھا ادبی ذوق رکھنے والے طبقے بلکہ اس میں مسلک اور جماعت کی تفریق بھی حائل ہو جاتی ہے۔ جبکہ اگر یہی علما اچھے انداز سے میڈیا میں اظہار خیال کریں، کالم لکھیں، معاشرتی مسائل پر فیچر لکھیں تو نہ صرف زیادہ بڑا طبقہ مستفید ہوگا بلکہ

لوگ دین کی طرف مائل بھی ہوں گے۔ حالات حاضرہ کو دینی نقطہ نظر سے زیر بحث لانے سے یہ بھی فائدہ ہوگا کہ علمائے کرام کے بارے میں عام تاثر بھی دور ہوگا کہ یہ وقت کے تقاضوں کو نہیں سمجھتے۔

الیکٹرانک میڈیا ذرائع ابلاغ کا ایک طاقتور حصہ ضرور ہے۔انٹرنیٹ تبلیغ کا بہت بڑا ذریعہ بن چکا ہے اور یورپ و امریکہ میں اتنے لوگ اس کے ذریعے مسلمان ہوئے ہیں جن تک پہنچنا شاید ویسے ممکن ہی نہ ہوتا۔ ایک رپورٹ کے مطابق سعودی عرب کی موبائل ایس ایم ایس سروس سے کئی ہزار لوگ مسلمان ہو چکے ہیں۔ اخبارات میں اچھے لکھنے والوں کے لیے ابھی بہت گنجائش موجود ہے جبکہ الیکٹرانک میڈیا میں اچھے بولنے والوں کی ضرورت ہر وقت رہتی ہے۔ میڈیا معاشرتی تبدیلی کا طاقتور ترین ہتھیار ہے اور دعوت کے میدان میں اس کی ضرورت بڑھتی جا رہی ہے، اس لیے دینی طبقے کے لیے ضروری ہے کہ میڈیا سے دور رہنے کی پالیسی کو ترک کرتے ہوئے اسے اپنے حق میں استعمال کرنے کی کوششوں کا آغاز کریں۔ اس حوالے سے ہونے والا کام بارش کا پہلا قطرہ اور ایک اچھا آغاز تو ضرور ہے، مگر کافی ہرگز نہیں۔

مقام صد تشکر و امتنان ہے کہ اس حوالے سے دینی اداروں میں کافی بیداری پائی جاتی ہے، تاہم ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ یہ کام جواب بھی

چندمدارس، چند تنظیموں اوراداروں یاافراد کی انفرادی محنت تک محدود ہے،اس کومزیدوسعت دینے کی اس میڈیاکے تیزترین دور میں جتنی ضرورت ہے ،شایداس سے قبل کبھی نہ تھی۔ضرورت اس امر کی ہے کہ دینی مدارس کمپیوٹر کلاسز کوایک لازمی مضمون کے طورپراپنے نصاب میں شامل کریں اوردینی علوم کی طرح اس کی تعلیم بھی مفت فراہم کرنے کے لیے اہل خیرکے تعاون سے انتظام کریں۔اللہ تعالی جومسبب الاسباب ہے ،انشاء اللہ اس کے لیے بھی وسائل عطافرمادے گا۔عام طورپردیکھایہ گیاہے کہ دینی مدارس میں نمائشی طورپرایک کمپیوٹرلیب قائم کردی جاتی ہے،تاکہ جدیدذہن رکھنے والے اہل خیر کومطمئن کرنے کے لیے اس لیب کادورہ کرادیاجائے اوران کے اس تاثرکودورکیاجائے کہ دینی مدارس میں اس جانب توجہ نہیں دی جاتی، حالاں کہ ضرورت اس سے آگے کی جانب سوچنے، منصوبہ بندی کرنے اورقدم بڑھانے کی ہے،جس کی طرف معدودے چنداداروں کے خاطرخواہ توجہ نظرنہیں آرہی، حالاں کہ ہمارادین، ہماراپس منظر، ہمارے مخصوص طرزتعلیم اس بات کاہمیشہ متقاضی رہاہے کہ دورحاضرکے چیلنجوں سے صرفِ نظرکرنے کی بجائے ان کے مقابلے کی کوشش اورپیش بندی کی جائے۔

ترویج حدیث اور علمائے کرام کا کردار

قرآن مجید اجمال اور حدیث و سنت اس کی شرح ہے اور محمد اسد مرحوم نے سچ فرمایا ہے:

''سنت نبوی ہی وہ آئینی ڈھانچہ ہے جس پر اسلام کی عمارت کھڑی ہے، اگر آپ کسی عمارت کا ڈھانچہ ہٹا دیں تو کیا آپ کو اس پر تعجب ہوگا کہ عمارت اس طرح ٹوٹ جائے جس طرح کاغذ کا گھروندا'' (اسلام دوراہے پر)

حدیث و سنت کی اس اہمیت کے پیش نظر دور نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام سے ہی تدوین حدیث کا مرحلہ شروع ہوا اور تبع تابعین کے دور تک سنداً و متناً تمام جانچ پڑتال اور دیانت کے ساتھ تمام احادیث طیبہ کو نہ صرف سینے میں بلکہ سفینے میں بھی ممتاز کر لیا گیا اور امت قرآن مجید اور حدیث و سنت کی روشنی میں جادۂ مستقیم پر گامزن اور غالب و منصور رہی۔

قرون اولیٰ سے جوں جوں دوری بڑھتی گئی، امت کی علم حدیث سے دلچسپی میں بھی رفتہ رفتہ کمی آنے لگی اور جب حدیث و سنت کی واضح روشنی، جہاں ہر شے روزروشن کی طرح عیاں تھی، ہاتھوں سے چھوٹنے لگی تو شرک و بدعات، رسوم و رواج اور دور جاہلیت کی رسومات نے جسد مسلم میں اس طرح سرایت کرنا شروع کر دیا

کہ امت اپنے حقیقی مرکز سے ہٹتی محسوس ہوئی۔
ان حالات میں ہندوستان میں امام ربانی حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی متوفی 1034ھ) اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی 1052ھ) نے مصلح امت کا) فریضہ انجام دیا اور اپنا تن من دھن حدیث کی تشریح وتدریس اور ترویج واشاعت پر صرف کر دیا۔ پھر حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (متوفی 1176ھ) اور ان کے قابل فخر خانوادے نے اس سلسلے کو مزید آگے بڑھایا اور ہندوستان کو حدیث کی خوشبوؤں سے ایسا معطر کر دیا کہ عرب ممالک سے طالبین حدیث اپنی پیاس بجھانے کیلئے یہاں کارخ کرنے لگے۔ علمائے ربانیین نے حدیث و سنت کے سائے میں شرک و بدعات کی وہ بیخ کنی کی کہ دور صحابہ کی یاد تازہ ہوئی۔ یہ انہی کوششوں، کاوشوں اور مخلصانہ جدوجہد کا ثمرہ تھا کہ ہندوستان میں جب ملا نظام الدین سہالوی (1161ھ۔ ھ) نے درس نظامی کا نصاب مرتب کیا تو صحاح ستہ سمیت تمام کتب احادیث کو1088 اس میں کلیدی حیثیت دی۔ یہ سلسلہ تاہنوز جاری ہے اور انشاء اللہ جاری و ساری رہے گا۔
افغانستان میں حدیث و سنت کی ترویج واشاعت کا سہرا شیخ علی بن سلطان محمد الہروی المعروف ملا علی قاری (متوفی 1014ھ) کے اور عراق میں صاحب روح المعانی شیخ محمود آلوسی (متوفی 1270ھ) اور ان کے پوتے محمود شکری آلوسی

متوفی 1342ھ) کے سر ہے۔ ان حضرات کے دورس حدیث نے نہ صرف یہ کہ علمائے عراق پر مبارک اثرات ڈالے بلکہ شام میں علامہ جمال الدین قاسمی (متوفی 1283ھ) اور اساتذہ جامعہ ازہر میں شیخ محمود خطاب سبکی کا علماء کے درمیان مروجہ بدعات کے شیوع میں اصلاح کی شمع فروزاں کرنا بھی اسی کا نتیجہ ہے۔ شیخ محمود خطاب کی جمعیت الشرعیہ لتعاون العالمین بالکتاب والسنتہ (1330ھ) کا شرک و بدعات کے مٹانے اور سنت کو رواج دینے میں مثالی کردار رہا۔

یہی کردار ہندوستان میں علمائے فرنگی محل نے مولانا محمد عبدالحئ فرنگی محلّی (متوفی 1304ھ) کی قیادت میں ادا کیا۔

یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں

اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات میں افضیلت کا شرف انسان کو بخشا ہے اور یہ محض اس پاک ذات کا ہم پر احسان عظیم اور عنایت خاصہ ہے، رب لم یزل نے حضرت انسان کو اشرف المخلوقات کا لقب دینے کے بعد یوں ہی کھلا، بے مہار نہیں چھوڑا بلکہ چند اوامر اور نواہی بھی لازم کر دیئے، اس لقب کے ہم صحیح معنوں میں مستحق اسی وقت ہو سکتے ہیں جب اس کے بھیجے ہوئے رسول کی تصدیق مع اطاعت کریں۔ اس پاک ذات نے ہمیں مسلماں کے نام سے موسوم کرکے وہ مہتم بالشان اور قیمتی چیز دی ہے جو زمین پر خدائی کے دعویدار اور خود کو ''معبودالناس'' اور ''انا ربکم الاعلیٰ'' کہلوانے والوں کو نہ دی۔

عرب کے تاریک، علاقی اور قبائلی تعصب کے شکار خطہ ارض پر جس ہستی نے اپنا سکون ڈبو کر، اپنا خون بہا کر اس خطہ ارض کی تاریکی کو روشنی میں اور علاقائی و قبائلی تعصب کو بھائی چارے اور اخلاق حسنہ میں تبدیل کر دیا، اسی پر موقوف نہیں بلکہ تا قیامت کیلئے طرز انسانیت کی تشکیل بھی کی جو کہ دائمی مثال ہے اور وہ عظیم ہستی محمد عرب سید الکونین کی ہستی تھی۔ آپ نے اپنے قول اور فعل میں ایسی مطابقت پیدا کی جس کی تعریف اللہ تعالیٰ نے قرآن

(مجید میں یوں فرمائی ہے۔لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (الآیۃ

ترجمہ۔ تحقیق تمھارے لیے اللہ کے رسول کی زندگی میں بہترین نمونہ (عمل) ہے۔

افسوس، صدافسوس ! آج کے مسلمان نے اپنے محسن کو اور انکی تعلیمات کو جلد ہی بھلا دیا، آپ کو پتھر مارے گئے سرتاپا خون میں لت پت ہوئے، آپ کے راستے میں کانٹے بچھائے گئے، کوڑا کرکٹ ڈالا گیا، جانوروں کی اوجھڑیاں ڈالی گئیں، شعب ابی طالب میں تین سال قطع تعلّق کا شکار کسمپرسی کی حالت میں محصور رہے، دندان مبارک شہید ہوئے، چہرہ انور واطہر پر زخم آئے، اپنا وطن چھوڑا، رشتہ دار چھوڑے، آخر کس کیلیئے ؟... فقط اس دین کیلیئے جس کا جنازہ آج ہمارے ہاتھوں نکل رہاہے۔ ہم صبح سے شام تک سیکڑوں ایسے کام کرتے ہیں جن سے دین اسلام نے منع کیا ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ ہمارے دلوں میں دین اسلام کی قدرو منزلت باقی نہیں رہی۔

ایسی تکالیف جو پہاڑوں کو لرزادیں، آمنہ کے لال، عبداللہ کے دریتیم، عبدالمطلب کے لاڈلے پوتے نے اپنے نرم ونازک رشک شمس وقمر بدن پر سہیں مقام تدبر ہے کہ وہ عظیم، اعلیٰ، ارفع، اتقی اور اجمل ہستی جس ہستی کے جسم اطہر پر کانٹے کا چبھنا بھی ذات عرش بریں کو پسند نہیں، مگر دین کیلیئے اتنی اور ایسی ایسی تکالیف آپ نے برداشت کیں ،کہ جنہیں فرشتے بھی نہ دیکھ سکے

آنکھیں اشکبار ہوئیں اور طائف سے آپکی واپسی پر نافرمانوں کو عذاب شدید دینے کے لئے اجازت چاہی مگر آمنہ کا لال ہمت، صبر، استقامت اور استقلال کا پہاڑ بن کر سب کچھ سہتا رہا اور اپنے رب کی رضا پر ہر دم راضی رہا۔
ذرا سوچئے تو صحیح، کیا صلہ دیا انکی قربانیوں کا آج کے مسلمانوں نے... کیا ہی زبردست ان سے محبت کا ثبوت دیا... چاہئے تو یہ تھا کہ ایسے محسن کی ہر ہر ادا کو اپنی زندگی کا جزو لازم بنا لیتے مگر ہم نے تو انکی طرز زندگی کو اپنے روز و شب میں لانے کی تکلیف تک گوارہ نہ کی۔
ھائے ! اے مسلمانوں ! تمھیں آمنہ کے لال، اللہ کے محبوب، ساقی محشر، شافع روز جزا کا طور طریقہ پسند نہ آیا، بلکہ انکے سادہ طرز زندگی کو جدید دور کی بڑھتی ہوئی ترقی میں رکاوٹ گمان کیا (نعوذ باللہ) اس پر مستزاد اور جرم در جرم یہ کہ پسند کیا بھی تو کس کے اطوار اور طرائق کو۔ انگریز کے اطوار و طرائق کو۔
تم کو انکی بنیان جو کہ کثرت استعمال سے کھل گئ ہو بطور بیگی پسند... انکی پینٹ جو کہ انکی قلت ثوب کا منہ بولتا ثبوت اور بے حیائی کا پرچار ہے وہ پسند، حال تو یہ اور دعوے آپ کی محبت کے، آرزوئیں اور امیدیں روز محشر آپ

کی شفاعت کی۔ اسکی سنتوں کا جنازہ صبح وشام کے کھانے کی طرح معمول بن چکا ہے۔ ﷺ
وہ سنت جسکی قیمت زمین وآسمان نہ بن سکیں تم اسکو اتنی حقیر سمجھتے ہو کہ دو روپے کے بلیڈ سے صاف کرکے گٹر میں بہادیتے ہو... سنت کی تمہارے ہاں یہی قدرو منزلت ہے کہ سنت کہہ داڑھی کو ترک کردیتے ہو!! جبکہ محمد عربی تو کسی غیر مسلم کے چہرے کو بھی داڑھی کے بغیر دیکھنا تک پسند نہ فرماتے (ایک مرتبہ حضور اکرم کے پاس کسی غیر مسلم بادشاہ کے دو قاصد آئے جنکی داڑھیاں نہ تھیں تو آپ نے ان سے منہ پھیر لیا تھا) جب حضور اکرم غیر مسلم کو بدون داڑھی دیکھنا پسند نہیں کرتے اور ان سے منہ پھیر لیا کرتے تھے تو اگر روز قیامت ساقی محشر نے حوض کوثر بغیر داڑھی والے نام نہاد مسلمان حضرات سے منہ موڑ لیا تو کس کی مجال کہ اللہ تعالٰی کے دربار میں ان حضرات کی سفارش کردے۔

اے دور جدید میں اغیار کے طریقوں کو ترقی کی معراج سمجھنے والے ترقی وتجدد کے متوالے مسلماں! مُڑ کر تو دیکھ۔ کہیں تیری بے حسی، تیری غفلت تیری آخرت کو خراب نہ کرڈالے اور تو اس دن اشکبار نہ رہ جائے جس دن رب کائنات تجھ سے تیرے ہر چھوٹے بڑے عمل کا حساب لیں گے اور تو اپنی سیاہ کاریوں کو اس ذات سے ذرہ بھر بھی چھپا نہ سکے گا۔ قبر میں تین سوالات ہونگے، ان میں سے ایک سوال آپ کی تصویر دکھا کر شخصیت کی معرفت کے متعلق ہوگا اور وہی شخص آپ

کو پہچان پائے گا جس نے اپنی دنیاوی زندگی میں اپنی خواہشات کو محمد عربی ﷺ کے طرز و طریق حیات کی اک اک ادا پر فدا کیا ہو گا۔

(نبی کریم نے ارشاد فرمایا: لایؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعاً لماجئت بہ (الحدیث

ترجمہ: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن (کامل) نہیں ہو سکتا جب تک اسکے دل کی تمام خواہشات میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہو جائیں۔

مقام افسوس ہے کہ آج کے مسلمانوں نے عملاً شریعت محمدی کا گویا انکار کر دیا ہے آپ کی سنتوں کی پیروی کو چھوڑ کر من چاہی کرنے کو اپنا وطیرہ بنالیا ہے، اسلام نے پردے کا حکم دیا ہے مگر اکثریت عریانی اور بے پردگی کو ترقی سمجھتی ہے... اسلام نے سود کو حرام قرار دیا مگر آج کے مسلمان اس کو معیشت کی خوشحالی کی سیڑھی کہتے ہیں... اسلام نے ناچ گانے سے منع کیا ہے مگر آج اسلامی معاشرے کی نئی نسل موسیقی کی غذا سمجھتی ہے، حضور اکرم کے ارشاد مبارک کا مفہوم ہے کہ ''ناچ گانے اور اسکے ساز و سامان کو ختم کرنے کیلئے آیا ہوں، ایک طرف تو حضور اکرم کا یہ فرمان اور دوسری طرف مسلمان دھڑ دھڑ ناچ گانے کے آلات خرید کر اپنے گھروں کی زینت بنا رہے ہیں۔

مسلمانوں ہوش کرو! ایک طرف محبت کے دعوے اور دوسری طرف محبوب کے مقصد بعثت و نبوت کی اس قدر صریح مخالفت!! یہ تو دوگلی پالیسی ہے۔

میرے معزز مسلمان بھائیوں ! اگر محمد عربی کی محبت کے دعویدار ہو، آپ سے عشق کا دم بھرتے ہو، روز محشر اس کی شفاعت چاہتے ہو تو ابوبکر صدیق جیسا عاشق بن کر دکھا دو، حضرت عمر فاروق کی طرح دین کو عملاً نافذ کرکے دکھا دو، حضرت عثمان ذوالنورین جیسا معاون بن کر دکھا دو، حضرت علی جیسا پاسبان ملت بن کر دکھا دو، تم ان کی مثل پیش نہیں کر سکتے اور یقیناً نہیں کر سکتے۔ تو چلو نقل ہی کرکے دکھا دو۔

یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ آج مسلمان دین پر عمل پیرا نہ ہونے کی وجہ سے ہر جگہ ذلیل وخوار ہیں۔ ہم نے آپ کی لائی ہوئی اسلامی تعلیمات کو بالائے طاق رکھ دیا ہے اور دین پر چلنا ہمارے لیے بوجھ محسوس ہوتا ہے۔ اقبال نے کیا خوب کہا ہے

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
ہم ذلیل وخوار ہوئے تارک قرآن ہو کر

یہی وجہ ہے کہ آج ہماری حیثیت اقوام کفر کے آگے جوتی جتنی بھی نہیں رہی، اگر اس تنزل اور قعر مذلت سے نکلنا ہے تو نسخہ واضح ہے کہ مسلمانوں ! اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور دین اسلام پر عمل کو اپنی زندگی کا لازمی حصہ

بنالو، کوئی وجہ نہیں کہ دوبارہ ہمیں اسلاف والی شان وشوکت، عزت ورفعت، سطوت وحکومت اور اختیار واقتدار حاصل نہ ہو۔

انداز بیاں گرچہ مرا شوخ نہیں ہے
شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے مری بات

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۔ سیرت و کردار

ابو بکر، عمر، عثمان و علی کو ہم اپنی جان کا سلام لکھیں گے
کتاب دل کے ہر ورق پر ہم اپنے حسن، حسین کی شان لکھیں گے
اگر ہمیں آسمان کی حکومت مل جائے تو
ہر ستارے پر کاتب وحی امی معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام لکھیں گے

کاتب وحی، صحابی رسول، خلیفۃالمسلمین جرنیل اسلام، فاتح عرب وعجم، امام تدبیر وسیاست، محسن اسلام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ خوش نصیب انسان ہیں جن کو جلیل القدر صحابی ہونے کے ساتھ کاتب وحی اور پہلے اسلامی بحری بیڑے کے امیر ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے کئی دفعہ دعائیں اور بشارتیں نکلیں، آپ رضی تعالیٰ عنہ کی بہن حضرت سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ اور ام المومنین ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ آپ نے 19 سال تک 64 لاکھ مربع میل یعنی آدھی دنیا پر حکومت کی، تاریخ اسلام کے روشن اوراق آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کردار وکارناموں اور فضائل

ومناقب سے بھرے پڑے ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مل جاتا ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رضی تعالیٰ عنہ سروقد، لحیم و شحیم، رنگ گورا، چہرہ کتابی، آنکھیں موٹی گھنی داڑھی، وضع قطع، چال ڈھال میں بظاہر شان و شوکت اور تمکنت مگر مزاج اور طبیعت میں زہد و تواضع، فروتنی، حلم،بردباری اور چہرہ سے ذہانت اور فطانت مترشح تھی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اپنے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں مبارکبادی اور (مرحبا۔۔۔۔۔'' فرمایا'' (البدایہ والنہایہ''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سابقہ ' حالات زندگی اور ان کی صلاحیت و قابلیت سے آگاہ تھے اس لئے انہیں خاص قرب سے نوازا۔ فتح مکہ کے بعد آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہی رہے اور تمام غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت و معیت میں بھرپور حصہ لیا۔

قرآن مجید کی حفاظت میں ایک اہم سبب ''کتابت وحی'' ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جلیل القدر صحابہ رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین پر مشتمل ایک جماعت مقرر کر رکھی تھی جو کہ '' کاتب وحی '' تھے ان میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کا چھٹا نمبر تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کو کاتب وحی بنایا تھا۔۔۔ اورآپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی کو کاتب وحی بناتے تھے جو ذی عدالت اور امانت دار ہوتا تھا

(ازالتہ الخفا از شاہ ولی اللہ)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ وہ خوش قسمت انسان ہیں جن کو کتابت وحی کے ساتھ ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطوط تحریر کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتے یہاں تک کہ سفر و خضر میں بھی خدمت کا موقع تلاش کرتے۔

چنانچہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہیں تشریف لے گئے تو سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ پیچھے پیچھے گئے۔ راستہ میں حضور صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وضو کی حاجت ہوئی پیچھے مڑے تو دیکھا، معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پانی لئے کھڑے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑے متاثر ہوئے چنانچہ وضو کیلئے بیٹھے تو فرمانے لگے '' معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تم حکمران بنو تو نیک لوگوں کے ساتھ نیکی کرنا اور برے لوگوں کے ساتھ درگزر کرنا''۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اسی وقت مجھے امید ہو گئی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشن گوئی صادق آئے گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی خدمت اور بے لوث محبت سے اتنا خوش تھے کہ بعض اہم خدمات آپ کے سپرد فرمادی تھیں ۔ علامہ اکبر نجیب آبادی'' تاریخ اسلام'' میں رقمطراز ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے باہر سے آئے ہوئے مہمانوں کی خاطر مدرات اور ان کے قیام وطعام کا انتظام واہتمام بھی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کر دیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد خلیفہ اول سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں آپ نے مانعین زکوۃ، منکرین ختم نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جھوٹے مدعیان نبوت اور مرتدین کے فتنوں کے خلاف بھرپور حصہ لیا اور کئی کارنامے سرانجام دیئے ۔

عرب نقاد رضوی لکھتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی کا

خون بہانا پسند نہیں کرتے تھے مگر آپ اسلامی ہدایات کے مطابق مرتدین کے قتل و قتال میں کسی کے پیچھے نہ ہوتے، ایک روایت کے مطابق مسلیمہ کذاب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وار سے جہنم رسید ہوا۔

خلیفہ دوم سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں جو فتوحات ہوئیں اس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نمایاں حصہ اور کردار ہے جنگ یرموک میں آپ بڑی بہادری اور دلیری کے ساتھ لڑے اس جنگ میں غرضیکہ، آپ کا پورا خاندان جنگ میں حصہ لے رہا تھا۔

خلیفہ سوم سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جہاد و فتوحات میں مصروف رہے اور آپ نے رومیوں کو شکست فاش دیتے ہوئے طرابلس، الشام، عموریہ، شمشاط، ملطیہ، انطاکیہ، طرطوس، ارواڑ، روڈس اور صقلیہ کو حدود نصرانیت سے نکال کر اسلامیر سلطنت میں داخل کر دیئے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان علاقوں کی فتوحات کے بعد اب یہ چاہتے تھے کہ اسلام ایک آفاقی اور عالمگیر مذہب ہے اس کو اب سمندر پار یورپ میں داخل ہونا چاہئے ''فتح قبرص'' کی خواہش آپ کے دل میں مچل رہی تھی یورپ وافریقہ پر حملہ اور فتح کیلئے بحری بیڑے کی اشد ضرورت تھی۔

بحر روم میں رومی حکومت کا ایک بہت بڑا بحری مرکز تھا جو کہ شام کے ساحل کے قریب ہونے کے باعث شام کے مسلمانوں کیلئے بہت بڑا خطرہ تھا اسے فتح کیے بغیر شام ومصر کی حفاظت ممکن نہ تھی اس کے علاوہ سرحدی رومی اکثر مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ کرتے ہوئے مسلمانوں کو تنگ کرتے رہتے تھے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے بحری بیڑے کو تیار کرنے کی اجازت ملنے کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑے جوش خروش کے ساتھ بحری بیڑے کی تیاری شروع کردی اور اپنی اس بحری مہم کا اعلان کردیا جس کے جواب میں جزبہ جہاد سے سرشار مجاہدین اسلام شام کا رخ کرنے لگے۔

28ہجری میں آپ پوری شان وشوکت تیاری وطاقت اور اسلامی تاریخ کے پہلے بحری بیڑے کے ساتھ بحر روم میں اترے لیکن وہاں کے باشندوں نے مسلمانوں کے ساتھ صلح کرلی لیکن بعد میں مسلمانوں کو تنگ کرنے اور بدعہدی کرنے پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پوری بحری طاقت اور عظیم الشان بحری بیڑے کے ساتھ جس میں تقریباً پانچ سو کے قریب بحری جہاز شامل تھے قبرص کی طرف روانہ ہوئے اور بڑی بہادری سے لڑتے ہوئے قبرص کو فتح کرلیا۔

اس لشکر کے امیر و قائد خود امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے آپ کی قیادت میں اس پہلی بحری لڑائی اور فتح قبرص کیلئے بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جن میں حضرت ابو ایوب انصاری ، حضرت ابوذر غفاری، حضرت ابودردا، حضرت عبادہ بن صامت اور حضرت شداد بن اوس، سمیت دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین شریک ہوئے۔

اس لڑائی میں رومیوں نے بڑے جوش وخروش سے حصہ لیا، تجربہ کار رومی فوجوں اور بحری لڑائی کے ماہر ہونے کے باوجود اس لڑائی میں رومیوں کو بدترین شکست ہوئی اور مسلمانوں کو تاریخی فتح حاصل ہوئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیث میں دو اسلامی لشکروں کے بارے میں مغفرت اور جنت کی بشارت وخوشخبری فرمائی ان میں سے ایک وہ لشکر جو سب سے پہلے اسلامی بحری جنگ لڑے گا اور دوسرا وہ لشکر جو قیصر کے شہر میں جنگ کریگا۔

پہلی بشارت سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں پوری ہوئی جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب سے پہلی بحری لڑائی لڑتے ہوئے قبرص کو فتح کر کے رومیوں کو زبردست شکست

دی تھی اور دوسری بشارت سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ رضی اللہ تعالی عنہ کے دور حکومت میں اس وقت پوری ہوئی جب لشکر اسلام نے قیصر کے شہر قسطنطنیہ پر حملہ کرکے اس کو فتح کیا۔اس جنگ میں حصہ لینے کیلئے شوق شہادت اور جذبہ جہاد سے سرشار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین وتابعین دنیا کے گوشہ سے دمشق پہنچے، ان میں حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت بن عمر، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت سیدنا حسین بن علی، اور میزبان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدنا حضرت ابوایوب انصاری رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین، اور دیگر مدینہ منورہ سے تشریف لاکر اس لشکر میں شریک ہوئے جس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنت کی بشارت وخوشخبری فرمائی تھی۔

ھ میں آپ رضی اللہ عنہ نے قسطنطنیہ کے قریبی علاقوں میں جہاد جاری رکھا۔ 3235

ھ میں آپ رضی اللہ

عنہ کی قیادت میں غزوہ ذی خشب پیش آیا۔ 42ھ میں غزوہ بحستان پیش آیا اورآپ رضی اللہ عنہ ہی کے دور خلافت میں سندھ کا کچھ حصہ بھی مسلمانوں کے زیر نگیں آیا۔

ھ میں کابل فتح ہوااور مسلمان ہندوستان میں قدابیل کے مقام تک پہنچ گئے۔ 43ھ42 میں ملک سوڈان فتح ہوااور بحستان کا مزید علاقہ مسلمانوں کے قبضے میں آیا۔ 45ھ میں افریقہ پر لشکر کشی کی گئی اور ایک بڑا حصہ مسلمانوں کے

زیر نگیں آیا۔ 46ھ میں صقلیہ (سسلی) پر پہلی بار حملہ کیا گیا اور کثیر تعداد میں مال غنیمت مسلمانوں کے قبضے میں آیا۔ 47ھ میں افریقہ کے مزید علاقوں میں جہاد جاری رکھا۔ 49ھ میں آپ رضی اللہ عنہ نے قسطنطنیہ کی طرف زبردست اسلامی لشکر روانہ فرمایا، جو مسلمانوں کا قسطنطنیہ پر پہلا حملہ تھا۔ 50ھ میں قبستان جنگ کے بعد قبضہ میں آیا۔ 54ھ میں آپ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مسلمان دریائے جیحون کو عبور کرتے ہوئے بخارا تک جا پہنچے۔ 56ھ میں غزوہ سمرقند پیش آیا۔ سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے رومیوں کے خلاف سولہ جنگیں لڑی حتی کہ آخری وصیت بھی یہی تھی کہ روم کا گلا گھونٹ دو۔ خلاصہ یہ کہ حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ ایک عظیم جرنیل، سپہ سالار اور میدان حرب کے نڈر شہسوار تھے، یہی وجہ ہے کہ سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کا دور حکومت فتوحات اور غلبہ اسلام کے حوالہ سے شاندار دور حکومت ہے ایک طرف بحر اوقیانوس اور اور دوسری طرف سندھ اور افغانستان تک میں اسلام کی فتح کے جھنڈے گاڑ دیئے۔

اس کے ساتھ ساتھ سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ نے خلفائے راشدین کے ترقیاتی کاموں کو جاری رکھتے ہوئے اس مندرجہ ذیل نئے امور کی داغ بیل ڈال کر اس کو فروغ دیا۔

1۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ رضی اللہ تعالی عنہ نے سب سے

پہلا اقامتی ہسپتال دمشق میں قائم کیا۔

2۔ سب سے پہلے اسلامی بحریہ قائم کیا، جہاز سازی کے کارخانے بنائے اور دنیا کی زبردست رومن بحریہ کو شکست دی۔

3۔ آبپاشی اور آبنوشی کیلیئے دور اسلامیہ میں پہلی نہر کھدوائی۔

4۔ ڈاکخانہ کی تنظیم نو کی اور ڈاک کا جدید اور مضبوط نظام قائم کیا۔

5۔ احکام پر مہر لگانے اور حکم کی نقل دفتر میں محفوظ رکھنے کا طریقہ ایجاد کیا۔

6۔ آپ سے پہلے خانہ کعبہ پر غلافوں کے اوپر ہی غلاف چڑھائے جاتے تھے آپ نے پرانے غلافوں کو اتار کر نیا غلاف چڑھانے کا حکم دیا۔

7۔ خط دیوانی ایجاد کیا اور قوم کو الفاظ کی صورت میں لکھنے کا طریقہ پیدا کیا۔

8۔ انتظامیہ کو بلند تر بنایا اور انتظامیرہ کو عدلیہ میں مداخلت سے روک دیا۔

9۔ آپ نے دین اخلاق اور قانون کی طرح طب اور علم الجراحت کی تعلیم کا انتظام بھی کیا۔

10۔ آپ نے بیت المال سے تجارتی قرضے بغیر اشتراک نفع یا سود کے جاری کرکے تجارت وصنعت کو فروغ دیا اور بین الاقوامی معاہدے کئے۔

11۔ سرحدوں کی حفاظت کیلیئے قدیم قلعوں کی مرمت کرکے اور چند نئے قلعے

تعمیر کرا کر اس میں مستقل فوجیں متعین کیں۔

۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے دور میں ہی سب سے پہلے منجنیق کا 12 استعمال کیا گیا۔

۔بڑے بڑے اخلاقی مجرموں کے لئے خصوصی پولیس (سی۔آئی۔اے سٹاف) کی 13 بنیاد۔

۔دس بڑی بڑی سلطنتوں کے 5400علاقوں پر اسلامی پرچم لہرایا گیا۔ 14

۔دنیا کا سب سے بڑا شہر قیساریہ جس کے 300 بازار تھے اور جس کی حفاظتی 15 پولیس کی تعداد ایک لاکھ تھی، اس پر اسلامی حکومت قائم کی گئی۔

۔احادیث جمع کرنے اور دینی شعائر کے تحفظ کیلئے باقدہ محکمہ کا اجرا 16

۔شکایات سیل کا قیام 17

۔سرمائی اور گرمائی افواج کی تشکیل 18

۔ حفاظتی قلعوں کی تعمیر 19

۔پارلیمنٹ کا قیام 20

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی 163 احادیث مروی ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے آئینہ اخلاق میں اخلاص علم وفضل، فقہ واجتہاد، تقریر وخطابت، غریب پروری، خدمت خلق، مہمان نوازی، ، مخالفین کے ساتھ حسن سلوک، فیاضی وسخاوت، اور خوف الٰہی کا عکس نمایاں نظر آتا ہے۔

22 رجب المرجب 60ھ میں کاتب وحی، جلیل القدر صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فاتح شام وقبرص اور 19 سال تک 64 لاکھ مربع میل پر حکمرانی کرنے والے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ 78 سال کی عمر میں وفات پاگئے۔ حضرت ضحاک بن قیس رضی اللہ تعالی عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور دمشق کے باب الصغیر میں دفن کئے گئے۔

امیر شام! تیری جاہ ومنزلت کی قسم

تیرے وقار کاڈنکا بجاکے دم لیں گے

:حضرت سیدنا امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما احادیث کی روشنی میں

:رسول اللہ نے فرمایا

اے اللہ! معاویہ کو ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ بنا دیجئے اور اس کے ذریعہ سے (لوگوں کو ہدایت دیجئے۔ (جامع ترمذی

:رسول اللہ نے فرمایا

(اے اللہ! معاویہ کو حساب کتاب سکھا اور اس کو عذاب جہنم سے بچا۔ (کنزالعمال

:رسول اللہ نے فرمایا

معاویہ میرا رازداں ہے، جو اس سے محبت کرے گا وہ نجات پائے گا، جو بغض رکھے گا وہ (ہلاک ہوگا۔ (تطہیر الجنان

:رسول اللہ نے فرمایا
اللہ تعالٰی قیامت کے دن معاویہ کو اٹھائیں گے ، تو ان پر نور ایمان کے چادر ہو گی۔
(تاریخ الاسلام حافظ ذہبی)
:رسول اللہ نے فرمایا
میری امت میں معاویہ سب سے زیادہ بردبار ہیں۔
حضرت سیدنا امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظر میں:
:سیدنا عمر فاروق بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں
جب امت میں تفرقہ اور فتنہ برپا ہو، تو تم لوگ معاویہ رضی اللہ عنہ کی اتباع کرنا اور ان کے پاس شام چلے جانا۔ (تطہیر الجنان)
:حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں
اے لوگوں! تم معاویہ رضی اللہ عنہ کی گورنری اور امارت کو ناپسند مت کرو، کیونکہ اگر تم نے انہیں (معاویہ رضی اللہ عنہ) گم کر دیا تو دیکھو گے کہ سر اپنے شانوں سے اس طرح کٹ کٹ کر گریں گے، جس طرح ہنظل کا پھل اپنے درخت سے ٹوٹ کر گرتا ہے۔ (البدایہ والنہایہ حافظ ابن کثیر)
:حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں
میں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کسی کو سردار نہیں پایا۔

:حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا
میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے بہتر حکومت کیلئے موزوں کسی کو نہیں پایا۔ (تاریخ
(طبری ص215
:حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں
اے لوگوں ! معاویہ کا ذکر بھلائی کے ساتھ کرو، رسول اللہ نے ان کو ہادی اور مہدی
(کے لقب سے نوازا (ترمذی باب فضائل معاویہ
:حضرت سیدنا امیر رمعاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما مشاہیر امت کی نظر میں
:امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں
سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ میں ابتدا نہیں
(کی۔ (المنتقی
: امام مالک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں
جو شخص صحابہ کرام رضی اس عنہم میں سے کو بھی خواہ وہ ابو بکر رضی اللہ عنہ ، عمر رضی
اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ، یا معاویہ رضی اللہ عنہ ، اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ،
انہیں برا کہے، تو اگر یہ کہے کہ وہ گمراہی پر یا کفر پر تھے، و اسے قتل کیا جائیگا اور اگر اس
کے علاوہ عام گالیوں میں سے کوئی گالی دے تو اسے سخت سزا دی جائے گی۔ (شفا قاضی
(عیاض
امام میمونی رحمتہ اللہ علیہ کہتے کہ امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ

:فرماتے ہیں

لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی برائی کرتے ہیں، ہم اللہ سے عافیت کے طلب گار ہیں اور پھر مجھ سے فرمایا کہ جب تم دیکھو کہ کوئی شخص صحابہ رضی اس عنہم کا ذکر برائی کے ساتھ کر رہا ہے، تو اس کے اسلام کو مشکوک سمجھو۔

:ابراہیم بن میسرہ رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں

میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ کو کبھی نہیں دیکھا کہ کسی کو خود مارا ہو، مگر ایک شخص جس نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کی، اس کو (انہوں نے خود کوڑے لگائے۔ (الصارم المسلول

:امام ربیع بن نافع رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اصحاب رسول کے درمیان پردہ ہیں، جو یہ پردہ چاک کرے گا، وہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہ پر لعن طعن کی جرات کر سکے گا۔

:حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں

تم لوگ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے کردار واعمال کو دیکھتے تو بے ساختہ کہہ دیتے یہی (مہدی ہیں۔ (حاشیہ العواصم

:پیران پیر شیخ عبد القادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں

میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے راستے میں بیٹھا رہوں (کہ سامنے ان کی سواری آجائے) اور ان کے گھوڑے کے پیر کی دھول اڑ کر مجھ پر پڑ جائے، تو میں

(سمجھوں گا کہ یہی میری نجات کا وسیلہ ہے۔ (خلاصہ غنیۃ الطالبین

:قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ حضور انور کے صحابی اور برادر نسبتی ہیں، کاتب رسول اور (وحی الٰہی کے امیر ہیں، جو انہیں برا کہے اس پر خدا، رسول اور فرشتوں کی لعنت۔ (الشفا

:حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں

تم لوگ معاویہ رضی اللہ عنہ کی بدگمانی سے بچو کہ وہ ایک جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ ہیں اوزمرہ صحابیت میں بڑی فضیلت والے ہیں۔

(خبردار !ان کی بدگمانی میں پڑ کرگناہ کے مرتکب نہ ہونا۔ (ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفائ

حضرت سیدنا امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما عہد حاضر کے علمائے کرام کی نظر :میں

:فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا شمار ان ظیم المرتبت صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے، جنہوں نے آنحضرت کی خدمت سے منفرد حصہ پایا۔

:حکیم الامت حضرت مولانااشرف علی تھانوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں

بعض لوگ غلط فہمی سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو جلیل القدر صحابہ رضی

اللہ عنہم سے الگ کر دیتے ہیں، ان کی یہ تقسیم سراسر ناانصافی پر مبنی ہے۔

:شیخ حضرت سید نذیر حسین دہلوی فرماتے ہیں

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کفر کی حالت میں بھی کبھی اسلام کے خلاف تلوار نہیں اٹھائی، قبول اسلام کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے اسلام کی بے مثال خدمت کی۔

:مولانا احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں

جو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرے، وہ جہنمی کتوں میں سے ایک کتا ہے، ایسے شخص کے پیچھے نماز حرام ہے۔(احکام شریعت)

:مولانا احمد علی رضوی بدایونی لکھتے ہیں

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے والد ماجد حضرت ابو سفیان اور والدہ ماجدہ حضرت ہندہ رضی اللہ عنہا کی شان میں گستاخی تبرا ہے، اس کا قائل رافضی ہے (بہار شریعت)

خدمتِ خلق۔ایک عبادت

خدمت خلق ایک جامع تصور ہے۔اس کی گہرائی میں جانے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لفظ ایک وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ خلق کے اندر روئے زمین پر رہنے والے ہر جاندار کا اطلاق ہوتا ہے اور ان سب کی حتی الامکان خدمت کرنا، ان کا خیال رکھنا ہمارا فرض ہے۔ ان کے ساتھ بہتر سلوک و برتا کی ہدایت اللہ رب العزت نے بھی دی ہے اور نبی کریم کی تعلیمات بھی اس سلسلہ میں تاکید کرتی ہیں، دین میں خدمت خلق کے مقام کو سمجھنے سے اس کے وسیع تر مفہوم کو سمجھنا آسان ہو جائے گا۔

قرآن میں جگہ جگہ ایمان لانے والوں کے جن اہم صفات کا ذکر کیا گیا ہے اس میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنا، یتیموں کی دیکھ بھال کرنا، مسکینوں کو کھانا کھلانا بھی شامل ہے ۔اور ان صفات کو نہ اپنانے پر بھڑکتی آگ کی وعید سنائی گئی ہے۔

اللہ کے آخری نبی حضرت محمد نے اپنی پوری زندگی دوسروں کی خدمت میں گزاری ،آپ کی دعوت میں مخلوقات کی خدمت پر بہت زور ملتا ہے۔قربان جایئے اس نبی کی ذات پر جس نے عالم انسانیت کی خدمت میں اپنی ساری زندگی گزار دی اور

ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ ان کی ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔جب آپ نے پہلی اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی اس وقت اپنے پہلے خطبے میں ارشاد فرمایا: افشوا السلام، واطعموا الطعام وصلوا الارحام وصلوا والناس نیام ،تدخلوا الجنۃ بسلام۔

سلام کو عام کرو، کھانا کھلا ،صلہ رحمی کرو، راتوں کو قیام کرو، اپنے اس رویے کے نتیجے میں سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاگے ، یہ بھی خدمت خلق کی ایک صورت ہے۔ گویا جنت میں داخل ہونے کے لیے ضروری ہے کہ انسانوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے ،ضرورت مندوں کی ضرورتوں کو پورا کیا جائے۔ ایک موقع پر اللہ کے رسول نے فرمایا: من لایرحم لایرحم (بخاری ،کتاب الادب) جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا ہے ۔اس ارشاد میں نہایت متاثر انداز میں مخلوق پر رحم کرنے اور انسانوں کے ساتھ رحمت و شفقت کا برتا کرنے کی ترغیب دی گئی ہے ۔یہ اسلام کی رحمت عام ہے جس کی تعلیم رحمتہ للعالمین نے دی ہے ،انسان انسان ہونے کی حیثیت سے ہمدردی کا مستحق ہے، خواہ اس کا تعلق کسی قوم اور مذہب سے ہو، خدا کی رحمت کے مستحق وہی لوگ ہیں جو اس کی مخلوق کے حق میں مہربان ہوتے ہیں ۔لیکن جن کا برتاؤ مخلوق کے ساتھ ظالمانہ ہوتا ہے وہ یہ ثابت کر دکھاتے ہیں کہ وہ اللہ کی رحمت کے مستحق نہیں ہیں۔ لہٰذا جو لوگ انسانیت کے رشتے کو کاٹیں گے اللہ تعالی ان سے اپنی رحمت

کے رشتہ کو کاٹے گا۔

خدمت خلق مطلوب بھی ہے اور مقصود بھی ہے۔: دین کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو جہنم سے بچایا جائے۔ اگر کسی کا گھر جل رہا ہو اور اس کو بچایا جائے تو یہ خدمت خلق ہے، اور اگر موت کے بعد وہ آگ میں گرنے والا ہو اور اس کو بچایا جائے تو کیا یہ خدمت خلق نہیں ہے ؟یقینایہ بھی خدمت خلق ہے۔ گویا مومن کی پوری زندگی چاہے وہ دعوتی نوعیت کی ہو، امدادی نوعیت کی ہو، خیر خواہانہ ہو سب کچھ اس خدمت کے زمرے میں آتا ہے۔ لیکن اس وقت امت کا سواد اعظم صرف مالی تعاون کو خدمت خلق سمجھتا ہے۔اس کو یہ نہیں معلوم کہ مالی تعاون ضروری تو ہے لیکن اگر ہم اس کے ساتھ انسانوں کی ابدی کامیابی میں تعاون نہ کریں ،ان کو آگ میں جلنے سے نہ روکیں تو ہم سے اس کے بارے میں بھی پوچھا جائے گا، دریافت کیا جائے گا۔

ان آیات واحادیث سے معلوم ہوا کہ دین میں خدمت خلق کا کتنا جامع تصور موجود ہے۔اس کی عکاسی انسان کی پوری زندگی، سوچ ،ذہن،دل ودماغ سے ہونی چاہیئے۔اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی ایک شعبہ قائم کرلے اور مطمئن ہو جائے کہ اس نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ہر صاحب ایمان کو دل کی گہرائیوں سے اپنا جائزہ لینا چاہئے کہ کیا وہ ان خدمات کو انجام دے رہاہے۔

خدمت خلق کے لئے ضروری نہیں ہے کہ آپ کے پاس پیسہ ہو، بلکہ اس کے بغیر بھی آدمی پوری زندگی مخلوقات کی خدمت کر سکتا ہے۔خدمت خلق یہ بھی ہے کہ آپ کی ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ایک آدمی مال سے خالی ہاتھ تو ہو سکتا ہے لیکن وہ دل سے دوسروں کا خیال رکھ سکتا ہے یہ بھی بہت بڑی خدمت ہے۔آپ کی زبان سے دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے، جب بھی بولیں بھلی بات بولیں، دوسروں کا برا نہ سوچیں، ہاتھ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچائیں، لوگوں سے مسکرا کر ملیں یہ سب انسانوں کی خدمت میں شامل ہے۔اللہ کے رسول نے فرمایا: المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ مسلم وہ ہے جس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

انسان کے لئے دوسروں پر اپنا مال خرچ کرنا بہت مشکل کام ہوتا ہے کیونکہ اس سے اس کو شدید محبت ہوتی ہے، لیکن اگر انسان کو خدا پر پختہ یقین ہو تو وہ کبھی بھی خدا کی محبت پر مال کو ترجیح نہ دے گا، ایسی صورت میں اس کو اپنے رب کا وعدہ ہمیشہ یاد رہے گا میرے راستے میں خرچ کرو میں اسے دو چند کرکے دوں گا۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو خطاب کرتے ہوئے کیا ہی پیارا جملہ ارشاد فرمایا تھا: اپنا مال خداوند کے پاس رکھو، کیونکہ انسان کا دل وہیں ہوتا ہے جہاں اس کا مال ہوتا ہے۔

مال کو جمع کر کے رکھنے سے منع کیا گیا ہے اور مال جمع کر رکھنے والوں کے لئے تباہی وبر بادی کا ذکر کیا گیا ہے۔یہ انسانی ہمدردی کا بھی تقاضہ ہے کہ اپنے جیسے بے سہارا انسانوں پر اپنا مال خرچ کیا جائے۔اس کے لئے ضروری نہیں کہ آدمی بہت مالدار ہو ۔تھوڑا مال ہو تب بھی اس طرح کی خدمت انجام دی جا سکتی ہے۔کیوں کہ اللہ ہر ایک کی استطاعت سے بخوبی واقف ہے۔ وہ دلوں کے راز جانتا ہے۔اور اللہ کے نزدیک نیتوں ہی پر نیکیاں ہیں ۔ایک حدیث میں ہے ان اللہ لاینظرالی صورکم واموالکم ولکن ینظرالی قلوبکم واعمالکم اللہ تمہاری صورتوں اور تمہارے مال کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے اعمال اور دلوں کو دیکھتا ہے۔

خدمت خلق کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ انسان اپنی صلاحیت ،طاقت وقوت راہ خدا میں لگائے ،اس کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں اور حالات کے لحاظ سے وہ بدلتی بھی رہتی ہیں ۔نبی نے فرمایا :اگر اندھے کو راستہ نہیں ملتا، تم نے اسے راستہ بتا دیا تو یہ بھی خدمت ہے۔راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا بھی صدقہ ہے۔اس طرح کے بے شمار مواقع قدم قدم پر آتے رہتے ہیں ضرورت بس دل کی رضامندی کی ہے، نیت کی درستگی کی ہے ،اور اللہ پر پختہ ایمان کی ہے۔

قرآن کریم میں اجتماعی کاموں کو ترجیح دی گئی ہے۔ نبی کریم نے بھی امت کو مجتمع رہنے کی تاکید کی ہے۔ اکیلے نماز پڑھنے کے مقابلے میں جماعت کی نماز کو درجہ افضل قرار دیا گیا ہے۔ یہ سب باتیں ہمیں بتاتی ہیں کہ اگر خدمت خلق کا فریضہ بھی ایک نظم اور اجتماعیت کے ساتھ ہو تو وہ بھی نہایت اچھے طور سے انجام پائے گا۔ کیونکہ اجتماعی کاموں میں ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ جلد از جلد پورے ہوتے ہیں، سسٹم اور نظم کے تحت ہوتے ہیں۔

نیکی اور خدمت کے بہت سارے کام ہیں، اگر ان کی اہمیت، فضیلت اور اس پر اللہ نے جو اجر رکھا ہے لوگوں کو معلوم ہو جائے تو لوگ دل کھول کر خرچ کریں۔ لیکن یہ سارے کام تبھی درست اور باعث اجر وثواب ہوں گے جب آدمی کی نیت خالص ہو کوئی اور غرض وغایت نہ ہو، کوئی دنیوی مفاد پیش نظر نہ ہو۔ انسان کو اس کے کام کا اجر وثواب صرف اسی صورت میں مل سکتا ہے جب وہ کہے ہم تو تمہیں صرف اللہ کی خاطر کھلا رہے ہیں ہم تم سے کوئی بدلہ چاہتے ہیں نہ کوئی شکریہ، ہمیں تو اپنے رب سے اس دن کے عذاب کا خوف لاحق ہے، جو سخت مصیبت کا انتہائی طویل دن ہوگا۔

اگر ہماری نیت اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ جو کچھ ہم خدمت کرتے ہیں، کھانا کھلاتے ہیں لوگوں کی ضرورتوں کا خیال رکھتے ہیں، کسی کا دل نہیں دکھاتے،

یہ صرف اللہ کی رضا اور آخرت میں نجات کے لئے ہے تو اس پر اجر ہے اور دوسرے فوائد بھی کئی گنا حاصل ہوں گے۔ لیکن نیت یہ نہ ہو تو آپ بیٹھ کر بار بار اس بات کا رونا روتے رہیں کہ ہم نے اتنا کام کیا اس کے باوجود لوگ ہمیں نہیں مانتے، ہماری نہیں سنتے تو یہ سب چیزیں نیت کی خرابی کا نتیجہ ہیں۔ ہمارے ذہن میں ہونا چاہئے کہ یہ سارا کام جو ہم کر رہے ہیں یہ بندوں کے لیے نہیں بلکہ اللہ کے لیے ہے، اللہ کے ہم بندے ہیں اور ہم پر یہ اللہ کا حق ہے۔ ایک لمبی حدیث میں اس کا بہت اچھا نقشہ کھینچا گیا ہے جس میں ہے کہ قیامت کے روز اللہ بندے سے پوچھے گا کہ میں بھوکا تھا، پیاسا تھا، بے لباس تھا تو تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا، پانی نہیں پلایا، کپڑا نہیں پہنایا اور بندہ حیرت سے کہے گا یا اللہ تو تو سب کا پروردگار ہے تو کیسے بھوکا رہ سکتا ہے، تو کیسے پیاسا رہ سکتا ہے تو بے لباس کیسے رہ سکتا ہے اس پر اللہ کہے گا میرا فلاں بندہ بھوکا تھا، پیاسا تھا، بے لباس تھا، اگر تو اسے کھلاتا، پلاتا، کپڑے پہناتا تو آج اس کا اجر یہاں پاتا۔

خدمت خلق کا کام اس قدر اہمیت کا حامل ہے کہ جب ہم اس کام کے ذریعے انسانیت کے لیے اللہ کے نبی کی طرح رحمت بن جائیں گے تو اس وقت ہمارے وہ خواب بھی پورے ہوں گے جو ہم دنیا میں دین کے غلبے اور اس کی اقامت کے لیے دیکھتے ہیں۔ انشا اللہ۔

انسداد خلافت۔عالم کفر کا نکتہ اتحاد

اقوام متحدہ کے منشور کے مطابق پوری دنیا کے انسانوں کو مذہبی آزادی کا حق حاصل ہے، جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ عالم اسلام کو اس بات کا حق ہے کہ وہ اپنے لیے کس قسم کے نظام حکومت کو پسند کرتا ہے، لیکن معروضی حقائق اس کے خلاف ہیں اور عالمی کفریہ طاقتوں نے نہ صرف اسلامی ممالک میں سے اکثر ممالک پر مغربی نظام جمہوریت مسلط کر رکھا ہے، بلکہ اس کی بقا کے لیے بھی ہر انتہا سے آگے چلے جانے کے لیے ہمیشہ آمادہ و تیار ہے اور جہاں اسے جمہوریت کا سکہ چلتا نظر نہیں آتا، وہاں فوجی آمریت کی صورت میں اپنے زر خرید غلاموں کو اپنے مذموم مفادات کی نگہداشت و تکمیل کے لیے لا بٹھاتا ہے، مگر اسلامی نظام خلافت کی تنفید کی کسی صورت میں اجازت نہیں دیتا۔حالاں کہ مسلم ممالک اور ان کے باسیوں کے لیے یہ نظام اس قدر اہمیت کا حامل ہے کہ جب کسی خلیفہ کا انتقال ہو جاتا تھا تو خلیفہ کو اس وقت تک دفن نہیں کیا جاتا تھا جب تک دوسرے خلیفہ کے ہاتھ پر لوگ بیعت نہ کر لیتے۔چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ حضور کے انتقال کے فوراً بعد صحابہ کرام نے سب سے اہم فریضہ خلیفہ کے تقرر کو سمجھا، جب خلیفہ کا انتخاب ہو گیا اور صحابہ کرام نے بیعت کر لی پھر حضور کے جسم مبارک کو دفن کیا گیا۔یہ طریقہ خلفاء اربعہ کے دور (۱۱ھ سے ۴۱ھ) سے لیکر آخری عثمانی خلیفہ تک جاری

رہا۔

خلافت راشدہ کے بعد بعد بنو امیہ کا دور خلافت شروع ہوا جو ۴۱ھ سے ۱۴۲ھ تک رہا ۔اس کے بعد خلافت حضور کے چچا حضرت عباس کے خاندان میں منتقل ہو گئی جو ۱۳۲ھ سے ۶۵۲ھ تک قائم رہی ۔ ۶۵۶ھ میں ہلاکو خان نے بغداد کے عباسی خلیفہ المعتصم باللہ کو شہید کردیا، لیکن اس قتلِ عام سے عباسی شہزادہ ابوالعباس احمد بن علی بچ نکلا اور حلب میں روپوشی کی زندگی گزارنے لگا۔جب سلطان بیبرس ۔۔۔۔۔ جو سلطان صلاح الدین ایوبی کے خاندان سے تھا، جس کے ماتحت مصر شام وغیرہ تھے ۔۔۔۔۔ کو اس بات کا پتہ چلا تو وہ شہزادے کو بڑے اعزاز و اکرام سے مصر لایا اور اس کے ہاتھ پر بیعت کرلی ۔اسکی نسل سے ۲۹۱ سال (۶۶۰ھ سے ۳۲۹ھ تک) مصر میں خلافت قائم رہی۔ بغداد کی تباہی کو ابھی سو سال ہی ہوئے کہ ہلاکو خان کا پوتا ایک جنگل میں اپنی شکار گاہ میں مست سویا ہوا تھا، اس کے خیمہ کے قریب ایک ایرانی صوفی بزرگ ٹھہرے ہوئے تھے، کسے پتہ تھا کہ آج صنم خانے میں سے کعبہ کو نگہبان ملنے والا ہے ۔اس بزرگ نے صبح کی اذان دینی شروع کی جس کی آواز سے اس کی آنکھ کھل گئی، اس نے فوراً حکم دیا کہ جس نے میری نیند خراب کی ہے اسے فوراً پکڑ لاؤ۔ حکم کی تعمیل کی گئی اور خیمے میں بزرگ کو حاضر کیا گیا۔ شہزادے نے پوچھا :

تم کون ہو ؟''

''انھوں نے جواب دیا: ''ایرانی

''شہزادے نے نخوت اور تکبر سے کہا: ''ایرانی تو کتے سے بھی بدتر ہوتے ہیں۔

انہوں نے جواب دیا: ''اگر میرا خاتمہ ایمان پر نہ ہوا تو آپکی بات درست ہے اور اگر میرا خاتمہ ایمان پر ہوا تو میں کتے سے بہتر ہونگا۔

اس نے ایمان کے بارے میں پوچھا تو بزرگ نے اسلام وایمان کی ایسی حقانیت بیان فرمائی کہ ہلاکو خان کا پوتا اس کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوگیا اور کہا :

ہم بھائیوں میں جنگ چل رہی ہے، آپ دعا کریں کہ میں جیت جاؤں۔ اگر میں جیت گیا تو آپکا مذہب قبول کرلوں گا۔

اس ملاقات کے بعد وہ بزرگ واپس چلے گئے، یہاں تک کہ بزرگ کو اس کی فتح کی خبر ملی۔ انکو اس بات کی اطلاع اس وقت ملی جب وہ قریب المرگ تھے۔ اپنے بڑے بیٹے کو وصیت فرمائی کہ شہزادے سے ملاقات کرکے اس کا وعدہ یاد دلانا، اگر شہزادے تک رسائی نہ ہو تو اس کی قیام گاہ کے قریب اذان دے دینا۔ صاحبزادے نے ایسا ہی کیا شہزادے نے اذان سن کران کو بلایا۔ تعارف کے بعد شہزادے نے اپنا وعدہ وفا کرتے، ہوئے اسلام قبول کرلیا۔ اس نیک بخت شہزادے کا نام عثمان رکھا گیا۔ یہ بہت بہادر تھا اس کی بہادری کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس نے اپنا پایہ تخت یورپ اور ایشیا، کے سنگم پر بنایا۔ یہ سمجھ گیا تھا کہ ہمیشہ مسلمانوں پر حملے یورپ سے ہو رہے ہیں، اس لئے انکے سر پر جا بیٹھا

اس کی اولاد نے یورپ اور ایشیا دو طرف سلطنت کو پھیلانا شروع کر دیا۔ یہانتک کہ ۹۲۳ھ بمطابق ۱۵۱۷ھ میں سلطان سلیم خان اول نے مصر اور شام پر قبضہ کیا تو یہاں کے آخری عباسی خلیفہ المتوکل نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اور تمام حقوق خلافت سے دستبرداری کا اعلان کر دیااور ساتھ ہی ساتھ امتیازات خلافت بھی اس کے حوالے کر دیے۔ ان میں سب سے بڑی چیزیں حرمین شریفین کی کنجیاں، حضور کی تلوار، جھنڈا اور چادر تھی۔ یہ سب چیزیں بطور سندِ خلافت ۱۹۲۴ء سے لے کر آج تک استنبول میں موجود ہیں۔ متوکل کے بیعت کرتے ہی اسلطان سلیم خان اول کی حکومت کو خلافت اور ان کو میرالمومنین کے لقب سے پکارا جانے لگا۔ جمعہ اور عیدین کے خطبوں میں ان کا ذکر ہونے لگا۔ خادم حرمین شریفین کا لقب بھی شامل ہوگیا۔ جب مغلیہ حکومت آئی تو اس وقت خلیفہ متوکل عباسی سلطان سلیم کے ہاتھ پر بیعت کرچکا تھا۔ اور خلافتِ اکبر ترکوں کے پاس تھی۔ یہ سلطنت اس قدر مضبوط تھی کہ گویا رحماء بینھم واشداء علی الکفار کی عملی تصویر تھی۔ جس کی وجہ سے صدیوں تک ان کا سینہ اسلام کی راہ میں زخمی ہوا صرف انہی کی لاشیں خاک وخون میں تڑپیں۔ یعنی تمام کرہ ارض کے مسلمانوں نے، اسلام و بلاد اسلام کی حفاظت کا ذمہ ان کو سونپ دیا۔ اسی وجہ سے سلطان کا نائب ہی خطبہ پڑھتااور سلطان کانام اور دعا خطبہ میں پڑھی جاتیں۔ اسی وجہ سے تمام کرہ ارض

کے مسلمانوں کی عزت وزندگی کے بچاؤکے لئے پانچ صدیاں تلوار کے سائے تلے زندگی کاٹتے رہے۔اور چاروں طرف سے دشمن کی زد میں بھی رہے۔ایک چوتھائی صدی بھی ایسی نہ گزری کہ دشمنوں کی تلواروں نے انہیں مہلت دی ہو،انکا جرم صرف یہ تھا کہ جب اسلام کا محافظ دنیا میں کوئی نہ رہا،ساری تلواریں ٹوٹ گئیں،سارے بازو شل ہوگئے تو پانچ صدیاں انہوں نے اسلام کو کیوں بچایا؟انہوں نے مسلمان لڑکیوں کو اہل یورپ کی لونڈیاں کیوں نہ بننے دیا؟انہوں نے اسلام کا خزانہ یورپ اور امریکا کے خزانے میں کیوں نہ جانے دیا؟انہوں نے قحط سالی کے شکار آئر لینڈ کے عیسائیوں کے لئے خوراک سے لدے جہاز کیوں بھجوائے؟یہی وجوہات تھیں کہ انہوں نے ۔۔۔۔صدیاں اپنے ایجنٹوں اور خود محنت کرکے خلافت کو کمزور کیا اور اس کے اندر شریف مکہ اور آلِ سعود جیسے غدارانِ قوم کو پیدا کیا۔

ترک جب یورپ کی طرف بڑھے تو اس کے قلب استنبول کو مسخر کرکے اسکو دارالخلافہ بنا لیا اور وہاں سے آگے بڑھتے گئے، حتی کہ ایک عرصے تک ویٹی کن سٹی جیسے مقدس مقام سے جزیہ وصول کرتے رہے۔ترکوں کے دیگر جرائم کی طرح یہ جرم تو یورپ کبھی معاف نہیں کرسکتا۔ان کے نزدیک مسلمانوں کا ہر فاتح حکمران اچھا تھا جو یورپ کی طرف متوجہ نہ ہو،اس لئے اس خلافت کو شریفِ مکہ اور آلِ سعود جیسے عصبیت اور حسد سے بھرے ہوئے لوگوں کے ذریعے ضربیں لگائیں

۔یہ درخت جسکی عمر پانچ سو سال ہو چکی تھی کب تک اپنی جڑوں میں ضربیں برداشت کرتا، بالآخر ۸۹ سال پہلے ۲۸ رجب بمطابق ۱۹۲۴ء کو گر گیا۔

اس کے گرتے ہی دیکھ لیجئے آج عربوں کے تیل اور دیگر معدنیات کا اصل مالک کون ہے ؟کیا تمام اسلامی ممالک امریکی و یورپی کالونی نہیں بن چکے ؟ہماری خارجہ اور داخلہ پالیسیاں کہاں بن رہی ہیں ؟کیا اس ہمیں قرضوں کا سود ادا کرنے کے لئے ۱۳ارب ڈالر فدیہ قرضہ نہیں لینا پڑا۔یعنی کل تک خلافت قائم تھی تو ہم مالِ غنیمت اور جزیہ وصول کررہے تھے۔آج وہ وصول کر رہے ہیں ۔خلافت کے بعد ہی عراق اور افغانستان میں وہ کچھ ہو رہا ہے جسے دیکھ کر انسانیت بھی شرمندہ ہے۔اسرائیل خلافت کے زوال کے بعد ہی وجود میں آیا۔غزہ کے لئے دیوار اسرائیل اور مصر کب بناتے حالانکہ خلافت تو عیسائی ممالک کو قحط زدہ خیال کرتی ہے ،یہ تجزیہ بتاتا ہے کہ آج ہر چیز سے سے زیادہ خلافت کو قائم کرنے کی ضرورت ہے۔آگے بڑھنے سے پہلے ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے: ''معاملہ یہ ہے کہ ترکی تباہ ہو چکا ہے اور اب یہ کبھی کھڑا نہیں ہو سکے گا ،کیونکہ ہم نے اس کی روحانی طاقت تباہ کر دی ہے ،یعنی خلافت اور اسلام۔'' یہ اقتباس لارڈ کرزن کی تقریر کا ہے جو انہوں نے خلافت عثمانیہ کے زوال کے فورا بعد کی ۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام کے نظام خلافت کے سقوط پر اسلام دشمن قوتوں ،بلکہ تھنک ٹینکس کو کس قدر خوشی تھی !جس خلافت کو وہ ہماری روحانی قوت سمجھ رہے تھے

ہماری بے حسی کہ ہم نے نہ صرف اس کا جنازہ خود اپنے ہی ہاتھوں سے اٹھایا، بلکہ اس کی، جگہ ''جمہوریت ''نامی آسیب کا بھی استقبال کیا اور آج المیہ یہ ہے کہ ہمارے سیاستدانوں کو بالخصوص اور دوسرے کارپردازان قوم کو بالعموم اس ''جمہوریت ''نامی بت کی بقاہر شے سے بڑھ کر عزیز ہے، شاید اس لیے... کہ ان کی خرمستیوں کا تحفظ اسی شیطانی نظام سے ہو سکتا ہے، نہ کہ اس اسلامی شورائی نظام خلافت سے ، جس میں خلیفہ وقت بھی قاضی کے سامنے ایک عام شہری کی طرح جواب دہ ہوتا ہے، جس میں خلیفہ خود کو سرکاری اموال کا صرف اسی قدر حقدار سمجھتا ہے جس سے اس کے عیال کا بمشکل گزارہ ہو سکے، وہ خود کو یتیم کے مال کا مالک نہیں بلکہ فقط محافظ و نگران سمجھتا ہے، جس میں بیرونی وفود خلیفہ سے ملاقات کے لیے آتے ہیں تو وہ انہیں ایک جنگل میں اینٹ سے تکیہ لگائے محو استراحت نظر آتا ہے ۔ بھلا یہ نفس و شیطان کے بندے ، نفسانی خواہشات اور کے اسیر اور حب جاہ و مال کے مریض اس نظام کی کیونکر حمایت کر سکتے ہیں ۔ آج عالم اسلام میں برپا بغاوت کی تحریکوں کو حسنی مبارک، قذافی اور بشارالاسد جیسے حکمران طاقت کے بل بوتے پر دبانے کی سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں ، تو یہ ان کی مجبوری ہے۔ مغربی جمہوریت ہو یا شخصی آمریت ... یہ طے شدہ امر ہے کہ اسلامیان عالم کے درد کا درماں اور دکھوں کے مداوا کا ان کے پاس کوئی سامان اور پلان نہیں ۔ یہ حقیقت بھی اب اظہر من الشمس ہے کہ اسلامی نظام خلافت بطرز خلافت راشدہ مغرب کے دیے ہوئے ووٹ کے متعفن جمہوری طریقے سے نہیں ، بلکہ جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعے آ سکتا ہے۔ ماضی میں

طالبان کی اسلامی حکومت اس کی واضح وبین دلیل ہے۔

دشمن ماضی کی طرح اب بھی نہیں چاہتا کہ مسلمان اپنے نظام خلافت کی طرف پیش رفت کریں۔اس مقام پر برطانوی جنرل رچرڈ ڈینٹ کی آخری تقریر کا اقتباس ملاحظہ کیجیے جو ۱۴/ مئی ۲۰۱۰ میں ریٹائرڈ ہوا۔اس نے اپنی آخری تقریر میں واضح الفاظ میں کہا:۔

''اگر ہم اسلامی ایجنڈے کی مخالفت نہ کریں اور جنوبی افغانستان یا افغانستان یا جنوبی ایشیا میں اس کا سامنا نہ کریں تو بے شک اسکا اثر بڑھے گا، یہ اثر کافی زیادہ بڑھ سکتا ہے اور یہ ایک اہم نقطہ ہے، ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہ جنوبی ایشیا سے بڑھتا ہوا مشرق وسطی شمالی افریقہ تک اورچودھویں یاپندرھویں صدی کی اسلامی خلافت کے عروج سے، جاملے گا''۔

یہی ہے وہ خطرہ، جس کی بناپرآج عالم کفراوراس کے گماشتے اس ایک نکتے پر اپنے تمام تراختلافات کے باوجود متحد ہیں کہ مسلمانوں میں اسلامی نظام بطرز خلافت راشدہ کے لیے کی جانے والی ہر کوشش وجہادی کاوش کاآخردم تک مقابلہ کرو۔ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلامی مذہبی جماعتیں بھی اس ایک ایجنڈے پر متحد ہوجائیں کہ ہمیں عالم اسلام میں خلافت کی بہاروں کودوبارہ تازہ کرناہے۔

صبح قریب ہے

آج کل معاشرے کے ہر طبقہ میں محض یہی گفتگو زیرِ بحث نظر آتی ہے کہ مسلم امہ من حیث القوم اس جہانِ آب و گل میں خصائل کے بجائے رذائل سے متصف کیونکر ہو گئی ہے؟ تمام صفاتِ مذمومہ و مشؤمہ میں ترقی اور ہر صفتِ مقصودہ و محمودہ سے تنفّر آخر کس بات کی غماز ہے؟ جب سے ہوش سنبھالا ہے ہمارے اطراف و اکتفاف میں ہر دوسرا شخص مسلمانوں کے عروج و ترقی کی داستانیں سناتے ہی ملا ہے جن کی حیثیت ''پدرم سلطان بود'' سے زیادہ نہیں۔ ٹھیلے سے لیکر چوک چوپال اور ڈرائنگ روم سے لیکر اسمبلی ہال تک ہر کس و ناکس کی نشست و برخاست کا مرکزی موضوع یہی نقطۂ نظر ہے مگر نتیجہ ندارد اگر صاحبا ''جبہ و دستار'' کی شان میں گستاخی نہ ہو تو عرضیکہ جس طرح علم اور جہل کسی ایک کیفیت کا نام نہیں، اسی طرح دعوئ امامت اور موجودہ غفلت کا باہمی تضاد بھی ظاہر و باہر ہے۔ مقتداء و پیشوا ہونے کا اوّلین تقاضہ یہ ہے کہ قوم کو تخیّل کے دلفریب صحرا میں حیران و سرگرداں پھرانے کے بجائے کلامِ الٰہی سے مرض کی تشخیص اور رفوری علاج آپ پر نہ صرف فرض بلکہ قرض ہے جہاں تک ہم سمجھتے ہیں موجودہ حالت کسی حادثاتی عمل یا پلک جھپکتے میں رونما نہیں ہوئی بلکہ بہ یک وقت کئی عوامل کارفرما رہے ہیں سرِدست بنیادی واساسی وجہ پر طائرانہ نظر ڈالتے ہیں۔

مردم شماری کے خانے میں خود کو ''مسلمان'' ظاہر کرنے والے لوگ جو نسلی و خاندانی عصبیت کے اتھاہ سمندر میں موجزن ہیں۔ تقلیدِ جامد نے ان کی فہم وفراست کو ماؤف و معطل کرکے رکھ دیا ہے نوبت یہ آ گئی کہ کسی معاملہ کو عقل و دانش کی کسوٹی پر پرکھنے اور صداقت کی حمایت میں جرات و ہمت کے ساتھ ڈٹ جانیوالے مومنِ صادق کا روئے زمین پر موجود ہونا کمیاب نہیں تو نایاب ضرور ہے۔

گورپرست اور احمقوں کے سرپرست لباس خضری میں ملبوس رہبر کے روپ میں پیشہ ور رہزن ملت کے ماتھے پر ذلت کا بدنما داغ چھوڑ گئے۔ انہوں نے منظم طریقے سے مسلم امہ کی فہم وفراست پر زبردست مورچے قائم کرکے علم اور اس کے رفیق اسلام دونوں پر بہ یک جنبش حملہ کردیا۔ اور اپنے گماشتوں کو مذہب کا لبادہ اوڑھا کر وہ طوفانِ بدتمیزی برپا کیا کہ الامان والحفیظ طے شدہ منصوبے کے مطابق دین سے متعلق مسلمہ عقائد ومحققہ مسائل کے برخلاف ایسی باتیں پھیلائیں کہ عام لوگ علم وفراست سے عداوت و نفرت پر مجبور ہوگئے۔ نتیجۃً امت لکیر کی فقیر اور جہالت عالمگیر ہو گئی۔

دین دشمن عناصر شاید اسی موقع کے انتظار ہی میں تھے۔ لہٰذا مناسب وقت پر یہ

دعویٰ کر بیٹھے کہ مذہب ناقص و نامکمل ہے ہم اپنی خانہ ساز کارفرمائیوں کے ذریعے اسلام کی پرانی عمارت میں نئی روشنی ڈالنے کے خواہشمند ہیں۔

میر جعفر و میر صادق کے روحانی جانشینوں نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ آخری ہچکولے کھاتے دیگر ادیانِ باطلہ سے کچھ ایسی باتیں منتخب کرکے اسلام کے لیے مستعار لے لیں جن سے اسلام اور اسلاف بری الذمہ تھے۔ نت نئی ایجادات کو عوام کی نظروں میں جاذبِ نظر و دلکش بنانے کے لیے کہیں شجر معبود ٹھہرائے تو کہیں پتھر مسجود کہلائے۔ بقول اقبال

ہو نہ کیوں نام جو قبروں کی تجارت کرکے
کیا نہ بیچوگے جو مل جائیں صنم پتھر کے

ساتھ ساتھ اس حماقت کو عبادت کا درجہ دیتے ہوئے ایک غیر مقبول و نامعقول قاعدہ ایجاد کیا کہ متاخرین کو متقدمین کی اندھی تقلید کے سوا کچھ کہنے یا کلام کرنے کا قطعاً حق نہیں۔

مسلمانوں میں غور و فکر کی رہی سہی طاقت و لیاقتیں ساکن اور عقلیں منجمد ہو کر رہ گئیں بازاری حکایات اور ہندوستانی روایات کی انس زور و شور سے نشر واشاعت ہوئی کہ عوام مطمئن ہو چلی کہ اعتقادات تو رہے ایک طرف نجی مسائل سے تعلق

رکھنے والے وہ معاملات جن کا انسانی زندگی پر گہرا اثر ہے ان میں تدبر و تفکر اور رائے زنی کا حق بہر حال انہیں نہیں۔ اذھان میں یوں ابہام پیدا کر دیا کہ اعمال کا موجودہ فساد اور حالات کا اختسال حکام کے کرتوتوں کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ تو احادیث میں وارد شدہ ان پیشنگوئی کا حق و سچ ثابت ہونا ہے جو آخری دور سے متعلق ہیں۔ اس بات کو تقدیر باور کرادیا کہ حال اور مال کی اصلاح کسی تدبیر سے ممکن نہیں۔ للذا یہ تو ہوا اللہ کے سپرد، البتہ ہم مسلمانوں کا محض ایک ہی کام باقی بچا ہے کہ ہم صرف اپنی ذات تک محدود رہیں اور اسلام کے جدید ایڈیشن کے طور پر پیش کی جانے والی خرافات کو مذہبی رسومات کا درجہ دیکر آبِ حیات اور وجہ نجات جانیں۔ شریعت کے معتبر مسائل میں ہر کس و ناکس کے اقوال کی وہ دھاک بٹھائی کہ حقائق اور لطائف خلط ملط ہو کر رہ گئے۔ الغرض قصہ مختصر آج نتائج سب کے سامنے ہیں۔ جسے بہترین سانچے میں تخلیق کرکے زمین کی خلافت و نیابت سونپی گئی تھی اس کی طبقاتِ آسمانی سے اوپر پہنچنے والی امیدیں اکارت جارہی ہیں اور ایسا جمود سا پیدا ہوگیا ہے کہ اصلاح احوال کی تمام کوششیں بے سود ہوتی جارہی ہیں۔

ہر کہنے والے کی بات حقیقت کے بجائے عقیدت کے ترازو میں تول کر بھیڑ چال چلی جارہی ہے۔ خواب تو دیکھے جارہے ہیں قرونِ اولی کے مسلمانوں کی ترقی و خوشحالی کے اور حالت یہ ہے کہ ہر برائی ہم میں موجود اور ہر بھلائی سے

کوسوں دور ہیں۔ بات یہیں پر ختم ہوجاتی تو بھی غنیمت تھی مگر وائے افسوس کہ ان بندگانِ درہم و دینار نے یہ فلسفہ وضع کیا کہ مذہب و سیاست دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ کچھ کر گزرنے کا جذبہ رکھنے والے جوانوں کی صلاحیتیں سیاستدانوں کے کالے دھن اور جذبات کی تسکین کے لیے استعمال ہونے لگیں۔ جب تک انسان اپنی غلطی کا احساس نہ کرے تو وہ ہر دلیل کی تاویل پیش کر دیتا ہے۔ اسی طرح جب تک غلطی کی درست سمت میں نشاندہی نہ ہو تو اصلاح احوال کے لیے اٹھایا جانیوالا ہر اقدام، خام و ناتمام ہی رہتا ہے۔ البتہ احساس و درست نشاندہی کے بعد اصلاح کار بھی ممکن ہے اور انسانی کوششیں بارآور ثابت ہوتی ہیں اور ابنِ آدم کی علمیت و قابلیت کے ذریعے مذہب و تہذیب پروان چڑھتے ہیں۔ بحیثیت مسلمان ہمارا ایمان ہے کہ قرآن ہی وہ آخری الہامی سرمایۂ رشد و صداقت ہے جو ہمیں ایک واضح مکمل اور ابدی و سرمدی ضابطۂ حیات اور دستورِ اساس عطا کرتا ہے جس میں ہر عہد، ہر نسل اور ہر طرح کے حالات و واقعات کے لیے مکمل رہنمائی موجود ہے۔ ہمیں اس درسِ انقلاب سے خالق و مخلوق، عابد و معبود اور مالک و مملوک کے باہمی تعلق کو سمجھنا ہوگا۔ پھر ہماری ایمانی معلومات جسمانی معمولات میں داخل و شامل ہوجائیں گی سطور سے صدور اور نقوش سے نفوس کا مرحلہ جونہی طے ہوگا اِک نیا سپیدۂ سحر منتظر ہوگا۔

اسلامی معاشرے میں عورت کا مقام اور شرم وحیا کی اہمیت

زمانہ جاہلیت میں عورت کا اپنا مقام بالکل بھی حاصل نہ تھا مگر اسلام نے آ کر اسی عورت کو اس کا حقیقی مقام عطا فرمایا اور رہی عورت جس کو پاؤں کی جوتی جتنی حیثیت بھی حاصل نہ تھی، اسی عورت کو عزت واحترام کی معراج پر یہ بتلا دیا کہ عورت کی پیدائش باعث عار نہیں بلکہ باعث صد افتخار ہے۔ عورت گھٹیا نہیں عورت اعلیٰ ہے۔ عورت محکوم نہیں عورت گھر کی ملکہ ہے۔ عورت مظلوم بننے کے لیے پیدا نہیں کی گی بلکہ عورت پورے خاندان کی سرپرست ہے۔ عورت دنیا میں رشتوں کے پھیلنے کا ذریعہ ہے اگر عورت نہ ہوتی تو دنیا میں لوگوں کا وجود بھی نہ ہوتا۔ اسلام نے عورت کو عظیم حیثیت عطا فرمائی ہے۔ عورت کے کئی روپ ہیں۔ عورت ماں ہو یا بیٹی، بیوی ہو یا بہن، ہر وقت عظیم ہے۔ عورت کا سب سے دلکش روپ ''ماں'' کا ہے۔ ہر شخص اپنی ماں کا ہر وقت ممنون واحسان رہتا ہے کیونکہ اس کی ماں اسے بڑی مشقتوں سے پال پوس کر بڑا کرتی ہے۔ قرآن نے پہلے والدین سے احسان کا حکم دیا پھر بطور خاص ماں سے حسن سلوک کا حکم الگ سے دیا اور اس کے احسانات کو جتایا کہ وہ مشقت پر مشقت سہہ کر اسے اپنے پیٹ میں رکھتی ہے پھر مشقت سے اسے جنتی ہے پھر اس کو پالتی ہے اپنی راحت اور آرام کو اس کی خاطر قربان کرکے اس کے آرام کا خیال رکھتی ہے۔ وہ اگر رات کو پیشاب کردے تو خود گیلے پر

سو کر اسے سوکھے بستر پر سلاتی ہے۔ وہ بیمار ہو جائے، اسے بخار ہو جائے تو ماں بے قرار ہو جاتی ہے جس کی کی نیندیں اپنے لخت جگر کے لیے اڑ جاتی ہیں اور ہر قیمت پر اپنے بچے کو راحت پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کرتی ہے۔ وہ نہ سوئے تو اسے لوریاں دیکر سلاتی ہے۔ الغرض ماں کائنات کی مقدس ترین ہستی ہے۔ اسی لیے ہر معاشرے نے ماں کو بڑا بلند درجہ دیا ہے۔ انسان تو انسان جانور بھی اپنی ماؤں کا بڑا احترام کرتے ہیں۔

عورت بیوی ہو تو بھی عظیم ہے۔ میاں بیوی زندگی کی گاڑی کے دو پہیے ہوتے ہیں بیوی گھر کی سربراہ ہوتی ہے۔ بچے کی تربیت کا تمام تر دارومدار ماں پر ہوتا ہے۔ عظیم بیوی تو ہے جو اپنے شوہر کی خدمت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھے اور ہر وقت اس کی فرمانبرداری کرے۔

عورت بہن ہو تو اس کے مرتبے میں گویا چار چاند لگ جاتے ہیں۔ عورت بیٹی ہو تو گویا پورے خاندان کا ارمان ہوتی ہے۔ اس کی پرورش بڑی نازبرداریوں سے ہوتی ہے اس کی نزاکت کی اس کی تربیت میں بڑا دخل ہوتا ہے۔ اس کی ناراضگی پر تمام بھائی اور والدین پریشان ہو جاتے ہیں۔ اسے ابتدا سے ہی مہمان کی طرح رکھا جاتا ہے۔ اس کو راحت کا ہر سامان مہیا کیا جاتا ہے۔ عورت کی عزت اس کے ہاتھ میں ہے۔ عورت کی چاہے کوئی بھی روپ ہو وہ قابل احترام اسی وقت ہوتی ہے

جب وہ شرعی ہدف کے مطابق اپنی زندگی گزارے مگر جب وہ حیا کی چادر اتار کر مردوں کے مقابل آتی ہے تو اسے اس کا مقام نہیں دیا جاتا۔ اس لیے کہ ہر شے اپنے محل پر اچھی لگتی ہے اور عورت گھر کی ملکہ اور گھر کی زینت بنا کر پیدا کی گئی ہے نہ کہ بازاروں، ہوٹلوں اور نائٹ کلبوں کی رونق بننے کے لیے۔ عورت نام ہی ''شرم'' کا ہے مگر جب عورت شرم وحیا کی چادر اتار پھینکے تو وہ اپنے پیدا کرنے والے خالق کی نظر سے بھی گر جاتی ہے اور معاشرے میں اس کا احترام اور تقدس بھی ختم ہو جاتا ہے۔

اللہ پاک قرآن مقدس میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنی تمام مخلوقات کو جوڑہ جوڑہ پیدا فرمایا۔ انسان کو اللہ نے اشرف المخلوقات بنا کر پیدا فرمایا اور اپنی تقریباً اٹھارہ ہزار مخلوقات میں اسے فضیلت عطا فرمائی۔ تمام دیگر مخلوقات کو اس کی خدمت پر مقرر فرما دیا۔ جن میں اللہ کی بڑی بڑی مخلوقات بھی شامل ہیں۔ انسان کو اللہ نے جن حوالوں سے دیگر مخلوقات پر فضیلت عطا فرمائی ان میں سے ایک اس کی شرم وحیا بھی ہے۔ یہ ایک ایسی صفت ہے جو اللہ نے انسان کے علاوہ اپنی کسی مخلوق کو عطا نہیں فرمائی ہے یہی وجہ ہے کہ دوسری مخلوقات میں اپنے پرائے کی کوئی تمیز نہیں۔ ان کے نزدیک بیوی اور بیٹی کی حیثیت برابر ہے۔ وہ رشتوں کے تقدس سے بالکل نابلد ہیں۔ نہ وہ یہ جانتے ہیں کہ ان کی پرورش ان کے ماں باپ نے کس طرح کی۔ الغرض وہ ان تمام خصوصیات سے

محروم ہیں۔ وہ اپنی جنسی خواہش کی تکمیل کے لیے ہر جگہ بلا تصدیق منہ مارتے نظر آتے ہیں۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے شرم وحیا جیسی عظیم صفت عطا فرما کر اسے دیگر مخلوقات سے ممتاز فرمایا۔ یہ شرم وحیا ہی ہے جس کی بنا پر انسانی معاشرے میں رشتوں کا تقدس قائم ہے۔

یوں تو یہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے مگر بعض قومیں ایسی بھی ہیں جنھوں نے باوجود عقل رکھنے کے رشتوں کے تقدس کو فراموش کر دیا ہے اور انھوں نے گویا کہ شرم وحیا کے لباس کو اتار پھینکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے معاشرے اور حیوانی معاشرے میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ جس طرح درندے بے باک وبے حیا ہوتے ہیں یہ اقوام بھی اپنی خواہشات کے لحاظ سے بے باک بلکہ جنسی درندگی کا شکار نظر آتی ہیں۔ یہ بھی ماں بہن بیٹی کے احترام سے ناواقف ہیں۔ ہر شخص اپنی زندگی میں مست نظر آتا ہے۔ انھوں نے ان تمام شرم وحیا کے طریقوں اور شرم وحیا کی رکاوٹوں کو پس پشت ڈال رکھا ہے۔ جن کی بنا پر عورت تو اس کا جائز مقام ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود ترقی کے اوج کمال پر پہنچنے کا دعویٰ کرنے کے یہ اقوام درحقیقت ذلت اور پستی کے عمیق اور نہایت گہرے گڑھوں میں گرتے نظر آتی ہیں ان کی ترقی کی حد یہ ہے کہ صرف شرم اور حیا نہ ہونے کی بنا پر عورت کو امن وسکون تک میسر نہیں اور مردوں کا مقابلہ کرنے کی دھن میں ان کی عورتیں ہر وقت پریشان اور سرگردان نظر آتی ہیں۔ اس معاشرے کی

عورت حیا کے زیور سے محروم ہونے کی وجہ سے ہر وقت عدم تحفظ کا شکار ہے۔ اس کے مقابل مسلم معاشرہ کی عورت شرم وحیا کے مضبوط قلعے میں محفوظ ہے۔

برکات اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم

ثمینہ پیرزادہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کے یہاں لڑکا پیدا ہوا اور میری محبت کی وجہ سے اور میرے نام سے۔برکت حاصل کرنے کے لئے اس کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم رکھے تو وہ شخص اور اس کا بچہ دونوں جنتی ہیں۔ محمد نام تجویز کیا جائے تو لڑکا پیدا ہوگا۔

(1) حضرت عطا نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ جس بچہ کا نام ماں کے پیٹ میں رہتے ہوئے محمد رکھا جائے تو وہ لڑکا ہی پیدا ہوگا۔علامہ ابن جوزی نے موضوعات کے سلسلے میں لکھا ہے کہ اس حدیث کے راویوں کا سلسلہ بعض محدثین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیا ہے۔

(2) پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے نام کے ساتھ نام رکھ لیا اور جس کے ہاں تین بچے پیدا ہوئے اور اس نے ان میں سے کسی ایک کا نام بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر نے رکھا تو اس میں.برکت سے وہ محروم رہا۔

(3) ایک مرتبہ ایک عورت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اس کا کوئی بچہ زندہ نہیں رہتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حق تعالیٰ کے نام پر یہ فیصلہ کر لو کہ جو لڑکا اللہ تعالیٰ تمہیں عطا فرمائے اس کا نام محمد رکھو گی۔ چنانچہ اس عورت نے ایسا ہی کیا اور اس کے نتیجے میں وہ لڑکا زندہ رہا۔

مشورہ میں محمد نامی شخص کی برکت: ایک روایت ہے کہ جو لوگ بھی کسی مشورہ کیلئے جمع ہوئے اور ان میں محمد یا احمد نام کا بھی کوئی شخص ہوا اور انہوں نے اس شخص کو بھی مشورہ میں شریک کیا تو ان کے لئے ضرور اس معاملہ میں خیر اور بھلائی ظاہر ہوگی۔ جس کیلئے انہوں نے مشورہ کیا ہے اور جس گھر میں بھی محمد نام کا کوئی شخص ہوگا اس گھر میں اللہ تعالیٰ برکت عطا فرماتا ہے۔

کھانے میں اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت: ایک روایت ہے کہ جو لوگ بھی کوئی حلال کھانا کھانے بیٹھیں اور ان لوگوں میں سے کوئی ایسا شخص بھی ہو جس کا نام میرے نام پر ہو تو اس میں ان کیلئے دوگنی برکت ظاہر ہوگی۔ یہاں نام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام احمد یا محمد مراد ہیں۔

اسم محمد کی بنا پر گھر کی حفاظت: کتاب شفا میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جن کا کام ایسے گھروں کی حفاظت کرنا ہے جس میں محمد نام ہو۔

قیامت میں محمد نام کی پکار: ایک حدیث میں ہے: جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک پکارنے والا پکار کر کہے گا اے محمد! اٹھو اور بغیر حساب وکتاب کے جنت میں داخل ہو جا۔ اس آواز پر ہر وہ شخص اٹھ کر بڑھے گا جس کا نام محمد ہوگا اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام کی وجہ سے ان میں سے کسی کو نہیں روکا جائے گا۔

بیٹے کا نام محمد تو باپ جنت میں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کے یہاں لڑکا پیدا ہوا اور وہ میری محبت کی وجہ سے اور میرے نام سے برکت حاصل کرنے کیلئے اس بچے کا نام محمد رکھے تو وہ شخص اور اس کا بچہ دونوں جنتی ہیں۔

چودہ پشتوں تک اسم محمد: بعض خاندانوں میں تو محمد مسلسل نام رکھا جاتا ہے، جیسا کہ تیونس کے عالم باعمل کا نام ایمن ابوالبرکات محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد (چودہ پشتوں تک محمد ہی تھا۔ انہوں نے مدینہ منورہ میں کافی

زمانہ گزارا۔ جب وہاں سے جانے کا ارادہ کیا تو سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں فرمایا کہ تم نے کس طرح ہماری جدائی گوارا کرلی۔ چنانچہ آپ واپس مڑے اور وہیں 724ھ میں انتقال فرمایا۔

چار محمد نام کے طالب علم: حضرت ابو العاص الکبری ناقل ہیں کہ محمد بن جریر طبری، محمد بن خذیمہ، محمد بن نصر اور محمد بن ہارون رویائی رحمتہ اللہ علیہم یہ چاروں محمد نامی محدثین اپنی طالب علمی کے زمانے میں مصر میں جمع ہوگئے اور چاروں مفلسی وفاقہ کشی سے مجبور و لاچار ہوگئے۔

ایک دن چاروں نے یہ طے کیا کہ قرعہ نکالو، جس کے نام پر قرعہ نکلے وہ خدا تعالیٰ سے دعا مانگے۔ چنانچہ ج قرعہ ڈالا گیا تو محمد بن خذیمہ کا نام نکلا۔ اس پر انہوں نے کہا ٹھہرو! میں نماز پڑھ کر دعا مانگوں گا۔ چنانچہ جیسے ہی انہوں نے دعا مانگی تو ایک غلام موم بتی لئے ہوئے دروازے پر کھڑا نظر آیا اور اس نے کہا محمد بن خذیمہ کون ہے؟ لوگوں نے ان کی طرف اشارہ کیا تو اس نے ان کو پچاس دینار کی تھیلی دی، پھر باقی تینوں کا بھی نام پوچھ پوچھ کر پچاس پچاس دینا کی تھیلی دی اور کہا کہ امیر مصر سو رہا تھا تو اس نے خواب میں دیکھا کہ چار محمد نام کے طالب علم بھوکے ہیں۔ چنانچہ اس نے آپ لوگوں کیلئے خرچ کے واسطے یہ تھیلی بھیجی ہے۔ اور میں آپ لوگوں کو قسم دیتا

ہوں کہ جب یہ رقم خرچ ہو جائے تو آپ لوگ ضرور مجھے مطلع فرمائیں۔

غرضیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی بہت زیادہ خیر وبرکت ہیں۔اللہ تعالیٰ آپ کے تقدس پر اپنا تن من دھن لوٹانے کی توفیق عطا فرمائے۔بقول شاعر

کائنات حسن جب پھیلی تو لامحدود تھی
اور جب سمٹی تو تیرا نام بن ہو کر رہ گئی

ختمِ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اللہ پاک نے پیغمبروں میں سے سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو اور سب سے آخری نبی محمد کو بھیجا۔ اللہ پاک نے قرآن پاک میں فرمایا:

(''مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ط وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا)''

اللہ تعالٰی نے آنحضرت کی پیغمبری سے دین کو مکمل کر دیا۔ اب حضور کے بعد کسی پیغمبر کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ علماء اسی دین کی نشرواشاعت اور تبلیغ کرتے رہیں گے۔

نبوت ختم ہو گئی اور دین حدِ کمال کو پہنچ گیا اب ضرورت صرف تبلیغ کی رہ گئی، جس کے لیے علمائِ امت کافی ہیں۔

حدیثوں میں آیا ہے کہ انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے اور رسولوں کی تعداد تین سو تیرہ ہے۔ قرآنِ کریم اور احادیث متواترہ اور اجماعِ امت سے ثابت ہے کہ:

آپ خاتم انبیاء اور آخر انبیاء ہیں آپ کے بعد کوئی دوسرا نبی

نہ ہوگا۔

آنحضرت کے ظہور سے پہلے تمام انبیاء سابقین آپ کی آمد کی بشارت دیتے تھے اور اس کا اعلان کرتے تھے کہ محمد آخری نبی ہیں اور آپ کا خاتم الانبیاء ہونا تورات او رانجیل اور تمام انبیاء سابقین کے صحیفوں میں مذکور تھا۔ اہلِ کتاب ازراہ حسد ان بشارتوں کو چھپاتے تھے، پھر جو علماء اہلِ کتاب دینِ اسلام میں داخل ہوئے، انہوں نے متفق الکلمۃ ہو کر اسی اَمر کا اقرار اور اعتراف کیا کہ ہم نے آنحضرت کو اسی صفت پر پایا جیسا کہ ہم نے توریت اور انجیل میں دیکھا او رپڑھا تھا۔

اور مہرِ نبوت آپ کے خاتم النبیین ہونے کی حسی دلیل تھی جس کو دیکھ کر علمائِ یہود اور نصاریٰ آپ کی نبوت اور ختمِ نبوت کی شہادت دیتے تھے۔

آنحضرت افضل الانبیاء اور سید الانبیاء ہیں:

تمام پیغمبروں کے سردار اور سب سے افضل او ربہتر ہمارے نبی محمد ہیں۔ قرآنِ کریم میں حق جلّ شانہ نے تمام پیغمبروں سے اس بات کا عہد لیا کہ اگر محمد کا زمانہ پاؤ تو ضرور بالضرور ان پر ایمان لانا اور ان کی نصرت اور پاسداری کرنا جیساکہ اللہ پاک نے قرآن شریف میں ارشاد فرماتے ہیں:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ)
(جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ

'''اور حدیث میں ہے: (اَنَا سَیِّد ولدِ آدَمَ) ''میں اولاد آدم کا سردار ہوں۔

: اور ایک حدیث میں ہے کہ

آدَمُ وَمَنْ دُوْنَہٗ تَحْتَ لِوَائِیْ) ''قیامت کے دن آدم اور ان کے سواسب میرے (

'' جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔

او رایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو تمام انبیاء پر چھ

:۶) چیزوں کے ذریعے فضیلت دی ہے)

اوّل: یہ کہ مجھ کو جوامع الکلم عطا کیے گئے یعنی ایسے کلمات جامعہ جن کے الفاظ تو بہت مختصر ہوں مگر بے شمار علوم اور معارف کے جامع ہوں جیسے ! (اِنَّمَا الْاَعْمَال بِالنِّیَّاتِ) اس قسم کی احادیث کی شرح میں علماء نے مستقل کتابیں لکھی ہیں۔

دوسرا: یہ کہ ایک مہینے کی مسافت تک رہنے والے کافروں کے دل میں بلاسبب ظاہری میرا رعب ڈال دیا گیاہے۔

تیسرا: یہ کہ مالِ غنیمت میری امت کے لیے حلال کردیا گیا جو کہ پہلی امتوں کے لیے حلال نہ تھا۔

چوتھا: یہ کہ مجھ کو تمام اوّلین و آخرین کی شفاعت کا مرتبہ عطا ہوا کہ قیامت کے دن تمام اوّلین اور آخرین اور تمام انبیاء و مرسلین مجھ سے شفاعت کی درخواست کریں گے اور میں شفاعت کے لیے کھڑا ہوں گا اسی مقامِ شفاعت کا نام مقامِ محمود ہے۔

پانچواں: یہ کہ مجھ سے پہلے ہر نبی ایک خاص قوم کے لیے مبعوث ہوتا تھا اور میں قیامت تک کے لیے تمام عالم کا نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

:چھٹا: یہ کہ مجھ پر نبوت ختم ہو گئی۔اور ترمذی کی حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا

(اذا کان یوم القیامۃ کنت امام النبیین)

'' قیامت کے دن میں تمام انبیاء کا امام اور پیشوا ہوں گا۔''

اور حدیث میں ہے کہ حضور سب سے پہلے قبر سے اٹھیں گے اور سب سے پہلے بہشت میں داخل ہوں گے۔

(ماخوذ عقائد الاسلام مؤلف : حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی)

:ختمِ نبوت کا معنی اور مطلب

اللہ رب العزت نے سلسلۂ نبوت کی ابتداء سیدنا آدم علیہ السلام سے فرمائی اور اس کی انتہا محمد عربی کی ذاتِ اقدس پر فرمائی۔آنحضرت پر نبوت ختم ہو گئی۔آپ آخرالانبیاء ہیں،آپ کے بعد کسی کو نبی نہ بنایا جائے گا۔اس عقیدہ کو شریعت کی اصطلاح میں عقیدۂ ختمِ نبوت کہا جاتا ہے۔

: عقیدہ ختمِ نبوت کی اہمیت

ختمِ نبوت کا عقیدہ ان اجماعی عقائد میں سے ہے جو اسلام کے اصول اور ضروریاتِ دین میں شمار کیے گئے ہیں۔ اور عہدِ نبوت سے لیکر اس وقت تک ہر مسلمان اس پر ایمان رکھتا آیا ہے کہ آنحضرت بلا کسی تاویل اور تخصیص کے خاتم النبیین ہیں۔اس کے دلائل و مآخذ مندرجہ ذیل ہیں :

الف)... قرآن مجید کی ایک سو آیاتِ کریم۔)

ب)... رحمتِ عالم کی احادیثِ متواترہ ۔)

ج)... آنحضرت کی امت کا سب سے پہلا اجماع اسی مسئلہ پر منعقد ہوا۔)

چنانچہ امام العصر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری اپنی آخری کتاب خاتم النبیین میں تحریر فرماتے ہیں: سب سے پہلا اجماع جو اس امت میں منعقد ہوا وہ مسیلمہ کذاب کے قتل پر اجماع تھا۔جس کا سبب صرف اس کا دعویٰ نبوت تھا۔ اس کی دیگر گھناؤنی حرکات کا علم صحابہ کرام کو اس کے قتل کے بعد ہوا تھا جیسا کہ ابنِ خلدون نے نقل کیا ہے ۔

(خاتم النبیین ص:۶۷ ترجمہ ص:۱۹۷)

اس کے بعد قرناً بعد قرن مدعی نبوت کے کفر و ارتداد اور قتل پر ہمیشہ اجماع بلافصل رہا ہے اور نبوت تشریعیہ یا غیر تشریعیۃ کی کوئی تفصیل کبھی زیرِ بحث نہیں آئی۔ (ایضا

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے اپنی تصنیف مسک الختام فی ختم نبوۃ سیدالانام میں تحریر فرمایا ہے کہ:

امتِ محمدیہ میں سب سے پہلا اجماع جو ہوا، وہ اسی مسئلہ پر ہوا کہ مدعی نبوت کو قتل کیا جائے۔ آنحضرت کے زمانہ حیات میں اسلام کے تحفظ و دفاع کے لیے جتنی جنگیں لڑی گئیں ان میں شہید ہونے والے صحابہ کرام کی کل تعداد: 295 ہے۔ اور عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ و دفاع کے لیے اسلام کی تاریخ میں پہلی جنگ جو سیدنا صدیق اکبر کے عہدِ خلافت میں مسیلمہ کذاب کے خلاف یمامہ کے میدان میں لڑی گئی، اس ایک جنگ میں شہید ہونے والے صحابہ کرام اور تابعین کی تعداد بارہ سو (1200) ہے، جن میں سے سات سو700) قرآن مجید کے حافظ اور عالم تھے۔ رحمتِ عالم کی زندگی کی کل کمائی اور گراں قدر اثاثہ حضرات صحابہ کرام ہیں۔ جس کی بڑی تعداد اس عقیدہ کے تحفظ کے لیے جامِ شہادت نوش کر گئی۔ اس سے ختمِ نبوت کے عقیدہ کی عظمت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

انہی حضرات صحابہ کرام میں سے ایک صحابی حضرت خبیب بن زید انصاری خزرمی کی شہادت کا واقعہ ملاحظہ ہو:

حضرت خبیب بن زید انصاری کو آنحضرت نے یمامہ کے قبیلہ بنو حنیفہ کے مسیلمہ کذاب کی طرف بھیجا۔ مسیلمہ کذاب نے حضرت خبیب سے کہا کہ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں؟۔

حضرت خبیب نے فرمایا جی ہاں!

مسیلمہ کذاب نے کہا کہ کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ میں مسیلمہ بھی اللہ کا رسول ہوں؟

حضرت خبیب نے جواب میں فرمایا کہ میں بہرا ہوں تیری یہ بات نہیں سن سکتا۔ مسیلمہ باربار سوال کرتا رہا وہ یہی جواب دیتے رہے اور مسیلمہ ان کا ایک ایک عضو کاٹتا رہا، حتیٰ کہ خبیب کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے ان کو شہید کردیا گیا۔ اللہ اکبر اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ حضرات صحابہ کرام مسئلہ ختم نبوت کی عظمت واہمیت سے کس طرح والہانہ تعلق رکھتے تھے۔

:ایک اور واقعہ تابعین میں سے ذیل میں درج کیاجاتاہے

حضرت ابومسلم خولانی، جن کا نام عبداللہ بن ثوب ہے اور یہ امت محمدیہ کے وہ جلیل القدر بزرگ ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے آگ کو اسی طرح بے اثر فرمادیا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے آتش نمرود کو گلزار بنادیا تھا۔ ان کی پیدائش یمن میں ہوئی ہے۔ اور سرکارِدوعالم کے عہد مبارک ہی میں اسلام لاچکے تھے لیکن سرکارِدوعالم کی خدمت میں حاضری کا موقع نہ مل سکا تھا۔ آنحضرت کی حیاتِ طیبہ کے آخری وقت میں یمن میں نبوت کا جھوٹا دعویدار اسود عنسی پیدا ہوا۔ جو لوگوں کو اپنی جھوٹی نبوت پر ایمان لانے کے لیے مجبور کرتا تھا۔ اسی دوران اس نے حضرت ابومسلم خولانی کو پیغام بھیج کر اپنے پاس بلایا اور اپنی نبوت پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ حضرت ابومسلم نے

انکار کیا

پھر اس نے پوچھا کہ کیا محمد کی رسالت پر ایمان رکھتے ہو؟ حضرت ابو مسلم نے فرمایا

ہاں۔

اس پر اسود عنسی نے ایک خوفناک آگ دھکائی اور حضرت ابو مسلم کو اس آگ میں ڈال دیا، لیکن اللہ تعالی نے ان کے لیے آگ کو بے اثر فرمادیا اور وہ اس سے صحیح سلامت نکل آئے۔

یہ واقعہ اتنا عجیب تھا کہ اسود عنسی اور اس کے رفقا پر ہیبت سی طاری ہو گئ اور اسود کے ساتھیوں نے اسے مشورہ دیا کہ اسے جلاوطن کردو۔ ورنہ خطرہ ہے کہ ان کی وجہ سے تمہارے پیرووں کے ایمان میں تزلزل آجائے۔ چنانچہ انہیں یمن سے جلاوطن کردیا گیا، یمن سے نکل کر ایک ہی جائے پناہ تھی یعنی مدینہ منورہ، چنانچہ یہ محمد کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے چلے۔ لیکن جب مدینہ منورہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ آفتابِ رسالت روپوش ہوچکا ہے، آنحضرت وصال فرماچکے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق خلیفہ بن چکے تھے، انہوں نے اپنی اونٹنی مسجدِ نبوی کے دروازے کے پاس بٹھائی اور اندر آکر ایک ستون کے پیچھے نماز پڑھنا شروع کردی۔ وہاں پر حضرت عمر موجود تھے، انہوں نے ایک اجنبی مسافر کو دیکھا تو ان کے پاس آئے اور پوچھا کہ آپ کہاں سے آئے ہیں؟

!انہوں نے جواب دیا: یمن سے

حضرت عمر نے فوراً پوچھا! اللہ کے دشمن اسود عنسی نے ہمارے ایک دوست کو آگ میں

ڈال دیا تھا اور آگ نے ان پر کوئی اثر نہیں کیا تھا بعد میں ان صاحب کے ساتھ اسود عنسی نے کیا سلوک کیا؟

حضرت ابو مسلم نے فرمایا! ان کا نام عبداللہ بن ثوب ہے۔

اتنی دیر میں حضرت عمر کی فراست کام کرچکی تھی، انہوں نے فوراً فرمایا کہ میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ آپ وہی صاحب ہیں۔

حضرت ابو مسلم نے جواب میں فرمایا! جی ہاں۔

حضرت عمر نے یہ سُن کر فرط مسرت و محبت سے ان کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ اور انہیں لیکر خلیفۂ وقت حضرت ابوبکر صدیق کی خدمت میں پیش ہوئے ،انہیں صدیق اکبر نے اپنے درمیان بٹھایا اور فرمایا:

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے موت سے پہلے امت محمدیہ کے اس شخص کی زیارت کرادی، جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جیساکہ معاملہ فرمایا۔ (مسک الختام فی ختم نبوۃ سید الانام)

ختمِ نبوت گلدستہ تفاسیر میں:

اللہ پاک نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

(مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ)

ترجمہ: ''محمد باپ نہیں کسی کا تمہارے مردوں میں سے لیکن رسول ہے اللہ کا اور مہر سب نبیوں پر۔''

: وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ کی تفسیر، مظہری والے کچھ یوں کرتے ہیں
آپ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم ہیں سب نبیوں کے لیے (سب کے ختم ہونے کے بعد آئے ہیں) اور رہر رسول شفقت و خیر خواہی کے لحاظ سے اپنی امت کا باپ ہوتا ہے سب امت کا نسبی باپ نہیں ہوتا کہ امت کی کسی عورت سے اس کا نکاح نہ ہو سکے۔
((تفسیر مظہری (عربی) مکتبہ رشیدیہ جلد 7 صفحہ 352-351))

: حضور کی نرینہ اولاد نہ رہنے کی حکمت

حضرت ابنِ عباس نے فرمایا: مراد یہ ہے کہ اگر میں سلسلۂ انبیاء کو محمد پر ختم نہ کر دیتا تو ان کے بعد ان کے بیٹے کو نبی بنا دیتا۔ علماء نے حضرت ابنِ عباس کا قول نقل کیا ہے کہ جب اللہ نے یہ فیصلہ کر دیا کہ رسول اللہ کے بعد کسی کو نبی بنانا ہی نہیں ہے تو حضور کو کوئی لڑکا بھی عنایت نہیں کیا، ابنِ ماجہ نے حضرت ابنِ عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ نے اپنے صاحبزادہ ابراہیم کے متعلق فرمایا اگر وہ زندہ رہتا تو نبی ہوتا۔

: حضرت عیسیٰ علیہ السلام شریعتِ محمدیہ پر ہوں گے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام قریبِ قیامت میں ضرور نازل ہوں گے، لیکن رسول اللہ کی شریعت پر ہوں گے، اس لیے نزول عیسیٰ سے رسول اللہ کے خاتم النبیین ہونے پر کوئی جرح نہیں کی جا سکتی، کیوں کہ ایک تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام شریعتِ محمدیہ پر ہوں گے، دوسرے اس کے علاوہ حضرت عیسیٰ کو تو رسول اللہ سے پہلے

پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا پھر رسول اللہ پر جدید نبوت کو ختم کر دیا گیا، اگر گزشتہ نبی باقی رہے تو اس سے جدید نبوت کی نفی پر کیا اثر پڑے گا۔

(تفسیر مظہری (عربی) مکتبہ رشیدیہ جلد 7 صفحہ 352-351)

:سلسلۂ نبوت میں حضور کی مثال

مسندِ احمد میں ہے کہ حضور فرماتے ہیں: میری مثال نبیوں میں ایسی ہے جیسے کسی شخص نے ایک بہت اچھا اور پورا مکان بنایا لیکن اس میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی جہاں کچھ نہ رکھا، لوگ اسے چاروں طرف سے دیکھتے بھالتے اور اس کی بناوٹ سے، خوش ہوتے ہیں، لیکن کہتے ہیں کہ کیا ہی اچھا ہوتا کہ اس اینٹ کی جگہ بھی پر کر لی جاتی پس میں نبیوں میں اسی اینٹ کی جگہ ہوں۔،

:نبوت کی تمام قسمیں ختم ہو گئیں

اس حدیث میں صاف واضح الفاظ میں بتلا دیا کہ نبوت کی کوئی قسم آپ کے بعد باقی نہیں اور ہدایت خلق کا کام جو پچھلی امتوں میں انبیاء بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا وہ اس امت میں آپ کے خلفاء سے لیا جائے گا۔ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ کی

:حدیث مرفوع ہے

''لم یبق من النبوۃ الا المبشرات''

یعنی نبوت میں سے کچھ باقی نہیں رہا بجز مبشرات (سچے خوابوں) کے۔

:تخلیق آدم سے بھی قبل آپ خاتم تھے

مسند احمد میں ہے کہ حضور فرماتے ہیں: میں خدا کے نزدیک نبیوں کا ختم کرنے

والا تھا اس وقت جبکہ آدم علیہ السلام پورے طور پر پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اور حدیث میں ہے میرے کئی نام ہیں۔ میں محمد ہوں۔ میں احمد ہوں اور میں ماحی ہوں، اللہ تعالیٰ میری وجہ سے کفر کو مٹادے گا اور میں حاشر ہوں تمام لوگوں کا حشر میرے قدموں تلے ہوگا اور میں عاقب ہوں جس کے بعد کوئی نبی نہیں۔

(تفسیر ابنِ کثیر الکتب العلمیۃ بیروت جلد 6)

کیونکہ آپ کے بعد کوئی نبی اور کوئی وحی دنیا میں آنے والی نہیں، خاتم الانبیاء کو یہ فکر لاحق تھی کہ قیامت تک امت کو جن حالات سے مسابقہ پڑے گا ان سب حالات کے متعلق ہدایات امت کو دے کر جائیں جس پر رسول اللہ کی احادیث شاہد ہیں کہ آپ کے بعد جتنے لوگ قابلِ اقتدارہ تھے اکثر ان کے نام لے کر بتلا دیا ہے اسی طرح جتنے گمراہی کے علمبردار ہیں ان کے حالات اور پتے ایسے کھول کر بتلا دیے ہیں کہ ذرا غور کرنے والے کو کوئی اشتباہ باقی نہ رہے، بخلافِ انبیاء سابقین کے کہ ان کو اس کی فکر نہ تھی وہ جانتے تھے کہ جب قوم میں گمراہی پھیلے گی تو ہمارے بعد دوسرے انبیاء آکر اس کی اصلاح کردیں گے۔ اسی لیے رسول اللہ نے فرمایا:

''انی ترکتکم علی شریعۃ بیضاء لیلھا ونھارھا سوا''

یعنی میں نے تم کو ایسے روشن راستے پر چھوڑا ہے جس میں رات دن برابر ہیں، کسی وقت بھی گمراہی کا خطرہ نہیں۔

:منکر ختم نبوت کافر ہے

قاضی عیاض نے اپنی کتاب شفا میں نبیؐ کریم کے بعد دعویٰ نبوت کرنے والا کافر اور
:کذاب اور رسول اللہ کی تکذیب کرنے والا کہہ کر یہ الفاظ لکھے ہیں

''واجمعت الامۃ علیٰ حمل ھذا''

''الکلام علیٰ ظاہرہ وان مفھومہ''

''المراد بہ دون تاویل ولا''

''تخصیص فلاشک فی کفر''

''ھؤلاء الطوائف مکھا قطعاً''

''اجماعاً وسمعاً''

امت نے یہ اجماع کیا ہے کہ اس کلام کو اپنے ظاہر پر محمول کیا جائے اور اس پر کہ اس آیت کا نفس مفہوم ہی مراد ہے بغیر کسی تاویل یا تخصیص کے، اس کے لیے ان تمام فرقوں کے کفر میں کوئی شک نہیں، بلکہ ان کا کفر قطعی طور سے اجماعِ امت اور نقل یعنی کتاب وسنت سے ثابت ہے۔

بحوالہ: معارف القرآن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع، مکتبہ دارالعلوم کراچی جلد 7 صفحہ (
165-160)

:خاتم النبیین کی نبوی تفسیر

:عن ثوبان رضی اللہ عنہ قال

قال رسول اللہ انہ سیکون فی امتی ثلاثون کذابون کلھم یزعم انہ نبی وانا خاتم النبیین ''
''لانبی بعدی

(ابوداؤد، جلد2 صفحہ 127)

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: حضور نے فرمایا کہ میری امت میں تیس جھوٹے پیدا ہوں گے ہر ایک یہی کہے گا کہ میں نبی ہوں، حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی کسی قسم کا نبی نہیں۔

اس حدیث شریف میں آنحضرت نے لفظ ''خاتم النبیین'' کی تفسیر ''لانبی بعدی'' کے ساتھ خود فرمادی ہے، اس لیے حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر میں اس آیت کے تحت چند :احادیثِ نقل کرنے کے بعد ایک نہایت ایمان افروز ارشاد فرماتے ہیں

وقد اخبراللہ تبارک وتعالیٰ فی کتابہ ورسولہ فی السنہ المتواترہ عنہ انہ لانبی بعدہ لیعلمون'' کل من ادعی ھذاالمقام بعدہ فھو کذاب افاک دجال ضال مضل ولوتخرق وشعبذ واتی ''بانواع السحر والطلاسم۔

ترجمہ: اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور رسولِ اکرم نے حدیث متواتر کے ذریعہ خبر دی کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا تاکہ لوگوں کو معلوم رہے کہ آپ ،کے بعد جس نے بھی اس مقام یعنی نبوت کا دعویٰ کیا وہ بہت جھوٹا

بہت بڑا افترا پرداز، بڑا ہی مکار اور فریبی، خود گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہوگا اگرچہ وہ خوارق عادات اور شعبدہ بازی دکھائے اور مختلف قسم کے جادو اور طلسماتی کرشموں کا مظاہرہ کرے۔

: خاتم النبیین '' کی تفسیر صحابہ کرام سے ''

حضراتِ صحابہ کرام وتابعین کا مسئلہ ختم نبوت سے متعلق کیا مؤقف تھا۔ خاتم النبیین کا ان کے نزدیک کیا ترجمہ تھا؟

حضرت ابنِ عباس نے فرمایا: مراد یہ ہے کہ اگر میں سلسلۂ انبیاء کو محمد پر ختم نہ کردیتا تو ان کے بعد ان کے بیٹے کو نبی بنادیتا۔ علماء نے حضرت ابنِ عباس کا قول نقل کیا ہے کہ جب اللہ نے یہ فیصلہ کردیا کہ رسول اللہ کے بعد کسی کو نبی بنانا ہی نہیں ہے تو حضور کو کوئی لڑکا بھی عنایت نہیں کیا، ابنِ ماجہ نے حضرت ابنِ عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ نے اپنے صاحبزادہ ابراہیم کے متعلق فرمایا اگر وہ زندہ رہتا تو نبی ہوتا۔

: یہاں پر صرف دو تابعین کرام کی آراء مبارک درج کی جاتی ہیں

امام ابو جعفر ابن جریر طبری اپنی عظیم الشان تفسیر میں حضرت قتادہ سے خاتم النبیین کی تفسیر میں روایت فرماتے ہیں :

'' عن قتادہ ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین ای آخرھم ''

(ابنِ جریر صفحہ 16)

ترجمہ: حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ انہوں نے آیت کی تفسیر میں فرمایا: اور

لیکن آپ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین یعنی آخر النبیین ہیں۔

''عن الحسن فی قولہ وخاتم النبیین قال ختم اللہ النبیین بمحمد وکان اٰخر من بعث''

(در منثور جلد 5 صفحہ 24)

ترجمہ: حضرت حسن بصری سے آیت خاتم النبیین کے بارے میں یہ تفسیر نقل کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کو محمد پر ختم کردیا اور آپ ان رسولوں میں سے ہیں جو اللہ کی طرف سے مبعوث ہوئے آخری ٹھہرے۔

ختمِ نبوت سے متعلق آیات:

(ہُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡہُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡہِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ)...1

(سورۂ توبہ:33)

ترجمہ:'' اور وہ ذات وہ ہے کہ جس نے اپنے رسول محمد کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا ہے تاکہ تمام ادیان پر بلند اور غالب کرے۔''

وَاِذۡ اَخَذَ اللّٰہُ مِیۡثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیۡتُکُمۡ مِّنۡ کِتٰبٍ وَّحِکۡمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا)...2
(مَعَکُمۡ لَتُؤۡمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنۡصُرُنَّہٗ

(آلِ عمران:81)

ترجمہ: ''جب اللہ تعالیٰ نے سب نبیوں سے عہد لیا کہ جب کبھی میں تم کو کتاب

اور نبوت دوں پھر تمہارے پاس ایک ''وہ رسول'' آ جائے جو تمہاری کتابوں اور وحیوں کی تصدیق کرنے والا ہوگا تو تم سب ضرور بالضرور اس رسول پر ایمان لانا اور ان ''کی مدد فرض سمجھنا۔

(وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا)...3

(سبا:28)

''ترجمہ: ''ہم نے تم کو تمام دنیا کے انسانوں کے لیے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔

(وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ)...4

(سورۂ انبیائ:107)

''ترجمہ: ''میں نے تم کو تمام جہاں والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

(اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَاامَ دِيْنًاط) ...5

(سورۂ مائدہ:3)

ترجمہ: ''آج میں پورا کرچکا تمہارے لیے دین تمہارا اور پورا کیا تم پر میں نے احسان ''اپنا اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے اسلام کو دین۔

:ختمِ نبوت سے متعلق چند احادیثِ مبارکہ

:حدیث 1

عن ابي هريرة رضي الله عنه ان رسول الله قال مثلي ومثل الانبياء من قبلي كمثل رجل بني بنيانا فاحسنه واجمله الا موضع لبنة من زاوية من زواياه فجعل الناس يطوفون به ''ويعجبون له ويقولون هلا وضعت هذه اللبنة قال فانا اللبنة وانا خاتم النبيين۔
(صحیح بخاری کتاب المناقب جلد1 صفحہ 501، صحیح مسلم جلد2 صفحہ 248)

ترجمہ: حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص نے بہت ہی حسین و جمیل محل بنایا مگراس کے کسی کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ لوگ اس کے گرد گھومنے اور اس پر عش عش کرنے لگے اور یہ کہنے لگے کہ یہ ایک اینٹ کیوں نہ لگادی گئی؟ آپ نے فرمایا: میں وہی اینٹ ہوں اور میں نبیوں کو ختم کرنے والا ہوں۔

حدیث 2:

عن ابي هريرة يحدث عن النبي قال كانت بنواسرائيل سوسهم الانبياء كلما هلك نبي'' ''خلفه نبي وانه لانبي بعدي وسيكون خلفاء فيكثرون۔
(صحیح بخاری جلد1 صفحہ 491)

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃ رسولِ اکرم سے بیان کرتے ہیں حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کی قیادت خود ان کے انبیاء کیا کرتے تھے جب کسی نبی کی وفات ہوتی تھی تو اس کی جگہ دوسرا نبی آتا تھا لیکن میرے بعد کوئی نبی

''نہیں البتہ خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے۔

: حدیث 3

''عن عقبۃ بن عامر قال قال رسول اللہ لوکان نبی بعدی لکان عمر بن الخطاب۔''

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن خطاب ہوتے۔

: حدیث 4

''بعثت انا والساعۃ کھاتین''

ترجمہ: مجھے اور قیامت کو دو انگلیوں کی طرح بھیجا گیا ہے۔

: حدیث 5

عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ان الرسالۃ والنبوۃ قد انقطعت''

''فلا رسول بعدی ولا نبی۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ رسالت و نبوت ختم ہو چکی ہے، پس میرے بعد نہ کوئی رسول ہی ہے اور نہ نبی۔

: ختمِ نبوت پر اجماعِ امت

: حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

بیشک امت نے بالاجماع اس لفظ (خاتم النبیین) سے یہ سمجھا ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ کے بعد نہ کوئی نبی ہوگا اور نہ رسول اور اس پر اجماع ہے کہ

اس لفظ میں کوئی تاویل و تخصیص نہیں اور اس کا منکر اجماع کا منکر ہوگا۔

(الاقتصاد فی الاعتقاد صفحہ 123)

:خاتم النبیین اور قادیانی جماعت

قرآن و سنت صحابہ کرام اور اصحابِ لغت کی طرف سے لفظ خاتم النبیین کی وضاحت کے بعد اب قادیانی جماعت کے مؤقف کو دیکھیے:

ان کا کہنا ہے کہ ''خاتم النبیین کا معنی نبیوں کی مہر'' یعنی پہلے اللہ تعالیٰ نبوت عنایت فرماتے تھے۔ اب آنحضرت کی اتباع سے نبوت ملے گی جو شخص رحمت دوعالم کی اتباع کرے گا آپ اس پر مہر لگادیں گے تو وہ نبی بن جائے گا۔

ہمارے نزدیک قادیانی جماعت کا یہ مؤقف سراسر غلط، فاسد، باطل، بے دینی، تحریفِ دجل وافترائ، کذب و جعل سازی پر مبنی ہے۔

(حقیقۃالوحی صفحہ 97 حاشیہ و من 28 خزائن صفحہ 100و3 جلد22)

:مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کا چیلنج

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے اس موقعہ پر کیا خوب چیلنج کیا، آپ فرماتے ہیں:

اگر مرزا صاحب اور ان کی امت کوئی خلافت رکھتے ہیں تو لغت عرب اور قواعد عربیت'' سے ثابت کریں خاتم النبیین کے معنی یہ ہے کہ ''آپ کی مہر سے انبیاء بنتے ہیں'' لغت عرب کے طویل و عریض دفتر میں سے زائد نہیں صرف ایک نظیر اس

کی پیش کردیں یا کسی ایک لغوی اہل عربیت کے قول میں یہ معنی دکھلادیں اور مجھے یقین ہے کہ ساری مرزائی جماعت مع اپنے نبی اور ابن نبی کے اس کی ایک نظیر کلام عرب یا اقوال لغویین میں نہ دکھلاسکیں گے''۔

خود مرزا صاحب نے جو (برکات الدعاء ص 15,14 روحانی خزائن صفحہ 81-17 جلد 6) میں تفسیرِ قرآن کے معیار میں سب سے پہلا نمبر قران مجید سے دوسرا احادیث نبیٔ کریم سے اور تیسرا قول صحابہ کرام سے رکھا ہے۔

اگر یہ صرف ہاتھی کے دکھلانے کے دانت نہیں تو خدارا! خاتم النبیین کی اس تفسیر کو قرآن کی کسی ایک آیت میں دکھلائیں اور اگر یہ نہیں ہوسکتا تو احادیثِ نبویہ کے اتنے وسیع و عریض دفتر میں ہی کسی ایک حدیث میں یہ تفسیر دکھلائیں پھر ہم یہ نہیں کہتے ہیں کہ صحیحین کی حدیث ہو یا صحاح ستہ کی بلکہ کسی ضعیف (حدیث کی کتاب) میں دکھلادو کہ نبیٔ کریم نے خاتم النبیین کے یہ معنی بتلاتے ہوں کہ آپ کی مہر سے انبیاء بنتے ہیں اور اگر یہ بھی نہیں ہوسکتا تو کم از کم کسی صحابی، کسی تابعی کا قول ہی پیش کرو، جس میں خاتم النبیین کے یہ معنی بیان کیے ہوں لیکن مجھے معلوم ہے کہ

اے مرزائی جماعت اور اس کے مقتدر ارکان! اگر تمہارے دعویٰ میں کوئی صداقت کی بو اور قلوب میں کوئی غیرت ہے تو اپنی ایجاد کردہ تفسیر کا کوئی شاہد پیش کرو اور اگر ساری جماعت مل کر قران کے تیس پاروں میں سے کسی ایک آیت میں احادیث کے غیر محصور دفتر میں سے کوئی ایک حدیث میں اگرچہ ضعیف ہی

ہو، صحابہ کرام وتابعین کے بے شمار آثار میں سے کسی ایک قول میں یہ دکھلا دیں کہ خاتم النبیین کے معنی یہ ہے کہ آپ کی مہر سے انبیاء بنتے ہیں تو وہ نقد انعام وصول کر سکتے ہیں۔ اگر کوئی دیکھنے والی آنکھیں اور سننے والے کان رکھتا ہے تو قرآنِ عزیز کی نصوص اور احادیث نبویہ کی تصریحات اور صحابہ کرام وتابعین کے صاف صاف آثار، سلف صالحین اور ائمہ تفسیر کے کھلے کھلے بیانات اور لغت عرب اور قواعد عربیت کا واضح فیصلہ سب کے سب اس تحریف کی تردید کرتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں کہ آیت ''خاتم النبیین'' کے وہ معنی جو مرزائی فرقہ نے گھڑی ہیں، باطل ہیں۔

ختمِ نبوت کی احادیث کے راوی صحابہ کرام:

حضرت سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ

حضرت سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

حضرت سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

حضرت سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ

حضرت سیدنا حذیفۃ بن ایمان رضی اللہ عنہ

حضرت سیدنا ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ

حضرت سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ

حضرت سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ

چہرے کے پردے کا حکم۔ایک تحقیقی جائزہ

سورۃ الاحزاب کی آیت ۵۳ وہ پہلی آیت ہے جس میں خواتین اسلام کو پردہ کرنے کی تلقین کی گئی اسی لئے مفسرین کرام اسے ''آیت الحجاب'' کہتے ہیں۔اس آیت کے ابتدائی حصہ میں ''بیوت النبی'' یعنی حضور کے دولت کدہ میں بغیر اجازت داخل ہونے سے منع کیا گیا ہے اور جمہور امت اس بات پر متفق ہے کہ یہ حکم آپ کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ اسلامی معاشرہ کے کسی بھی فرد کے گھر میں بغیر اجازت داخل ہونا جائز نہیں ہے۔آیت کا آخری حصہ میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ آپ کے بعد نکاح کی ممانعت کا حکم ہے اور جمہور امت اس بات پر متفق ہے کہ یہ حکم حضور کے اہل خانہ کیلئے خاص ہے اور یہ اعزاز کسی دوسرے کیلئے نہیں ہے۔

آیت کے درمیانی حصہ میں پردہ کا حکم دیا گیا ہے اور یہ حکم دیتے وقت حضور کی ازواج مطہرات کا ذکر کرنے کی بجائے عربی زبان میں عورتوں کیلئے استعمال کی جانے والی ضمیر ''ھن'' کو استعمال کیا گیا ہے۔قرآن کریم کے الفاظ یہ ہیں :

واذا سالتموھن متاعاً فسئلتموھن من وراء حجاب

'' جب تم مردان عورتوں سے کچھ سامان طلب کرو تو پردہ کے پیچھے سے طلب کیا

'' کرو

اس آیت مبارکہ میں غور کیجئے اور اس کے ترجمہ میں بھی بار بار غور کیجئے۔ اس میں کوئی ایسی بات نہیں کہی گئی ہے جو ازواج مطہرات کیلئے خاص ہو اور نہ ہی کوئی ایسا لفظ یا قرینہ ہے جس کی وجہ سے اس حکم کو ازواج مطہرات کیلئے خاص سمجھا جائے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ '' ھن'' ضمیر سے ازواج مطہرات کو مراد لیا جائیگا کیونکہ یہ آیت حضرت زینب رضی اللہ عنھا سے نکاح کے موقع پر حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے گھر میں نازل ہوئی۔ آپ اس دلیل میں غور کرکے اس کے وزن کا اندازہ خود ہی کر سکتے ہیں۔ کیا حضور علیہ الصلوۃ السلام کے گھر میں نازل ہونے والا قرآن کریم کا حصہ ازواج مطہرات کے ساتھ ہی خاص ہوتا ہے باقی مسلمانوں کیلئے نہیں ہوتا !؟ بعض کی رائے یہ ہے کہ ''ھن '' سے مراد تو ازواج مطہرات ہی ہیں مگر حکم عام ہے اور تمام مسلمان خواتین کو حجاب کی تعلیم دی گئی ہے لیکن اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے '' ھن'' سے مسلم خواتین مراد ہیں جن میں ازواج مطہرات بھی شامل ہیں۔ اور یہی بات صحیح اور پاکیزہ معاشرہ کی روح سے مطابقت رکھتی ہے۔ علامہ ماوردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ازواج مطہرات اور تمام خواتین کو حجاب کا حکم دیا گیا ہے''۔''

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں : '' اور معنی کے لحاظ سے تمام خواتین اس میں داخل ہیں '' آپ اس آیت میں دوبارہ غور کریں ۔ اس سے پہلی آیات میں ازواج مطہرات کیلئے کوئی لفظ صراحۃً استعمال نہیں کیا گیا ۔ البتہ حضور علیہ الصلوۃ السلام سے خطاب کرتے ہوئے آئندہ کیلئے مزید کسی خاتون کے ساتھ نکاح کی ممانعت کی گئی ہے ۔ چنانچہ کہا گیا ہے : '''اس کے بعد آپکے لئے دوسری عورتوں سے نکاح کرنا حلال نہیں رہا لہٰذا اگر ضمیر کیلئے کوئی مذکور مرجع قرار دیا جاسکتا ہے تو وہ '' النسآء '' ہے جس کے '' معنی ازواج مطہرات نہیں بلکہ مسلم خواتین ہی ہے ۔ پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ازواج مطہرات کے ساتھ جو حکم مخصوص تھا ، یعنی حضور علیہ الصلوۃ السلام کے بعد آپ کی بیویوں سے نکاح کی ممانعت ، اس کے ساتھ '''ازواجہ '' کا صریح ذکر فرمایا ہے ۔ ضمیر کا لفظ نہیں فرمایا تاکہ کوئی خفا یا ابہام نہ رہ جائے ۔ اسکے علاوہ قرآن کریم نے حجاب کی جو علت بیان کی ہے وہ بھی اسی بات کا تقاضا کرتی ہے کہ یہ حکم تمام مسلم خواتین کو شامل ہونا چاہئے ۔ قرآن کریم کہتا ہے : '''پردہ کا اہتمام تمہارے اور ان کے دلوں میں زیادہ پاکیزگی پیدا کرنے کا باعث ہے '' سوال یہ پیدا ہوتا ہے : کیا پاکیزگی صرف مسلمان مردوں اور ازواج مطہرات کو ہی چاہئے ۔ باقی مسلمان خواتین کو پاکیزگی کی حاجت نہیں ہے ؟ کیا ان کے دل ازواج مطہرات سے بھی زیادہ پاکیزہ ہیں ؟ یا قرآن انہیں گناہوں کی غلاظت اور گندگی سے بھرپور خیالات میں آلودہ رکھنا چاہتا ہے ؟ ہم

یہ بات

سمجھنے سے قاصر ہیں کہ یہ لوگ عام مسلمان خواتین کو دلوں کی پاکیزگی سے محروم رکھ کر کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں !؟ قرآن کریم تو یہ تعلیم دینا چاہتا ہے کہ جب ازواج مطہرات کو قلبی پاکیزگی کیلئے پردہ کا اہتمام کرنے کی ضرورت ہے تو عام مسلم خواتین کو بدرجہ اولی ہونی چاہئے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تمام مفسرین کا اس آیت کو آیت حجاب کا لقب دینا بھی اس بات کا واضح کرتا ہے کہ امت مسلمہ اس آیت کو تمام مسلم خواتین کیلئے پردہ کے حکم پر مشتمل سمجھتی آئی ہے۔

خواتین اسلام کیلئے گھر میں رہتے ہوئے یہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر نامحرم مردوں سے گفتگو کی ضرورت پیش آجائے تو حجاب کی پابندی کے ساتھ ہونی چاہئے۔ اور اگر کسی ضرورت کے تحت گھر سے باہر جانا پڑجائے تو اس سے اگلی آیت میں یہ تعلیم دی گئی یدنین علیھن من جلابیبھن ''وہ اپنے اوپر بڑی چادروں کا کچھ حصہ لٹکا لیا کریں۔'' جلابیب جمع ہے جلباب کی۔ اور جلباب وہ بڑی چادر ہوتی ہے جسے خواتین گھر سے باہر نکلنے کی صورت میں اپنا پورا جسم ڈھانپنے کیلئے استعمال کرتی ہیں مفسرین کرام نے اگر کہیں جلباب کی توضیح میں خمار کا لفظ استعمال کیا ہے تو وہ یقینا لغوی معنی کے اعتبار سے ہی ہوسکتا ہے اسکا اردو میں '' دوپٹہ '' ترجمہ کرنا یا تو غلط فہمی ہے یا پھر عربی زبان سے

ناواقفیت کی بنا پر ہے۔ جب کسی خاتون کے پورے جسم پر چادر لپٹی ہوئی ہوگی تو اسکا کچھ حصہ لٹکانے کا مطلب سمجھنا کسی معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والے شخص پر بھی مخفی نہیں رہ سکتا۔ آیت مبارکہ کے معجزانہ اسلوب بیان میں ذرا غور کیجئے :

☆ جلابیب کو ضمیر اناث کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔

☆ جلابیب پر تبعیض کا '' مِن '' داخل کیا گیا ہے۔

☆ ادناء (لٹکانے) کا اضافی حکم دیا گیا ہے۔

اس سے جو تصویر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ کی شریف اور حیادار خواتین میں جلابیب کا استعمال پہلے سے موجود تھا۔ اسی لئے قرآن کریم نے یلبسن الجلابیب یا یلتحفن بالجلابیبجیسی کوئی تعبیر اختیار کرکے چادریں اوڑھنے کا حکم نہیں دیا بلکہ چادروں کا بعض حصہ لٹکانیکا حکم دیا ہے۔ لٹکانیکا مطلب نہ تو یہ کیا جاسکتا ہے کہ سر کی شکل بناکر قرآنی حجاب کے خلاف مغرب کی جنگ میں V اور چہرہ ننگا رہے اور سینہ پر کا اظہار کیا جائے اور نہ ہی یہ کہ گلے میں ڈالکر یا ہاتھ میں پکڑ (Victory) اپنی کامیابی کرا کے دونوں پلو ایک طرف کو لٹکا کر چلیں۔ اسی طرح کمر کی طرف یا دائیں بائیں لٹکانا بھی مراد نہیں ہوسکتا بلکہ بے تکلف اور واضح صورت یہی ہے کہ جب ایک شریف خاتون اپنے جسم کو جلباب سے چھپائے ہوئے جارہی ہو اور اسے کہا جائے کہ

اپنے جلباب کا کچھ حصہ مزید لٹکالو تو اسکا ہاتھ فوراً پیشانی کی طرف ہی جائیگا اور وہ سر سے کپڑا کھینچ کر قرآن کریم کے حکم پر لبیک کہے گی تو اس سے یقینا اسکا چہرہ ڈھانپا جائیگا اور قرآن کریم یہی تعلیم دے رہا ہے کیونکہ انکا چہرہ ہی ظاہر ہو رہا تھا اور وہ چھپ گیا۔ قرآنی حجاب کا مقصد چہرہ چھپانا ہے۔ اس کی علت بیان کرتے ہوئے مفسر قرآن علامہ ابو حیان فرماتے ہیں: '' کیونکہ انکے جسم کا جو حصہ ظاہر تھا وہ چہرہ ہی ہے۔

اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اس زمانہ کی شرم وحیا کی آئینہ دار خواتین نہ تو منی اسکرٹ پہنتی تھیں اور نہ ہی بغیر بازو کی قمیص پہنتی تھیں۔ اگر عرب کی بعض عورتوں کے بارے میں یہ آتا ہے کہ پردہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے انکا سینہ یا گردن اور چہرہ کھلا رہتا تھا تو اسے تمام خواتین اسلام پر چسپاں کردینا انصاف کا قتل ہی کہلائیگا۔

حضرت علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں حضرت اسماء بنت مرشد رضی اللہ عنھا کے بارے میں نقل کیا ہے کہ وہ اپنے باغ میں تھیں کہ بعض خواتین نامناسب لباس پہنے ہوئے اس حالت میں ان کے پاس آئیں کہ انکا سینہ،

چہرہ اور سر کے بال ظاہر ہو رہے تھے اور پازیب بھی نظر آ رہے تھے تو انہوں نے انتہائی ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: ماأقبح هذا! ؟ کوئی عربی دان ہی اس جملہ میں ناگواری اور ناراضگی کی شدت کا اندازہ لگا سکتا ہے۔ اسکا اردو ترجمہ ہم ان الفاظ میں کر سکتے ہیں: یہ کیا بدترین شکل وصورت بنا رکھی ہے !؟ یا یہ کیا بدترین لباس پہنا ہوا ہے...!؟

حضرت اسمائؓ کا اپنی مہمان خواتین کے لباس پر اسقدر ناراضگی اور ناپسندیدگی کا اظہار اس بات کا غماز ہے کہ اسلامی معاشرہ کی مہذب اور باشعور خواتین کا لباس نزول حجاب سے پہلے بھی ساتر تھا اور ایسی چادر کا استعمال رائج تھا جس کے ساتھ چہرہ کے علاوہ باقی پورا جسم چھپایا جا سکتا تھا لہٰذا بعد میں چہرہ چھپانے کا اضافہ کیا گیا ہے۔

امام قرطبیؒ رحمۃ اللہ علیہ نے چادر کو لٹکانے کے قرآنی حکم پر عمل کرنیکی کیفیت حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے: '' جلباب کا کچھ حصہ پیشانی پر سے لاکر ناک کے اوپر سے اس طرح لپیٹ لے کہ چہرہ ڈھک جائے اور صرف آنکھیں کھلی رہ جائیں ''

ہمارے موضوع سے متعلق اسکا جو حصہ ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: ولا یبدین

زینتھن الا ما ظہر منھا'' وہ اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر جو (خود بخود، بلاارادہ) ظاہر ہو جائے۔''

اس میں دو لفظ انتہائی اہمیت کے حامل ہیں: ا۔ زینت ۲۔ ماظہر منھا

زینت سے خوبصورتی اور حسن وجمال مراد ہے۔ علامہ قرطبیؒ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زینت دو قسم پر ہے: ا۔ خلقی اور قدرتی ۲۔ مصنوعی اور کسبی، شکل وصورت، اعضا کا تناسب، جسمانی رنگت قدرتی اور غیر کسبی زینت ہے اور سرخی پاؤڈر، سرمہ کاجل اور زیورات کا استعمال مصنوعی اور کسبی زینت ہے۔

نیز علامہ قرطبیؒ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں؛ '' انسانی خوبصورتی اور حسن وجمال کا اعلیٰ ترین مظہر انسان کا چہرہ ہوتا ہے۔''

چہرہ انسان کے تمام محاسن کا مجموعہ ہے اور کسی کے حسن وجمال اور خوبصورتی کا حتمی فیصلہ اس کے چہرہ کو دیکھ کر ہی کیا جاتا ہے'' ماظہر منھا '' کا واضح اور بے تکلف مطلب یہ نکلتا ہے کہ اگر غیر ارادی طور پر خواتین کی زینت خود بخود ظاہر ہو جائے تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہے کیونکہ جلباب اوڑھنے اور نقاب کرنے کے باوجود بھی نسوانی کشش کو بالکل ختم نہیں کیا جاسکتا۔ بازار میں خریداری کے موقع پر چہرہ یا ہاتھ وغیرہ غیر ارادی طور پر ظاہر

ہو سکتے ہیں۔ تیز ہوا کے جھونکے کے ساتھ جسم کا کوئی حصہ منکشف ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم نے فصاحت و بلاغت اور ایجاز و اختصار سے بھرپور '' ماظہر منہا '' کی خوبصورت اور معجزانہ تعبیر میں ان تمام احتمالات کا احاطہ کر لیا مگر ہائے افسوس کہ سینئر اسکالر صاحب پھر بھی مصر ہیں کہ '' اگر چہرہ پر نقاب ہو تو پھر نگاہیں نیچی کرنے کا حکم بے معنی '' ہو کر رہ جاتا ہے

حجاب کے قرآنی مفہوم میں چہرہ کا پردہ داخل ہے یا نہیں؟ ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل دیکھتے ہیں کہ وہ اس سے کیا سمجھے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ جب '' ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن '' کے الفاظ نازل ہوئے تو عورتوں نے اس پر عمل کرتے ہوئے اپنی چادریں کناروں سے پھاڑ کر ان سے اپنے چہرے کیلئے نقاب بنا لئے۔

☆ ایک شہید کی والدہ ام خلاد رضی اللہ عنہا شہدا میں اپنے بیٹے کی لاش تلاش کر رہی تھیں۔ کسی نے کہہ دیا کہ ایسی پریشانی اور گھبراہٹ کے موقع پر بھی تم نے چہرے پر نقاب ڈالا ہوا ہے! انہوں نے ایمان افروز جواب دیتے ہوئے فرمایا: '' میرے بیٹے کا جنازہ اٹھا ہے۔ میری حیا کا جنازہ تو نہیں اٹھا! ''

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ہم حج کے موقع پر حالت احرام میں

حضور علیہ السلام کے ساتھ سفر کر رہی تھیں۔ حجاج کرام ہمارے قریب سے گزرتے تو ہم اپنی چادر کو سر سے نیچے لٹکا کر چہرہ چھپا لیتیں اور جب لوگ آگے نکل جاتے تو ہم پھر چہرہ کھول لیتیں''۔

☆واقعۂ افک میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''میں نے اپنا چہرہ اپنے جلباب سے چھپا لیا''۔

☆... ''یہ حدیث سفیان نے ابوزبیر سے انہوں نے ابراہیم سے سنی'' محدث نے سند بیان کی۔

''استاد محترم! ابوزبیر ابراہیم سے حدیث روایت نہیں کرتے'' درس میں شریک ایک گیارہ سالہ بچے نے استاد کی توجہ دلانے کی کوشش کی۔ استاد نے بچے کو جھڑک دیا مگر بچہ اپنی بات پر مُصر رہا اور گزارش کی: ''استاد محترم! اپنی کتاب میں دیکھ لیجئے''

استاد نے اصل کتاب دیکھی اور واپس آ کر بچے سے پوچھا: اصل سند کیا ہے؟

''یہ حدیث سفیان نے ابوزبیر سے نہیں بلکہ زبیر سے اور انہوں نے ابراہیم سے روایت کی'' بچے نے اصل سند بیان کی۔ استاد نے فوراً قلم اٹھایا اور سند کی تصحیح کر لی۔

یہ بچہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم تھا، جو آگے چل کر شیخ الاسلام امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری کے نام سے مشہور ہوا۔ ولادت 13 شوال 194ھ، وفات 256ھ۔

☆... بھائی! جب درس میں شرکت کرنی ہی ہے تو کچھ لکھا بھی کرو، وقت تو ضائع نہ کرو''۔ ہم عصر ساتھیوں نے بخاری سے کہا، وہ ان کی بات سنتے رہے، یہاں تک کہ 16 دن اسی طرح گزر گئے۔ ملامت کا سلسلہ جاری تھا، چنانچہ تنگ آ کر ساتھیوں

:سے کہا

لاؤ! دکھاؤ! تم نے کیا لکھا ہے'' ساتھیوں نے اپنے تحریری نسخے آگے کر دیئے، جن'' میں پندرہ ہزار احادیث لکھی ہوئی تھیں۔ بخاری نے کہا: ''لو، سنو'' اور تمام حدیثیں زبانی اس طرح سنا دیں کہ انہیں سن کر ساتھیوں نے اپنے نسخوں کی اصلاح کی۔ (تاریخ خطیب جلد 2)

☆... ''کاش! تم ایک ایسی کتاب لکھتے جس میں صرف اور صرف صحیح احادیث ہوتیں'' امام اسحق بن راہویہ نے اپنے قابل فخر شاگرد بخاری سے کہا۔ شاگرد اتنی بڑی خدمت کا خود کو اہل نہ پاتا تھا، سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کرے۔ خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور خود کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا پنکھا جھلتا اور مکھیوں کو دور کرتا دیکھا۔ تعبیر واضح تھی کہ اللہ تعالیٰ ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں جو جھوٹ اور بہتان کی غلاظتیں شامل کی گئی تھیں، ان کو دور کرنے کا کام لینا چاہتا تھا، چنانچہ انتہائی کڑی شرائط پر صحیح بخاری کی تالیف کا آغاز فرمایا۔ ہر حدیث کو لکھنے سے پہلے غسل کیا، دوگانہ ادا کیا اور پھر حدیث درج کی۔ اس طرح 16 سال کے طویل عرصے میں یہ گلدستہ تیار ہوا جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ قرار پایا۔ (تاریخ خطیب جلد 2)

☆... ''امام صاحب! میں چاہتا ہوں کہ آپ بنفس نفیس تشریف لا کر میری مجلس میں اپنی تصانیف صحیح بخاری اور تاریخ کبیر سنائیں'' امیر بخارا خالد بن احمد

نے پیغام بھیجا۔

میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتا۔ یہ علم کی بے توقیری ہے'' امام نے کہلا بھیجا۔''

اگر ایسا ممکن نہیں تو میرے بیٹوں کیلئے ان کتابوں کے درس کا علیحدہ وقت مقرر کرلیں،'' جس میں ان کے ساتھ کوئی شریک نہ ہو'' خالد بن احمد نے آخری درجے میں یہ شرط رکھی۔

میں ایسا بھی نہیں کر سکتا'' امام بخاری نے دوٹوک جواب دیا، چنانچہ اسی خود داری'' کے جرم میں امام بخاری جلاوطن کر دیئے گئے۔

☆... ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم! کس کا انتظار ہے'' ایک اہل اللہ بزرگ نے خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ کسی کے انتظار میں پا کر دریافت کیا۔ ''محمد بن اسماعیل بخاری آرہے ہیں، ان کے انتظار میں ہوں''۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔

صبح جب ان اللہ والے بزرگ کو معلوم ہوا کہ امام بخاری وفات پا چکے ہیں تو حساب لگانے سے یہ دن وہی وقت نکلا، جس وقت انہوں نے خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو امام بخاری کا انتظار فرماتے ہوئے دیکھا تھا۔

☆... ''جو شخص محمد بن اسماعیل کے مسلک پر ہو، وہ کل سے میرے درس میں نہ آئے'' امام محمد بن یحیٰی الذہلی نے اعلان کیا، شرکائے درس میں حجۃ الاسلام

امام مسلم بن حجاج رحمہ اللہ (261ھ۔206ھ) بھی بیٹھے ہوئے تھے جو امام محمد بن اسماعیل بخاری کو سید المحدثین اور طبیب الحدیث فی عللہ کہتے اور اپنا مقتداء مانتے تھے۔ امتحان سخت تھا نہ محمد بن یحیٰی کا درس ایسا تھا کہ اسے خیر باد کہہ دیا جائے، نہ امام بخاری کی حمایت ترک کی جاسکتی تھی۔ امام مسلم نے عقل و دل کے معرکے میں دل کا فیصلہ قبول کیا، اسی وقت عمامہ سر پر رکھا، نسخے اٹھائے اور چل پڑے۔ بعد میں امام ذہلی سے جتنی احادیث نقل کی تھیں، وہ بھی واپس کر دیں کہ جو شخص امام بخاری سے بغض و عداوت رکھتا ہو، خواہ وہ کتنا ہی بڑا محدث ہو، اس قابل نہیں کہ اسے استاد کا درجہ دیا جائے۔ (تاریخ خطیب جلد 13، ص 100۔ تذکرۃ الحفاظ جلد 2 ص 150)

☆... ''دوست! کس حال میں ہو؟'' امام ابو حاتم رازی نے امام مسلم کو وفات کے بعد خواب میں دیکھ کر پوچھا۔

فرمایا: ''اللہ تعالٰی نے میرے لیے جنت کو مباح قرار دیا ہے، جب اور جس وقت جہاں جانا چاہوں جاسکتا ہوں''۔ (ابن خلکان جلد 2 ص 91)

☆... ''حضرت! آپ قمیص کی ایک آستین کشادہ اور دوسری تنگ کیوں رکھتے ہیں؟'' کسی عقیدت مند نے امام ابو داؤد سجستانی (275ھ۔202ھ) سے پوچھا، فرمانے لگے:

ایک آستین تو اس لیے کشادہ رکھتا ہوں تاکہ اس میں اپنی تحریر کے اجزا رکھ لوں'' جہاں تک دوسری آستین کا تعلق ہے تو اس کا ایسا کوئی سبب نہیں، اس لیے

(اسراف سے بچنے کیلئے اسے تنگ رکھتا ہوں''۔ (بستان المحدثین

☆... حضرت ! میں نے کسی سے سن کر آپ سے کچھ روایتیں نقل کی ہیں۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو ان کی قرات فرما دیں''۔ امام ابو عیسیٰ ترمذی (279۔ 209ھ) نے مکہ مکرمہ میں بر سبیل ملاقات محدث سے درخواست کی۔

ٹھیک ہے تم لکھا ہوا دیکھتے رہو، میں قرات کرتا ہوں''۔ محدث نے درخواست قبول'' کی۔

امام ترمذی نے اپنے سامان میں اس نسخے کو تلاش کیا، جس میں یہ روایتیں تھیں، مگر وہ ملنا تھا نہ ملا۔ خفت مٹانے کیلئے انہوں نے ایک سادہ کاغذ ہاتھ میں لیا اور یوں غور سے اسے دیکھنے لگے، جیسے واقعی تقابل کر رہے ہیں۔ اچانک محدث کی نظر خالی کاغذ پر پڑی۔

تم میرے ساتھ مذاق کر رہے ہو!'' محدث طیش میں آ گئے۔''

ترمذی نے تمام بات عرض کی اور کہا ''حضرت ! مجھے یہ روایتیں اسی طرح یاد ہیں ''جس طرح لکھی تھیں لفظ بہ لفظ

اچھا! ذرا پڑھ کر سناؤ''۔ محدث نے اتنا بڑا دعویٰ سنا تو تصدیق کیلئے حکم صادر فرمایا۔''

امام ترمذی نے تمام حدیثیں سنا دیں۔

شیخ کو ان کے محیر العقول حافظہ پر یقین نہ آیا، چنانچہ امتحان لینے کیلئے 40 روایتیں بیان کیں، جو امام ترمذی نے اس سے قبل کہیں نہیں سنی تھیں۔ امام ترمذی نے ایک ہی مرتبہ سن کر وہ اس طرح لفظ بہ لفظ سنائیں کہ غلطی تو

در کنار اٹکن بھی نہ آئی۔

☆... ''استاد محترم! آج ملک نیشا پور میں بدیع الزماں ابو الفضل ہمدانی آیا ہوا ہے۔ اس کا حافظہ غضب کا ہے۔ بیٹھے بیٹھے سینکڑوں اشعار ادھر سنتا ہے اور ادھر سنا دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ حفاظ حدیث کی میرے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں۔ اس طرح وہ حدیث سے لوگوں کے اعتماد کو ہٹا رہا ہے'' شاگردوں نے امام ابو عبداللہ حاکم (327-405 ھ) کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ بات واقعی تشویش ناک تھی اور ایسے لوگوں کا ناطقہ بند کرنا ضروری تھا۔

''یہ احادیث اسے دو اور کہو کہ ایک ہفتے کی مہلت ہے یاد کرکے لفظ بہ لفظ سنا دے'' امام نے کچھ احدیث نکال کر شاگردوں کو دیں۔

ایک ہفتے کے بعد اس نے اپنی ناکامی کا اعتراف کیا اور کہا کہ اتنے مختلف الفاظ، انواع و اقسام کے مضامین اور غیر مرتبط کلام کو میں یاد نہیں کر سکتا۔ یوں امام نے اسے آئینہ دکھا دیا۔ (طبقات شافعیہ)

یہ حدیث کی کتابیں مرتب کرکے یہ مقدس امانت ہم تک پہنچانے والے جلیل القدر ائمہ محدثین حضرات کے کردار و عمل اور حفظ و اتقان کی چند نامکمل تصویریں ہیں، جن سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ حضرات عنداللہ مقبولیت اور عظمت کردار کے کس اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔

کاش کہ اپنے خبث باطن کے کریہہ آئینے میں ان نفوس قدسیہ کو دیکھ کر احادیث

پر زبان طعن دراز کرنے والے پرویزی، مودودی، و غامدی وغیرہ کے پیروکار نام نہاد اسکالرز حقائق کی روشنی میں ان ہستیوں کے حزم و احتیاط کا ادراک کرتے لیکن اگر کورہ چشم سورج کی تابناکیوں میں بھی کچھ نہ دیکھ سکے تو قصور سورج کا نہیں اس کا اپنا ہے۔

آخر میں ہم ان کتب حدیث کا درس لے کر سند فراغت حاصل کرنے والے فضلائے کرام کی خدمت میں اتنا عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ آپ کی نسبت اس وقت انبیائے کرام علیہم السلام، صحابہ کرام اور عظیم محدثین کرام سے ہے، ہر لحہ اس نسبت کا پاس رکھ کر ہی آپ اس موج عصیاں ور نئی روشنیوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔

اپنے مرکز سے اگر دور نکل جاؤگے
خاک ہو جاؤگے افسانوں میں کھو جاؤگے

آتش بازی کی یا عبادت کی رات؟

یہ شعبان کا مہینہ ہے، مہینوں سے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک کتاب اللہ میں بارہ کی ہے،اسی دن سے جب سے آسمان وزمین کو اس نے پیدا کیا ہے ان میں سے چار حرمت وادب کے ہیں،، (سورة توبہ)
ابتدائے آفرینش سے ہی اللہ تعالیٰ نے بارہ مہینے مقرر فرمائے ہیں جن میں چار حرمت والے ہیں۔ بعض مہینوں کی فضیلت اور اہمیت کتاب وسنت سے ثابت ہے۔ مگر بعض ناسمجھ لوگوں نے ماہ شعبان کی فضیلتوں کو کچھ لوگوں نے اسقدر بڑھ چڑھ کر بیان کرنا شروع کردیا کہ ان فضیلتوں کے سامنے ماہ رمضان کی فضیلتیں کم نظر آنے لگتی ہیں۔
اس مہینے میں سرکاردوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر روزہ رکھا کرتے تھے،چنانچہ ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہااورم المؤمنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہافرماتی ہیں: میں نے نہیں دیکھا کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے علاوہ کسی مہینہ میں مکمل ایک ماہ روزہ رکھاہو، اور میں نے نہیں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ سلم رمضان کے بعد شعبان مہینہ سے زیادہ کسی

(مہینہ میں روزہ رکھتے ہوں،، (بخاری ،ترمذی وابوداؤدکتاب الصوم

شعبان المعظم کایوں توپورامہینہ ہی عبادت وریاضت کامہینہ ہے، لیکن اس کی پندرھویں شب کوایک خاص خصوصیت حاصل ہے۔ علماکے ایک طبقے کے مطابق سورۃ دخان میں لیلۃ مبارکۃ''سے بھی یہی رات مراد ہے۔اللہ تعالٰی فرماتے ہیں: ترجمہ: تحقیق ہم'' نے وہ کتاب بابرکت رات میں اتاری ہے ،بے شک ہم لوگوں کو ڈرائیں گے ،اسی رات میں تمام باحکمت امور کی تفصیل کی جاتی ہے۔

اس رات کوعرف عام میں ''شب برات ''کہاجاتاہے،جس کی وجہ یہ ہے کہ براۃ کا معنی ہے: دور ہونا،جداہونا، نجات پانا وغیرہ۔ اور اس رات اللہ تعالٰی کے نیک بندے آخرت کی رسوائی وذلت سے دور کر دیئے جاتے ہیں اور بدبخت لوگ (یعنی جو اس رات کو اپنے گناہوں سے توبہ نہیں کرتے) اللہ تعالٰی کی رحمتوں ومغفرتوں سے دور (رکھے جاتے ہیں۔ (غنیۃ الطالبین

لیکن شب برات میں اللہ تعالٰی کی جانب سے رحمت ومغفرت کی اس قدر برسات کے باوجود کچھ بد نصیبوں کی توبہ کے بغیر مغفرت نہیں ہوتی،چنانچہ "مسند البزار" میں سیدناابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور "سنن ابن ماجہ" میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول نے فرمایا: "اللہ تعالٰی

شعبان کی پندرہویں رات تجلی فرماتا ہے اور تمام مخلوقات کو بخش دیتا ہے، ماسوائے مشرک، کینہ رکھنے والے، اسلام میں نئے فرقے بنانے والے اور چغل خور کے''۔ دیگر روایات میں ان لوگوں کے علاوہ کچھ اور گنہگاروں کا بھی ذکر آیا ہے، جو مندرجہ ذیل ہیں: والدین کانافرمان، شرابی، سود خور، تکبر سے تہبند ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا، رشتہ داروں سے بد سلوکی کرنے والا، قاتل، زانی، نجومی، عشار (جو محکمہ ٹیکس میں ہو اور لوگوں پر ظلم کرتا ہو)، میوزک، سارنگی، طبلہ اور ڈھول بجانے والا (یعنی گانے بجانے والا)، ہمسائے کے ساتھ بد سلوکی کرنے والا، جادوگر، اور شرطہ (یعنی رشوت خور وظالم سپاہی)

اس رات کو شب برات باور کرکے مختلف قسم کی مخصوص عبادات بجالانا صلوٰۃ العمری صلوٰۃالالفیہ، صلوٰۃ الغوثیہ وغیرہ نامی نمازیں پڑھنا اور مروجہ دوسری باتیں، جو آج، ہر طرف دیکھنے میں آتی ہیں، ثابت نہیں۔ اس رسوم وبدعات کے اژدہام کا سبب کچھ تو عقیدے کا بگاڑ ہے، کچھ عمل کی خرابی، کچھ رسم ورواج کی پابندی اور کچھ کھانے پینے کا مسئلہ، حالانکہ عقیدے کی خرابی، عمل کا بگاڑ، رسم ورواج کی پابندی وغیرہ کو بڑے خوش اسلوبی سے دور کیا جاسکتا ہے، جبکہ اہل بصیرت اس کی حقیقت کو سمجھ سکتے ہیں کہ صرف ایک رات عبادت کرکے اپنی خطاؤں کا معاف کرالینا اتنا ہی آسان ہے تو پھر روزانہ دعائے سحر گاہی کے لئے نرم وگرم بستر کو خیرباد کہنے کی کیا ضرورت ؟

رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

پھر یہ بھی سوچنے کا مقام ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی شب برات آئی ، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا زمانہ بھی گزر گیا،تابعین وائمہ اربعہ کا زمانہ بھی گزر گیا، لیکن کسی سے بھی شب برات کا حلوہ ، آتش بازی ، مردوں کی فاتحہ خوانی وغیرہ ثابت نہیں۔ لہذا مسلمانوں کو اس قسم کی تمام بدعات سے اجتناب کرتے ہوئے سنت صحیحہ کو مشعل راہ بنانا چاہیے، جو راہ نجات ہے۔ اللہ تعالیٰ بدعات سے محفوظ فرمائے۔ آمین

ہندوستان کے عظیم محقق عالم دین حضرت علامہ عبدالحئ لکھنوی رحمہ اللہ آثار مرفوعہ میں فرماتے ہیں :

ان تمام احادیث قولیہ وفعلیہ سے معلوم ہوا کہ اس رات عبادت زیادہ کرنا مستحب ہے لیکن لوگوں کو نماز اور غیر نماز میں فرق رہے جو چاہیں عبادت کریں لیکن اس رات عبادت مخصوصہ کیفیت مخصوصہ کے ساتھ اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ مطلق نماز نفلی شب برات اور اس کے علاوہ راتوں میں جائز ہے۔اس میں کوئی اختلاف نہیں ۔

ہم اس مقام پر مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی کے درپر دستک دیتے ہیں ،وہ فرماتے ہیں:'' شب برات کے متعلق جو یہ مضمون بعض

روایات میں آیا ہے کہ اس میں ارزاق وغیرہ کے فیصلے ہوتے ہیں اول تو ابن کثیر نے اس کے متعلق فرمایا کہ یہ روایت مرسل ہے اور ایسی روایت نصوص صریحہ کے مقابلے میں قابل اعتماد نہیں ہو سکتی اسی طرح قاضی ابو بکر ابن عربی نے فرمایا نصف شعبان کی رات کے بارے میں کوئی قابل اعتماد روایت ایسی نہیں، جس سے ثابت ہو کہ رزق اور موت وحیات کے فیصلے اس رات میں ہوتے ہیں بلکہ انہوں نے فرمایا کہ اس رات کی فضیلت میں بھی کوئی قابل اعتماد حدیث نہیں آئی۔ لیکن روح المعانی میں ایک بلا سند روایت حضرت ابن عباس سے اس مضمون کی نقل کی ہے کہ رزق اور موت وحیات وغیرہ کے فیصلے نصف شعبان کی رات میں لکھے جاتے ہیں اور شب قدر میں فرشتوں کے حوالے کیے جاتے ہیں''۔

حضرت مفتی صاحب مزید لکھتے ہیں: ''رہا شب برات کی فضیلت کا معاملہ، سو وہ ایک مستقل معاملہ ہے، جو بعض روایت حدیث میں منقول ہے، مگر وہ اکثر ضعیف ہیں، اسی لیے قاضی ابو بکر ابن عربی نے اس رات کی کسی فضیلت سے انکار کیا ہے۔ لیکن شب برات کی فضیلت کی روایات باعتبار سند کے ضعف سے کوئی خالی نہیں، لیکن تعدد طرق اور تعدد روایات سے ان کو ایک طرح کی قوت حاصل ہو جاتی ہے اس لیے بہت سے مشائخ نے ان کو قبول کیا ہے، کیونکہ فضائل اعمال میں ضعیف روایات پر عمل کر لینے کی بھی گنجائش ہے'' (معارف القرآن

ان دلائل سے واضح ہوا کہ شب.برات کا ذکر نہ قرآن مجید میں ہے اور نہ احادیث صحیحہ میں ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر کوئی شخص انفرادی طور پر اس رات ذکر و عبادت میں مشغول ہوتا ہے کہ اس کے عقائد کی تطہیر اور اخلاقی رفعت کا باعث بنے اور کسی خاص عبادرکا التزام نہیں کرتا، تو کوئی حرج نہیں۔ تاہم رات بھر جاگ کرعین فجر کے قریب سوجانے اور فجر کی نماز قضا کرنے سے یہ لاکھ درجے بہتر ہے کہ عشا کی نماز جماعت سے ادا کرکے سوجائے اور فجر کی نماز جماعت سے ادا کرے، حدیث میں ایسے شخص کے لیے بھی شب بیداری کا ثواب بیان کیا گیا ہے۔

یوں تو اس رات کی فضیلت اور اس میں مخصوص عبادات واعمال کے سلسلے میں متعدد روایات کتب حدیث میں موجود ہیں ، جن میں سے بعض بالکل من گھڑت، بعض کمزور اور ضعیف اور بعض کسی درجے میں قابل استناد ہیں ،ہم اکابر علما و مشائخ کے معمولات کی روشنی میں انتہائی حزم واحتیاط کے ساتھ اس رات میں جن کاموں کی گنجائش ہے،انہیں اس وضاحت کے ساتھ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ ان کاموں میں سراسر بھلائی ہے،اگر کوئی کچھ کرنا چاہے تو یہ کام کرسکتا ہے،ان کاموں کی اس رات کے ساتھ کوئی تخصیص بھی نہیں ،بلکہ سال بھر کیے جا سکتے ہیں:

☆... فقہائے اسلام کا اجماع ہے کہ پندرہویں شعبان کا روزہ اور شب بیداری استحباب کے درجے میں ہے۔

☆...اس رات قبرستان جانا سنت نبوی ہے۔ تاہم قبرستان جانا صرف مردوں کے لیے

اور انفرادی طور پر ہے۔آج کل جو اجتماعی شکل میں قبرستان جانا، وہاں میلے کا سا سماں برپا کرنا نیز مرد و زن کا اجتماع حدیث کے خلاف اور متعدد کبائر کا مجموعہ ہونے کی وجہ سے قطعاً جائز نہیں۔

☆... بعض روایات کے مطابق چونکہ شب براءت کو سال بھر کے اعمال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیے جاتے ہیں۔ لہٰذا شب براءت کو والدین، بھائیوں، بہنوں، رشتہ داروں، ہمسایوں اور دیگر لوگوں سے اپنی زیادتیوں کی معافی مانگ لینی چاہیے، اور اگر کسی کا کوئی حق ذمے میں باقی ہو تو اس کی ادائیگی کر دینی چاہیے، یا پھر صاحب حق سے معافی مانگ لینی چاہیے۔

☆...اسی طرح اس شب میں رب غفور الرحیم سے اپنے تمام گناہوں کی معافی مانگ لینی چاہیے۔ یاد رہے کہ توبہ کیلئے چار چیزیں ضروری ہیں، جن کا اہتمام والتزام کرکے ہی بارگاہ رب العزت سے معافی اور آئندہ کے لیے گناہوں کو چھوڑنے کی توفیق مل سکتی ہے:

1۔ رب کریم کی بارگاہ میں گناہوں کا اعتراف۔

2۔ گذشتہ گناہوں پر سخت ندامت اور آہ و زاری۔

3۔ آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ اور سچا وعدہ۔

4۔ گناہ کی تلافی۔ مثلاً نمازیں نہیں پڑھیں تو حساب یا اندازے سے بالغ ہونے کے بعد کی تمام فرض اور واجب نمازوں کی قضا، اسی طرح رمضان کے روزوں کی قضا، اسی طرح جتنے برس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی، حساب یا اندازے سے اس کی

ادائیگی۔

☆... بعض روایات کے مطابق چونکہ یہ رات حکم و قضا کی رات ہے، اللہ تعالیٰ فرشتوں کو سال بھر کا پروگرام دے دیتے ہیں، اس میں موت وحیات، اعمال نیک و بد، ہر قسم کے رزق اور انعامات، مصائب و آلام اور بیماریوں کا پروگرام بھی دیا جاتا ہے، لہٰذا اس شب کو اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت کے خیر و برکت کی دعائیں مانگنی چاہئیں۔

انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ اسلامیان پاکستان نے اس رات کو بدقسمتی سے ''آتش بازی اور پٹاخوں کی رات'' بنادیا ہے، یہ عمل اب باقاعدہ قانون نافذ کرنے والے اداروں کی سرپرستی میں ہو رہا ہے، پچھلے سال شب براءت میں کراچی میں پٹاخوں کے کاروبار کے حوالے سے ایک خبر ملاحظہ فرمایئے: ''شب براءت کے موقع پر شہر میں آتش گیر مادہ کی کھلے عام فروخت جاری، پولیس کی سرپرستی حاصل ہونے کے سبب پٹاخوں کی سپلائی جاری، شہریوں کی راتوں کی نیندیں حرام ہوگئیں، بوڑھے بچے اور بیمار افراد شدید اذیت سے دوچار، تفصیلات کے مطابق شہر کے مختلف علاقوں لانڈھی، کورنگی، ملیر، لیاقت آباد، نیو کراچی، گولیمار، پاک کالونی، بلدیہ ٹاؤن سمیت دیگر علاقوں میں آتش گیر مادہ کی کھلے عام فروخت کا سلسلہ جاری ہے۔ ذرائع کے مطابق پٹاخوں کی سپلائی اورنگی ٹاؤن، بنگلہ بازار، کورنگی مارکیٹ و دیگر علاقوں سے پولیس کی خصوصی سرپرستی میں شہر کے مختلف علاقوں

میں کی جاتی ہے، ذرائع نے انکشاف کرتے ہوئے بتایا ہے کہ پٹاخوں کی آڑ میں شہر میں کوئی بڑا سانحہ بھی رونما ہو سکتا ہے، جس کی روک تھام انتہائی ضروری ہے۔ ذرائع نے خدشہ ظاہر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ شہر میں کھلے عام پٹاخوں کی فروخت جاری ہے جبکہ دوسری طرف اعلیٰ افسران کی جانب سے اس پر سختی سے عمل درآمد کے دعوے کیے جارہے ہیں۔ تاہم اس پر عملدرآمد نہیں کیا جارہا ہے۔ حال ہی میں کراچی کے ایک علاقے میں آتش بازی کا سامان تیار کرنے والے کارخانے میں دھماکے کے باعث نہ صرف متعدد قیمتی جانوں کا نقصان ہوا اور کروڑوں روپے کا مال بھی جل کر خاکستر ہو گیا ۔ شب برات کے موقع پر آتش بازی اور دھماکہ خیز اشیا کی خرید وفروخت اوراس کا استعمال اپنے عروج پر نظر آتا ہے جو کہ ایک مرتبہ پھر اس قسم کے واقعات و حادثات (کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے'' (روزنامہ جسارت کراچی

یہ عمل مختلف گناہوں کا بھی باعث ہے،اول تو یہ کہ آتش بازی کھلا اسراف و فضول خرچی ہے، اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ترجمہ: "بیشک بغیر کسی غرض کے پیسہ ضائع کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔ دوسرے یہ کہ آتش بازی سے عبادت گزاروں کی عبادت، علما وطلبہ کی تعلیم و تعلم، بیماروں، بوڑھوں اور تھکے ماندے لوگوں کے آرام و نیند میں خلل پڑتا ہے، جو کہ ظلم وزیادتی ،عبادات کی سخت توہین اور علم کا نقصان ،ہے۔ تیسرے یہ کہ آتش بازی سے بسااوقات دکانوں

گھروں اور قیمتی اشیا کو آگ لگ جاتی ہے، اور ہر سال درجنوں لوگوں کی جانیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا آتش بازی سخت "فساد فی الارض" ہے۔ نیز آتش بازی کے بہانے بچے شب بھر گھروں سے باہر رہتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کے غلط ماحول اور غلط سوسائٹی سے متاثر ہونے اور جرائم اور کبیرہ گناہوں کا عادی بن جانے کا قوی اندیشہ ہے، لہٰذا ان وجوہات کے پیش نظر آتش بازی سخت خطرناک اور حرام فعل ہے، جس سے اپنی نئی نسل کو بچانا ہم سب کا فریضہ ہے۔ پھر یہ بھی انتہائی افسوسناک، قابل مذمت اور غیر اخلاقی و غیر شرعی امر ہے کہ بجائے عبادت کے اس مقدس و بابرکت شب کو محض آتش بازی اور پٹاخوں کی گھن گرج کی نذر کر دیا جاتا ہے۔ اس ضمن میں متعلقہ اداروں سے استدعا ہے کہ شادی اور دیگر تقریبات کے موقع پر آتش بازی، پٹاخوں اور دھماکہ خیز اشیا کے استعمال پر پابندی کے قانون پر سختی سے عمل کرائیں اور خلاف ورزی کرنے والوں کو قرار واقعی سزا دیں، تاکہ اس غیر شرعی، غیر اخلاقی اور سراسر نقصان دہ رسم کی بیخ کنی کی جاسکے۔

تبصرہ کتب، مولانا محمد جہان یعقوب

ادارہ تالیفات اشرفیہ کے مہتمم و مدیر جناب محمد اسحق ملتانی صاحب کو اللہ تعالی نے پاک و ہند میں اکابر کے علوم و معارف کی ترویج و اشاعت کیلئے قلمی خدمات کے میدان میں قبول فرما لیا ہے۔ وہ اپنی تمام صلاحیتیں صرف کرکے اور زر کثیر خرچ کرکے وقتاً فوقتاً کوئی نہ کوئی تحفہ اہل علم کی خدمت میں پیش کرتے رہتے ہیں۔ خود بھی ترتیب و تالیف کے کام میں محنت کرتے ہیں اور رجال کار کو تلاش کرکے ان سے بھی خدمت لیتے اور اس کی قدر دانی کرتے ہیں۔

''تحفۃ المدارس'' دو جلدوں پر مشتمل ملتانی صاحب کی اپنی ترتیب دی ہوئی کتاب ہے۔ اس کا موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے۔ استاذ المحدثین حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم کے پاس یہ تحفہ پہنچا تو حضرت نے باوجود پیرانہ سالی اور ضعف جسمانی کے اپنے دست مبارک سے کلمات تبریک لکھے اور بجا فرمایا: بڑی محنت سے تحفظ المدارس کو مرتب کیا گیا ہے۔ اکابر کے حالات کا دل پذیر انتہائی مفید تذکرہ ایک جگہ جمع کردیا گیا ہے۔ طلبہ و علماء

اساتذہ مدارس، درویشوں، خانقاہ نشینوں اور تبلیغ کا فریضہ سرانجام دینے والوں، سماجی خدمات بجا لانے والوں اور جہاد کا علم بلند کرنے والوں، مختصر تمام اہل اسلام کی رہنمائی کیلئے بہترین دستاویز مہیا کر دی گئی ہے۔'' رئیس جامعہ دارالعلوم کراچی حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے بھی اس محنت کو سراہتے ہوئے

فرمایا: ''ماشاء اللہ سرسری انداز میں دیکھنے سے معلوم ہوا ہے کہ یہ بڑی مفید کتاب ہے۔۔۔ اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کو ترتیب سے پڑھنا بھی ضروری نہیں ہے، جو صفحہ اور جو ورق بھی کھول لیں، اس سے مفید مضمون مل جاتا ہے۔''

دور حاضر کے دو متبحر علمائے کرام، جو بلاشبہ مقتدا و پیشوا ہیں، جس کتاب کے بارے میں اس قسم کے تاثرات کا اظہار کریں، اس کی قدر و قیمت اور اہمیت و افادیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

پہلی جلد، جو 568 سے زائد صفحات پر مشتمل ہے، جن مرکزی عنوانات کا احاطہ کرتی ہے، وہ ہیں: مدارس دینیہ اور اکابر کا اخلاص۔ مدیر اور مدارس، علم اور اہل علم، اہل علم کیلئے منتخب اسلاف کے اہم واقعات، اہل علم کو اکابر کی نصائح۔۔۔ ہر عنوان پر سینکڑوں کتب و رسائل میں بکھرا ہوا مواد یکجا کیا گیا ہے، بالخصوص دارالعلوم دیوبند کی تاسیس کا مفصل احوال، اساتذہ کیلئے شیخ

الحدیث حضرت مولانا نذیر احمد کی نصائح اور ''اکابر کے منتخب واقعات'' بار بار پڑھے جانے بلکہ حرز جاں بنانے کے قابل ہیں۔ ان میں صرف اساتذہ کیلئے نہیں بلکہ ان طلبہ کیلئے بھی بہت کچھ ہے جو مستقبل میں کچھ کرنے کا جذبہ رکھتے ہوں۔

دوسری جلد، جو 624 سے زائد صفحات پر مشتمل ہے، جن مرکزی عنوانات کا احاطہ کرتی ہے، وہ یہ ہیں: مدرس اور مدارس۔ اہل علم کیلئے صحبت صالح اور اصلاح نفس کی فرضیت۔ اصلاح کی ضرورت واہمیت۔ طلبائے کرام۔ مطالعہ کتب کا دستور العمل۔۔۔ ان میں سے ہر عنوان کا بلاشبہ حق ادا کیا گیا ہے۔ اس مادیت کے دور میں ''چندہ کے متعلق اکابر کے واقعات استغنا'' کو دل کی آنکھوں سے پڑھنے اور اپنے اندر بھی اکابر والا یہی استغناء پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ ہر عنوان کے تحت اکابر کے عملی واقعات کو پڑھ کر ہمت بندھتی ہے کہ اگر ہم بھی چاہیں تو اس حوالے سے توفیق ایزدی ہمارے شامل حال ہو سکتی ہے۔

ملتانی صاحب نے مدارس پر انسائیکلو پیڈیا کی نوعیت کا کام کیا ہے اور مدارس، علما و طلبہ اور نظام مدارس پر تمام مواد بڑی خوب صورتی سے پیش کر دیا ہے۔ یہ دستاویز مدارس کے وابستگان کیلئے تو ہے ہی خاصے کی چیز، ساتھ ہی ان ذہنوں کی صفائی کیلئے بھی تیر بہدف اور جادو اثر ہے، جنہیں مدارس اور

علما کے بارے میں میڈیا نے مسموم کر رکھا ہے۔ ہمیں قوی امید ہے کہ ایسے مخالفین و معاندین اگر غیر جانب دار ہو کر ''تحفۃ المدارس'' کا مطالعہ کریں تو ان کے سامنے حقائق روز روشن کی طرح واضح ہو جائیں گے۔

یہ کتاب چار رنگے دیدہ زیب سرورق اور عمدہ کاغذ پر شائع کی گئی ہے، جا بجا بکھری لفظی اغلاط خصوصی توجہ کی متقاضی ہیں۔ مکرر واقعات کو حذف کرنے سے کتاب مزید جاندار بن سکتی ہے۔ بایں ہمہ یہ کتاب ہر کتب خانے اور لائبریری سمیت ہر مدرس، ہر عالم اور ہر طالب علم کے دارالمطالعہ کی زینت بننے کے قابل ہے۔

کتاب الدعاء والاستغفار

تبصرہ کتب، مولانا محمد جہان یعقوب

محترم رشید اللہ یعقوب موسس و بانی رحمۃ للعالمین ریسرچ سینٹر مکان نمبر 8 زمزمہ اسٹریٹ نمبر 3 کا نام اور کام قارئین اخبار المدارس کیلئے محتاج بیان نہیں ہے۔ زیر تبصرہ کتاب بھی ان کی تحقیق و جستجو کا شاہ کار ہے جو تقریباً 208 صفحات پر مشتمل ہے اور اسے بھی انہوں نے اپنی سابقہ روایت کے مطابق سادہ مگر دیدہ زیب کارڈ ٹائٹل کے ساتھ دو رنگے عمدہ کاغذ پر چھاپا ہے اور اس کے حقوق بھی محفوظ رکھنے کی بجائے صدقہ جاریہ کے طور پر اسے شائع کرنے والوں کو تفویض کر دیے ہیں بلکہ چھپوانے والوں کی مدد کیلئے بھی تیار ہیں۔ یہ اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن کی اشاعت اول ہے۔اس کا پہلا ایڈیشن فروری 2001ء میں شائع ہوا تھا اور پہلے ایڈیشن کی پانچ اشاعتوں میں یہ کتاب 9000 کی تعداد میں شائع ہوئی تھی۔ اب اس اشاعت میں یہ کتاب 2000 کی تعداد میں شائع کی گئی ہے، جو اس کی مقبولیت وافادیت کی بین دلیل ہے۔

اس کتاب کی پہلی اشاعت کیلئے استاذ العلماء حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب

دامت برکاتہم اور بانی جامعہ اشرفیہ حضرت مولانا مفتی محمد عبید اللہ صاحب دامت برکاتہم نے جو تقاریظ لکھی تھیں وہ اس ایڈیشن میں بھی شامل کی گئی ہیں۔ اول الذکر کا کہنا ہے: میری نظر میں دعاؤں کا یہ حسین گلدستہ نہایت حسین بھی ہے اور قیمتی بھی۔ جبکہ ثانی الذکر فرماتے ہیں: اب کتاب الدعاء والاستغفار لکھ کر فاضل مؤلف نے التحیل فی التشہد کے اطراف ثلاثہ اللہ، نبی اور عبد صالح کی تکمیل کر دی ہے۔ عرض مؤلف میں فاضل مؤلف رقم طراز ہیں: ''ایک اہم مشورہ جو کئی اطراف سے آیا وہ یہ تھا کہ اس میں تین مزید ابواب اور خاص طور پر اللہم اجعلنی (یا اللہ تعالیٰ مجھے عطا فرما دیجئے / بنا دیجئے) سے شروع ہونے والی دعائیں بھی شامل کر لی جائیں تاکہ ہفتہ کے ہر دن کیلئے ایک باب چالیس دعاؤں کا ہو جائے جسے ہر روز پڑھا جا سکے۔ اب اس نقش ثانی (سیکنڈ ایڈیشن) میں تین نئے ابواب اللہم اجعلنی، اللہم اور الصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللہ شامل کر دیے گئے ہیں۔ اللہم اجعلنی سے شروع ہونے والی چالیس دعائیں غالباً پہلی مرتبہ کسی بھی دعائوں کی کتاب میں یکجا شامل کی گئی ہیں'' مزید لکھتے ہیں: ''ہم نے درود شریف کے چالیس صیغوں کے علاوہ دس سلام بھی شامل کر دیے ہیں، اس لیے کہ قران کریم میں درود و سلام دونوں کا ایک ساتھ حکم آیا ہے۔''

فاضل مؤلف نے پہلے ایڈیشن کیلئے جو مقدمہ لکھا تھا، اسے ''عرض مؤلف'' کے

عنوان سے شامل کتاب کیا گیا ہے، ہماری دانست میں اسے ''مقدمہ'' کے عنوان سے رکھا جاتا تو زیادہ مناسب تھا، اس میں دعا استغفار کے حوالے سے آیات و احادیث کو ذکر کیا گیا ہے۔ یہ سلسلہ صفحہ 31 تک چلا گیا ہے۔ صفحہ 31 پر فاضل مؤلف نے اس مجموعے کی وجہ تالیف بھی ذکر کی ہے اور بتایا ہے کہ ان کے دل میں اس کام کا داعیہ کیسے پیدا ہوا۔ صفحہ 38 پر انہوں نے وضاحت کی ہے کہ اللھم اغفرلی، اللھم انی اسئلک، اللھم انی اعوذ بک (اور اب اللھم اجعلنی اوراللھم) کے تحت جو چالیس، چالیس دعائیں جمع کی گئی ہیں، وہ مستند کتابوں سے لی گئی ہیں، جن کا حوالہ بھی ہر دعا کے ترجمے کے ساتھ بین القوسین لکھا گیا ہے۔ مؤلف چونکہ عربی دان نہیں ہیں اس لیے انہوں نے ترجمے کیلئے احادیث کے مطبوعہ تراجم بالخصوص شرح حص حصین (حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی بلندشہری) اور حص حصین مترجم (مولانا محمد صادق ہزاروی) پر اعتماد کیا ہے۔ جن دعاؤں کے تراجم نہیں ملے، ان کیلئے علمائے کرام کی خدمات لی ہیں۔ اس کے باوجود تراجم اور اعراب میں کچھ سقم باقی ہیں، جن کی علیحدہ بالمشافہہ نشاندہی کی جا رہی ہے تاکہ آیندہ اشاعت میں انہیں دور کیا جاسکے۔

زیر تبصرہ کتاب 9 ابواب پر مشتمل ہے۔ جن میں سے باب اول دعا کی فضیلت، قبولیت کے اوقات اور مستجاب الدعوات لوگوں کے حوالے سے ہے اور حضرت مفتی عاشق الٰہی رحمہ اللہ کی شرح حص حصین سے لیا گیا ہے جس کی فاضل مؤلف نے

باقاعدہ وضاحت فرمائی ہے۔ دوسرے باب میں چہل ربنا (رب کے صیغے پر مشتمل 40 قرآنی دعائیں)، تیسرے باب میں اللھم اغفرلی، چوتھے باب میں اللھم انی اسئلک، پانچویں باب میں اللھم انی اعوذبک، چھٹے باب میں اللھم اجعلنی سے شروع ہونے والی ماثورہ دعائیں ترجمے کے ساتھ درج کی گئی ہیں، جبکہ ساتویں باب میں ان دعائوں کے علاوہ وہ دعائیں درج ہیں جو اللھم سے شروع ہوتی ہیں۔ آٹھواں باب جس کا عنوان الصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللہ'' ہے درود شریف کے صیغوں نیز دس سلاموں پر'' مشتمل ہے۔ نویں باب میں صلوٰۃ التسبیح کی فضیلت اور طریقہ بیان کیا گیا ہے۔ آٹھویں باب میں درج مستقل درود شریف کے علاوہ ہر باب میں درج دعائوں کے آخر میں بھی ایک درود شریف مع ترجمہ لکھا گیا ہے۔

مؤلف نے بڑی عرق ریزی سے یہ خدمت سرانجام دی ہے اور کتب احادیث وادعیہ میں بکھری دعاؤں کو یکجا کرکے ایک عظیم خدمت انجام دی ہے اور ان مسلمان مرد وخواتین کیلئے جو اورادوادعیہ پر مشتمل عربی کتب تک دسترس نہیں رکھتے یا ان سے استفادہ نہیں کر سکتے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ادعیہ ماثورہ سے استفادہ کرنا آسان بنا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مؤلف کی مساعی جمیلہ کو اپنی بارگاہ میں قبول ومقبول فرمائے اور انہیں آیندہ بھی ایسی عام فہم و موثر دینی خدمات کیلئے قبول فرمائے۔

(آمین)

کتاب ظاہری و باطنی خوبیوں سے مزین و مرضع ہے۔ لفظی اغلاط بھی نہ ہونے کے برابر ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اہل ایمان اس سے استفادہ کریں۔

روشنی کا سفر...ایک نومسلم امریکی عورت کی کہانی

میں ایک امریکی خاتون ہوں اور امریکہ کے قلب نیویارک میں پیدا ہوئی' میری نوجوانی ایک امریکی لڑکی ہی کی طرح گزری' میرا ایک ہی شوق تھا کہ امریکا کے عظیم شہر کی گلیمر بھری زندگی میں جاذبیت اور دلکشی کی دوڑ میں حصہ لوں لیکن میری نسوانی کوشش جس قدر بڑھتی جاتی اور جتنا میں بظاہر کامیابیوں کی منزلیں طے کرتی میرے اندرونی خلاء اور بے اعتمادی میں اسی قدر اضافہ ہوتا جاتا' میں ایک شدید قسم کی ذلت اور حقارت میں اپنے آپ کو ڈوبا ہوا محسوس کرتی' میں فیشن کی غلام بن گئی تھی اور میرا مصرف بس یہ تھا کہ دوسروں کی آنکھوں اور دلوں کو خوش کردوں' میرا معیار زندگی جتنا اونچا ہوتا میرا اعتماد اتنا ہی نیچا ہوتا' میں نے ان حقائق سے منہ چرانا چاہا مگر وہ فرار کے ہر موڑ پر مجھ کو منہ چڑانے کیلئے موجود ہوتے' آخر میں اس زندگی سے تنگ آگئی' میں نے نشہ کی پناہ لی' کلبوں اور پارٹیوں میں جاکر دل بہلانا چاہا' مگر سب بے سود' یہ سب تدبیریں ناکام ہوگئیں تو مذہب بدلے' ایکٹوازم کا سہارالیا' یعنی فلاحی اور اجتماعی تحریکوں میں لگی' مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی کہ مصداق جس قدر میری ترقی میں اضافہ ہو رہا تھا اور میرا لائف اسٹائل جیسے جیسے آگے بڑھ رہا تھا' میری اندرونی بے اعتمادی کی آگ مجھے جلاتی جارہی تھی' یہ لئے دیکھا کہ اسلام

اور اسلامی اقدار و تہذیب کیخلاف ایک خطرناک اور چو طرفہ حملہ ہوچکا ہے اور پھر بد اور بد نام صلیبی جنگ کا بھی اعلان ہوتا ہے' اب تک تو میرے ذہن میں اسلام کے نام پر صرف چند تصویروں کے نقوش تھے' ترپالوں میں لپٹی عورت' بیبیوں کو پیٹتے مرد' گھروں کے پچھلے حصے میں زنان خانے اور دہشت گردی کی دنیا۔

میں ایک سماجی کارکن تھی جو عورتوں کی آزادی کی علمبردار اور دنیا میں لوگوں کی بہتر زندگی کیلئے کچھ کرنا چاہتی تھی' اپنے اس کام کے سلسلے میں میری ملاقات ایک سینئر سماجی کارکن سے ہوئی جو اس سلسلے میں اچھا کام کرچکا تھا' وہ بلا کسی تفریق کے سارے انسانوں کیلئے انصاف اور فلاح و بہبود کا داعی تھا' اس شخص سے ملاقات کے بعد مجھے احساس ہوا کہ انصاف' آزادی اور احترام' یہ آفاقی اقدار ہیں۔ اسی طرح اچانک ایک دن میرے سامنے قرآن مقدس آیا' مغرب نے جس کی بڑی منفی تصویر بنا رکھی ہے پہلے تو قرآن کے اسلوب و انداز نے مجھے متوجہ کیا' پھر اس نے کائنات' انسان اور زندگی کے حقائق اور عبد و معبود کے رشتے پر جو روشنی ڈالی ہے اس نے مجھے مسحور کردیا' میں نے دیکھا کہ قرآن نے اپنی بصیرت کا مخاطب براہ راست انسان اور اس کی روح کو بنایا ہے اور آخرکار وہ لمحہ آگیا جب میں نے سچائی کو تسلیم کرلیا اور جس منزل کیلئے سرگرداں تھی اور جس سکون کیلئے بیتاب تھی' مجھے یقین ہوگیا کہ وہ صرف اسلام قبول کرکے ہی حاصل ہوسکتا ہے' میری داخلی بے تابیوں اور اضطراب کا علاج صرف ایمان سے

ہو سکتا ہے اور میرے مسائل کا حل مہم جوئی میں نہیں عملی مسلم بننے میں ہے۔
میں نے ایک برقعہ اور سر اور گردن کو ڈھکنے والا اسکارف خرید لیا جو ایک مسلم عورت کا شرعی لباس ہے اب میں اسلامی باوقار لباس کے ساتھ ان راستوں اور ان دکانوں اور لوگوں کے سامنے سے گزرتی جن کے سامنے کچھ دن پہلے میرا گزر شارٹ اور شاندار مغربی لباس میں ہوتا تھا۔ سب کچھ ویسا ہی تھا بس ایک چیز بدلی ہوئی تھی یعنی میرا اندرونی اطمینان وسکون اور خود اعتمادی اور تحفظ کا احساس' گویا میں نے ایک آزادی حاصل کرلی تھی۔ میں بڑی خوش تھی کہ ان آنکھوں میں اب تعجب اور دوری کے آثار تھے' جو پہلے مجھ کو ایسے دیکھتے تھے جیسے شکاری اپنے شکار کو اور باز ننھی چڑیا کو۔ حجاب نے میرے کندھوں کے ایک بڑے بوجھ کو ہلکا کر دیا' مجھے ایک خاص طرح کی غلامی اور ذلت سے نکال دیا' اب دوسروں کے دلوں کو لبھانے کیلئے میں گھنٹوں میک اپ نہیں کرتی تھی۔ اب میں اس غلامی سے آزاد تھی' ابھی تک میرا پردہ یہ تھا کہ صرف ہاتھ اور چہرے کو چھوڑ کر میرا پورا جسم ڈھکا ہوتا میں نے اپنے شوہر سے (جن سے اسلام قبول کرنے کے بعد میں نے نکاح کر لیا تھا) مشورہ کیا' ان کی رائے تھی کہ چہرہ ڈھکنا یعنی نقاب افضل ہے لازمی نہیں پھر میں نے اپنے شوہر سے کہا کہ میں چہرہ بھی ڈھکنا چاہتی ہوں' اس لئے کہ مجھے لگتا ہے کہ یہ میرے اللہ کو زیادہ راضی کرنے والا عمل ہوگا' وہ مجھے ایک دکان پر لے گئے جہاں میں نے ایک عربی برقعہ خریدا۔

ہدایت یابی کا میرا یہ سفر جاری تھا کہ خبریں آنا شروع ہوئیں کہ آزادی کے
علمبرداروں اور نام نہاد انسانی حقوق کیلئے کام کرنے والوں نے حجاب و نقاب کیخلاف
مہم چھیڑ دی۔ کوئی کہتا ہے کہ حجاب عورت پر ظلم کی علامت ہے' کوئی اعتراض کر رہا ہے
کہ یہ اتحاد ویکجہتی میں رکاوٹ بن رہا ہے اور اب مصر سے کسی نے یہ کہتے ہوئے سر میں
سر ملایا کہ یہ پیچھڑے پن کی نشانی ہے۔ یہ بھی کیسی منافقت اور دوغلا رویہ ہے کہ
اگر کوئی حکومت عورتوں کے لباس کیلئے کچھ ضابطے بنائے تو مغرب کہتا ہے کہ یہ انسانی
آزادی کی مخالفت اور حقوق انسانی کی خلاف ورزی ہے اور اگر عورت اپنے انتخاب سے
نقاب اوڑھے تو آپ اس کی آزادیوں کو سلب کرتے ہیں۔
اب میں بھی فیمنسٹ (عورتوں کے حقوق کی حامی) ہوں' مگر ایک مسلم فیمنسٹ جو
مسلم عورتوں کو دعوت دیتی ہے کہ وہ اپنی ایمانی ذمہ داریوں کو ادا کریں' اپنے
شوہروں کی ایک اچھا مسلمان بننے میں مدد کریں' اپنے بچوں کو اس طرح تربیت دیں کہ
وہ استقامت کے ساتھ دین پر جمیں اور اندھیروں میں بھٹکتی ہوئی انسانیت کیلئے مینارہ
نور بن جائیں' وہ مزید فرماتی ہیں کہ مسلم عورت کو چاہئے کہ اپنے حجاب و نقاب کیلئے
اور حق کی خاطر لڑیں کیونکہ کل تک میں بھی عریانیت کو ہی اپنی آزادی کی علامت
سمجھتی تھی لیکن آج مجھے اپنے فحش لباس

کو اتار کر اور مغرب کی دلربا طرز زندگی کو چھوڑ کر اپنے خالق کی معرفت و بندگی والی ایک باوقار زندگی کو اختیار کرنے سے جو مسرت و اطمینان کا احساس ہوا ہے میں اس کی کوئی مثال نہیں دے سکتی اور آخر میں میرا پیغام ہے ان عورتوں کو جو اسلامی حجاب کی باوقار و باحیا تہذیب کے بارے میں مغرب کے قدیم' گھسے پٹے متعصبانہ تصورات کا شکار ہیں کہ تمہیں پتہ نہیں تم کیسی عظیم نعمت سے محروم ہو اور تہذیب کے نام مبارک ٹھیکیداروں اور نام نہاد صلیبوں سے بھی میرا یہ کہنا ہے کہ تم بھی حجاب کو اختیار کرو' اسی میں تمہاری نجات ہے۔

صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس

یوں تو ہادئ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر صحابی اپنی ذات میں انجمن، آسمان ہدایت کا درخشاں ستارہ، ادخلو فی السلم کافۃ پر عمل کا مجسم نمونہ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اک اک ادا پر سب کچھ کر گزرنے پر تیار، جانثار اور رب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارۂ ابرو پر قربان نظر آتا ہے مگر جنت کے حقیقی حقدار اور کل وعد اللہ الحسنٰی کے حامل ان رجال اللہ میں بھی مختلف درجات اور طبقے افضیلت کے نظر آتے ہیں۔ ان کواکب ہدایت میں جن کی تعداد سوا لاکھ کے قریب تھی، ایک اعلیٰ وارفع شان حضرات مہاجرین وانصار کی نظر آتی ہے۔ پھر ان میں فضیلت کے اعلیٰ منابر پر ہمیں اصحاب صلح حدیبیہ متمکن نظر آتے ہیں جن میں بعض نجوم ہدایت کی لمعانیت اوروں سے دوچند ہے۔ یہ ہیں غزوہ بدر میں دشمن کے خلاف صف آراء حضرات۔ پھر ان تین سو تیرہ مجاہدین ومبلغین میں ہمیں چار ستارے اپنی بے مثل ومثال روشنی سے چہار دانگ عالم کو منور کرتے نظر آتے ہیں۔ یہ ہیں خلفائے راشدین علیہم الرضوان، جن کی سنت کی اتباع صاحب شریعت رسول طریقت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح لازم قرار دی جس طرح اپنی سنت کی اتباع۔

پھر ان چار چمکتے دمکتے ہیروں میں بھی ایک ہیرہ رشک شمس و قمر، لیل و نہار اور فخر زمین و آسماں نظر آتا ہے۔ جسے دنیا حضرت سیدنا عبداللہ ابوبکر بن ابو قحافہ عامر بن عمرو بن کعب بن تیم التیمی القریشی المکی رضی اللہ عنہ کے نام نامی اسم گرامی سے جانتی ہے۔ یہ وہ عظیم شخصیت ہے جس نے اللہ کے پاک پیغمبر کی مصاحبت اور آپ کے ساتھ تعاون اس وقت شروع کیا جبکہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ نبوت بھی نہ فرمایا تھا۔ وہ عظیم الخلائق بندۂ خدا جسے رب کعبہ نے زمانہ جاہلیت میں بھی ہر برائی سے پاک رکھا، نہ کبھی آپ نے شراب پی، نہ بت پرستی کی بلکہ ایسی خرافات کے قریب بھی نہ گئے۔ آپ کی وہ آزمائشیں ہوئیں جن سے دوسرے صحابہ محفوظ رہے۔ آپ نے وہ قربانیاں پیش کیں جو آپ ہی کا خاصہ تھیں۔ جرات اور بے جگری کا وہ عالم کہ قبول اسلام کے بعد ہی گھر کے آگے مسجد تعمیر فرما کر مصروف عبادت و ریاضت، دعوت و تبلیغ نظر آتے ہیں کوئی پروا نہیں کہ ہر طرف سے ناپسندیدگی کے مظاہرے ہو رہے ہیں، اپنے بھی خفا ہیں اور پرائے بھی ناخوش، محبتیں عداوت کی شکل اختیار کر رہی ہیں، چچا کمرے میں محبوس کر کے مار رہے ہیں، ہر خطرے سے بے خطر اور ہر خوف سے بے خوف دیوانہ وار سفر و حضر میں، عسر و یسر میں، جنگ و امن میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ بشانہ نظر آتے ہیں۔ اس طلب، تڑپ اور اخلاص سے وعظ و تبلیغ فرما رہے ہیں کہ عشرہ مبشرہ میں سے پانچ عظیم المرتبت صحابہ جو مکہ کے پانچ ذی اثر و وقار قبائل کے چشم و چراغ ہیں، مشرف با سلام ہو رہے ہیں۔

حضرت شہید مظلوم امیر المومنین عثمان بن عفان، حضرت سیدنا طلحہ، حضرت سیدنا زبیر، فاتح شام وایران وقبرص سیدنا سعد بن ابی وقاص اور حضرت سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

اسلام پر سب کچھ لٹانے کا وہ عالم ہے کہ مال تجارت کے علاوہ قبول اسلام کے وقت چالیس ہزار کی نقد رقم کے مالک ہیں، کئی ریشم کی دکانیں ہیں مگر سب کا سب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب فرمان رب رحمان کے بینک میں جہاد کے دفاعی فنڈ کی مد میں جمع کرا رہے ہیں جس کا وہ ثمرہ ملنے والا ہے کہ روز محشر رب کعبہ فرمائیں گے:

''ابو بکر! تجھ سے حساب لینا نہیں، بلکہ تجھے تو میں نے بدلہ دینا ہے''

پیارے آقا مدنی نے بھی ایک حدیث میں اس حقیقت کو واضح فرمایا ہے کہ میں نے ہر احسان کرنے والے کا بدلہ دے دیا، سوائے صدیق اکبر کے، کہ ان کا بدلہ اللہ تعالیٰ ہی روز محشر عطا فرمائیں گے۔

اسلام کی پاداش میں ظالم آقا غلاموں پر جینا دو بھر کیے ہوئے ہیں، صدیق سے رہا نہیں جاتا، چنانچہ خطیر رقم صرف کرکے درجنوں غلاموں کی قید غلامی توڑتے دکھائی دے رہے ہیں۔ یہ حالت دیکھ کر بوڑھا باپ اعتراض کرتا ہے، ابو بکر

دربار نبوت میں انصار کا طالب ہے۔ مگر ابھی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان رسالت پناہ سے کوئی کلمہ نہیں نکلا کہ عرش تڑپ جاتے ہیں اور رب ذوالجلال دفاع صدیق میں قرآن اتار دیتے ہیں۔

جنگ خندق جیسی عسرت کا موقع ہے۔ حضور صحابہ سے جہادی فنڈ جمع فرما رہے ہیں، کوئی ثمن، کوئی ثلث، کوئی سدس لا رہا ہے۔ فاروق اعظم نے سوچا میرے پاس مال ہے کیوں نہ خطیر رقم دے کر صدیق سے آگے بڑھ جاؤں، چنانچہ نصف لا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں رکھ دیا۔ حضور کی نگاہیں صدیق کی متلاشی ہیں، سب سے آگے رہنے والے نے آج دیر کیوں کر دی، اتنے میں صدیق آتے دکھائی دیتے ہیں، قلیل مال کے ساتھ۔۔۔۔ فاروق اعظم کے دل میں خوشی میں لڈو پھوٹ رہے ہیں، زبان نبوت سوال کرتی ہے گھر میں کیا رکھ آئے ہو اور صدیق اکبر وہ جواب دیتے ہیں کہ شاعر مشرق علامہ شیخ محمد اقبال فرماتے ہیں۔

پروانے کو چراغ تو بلبل کو پھول بس
صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس

شجاعت اور بے جگری کا وہ عالم ہے کہ حضرت اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب فرماتے ہیں: ہم سب میں سے بہادر ترین شخص صدیق اکبر ہے۔ ہر غزوے میں حاضر اور ائمہ کفر کیلئے صائقہ آسمانی بن کر ان کے پر غرور و نخوت سروں کو زمیں

بوس کرکے اسلام کو شان و شوکت بخشنے والے صدیق اکبر بلاشبہ سب سے بڑے فہیم و معاملہ فہم جرنیل اور نڈر دلیر سپہ سالار ہیں۔ طبیعت میں فطری نرمی ہے مگر خدا کے دشمنوں کے حق میں قطعاً نرمی کے قائل نہیں۔ مرتدین و منکرین جہاد کے فتنہ کو اس تدبر اور فراست ایمانی سے حل کرتے اور جھوٹے مدعیان نبوت کو وہ عبرت آموز مزا چکھاتے ہیں کہ پھر پورے ڈھائی سالہ دور خلافت میں کسی سر پھرے من چلے شیطان صفت انسان کی ایسی جرات نہیں ہوتی۔ آپ کی فراست مومنانہ پر دنیا ششدر رہ جاتی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سانحہ وفات سے صحابہ کرام پر قیامت کبریٰ ٹوٹ پڑی ہے، سب حیران و پریشان، بتلائے ہیجان اور انگشت بدنداں ہیں۔ عقل و خرد نے ساتھ چھوڑ دیا ہے کیونکہ نہ ہو کہ آج ان کا روحانی باپ جس نے انہیں تنزل سے ترقی، جہنم سے جنت، ناکامی سے کامیابی اور خسران سے منفعت کی راہ پر گامزن کیا، ان سے منہ پھیر کر رفیق اعلیٰ سے جا ملا ہے۔ مگر صدیق اکبر کو اللہ نے عجیب حوصلہ دے رکھا ہے وہ جو سب سے زیادہ رقیق القلب ہے، آج استقامت و عزیمت کا پہاڑ بنا کھڑا ہے، کیونکہ نہ ہو کہ خدا نے اس سے بڑا کام لینا ہے۔ چنانچہ حجرہ اقدس میں قدم رنجہ فرما کر جبین نبوی کو بوسہ دیتے ہیں اور سوز جگر سے برملا زبان مبارک پر یہ کلمات جاری ہوتے ہیں (وانبیاہ واخلیلاہ واصفیاہ'' (اے نبی، اے خلیل، اے اللہ کے چنے ہوئے رسول''

پھر مجمعہ مسلمین میں آ کر وہ خطبہ پر درد ارشاد فرماتے ہیں جو ٹوٹی ہمتوں کو حیات نو بخشتا ہے اور صحابہ کرام غلبہ اسلام کے عظیم کام میں دوبارہ منہمک ہو جاتے ہیں۔خلافت کے مسئلے پر سقیفہ بنو ساعدہ کا قضیہ فتنے کی شکل اختیار کرنے والا ہے مگر ف اکبر اپنے رفیق فاروق اعظم کے ساتھ مجمعہ میں تشریف لا کر وہ کلمات طیبات ارشاد فرماتے ہیں کہ مہاجرین وانصار یک قلب ویک زبان ہو کر آپ کے دست حق پرست پر بیعت خلافت کا آغاز فرما دیتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی بنفس نفیس فرزندان واہل قرابت کو لے کر آپ کے دست مبارک پر اپنا ہاتھ رکھ دیتے ہیں، تاکہ خلافت کو وراثت قرار دے کر مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنے کی کوئی کوشش کامیاب نہ ہوسکے۔ پوچھنے والے پوچھتے ہیں:

''حق آپ کا تھا، یہ آپ نے کیا کیا؟''

قربان جایئے داماد رسول صلی اللہ علیہ وسلم عم زاد محمد حضرت علی رضی اللہ عنہ پر، کہ وہ کفر شکن جواب دیا جس نے اس وقت کے مفسدین کو تو خاموش کر ہی دیا، اب بھی سواچودہ صدیاں بیتنے کے باوجود حضرت علی کو خلیفہ بلافصل کہہ کر خلفائے ثلاثہ کا انکار کرنے والوں کا منہ بھی بند کر دیا۔فرمایا:

''میں اس ابوبکر کی بیعت کیوں نہ کروں جسے مرض الوفات میں میری موجودگی کے باوجود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امام نماز ہی نہ بنایا بلکہ مجھے

''اور چچا عباس رضی اللہ عنہ کو ان کی اقتدا کا حکم بھی دیا۔

القاسم اکیڈمی کی دو کتابیں

تبصرہ کتب، مولانا محمد جہان یعقوب

"القاسم" اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ نوشہرہ سرحد، کے بانی مبانی حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی ان پر دائم رہے فضل سبحانی، آج کل اکابر کے علوم اور فیوض کو عوام وخواص کی خدمت میں پیش کرنے کا کام کر رہے ہیں کیونکہ انہیں اس حقیقت کا ادراک کامل ہے "البرکۃ مع اکابرکم" (برکت اکابر کے دم قدم سے ہے) مشاہیر علمائے دیوبند پر درجن بھر خصوصی اشاعتوں سے کامیاب و باصواب فراغت کے بعد اب حضرت مختلف اکابر کی مجالس سے چنے گئے بکھرے موتیوں کو یکجا کرنے میں نہ صرف خود مصروف ہیں بلکہ ان کے دارے کا ہر فرد اس کار خیر میں شریک ہے۔ ہم نے جب سے تبصرہ نگاری کا آغاز کیا ہے، تب سے حضرت حقانی صاحب کی خاص نوازش ہمارے ساتھ رہی۔ نہ صرف اپنے ادارے کی تازہ مطبوعات تبصرے کیلئے ارسال فرماتے رہے بلکہ ہر تبصرے کے بعد اس حوالے سے کلمات داد و تحسین سے بھی نوازتے اور ہماری ہمت کو جواں اور حوصلے کو مہمیز کرتے رہے۔ ہم سمجھتے تھے کہ شاید حضرت کا یہ انداز تحسین و نوازش ہمارے ساتھ خاص ہے، مگر وہ ہر نوآموز کی اسی طرح ہمت بندھاتے ہیں، انہیں "چھوٹوں" کو "بڑا کرنے" بلکہ

بڑا بنانے" کے فن میں ید طولیٰ حاصل ہے بلکہ اس دور میں جبکہ تحاسد و تباغض نے" اہل علم و قلم کو بری طرح جکڑ رکھا ہے، وہی روشنی کا مینار نظر آتے ہیں۔ حضرت اقدس کی طرف سے ہمیں جب بھی، جو کتاب بھی موصول ہوئی، ہماری اولین کوشش و کاوش رہی کہ اس پر تبصرہ جلد از جلد منظر عام پر آئے۔ حضرت نے ہمارے تبصرہ نما بے ربط کلام کی وہ قدر دانی کی کہ یا ید و شاید۔ انہوں نے "اسلامی آداب زندگی" کے تعارفی کتابچے میں بھی ہمارا تبصرہ شائع کیا اور "حقانی تبصرے" میں "جمال انور" پر ہمارے تبصرے کو نہ صرف شائع کیا بلکہ اپنے قلم سے تحسینی الفاظ لکھ کر طبقہ تبصرہ نگاری میں ہمیں قدآور کیا، حضرت نے تحریر فرمایا: "جناب محمد جہان یعقوب صاحب اخبارالمدارس کراچی) کی ادبی تحریر قارئین کی ضیافت طبع کیلئے باب (13) کے آخر) (میں شریک کر دی گئی ہے۔" (حقانی تبصرے صفحہ 285

ڈیڑھ دو سال قبل،جب "اخبارالمدارس" میں نئی مطبوعات پر تبصرے کا سلسلہ ختم کر دیا گیا تھا، حضرت نے تبصرے نہ کیے جانے کا بھی شکوہ کیا، جس پر حقیقت حال عرض کر دی گئی اور وہ مطمئن ہو گئے۔ یاد رہے اس تعطل کے بعد القاسم اکیڈمی کی جتنی مطبوعات ہمیں دستیاب ہو سکیں، ان پر تبصرہ کر دیا گیا تھا۔

دینی مدارس کی تعطیلات کا زمانہ ایک ایسا دور ہوتا ہے جب اکثر ڈاک دوسرے

ہاتھوں میں لگ جاتی ہے، پھر کتاب تو چیز ہی ایسی ہے کہ جسے ملے وہ اسے من و سلویٰ سمجھ کر ہضم کر جاتا ہے اور ڈکار بھی نہیں لیتا، پھر جب کتاب بھی "القاسم اکیڈمی" کی ہو اور ملے بھی مفت، تو جائز ناجائز کے بکھیڑوں میں کون پڑتا ہے۔ یہی المیہ ہمارے ساتھ ہوا۔

ہم نے بارہا کہا ہے کہ مدارس میں مشترکہ چندے کی طرح مشترکہ ڈاک بھی کم ہی مستحق" تک پہنچ پاتی ہے جبکہ شخصی ڈاک کے ملنے کے امکانات بہرحال زیادہ ہوتے" ہیں، اس لیے تبصرے کیلئے کتابیں بھیجنے والے حضرات اگر یہ چاہتے ہیں کہ ان کی ڈاک ضائع نہ ہو اور تبصرہ نگار ہی تک پہنچے تو اسے (خلاف ضابطہ ہی سہی) شخصی پتے پر روانہ کریں اور لفافے پر "برائے تبصرہ" بھی نہ لکھیں، ورنہ یہی ہوگا جو ہو رہا ہے۔ کاش ! تبصرے کیلئے آنے والی کتب کو شیر مادر کی طرح ہڑپ کرنے والے حضرات کچھ خوف خدا کرلیں۔ کیا یہ خیانت نہیں ہے؟ چوری نہیں ہے؟ صاحب کتاب اور تبصرہ نگار بلکہ ادارے کے درمیان بداعتمادی کا باعث نہیں ہے؟۔

اسی دورِ تعطیلات میں بھیجی جانے والی دو کتابیں مہینوں بعد آج میسر ہوئی ہیں تو اولین فرصت میں ان کا تعارف کرنا ضروری سمجھا۔

اب آیئے ان کتابوں کے تعارف کی طرف یہ محض تعارف ہے، رہی بات تبصرے کی تو حقانی صاحب اور ان کے ادارے کا نام ہی کافی ہے۔

:(مجالس مسیح الامت (جلد اول

یہ "مجالس مسیح الامت" کی جلد اول ہے، جس میں حکیم الامت مجدد و ملت حضرت تھانویؒ کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خان رحمہ اللہ کی اولین 16 مجالس کو شائع کیا گیا ہے۔ مواعظ کے عنوانات حسب ذیل ہیں۔

مقام علم، تفصیل ذکر، تقویٰ، نور نبوت نور علم، اصلاح میں تاخیر کی وجہ، ترتیب سلوک، تبدیلی حالات میں تصحیح نیت، حصول مطلوب کیلئے طریق صحیح ضروری ہے، اتباع اکابر اور زیارت فی العلم، حفظ ماتقدم، مجاہدہ و شان فنا، ایمان کے تقاضے، اخلاص و صدق، اسلامی تہذیب و صفائی۔۔۔ عقلیہ، غضبیہ، شہویہ کے اعتدال کا نام مرد کامل ہے اور۔۔۔ تصدیق و عمل صراط مستقیم ہے۔

حضرت مسیح الامتؒ کی مجالس کو اس جدید ترتیب، عمدہ کتابت اور خوبصورت طباعت کے ساتھ حضرت کے خلیفہ اجل، ان کے علوم و معارف کے امین و شارح،ان کے مسلک اعتدال کے ترجمان حضرت الحاج ابراہیم تسبیح والا کی دلی تمنا کی وجہ سے منظر عام پر لایا گیا ہے۔ 435 سے زائد صفحات پر بکھرے ان ملفوظات کو

معمولات میں ڈھالنے کی ضرورت ہے، جس کیلئے ان مجالس کا مطالعہ عمل کی نیت سے کرنا ضروری ہے۔۔۔ کہ ہماری نیت ہی ہمیں شاہراہ عمل پر گامزن کر سکتی ہے۔ حالات کی تبدیلی میں نیت کا کتنا کردار ہے، اس کیلئے "ساتویں مجلس" کا مطالعہ کیجئے۔ یہ کتاب ہر سالک طریقت بلکہ ہر مسلمان کیلئے خاصے کی چیز ہے۔ حضرت حقانی اور ان کے ادارے نے مجالس مسیح الامت سے استفادے کو از حد سہل بنا دیا ہے، ہم اب بھی فائدہ نہ اٹھائیں تو اپنی ہی حرماں نصیبی ہے۔

:(بزم منور (جلد نہم

یہ "بزم منور" کی نویں جلد ہے۔ آپ کی طرح پچھلی آٹھ جلدیں ہم نے بھی نہیں دیکھیں۔اس کتاب میں حافظ محمد قاسم نے جامع مسجد بالہم (لندن) کے خطیب مولانا :منور حسین سورتی کے جو خطبات جمع و مرتب کیے ہیں وہ ہیں

شرک سے مکمل اجتناب کرو اور توحید کامل اختیار کرو، ناحق قتل کرنا گناہ کبیرہ ہے، شراب کی حرمت و قباحت اور نقصانات، جوے کی قباحت اور بربادی، لعنت کا وبال، قسم کے احکام، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تین نصیحتیں، حج و زیارت کا مبارک سفر اور دعائیں، سفر کے آداب اور دعائیں۔

،کتاب پر مختلف علمائے پاک و ہند کے تاثرات سے اس کی افادیت واضح ہوتی ہے

ہم صرف دارالعلوم دیوبند کے استاد حدیث حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری کی "مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار گوید" سے چند کلمات نقل کرتے ہیں۔۔۔ کہ انہوں نے ہماری کامل ترجمانی کرکے ہمیں مزید خامہ فرسائی سے بچا لیا ہے، لکھتے ہیں:

"ان مواعظ میں واعظوں جیسی بے احتیاطی نہیں ہے، واقعات کے بیان میں عقائد سے صرف نظر نہیں کیا گیا۔ دوسری خصوصیت ان بیانات کی یہ ہے کہ یہ موضوع کا احاطہ کرتے ہیں۔ جو عنوان چھیڑا جاتا ہے، اسے حرف آخر کر دیا جاتا ہے، ان خطبات میں تصنیف کا انداز بھی پایا جاتا ہے۔ سچ ہے کہ مشک خود مہکتا ہے، کسی کی قصیدہ خوانی کا محتاج نہیں ہوتا۔ (صفحہ 30,31)

یہ کتاب تقریباً 424 صفحات پر مشتمل ہے اور ایک ایک خطبہ کئی کئی جمعوں میں مکمل ہوا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سورتی صاحب نے واقعی موضوع کا حق ادا کیا ہے۔ دونوں کتابیں عمدہ کاغذ پر کمپیوٹر طباعت کے ساتھ شائع کی گئی ہیں، رنگین سرورق سے کتابوں کا حسن مزید دوبالا ہوگیا ہے، پھر حقانی صاحب کے "پیش لفظ" نے تو رہی سہی کسر بھی پوری کر دی ہے۔

ہمیں ایک شکوہ ضرور ہے کہ صاحب مجالس کا مکمل تعارف کرایا گیا ہے اور نہ ہی صاحب خطبات کا۔ امید ہے کہ آئندہ اشاعت میں اس کمی کا بھی ازالہ کر دیا جائے گا۔

کاتب قرآن مولانا عبدالماجد سولنگی سے بات چیت

انٹرویو: مولانا ابو سعد محمد جہان یعقوب

اخبارالمدارس: مولانا، سب سے پہلے تو ہمارے قارئین کو کچھ اپنے حوالے سے بتائیے؟

مولانا عبدالماجد سولنگی: میرا نام عبدالماجد سولنگی ہے۔ میں ۴ اگست ۱۹۸۷ء میں ضلع وتحصیل نوشہرو فیروز کے گاؤں رب رکھیو سولنگی میں پیدا ہوا۔ ناظرہ قرآن مجید کی تعلیم اپنے گاؤں میں واقع مدرسہ تعلیم القرآن میں استاد محترم حافظ علی حسن سولنگی سے حاصل کی۔ ساتھ ہی پرائمری کی تعلیم بھی مکمل کی۔ اس کے بعد کراچی کا سفر کیا اور بقیہ تعلیم وہاں حاصل کی۔

اخبارالمدارس: کراچی جانے کا کیا سبب ہوا؟

مولانا عبدالماجد سولنگی: دراصل میرے گلے پر کچھ اس قسم کے زخم ہوئے کہ ان کا علاج وہاں رہ کر نہ ہو سکا۔ میرے والد محترم محمد یونس سولنگی کراچی ہیں مقیم تھے اور آرمی میں ملازم تھے، وہاں علاج کے ساتھ ساتھ مسجد باب السلام میں حفظ قرآن مجید کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور الحمدللہ ۱۴ ماہ میں حفظ مکمل کیا۔

اخبارالمدارس: آپ نے درس نظامی کی تعلیم کہاں سے حاصل کی؟

مولانا عبدالماجد سولنگی: حفظ قرآن کے ساتھ ساتھ میرا علاج بھی مکمل ہوا اور یوں واپس اپنے گاؤں آگیا اور یہاں مدرسہ حمایت الاسلام گوٹھ جمعہ خان سولنگی میں مولانا حماد اللہ صاحب سولنگی سے صرف ونحو کی ابتدائی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد اپنے قریبی شہر بھریاروڈ میں صدیقیہ مسجد میں قائم مدرسہ میں داخلہ لیا، یہاں مولانا عبدالحکیم صاحب سولنگی سے بقیہ کتابیں پڑھیں، مزید تعلیم مدرسہ حمایت الاسلام آکر مولانا حماد اللہ اور مولانا بشیر احمد سے حاصل کی اور دورہ حدیث کے لیے مدرسہ دارالفیوض القاسمیہ سجاول میں داخلہ لیا اور ۲۰۰۷ء میں سند فراغت حاصل کی۔ محترم حاجی علی حسن جلبانی صاحب کے مشورے سے مسجدالفاروق ریشم گلی میں حفظ وناظرہ کی تدریس سے عملی زندگی کا آغاز کیا۔ تاحال یہی خدمات انجام دے رہا ہوں۔

اخبارالمدارس: قرآن مجید کی کتابت کرنے کا خیال کیسے آیا؟ کون سی چیز اس کام کا محرک بنی؟

مولانا عبدالماجد سولنگی: اس کا اور تو کوئی خاص سبب نہیں۔ ہاں البتہ یہ ہے کہ میں نے مطالعے کے دوران پڑھا کہ ستر سے زائد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے اپنے مبارک ہاتھوں سے قرآن مجید کی کتابت کی ہے، جنہیں کاتبین وحی کہا جاتا ہے، ان میں حضرات خلفائے راشدینؓ کے علاوہ حضرت

سیدنا معاویہؓ، حضرت سیدنا حنظلہؓ، حضرت سیدنا عبداللہ بن رواحہؓ، حضرت سیدنا زید بن ثابتؓ، حضرت سیدنا عبداللہ بن سعدؓ، حضرت سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت سیدنا زبیر بن عوامؓ، حضرت سیدنا خالد بن سعیدؓ، حضرت سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ، حضرت سیدنا عمرو بن عاصؓ، حضرت سیدنا حذیفہؓ، حضرت سیدنا ابی بن کعبؓ اور حضرت سیدنا ابان بن سعید رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین شامل ہیں۔بس میں نے بھی چاہا کہ میں ان مقدس ہستیوں کی اتباع میں یہ کام کروں۔

اخبارالمدارس: کتابت قرآن کی ابتدا کب کی اور کب اور کتنے عرصے میں اس عظیم کام کی تکمیل ہوئی؟

مولانا عبدالماجد سولنگی: الحمدللہ اس کام کے لیے میں نے ترتیب یہ رکھی تھی کہ کلاس کے دوران جو وقت ملتا تھا، اس میں تاج کمپنی کے نسخے کو معیار بنا کر کچھ نہ کچھ کتابت کر لیا کرتا تھا۔ کسی اور موقع پر اس کی نظرثانی اور آگے کا کام کرلیتا تھا، اس کام کا آغاز میں نے ۱۴ فروری ۲۰۱۰ء کو کیا تھا اور الحمدللہ دو ماہ سے کچھ دن اوپر ۲۴ اپریل ۲۰۱۰ء کو اس عظیم کام کی تکمیل ہوئی۔اعراب کے سلسلے میں میرے شاگردوں محمد متین، محمد اطہر، محمد مسعود اور نادر علی نے بھی میرا تعاون کیا۔جس کو میں نے بعد میں از خود دیکھا ہے اور اغلاط بھی درست کردی ہیں۔اب بھی تصحیح کا کام جاری ہے۔

اخبار المدارس: آپ کے کتابت کردہ اس نسخے کی کوئی خاص بات؟

مولانا عبدالماجد سولنگی: اس کی کتابت میں میں نے تاج کمپنی کے ۱۶ سطری قرآنی نسخے کی مکمل متابعت کی ہے۔ البتہ ایک کام جو میں نے اپنے ذوق سے کیا ہے، وہ یہ کہ پورے نسخے میں اللہ رب العزت کے اسم گرامی کو لال رنگ کی روشنائی سے، حضرت محمد مصطفی ﷺ کے اسم گرامی کو گلابی روشنائی سے، جنت کے تذکرے کو سبز روشنائی سے اور جہنم کے تذکرے کو نیلی روشنائی سے لکھ کر نمایاں کیا ہے۔ اس کی کوئی خاص دلیل نہیں، بس یہ میرا اپنا وجدان ہے۔

اخبار المدارس: اس کام کے دوران کوئی خاص واقعہ تو پیش نہیں آیا؟

مولانا عبدالماجد سولنگی: نہیں، البتہ ایک تو دل میں رقت اور آنکھوں میں آنسو مستقل رہتے تھے اور دوسرے یہ غیبی مدد محسوس ہوئی کہ ہر کام اور ہر ضرورت بغیر کسی بھاگ دوڑ کے پوری ہو جایا کرتی تھی، حالانکہ اس سے قبل اکثر کسی نہ کسی مسئلہ میں پریشان رہا کرتا تھا۔ اب الحمدللہ ایسا نہیں ہے۔

اخبار المدارس: اس نسخے کے حوالے سے کیا سوچا ہے؟ مستقبل میں کیا ارادے ہیں؟

مولانا عبدالماجد سولنگی: نسخے کی فی الحال پروف ریڈنگ کا سلسلہ جاری ہے۔ کچھ احباب کی رائے ہے کہ اسے میوزیم میں رکھا جائے، تاہم میں نے اب تک ایسا کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے۔ مستقبل میں قرآن مجید کا سندھی زبان میں ترجمہ کرنے

(کا ارادہ ہے۔ دعا کریں اللہ تعالی یہ سعادت بھی عطا فرمائے۔ (آمین

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمتہ اللہ علیہ ایک فرد نہیں ادارہ تھے

دنیا میں ایسے لوگ بہت کم آتے ہیں جو آفتاب ہدایت بن کر طلوع ہوں، انسانیت کے ہر فرد کو اسکی صلاحیت اور ضرورت کے اعتبار سے روشنی اور حرارت عطا کریں اور جب وہ اپنی مختصر زندگی پوری کرکے غروب ہونے لگیں تو پورے ایک عالم کو نئی زندگی عطا کرکے جائیں۔ مفکر و مؤرخ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس اللہ سرہ انہی مایہ ناز شخصیات میں سے ایک تھے۔آپ ۶ محرم ۱۳۳۳ھ میں پیدا ہوئے۔آپؒ کے والد محترم مولانا حکیم عبدالحیؒ آپکی چھوٹی عمر میں انتقال فرماگئے۔آپ کے بڑے بھائی ڈاکٹر عبدالعلی اور آپکی والدہ ماجدہ نے آپکی خاص انداز میں تربیت کی، بالخصوص زمانہ تعلیم کے دوران آپ کی والدہ نے آپ کو جو ترغیبی خطوط لکھے ہیں وہ بلا کی تاثیر رکھتے ہیں۔ بلاشبہ حضرت مولانا کی ذات کو عبقری شخصیت بنانے میں ان خطوط اور والدہ کی تربیت کا بے حد اثر ہے خط کے درمیان میں جب وہ اپنے اس ہونہار لاڈلے بیٹے کو" علی ! 'کہہ کر مخاطب ہوتیں تو اگلا جملہ آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہوتا۔

آپ کو بچپن سے ہی پڑھنے لکھنے کا بے انتہا شوق تھا۔ بچپن میں اپنے ذوق مطالعہ کا حال لکھتے ہوئے حضرت مولاناؒ اپنی خود نوشت سوانح" کاروان

زندگی" میں تحریر فرماتے ہیں: "کتب بینی کا یہ ذوق، ذوق سے بڑھ کر لت، اور بیماری کی حد تک پہنچ گیا تھا کہ کوئی چھپی ہوئی چیز سامنے آجائے تو اس کو پڑھے بغیر چھوڑ نہیں سکتے تھے، جو پیسے ملتے ان کا ایک ہی محبوب مصرف تھا کہ ان سے کوئی کتاب خریدی جائے، اس سلسلے میں میری ایک دلچسپ کہانی یہ ہے کہ میرے پاس کچھ پیسے آگئے، میں اتنا چھوٹا تھا کہ مجھے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ کتاب کتب فروشوں کے یہاں ملتی ہے اور ہر چیز کی دوکان الگ ہوتی ہے، میں کسی دوافروش کی دوکان پر پہنچا غالباً سالومن کمپنی تھی، میں نے پیسے بڑھائے کہ کتاب دیجئے۔ دوکان دار نے سمجھا کہ شریف گھرانے کا بھولا بھالا بچہ ہے، کیمسٹ کی دوکان پر کتاب تو کیا ملتی اردو میں دواؤں کی فہرست مجھے بڑھادی اور پیسے بھی واپس کر دیئے، میں پھولے نہ سماتا، کہ کتاب بھی مل گئی اور پیسے بھی واپس آگئے خوش خوش گھر پہنچا اور اسے اپنے چھوٹے سے کتب خانہ میں سجایا"۔ (ص ۸۵)

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ المعروف مولانا علی میاں کو اللہ رب العزت نے عرب وعجم اور پورے عالم اسلام میں یکساں قبولیت سے سرفراز فرمایا تھا۔ پورے عالم اسلام میں متعدد دینی اور علمی ادارے آپ کی سرپرستی اور رہنمائی میں چل رہے تھے۔ آپ متعدد اداروں کے مجلس شوریٰ کے صاحب الرائے رکن تھے۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لیے آپ نے دنیا کے طول وعرض میں، عرب وعجم میں متعدد

اسفار کیے۔ اللہ رب العزت نے آپ کو اعلیٰ درجے کا فہم، اسلام اور مسلمانوں کا درد رکھنے والا دل، نپی تلی، جانچی، پرکھی وزن دار اور اذہان و قلوب کو اپیل کرنے والی رائے، طاقتور قلم، پر تاثیر زبان جیسی خوبیوں سے نوازا تھا۔ آپ کی صلاحیتوں، کوششوں، کاوشوں، قربانیوں او رخدمات کے اعتراف کے طور پر آپ کو شاہ فیصل ایوارڈ سے بھی نوازا گیا تھا۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی بیک وقت مختلف اور متنوع خصوصیات کے مالک تھے۔ وہ ایک ممتاز عالم دین و محقق تھے۔

آپ دارالعلوم ندوۃ العلمائ (لکھنو) کے فضلا میں سے تھے۔ندوہ کو ان کے زمانے میں غیر معمولی ترقی حاصل ہوئی۔۔ بیسوی صدی میں اٹھنے والی تقریباً تمام بڑی بڑی اسلامی تحریکوں سے ان کا براہِ راست یا بالواسطہ تعلق تھا۔ وہ ہر حلقے اور ہر گروہ میں یکساں طور پر عزت واعتماد کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ مولانا موصوف نے ایک طرف دارالعلوم ندوۃ العلماء جیسے ادارہ کے ذریعہ مسلمانوں کو علم دین سے بہرہ ور کرنے کی کوشش کی اور دوسرے بے شمار علمی تحقیقی اداروں کے ذریعہ، لوگوں کے لیے عصری معرفت کا سامان کیا۔ ایک طرف انہوں نے اپنی موثر تقریروں کے ذریعہ مسلمانوں میں عملی جوش کو ابھارا اور دوسری طرف انہوں نے اپنی تحریروں کے ذریعہ انہیں گہرے علمی شعور سے آشنا کیا۔ایک طرف انہوں نے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے ذریعہ مسلمانوں کے ملی تحفظ کا انتظام کیا

تو دوسری طرف "پیام انسانیت" کی تحریک کے ذریعہ انہیں داعی کے مقام پر کھڑا کرنے کی کوشش کی۔ ایک طرف انہوں نے رابطہ العالم الاسلامی کے اہم رکن کی حیثیت سے عالمی مسلم اتحاد کی کوشش کی اور دوسری طرف رابطہ ادب اسلامی کے صدر کی حیثیت سے، مسلمانوں کے اندر علم وادب کے حصول کا شوق ابھارا۔ ایک طرف انہوں نے مدارس دینیہ کے قیام کے ذریعہ قدیم علوم کو زندہ کیا اور دوسری طرف آکسفورڈ یونیورسٹی کے اسلامک سینٹر کے صدر کی حیثیت سے، مسلمانوں کے اندر جدید علوم کے ماہر پیدا کرنے کی کوشش کی۔

متعدد موضوعات اور تاریخ اسلام پر آپ کے پرزور قلم سے نکلنے والی تحریریں علمی کتب خانوں (لائبریریوں) کا ایک عظیم بیش بہا گرانقدر سرمایہ اور اثاثہ ہیں۔ وہ کتب خانہ (لائبریری) ہمیشہ نامکمل رہے گا، جس میں مولانا علی میاں کی تحریر شدہ کتابوں کا ذخیرہ نہ ہو۔ متعدد کتابیں عربی زبان میں تحریر فرمائیں جن کے بعد میں اردو او رانگریزی زبانوں میں تراجم ہوئے۔ بے شمار کتابیں اردو زبان میں تحریر فرمائیں جن کے انگریزی اور عربی زبانوں میں تراجم کی ضرورت محسوس ہوئی اور اس ضرورت کو پورا کیا گیا۔

مولانا نے اپنی علمی تقریروں سے بھی ہمیشہ سامعین کے دلوں کو گرمایا۔ موضوع کا احاطہ کرنے میں بھی مولانا ید طولیٰ رکھتے تھے۔ مجمع کی مناسبت سے بات

کرنا مولانا کا ایک خصوصی وصف تھا۔ مولانا کو جہاں عوامی دلوں میں بلا کسی رکاوٹ کے رسوخ تھا، وہاں وہ حکمرانوں کے دلوں میں بھی دھڑکنے کی صلاحیتوں سے آراستہ تھے۔ ہر جگہ مولانا نے بلاخوف لومۃ لائمین حکمت سے بھرپور انداز میں حق کا پیغام پہنچانے کا حق ادا فرمایا۔ تمام اہل علم اس بات کے معترف اور شاہد ہیں کہ مولانا پر جو بھاری ذمہ داریاں عائد ہوتی تھیں مولانا نے ان کو کما حقہ پوری زندگی بھرپور انداز میں نبھایا۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی ذات بہت سی اعلیٰ قدروں کا نمونہ تھی۔ مولانا موصوف ساری زندگی اہل دنیا سے بے نیاز رہے۔ مگر اہل دنیا نے خود اپنی ساری متاع ان کے سامنے پیش کردی۔ سخاوت اور استغنا بھی خوب تھا، بین الاقوامی طور پر آپ کو بارہا ایوارڈز اور انعامی رقومات ملتی رہیں، آپ ان رقومات کو جہاد افغانستان، دینی مدارس اور دیگر فلاحی اور سماجی امور میں خرچ کرتے رہے۔ مولانا موصوف کی ذات اس حقیقت کی ایک عملی مثال تھی کہ مال، عہدہ، عزت سب انسانوں کے تابع ہیں، نہ کہ انسان ان چیزوں کے۔ انسان اگر اپنی انسانی اقدار کو بلند کرلے تو بقیہ تمام چیزیں اپنے آپ اس کو حاصل ہوجائیں گی، کیوں کہ یہ سب انسان کے لیے ہی پیدا کی گئی ہیں۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے بارے میں یہ کہنا صحیح ہوگا کہ وہ اپنی ذات

میں ایک انجمن بلکہ ایک عالم (دنیا) تھے ، ان کے اندر بیک وقت مختلف اور متنوع خصوصیات موجود تھیں۔ مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ نے کہا تھا کہ یورپ میں جو کام ا یک اکیڈمی مل کر کرتی ہے، وہ ہمارے یہاں "ایک آدمی" کرتا ہے۔ مولانا سیدابوالحسن علی ندوی اس قول کا ایک زندہ نمونہ تھے۔ وہ ایک فرد تھے، مگر انہوں نے کئی اداروں کے برابر کام کیا۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک فرد اپنی قوم میں تمام لوگوں کے لیے مرجع کی حیثیت حاصل کرلیتا ہے، ایسا شخص کسی قوم کے لیے بے حد قیمتی ہوتااور اپنی اس حیثیت کی بناپر، وہ پوری قوم کے لیے نقطہ اتحاداور اپنی قوم اور دوسری قوموں کے درمیان عملًا رابطہ کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ مولانا سیدابوالحسن علی ندویؒ کو مسلمانان ہندبلکہ مسلمانان عالم میں یہی مقام ومرتبہ حاصل تھا۔ مولاناسید ابوالحسن علی ندوی کا کارنامہ حیات تقریبًا پوری صدی پر پھیلا ہوا ہے۔

حضرت مولاناؒ کو اپنے اکابر سے بلا تفریق والہانہ عقیدت تھی ۔ ندوہ میں طلبہ سے ایک پُر سوز خطاب میں فرمایا کہ آپ حضرات کو علمی اور فکری محاذوں پر کام کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ آپ میں تقویٰ ضرور ہو اس کے لیے میری نظر میں سب سے بہتر شخصیت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ قدس اللہ سرہ' کی ہے، آپ ان کے ملفوظات ومواعظ کا مطالعہ کریں ، کیونکہ اللہ تعالی نے ان سے اس موضوع پر خاص طور سے بڑا کام لیا ہے۔ ایک مرتبہ آپؒ ختم نبوت کے

ایک اجلاس میں دارالعلوم دیوبند تشریف لائے۔ اور "ماکان محمد ابااحد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین "پر عجیب انداز میں فصیح وبلیغ تقریر فرمائی اور فرمایا کہ مجھے دارالعلوم میں اپنا طالب علمی کا زمانہ یاد آتا ہے کہ جب شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ دارالحدیث میں اپنی مخصوص آواز میں دل کی ایک عجیب کیفیت کے ساتھ قال اللہ وقال الرسول ﷺ کی صدا بلند کرتے تھے۔

اس عظیم شخصیت کا ۱۳/دسمبر ۱۹۹۹ء کو انتقال ہوگیا۔ ان کی شخصیت گویا سوسالہ دور کا احاطہ کیے ہوئی تھی۔ تاریخ میں وہ اس دور کی علامت کے طور پر دیکھے جائیں گے۔ ان کو بلاشبہ صدی کی شخصیت (Man of the Century) کہا جاسکتا ہے۔ اللہ رب العزت مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے، کروٹ کروٹ راحت نصیب فرمائے، تمام سئیات کو حسنات سے مبدل فرمائے۔ قبر کو تاحد نگاہ کشادہ فرماکر جنت کا باغ بنائے،جنت میں فی مقعد صدق عندملیک مقتدر کا مصداق بنائے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطافرمائے (امین یارب العلمین بجاہ سیدالانبیاء والمرسلین واصحابہ اجمعین)

تذکرہ مشاہیر چودھوان

تبصرہ کتب، مولانا محمد جہان یعقوب

ڈیرہ اسماعیل خان شہر سے تقریباً 48 میل کے فاصلے پر جنوب مغربی سمت میں کوہ سلیمان کے دامن میں واقع ایک ہزار برس قدیم قصبہ چودھوان ایک مبارک، تاریخی اور مردم خیز سرزمین ہے۔ اس بے آب وگیاہ خطے نے کئی ممتاز علماء و مشاہیر کو جنم دیا ہے، جن میں حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلویؒ کے تلمیذ مولانا اللہ دادؒ، مولانا فتح محمدؒ، مولانا محمد افضلؒ، مولانا مفتی عطا محمدؒ، مولانا امیر محمدؒ، مولانا عبدالحق فاضل دیوبند، مولانا عبدالعزیزؒ، مولانا عبدالمنانؒ، مولانا قطب الدینؒ، مولانا عبدالحلیمؒ فاضل دیوبند، مولانا عبدالحمید ارشدؒ سمیت دور حاضر کے جید ادیب و خطیب اور مصنف و مولف حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب دامت برکاتہم بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ برانچ پوسٹ آفس خالق آباد ضلع نوشہرہ سے شائع ہونے والی اس کتاب میں، جو تقریباً 200 سے زائد صفحات پر مشتمل ہے، القاسم

اکیڈمی کے رکن رکین مولانا عماد الدین محمود نے اس مردم خیز خطے کی تاریخ رقم کی ہے۔ یہ دراصل مولانا کے ان مضامین کا انتخاب ہے، جو ماہنامہ القاسم میں شائع ہوئے اور قارئین سے داد تحسین و تبریک وصول کرنے کے بعد اب منصہ شہود پر آئے ہیں۔ جب ان مضامین کو کتابی شکل دینے کی بات ہوئی تو مولانا نے نہ صرف ان مضامین کو نظرثانی اور تہذیب واختصار کے مرحلے سے گزارا بلکہ مزید مفید مضامین بھی تحریر کر دیے تاکہ حقیقی معنوں میں یہ کتاب علاقہ چودھوان کی ایک مرتب تاریخ بن جائے۔ گاؤں دیہات کا یہ المیہ ہے کہ وہاں علم و عمل اور زہد و تقویٰ کا اگر کوئی کوہ ہمالیہ بھی ایستادہ ہو تو ظاہر بینوں کی نگاہوں سے اوجھل رہتا ہے، جس کے من جملہ اسباب میں اسباب و وسائل تشہیر کی کم یابی کے ساتھ ساتھ ان حضرت کی ذاتی طبائع کا بھی بڑا دخل ہے کہ یہ حضرات ذاتی تشہیر و تعارف سے دور ایک گوشے میں رہ کر علمی خدمات کو زیادہ ترجیح دیتے ہیں۔ اس کے فوائد اپنی جگہ، تاہم اس کا ایک بڑا نقصان یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ ان حضرات کے علوم و معارف اور فیوض و برکات سے استفادہ کرنے والے بہت کم ہوتے ہیں، پھر ان میں سے وہ لوگ تو آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہوتے جو حقیقی معنوں میں ان حضرات کے علوم و معارف اور فیوض و برکات کے اہل وارث ثابت ہو سکیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان حضرات کے ساتھ ساتھ ان کے جواہر بھی پیوند خاک ہو

جاتے ہیں جو کہ قحط الرجال کے اس دور میں انتہائی خطرناک امر ہے۔

مولانا عمادالدین محمود نے ایسے ہی رجال اللہ کا تعارف کرایا اور ان کے فیوض کو اپنی ذاتی دلچسپی سے صفحہ قرطاس پر منتقل کر دیا ہے جو اگرچہ تاثراتی، روایاتی اور حکایتی ہی ہیں، مگر اپنے اندر قاری کیلئے بہت کچھ رکھتے ہیں کیونکہ یہ اہل اللہ کی صحبت کے قائم مقام ہیں، جس کا مقصد حضرت حقانی یوں بیان کرتے ہیں: "لوگوں کا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق قائم ہو، حقوق اللہ اور حقوق العباد کا شعور بیدار ہو۔

سیرت رسول، اسوہ صحابہ اور کردار سلف رونما ہو، رزق حلال کی طلب ہو، آخرت کی محبت غالب ہو۔بزرگوں کے حالات و واقعات آج بھی دلوں پر تیر و نشتر کا کام کرتے ہیں۔ درد و محبت، جذب و مستی کے ساتھ عشق اور احترام انسانیت کا جیسا نمونہ ان کی زندگی میں ملتا ہے، وہ اگر آج نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔ اس بنا پر امید کی جاتی ہے کہ ان شاء اللہ اس کتاب اور بزرگوں کے حالات و واقعات سے استفادہ کا دائرہ بہت وسیع ہوگا۔"

جذبات دل" کا اظہار کرتے ہوئے عماد الدین محمود صاحب کے دوست محمد شفیق عالم" کشمیری نے ان کا تعارف یوں کرایا ہے: "میرے انتہائی قابل اعتماد دوست مولانا عمادالدین محمود کا شمار ان مخصوص اہل علم میں ہوتا ہے جنہیں اللہ

رب العزت نے دینی و عصری علوم کے ساتھ ساتھ تقریر و تحریر کا ملکہ بھی عطا کیا ہے۔" (صفحہ 15)

مولانا موصوف کی تحریری کاوشوں اور قلمی زندگی کا سلسلہ مضمون نگاری سے شاید" زمانہ طالب علمی اور پھر دوران سرکاری ملازمت (محکمہ تعلیم) جاری رہا لیکن اس علمی و قلمی زندگی پر جوانی کی پھبن اس عظیم علمی و ادبی شخصیت سے تعلق و نسبت قائم ہونے کے بعد آئی، جنھیں اہل دانش، ارباب بصیرت و شائقین علم علامہ عبدالقیوم حقانی کے نام سے جانتے ہیں۔" (صفحہ 16)

عرض مولف" میں فاضل مولف رقم طراز ہیں: "ماضی قریب میں چودھوان کے" عظیم المرتبت باشندوں نے ان گنت دینی تحریکوں بالخصوص جہاد افغانستان میں نمایاں کارنامے انجام دیے ہیں، مگر افسوس یہ ہے کہ ان کی پشت پر ایسے ارباب قلم موجود نہیں تھے جو ان کی قلمی تصویر اتار کر ان کے کارناموں کو زندہ جاوید بنا دیتے۔ مجھ گناہ گار کو جہاں سے اور جس سے بھی اپنے کسی بزرگ، مجاہد، عالم، حافظ، شہید اور ادیب و خطیب کے بارے میں کوئی لکھا اور سنا ہوا حرف ملا تو میں نے اسے آب حیات کے برابر جان کر حرز جاں بنا لیا اور محفوظ کر لیا۔" (صفحہ 21)

مزید لکھتے ہیں: "میں نے فرضی کرامات کی داستانیں اور محیر العقول واقعات کی داستانیں نہیں چھیڑیں بلکہ اپنے مشاہیر کی دینی اور ملی خدمات کا نقشہ پیش کیا ہے۔" (صفحہ 21,22)

ابتدائے کتاب میں "چودہوان" کا تعارف ہے، جس میں تمام متعلقہ مباحث کا احاطہ کیا گیا ہے، جن میں وجہ تسمیہ، محل وقوع، تاریخی حیثیت، اہم اقوام، نظام آب پاشی، نظام معیشت، رسم و رواج کا تذکرہ وغیرہ شامل ہےں۔ مولانا عماد الدین صاحب نے مورخانہ ضرورت و دیانت کے تحت قصبے کی غیر شرعی رسوم کا تذکرہ بھی کیا ہے مگر ساتھ ہی ان کی وضاحت بھی کر دی ہے تاکہ قاری ان رسوم کے تذکرے کو "سند جواز" نہ سمجھ بیٹھے۔ اس کتاب میں جن مشاہیر کا تذکرہ شامل کیا گیا ہے، وہ مندرجہ ذیل ہیں: حضرت میاں محمد قاسمؒ، حضرت شاہ عبداللہؒ، ملا محمد عیسیٰؒ، خواجہ غلام محمدؒ، م 1291ھ)، مولانا فتح محمدؒ (م 1872ھ)، مولوی عبدالغفار اخوندزادہؒ، میاں غلام) محمدؒ، غلام نبی باٹر، پائندہ خان باٹر، احمد سعید اخوندزادہ، جہان خان باٹر، مفتی عطا محمدؒ م 1991ئ)، مولانا عبدالحقؒ (م 2000ئ)، مولانا عبدالحمید ارشدؒ (م 1980 ئ)، مولانا عبدالحلیمؒ (م 1983ئ)، مولانا محمد امیرؒ (م1985ئ)، مولانا اللہ دادؒ م 1968ئ)، مولانا عبدالعزیز، مولانا عبدالمنان، مولانا قطب الدین، مولانا یار) محمد، قاری راز محمد اور مولانا عبدالقیوم حقانی

صاحب مدظلہم العالیہ۔

فاضل مولف کا طرز تحریر آسان، دلچسپ اور سادہ ہے۔ روایتی مورخوں کی طرح محض ترجمانی کا فریضہ انجام دینے کے ساتھ ساتھ ان کی واقعہ نگاری میں ان کی عالمانہ شان بھی نمایاں ہے اور عقیدت کا پہلو بھی۔ مورخ کیلئے ایک بڑا مسئلہ یہ بھی ہوتا ہے کہ کس شخصیت کو کتنا مقام اور جگہ دی جائے؟ مولانا نے اس مسئلے کو بڑی خوش اسلوبی سے حل کیا ہے۔ مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہ اس "بارات کے دولہا" ہیں۔ مولف کو اعتراف ہے کہ انہیں قلم پکڑنا حضرت حقانی صاحب نے سکھایا ہے، لکھتے ہیں: "میں سمجھتا ہوں مولانا حقانی نے مجھے قلم پکڑنا سکھایا (درست "سکھایا" ہے۔ اس طرح کی لفظی غلطیاں جا بجا نظر آتی ہیں)۔ میں انہیں اپنا شفیق استاد اور بہترین دوست سمجھتا ہوں۔ یہ مولانا حقانی ہی کی رہنمائی کا نتیجہ ہے کہ مجھ جیسے بد ذوق نے بھی چھ کتابیں لکھ ماریں جو الحمدللہ نہ صرف شائع ہوئی ہیں بلکہ ان کے کئی کئی ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ فالحمد اللہ علی ذالک۔۔۔" ان کتابوں کے نام صفحہ 200 پر مرقوم ہیں، تاکہ ارباب ذوق استفادہ کریں۔

القاسم اکیڈمی سے کافی عرصے بعد اس قسم کی تحقیقی کتاب آئی ہے، ورنہ آج کل زیادہ زور منتخبات، رسائل اور سوانح وغیرہ کی اشاعت پر ہے۔ بحیثیت مجموعی

یہ ایک اچھی کوشش ہے اور اس قابل بھی کہ ہر اہل ذوق کے ذخیرہ کتب میں شامل کی جاسکے۔

مارچ 1946۔۔۔ تاہنوز، تحریک کشمیر قدم بقدم

☆.... 16 مارچ 1946ء کو انگریزوں نے معاہدہ امرتسر کے تحت ریاست جموں و کشمیر ڈوگرہ گلاب سنگھ کے ہاتھ 75 لاکھ نانک شاہی روپے کے عوض فروخت کر دی، گویا اسے یہ جنت نظیر وادی 155 روپے فی مربع میل میں پڑی اور فی نفر قیمت 7 روپے ٹھہری۔

☆.... 1925ء میں ہری سنگھ کے دور اقتدار میں مسلمانوں کو بطور خاص مشق ستم بنایا گیا۔

☆.... 1925ء میں شیخ محمد عبداللہ نے ریڈنگ روم پارٹی کے نام سے پہلی مسلم تنظیم بنائی۔

☆.... چوہدری غلام عباس مرحوم نے کرینگ مینز مسلم ایسوسی ایشن کو منظم کیا۔

☆.... 1931ء کو دیا سی میں مسجد شہید کر دی گئی۔

☆.... مسلمانوں کو کوٹلی میں نماز جمعہ کی ادائیگی سے روک دیا گیا۔

☆.... ایک ہندو کانسٹیبل نے قرآن مجید کی بے حرمتی کی۔

☆.... ان مظالم پر صدائے احتجاج بلند کرنے کی پاداش میں مسلم رہنما عبدالقدیر کو گرفتار کر لیا گیا۔

☆.... جس جیل میں عبدالقدیر کو رکھا گیا، اس کا محاصرہ کرنے پر 27 مسلمان شہید کر دیے گئے۔

☆.... 25 جولائی 1931ء کو علامہ اقبالؒ کی موجودگی میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی قائم کی گئی، اس اجلاس میں خواجہ حسن نظامی، اے آر ساغر، اسماعیل غزنوی جیسی قدر آور شخصیات موجود تھیں۔

☆.... کمیٹی کا صد قادیانی رہنما مرزا بشیر الدین محمود کو بنایا گیا۔ مرزا بشیر الدین نے اس انتخاب کو اپنی حقانیت کی دلیل کے طور پر خوب استعمال کیا جس کے نتیجے میں کافی مسلمان قادیانی ہو گئے۔

☆.... امیر شریعت علامہ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے ملک کے طول و عرض کے ہنگامی دورے کیے، قادیانی عزائم کا پردہ چاک کیا، جس کے نتیجے میں قادیانیت قبول کرنے والے تمام لوگ دوبارہ مسلمان ہو گئے۔

☆.... علامہ محمد اقبالؒ نے جب دیکھا کہ کشمیر کمیٹی قادیانی عزائم کیلئے کام کر رہی ہے تو مستعفی ہو گئے۔

☆.... ڈوگرہ راج کی سخت نگرانی کے باوجود 14 اگست 1931ء کو یوم کشمیر (کشمیر ڈے) منایا گیا۔

☆.... مجلس احرار کے قائدین نے 1931ء میں ہری سنگھ حکومت سے افہام و تفہیم کے ساتھ معاملات حل کرنے کیلئے مذاکرات کیے، مگر حکومت نے انکار کر دیا۔

☆.... قائدین احرار کی کال پر پنجاب سے دس ہزار سے زائد نوجوان گرفتاریاں دینے جموں پہنچ گئے۔

☆.... میرپور میں ایک مسلمان کارکن کو سرعام ایک ڈوگرہ افسر نے قتل کر دیا۔

☆.... 30 مجاہدین نے تین دن کی انتھک محنت کے نتیجے میں دریائے جہلم پر کوہالہ پل پر قبضہ کرکے اسے بند کر دیا جو کشمیر کے ساتھ تجارت کی واحد شاہراہ تھی۔

☆.... گجرات اور گورداس پور کے مکینوں نے بھی تحریک کا آغاز کر دیا، تاہم ہندوؤں کی اکثریت کی بنا پر کامیابی نہ ہو سکی۔

☆.... مہاراجہ کی درخواست پر برطانوی حکومت بھی مجاہدین کے خلاف اس کی پشتی بانی کرنے لگی۔

☆.... مسلمانوں نے اس قدر گرفتاریاں پیش کیں کہ جیلیں کم پڑ گئیں اور احرار کے دفاتر کو سب جیل قرار دیا گیا۔

☆.... ان قربانیوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ سر بی جے گلینسی کی قیادت میں ایک کمیشن تشکیل دیا گیا جس میں مسلمانوں کی نمائندگی چوہدری غلام عباس کر رہے تھے، کمیشن کے مقاصد میں ریاست میں بسنے والے مسلمانوں کی حالت زار کا جائزہ لینا، ان کے حقوق کی نشاندہی اور شہداء کے کوائف وغیرہ جمع کرنا شامل تھا۔

☆.... کمیشن کی تجویز اور انگریزوں کے پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ کے دباؤ کے تحت مہاراجہ نے 75 رکنی ایک اسمبلی قائم کی، جس میں 21 مسلمان رہنما بھی شامل تھے۔

☆.... 1933ء میں پتھر مسجد سری نگر میں جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کا قیام

عمل میں آیا، جس کا صدر شیخ محمد عبداللہ اور جنرل سیکریٹری چوہدری غلام عباس کو منتخب کیا گیا۔

☆.... 1934ء میں راشٹریہ سیوک سنگھ نے حکومتی چھتری تلے مسلمانوں کے خلاف کارروائیاں شروع کر دیں۔

☆.... 1935ء میں شیخ عبداللہ مسلم کانفرنس کے ٹکٹ پر رکن اسمبلی منتخب ہوئے۔

☆.... عوام اپنے قائدین شیخ عبداللہ، چوہدری غلام عباس اور اے آر ساغر کی قیادت میں منظم ہونے لگے۔

☆.... 1939ء میں گاندھی اور جواہر لال نہرو کی کوششیں، نیز نگاہوں کو خیرہ کرنے والی حکومتی مراعات کی پیشکش رنگ لائی اور مسلمانوں کے چوٹی کے رہنما شیخ عبداللہ نے وفاداریاں تبدیل کر لیں اور مسلم کانفرنس کے خلاف کشمیر نیشنل پارٹی، جو درحقیقت کانگریس کی بی ٹیم تھی، کی داغ بیل ڈال دی۔

☆.... مسلم کانفرنس چوہدری غلام عباس کی قیادت میں جانب منزل گامزن رہی اور تمام تر سازشوں کے باوجود 1945ء کے انتخابات میں 80 فیصد نشستیں حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔

☆.... ڈوگرہ راج نے اس صورت حال سے بدحواس ہو کر مسلم کانفرنس پر پابندی لگا دی۔

☆.... 1946ء کو منظور ہونے والے تقسیم ہند کے فارمولے میں جن 562 ریاستوں کو یہ حق دیا گیا کہ وہ پاکستان یا ہندوستان میں سے جس ملک سے چاہیں الحاق کر

لیں، ان میں خطہ کشمیر بھی شامل تھا۔ جموں میں 80 فیصد مسلمان بستے تھے اور سب کی اولین خواہش یہی تھی کہ وہ پاکستان کا حصہ بنیں۔ پونچھ میں 95 فیصد مسلمان بستے تھے اور ان سب کی اولین خواہش تھی کہ یہی وہ پاکستان کا حصہ بنیں۔

☆.... جموں کے مسلمانوں کا قتل عام کرکے انہیں شہید کر دیا گیا۔

☆.... پونچھ کے مسلمانوں نے سردار محمد عبدالقیوم کی قیادت میں مزاحمت کی اور افواج کو عبرت ناک شکست دی۔ کیپٹن فیروز خان اور میجر نصراللہ جیسے شیر دل کمانڈروں کی سرکردگی میں لڑے جانے والے ان معرکوں کے نتیجے میں بھمبر، میرپور، مینڈھیر، راجوری اور نوشہرہ کو بھی آزادی حاصل ہو گئی۔

☆.... ادھر پاکستانی قبائل میں ڈوگرہ راج کے خلاف بھڑکنے والی آتش انتقام نے اپنا کام دکھا دیا اور 4 اکتوبر 1947ء میں ہزاروں وزیر، محسود اور آفریدی قبائل بٹراسی کے جنگلات میں جمع ہو گئے اور 20 اکتوبر کی شب مجاہدین نے میجر خورشید انور اور خوش دل خان کی کمان میں پیش قدمی کا آغاز کیا اور کوہالہ، دومیل اور مظفرآباد کو فتح کرتے ہوئے بارہ مولا اور سری نگر تک پہنچ گئے۔

☆.... 24 اکتوبر کو مجاہدین نے سری نگر سے 35 میل پہلے مہورہ کا پاور ہاؤس اڑا دیا، جس سے پورا شہر تاریکی میں ڈوب گیا۔

☆.... خطہ کشمیر آزادی سے محض چند گھنٹوں کے فاصلے پر تھا اور سری نگر

ائیر پورٹ پر قبضے کی گھڑی قریب سے قریب تر ہوتی جا رہی تھی کہ اچانک کایا پلٹ گئی۔

☆.... تاریکی کا فائدہ اٹھا کر مہاراجہ جموں کی طرف فرار ہوگیا اور یہاں پہنچ کر بھارت سے مدد کا خواستگار ہوا۔

☆.... بھارت نے امداد کو اس شرط کے ساتھ مقید کر دیا، کہ راجہ جموں و کشمیر کا الحاق بھارت کے ساتھ کر دے اور بزدل راجہ نے الحاق کی دستاویز پر دستخط کر دیے۔

☆.... بھارت نے یکایک حملے شروع کر دیے اور مجاہدین کو ان کے باہمی افتراق کی بدولت پسپا کر دیا۔

یوں ریاست جموں و کشمیر پاکستان کی گود میں آتے آتے بھارت کے غاصبانہ قبضے میں چلی گئی، وہ دن ہے اور آج کا دن، مسلمان لاکھوں کی تعداد میں قربانی دینے کے باوجود آزادی حاصل نہیں کر سکے۔

☆.... ہر چند کہ اس مسئلے پر ہر سطح پر مذاکرات اور معاہدے ہوئے مگر بھارت ٹس سے مس نہیں اور اس نے کشمیر پر اپنا غاصبانہ قبضہ، جور و جبر اور تشدد و فرعونیت کا سلسلہ برقرار رکھا ہوا ہے۔

☆.... یہ ایک یقینی امر ہے کہ کشمیریوں کو ان کا حق کبھی بھی مذاکرات کی تھالی میں رکھ کر پیش نہیں کیا جائے گا، اگر ایسا ہوتا تو اب تک یہ حق دیا جا چکا ہوتا۔ آیئے مذاکرات اور معاہدوں پر ایک سرسری سی نظر ڈالتے ہیں:

☆.... مارچ 1949ء میں اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی قرارداد پر عمل کرتے ہوئے پاکستان نے افواج کے انخلا کا پروگرام پیش کیا، مگر بھارت نے صاف انکار کر دیا۔

☆.... اگست 1949ء میں ایڈمرل نمسٹر کی ثالثی اور فوجوں کے انخلا کا فیصلہ پاکستان نے تسلیم کیا، مگر بھارت نے اسے مسترد کر دیا۔

☆.... دسمبر 1949ء میں سلامتی کونسل کی تجاویز کو پاکستان نے منظور اور بھارت نے مسترد کر دیا۔

☆.... 1951ء سے 1958ء تک ڈاکٹر گراہم کے پیش کردہ فارمولوں کو پاکستان منظور اور بھارت مسترد کرتا رہا۔

☆.... 1947ء سے لے کر 1965ء تک یہ مسئلہ 132 مرتبہ زیر بحث لایا گیا مگر نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔

☆.... اب بھی صورت حال جوں کی توں ہے، لہٰذا ان حقائق کے پیش نظر یہ دعویٰ بے محل نہیں کہ کشمیر مذاکرات اور معاہدوں سے نہیں، بلکہ جہاد فی سبیل اللہ سے آزاد ہوگا۔

☆....☆....☆

عامر چیمہ بہت یاد آیا

ایک ارب سے زائد مسلمانوں میں وہ ایک ہی تھا........ناموس رسالت ﷺ کا سچا پاسبان.... غازی علم دین شہیدؒ، غازی عبدالقیوم شہیدؒ، غازی حق نواز جھنگوی شہیدؒ اور غازی طارق شہیدؒ جیسے مجاہدین اسلام و غازیان دین کی تابندہ روایات کا امین.... غازی عامر عبدالرحمٰن چیمہ شہیدؒ.... ماں باپ کا پیارا، بہنوں کا راج دلارا، تعلیمی میدان میں اپنی لازوال و مثالی کامیابیوں کی بنا پر تمام اساتذہ کا پیارا، اپنی قوم، قبیلے اور شہر کا ہی نہیں، بلکہ پورے وطن عزیز کا فخر.... ہر میدان ہیں سبقت گویا اس کی عادت ثانیہ بن چکی تھی.... والدین نے اسے تعلیمی میدان میں کامیابیوں کے مزید جھنڈے گاڑنے اور پورے عالم میں پاک دھرتی کا نام روشن کرنے کے لیے دیار غیر بھیج دیا، تب پروفیسر نذیر چیمہ سمیت کسی کے بلکہ شاید عامر کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ کس قدر عظیم ترین سعادت اس کی منتظر ہے.... اس کا انتخاب خلاق عالم کی طرف سے کس عظیم ترین کام کے لیے ہو رہا ہے.... آج مرحلہ ایک کلاس، ایک بورڈ یا ایک ملک میں اول آنے کا نہیں، بلکہ ایک ارب سے زائد مسلمانوں کی نمائندگی کرتے ہوئے اس تاثر کی، جو ہماری ہی بے عملی و بد عملی اور حب مال و جاہ کی وجہ سے پیدا ہوا ہے کہ، " مسلمان تو محض راکھ کا ڈھیر ہے" اپنے عمل سے نفی کرنے کا تھا.... بدبودار مغرب و یورپ نے گستاخانہ خاکے

بنااور شائع کرکے ایک مرتبہ پھر اپنے خبث باطن کا ثبوت فراہم کر دیا تھا، گویا مسلم خفتہ کی بیداری کا امتحان لینے کے لیے اس کی جانب ایک پتھر اچھال دیا تھا،تاکہ بیداری کا امتحان لینے کے بعد اگلا وار کرے....اس کا خیال تھا کہ کچھ ممالک میں احتجاجی مظاہرے ہوں گے، کچھ میں بات ہماری چند مصنوعات کے بائیکاٹ پر منتہی ہوگی، کہیں محض رسمی الفاظ مذمت پر اکتفا کیا جائے گا....اس کے بعد سب کچھ ٹھیک ہو کر زندگی اپنی سابقہ ڈگر پر چل پڑے گی.... مگر اسے معلوم نہ تھا کہ اسی کے ملک میں رہنے والا، اسی کی درس گاہوں میں تعلیم پانے والا بظاہر بے ضرر دھان پان سا لڑکا، جو کتابوں کی دنیا سے باہر جھانکنے کا بھی روادار نہیں، اتنا بڑا کام کر جائے گا!!

اس نے عشق رسالت وحب نبوت سے سرشار ہو کر "حیات و موت کے فاصلے" مٹاڈالنے کا فیصلہ کرلیا.... ان صحابہ کرامؓ کی تاریخ دہرانے کا فیصلہ جنھوں نے گستاخان رسول ﷺ کو جہنم واصل کرکے بارگاہ نبوت ورسالت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے داد تحسین وآفرین اور جنت الفردوس کا پروانہ حاصل کیا....ہاں ہاں، وہ ہر قسم کے اندیشہ بیش وکم اور تصور نفع وضرر سے یکسر آزاد ہوگیا، کیوں کہ اس نے راہ ہی ایسی منتخب کی، جس میں سوچ وبچار کرنا عقلمندوں کا کام نہیں،اس نے وہ راہ منتخب کی جو "جنت کا مختصرترین راستہ" ہے۔

اس نے وہ گستاخ ہاتھ ہی ساکت وجامد کردیے، جنھوں نے یہ بدترین گستاخی کی اور اس کی ترویج واشاعت میں بھی پیش پیش تھا۔اسے بخوبی معلوم تھا کہ اس عمل کاانجام شہادت ہے.... وہ یہ بھی جانتا تھا کہ "میڈیاوار" کے اس دور میں اس کے اس اقدام کی اچھی تعبیر وتصویر پیش نہیں کی جائے گی.... انسانیت سوز تشدد، منفی کردار کشی، جھوٹ وافترا کی بھرمار، طعن و تشنیع کے طومار.... اس نے اس سب کے باوجود وہ عظیم کارنامہ انجام دے کر عالم کفر پر ثابت کردیاکہ ہوش کے ناخن لو، ہم اپنے آقا مدنی،تاجدار دوعالم، سید کائنات ، امام الرسل، دانائے سبل، ختم الرسل ﷺ کی شان میں ادنی سی گستاخی بھی برداشت نہیں کر سکتے۔اس نے گستاخ پر حملہ کردیا اوراس کواس دریدہ دہنی کامزہ چکھانے کے بعد خود بھی لیلائے شہادت وسعادت کو گلے لگالیا۔ اگر غلام ذہنیت کے حکمرانوں نے جنت کے اس شہزادے کا استقبال نہ کیا، اس کو پاکستان کے کسی اعزازواکرام کا مستحق نہ سمجھا، اس کی تدفین شایان شان طریقے سے نہ کی ،اس کے عزیزواقارب، دوست احباب اور اہل علاقہ کو اس کے دیدار سے محروم رکھا،اس شہر کی گلیاں، چوک چوراہے اور در و دیوار جو اس کی راہیں تک رہے تھے، ان کو محروم زیارت رکھا تو اپنے ہی نامہ اعمال کی سیاہی میں مزید اضافہ کیا ورنہ وہ جس مقام رفیع اور مرتبہ بلند پر فائز ہوگیاہے، اس کے سامنے یہ سب فانی رسمیں ہیچ ہیں.... بالکل بے وزن ،بے حیثیت اوریکسر

بے قدر و قیمت.... وہ تو سرکار کالی کملی کے پاس داد تحسین و آفرین لینے پہنچ چکا ہے.... صحابہؓ و شہدائے ناموس رسالتؐ کا ہم نشیں، حوروں کا دولہا، مسلمانان عالم کا مان، وطن عزیز کی شان، خلد بریں کا معزز مہمان عامر چیمہؒ.... تیری لحد پہ خدا کی رحمت، تیری لحد کو سلام پہنچے!!

آج جب کہ سیاہ باطن انگریزوں کے ذہنی غلاموں اور روحانی فرزندوں کی طرف سے مجاہد ختم نبوت غازی ممتاز حسین قادری کو دو مرتبہ سزائے موت کی سزا سنائے جانے اور اس پر حکمرانوں کی روایتی بے حسی کو دیکھ کر آج غازی عامر چیمہؒ بہت شدت سے یاد آرہا ہے.... بظاہر ہر طرف تاریکی کا بسیرا دیکھ کر ناامیدی سی آ گھیرنے کی کوشش کرتی ہے.... مگر پھر یہ حقیقت سامنے آتی ہے تو ایک ڈھارس سی بندھ جاتی ہے کہ اس امت کی ماؤں نے ہر دور میں ایسے فرزند پیدا کیے ہیں، جو چراغ شب کے مصداق ہوتے ہیں، پھر معرکہ حق و باطل کو تو خروج و قتل دجال تک جاری ہی رہنا ہے.... سوائے اہل مغرب اور ان کے روحانی غلامو! نوشتہ دیوار پڑھ لو۔ یاد رکھو کہ سورج، چاند پر تھوکا اپنے ہی منہ پر آ گرتا ہے، سورج کو بجھانے والے خود ہی بجھ کر رہ جایا کرتے ہیں۔ بقول کسے:

خاک ہو جاتے ہیں سورج کو بجھانے والے

تبصرہ کتب، مولانا محمد جہان یعقوب

ہمارے پیش نظر اس رسالے کا ساتواں اور آٹھواں شمارہ (بابت مارچ واپریل 2008ئ) ہیں، جومکہ کتاب گھر رحمان پلازہ مچھلی منڈی اردو بازار لاہور کی طرف سے بھیجے گئے ہیں، ان دو شماروں کے مطالعے سے جو معلومات حاصل ہو سکی ہیں، وہ یہ ہیں کہ دور حاضر کے معتزلہ یعنی اہل تجدید اور غیر مقلدین کے علمی رد میں اس مجلے کو مستند علمی تحقیقات کا معتمد اشاعتی ادارہ النعمان اکادمی لاہور شائع کرتا ہے، ایک برس کے تعطل کے بعد (جس کی وجوہ معلوم نہ ہو سکیں) اسے دوبارہ شائع کیا گیا ہے اور اب تک جلد نمبر 2 کے آٹھ شمارے منظر عام پر آ چکے ہیں۔ اس کے نگران جامعہ اشرفیہ لاہور کے استاد اور محقق عالم دین مولانا نعیم الدین صاحب جبکہ مدیر مولانا ابوحماد عبدالوحید اشرفی صاحب ہیں۔ مجلس ادارت میں مولانا محمد اسلم زاہد، پروفیسر امجد علی شاکر اور مولانا عبدالجبار سلفی الحنفی جیسے معتبر نام شامل ہیں۔ یہ رسالہ دفتر ماہنامہ "فقاہت" الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور سے شائع ہوتا ہے۔

یہ ایک خالص علمی و تحقیقی کاوش ہے، جس کے تمام مضامین سنجیدگی و متانت سے

مرصع اور دلائل و براہین سے مزین ہیں۔ مارچ کے شمارے میں "آرا وافکار" کے عنوان سے قارئین کے خطوط کو شائع کیا گیا ہے، ان میں سے جناب ابوالحسن صاحب کا خط، جو پر مغز تبصرے پر مشتمل ہے، مجلے کے مقاصد واہداف پر روشنی ڈالتا ہے، ہم مفید مطلب ہونے کی بنا پر ان کے مفصل مکتوب میں سے چند منتخب سطور ذیل میں درج کر رہے ہیں، لکھتے ہیں:

خلفائے بنو عباس سے لے کر خلافت عثمانیہ کے خاتمے تک تمام مرکزی اسلامی حکومتوں" میں فقہ حنفی بطور اسلامی قانون نافذ رہا، آج تو ان حکومتوں کو اسلامی حکومت (تو) مانتے ہیں لیکن فقہ حنفی کو اسلام یا اسلامی فقہ ماننے کیلئے تیار نہیں، فیا للعجب! اس فقہ کا "انکار کروگے تو گویا بارہ سو سالہ اسلامی تاریخ سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔

سو باتوں کی ایک بات یہی ہے کہ زیر تبصرہ مجلّہ فقہ حنفی کی اہمیت وافادیت اور اس کی شرعی حیثیت کو ثابت کرنے بلکہ منوانے اور نہ ماننے والوں کے واہیات اعذار، دلائل اور ایجاد بندہ تعبیرات کا علمی ومدلل جواب دینے کیلئے شائع کیا جا رہا ہے۔ ان دو شماروں کے مطالعے کے بعد ہمیں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ یہ مجلّہ اپنی اس غرض میں بحمدللہ تعالیٰ کامیاب ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو مزید مفید بنائے اور جاری رکھے۔ (آمین)

مجلّہ "فقاہت" قدیم غیر مقلدین بشمول سرسید احمد خان، عنایت اللہ مشرقی، غلام احمد پرویز اور ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی کی تعبیرات کے تار و پود بکھیرنے کے ساتھ ساتھ دور حاضر کے اہل تجدید، جن میں پرائے ہی نہیں کچھ اپنے بھی شامل ہیں، کے مقاصد و اہداف کو بھی واضح کرتا اور ان جدید افکار کے مقابل قدیم دینی فکر و نظریہ بھی پیش کرتا ہے۔ اس حوالے سے محترم امجد علی شاکر کی تحریر "ہوا ہے تند و تیز مگر۔۔۔" سے چند منتخب سطور ملاحظہ ہوں۔ پروفیسر صاحب قدیم ملاحدہ کی نقاب کشائی کے بعد رقمطراز ہیں:

اب بدلی ہوئی صورت حال میں عالمی قوتوں نے کچھ اور لوگ پیدا کیے، یہ دور جدید" کے نئے امام ہیں، ان نئے اماموں کے لئے ہر چینل دروازے کھولے بیٹھا ہے تاکہ مابعد سرد جنگ کے زمانے کی ضرورتیں پوری کرنے کیلئے نئے منکرین اسلام متعارف کرائے جا سکیں"۔ فقاہت ان منکرین جدید کے مقابل قدیم اسلام کا علم بردار ہے۔

ایک نظریاتی میگزین ہونے کی بنا پر "فقاہت" نے چند مستقل عنوانات طے کر رکھے ہیں، جن کے تحت اہل تحقیق اپنے جوہر تحریر کی جولانیاں دکھاتے ہیں۔ آیئے ان دو شماروں کے مضامین پر ایک نگاہ ڈالیں۔

مسائل و دلائل" کے عنوان کے تحت حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی مدظلہ کی"

تحریر "مسائل نماز کتاب و سنت اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم کی روشنی میں" قسط وار شائع کی جا رہی ہے۔ اب تک پانچ قسطوں میں نماز کے 38 مسائل کو مدلل و مبرہن کیا جا چکا ہے، اعظمی صاحب ہر مسئلے پر احادیث و آثار بحوالہ نقل کرتے ہیں۔ کہیں کسی حدیث سے فقہ حنفی کے خلاف مسئلہ ثابت ہوتا ہے تو اس حدیث کی اسنادی حیثیت وغیرہ سے بھی بحث کر کے ثابت کرتے ہیں کہ فقہ حنفی نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے، وہ زیادہ قوی ہیں۔

مکالمہ و مذاکرہ" کے تحت "زیارت حرمین اور علمی مذاکرے" قسط وار شائع کی جا رہی" ہے جو محض حرمین کا سفر نامہ ہی نہیں بلکہ منکر حدیث ڈاکٹر عثمانی کا کامیاب علمی تعاقب بھی ہے اور ہلکے پھلکے انداز میں صراط مستقیم کو اس طرح واضح کیا جاتا ہے کہ کسی قسم کی پوشیدگی اور ابہام باقی نہیں رہتا۔ علاوہ ازیں اس سلسلے کے تحت دیگر مفید مضامین بھی شائع کیے جاتے ہیں۔ مارچ کے شمارے میں پروفیسر امجد علی شاکر نے دلائل سے یہ بات ثابت کی ہے کہ "سرسید احمد خان کا کارنامہ خاص" اس کا انگریزی داں ہونا، جدید علوم کا داعی ہونا، جنگ آزادی میں انگریز کی وفاداری کا ثبوت فراہم کرنا اور بیورو کریسی کا حصہ ہونا نہیں تھا کہ اس میں اس کے ساتھ متعدد لوگ شریک تھے بلکہ اس کا اصل کارنامہ دین کی نو آبادیاں تعبیر اور اس کے لئے نئی نسل کی ذہن سازی کرنا تھا۔ اپریل کے شمارے میں مولانا عبدالجبار سلفی حنفی نے "مسئلہ تقلید پر

قلمی معرکے" کے عنوان سے بتایا ہے کہ اجتہاد اور تقلید ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ انہوں نے اس حوالے سے درجنوں قدیم وجدید کتب کے حوالے سے یہ بات ثابت کی ہے "کہ ہر صاحب قلم اور صاحب علم نے تقلید کو اجتہاد کے مقابل لا کر بحث کی ہے۔" اور یہ کہ "حدیث اور تقلید کو ایک دوسرے کے مقابل لا کھڑا کرنا عقل و دانش کا خون "کرنے کے مترادف ہے۔

ترغیب وترہیب" کے تحت مارچ کے شمارے میں مولانا نعیم الدین صاحب نے "اسلام میں معذوروں کے حقوق" بیان کیے ہیں جبکہ اپریل کے شمارے میں مولانا محمد صدیق ارکانی مدظلہ نے "اتباع اغیار اور فطرت سے بغاوت" کے مظاہر میں سے چند مثلاً پتلون، کوٹ اور ٹائی کا استعمال، انگریزی تاریخ، ٹوتھ پیسٹ، موبائل فون کا بے جا استعمال اور عشا کے بعد لایعنی گفتگو کرنے اور صبح کے وقت سونے کی نحوست واضح کی ہے۔ مولانا نے اپنی تحریر میں اتباع اغیار کی تصویر کشی کے ساتھ ساتھ حدیث کی روشنی میں اس کی ممانعت و مفاصد کو بحسن و خوبی واضح کیا ہے اور بڑی دل سوزی سے امت مسلمہ بالخصوص نئی نسل کو اس رجحان کو ترک کرنے اور اپنی اصل بنیاد کی طرف لوٹ آنے کی دعوت دی ہے۔

،بحیثیت مجموعی مسلک حقہ کے ترجمان رسائل ومجلات میں یہ ایک اچھا، عمدہ

علمی، تحقیقی اور مفید اضافہ ہے اور اس پرفتن دور میں جبکہ ایمان و عقیدے کے ڈاکو ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں، ضرورت اس امر کی ہے کہ اس طرح کے تحقیقی رسائل کا مطالبہ کیا جائے۔ ہمیں "فقاہت" کی انتظامیہ سے صرف دو درخواستیں مزید کرنی ہیں، ایک یہ کہ اہل الحاد و باطل کے تازہ افکار و نظریات کا بھی تعاقب کیا جائے اور دوسری یہ کہ اس مفید رسالے کو انٹرنیٹ کے ذریعے مزید عام کیا جائے، کیونکہ اہل باطل نے اپنے افکار کی اشاعت کیلئے آج کل جدید الیکٹرانک میڈیا بالخصوص انٹرنیٹ کا سہارا لے رکھا ہے۔

آغا شورش کاشمیری شخصیت و کردار

ایسی ھستیاں بڑی مشکل سے پیدا ہوا کرتی ہیں کہ جن کے کارناموں پر تاریخ اور قوم ناز کرے کتنی خوش قسمت ہیں وہ خواتین جو ایسے سپوتوں کی ماں بننے کا اعزاز حاصل کرتی ہیں۔ اور زمیں کا وہ حصہ کتنا مبارک ہے جو ایسے افراد کے مولد و مسکن بننے کا شرف حاصل کرتا ہے۔ آغا شورش کاشمیری بھی ایسے افراد کی صف میں شامل ہیں۔ وہ جرات واستقامت کا پیکر، عزم وحوصلے کا کوہ گراں، میدان صحافت کا شہسوار اور کارزار سیاست کا مرد میدان، وہ شاعر انقلاب، صاحب طرز ادیب اور تحریک آزادی تحریک تحفظ ختم نبوت کا عظیم مجاہد وہ سچے عاشق رسول جو اپنے جوش خطابت سے خرمن باطل میں آگ لگایا کرتے تھے جسکی صداقت گوئی اور جرات واستقامت کے سامنے وقت کے فرعون بھی جھکنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

جس نے اپنی پوری زندگی اور تمام توانائیاں آزادی کی جدوجہد تحفظ ختم نبوت میں صرف کی۔ یا ملک وقوم کے دشمن اور ظالم حکمرانوں کو للکارنے میں۔ اسی حق گوئی کی پاداش میں جیل کی صعوبتیں برداشت کیں۔ ان کو مارا گیا پیٹا گیا مال و دولت کا لالچ دیا گیا لیکن آغا شورش کاشمیری نے کبھی اصولوں پر سودے بازی نہیں کی۔ آغا شورش کاشمیری جیسے فوجیوں کی جرات واستقامت تھی کہ آج ہم غلامی

سے آزاد ہیں۔

آغا شورش کاشمیری نے جس بات کو حق سمجھا.بر سر میدان کہا پھر اس پر ڈٹ گئے۔ وہ ہر ظالم سے ٹکرانا ہر اسلام دشمن اور ملک دشمن کا گریبان پکڑنا جانتے تھے لیکن بکنا نہیں جانتے تھے اس نے آزادی اور تحفظ ختم نبوت کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔

ہمیشہ.بر سر میدان سینہ تان کر نکلے

نکھرتا ہی رہا تیغوں کے سائے میں شباب ان کا

آغا شورش کاشمیری ۱۴ اگست ۱۹۱۷ئ کو.بروز منگل امر تسر میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام نظام الدین تھا۔ انکے دادا بہتر روزگار کی تلاش میں لاہور آئے تھے پھر پورا خاندان یہیں رہائش پذیر ہو گیا۔ شورش نو عمری میں ہی والدہ محترمہ کے سایہ عاطفت سے محروم ہو چکے تھے والدہ کی وفات کے بعد دادی نے ان کی پرورش کی۔ شورش کاشمیری کا نام عبدالکریم اور تخلص الفت تھا۔ انکی ہنگامہ خیز اور جذباتی طبعیت کی مناسبت سے دوست احباب نے شورش کا تخلص دیا۔ اور نام کے شروع میں آغا کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ مرحوم آغا حشر کی وفات کے بعد کسی دوست نے شورش کے لیے نعرہ کی صورت میں استعمال کیا تھا۔ اب

عبدالکریم الفت آغا شورش کاشمیری سے مشہور ہو گئے۔

شورش کو بچپن سے لکھنے پڑھنے کا شوق تھا اور بڑا محنتی طالب علم تھا۔ احسان دانش ان کو ٹیوشن پڑھانے آتے تھے ان کو دیکھا دیکھی شاعری کا ذوق بھی پیدا ہوا اور مطالعے کا ذوق اور زیادہ ہوگیا۔ ۱۹۳۲ئ میں دیو سماج ھائی اسکول لاہور سے میٹرک کا امتحان پاس کیا شوق اور استعداد کے باوجود گھر کے معاشی بحران کی وجہ سے باضابطہ تعلیم کا سلسلہ جاری نہ رکھ سکے۔ عرصہ دراز تک روزگار کی تلاش میں سرگردان رہے لیکن فرصت کے اوقات مطالعہ اور اہل علم ودانش کے مجلسوں میں نشت وبرحاست کا سلسلہ جاری رکھا۔ ان کا دادا مولانا ظفر علی خان کا بڑا اوراح تھا گھر میں زمیندار اخبار پابندی سے آتا تھا اور شورش پابندی سے پڑھتا تھا ۱۹۴۰ئ کی طویل زمانہ اسادت میں جیل میں قرآن کریم کا ترجمہ تفسیر کے ساتھ پڑھ لیا۔ فارسی اردو سیاسیات اور عمرانیات میں بھی دسترس حاصل کر لی۔ یوں تو آغا صاحب میٹرک سے اوپر کسی سند یا ڈگری کے حامل نہیں تھے لیکن ذاتی محنت وریاضت اور مطالعے سے وہ مقام حاصل کر لیا تھا کہ بڑے بڑے ڈگریوں والے ان کے آگے جو ئہ کم آب نظر آتے۔

آغا شورش کاشمیری جس دور سے گزر رہے تھے وہ دور ہندوستان میں انگریزی جبر واستبدار کے عروج کا اور تحریک آزادی کے ہنگاموں کا زمانہ تھا۔ مجاہدین

آزادی پر ڈھائے جانے والے انگریزی مظالم نے ان کے دل و دماغ میں انگریز سے نفرت اور آزادی کا شعور پیدا کیا۔ ۱۹۲۸ئ میں لاہور میں انگریز کے خلاف ہونے والے ایک جلسے میں پولیس نے حاضرین پر لاٹھی چارج کیا۔ اسی کچھ ڈنڈے حریت پسند رہنما لالہ لاجپت رائے کے سینے پر کچھ ایسے لگے کہ لالہلاجپت رائے زخمی ہو گئے۔ پھر اسی رات کو لاہور میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ لالہ لاجپت نے ولولہ انگیز خطاب کیا تقریر کے آخری الفاظ یہ تھے۔ "نوجوانو میرے بڑھاپے کی لاج رکھنا تمہارا فرض ہے جو لاٹھیاں میرے سینے پر لگی ہیں وہ برطانوی اقتدار کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہو" (بولے گل زالہ دل) چند دنوں کے بعد زخموں کی تاب نہ کر لالہ جی انتقال کر گئے۔ یہ واقعہ اور انجہانی کی تقریر کے آخری الفاظ نے شورش کے دل و دماغ پر گہرا اثر کیا۔ ایک دوسرا واقعہ جس نے ننھے شورش کے دل میں آزادی کی تڑپ اور جوش پیدا کیا۔ ان کے والد نے ایک میلے میں کیمپ لگایا تھا۔ بشراب واقتدار کے نشے میں بدقسمت چند گورے میلے میں آکر مسلمان لڑکیوں کو چھیڑا اس پر چند غیرت مند نوجوانوں نے ان پٹائی کی۔ پھر پولیس نے ان نوجوانوں اور شورش کے والد کی ایسی بے دردی سے پٹائی کی کہ جسم پر نشان پڑ گئے۔ اس واقعے نے شورش کے دماغ میں مزید شورش پیدا کر دیا۔

شورش نے اس وقت پختہ عزم کر لیا کہ میں بڑے ہو کر انگریز کے خلاف اس وقت تک

لڑوں گا جب تک برصغیر سے اس کا بوریا بستر گول نہ ہوتا۔ ۱۹۳۵ئ میں انتخابات قریب تھے کہ انگریز نے ایک سازش کے تحت مسجد گنج کو شہید کر دیا۔ اور اسلام نے انگریز کے خلاف زبردست تحریک چلائی۔ احرکے تمام قائدین گرفتار ہو گئے اب قیادت کے لیے کوئی رہنما میدان میں موجود نہیں تھا۔

اس موقعہ پر ساتھیوں کے شور سے نوجوان خطیب وشاعر آغا شورش کاشمیری ڈکٹیٹر کے طور پر سامنے آئے۔ ان کے ولولہ انگیز تقریر نے حاضرین جلسہ کو بہت متاثر کیا اور نعرہ تکبیر کی گونج برطانوی اقتدار کے درودیوار ہلا دیا۔ کسی بھی جلسے میں یہ شورش کی پہلی تقریر تھی۔ اس تقریر کی بناء پر گرفتار ہو کر تقریبا ڈھائی سال قید میں رہے۔ شورش کاشمیری کی جرات وہمت اور جوانمردی کو دیکھتے ہوئے ۱۹۳۹ئ میں رہا کیے۔ ان دنوں جنگ عظیم شروع ہو چکی تھی۔ انگریز ہندوستان وسائل اور افرادی قوت کو اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کرنے کی کوششوں میں مصروف تھا۔ انگریزی فوج میں ہندوستانیوں کو بھرتی کیا جارہا تھا۔ دوسری طرف علماء حق انگریزی فوج بھرتی کو حرام قرار دے چکے تھے۔ اور اس بھرتی کے خلاف تحریک چل رہی تھی۔ شورش کاشمیری نے بھی رہائی کے بعد تحریک چلانے کا اعلان کر دیا۔ مختلف شہروں میں انگریزی فوج میں بھرتی کے خلاف تقریر کرتے۔ شورش کی گرفتاری کے وارنٹ جلدی ہو گئے لیکن شورش تقریر کرنے کے بعد پولیس کو جل دیکر بچ نکلنے میں کامیاب ہو جاتے تھے۔ آخر کار ملتان کے

ایک جلسے میں کسی میر جعفر کی مخبری کی وجہ سے پولیس کے ہاتھوں گرفتار ہوگئے۔ اس گرفتاری کی کہانی خود آغا صاحب کی زبانی ملاحظہ فرمائیں۔ میری تقریر ہو رہی تھی کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے مجمع کو منتشر ہونے کا حکم دیئے بغیر اراٹوں اور ایوان کو لاٹھی چارج کا اشارہ کیا۔ پھر جو بیتی قلم بیان کرنے سے قاصر ہے۔ چاروں طرف سے عوام کو مار پڑنے لگی۔ لوگ جوتے پگڑیاں اور ٹوپیاں چھوڑ کر بھاگ اٹھے میں اسٹیج پر کھڑا رہا اس وقت بھاگنا جوانمردی کیخلاف تھا۔ اور نہ کوئی فرار کا راستہ ہی نہ تھا۔ میں نے پولیس کو للکار کر کہا لوگوں کو نہ ماریئے میں حاضر ہوں مجھے پکڑ یے اور تکہ بوٹی کر ڈالیئے۔ ثیل مجمع کو چیرتا پھاڑتا اسٹیج تک پہنچا۔ مجھے بازو سے پکڑ کر نیچے گرالیا بے شمار بید مارے بے اندازہ ٹھڈے مارے دو چار دفعہ اٹھا کر نیچے پٹخا۔ ایک تھانیدار کو حکم دیا کہ اسے الٹی ہتھکڑی لگادو۔ پندرہ منٹ تک بیدوں اور تھپڑوں کی مشق کرتا رہا۔ رخسار پر ڈھول دوسرے پر دھپا۔ جسم پر بید گھٹنوں پر ٹھڈے۔ میں دو دفعہ بے ہوش کر گرا۔ مکان کے اندر عورتوں نے سسکیاں بھرنا شروع کیں۔ غرض چاروں طرف پولیس کا غلغلہ تھا۔ میرا چکن پھٹ پھٹ کر تار تار ہوگیا۔ قمیص کے کئی ٹکڑے ہوگئے۔ ایک چھتہ کانسٹیبل بار بار انہے وحشیانہ گھونسے جماتا رہا ایک اسٹنٹ کمشنر نے روکا مگر وہ منع نہ ہوا پیٹتا رہا اور کہتا رہا کہ بڑے آئے مولوی صاحب۔ نہ ڈاڑھی نہ مونچھ قرآن سناتے ہو کہاں لکھا ہے کہ وقت کے حاکم کی نافرمانی کرو اور دے گھونسے پہ

گھونسہ۔

لوگ اپنے اپنے گھروں میں بتیاں گل کئے دم بخور بیٹھے تھے اکیلا میں ہی تھا جو اس بہمیت کے بھتے چڑھا ہوا تھا۔ آخر گھسیٹ کھساٹ کے مجھے حرم دروازے کے تھانے لے (گئے۔ (صفہ نمبر ۳٦١ میں دیوار زنداں

پھر عدالت میں اس سے پوچھا گیا کہ آپ اقبال جرم کرلیں۔ شورش نے کہا کہ میں نے کوئی جرم نہیں کیا ہے۔ بلکہ میں نے اپنا فرض پورا کیا ہے۔ انگریز سے اپنا ملک آزاد کرانا میرا فرض ہے۔ آزادی ہر انسان کا بنیادی حق ہے۔ اپنا حق مانگتے ہیں سر عام ہم۔ انگریز نے اپنے مفادات کی خاطر ہماری آزادی سلب کی ہوئی ہے۔ عدالت نے بیان سننے کے بعد باغ سال با مشقت کی قید سنائی تو شورش نے کہا مجھے اس سے سخت سزا کی توقع تھی۔ وطن کی آزادی کی خاطر ہر قسم کی سزا سہنے کیلئے تیار ہوں۔ تم سے جو ہو سکتا ہے کرلیں مگر ھم تحریک آزادی سے دسبردار نہیں ہوں گے۔ تم اس قسم کے ہتھکنڈوں سے ہمیں آزادی کے جدوجہد سے ہٹا نہیں سکو گے۔

شورش کاشمیری اپنے عزم کیمطابق اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھا جب تک برصغیر سے انگریز کا بوریا بستر گول نہیں ہوا۔ آزادی کے بعد اسلام کے نام پر حاصل کیے جانے والے اس ملک کے اقتدار پر ایسے لوگ مسلط ہو گئے۔ جو برطانوی اقتدار

کی دور میں انگریزوں کے جوتے پالش کیا کرتے تھے اور ان کے گھوڑوں کے خرخرے کرتے تھے۔ جنگ آزادی میں ان کا کوئی کردار نہیں تھا۔ منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے۔ لیکن برسر اقتدار نے کے بعد اس مفاد پرست ٹولے نے اپنے آپ کو آزادی کے هیروکے طورپر پیش کرنے کی کوشش کی نظریہ پاکستان سے مخرف ہوگئے۔ غریب عوام کو آزادی کے غرات سے محروم رکھا

آغا شورش کاشمیری نے انگریزی اقتدار کے خاتمے کے بعد ان کے پردہ اقتدار پر قابض افراد کیخلاف تحریک اور شورش کا سلسلہ جاری رکھا۔ ان لوگوں نے بھی شورش کے ساتھ وہی سلوک کئیے جوان کے آقا انگریز عرصے تک کرتا رہا۔

۶۶۹۱ء میں ایوبی مارشلا کیخلاف ماھنامہ چٹان میں ایک اداریہ لکھا اس وقت کے مارشلا ایڈ منسٹریٹر کو جھنجوڑاکہ آپ کسطرف جارہے ہیں اپنا قبلے درست کرلیں۔ اس جرم میں گرفتار ہو کر چھ ماہ قید کاٹ رہا ہوگئے۔ ۵ مئی ۸۶۹۱ء میں جمیعت علماء اسلام لاہور کانفرنس میں ایوبی خلم وبربیت کے خلاف دو گھنٹے تندو تیز تقریر کے جرم میں گرفتار ہوگئے۔ اس مرد میدان نے ہر دور میں ہر ظالم اور ہر ڈکیٹر کی خلاف حق بولا کبھی بھی منافقانہ مصلحت سے کام نہیں لی۔ اسی حق گوئی کے پاداش میں عمر کے قیمتی آٹھ سال پس دیوار زنداں گزار دیئے موت سے چند مہینے پہلے بھی ۲۷۹۱ء میں ملتان میں ایک جلسے سے خطاب کرنے کے لئے جانے سے پہلے گرفتار ہو گئے پانچ ماہ کی اسیری کے بعد ۳۵ دن کی بھوک

ہڑتال کے نتیجے میں اپنی فتح مندی اور عزم کا اظہار کرتے ہوئے رہا ہو گئے۔

غیرت کے دشمنوں کے جنازہ نکل گیا

ملت کے مجرموں سے جدا ہو گیا ہوں میں

آغا شورش کاشمیری پکا موحد تھا۔ شرک و بدعت سے سخت نفرت کرتے تھے وہ سچے عاشق رسول تھے۔ ختم نبوت پر پختہ ایمان رکھتے تھے۔ پوری زندگی قادیانیوں کی محتسب رہا۔ دجال قدیان اور اسکی ذریت کیخلا چلنے والی تمام تحریکوں کو اپنے خون سے سینچا۔ اور سیاسی رہنماؤں کی توجہ اسطرف مبذول کرائی۔۱۹۷۳ کی تحریک ختم نبوت میں ذوالفقار علی بھٹو سے طویل ملاقات کرکے ان کا ذھن قادیانیوں کے خلاف ہموار کیا۔ اپنے آتش فشاں تقاریر اور گوہر فشاں قلم سے ختم نبوت کے لئے جدوجھد کی۔ وطن کی آزاری اور مظلوم عوام کی حمایت میں حق کی آواز بلند کرنے کے پاداش میں جیلوں کی جو صعوبتیں برداشت کئے تھے ان سے انکی صحت سخت خراب ہو گی۔

کئی سالوں سے ذیابیطس کے مرض میں مبتلا تھے جولائی ۱۹۷۳ میں طاری میں شدت آ گئی ۲۳۱ اکتوبر ۱۹۷۳ کو بروز جمعرات رات ۱۲ بجے خالق حقیقی سے جا ملے۔ مولانا مفتی محمودؒ کی امامت میں نماز جنازہ ادا کی گئی مغرب کی آذان کے وقت میانی صاحب کے قبرستان میں دفن کر دیئے گئے۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

حضرت مدنیؒ کی گستاخی سے سچی توبہ

"ارمغان حجاز" دانائے راز علامہ محمد اقبالؒ کا مجموعہ کلام ہے، جس میں شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف کہے گئے تین اشعار بھی موجود ہیں، یہ اشعار جنوری 1938ء میں اقبال مرحوم نے ایک غلط اخباری اطلاع کی بنیاد پر کہے تھے۔ بعد ازاں جناب طالوت نے علامہ کو حقیقت حال سے آگاہ کیا کہ آپ کے اشعار کی بنیاد جس مفروضے پر ہے، اس کی حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف نسبت محض جھوٹی ہے اور حضرت نے ایسی کوئی بات نہیں فرمائی کہ وطن ہی اساس ملت ہے، چونکہ علامہ اقبالؒ کے اشعار کسی ذاتی دشمنی و عداوت اور کسی مخفی جذبے کی بنیاد پر نہیں تھے، اس لیے حقیقت حال واضح ہونے پر انہیں رجوع سے کوئی چیز مانع نہ ہوئی اور 28 مارچ 1938ء کو روزنامہ "احسان" لاہور میں انہوں نے یہ اعلان شائع کرایا کہ مذکورہ اشعار غلط اخباری اطلاع کی بنیاد پر کہے گئے تھے لہٰذا انہیں کالعدم سمجھا جائے۔ علامہ نے تو اعتراف حق کرکے اپنے نامہ اعمال سے یہ سیاہ داغ دھو دیا لیکن جب علامہ کی وفات 21 اپریل 1938ء کے کئی ماہ بعد نومبر 1938ء میں یہ مجموعہ کلام شائع ہوا تو ان کے ناخلف جانشینوں نے ان اشعار کو نہ صرف برقرار رکھا بلکہ علامہ کے رجوع و اعتراف حق سے کلی طور پر صرف نظر کرتے ہوئے کوئی

توصیحی نوٹ بھی شائع نہ کیا۔ یہ محض ان لوگوں کا خبث باطن تھا، جس سے علامہ محمد اقبالؒ مرحوم مبرا و منزہ تھے۔ اگر یہ مجموعہ کلام ان کی حیات میں شائع ہوتا تو وہ ضرور ان اشعار کو حذف کرا دیتے یا حقیقت حال کو ضرور واضح کر دیتے۔

پروفیسر یوسف سلیم چشتی مسلم لیگ کے چوٹی کے ارکان ہی میں سے نہ تھے بلکہ انجمن حمایت اسلام کے قائم کردہ اشاعت اسلام کالج کے پرنسپل اور علامہ اقبال و محمد علی جناح کے معتمد خاص بھی تھے، کلام اقبال کے شارحین میں پروفیسر موصوف کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ مسلم لیگ کی وہ مخصوص ذہنیت کہ جو مسلم لیگی نہیں وہ مسلمانوں کا خیر خواہ بھی نہیں بلکہ وہ ضمیر فروش، غدار قوم اور ہندوؤں کا غلام ہے، ان کے بھی رگ و پے میں سرایت کر چکی تھی للذاجب "ارمغان حجاز" کی تشریح کے دوران ان کے سامنے علامہ اقبال کے مذکورہ تین اشعار آئے تو انہوں نے روایتی لیگی ذہنیت بلکہ خبث باطن کا پورا پورا ثبوت دیتے ہوئے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف الزام و اتہام کے طومار باندھے اور گستاخی کی تمام حدود و قیود کو پھلانگتے ہوئے انہیں "مقام پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے بے خبر" تک لکھ دیا۔ (نعوذ باللہ)

1956ء تک وہ اسی دھن میں مگن اور اسی رو میں بہتے رہے، مگر خلاق عالم کو

جانے ان کی کون سی ادا پسند آ گئی کہ اس قدر گستاخی و دریدہ ذہنی کے باوجود "فعال لما یرید" نے ان کی ہدایت کا فیصلہ فرمایا۔ چشتی صاحب اپنی لیگی ذہنیت میں اس قدر پختہ اور اپنے موقف پر اس قدر سخت تھے کہ اس کے باوجود انہیں اظہار حق و اعتراف توبہ میں 1956ء تا 1972ء تقریباً 16 برس کا عرصہ لگا۔ ہم یہاں بصد اختصار کچھ باتیں اس حوالے سے سپرد قرطاس کر رہے ہیں۔ تفصیل کیلئے "چراغ محمد سوانح حضرت مدنیؒ مولفہ حضرت مولانا قاضی زاہد الحسینیؒ" یا "ماہنامہ القاسم نوشہرہ بابت جون 2009ئ" ملاحظہ فرمایئے۔

پروفیسر یوسف سلیم چشتی کا امام الہدیٰ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے تقریباً 25، سال پرانا تعلق تھا اور انہیں حضرت کے اخلاص و تقویٰ اور صدق مقال پر کامل 26 اعتماد تھا۔ یہ اکتوبر 1956ء کی بات ہے، حضرت لاہوریؒ کراچی تشریف لائے ہوئے تھے، انہوں نے پروفیسر صاحب جو بس کے انتظار میں اسٹاپ پر کھڑے تھے، کیلئے کار روکی، انہیں برنس گارڈن لے گئے، تبادلہ خیالات کے دوران حضرت لاہوریؒ نے ان کی توجہ "ارمغان حجاز" کی شرح اور حضرت مدنیؒ کی گستاخی کی جانب مبذول کراتے ہوئے کہا: "میں تمہاری بدگمانی دور کرنے کیلئے تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ میری رائے میں اور میرے علم کی رو سے اس وقت روئے زمین پر کوئی شخص روحانیت، تقویٰ اور تعلق مع اللہ کے اعتبار سے حضرت اقدس شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بڑھ کر نہیں ہے۔"

مزید فرمایا: "حضرت مدنیؒ کی جوتیوں کا تلوا بھی میری داڑھی سے زیادہ محترم ہے، بلاشبہ وہ اس زمانے میں اللہ کی ہستی کی نشانیوں میں سے ایک واضح نشانی ہیں۔" ساتھ ہی فرمایا کہ تم میرے عزیز ہو، اس لیے میری گزارش ہے کہ اپنی گستاخیوں سے رجوع کرو۔

حضرت لاہوریؒ کے ساتھ ہونے والی اس نشست نے پروفیسر صاحب کے اندر ایک بھونچال سا پیدا کر دیا، نفس کا پہلوان بھی بہرحال اتنا کمزور نہیں تھا کہ فوری چت ہو جاتا، مگر اتنا ضرور ہوا کہ انہیں اپنی اصلاح کی فکر ہوئی۔ 1957ء میں لاہور منتقل ہونے کے بعد انہوں نے حضرت لاہوریؒ کی مجالس ذکر میں شرکت شروع کر دی۔ حضرت نے بھی انہیں نہ صرف یہ کہ خصوصی توجہ سے نوازا بلکہ حضرت مدنیؒ کے حوالے سے ان کے قلب و ذہن میں بھرے ہوئے "لیگی زہر" کی بھی صفائی شروع فرما دی۔ رفتہ رفتہ ان کے دل سے گستاخی کے جراثیم رخصت ہونے لگے اور ان کی جگہ شیخ العرب والعجم کے عشق صادق نے لے لی۔ اسی سال جب حضرت مدنیؒ کا انتقال ہوا تو انہیں یوں لگا کہ وہ اپنے محبوب سے جدا ہو گئے ہیں۔ پروفیسر صاحب مثنوی مولانا روم کا درس دیا کرتے تھے، اسے موقوف کر کے حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات بیان کرنا شروع کر دیے اور

مسلسل چار ماہ یہ شغل عزیز رہا۔ برف پگھلتی جا رہی تھی، لیکن اس تعلق کے باوجود اعتراف حق کیلئے نفس آمادہ نہیں ہو رہا تھا۔ یہاں تک کہ حضرت لاہوریؒ بھی داغ مفارقت دے گئے اور اب مولانا روم کی اپنے شیخ شمس تبریزؒ کی وفات کے وقت جو کیفیت تھی، پروفیسر صاحب کی کیفیت بھی اس سے کچھ کم نہ تھی، وہ بھی کسی صلاح الدین کے متلاشی تھے۔ جب انہوں نے اپنی یہ کیفیت حضرت مولانا قاضی زاہد الحسینیؒ کو لکھی تو انہوں نے پروفیسر صاحب کی رہنمائی حضرت مدنیؒ کے خلیفہ مجاز مولانا سید حامد میاں کی طرف کی اور 1965ء میں پروفیسر صاحب ان سے بیعت ہو گئے۔

روحانی منازل تو طے ہو رہی تھیں، مگر اعتراف حق و اقرار جرم کا مرحلہ ہنوز کافی دور تھا۔ اس جانب مولانا قاضی زاہد الحسینیؒ، اپنے مکتوبات میں پروفیسر صاحب کو بار بار متوجہ کرتے رہے۔ یہ سلسلہ جنوری 1965ء سے جاری تھا، بالآخر 22 مئی 1968ء کے مکتوب میں مرقوم حضرت قاضی صاحب کے الفاظ "از دل خیزد بر دل ریزد" کا مصداق ثابت ہوئے۔ قاضی صاحب نے اس خط میں تحریر فرمایا تھا: "بہر حال آپ کی طرف سے فی الحال اگر چند سطور "خدام الدین" میں آ جائیں تو بہتر ہیں: مثلاً شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہ العزیز کی شان گرامی میں میرے قلم اور میری زبان سے جو کلمات ناشائستہ صادر ہو چکے ہیں، میں ان سے صدق دل سے نادم ہو کر رجوع کرتا ہوں۔ میں آپ سے بار بار اس لیے عرض کر رہا

ہوں کہ سالک کے اکثر مقامات شیخ کی شان میں بے ادبی سے نہ صرف رک جاتے ہیں بلکہ لطائف بجھ جاتے ہیں۔"

یہ آخری جملہ پڑھتے ہی نفس و شیطان کے ایوان میں زلزلہ برپا ہوا۔ نفس اور روح کی شدید کشمکش ہوئی اور بالآخر روح نے نفس امارہ کو چاروں شانے چت گرادیا۔ پروفیسر صاحب نے نفس کی غلامی پر چار حرف بھیج دیے، کہ لطائف بجھ جائیں اور روح مر جائے تو انسان اور گدھے میں بھلا کیا فرق رہ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد اور بزرگوں کی خصوصی توجہ سے پروفیسر یوسف سلیم چشتیؒ نے وہ توبہ کی کہ تواب الرحیم سے قوی امید بلکہ یقین ہے کہ ان کی سابقہ تمام گستاخیوں کا کفارہ ہو گیا ہوگا۔ انہوں نے سب سے پہلے فروری 1972ء کے ماہنامہ "میثاق" میں یہ توبہ نامہ شائع کرایا، اب یہ "چراغ محمد" کا بھی حصہ ہے۔

پروفیسر صاحب مخلص تھے اور اللہ والوں سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لیے انہیں بھی اپنے ممدوح علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ کی طرح اعتراف حقیقت و اظہار توبہ میں کوئی دقت پیش نہ آئی، کہ قلب میں اخلاص ہو تو قدرت بھی یاوری کرتی ہے، رہے دور حاضر کے قلم فروش، تو انہیں یہ نعمت شاید اس لیے میسر نہیں آتی کہ ان کی تحریروں کے پیچھے جذبہ صادق نہیں بلکہ مخصوص مفادات کا حصول ہوتا ہے، اس

لیے عناد کی بیماری میں مبتلا یہ قلم فروش "میں نہ مانوں" اور "مرغی کی ایک ہی ٹانگ" کی رٹ ہی لگائے رہتے ہیں، ان سے کسی کو کیا امید اور کیا گلہ!!

آیئے پروفیسر یوسف سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا ایمان افروز رح پرور "توبہ نامہ" ملاحظہ فرمایئے۔

اے ستار العیوب! میں بصمیم قلب اقرار کرتا ہوں کہ میں نے تیرے مقبول بارگاہ" اور برگزیدہ بندے شیخ اسلام، مجاہد اعظم، قدوۃ العارفین، زبدۃ الکاملین، سیدی و شیخی و سندی وو سیلتی فی الدارین مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز کی شان اقدس میں اپنے قلم اور اپنی زبان سے بڑی گستاخیاں کیں، میں اپنی اس نالائقی اور حماقت کو کسی پردے میں نہیں چھپانا چاہتا، اعلانیہ صاف لفظوں میں اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہوں۔

اے اللہ! میں اندھا و جاہل اور احمق اور عقل و خرد سے بیگانہ ہو گیا تھا، یہی وجہ ہے کہ جس شخص نے حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بیٹھ کر چودہ سال تک دین کی تعلیم و تبلیغ کی اور ساری عمر اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بسر کر دی تھی، اسے مقام رسول سے بے خبر قرار دیتا رہا بلکہ اس کی شان میں گستاخیاں کرتا رہا اور ستم بالائے ستم یہ کہ ان گستاخیوں پر فخر کرتا

رہا۔ اے اللہ ! یہاں کی ذلت اور رسوائی مجھے منظور ہے، میں تو یوں بھی سراپا خطا و مجسم گناہ ہوں، مجھ میں اور کون سی خوبی ہے جس پر ناز کر سکتا ہوں، مجھے قیامت میں اپنی خفگی اور اپنے محبوب کی ناراضی سے محفوظ رکھیو۔

اے اللہ ! میں ڈرتا ہوں اور سخت لرزہ براندام ہوں اس بات سے کہ قیامت میں جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ مجھ پر پڑے گی تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کہیں مجھ سے اس انداز میں خطاب نہ فرمائیں: "اچھا تو تم ہو وہ گستاخ اور دریدہ دہن ! جس نے میرے اس عاشق صادق کی شان میں بے ادبی کی تھی، جس نے میرے دین کی سربلندی کی خاطر اور میری محبت میں ساری عمر قید و بند کو دعوت دی اور طوق سلاسل کو لبیک کہا، جس نے میری محبت میں میرے دین کے دشمنوں کے خلاف جہاد کیا اور تادم آخر کلمہ حق کہا، جس نے میری خاطر مالٹا میں مصائب جھیلے، جس نے میری محبت میں کراچی کی جیل کاٹی، جس نے اعلاء کلمتہ الحق کیلئے انگریز (علیہ ما علیہ) سے ٹکر لی، جس نے میری امت کی بہبود کیلئے دن میں قرآن و حدیث کا درس دیا اور رات میں دشمنان اسلام کے خلاف لسانی جہاد کیا۔ جس نے اسلام کی خاطر غیروں کے طعنے سنے اور اپنوں سے گالیاں کھائیں اور گالیاں کھا کر بے مزہ ہونا تو درکنار ان گالیاں دینے والوں کے حق میں دعائیں کیں، جس نے اپنی تمام متاع حیات مجھ پر نثار کر دی"۔

تو اس وقت میرا کیا حال ہوگا؟ کون سا آسمان مجھے پناہ دے گا اور کون سی زمین مجھے ٹھکانا دے گی؟ اے اللہ! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نگاہ عتاب سے بچنے کیلئے میں اس دنیا میں ہر قسم کی ذلت اور رسوائی برداشت کرنے کو تیار ہوں۔ اے اللہ! میں صدق دل سے توبہ کرتا ہوں، میری لغزشوں، خطاؤں اور گستاخیوں کو معاف کر دے جو میں نے اپنے شیخ طریقت، مخدوم ملت، محرم راز نبوت، واقف اسرار رسالت اور "آشنائے مقام محمدی (علیہ افضل التحیۃ والثنائ) کی شان میں روا رکھی تھی۔

پروفیسر صاحبؒ کا 3 فروری 1984ء کو لاہور میں انتقال ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے اور دور حاضر کے نام نہاد دانشوروں اور قلم کاروں کو بھی ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اکابر کی گستاخی سے بچنے اور سچی توبہ کرنے کی توفیق (مرحمت فرمائے۔ (آمین

ڈاکٹر "رحمٰن ملک"

ایک عقل مند نے دوسرے عقل مند سے پوچھا کہ بگلا زندہ پکڑنے کی موثر ترکیب کیا ہے۔ پہلے عقلمند نے کہا بہت ہی آسان ہے۔جب آپ بگلا دیکھیں تو کہنیوں کے بل رینگتے رینگتے ایک لمبا چکر کاٹ کر بگلے کے پیچھے پہنچیں.... تاکہ وہ ہوشیار نہ ہوجائے۔ قریب پہنچتے ہی بگلے کے سر پر موم رکھ دیں۔ موم سورج کی روشنی سے پگھل کر بگلے کی آنکھوں میں چلا جائے گا جس کے بعد وہ کچھ نہیں دیکھ پائے گا اور بے بس ہوجائے گا۔ بس یہی وقت ہے کہ آپ اسے گردن سے زندہ پکڑ لیں۔دوسرے عقلمند نے کہا کہ یار بات تو تمہاری ٹھیک ہے لیکن اگر میں بگلے کے قریب پہنچ ہی جاتا ہوں تو پھر سر پہ موم کیوں رکھوں۔ سیدھے سیدھے اس کی گردن ہی کیوں نا پکڑ لوں۔ پہلے عقل مند نے کہا کہ اس طرح تو کوئی بھی کر سکتا ہے۔ استادی تو یہ ہے کہ آپ موم سر پہ رکھ کے بگلا پکڑ کے دکھائیں تاکہ آپ کی واہ واہ ہوجائے۔

معروف صحافی وسعت اللہ خان کے کسی کالم میں پڑھا ہوا یہ لطیفہ ہمیں آج اس مناسبت سے یاد آیا کہ کراچی میں "قیام امن" کے سلسلے میں قابل تحسین کوششوں پر وفاقی وزیر داخلہ رحمان ملک کو کراچی میں امن قائم کرنے پر ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری دی گئی ہے۔ گورنر ہاؤس کراچی میں منعقدہ تقریب میں جامعہ کراچی

کے چانسلر ڈاکٹر عشرت العباد خان نے انہیں ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری دی۔ رحمان ملک نے کہا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ ملک کے لیے کچھ کیا جائے آج وہ جس مقام پر ہیں یہ انکے والدین اور اساتذہ کی تربیت کا نتیجہ ہے۔انھوں نے کہا کہ کراچی میں امن کے لیے بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے وہ دن دور نہیں جب لوگ بے خوف و خطر زندگی بسر کریں گے۔

کراچی میں قیام امن کے لیے محترم وفاقی وزیر داخلہ "ڈاکٹر" عبدالرحمٰن ملک کی "خدمات" کا جائزہ لیا جائے تو وہ بھی لطیفے میں مذکور "عقلمند" کی سی لگتی ہیں۔وہ بارہا انکشاف کر چکے ہیں کہ ہماری ایجنسیاں کراچی کے حالات خراب کرنے والے افراد اور جماعتوں کا سراغ لگا چکی ہیں اور یہ کہ ان کے ساتھ آہنی ہاتھوں سے نمٹا جائے گا، مگر الزام ہمیشہ وہ لشکر جھنگوی اور کالعدم تحریک طالبان پر لگاتے ہیں، حالانکہ اس شہر کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ سانپ تو خود حکومتی آستینوں میں پل رہے ہیں، اب تو سپریم کورٹ نے بھی کہہ دیا ہے۔

محترم وفاقی وزیر داخلہ صاحب نے کراچی میں امن وامان کی بحالی کے حوالے سے "وہ نمایاں خدمات انجام" دی ہیں کہ شہر میں ہونے والی دہشت گردی کے واقعات کی وجہ سے گزشتہ چند ماہ کے دوران 50 فیصد سے زائد صنعتیں کلی یا جزوی طور پر بند ہوئی ہیں یا پھر سرمایہ کاروں نے اپنا سرمایہ بیرون ملک منتقل کر لیا

ہے، جس کی وجہ سے ایک اندازے کے مطابق 4 سے 5 لاکھ افراد بلاواسطہ اور 3 سے 4 لاکھ بالواسطہ روزگار سے محروم ہوئے ہیں۔ کراچی یں ٹارگٹ کلنگ کے واقعات گزشتہ دو برس سے جاری ہیں اور ان دو برسوں میں تقریباً 1500 افراد نشانہ بنائے جاچکے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ مختلف پریس کانفرنسوں میں محترم وفاقی وزیرداخلہ صاحب کی خدمات کو "واشگاف الفاظ میں خراج تحسین "پیش کرنے کے بعد میڈیا رپورٹس کے مطابق پیپلزپارٹی سندھ کے سینئر نائب صدر اور صدر زرداری کے بااعتماد ساتھی ڈاکٹر ذوالفقار مرزا نے تقریباً پونے گھنٹے تک اجلاس میں وفاقی وزیر داخلہ اور متحدہ قومی موومنٹ پر الزامات کی بھرمار کی، یہاں تک کہ حالات کی خرابی کی ذمہ داری وفاقی وزیر داخلہ پر عائد کرتے ہوئے سندھ میں ان کے داخلے پر پابندی لگانے کا مطالبہ بھی کیا، جبکہ اسی طرح کا مطالبہ اس سے پہلے اپوزیشن اور قوم پرست تنظیموں کی جانب سے انہی الزامات کے تحت آیا ہے۔ میڈیا رپورٹ کے مطابق ذوالفقار مرزا نے بعض دستاویز بھی وزیراعظم کو فراہم کردیں۔ عبدالرحمٰن ملک نے ابتدا میں صفائی پیش کرنے کی کوشش کی لیکن آخر میں بے بس ہوئے اور اجلاس کے دوسرے دور میں کراچی کے حالات کے حوالے سے نہ صرف نئی معلومات فراہم کیں، بلکہ ذوالفقار مرزا کے الزامات کی تایید بھی کی۔ اجلاس کے حوالے سے بتایا جاتا ہے کہ پیپلزپارٹی کے باقی وزرا کی اکثریت بھی

مرزا کی حامی نظر آئی۔
ماضی قریب میں ہونے والے اس اجلاس کی رپوٹ محترم وفاقی وزیرداخلہ کی کراچی میں بحالی امن کے لیے انجام دی گئی خدمات کے سلسلے میں ایک ناقابل تردید دستاویز ہے، جوان کواس حوالے سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری دیے جانے کے لیے کافی تھی ہی، رہی سہی کسر عدالت عظمٰی کے حالیہ فیصلے نے بھی پوری کردی، جس میں واضح اوردوٹوک الفاظ میں حکومت کو، بالفاظ دیگر محترم وفاقی وزیرداخلہ کوامن وامان کی بحالی میں سوفیصد ناکام قرار دیاگیا۔ عدالت عظمٰی سے اتنی بڑی "سند" کے ملنے کے بعدیہی انصاف کا تقاضا تھاکہ محترم وفاقی وزیرداخلہ کو جلداز جلد "ڈاکٹر آف پیس" کی اعزازی ڈگری تفویض کی جائے، جبکہ انہوں نے اپنے دور طالب علمی میں جامعہ کراچی سے "شماریات" پر ماسٹر بھی کیا تھااوربقول حکومتی ترجمان کے محترم وزیرداخلہ نے تعلیمی میدان میں ہمیشہ نمایاں پوزیشنیں بھی حاصل کی ہیں۔
ہمیں تو یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ پھر جامعہ کراچی کے اساتذہ کی نمائندہ تنظیم کراچی یونیورسٹی ٹیچرز سوسائٹی نے وزیر داخلہ رحمٰن ملک کو جامعہ کراچی کی جانب سے اعزازی ڈگری دینے پر شدید تحفظات کا اظہار کیوں کیا ہے؟ سوسائٹی کے سیکرٹری ڈاکٹر شکیل فاروقی کے مطابق ٹیچرز سوسائٹی کی مجلس

عاملہ نے رحمٰن ملک کو ڈگری دیے جانے پر افسوس کا اظہار کیا ہے اور کہا ہے کہ جامعہ کراچی کی سنڈیکیٹ کی منظوری کے بغیر یہ قدم اٹھانا درست نہیں ہے، سنڈیکیٹ میں اساتذہ کے تین منتخب نمائندوں نے رحمٰن ملک کو اعزازڈگری دیے جانے کی تقریب میں شرکت نہیں کی۔ کراچی یونیورسٹی ٹیچرز گلڈ کی جانب سے جامعہ کراچی وزیر داخلہ کو اعزازی ڈگری دیے جانے کے خلاف پمفلٹ تقسیم کیے گئے، پمفلٹ میں رحمٰن ملک کو ڈگری دیے جانے کی سخت مذمت کرتے ہوئے اس فیصلے کو مسترد کر دیا گیا۔

کوئی مسترد کرے یا قبول، کوئی ڈاکٹر رحمٰن ملک کی انگریزی دانی پر انگلی اٹھائے یا یہ کہے کہ ان کے سورت فاتحہ غلط پڑھنے کی ویڈیو کلپس اب تک چل رہی ہیں، کوئی ان کو امریکی ایجنٹ قرار دے یا کراچی کے امن کو تباہ کرنے والوں کا پشتیبان .... تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ وہ ڈاکٹریٹ کی ڈگری سے سرفراز کیے جا چکے ہیں۔ ہم ان کی خدمت میں ہدیہ تہنیت پیش کرتے ہوئے دست بستہ اتنی گزارش کریں گے کہ ڈاکٹر صاحب! آپ نے بجا فرمایا کراچی میں امن کے لیے بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔ بس اب وہ بہت کچھ "کر بھی گزریے۔ کہیں اس "بہت کچھ "یں تاخیر در تاخیر کا خمیازہ آنے والی" نسلوں کو نہ بھگتنا پڑے!

ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے دیتے ہیں

مانے نہ مانے "ڈاکٹر صاحب" اختیار ہے

جواہر البیان

تبصرہ کتب

مولانا محمد جہان یعقوب

جواہر البیان فی تفہیم القرآن:

قرآن مجید اللہ تعالٰی کی آخری کتاب ہدایت ہے جو قیامت تک آنے والے تمام جن و انس کو دنیا وآخرت میں کامیابی وکامرانی کی راہ دکھانے کیلئے اللہ تعالی نے اپنے افضل ترین بندے حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے افضل ترین فرشتے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے نازل فرمائی۔ قرآن مجید کی تفسیر و تشریح کا سلسلہ اس کا نزول کے روزاول سے جاری ہے اور لاکھوں کتب اس حوالے سے اب تک شائع ہو چکی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال وفرامین سے روشنی ورہنمائی لیتے ہوئے ہر دور کے علمائے کرام نے اس حوالے سے خلق خدا کی رہنمائی کی ہے۔ ہر وہ شخص جو ابدی کامیابی کا متمنی ہے وہ قرآن مجید سے رہنمائی لینے کا محتاج ہے، خواہ وہ کسی بھی دور اور کسی بھی طبقے کا فرد ہو۔ اس مشینی دور میں جبکہ ہر شخص کثرت مشاغل اور قلت اوقات کا شاکی ہے۔ علمائے کرام نے قرآن مجید کی طویل و ضخیم تفاسیر کے عمیق مطالعے اور اپنے تجربات

کی روشنی میں قرآن مجید کے مفاہیم و مضامین اور بصائر و نصائح کو مختصر کتابوں اور کتابچوں کی صورت میں منظر عام پر لانے کا عظیم کام بھی سرانجام دیا ہے تاکہ مالا یدرک کلہ لایترک کلہ کے مصداق مصروف لوگ اس مادبۃ اللہ اور مشکوٰۃ نبوت و ہدایت سے محروم رہ کر نفس و شیطان کے دام تزویر کا شکار ہو کر ہمیشہ کی ناکامیوں اور عذب و عتاب کے حق دار نہ بن جائیں۔ اس حوالے سے مختلف علمائے کرام کا علمی کام منظر عام پر آ کر ہدایت کے دیے روشن کر رہا ہے۔

زیر تبصرہ کتاب بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے اور اس کے مولف جناب پروفیسر محمد سرور ارشد صاحب ہیں، جنھوں نے مستند قدیم وجدید اردو، عربی، سندھی، فارسی، پنجابی اور انگریزی تفاسیر کی روشنی میں تمام آیات قرآنیہ کا توضیحی ترجمہ کر دیا ہے۔ جس کے مطالعے سے قاری کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ کس آیت کا کیا مقصد و مفہوم اور کیا پیغام ہے، بعدازاں رحمۃ للعالمین ریسرچ سینٹر زمزمہ کلفٹن کراچی کے ریسرچ اسکالر جناب حضرت مولانا محمد وسیم میواتی صاحب نے اس پر نظرثانی کرتے ہوئے نہ صرف موجودہ مواد کی اصلاح وترمیم کی ہے بلکہ ہر سورت کی وجہ تسمیہ، اس کا مختصر خلاصہ، ہر سورت کے بارے میں وارد ہونے والے فضائل اور حاصل شدہ نکات کے ضمن میں حکمت و ہدایت کا بھی اضافہ کر دیا ہے۔

کتاب سفید آفسٹ کاغذ پر چھاپی گئی ہے، مضبوط جلد اور چار رنگے خوب صورت و دیدہ زیب ٹائٹل نے کتاب کی افادیت کو مزید دوبالا کر دیا ہے تاہم جا بجا بکھری لفظی اغلاط اور آخری صفحات کا مدہم پرنٹ اخذ مطلب میں مخل محسوس ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں عنوانات کے تنوع اور نیرنگی سے اندازہ ہوتا ہے کہ تصنیفی اصولوں کے تحت چند طے شدہ عنوانات پر کام کرنے کی بجائے ضرورت کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ بحیثیت مجموعی یہ کتاب جو 500 صفحات پر مشتمل ہے، ظاہری و معنوی خوبیوں سے آراستہ اور عوام کے ساتھ ساتھ خطبائے کرام کیلئے مفید ہے۔ رمضان المبارک میں تراویح کے بعد تلاوت کیے جانے والے سپارے کا خلاصہ بیان کرنے والوں کیلئے خاصے کی چیز ہے۔ کتاب کو مکتبہ المیوات 5-J نیو کراچی سے طلب کیا جا سکتا ہے۔

(اسماء اللہ عزوجل (جلد دوم

زیر تبصرہ کتاب، جس کا پورا نام "اسماء اللہ عزوجل قرآن و حدیث کے مطابق" ہے، رحمۃ للعالمین ریسرچ سینٹر کے بانی و روح رواں جناب رشید اللہ یعقوب صاحب کی کاوش ہے۔ محترم رشید اللہ یعقوب صاحب نے متعدد منفرد موضوعات پر قلم اٹھایا ہے جن کا تذکرہ ان سطور میں وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے) جو ان کے ذوق تحقیق کا آئینہ دار) ہے۔ آپ نے قبل ازیں اس کتاب کی پہلی جلد مرتب کی

تھی، جس کے بعد اب دوسری جلد بھی منظر عام پر لائے ہیں، عام طور پر عوام ہی نہیں حلقہ ٔ علم میں بھی یہی بات مشہور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک کم سو (99) صفاتی نام ہیں۔ یہ بات، جس کی سنن ترمذی کی ایک حدیث سے بھی تائید ہوتی ہے، اپنی جگہ، بالکل درست اور صحیح ہے، تاہم اس سے زائد اسمائے پاک کی نفی نہیں ہوتی۔ مختلف علما و محققین نے اس حوالے سے کام بھی کیا ہے۔ جناب رشید اللہ یعقوب صاحب نے اس کتاب میں نہ صرف ان تمام محدثین، محققین اور علمائے کرام کے کام کو یکجا کر دیا ہے، بلکہ عربی زبان میں اس موضوع پر ہونے والے اس وقیع علمی کام سے بھی استفادہ کیا ہے جو تاحال شائع نہیں ہوا اور مخطوطوں کی شکل میں ہے۔ انہوں نے ایک مخلص خادم دین و علم کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ وسائل سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ عظیم خدمت انجام دی ہے، تاہم اس قدر بڑا کام کرنے کے باوجود وہ کسی خود پسندی کے پندار میں مبتلا نہیں ہوئے اور نہ ہی ان کا یہ دعویٰ ہے کہ "ہم چنیں دیگرے نیست"۔۔۔ بلکہ جلد اول کے مقدمے میں انہوں نے ان تمام علما و محققین کا تذکرہ کیا ہے، جنہوں نے اس موضوع پر کام کیا ہے، چنانچہ انہوں نے لکھا کہ ڈاکٹر احمد الشرباصی نے قرآن مجید سے اللہ تعالیٰ کے تین سو (300) اور ڈاکٹر عبدالمنعم الحفنی نے 232 نام نکالے ہیں۔ اسی طرح شیخ محمد صالح العثیمین نے قرآن مجید سے اللہ تعالیٰ کے 81 جبکہ احادیث نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے 21 نام نکال کر حدیث میں وارد ہونے والی 99 کی تعداد پوری کی ہے۔ اسی طرح

ڈاکٹر عبداللہ بن صالح، ڈاکٹر مردان ابراہیم القیسی، سعید بن علی اور محمد المحمود النجدی وغیرہ تمام محققین کی خدمات کا مختصر تذکرہ کیا ہے۔ آپ روایتی معاصرانہ چشمک اور علمی تحاسد و تباغض سے بھی کوسوں دور ہیں، جس کا ثبوت یہ ہے کہ آپ نے اہل تحقیق کو نہ صرف صلائے عام دی ہے، بلکہ اپنے کتب خانے (رحمۃ للعالمین ریسرچ سینٹر، جس میں 13000 کے قریب کتب موجود ہیں) میں، اس موضوع پر موجود کتب سے استفادے کی بھی دعوت بلکہ اجازت دی ہے۔ یقین نہیں آتا کہ ایک اس قدر مصروف شخص نے، جو تقریباً ہر نئے دن کسی دوسرے ملک یا شہر میں ہوتا ہے، ایسی عمیق تحقیق کیلئے کیسے وقت نکال لیا، یقیناً یہ اللہ تعالیٰ کی دین ہی ہے، جس پر جامعہ اشرفیہ لاہور کے مہتمم اور محتاط عالم دین حضرت مولانا محمد عبیداللہ صاحب مدظلہ کے الفاظ میں یوں خراج تحسین پیش کیا جا سکتا ہے: "ایک ایسا شخص جو بظاہر نہ عالم ہے، نہ عربی داں ہے نہ فقیہ ہے نہ محدث ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے وہ کام لے لیا جو کسی بڑے ادارہ کے علماء اور محققین سے شاید اس انداز میں نہ ہو سکتا"

ترجمان القرآن اور بیدار ڈائجسٹ کا اسے اردو میں اس موضوع پر پہلی جامع کتاب کہنا بجا ہے ایں سعادت بزور بازو نیست

محترم رشید اللہ یعقوب جو کام بھی کرتے ہیں ڈوب کر کرتے ہیں، سو انہوں نے

یہ کتاب بھی ڈوب کر لکھی ہے، جس کیلئے انہوں نے قدیم وجدید کتب و مخطوطوں کا ڈوب کر مطالعہ کیا، اندرون و بیرون ملک اسفار کیے، لائبریریاں دیکھیں، کتب خانے چھان مارے، اور اپنا حاصل تحقیق و مطالعہ آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

کتاب کی جلد اول ان دنوں دستیاب نہیں ہے، جبکہ یہ جلد دوم کا ایڈیشن ہے جس میں ہر شے خوب ہی نہیں بلکہ خوب تر ہے۔ مواد، مواد کی ترتیب، مافی الضمیر کی تعبیر، اسمائے حسنیٰ کی تحقیق و تشریح، کیلی گرافی اور گوشوارے.... غرض یہ کہ ہر کام خوب تر ہے۔

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

امام لاہوری کے رسائل

تبصرہ کتب، ابوالاسد مفتی غلام مصطفیٰ سیفی

سردست جس کتاب کا تعارف و تبصرہ مقصود ہے، اس کے حسین و جمیل چار رنگے سرورق پر درج زیل عبارت درج ہے:

"صدیقی ٹرسٹ کراچی کے شائع کردہ اور امام مولانا احمد علی لاہوریؒ کے تبلیغی، اصلاحی، آسان اور نافع رسائل کا مجموعہ"

جی ہاں ! امام کبیرہ، عالم نبیل، محقق شہیر، مدقق بے نظیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے قیمتی و گراں مایہ، گراں قدر و قابل قدر، قابل دید، قابل داد، جامع و مانع، رافع و نافع ملفوظات، ارشادات اور فرامین و اقوال کا نایاب وانمول خزینہ اور بہترین و عجیب ترین مجموعہ جو کہ صدیقی ٹرسٹ کراچی کے شائع شدہ رسائل کی ایک پر کشش دستاویز ہے، جسے القاسم اکیڈمی کے روح رواں خطیب لاجواب، مصنف بے مثال، ادیب بے نظیر، مفکر و مدقق عالم دین حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہ نے ترتیب دے کر افادہ عام کی خاطر ہدیہ قارئین کیا ہے۔

مذکرۃ الصدر کتاب پر تبصرہ سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہوگا چونکہ مفسر قرآن، ولی دوران حضرت لاہوری رحمۃ اللہ کی شخصیت، ان کی ولدیت، ان کی علمی حیثیت، ان کی عملی وجاہت اور قول و فعل کی صداقت کسی بھی سم کے شک و شبہ سے بالاتر ہر خاص و عام کے دل میں متفقہ اور مسلمہ ہے۔ حضرت کی عنداللہ مقبولیت اور عندالناس محبوبیت بھی مشہور و معروف ہونے کے ساتھ ساتھ بلاتبصرہ ہے اور موصوف مرتب بھی حلقہ ےاراں علم و عمل میں ایک امتیازی شان رکھتے ہیں۔

کتاب مختلف انواع واقسام کے موضوعات پر اٹھارہ ابواب پر مشتمل ہے جن میں اقتباس کی عبارت بالا میں درج سدہ ابواب کے علاوہ گلدستہ صد احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، وظائف، قادیانیوں کی نقاب کشائی، اصلی حنفیت، تذکرہ اسلامی رسومات، اسلام کا فوجی نظام اور استحکام پاکستان قابل ذکر ہیں۔کتاب شروع حضرت لاہوریؒ کی منقبت مشہور شاعر حضرت مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی مدظلہ کے پراثر قلم سے بصورت اشعار تحریر ہے۔بایں وجہ تفصیلی تعارف و تبصرہ کرنا بڑا عجیب لگ رہاہے، البتہ مذکورہ کتاب میں تالیف و تحریر کے نئے نئے اسالیب ضرور سامنے آئے ہیں مثلاً طویل عنوانات گیارہواں سبب، عیسائی حکومت کے خلاف جہاد کرنے والے حرامی ہیں صفحہ 132،) بارہواں سبب، ممانعت جہاد اور اطاعت انگریزوں میں کتاب کی پچاس الماریاں صفحہ وغیرہ۔ لفظی پروف (133

ریڈنگ بالخصوص آیات قرآنی کی اصلاو تصحیح میں کہیں کہیں قاری بھی پڑھنے والے کی روانی میں فول اور اثر انداز ہوگا۔ مثلاً صفحہ 269 پر آیت قرآنی "فلہ اجرہ عند ربہ" میں عین (عند) پر زبر اور صفحہ 299 پر الاقطیل، الاستنفرو" میں دوسرے الا میں ہمزے کے نیچے زیر کا نہ ہونا اسی طرح عربی عبارات میں تصحیح کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔

علاوہ ازیں صفحہ 193 پر عنوان میں "شب براۃ" میں لفظ برات تائے مدقدہ کے ساتھ تحریر ہے جبکہ اس سے گزشتہ صفحے پر عنوان احکام شب برات" بالکل صحیح تائے طویلہ کے ساتھ مذکور ہے۔

صفحہ 288، 289 پر شواہد التفاسیر میں مذکورہ حوالا جات میں تفاسیر کے صرف صفحات کے نمبرات درج ہیں جلد نمبر کا کوئی ذکر نہیں، اسی طرح صفحہ 233 پر تصدیقات علمائے کرام کے تحت عبارت "متعلقہ فوٹو محررہ" تذکرہ "صفحہ ن" میں بھی صفحہ نمبر قید تحریر میں آنے سے رہ گیا ہے۔

بہرکیف کتاب ظاہری و معنوی طور پر علمی اعتبار سے ایک نایاب، قیمتی اور انمول سفینہ و خزینہ ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ یہ اغلاط باجود سعی و ہر ممکن کوشش کے رہ گئی ہوں تاہم اگلا ایڈیشن اس بات کا متقاضی ہے کہ ان کے ازالے

کی کوشش کی جائے۔ یہ بات بھی حیرت اور لائق توجہ ہے کہ کتاب کے شروع میں حضرت لاہوریؒ کا سوانحی خاکہ (خواہ اختصار کے طور پر ہوتا) ضرور کتاب کا حصہ بنایا جائے۔

القاسم کے جملہ اراکین مذکورہ علمی و قلمی کاوش اور بہترین و خوبصورت پیشکش پر قابل مبارکباد ہیں اور دعا ہے کہ وہ اس سلسلے کو مزید سے مزید بہتر، برتر اور فروتر کرتے جائیں۔ کاب کا دیدہ زیب ٹائٹل، عمدہ کاغذ، اعلیٰ طباعت اور ظاہری و باہری، باطنی و معنوی ہر صاحب ذوق، صاحب علم و عمل اور کتاب دوست کو دعوت دے رہا ہے کہ وہ اس حسین و جمیل مرقع کو حرز جاں سمجھتے ہوئے الماریوں، کتب خانوں اور دلوں میں ضرور جگہ دے۔

قبل از بعثت معجزات نبوت ﷺ کی ایک جھلک

خلاصۃ السیر کے مؤلفؒ نے رسول اللہ ﷺ کے ان معجزات کا ذکر کیا ہے جو بعثت سے پہلے ذات مبارک سے ظہور پذیر ہوئے تھے ہم ان کا مختصر ذکر کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کی والدہ کا بیان ہے:

1. . . . میں نے بحالت حمل خواب میں دیکھا کہ ایک نور میرے اندر سے نکلا جس کی وجہ سے شہر بصریٰ علاقہ شام کے محلات میری نظر کے سامنے چمک اٹھے، پھر پیدا ہوتے ہی آپ ﷺ نے سر آسمان کی طرف اٹھا۔

2. . . . حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ جونہی رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے آپ ﷺ کی والدہ نے ایک نور دیکھا جس سے ملک شام کے محل ان کی نظر کے سامنے چمک اٹھے، ابن حبان اور حکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔

3. . . . ابو نعیمؒ نے دلائل میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی والدہ نے بیان کیا جب آپ ﷺ پیدا ہوئے تو فرشتہ نے آپ ﷺ کو تین بار پانی میں غوطہ دیا، پھر ایک ریشمی بٹوے کے اندر سے ایک مہر نکال کر آپ کے شانہ مبارک پر لگائی جس کی وجہ سے ایک سفید انڈے کی طرح کی چیز پیدا ہو گئی جو زہرہ کی طرح چمکنے لگی۔

4. . . . بیہقیؒ، ابن ابی الدنیاؒ اور ابن السکنؒ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی پیدائش کی رات کو کسریٰ کے محل میں لرزہ آگیا، اس کے چودہ کنگرے گر پڑے اور کسریٰ خوف زدہ ہوگیا، اور فارس کی جو آگ ہزار برس سے نہیں بجھی تھی، وہ بجھ

گئی اور ساوہ جھیل خشک ہو گئی۔

5.... حضرت عائشہؓ کی روایت میں آیا ہے کہ ایک یہودی مکہ میں رہتا اور تجارت کرتا تھا، رسول اللہ ﷺ کی پیدائش کی رات کو اس نے قریش سے کہا: اے گروہ قریش! آج رات اس امت کا نبی پیدا ہوگیا، جس کے دونوں شانوں کے درمیان ایک نشان ہے اور نشان میں گھوڑے کے ریال کی طرح چند بالوں کی ایک قطار ہے، لوگ یہودی کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی والدہ کے پاس پہنچے اور نو مولود بچے کی پشت کھول کر دیکھی، یہودی کی نظر جب مسّہ پر پڑی فوراً بے ہوش ہو کر گر پڑا، لوگوں نے پوچھا ارے! ارے! تجھے کیا ہوگیا، یہودی کہنے لگا: واللہ! بنی اسرائیل سے نبوت نکل گئی۔ 6

مواہب لدنیہ میں عمیصا راہب کا قصہ ذکر کیا گیا ہے، عمیصا مکہ والوں سے کہتا تھا:....

اے اہل مکہ عنقریب تم میں ایک پیغمبر پیدا ہونے والا ہے، سارا عرب جس کا تابع ہو جائے اور عجم پر بھی اس کا اقتدار ہوگا، یہ زمانہ اس کی پیدائش کا ہے۔

7.... حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کا بیان ہے، میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! آپ کے دین میں میرے داخل ہونے کا ایک خاص باعث ہوا، آپ ﷺ کے نبی ہونے کی نشانی میں نے اسی وقت دیکھ لی تھی جب آپ ﷺ جھولنے میں پڑے ہوئے چاند سے باتیں کر رہے تھے اور انگلی سے اس کی طرف اشارہ کر رہے تھے اور جب آپ ﷺ اس کی طرف اشارہ کرتے تھے وہ جھک جاتا تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں اس سے باتیں کر رہا تھا، وہ مجھ سے باتیں کر رہا تھا، وہ مجھے رونے سے بہلاتا تھا اور جب

وہ عرش کے نیچے سربسجود ہوتا تھا تو میں اس کی آواز سنتا تھا۔

8.... حضور ﷺ کی خصوصیات میں سے یہ بات بھی شمار کی گئی ہے، کہ آپ ﷺ کے جھولنے کو فرشتے جھلاتے تھے، یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ پیدا ہوتے ہی آپ نے کلام کیا تھا۔

9.... ابویعلیٰؒ اور ابن حبانؒ نے حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی دایہ حضرت حلیمہؓ نے کہا: جب میں نے آپ ﷺ کو اپنی گود میں لے لیا تو فوراً میری چھاتیاں بقدر ضرورت دودھ سے بھر آئیں، پہلے میرا بچہ یعنی ضمرہ بھوکا رہنے کی وجہ سے سوتا نہ تھا، اب دونوں نے سیر ہو کر پی لیا اور دونوں سو گئے، پہلے میری پستان میں اتنا دودھ ہی نہ تھا جو بچہ کے لیے کافی ہوتا، نہ ہماری اونٹنی کے پاس دودھ تھا جو بچہ کو پلایا جاسکتا اب جو میرا شوہر اونٹنی کے پاس گیا تو دیکھتا کیا ہے کہ اونٹنی کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہیں، میرے شوہر نے اس کو دوہا اور میں نے خوب سیر ہو کر پیا اور شوہر نے بھی خوب پیا اور وہ رات بڑے چین سے گزری، محمد ﷺ کو لے کر جب میں واپس آئی اور گدھی پر سوار ہوئی تو خدا کی قسم! وہ تو اتنی تیز چلنے لگی کہ ساتھیوں کا کوئی گدھا اس کا مقابلہ نہ کرسکا، ساتھ والیاں کہنے لگیں ا: ری ابی ذویب کی بیٹی! ذرا ٹھہرو تو، کیا یہ تیری وہی گدھی ہے جس پر تو آئی تھی، میں نے کہا ہاں، یہ بات تھی کہ کمزوری اور لاغری کی وجہ سے میری گدھی ساتھ والے قافلہ کے لیے بار ہو گئی تھی، بار بار ان کو رکنا پڑتا تھا۔

10....حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ حضرت حلیمہؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے کہا اللہ) اللہ اکبر کبیرا والحمد للہ کثیرا وسبحان اللہ بکرۃ واصیلا (یہ آپ کا سب سے پہلا کلام تھا۔

11....حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے: حلیمہؓ آپ ﷺ کو دور نہیں جانے دیتی تھیں، تاکہ آپ ﷺ کی طرف سے ان کو بے خبری نہ رہے، ایک روز آپ اپنی رضاعی بہن شیماء کے ساتھ باہر چلے گئے اور جہاں جنگل میں اونٹ تھا وہاں جا پہنچے، حلیمہؓ تلاش میں نکلیں، آپ ﷺ اپنی بہن کے ساتھ کہیں مل گئے حلیمہؓ نے کہا اس گرمی میں تم کہاں پھر رہے ہو، شیما نے کہا اماں ! مجھے اپنے بھائی کے ساتھ تو گرمی محسوس ہی نہیں ہوئی، .برابر ان کے اوپر ایک بدلی سایہ کیے رہی، جب یہ کہیں ٹھہر جاتے تھے ،بدلی بھی ان کے اوپر ٹھہر جاتی تھی ، یہ چل دیتے تھے تو بدلی بھی ان کے اوپر چل دیتی تھی۔

12....شمائل مجدیہ میں مذکور ہے کہ حلیمہؓ نے کہا: جس روز ہم نے آپ ﷺ کو لیا کبھی ہم کو چراغ کی ضرورت نہیں رہی آپ ﷺ کے چہرہ کی روشنی تو چراغ سے زیادہ نورانی تھی، اگر ہم کو کسی جگہ چراغ کی ضرورت پڑتی تو ہم آپ ﷺ کو وہاں لے جاتے آپ کی .برکت سے تمام مقامات روشن ہو جاتے۔

13....یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ حلیمہؓ جب آپ ﷺ کو لیکر بتوں کی طرف گئیں تو ہبل اور دوسرے بت آپ ﷺ کی تعظیم میں اپنی اپنی جگہ سرنگوں ہو گئے اور سنگِ اسود کے پاس لے کر گئیں تو سنگ اسود خود اپنی جگہ سے نکل کر آپ ﷺ کے

منہ کو چمٹ گیا۔

14.... یہ بھی مروی ہے کہ حلیمہؓ آپ ﷺ کو دودھ پلانے لگیں تو پستانوں سے اتنا دودھ بہنے لگا جو دس بلکہ اس سے بھی زیادہ بچوں کے لیے کافی ہوتا۔

15.... جب حلیمہؓ آپ کو لے کر کسی خشک وادی سے گزرتیں تو وہ فوراً سرسبز ہوجاتی۔

16.... حضرت حلیمہؓ خود سنتی اور دیکھتی تھیں کہ پتھر اور درخت آپ کو سلام کرتے تھے اور درختوں کی شاخیں آپ کی طرف جھک جاتی تھیں۔

17.... رسول اللہ ﷺ اور آپ کا رضاعی بھائی دونوں ساتھ ساتھ بکریاں چرایا کرتے تھے، رضاعی بھائی کا بیان ہے کہ میرا رضاعی بھائی جب کسی وادی پر جاکر کھڑا ہوتا تھا تو وہ فوراً سرسبز ہوجاتی تھی۔

18.... اور بکریوں کو پانی پلانے کے لیے ہم کنویں پر آتے تھے تو کنویں کا پانی ابل کر کنویں کے منہ تک آجاتا تھا۔

19.... جب آپ ﷺ دھوپ میں کھڑے ہوتے تھے تو بدلی آکر سایہ کرلیتی تھی اور جنگل کے جانور آپ کے پاس آکر آپ ﷺ کو چومتے تھے۔

20.... رسول اللہ ﷺ کی دایہ حضرت حلیمہؓ نے کہا: ایک بار آپ ﷺ ہمارے اونٹوں کے مقام پر تھے اچانک آپ ﷺ کا رضاعی بھائی دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ دو سفید پوش آدمیوں نے میرے قریشی بھائی کو پکڑ کر زمین پر لٹا کر پیٹ پھاڑ دیا، حضرت حلیمہؓ کا بیان ہے ہم یہ بات سن کر فوراً ان کی طرف نکل کھڑے

ہوئے، جا کر دیکھا تو آپ ﷺ منہ لپیٹے کھڑے ہوئے تھے، ہم نے آپ کو چمٹا لیا اور دریافت کیا کیا واقعہ ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا: دو آدمی سفید پوش آئے اور انہوں نے مجھے لٹا کر میرا پیٹ پھاڑا پھر اس کے اندر کسی چیز کو ٹٹولا، مجھے معلوم نہیں کہ انہوں نے کیا چیز نکالی، حضرت شداد بن اوسؓ کی روایت سے ابو یعلی، ابو نعیم اور ابن ابی عسما کرنے ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث نقل کی ہے کہ تین آدمیوں کا ایک گروہ آیا، ان کے پاس سونے کا طشت تھا جو برف سے بھرا ہوا تھا ان میں سے ایک نے مجھے زمین پر لٹایا (اور پیٹ پھاڑ کر) پیٹ کے اندر کی چیزیں نکالیں، پھر ان کو برف سے دھویا اور خوب دھویا پھر ان کو ان کی جگہ دوبارہ رکھ دیا، پھر دوسرا کھڑا ہوا اس نے میرا دل نکل کر پھاڑا (اور اس کو صاف کیا) یہ سب باتیں میں دیکھ رہا تھا، پھر ایک سیاہ بوٹی اس کے اندر سے نکال کر پھینک دی پھر دائیں بائیں طرف ہاتھ گھمانے لگا معلوم ہوتا تھا کوئی چیز تلاش کر رہا ہے، پھر مجھے نظر آیا کہ اس کے ہاتھ میں ایک انگوٹھی ہے جو مجسم نور ہے اس کو دیکھنے سے نگاہ چکا چوند ہو رہی تھی اس انگوٹھی سے اس نے میرے دل پر مہر لگا دی، مہر لگاتے ہی میرا دل نور سے بھر گیا یہ نبوت ودانش کا نور تھا، پھر دل کو لوٹا کر اس کی جگہ پر رکھ دیا میں اس مہر کی خنکی اپنے دل میں مدت تک محسوس کرتا رہا، پھر تیسرے شخص نے اپنے ساتھی سے کہا تم ہٹ جاؤ (وہ ہٹ گیا) تیسرے شخص نے سینے کی وسطی لکیر (خط ابیض) کے آغاز سے زیر ناف کے آخری حصہ تک ہاتھ پھیرا فوراً شگاف جڑ گیا۔

حضرت انس ؓ کا بیان ہے کہ میں حضور ﷺ کے سینہ پر سلائی کا نشان دیکھتا تھا۔

ابن عساکرؒ کی روایت میں ہے کہ ایک سال کال پڑا، ابوطالب حضور ﷺ کو ....21 ساتھ لے کر بارش کی دعا کرنے کعبے کے پاس پہنچے، کعبہ کی دیوار سے اپنی پشت لگائی اور حضور ﷺ کی انگلی پکڑی اس وقت آسمان پر بادل کا ٹکڑا بھی نہ تھا، فوراً ادھر ادھر سے بادل آگیا اور موسلا دھار خوب بارش ہوئی اتنی کہ ساری وادی بہہ نکلی، اسی واقعہ کی طرف ابوطالب نے ذیل کے شعر میں اشارہ کیا ہے۔

"ان کا رنگ گورا ہے انکے طفیل میں بارش کی دعا کی جاتی ہے وہ یتیموں کی پناہ گاہ اور رانڈوں کی عصمت بچانے والے ہیں۔"

خلاصۃ السیر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ بارہ سال کی عمر میں اپنے چچا ....22 ابوطالب کے ساتھ ملک شام کی طرف گئے، مقام بصریٰ میں پہنچے تو بحیرا راہب نے آپ ﷺ کا حلیہ دیکھ کر پہچان لیا اور دست مبارک کو پکڑ کر کہا، یہ رب العالمین کے رسول ہیں، اللہ ان کو انسانوں کے لیے رحمت بنا کر مبعوث فرمائے گا۔ راہب سے دریافت کیا گیا تم کو اس کا علم کیسے ہوا، راہب نے کہا جب تم لوگ گھاٹی سے نکل کر آرہے تھے تو میں نے دیکھا کہ ہر درخت اور پتھر ان کی طرف جھک رہا تھا اور ایسا صرف نبی کے لیے ہی ہوتا ہے، ہم نے اپنی کتابوں میں ان کے ح الات پڑھے ہیں، پھر ابوطالب سے بحیرا نے کہا اگر تم ان کو لے کر شام کو گئے تو یہودی ان کا قتل کردیں گے، چنانچہ راہب کے مشورے سے ابوطالب نے رسول اللہ ﷺ کو بصریٰ سے ہی واپس کردیا۔

23.... دوبارہ حضرت خدیجہؓ کے غلام کو ساتھ لے کر تجارت کی غرض سے آپ ﷺ ملک شام کو گئے اس وقت سن مبارک پچیس سال کا تھا اور حضرت خدیجہؓ سے نکاح نہیں ہو پایا تھا، شام میں پہنچ کر ایک راہب کے گرجے کے پاس اترے راہب نے اوپر سے میسرہ کی طرف جھانک کر دریافت کیا تمہارے ساتھ یہ کون شخص ہے، میسرہ نے کہا: باشندگان حرم میں سے ایک قریشی شخص ہے، راہب نے کہا اس درخت کے نیچے سوائے نبی کے کبھی کوئی اور نہیں اترا۔

24.... بعض روایات میں آیا ہے کہ راہب رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا میں ایمان لے کر آیا اور میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ وہی نبی ہیں جن کا ذکر اللہ نے توریت میں کیا ہے، پھر مہر نبوت کو دیکھ کر چوما اور کہا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول نبی امی ہاشمی عربی ہیں، آپ ہی صاحب حوض ہیں، آپ کی شفاعت کرنے والے ہیں، آپ ہی کے ہاتھ میں لواء الحمد ہوگا۔

25.... بعض روایات میں آیا ہے کہ میسرہ نے بیان کیا دوپہر کا وقت ہوا اور گرمی سخت ہو گئی تو دو فرشتے اتر کر آپ پر سایہ کرنے لگے تاکہ گرمی اور سورج کی تیزی سے آپ کو تکلیف نہ ہو آپ اس وقت اپنے اونٹ پر سفر کر رہے تھے، حضرت خدیجہؓ نے میسرہ کا جب بیان سنا تو آپ کے دل میں ح ضور ﷺ سے نکاح کرنے کا شوق پیدا ہو گیا۔

سہیلیؒ نے راہب مذکور کے قول کا مطلب اس طرح بیان کیا، راہب کی مراد یہ تھی کہ اس وقت درخت کے نیچے پیغمبر ہی فروکش ہوا ہے، سہیلیؒ کو تاویل کی ضرورت

اس لیے پڑی کہ انبیاء کے دور کو گزرے ہوئے ایک طویل مدت (تقریباً پانچ سو سال) گزر چکے تھے اتنی طویل مدت کسی ایک درخت کا باقی رہنا بعید از عقل تھا پھر درخت بھی سرراہ تھا، آنے جانے والے ضرور اس کے نیچے آرام لیتے رہے ہوں گے، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اب راہ درخت کے نیچے کوئی مسافر سوائے نبی کے کبھی نہ اترا ہو!!۔

عرب کا چاند

بے سایہ کردیا رب نے سایہ دار کو۔: رسول اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت سے تقریباً چھ ماہ قبل اکتوبر 570ھ میں آپ کے والد ماجد حضرت عبد اللہ ایک تجارتی سفر میں انتقال کرگئے۔ جس کو تمام بے سہاروں کا سہارا، بے سایوں کا سایہ، یتیموں غریبوں مسکینوں کا ملجا وماویٰ بنتا تھا، رب نے خود اسے بے سایہ پیدا کیا، تاکہ بعد مے ں تبلیغ، دعوت ورسالت کے اظہار اور دین کے احیاء کی راہ میں محبت پدری غالب نہ آئے، کائنات کی افضل ترین ہستی کو کسی اور کے سامنے سر اطاعت خم نہ کرنا پڑے۔

ولادت با سعادت۔: واقعہ اصحاب الفیل کے 50 یا 55 روز بعد 9، ربیع الاول ۱۰ھ بروز پیر، بوقت صبح صادق، قبل از طلوع آفتاب موسم بہار میں 20 یا 22 اپریل 571ء میں قبیلہ قریش کی شاخ بنو ہاشم کی بیوہ خاتون آمنہؓ بنت وہب کے ہاں سید کائنات ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی والدہ شفاؒ نے دایہ کے فرائض انجام دیئے۔

حضور ﷺ کا اسم گرامی "احمد"۔: ایام حمل میں والدہ ماجدہ نے خواب دیکھا، جس میں انہیں ہاتف غیب سے امر ربی ہوا اپنے ہونے والے بچے کا نام احمد (بہت زیادہ تعریف کرنے والا) رکھدو۔ چنانچہ حضرت آمنہؓ نے آپ ﷺ کا نام "احمد"

تجویز کیا

اللہ نے اپنے رحمت سے اک چاند عرب میں چمکایا .... اس چاند کا نام احمد ہے کتنا اچھا کتنا پیارا

حضور ﷺ کا اسم گرامی "محمد"۔: ولادت کے بعد دادا عبدالمطلب یتیم پوتے کو گود میں لئے خانہء کعبہ میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ تمام ستون سر بسجود ہیں۔ انہوں نے آپ ﷺ کا نام "محمد" تجویز فرمایا۔ آپ ﷺ اسم با سمی تھے کیونکہ لغت عرب میں لفظ محمد (صیغہ اسم مفعول) کے دو معنی ملتے ہیں:

(الذی یحمد مرتہ بعد اخریٰ (جسکی ہمیشہ تعریف کی جاتی رہے (۱)

(الذی جمع فیہ خصال محمودتہ (جس میں تمام اچھی خوبیاں جمع کردی گئی ہوں (۲)

عرب کا دستور۔: اہل عرب کا دستور تھا کہ ولادت کے ہفتہ بھر بعد ہی بچوں کو صحرائی عورتوں کے سپرد کردیئے تھے، جو ان کی پرورش کرتیں اور انہیں صحرائی کھیل مثلاً گھڑ دوڑ اور تیر اندازی بھی سکھادیتیں۔ ولادت کا آٹھواں دن ہے .... صحرائی عورتیں گھر گھر دریافت کرتی ہیں کہ کسی کے بچہ ہوا ہے تو ہمارے سپرد کردو.... عبداللہ کی بیوہ آمنہؓ نے اس خیال سے کہ میرے یتیم بچے کو کون گود لے گا۔ اپنے لخت جگر کو چھپا رکھا ہے۔ عورتیں بھی صرف نظر کرکے گزر رہی ہیں بنو سعد کی ایک خاتون حلیمہ سعدیہؓ سوچتی ہیں.... یہ بھی غریب، میں بھی غریب، میں بھی غریب کیوں نہ میں یتیم بچے کا سہارا بن جاؤ، چنانچہ آمنہؓ کے چاند سے بچے کو گود لے لیتی ہیں۔

چاند کی تابانیاں۔: آمنہؓ کے چاند، عبداللہ کے در یتیم کی تابانیاں ولادت کے وقت سے ہی جلوے دکھانا شروع کر دیتی ہیں، کچھ جھلکیاں ملاحظہ ہوں:

☆ وہی گھر جو تنگ و تاریک تھا اس چاند ﷺ کی آمد پر رشک شمس و قمر بن جاتا ہے۔

☆ حلیمہ سعدیہؓ کی مریل اونٹنی پر جب چاند ﷺ قدم رکھتے ہیں تو تمام اونٹنیوں سے آگے نکل جاتی ہے۔ اور اس کرشمے کو دیکھ کر تمام عورتیں کف افسوس ملتی ہیں کہ کاش وہ گود لیتیں!

☆ حلیمہ سعدیہؓ کے گھر میں جوں ہی یہ چاند اترتا ہے یوں لگتا ہے ایک نہیں کئی سورج اس تاریک گھر میں اتر آئے ہیں۔ تاریک گھر میں روشنیوں کا راج نظر آنے لگتا ہے۔

☆ بکری کا دودھ جو حلیمہؓ کی اپنی ضروریات کو کافی نہ ہوتا تھا، اتنا زیادہ ہو جاتا ہے کہ بچوں کو پلانے اور اپنی ضروریات میں استعمال کرنے کے بعد بھی اتنا بچ جاتا ہے جو اہل محلہ کو کافی ہو

☆ جس روز کائنات کا سردار ﷺ اپنے چرواہے بھائی کے ساتھ بکریاں چرانے جاتا ہے بکریوں کی نگرانی کی ضرورت نہیں پڑتی، خود شام ڈھلے بھرے پیٹوں آ حاضر ہوتی ہیں۔

حضور ﷺ کی پرورش۔: ابھی آقائے دوجہاں کی عمر کا چھٹا سال ہی شروع ہوا چاہتا ہے کہ والدہ حضرت آمنہؓ بھی سفر آخرت پر روانہ ہو جاتی ہیں۔ یتیم پوتے کو

سردار قریش عبدالمطلب گود لے لیتے ہیں، مگر دو ہی سال میں وہ بھی داغ مفارقت دے جاتے ہیں۔آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے چچا ابوطالب گود لے لیتے ہیں۔ وہی ابوطالب جس کے افلاس و کسمپرسی کا یہ عالم تھا کہ ہفتوں روکھی سوکھی میسر نہ ہوتی، بچوں کی پرورش کا بار اوروں پر ڈال رکھا تھا۔ محمد ﷺ کی کفالت کی ذمہ داری لینے پر ان کی حالات کی کایا یکسر پلٹ جاتی ہے۔

بچپن کے کھیل-: اگرچہ محمد کریم ﷺ عام بچوں سے یکسر مختلف تھے اور ان کے ساتھ لہو لعب میں بھی شریک نہ ہوتے تھے، تاہم صحتمند سرگرمیوں مثلاً تیراکی، گھڑ دوڑ اور تیر اندازی میں نہ صرف حصہ لیتے، بلکہ سب سے سبقت لے جاتے تھے اس کے علاوہ بچپن ہی سے آپکو بکریاں چرانا اور بتوں کو توڑنا بہت محبوب مرغوب تھا۔

تجارتی سفر اور بحیرہ راہب کی پیشینگوئی-: بارہ برس کی عمر میں بصندو اصرار حضرت ابوطالب کے ساتھ شام کے تجارتی سفر پر گئے۔ایک عیسائی راہب "بحیرہ" نامی نے جوں ہی رخ جامل آرائے محمد ﷺ کو دیکھا، ابوطالب کو مخاطب کرکے پکارا اٹھا: " اے سردار قریش! یہ آئندہ ہونے والا نبی ہے" کیونکہ اس نے دیکھ لیا تھا کہ تمام شجر و حجر محمد عربی ﷺ کو سجدہ کر رہے ہیں۔

خدیجۃ الکبریٰؓ سے نکاح-: مکہ میں ایک نہایت متمول بیوہ عورت خدیجہ نامی رہا کرتی تھی، جس کا بڑا مال تجارت تھا وہ ایک صادق و امین تاجر کی تلاش میں تھی، جو اس کا مال فروخت کرسکے۔ محمد ﷺ عربی کا شہرہ سن ہی رکھا تھا۔آپ ﷺ کو

اس نے پیغام بھیجا اور آپ ﷺ نے قبول کرلیا، اس نے اپنا غلام میسرہؓ بھی ساتھ کردیا کہ تمام احوال کی خبر رکھے اور آکر بتلا دے۔ میسرہؓ نے آکر تمام احوال اور آپ ﷺ کی دیانت و صداقت کا ماجرا کہ سنایا 40 سالہ خدیجہؓ نے پیغام نکاح بھیجا اور محمد ﷺ عربی نے قبول کرلیا، اس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک تقریباً 25 برس تھی۔

عطائے نبوت سے پہلے آپ ﷺ کے معمولات۔: محمد ﷺ عربی عموماً دنیاوی لین دین سے کنارہ کشی اختیار کرکے تنہائی میں اللہ کی عبادت کے خوگر تھے۔ ستو اور پانی پر ہفتے ہفتے گزارہ چلتا آپ ﷺ دن رات غار حرا میں مصروف عبادت و ریاضت رہا کرتے تھے۔ نبوت ملنے سے چھ ماہ قبل سے ہی آپ ﷺ عجیب عجیب خواب دیکھنے لگے جو کچھ خواب میں نظر آتا، وہی کچھ ظہور پذیر ہو جاتا تھا۔

:۔پہلی وحی، حضور ﷺ کی حالت اور حضرت خدیجہؓ کی تسلی

ایک روز آپ ﷺ منہمک عبادت تھے کہ اچانک جبرئیلؑ غار میں اترے اور آپ ﷺ سے کہا: اقرأ (پڑھ) آپ نے فرمایا: ما انا بقارئ (میں پڑھا ہوا نہیں ہوں) انھوں نے آپ ﷺ کو گلے لگایا اور زور سے بھینچا، گویا انوار الٰہیہ قلب محمد ﷺ میں منتقل کردیئے، جس کی وجہ سے آپ ﷺ پڑھنے لگے اور سورۂ علق کی ابتدائی پانچ آیتیں اتریں۔ آپ ﷺ کی حالت عجیب سی ہو رہی تھی، آپ ﷺ کو معلوم نہیں تھا کہ یہ کوئی خواب ہے یا حقیقت آپ ﷺ کے جسم اطہر سے پسینہ جاری تھا اور آپ ﷺ سردی کی وجہ سے کانپ رہے تھے، اسی حال میں گھر تشریف لائے اور زوجہ محترمہؓ سے فرمایا: "

مجھے کمبل اوڑھا دو" مگر حالت دستور برقرار رہی زوجئہ محترمہؓ نے آپ ﷺ کو تسلی دی: "آپ غریبوں کے غم خوار، تیموں مسکینوں کے سرپرست اور صادق وامین ہیں، اللہ آپ ﷺ کو مایوس نہیں کریگے" اورآپ ﷺ اپنے ماوں ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، جو توریت کے بڑے عالم تھے، انھوں نے آپ ﷺ کو تسلی دی اور فرمایاقرائن سے ثابت ہوتا ہے کہ انجیل میں جس نبی ﷺ کی رسالت کی حضرت عیسیٰؑ نے بشارت دی ہے وہ آپ ہی ہیں۔اس وقت حضور ﷺ کی عمر40برس تھی اور ماہ ربیع الاول اور دن سوموار کا تھا، محققین نے عیسوی سن 610ء بتایا ہے۔

☆☆☆☆

معلوماتِ سیرت

ابو سعد یعقوب

☆.... حضورِاکرم ﷺ کو 40برس کی عمر میں نبوت ورسالت سے سرفراز کیا گیا۔

☆.... حضورِاکرم ﷺ نے 60برس کی عمر میں دنیا سے رحلت فرمائی۔

☆.... حضورِاکرم ﷺ کے ننھیالی قبائل بنونجار اور بنوزہرہ تھے۔

☆.... حضورِاکرم ﷺ کے رضائی والد کا نام حارث بن عبدالعزیٰ تھا جو حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہاکے شوہر تھے۔

☆.... حضورِاکرم ﷺ کی ازواج مطہرات کی تعداد 13 ہے۔

☆.... حضورِاکرم ﷺ نے 27 غزوات میں حصہ لیا۔

☆.... حضورِاکرم ﷺ نے 9 غزوات میں بنفسِ نفیس قتال فرمایا۔

☆.... حضورِاکرم ﷺ کے گھوڑوں کے نام سکب، مرتجز، لزاز، طرب اور لحیف تھے۔

☆.... حضورِاکرم ﷺ کو ایک یہودی عورت زینب بنت حارث نے زہر دیا تھا۔

☆.... حضورِاکرم ﷺ کی ازواج میں سے ماریہ قبطیہ اور ریحانہ بنت زید رضی اللہ عنہما باندیاں تھیں۔

☆.... حضورِاکرم ﷺ کی تلواروں کے نام بتار، حیف، رسوب اور مخذم تھے۔

☆.... حضورِاکرم ﷺ کے دامادوں کے نام حضرت عثمان غنی (دہرے داماد) حضرت علی حیدر، حضرت عاص بن ربیع رضی اللہ عنہم ہیں۔

☆....ابولہب کے دو بیٹوں عتبہ اور عتیبہ نے آپ ﷺ کی صاحبزادیوں کو جو ان کے نکاح میں تھیں، طلاق دی تھی۔

☆.... حضورِاکرم ﷺ کے جسدِاطہر کا دیدار کرنے والے آخری شخص آپ ﷺ کے چچازاد بھائی قثم بن عباس رضی اللہ عنہ تھے۔

☆.... حضورِاکرم ﷺ کی رضائی ماؤں کے نام حلیمہ سعدیہ اور ثوبیہ رضی اللہ عنہما ہیں، آخرالذکر ابولہب کی باندی تھی۔ جسے ابولہب نے ولادتِ رسول ﷺ کی خوشی میں آزاد کر دیا تھا۔

☆.... حضورِاکرم ﷺ نے جب دنیا سے پردہ فرمایا تو 9 ازواج مطہرات بقید حیات تھیں۔

☆.... حضورِاکرم ﷺ کی ازواج مطہرات میں سب سے آخر میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔

☆.... حضورِ اکرم ﷺ کی آخری زوجہ مطہرہ حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا ہیں۔

☆.... حضورِ اکرم ﷺ کی بیٹیوں میں سب سے پہلے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔

☆.... حضورِ اکرم ﷺ کے ہاتھوں قتل ہونے والا پہلا اور آخری شخص اُبَیّ بن خلف ہے۔

وہ امریکا کی ایک حبشی بستی سے تعلق رکھتی تھی۔ اس کی معذوری اور اپاہج پن نے اسے اسلام کی طرف راغب کیا۔ وہ ایک اخبار میں کام کرتی تھی۔ اخبار میں کام کرنے کی وجہ سے وہ ہر روز میلکم ایکس اور مسلمان ہونے والے حبشیوں کی اصلاحی تحریک کے بارے میں پڑھتی تھی۔ اپاہج ہونے کی وجہ سے سوائے مطالعہ کے اس کا کوئی شغل نہ تھا۔ جب وہ پڑھتی کہ میلکم ایکس اور اس کے رضاکار ساتھی لوگوں سے منشیات کی عادت چھڑانے میں کامیاب ہو رہے ہیں، تو اسے بڑی حیرت ہوتی تھی۔ وہ سمجھتی تھی کہ اس خبر میں کوئی صداقت نہیں، مگر پھر یہ سوچتی کہ ہو سکتا ہے کہ یہ خبر سچ ہو۔ اس کے پاس اپنے ان سوالات کا کوئی جواب نہیں تھا، لیکن اس نے فیصلہ کیا کہ اسے اسلام کے بارے میں پڑھنا چاہیے۔ اس نے اسلام کے بارے میں کچھ کتابیں لیں اور پڑھنا شروع کیں۔ اسلام کے بارے میں ان کتابوں نے اسے خاصا متاثر کیا۔ پھر اس نے انگریزی میں قرآن کے ترجمے کا ایک نسخہ بھی حاصل کیا۔ قرآن کے اس نسخے کو پڑھ کر اسے عجیب طرح کا روحانی سکون ملتا تھا، وہ سمجھتی تھی کہ اگر کوئی بھی شخص دلچسپی اور لگن کے ساتھ قرآن پاک کا مطالعہ کرے تو وہ

اس مقدس کتاب کی حقانیت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، قرآن پاک کے مطالعہ نے اسے بہت بے چین کر دیا۔ اس نے اخبار کے ذریعے یہ پتا چلالیا تھا کہ یہاں اس کے شہر یں محمد یوسف ایسا شخص ہے جو مسلمانوں کی رہنمائی کرتا ہے۔اس نے محمد یوسف سے ملنے کا وقت مانگا تو اس نے کہا کہ جب چاہو تم مجھ سے مل سکتی ہو۔ ان سے ملاقات کا وقت طے ہو جانے کے بعد اس نے اطمینان کا سانس لیا۔

اگلے دن دوپہر کے وقت وہ محمد یوسف سے ملنے گئی۔جب انہوں نے وہیل چیئر پر بیٹھی معذور اور اپاج لڑکی کو دیکھا تو کچھ پریشان سے ہو گئے، مگر۔۔۔۔جب اس اپاج لڑکی کا حوصلہ دیکھا تو اس کی پریشانی خوشی میں بدل گئی۔ محمد یوسف بھی اس کی طرح حبشی تھے، پہلے ان کا نام جان بلکیڈن تھا۔ وہ اس شہر کے مسلمانوں کے سربراہ یا امام تھے۔ وہ مسجد میں نماز بھی پڑھاتے اور وہیں قرآن کی تعلیم بھی دیتے تھے۔انہوں نے ہمدردی بھرے لہجے میں اس سے اس کے بارے میں ساری معلومات حاصل کیں۔

پھر اس نے محمد یوسف سے پوچھا کہ وہ مسلمان کیوں ہوئے ؟ انہوں نے بڑے میٹھے لہجے میں جواب دیا کہ میں اس لیے مسلمان ہوا کہ یہ میری طلب اور اللہ تعالٰی کی رحمت تھی کہ وہ مجھے سیدھا راستہ دکھائے۔ محمد یوسف نے بتایا کہ وہ

حبشیوں کے ایک بہت ہی غریب خاندان میں پیدا ہوئے۔ سن بلوغ کو پہنچے تو ایک ہوٹل میں برتن دھونے کا کام کرنے لگے۔ ہوٹل والے اکثر انہیں ایک پیکٹ دیتے تھے کہ وہ اسے ان کی بتائی ہوئی جگہ پر پہنچا دیں، اس کے بدلے میں وہ انہیں ایک ڈالر دیتے۔ ایک دن یوسف نے سوچا کہ پیکٹ کو کھول کر دیکھنا چاہیے کہ اس میں کیا ہے؟ جب انہوں نے ایک روز اسے کھول کر دیکھا تو اس میں انہیں حشیش ملی۔ انہوں نے وہ حشیش مہنگے داموں فروخت کر دی اور ہوٹل واپس نہیں گئے، مگر ہوٹل والوں نے انہیں ڈھونڈ نکالا اور ان کی خوب پٹائی کی، اس واقعے کے بعد وہ گناہوں کی دلدل میں اترتے چلے گئے.... وہ عورتوں کی دلالی کرتے، قحبہ خانوں کی نگرانی کا فرض انجام دیتے.... منشیات کا خفیہ دھندہ کرتے، اس طرح خود بھی منشیات کے عادی ہو گئے، انہیں عدالت سے کئی بار سزا بھی ہو چکی تھی۔ جب ایک بار وہ جیل میں تھے تو کچھ لوگ ان سے ملنے آئے۔ یہ مسلمان رضاکار تھے جو قیدیوں میں اسلام کی تبلیغ کر رہے تھے۔ ان کی تبلیغ سے وہ بہت متاثر ہوئے، ان کا بھی دل چاہنے لگا تھا کہ وہ بھی ایک باعزت زندگی بسر کریں، جب وہ سزا مکمل کر کے جیل سے نکلے تو ان رضاکار مسلمانوں کی کوششوں سے وہ کافی بدل چکے تھے۔ وہ اپنی مجرمانہ زندگی چھوڑ دینا چاہتے تھے، اس سلسلے میں وہ ان رضا کار مسلمانوں سے ملے، انہوں نے ان کے لیے روزگار کا بندوبست کیا، کچھ نقد رقم بھی دی، تاکہ جب تک انہیں تنخواہ ملے وہ اس رقم سے گزر اوقات کر سکیں، وہ رضاکار حضرات انہیں اپنے ساتھ رکھنے اور

ان کا ہر طرح سے خیال رکھنے لگے ۔ یوں محمد یوسف، جرائم کی دلدل سے نکل کر ہدایت کی روشنی سے منور ہوا۔ وہ ایک باصلاحیت نوجوان تھا،ایک ہی سال میں اس نے عربی سیکھ کر پورا قرآن مجید پڑھ لیا ،اسلام قبول کرنے کے چار سال بعد اسے اس علاقے کے مسلمانوں کا امام مقرر کر دیا گیا۔ امام بننے کے بعد اس نے چندہ جمع کرکے وہاں ایک چھوٹی سی مسجد بھی تعمیر کرا دی، اس مسجد کی تعمیر میں اس نے بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ بھرپور حصہ لیا۔

وہ محمد یوسف کی اسلام قبول کرنے کی آپ بیتی سن کراوراس کے جذبہ عمل کو دیکھ کر بے حد متاثر ہوئی ۔اس نے یوسف سے اپنی اس خواہش کا ظہار کیا کہ وہ بھی دائرہ اسلام میں داخل ہونا چاہتی ہے۔ اس کا یہ عزم سن کر محمد یوسف نے اسے خوشی ومسرت سے دیکھا.... اس نے اسے رومن زبان میں کلمہ اور نماز کی کتاب بھی دی.... وہ وقتا فوقتا محمد یوسف کے پاس آکر دین اسلام کے بارے میں مزید معلومات بھی حاصل کرتی رہی اور ایک دن مسجد میں بہت سے نمازیوں کی موجودگی میں، اس نے اسلام قبول کر لیا اور مسلمان ہو گئی،وہ جمعے کا مبارک دن تھا۔

وہ سگریٹ پینے کی بھی عادی تھی اور ہر کھانے کے ساتھ تھوڑی شراب بھی پیتی تھی،اسلام قبول کرنے کے بعد اس نے یہ سب ترک کر دیا،اس نے جلد ہی اسلامی لباس بھی پہننا شروع کر دیا۔

وہ بتاتی ہے کہ جب پہلی بار جب میں لمبے چغے اور سر کو بھی ڈھانپ کر گھر سے باہر نکلی تو سب سے پہلے میرے ماں باپ نے میرا مذاق اڑاتے ہوئے کہا : سنتھیا! یہ کیا پہن رکھا ہے تم نے؟

میں نے ان سے کہا: میرا نام آمنہ ہے، سنتھیا نہیں۔

یہ سن کر میرے والد نے تو نفرت، حقارت اور استہزا کے ساتھ ساتھ لاپروائی کا اظہار کیا، جبکہ میری ماں چیخ کر بولی ' : ' تمہاری جگہ جہنم میں ہے ..." مارے غصے کے اس کی زبان سے الفاظ بھی پوری طرح ادا نہیں ہو رہے تھے.... اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتی، میں اپنی وہیل چیئر پر گھر سے باہر نکل آئی۔ اتفاق سے وہ میری تنخواہ کا دن تھا، تنخواہ ملی تو میں نے اس کا ایک چوتھائی حصہ اپنے علاقے کی مسجد کے فنڈ میں جمع کرا دیا۔ میری ماں کو جب فنڈ دینے کا پتا چلا تو وہ مجھے اور مسلمانوں کو مزید کوسنے لگی۔

اس نے بلاخوف لومۃ لائمین اپنی زندگی کو پوری طرح اسلام کے قوانین وضوابط کے مطابق ڈھالنا شروع کر دیا،اس کی استقامت کا ہی اثر تھا کہ جو لوگ اس پر انگلیاں اٹھاتے تھے بالآخر وہ بھی تھک کر چپ ہو گئے۔

وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ ہی رہ رہی تھی .... ایک کرسمس کے موقعے پر، جبکہ

بہت سے مہمان اس کے گھر میں اکٹھے تھے اور شراب پانی کی طرح پی جا رہی تھی، انہوں نے اول تو اس کو بھی اس محفل نائونوش میں شریک ہونے کی دعوت دی، لیکن جب اس نے صاف انکار کردیا توانھوں نے زبردستی اسے شراب پلانا چاہی.... اس جرات پر وہ برافروختہ ہو گئی اوراس نے بھری محفل میں کہہ دیا: "میں لعنت بھیجتی ہوں سب پر" یہ سننا تھاکہ اس کے والدنے اسے بری طرح مارنا پیٹنا شروع کردیا کہ تم نے اتنے لوگوں کے سامنے ہماری بے عزتی کرائی ہے، وہ یہ تمام ظلم برداشت کرتی رہی مگر شراب جیسی ام الخبائث کو ہاتھ تک نہ لگایا۔ اس رات پورا وقت وہ روتی رہی.... اس کے دل میں بارہا یہ بات آئی کہ گھر چھوڑ کر کہیں چلی جائے، لیکن اس نے گھر چھوڑنے کی بجائے والدین کے ساتھ رہ کران کے حقوق ادا کرنے اوراپنے حسن اخلاق سے ان کی کافرانہ زندگی بدلنے کا فیصلہ کیا۔

کچھ روز بعد اس نے ایک اہم فیصلہ کیا اور اخبار کی نوکری چھوڑ کر مسلمان رضاکار بن گئی۔ جس کام کے لیے اسے چنا گیا تھا اس میں بہت سے خطرات تھے، مگر اسلام کی خدمت کے جذبے نے اسے حوصلہ بخشا، جس کی وجہ سے وہ ہر خطرے سے لاتعلق وبے نیاز اسلام کا پیغام لے کر جیلوں میں جانے لگی، اس کا کام یہ تھا کہ وہ قیدیوں کو اسلام کی عظمت کے بارے میں بتاتی اور انہیں مجرمانہ زندگی کو چھوڑ کر بہتر زندگی بسر کرنے کے مشورے دیا کرتی تھی۔ جواب میں اکثر اس کو حوصلہ شکن ودل دوز ردعمل دیکھنے کو ملتا تھا، مگر اس کے باوجود اس نے

ہمت نہیں ہاری۔ جیل میں ایک قیدی نے اسے بتایا کہ شہر میں منشیات کا سب سے بڑا کاروبار برنارڈو نامی شخص کا ہے، ہم سبھی اس کے لیے کام کرتے ہیں، اس نے برنارڈو کا پتا معلوم کیا، جس قیدی سے بھی اس نے برنارڈو کے حوالے سے بات کی، اس نے یہی خیر خواہانہ مشورہ دیا کہ وہ بہت خطرناک آدمی ہے لہٰذا اس سے ملنے کی غلطی نہ کرے، لیکن اس نے دل میں اس سے ملنے کا مصمم فیصلہ کر لیا .... اور ایک صبح وہ برنارڈو کے عالی شان گھر پہنچ گئی۔

ملازم اسے اندر جانے سے روکنے لگا، دونوں میں تکرار ہونے لگی، تکرار کی آواز سن کر ادھیڑ عمر کا ایک مضبوط جسم والا آدمی گھر سے باہر نکلا اور غصے سے بولا: یہ کیا ہو رہا ہے۔ شور کیوں مچا رکھا ہے؟

وہ سمجھ گئی کہ یہ برنارڈو ہے.... اس نے اس سے کہا " میں آپ سے علیحدگی میں کچھ بات کرنا چاہتی تھی"

برنارڈو نے کچھ تعجب سے اس کی طرف دیکھا اور ملازم کو وہاں سے چلے جانے کا اشارہ کیا۔ ملازم کے جانے کے بعد برنارڈو نے بڑی نخوت سے کہا " میں اس طرح کسی سے ملاقات نہیں کرتا، تم معذور ہو، اس لیے تمہاری بات سن رہا ہوں، کہو میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟" اس نے اشاروں کنایوں میں کہا " مسٹر برنارڈو، اللہ نے آپ کو سب کچھ دیا ہے، اب آپ کو ہدایت کی ضرورت ہے"۔

یہ سن کر برنارڈو کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا اور کہا "نکل جاؤ یہاں سے، تمہیں کس نے بتایا کہ میں یہ کام کرتا ہوں، اگر مجھے تمہارے اپاہج پن کا خیال نہ ہوتا تو ..." وہ فرط غصہ میں اپنی بات بھی مکمل نہ کر سکا۔

اگر واقعی تم مجھے اپاہج سمجھتے ہو اور میرے لیے کچھ کرنا چاہتے ہو تو اپنے قیمتی وقت " میں سے کچھ دن تک صرف پانچ منٹ ملاقات کا وقت دے دیا کرو "۔اس نے بڑی لجاجت سے کہا تھا،اس کی بات برنارڈو کے دل کو پسیجنے میں کامیاب ہو گئی، بڑنارڈو جیسا شقی القلب شخص قہقہہ لگا کر ہنسا اور پھر بولا : تم ضد کی بہت پکی معلوم ہوتی ہو، کل اسی وقت آ جانا۔

یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے کسی کو ملاقات کا وقت دیا اور خلوص سے ملا تھا۔ اس سے روز ملاقاتیں ہونے لگیں، پانچ منٹ کی گفتگو کا دائرہ پھیل کر گھنٹوں تک پہنچ گیا، وہ اس کے سامنے منشیات کی تباہ کاریوں، اس کی وجہ سے لوگوں کی بدحالی اور پھر اسلام کی حقانیت کا ذکر کرتی تھی اور وہ اس کی ساری باتوں کو بغور سنتا تھا۔

"ایک دن اس نے سے کہا "آمنہ ! واقعی انسان کو دنیا میں اچھے کام کرنے چاہییں یہ اللہ کا شکر ہے کہ تمہاری سمجھ میں یہ بات آ گئی" ۔آمنہ نے بڑی مسرت سے " جواب دیا۔

یہ اس اپاہج لڑکی کی محنت کااثر تھاکہ چندہی روز بعد.برنارڈو نے اپناکاروبار چھوڑ دیااور قانون نافذ کرنے والے اداروں کے سامنے مافیاکے تمام سربستہ رازوں سے بھی پردہ اٹھا دیا۔.برنارڈوکے مذکورہ انکشاف سے امریکا میں تہلکہ مچ گیا تھا۔بڑنارڈو نے اخبار نویسوں سے کہا تھاکہ " ایک اپاہج اور چلنے پھرنے سے معذور لڑکی نے مجھے وہ طاقت بخشی ہے کہ میں نے.برائی کی زنجیروں کو توڑ دیا ہے اور اپنے اندر کھلی فضا میں اڑنے کی ہمت محسوس کر رہا ہوں۔"

.برنارڈوکے دل میں اسلام کی حقانیت پوری طرح گھر کرچکی تھی اورکچھ بعیدنہ تھاکہ وہ جلدیابدیراسلام کی نعمت سے مالامال ہوجاتامگر بھلاڈرگ مافیاکے.برزجمہروں کو یہ کہاں .برداشت ہوسکتا تھا،انہوں نے ایک منظم سازش کے تحت جیل میں ہی .برنارڈوکوگولی ماردی۔

آمنہ کی محنت سے متعدد افراددائرہ اسلام میں داخل ہوچکے ہیں اوردرجنوں افرادمنشیات کی لت کو چھوڑ کر حقیقی سکون کی راہوں پرگامزن ہوچکے ہیں ۔

قابل رشک شہادت

محمودالرشید حدوٹی

دنیا بھر کے لکھاریوں نے قذافی کی موت کو عبرت ناک قرار دیا ہے، کیا مسلم کیا غیر مسلم سب ہی نے عبرت ناک موت لکھا ہے، اس کی وجہ یہ تھی کہ مغربی ذرائع ابلاغ نے اسے ایسا ہی لکھا تھا، وہاں سے عرب اور اردو اخبارات کے کالم نویسوں نے ریزہ چینی کی، جو کچھ لکھا گیا وہ ان کرائے کے قاتلوں کے زہریلے الفاظ تھے جو انہوں نے کرنل معمر القذافی کی لاش کے پاس کھڑے ہو کر عالمی ذرائع ابلاغ کے سامنے اپنی زبانوں سے صادر کیے تھے، کرائے کے قاتلوں اور صیہونی و استعماری ایجنٹوں نے قذافی کی زخموں سے چور، خون کی رنگینی سے لالہ زار بنی لاش پر رقص کیا، ناچے اور خوشی، مسرّت کا اظہار کیا، کئی نوجوان ان کی لاش کو مخاطب ہو کر گالیاں نکالتے رہے، نیٹو کی خوفناک ترین بمباری، سمندر اور فضاؤں سے بھیانک حملوں کے باعث سرت سے نکل کر نا معلوم مقام کی سمت رخت سفر باندھے مجاہدوں کے قافلے کو سخت نقصان اٹھانا پڑا، تمام گاڑیاں کوئلے کا ڈھیر بن گئیں، زندہ مجاہدین گاڑیوں کے اندر کوئلہ بن گئے، قذافی اور ان کے چند ساتھیوں کو اتنی مہلت مل گئی کہ وہ اس بمباری میں صرف زخمی ہوئے، تابڑ توڑ فضائی حملوں کے باعث وہ سرت کے ایک پل کے نیچے

پناہ لینے پہ مجبور ہو گئے، جسے سازشی و شرارتی دماغوں نے غلط رنگ دے کر یوں کہا کہ وہ ایک سیوریج پائپ لائن میں چھپے تھے، حیرت و استعجاب کا مقام ہے کہ سیوریج لائن میں کوئی ذی شعور و عقل آدمی کیسے ٹھہر سکتا ہے؟

قذافی پل کے نیچے تھے، استعماری ایجنٹ ملیشیا کے ایک دستے نے اچانک اس وقت قذافی کو دیکھا جب وہ پیش قدمی کر رہا تھا، اس دستے نے پل کے ایک گوشے سے فائرنگ کی، پھر سبک رفتاری سے مصراتہ کا ایک نوجوان آگے بڑھا، جس نے زخموں سے نڈھال و بے حال قذافی کو دبوچ لیا، اتنے میں غیران اور بُوسنا نامی دستے نے ان پر حملہ کیا، توہین آمیز سلوک کیا، قذافی نے مزاحمت شروع کر دی، انہیں کہا کہ میں تمہارے باپ کی جگہ ہوں، شرق الاوسط اخبار کے مطابق ان نوجوانوں میں اکثریت لیبیائی بدوؤں کی تھی، جو اپنے خاندان، بیوی بچوں اور رشتہ داروں سے ہٹ کر رات قذافی، اس کے بیٹوں اور اس کے ہمرازوں کے آرام وہ محلات میں گزارتے تھے، ان کی قذافی کے ترجمان موسیٰ ابراہیم کے ساتھ علیک سلیک تھی، اسی تعلق کے باعث وہ دن بھر قذافی پر فتح پانے کی باتیں کرتے تھے۔

جب قذافی کو خونخوار انقلابیوں، باغیوں، استعماری ایجنٹوں نے اپنے حصار میں لیا تو ان کے درمیان اس بات پہ تکرار اور تو تکار شروع ہو گئی کہ اب انہیں کہاں لیجایا جائے، کچھ نوجوانوں کا اصرار تھا کہ انہیں استعماری انقلاب کی

جائے پیدائش بن غازی پہنچایا جائے۔ مصراتی نوجوانوں نے بیک آہنگ کہا کہ نہیں، نہیں انہیں مصراۃ لیجایا جائے۔ اتنے میں ایک نوجوان نے ان کے سر میں گولی ماری کہ ان کی جان نکل گئی۔ پھر ان کی لاش کو گھسیٹتے اور مغربی دنیا کو خوش کرتے رہے۔ قذافی شہادت سے پہلے شہادت کے لیے تیار ہوئے اور سلحہ ساتھ لیا اور مقابلہ جاری رکھنے کا عزم کیا۔

قذافی کے پاس سیل فون تھا، جو سیٹلائٹ کے ذریعے چلتا تھا، عین اس مرحلے پہ اس فون پہ آخری کال ان کی بیٹی عائشہ کی آئی جب قذافی کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی، استعمار کے حمایت یافتہ ایک باغی نے فون اٹینڈ کیا تو دوسری طرف عائشہ بول رہی تھیں، جنہیں اس نے خبر دی کہ ان کے والد فوت ہو چکے ہیں، اس روح فرسا خبر دینے پر اس ظالم شخص کو بھی پچھتاوا اور افسوس ہوا کہ مجھے کم از کم ان کی بیٹی کو اس طرح کی اطلاع نہیں دینا چاہیے تھی۔

اکتوبر2011ء کی صبح جمعرات کے دن کرنل معمر القذافی کو بے دردی سے شہید کر20 دیا گیا۔ ان کی لاش کو سرت سے مصراتہ پہنچایا گیا، جہاں سبزی منڈی کے ایک کولڈ اسٹوریج میں رکھ دی گئی، اتوار کو مصراتہ کے ایک ڈاکٹر نے پوسٹ مارٹم کیا جس سے پتہ چلا کہ انہیں سر پر گولی ماری گئی تھی، اتوار کی رات کو استعماری ایجنٹوں کے گڑھ بن غازی کے ملبے کے ڈھیر پر لیبیا کی فتح اور مکمل

آزادی کا جشن منایا گیا، کرنل معمر القذافی کی میت ان کے خاندان کے حوالے کرنے کا فیصلہ کیا گیا، جب کہ ان کی تدفین کے بارے میں لیبیا کی ٹرانزٹ کونسل سخت پریشانی کا شکار ہے، لیبیا کے ایک ٹی وی پہ باقاعدہ رائے شماری کرائی گئی کہ ان کی لاش سمندر کے سپرد کر دی جائے، مصراتہ میں دفن کیا جائے یا سرت میں، تینوں آپشنوں پر رائے موجود ہے، عبوری حکمران اس بات پر بھی خائف ہیں کہ اگر کسی معروف جگہ پہ ان کی تدفین کی گئی تو لوگ ان کی قبر کو کہیں مزار نہ بنا دیں۔

لیبیا کے مردِ حُر اور مرد میدان معمر القذافی نے بقائمی ہوش و حواس دس نکات پر مشتمل وصیت بھی تحریر کر دی تھی، جس میں صراحۃً موجود ہے کہ انہیں ان کے آبائی قبرستان سرت میں دفنایا جائے، انہیں غسل نہ دیا جائے، انہیں اسلامی و شرعی تعلیمات کے مطابق دفنایا جائے، ان کے خاندان خصوصاً بچوں کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے، لیبیائی لوگ اپنی پہچان اور شناخت کی حفاظت کریں، اپنی بہترین آزادانہ پالیسیاں کسی کے سپرد نہ کریں، ان کے مرنے کے بعد مقابلہ جاری رکھا جائے، لیبیا کے درپے ہونے والی بیرونی طاقتوں کا مقابلہ کرنا چاہے آج، کل یا جب کبھی بھی ہو، میری فیملی کے تمام افراد کو فرداً فرداً سلام اور دنیا بھر کے محب مسلمانوں کو میرا سلام، اس وصیت نامے کے آغاز میں قذافی نے لکھا کہ میں اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے اور محمد ﷺ کے اللہ کا رسول

ہونے کی گواہی دیتا ہوں اور میں عقیدہ اہل سنت والجماعت پر جان دے رہا ہوں۔ اس وصیت میں قذافی نے یہ بھی لکھا کہ ہم اپنے وطن کی حفاظت کے لیے جو کچھ کر سکتے تھے وہ ہم نے کیا، ہم نے کسی سے وطن کا سودا نہیں کیا، وطن کی حفاظت ہمارا شرعی فریضہ تھا جب کہ وطن فروشی یہ بڑی خیانت ہے۔

اس وصیت کے علاوہ کرنل معمر القذافی کے سرت میں موجود خاندان نے عبوری کونسل سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ وہ انہیں ان کے بہادر بیٹے اور قائد کی لاش حوالے کر دیں تاکہ وہ اسلامی، شرعی اور انسانی اقدار کے مطابق ان کی آخری رسوم ادا کر سکیں اور انہیں ان کے آبائی قبرستان میں دفن کر سکیں اور عبوری کونسل سے استدعاء کرتے ہیں کہ یہ مطالبہ ان کا شرعی حق ہے۔

شہید قذافی نے بڑی جرات رندانہ اور حریت فکر کے ساتھ اپنی زندگی گزاری ہے وہ سلطان ٹیپو کے اس قول کا مصداق تھے، "شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے"۔ واقعتاً انہوں نے اپنی زندگی ایسے ہی گزار دی، آخری وقت وہ خون میں لت پت تھے، سر سے خون بہہ رہا تھا، ہاتھوں پہ خون کی رنگینی تھی، لباس خون آلود تھا، چہرہ زخموں سے چور تھا، سارا بدن زخمی زخمی تھا، اس کے باوجود رعب و دبدبے کا عالم یہ تھا کہ دشمن لرزہ براندام تھے، اسی لیے تو اعلان کیا گیا کہ خفیہ طور پر قذافی کی تدفین کر دی گئی ہے، قتل

کرنے والے کا نام صیغہ راز میں رکھ دیا گیا کہ کہیں واضح ہونے پر قبائلی جنگ کا آغاز نہ ہو جائے۔

لیبیائی ریڈیو، ٹی وی پر کرائے کے لوگوں کو من پسند تبصرے کرنے کے لئے بٹھا دیا گیا ہے، جو مختلف سوالات کے لرزہ خیز جوابات دے کر دوسروں کو مطمئن کرنے کی کوشش کرنے میں مصروف ہیں، مگر جو لوگ یہاں یہ سوالات اٹھاتے ہیں کہ یہ انقلاب نہیں استعماری ایجنٹوں کا ایجنڈا ہے، یہ تیل اور مسلم ذخائر پر قبضے کی گہری سازش ہے تو اینکر پرسن ان سوال کرنے والوں کو اولاً یوں کہتا ہے کہ کوئی دوسرا سوال کرو، پھر کہتا ہے کہ میں آپ کے سوال کا مفہوم سمجھ رہا ہوں، کیا قیامت کی گھڑیاں ہیں، جس دیس میں کسی دور میں سامراج کے قدم نہیں جم سکے آج سامراج کے خلاف سوال بھی نہیں سنا جا سکتا۔

642ء میں جب لیبیا پر رومی افواج نے قبضہ کر رکھا تھا تو حضرت عمرو بن العاصؓ کی قیادت میں حضرات صحابہ کرامؓ نے اس محکوم لیبیا کی دھول اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں سے اڑا کر دشمنوں کی نیندیں حرام کر دی تھیں، علاقہ فتح ہوا تو رومی افواج تلملانے لگیں، قبضے کے ہزار جتن کے باوجود قبضہ نہ کر سکیں، حضرت عبداللہ بن سعدؓ کی قیادت میں 647ء میں لیبیا اسلامی خلافت کا حصہ بن گیا، 663ء میں حضرت عقبہ بن نافعؒ نے ہر قسم کی مزاحمت کی سلگتی آگ

کو سرد کر دیا تھا۔

جنگ عظیم اوّل کے وقت دنیائے کفر یکجان ہو کر خلافت عثمانیہ کا چراغ گل کرنے کے درپے ہوئی، ایسے حالات میں آزاد منش لوگوں کی دھرتی لیبیا نے عمر المختار جیسا جرنیل جنم دیا، جس نے اٹلی کی افواج کے خلاف وہ معرکہ بپا کیا کہ دنیا ششدر رہ گئی بالآخر انہیں اٹلی افواج نے گرفتار کیا اور تختہ دار پہ کھینچ ڈالا۔ اس زمانہ میں لیبیا کو اٹلی کا افریقہ کہا جاتا تھا، جنگ عظیم روم کے بعد برطانیہ نے یہاں اپنے علم لہرائے، 1943ء سے تک لیبیا پر برطانیہ کا قبضہ رہا، 1951ء میں برطانیہ کو شاہ ادریس کی شکل میں 1951 اپنا ایک غلام مل گیا، جس نے آزادی کا اعلان کیا، ایسے عالم میں شیخ احمد سنوسی کے پیروکار پورے لیبیا میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لیے کوشاں تھے۔

یکم ستمبر 1969ء کو شاہ ادریس کا تختہ الٹ دیا گیا، ایک قطرہ خون بہائے بغیر کرنل معمر القذافی نے لیبیا کا تخت و تاج سنبھالا، شاہ ادریس کے مظالم عروج پہ تھے، رشوت ستانی عام تھی، بے راہ روی کا شکار لیبیائی نوجوان قحبہ خانوں اور نائٹ کلبوں کا دلدادہ بن چکا تھا، برطانوی غلام شاہ ادریس نے اپنے دیس کو مغربی رنگ میں رنگ دیا تھا، اہل دل اس کے سیاہ کارناموں پہ دل گرفتہ تھے، قذافی نے اقتدار سنبھال کر شکستہ دلوں کی ڈھارس بندھائی، آتے ہی

امریکہ نواز پالیسیوں کو جوتے کی نوک سے اڑا دیا، اسلام دشمن پالیسیوں کا قلع قمع کیا، اسلام کے منافی قوانین کے تار پود بکھیر دیئے، شراب نوشی کے اڈے بند کر دیئے، قحبہ خانے ویران ہو گئے۔ نائٹ کلبوں پہ تاریکی چھا گئی، انقلابی راہنما نے 1970ء میں وزیر اعظم کا منصب سنبھالا، اس کے بعد امریکی اڈے ختم کرنے کا اعلان کیا، اطالویوں کی جائدادیں ضبط کرنے کا حکم دیا، ملکی اور غیر ملکی بینک قوم کی تحویل میں دے دیئے، انگریزی زبان پہ پابندی لگا دی، عربی زبان کو سرکاری زبان قرار دیا۔

تخت شاہی پہ براجمان ہونے کے بعد انہوں نے عالم اسلام سے مراسم بڑھانے شروع کیئے، سعودیہ کے شاہ فیصل، پاکستان کے ذوالفقار علی بھٹو کے قریب ہوئے، ان تینوں نے مل کر امریکہ اور مغرب کے خلاف حکمت عملی اختیار کرنے کی سوچ اپنائی، مغرب کا تیل بند کرنے اور مسلم اقوام متحدہ بنانے کی سوچ اپنائی، امریکہ کو یہ پالیسی ذرا نہ بھائی تو اس نے بھتیجے کے ہاتھوں شاہ فیصل ضیاء الحق کے ہاتھوں بھٹو اور کرائے کے قاتلوں کے ہاتھوں قذافی کو مروا دیا۔

کرنل معمر القذافی نے لیبیا کو ہر طرح کے استعماری ہتھکنڈوں سے بیالیس سال تک بچائے رکھا، وہ اپنی پالیسیاں خود بناتے اور خود تبدیل کرتے تھے، وہ مغربی طرز جمہوریت کو لعنت سمجھتے تھے، انہوں نے اقتدار پوری لیبیائی اقوام

میں تقسیم کر دیا تھا، ہر شہر اور قصبہ میں کمیٹیاں قائم کر رکھی تھیں جن کی سرپرستی خود کرتے اور ان کی تمام ضروریات کو اصول و ضابطے کے تحت پورا کرتے تھے، تیل کی مد میں حاصل ہونے والی بے پناہ دولت وہ لیبیا کے لوگوں پر ہی خرچ کرتے تھے، کوئی شخص لیبیا میں غریب نہیں تھا، پابندیوں، معاشی بائیکاٹ، بیرونی دباؤ کے باوجود لیبین ریال میں قوت تھی، وہ اپنے اندرونی معاملات میں کسی کو مداخلت کی اجازت نہیں دیتے تھے، امریکہ سمیت تمام دنیا کو اس دربار میں سوچ سمجھ کر زبان کھولنا پڑتی تھی، لیبیا کے لوگ ان کی قیادت پر بہت خوش تھے، ان کی طرز حکمرانی سے کچھ شریر دماغ پریشان تھے،انہیں ذرا کھل کھیلنے کا موقع دیا جاتا تو وہ استعماری ہاتھوں میں کودنے لگتے جیسے فروری 2011ء میں بن غازی سے باغی اٹھے اور امریکی دولت، آشیرباد، مشاورت اور نیٹو کے فضائی حملوں کی مدد سے پورے لیبیا پہ چھا گئے۔ قذافی لیبیا کا وہ محسن حکمران تھا جس نے خانہ بدوشوں، جھونپڑیوں میں رہائش پذیر لوگوں کے لیے فلک بوس فلیٹ تعمیر کروا کر چابیاں ان کے ہاتھ میں تھما دی تھیں، صحرائی بدو اور جھونپڑیوں کے مکین اپنے اونٹوں سمیت ان عالی شان فلیٹوں میں رہائش کے خواہش مند تھے مگر اونٹ بلند و بالا عمارات پہ کہاں بسیرا کر سکتا ہے اس کی رسائی وہاں تک ناممکن تھی۔

کرنل قذافی واشنگٹن کی پالیسیوں کو اپنانے کی بجائے اپنی سیاسی پالیسیاں

خود بناتے تھے، تیل کی تمام کمپنیاں قومی ملکیت میں لے لی تھیں غیر ملکیوں کے زیر قبضہ تمام زمین لے کر غریب کسانوں میں مفت تقسیم کر دی تھی، لیبیا میں رہنے والے ہر شخص کو تعلیم، علاج اور رہائش کی سہولیات حکومت کی طرف سے مفت فراہم کی گئی تھیں، لیبیا میں رہنے والے ہر شخص کو تعلیم، علاج اور رہائش کی سہولیات حکومت کی طرف سے مفت فراہم کی گئی تھیں، پورے لیبیا میں اسلامی اقدار کی حوصلہ افزائی کی گئی، پورے ملک پر ان کا مکمل کنٹرول تھا، شروع شروع میں اکڑی گردنوں کو ضرور ناپا گیا، شریر ذہنوں کو ضرور تسکین دی گئی، بیمار طبیعتوں کا درماں کیا گیا، مگر مغربی ذرائع ابلاغ جس طرح کی کہانیاں گھڑتے، افسانہ طرازیاں کرتے اور قذافی کو ہلاکو اور چنگیز کا جدید روپ بتاتے ہیں ایسی قطعاً و یقیناً کوئی بات نہیں تھی، اگر ایسا ہوتا تو 42 سال تک لیبیا کے لوگ کبھی برداشت نہ کرتے، اب جب تونسیا میں بو علی زین العابدین اور مصر میں حسنی مبارک کے خلاف لوگ اٹھ کھڑے ہوئے تو یہاں بغاوت امریکہ نے کروائی، مال و دولت امریکہ نے بارش کی طرح برسائی، اسلحہ بن غازی کے راستے تقسیم کیا گیا، سمندری حدود سے نیٹو افواج نے بارش کی طرح بمباری کرکے لیبیا کو کھنڈرات میں تبدیل کیا، بغاوت کرنے والے نوجوان کرائے کے قاتل تھے جن کی مجموعی تعداد بیس ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ یہ بن غازی سے اٹھے، وہیں اچھلتے کودتے رہے، طرابلس کے لاکھوں لوگوں نے قذافی کے حق میں سڑکوں پہ مظاہرے کرکے ثابت کر دیا تھا کہ آج بھی لیبیائی عوام قذافی کے

ساتھ ہیں۔

قذافی نے اقتدار کی باگ ڈور سنبھالی تو سب سے پہلے بکھرے لیبیا کے منتشر قبائل پر توجہ دی، انہیں امن و شانتی سے رہنے کا درس دیا، پھر عربوں کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں بتلایا کہ تمہارے آباؤ اجداد کس شان کے مالک تھے تم کیوں اغیار کے غلام ہو، انھوں نے پوری کوشش کی کہ عرب دنیا متحد ہو جائے، کم از کم عربی بولنے والے ایک ہو جائیں، مگر عربوں نے ان کی باتوں کو مزاحیہ انداز میں ٹال دیا وہ بہت غیرت مند انسان تھے ایک دفعہ عرب سربراہوں کی کانفرنس میں سعودی فرماں روا شہزادہ عبداللہ کو دستانے پہن کر ہاتھ ملایا، انھوں نے کہا کہ یہ کیا ہے؟ قذافی نے کہا کہ تمہارا یہ ہاتھ یہود و نصاریٰ کے ہاتھ کو مس ہوا ہے مناسب نہیں کہ میں کھلے ہاتھ آپ سے مصافحہ کروں، اس پر دونوں سربراہان کے درمیان نوک جھونک ہو گئی تھی۔ قذافی کی زندگی اس طرح کے بہت سے لطائف سے عبارت ہے، دو سال بعد پھر ایک اجلاس میں صلح ہوئی تو دونوں فرماں رواؤں نے ایک دوسرے کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی۔ جہاں کہیں وہ امریکی مخالفت کا موقع دیکھتے تو کوشش کرتے تھے کہ کوئی نہ کوئی بات وہ کہہ دیں، وہ امریکہ کے سخت مخالف رہے، مگر پاکستانی جرنیل صدر

پرویز مشرف نے جب 2001ء میں امریکی دھمکی پہ سب کچھ سپرد بہ امریکہ کرنے کا فیصلہ کیا تو قذافی کی ہمت جواب دے گئی، انھوں نے ایٹمی پروگرام ختم کر دیا، امریکی سفارت خانہ کھولنے کی پھر سے اجازت دے دی۔ 2003کے بعد مغرب کی طرف سے ان پر عائد کی گئی پابندیاں ہٹنا شروع ہوئیں تو انھوں نے کئی ممالک کا دورہ کیا، اسی دوران امریکہ میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں ڈیڑھ گھنٹہ خطاب کیا، جس میں اس نے اقوام متحدہ کے راز فاش کیے۔ اس کی بے انصافیوں اور جانب داریوں کو طشت از بام کیا، اس کے منشور کی کاپی اٹھا کر پھینک دی، مسلم امّہ کی کھل کر ترجمانی کی، یہ تقریر نہیں تھی بلکہ قذافی اپنے پروانہ موت پر دستخط کر رہے تھے، یہ تقریر ان کی جان لینے کا نقطہ آغاز تھا، پھر اس کے بعد انھوں نے متحدہ افریقہ کا نعرہ لگایا، اس کے سربراہ منتخب ہوئے، افریقہ کے بیشتر ممالک میں دولت پانی کی طرح بہائی، فرانسیسی استعمار کے دور میں ہونے والے مظالم کا تذکرہ کرکے لوگوں کی ذہن سازی کرتے تھے، یہ دوسرا نقطہ تھا جس پر انہیں راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کیا گیا، یہی وجہ ہے کہ لیبیا پر حملے میں فرانس نے بڑی کاوش کی، نیٹو کے جس جہاز نے قذافی کے قافلے پہ حملہ کیا وہ بھی فرانس ہی کا تھا، اس کے ساتھ دنیا بھر میں کہیں بھی مسلمان یا مسلم شعائر کے خلاف شرارت ہوتی تو قذافی کھل کھلا کر اس کی مذمت کرتے تھے، ان میں ڈنمارک کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کے خاکے ہوں یا سوئٹزرلینڈ کی طرف سے مسجد کے میناروں پر پابندی، قذافی کھل

کر ان کا معاشی بائیکاٹ کرنے کا اعلان کرتے تھے۔ اسی لیے یہ ممالک اب زیادہ متحرک ہیں۔

قذافی کو پاکستان سے بڑی محبت تھی، انہوں نے ذوالفقار علی بھٹو کی دعوت پر لاہور کی اسلامی سربراہی کانفرنس میں شرکت کی اور ایمان افروز تقریر سے اہل پاکستان کے دلوں کو گرمایا، ان کی اسی یاد میں قذافی اسٹیڈیم تعمیر کیا گیا، پاکستان کے سینکڑوں والدین نے اپنے بچوں کے نام قذافی رکھے، پاکستان کے شہروں میں کاروباری مارکیٹوں کے نام قذافی رکھے گئے، ایٹم بم بنانے کے لیے انہوں نے مالی تعاون کیا، جب امریکی ایماء پر بھٹو کو پھانسی ہونے لگی تو قذافی نے ضیاء الحق کی منت سماجت کی کہ انہیں چھوڑ دیا جائے مگر ضیاء الحق کو ذرا ترس نہ آیا، قذافی نے سپیشل جہاز بھیجا جو پانچ دن تک ہوائی اڈے پہ کھڑا رہا، مگر اُسے خالی جانا پڑا، قذافی نے کشمیر کی حمایت اور آزادی کے لیے پاکستان کو امداد دینے کا فیصلہ کیا، کشمیر اور پاکستان میں زلزلہ آیا تو ایسے لگ رہا تھا جیسے سارا لیبیا یہاں تعمیر و آبادکاری میں مصروف ہے، قذافی فاؤنڈیشن نے ناقابل فراموش کردار ادا کیا۔ لوگوں کو سر چھپانے کے لیے مکان تعمیر کرکے دیئے، کھانے کے لیے خوراک و غذا مہیا کی گئی، پہننے کے لیے لباس، غرضیکہ انہیں اشیائے ضرورت مہیا کرنے میں ذرا دریغ نہیں کیا گیا۔

قذافی نے اسرائیل کے مقابلے میں فلسطینی مسلمانوں کا ساتھ دیا، انہیں مال کی ضرورت تھی قذافی نے مال دیا، انہیں اسلحہ کی ضرورت تھی قذافی نے اسلحہ دیا، انہیں افرادی قوت کی ضرورت تھی قذافی نے لیبیا سے مجاہدین روانہ کیے۔ یہی ان کے کچھ کارنامے تھے جن کی وجہ سے وہ مسلمانوں کی آنکھ کا تارہ تھے، مگر افسوس کہ اردو اخبار نویسوں، انگریزی اور عربی اخباری کالم نگاروں کو یہ کارنامے کچھ نہیں دکھائی دے رہے، بس سب نے ایک ہی رٹ لگا رکھی ہے کہ وہ ظلم ڈھاتا تھا، مگر انصاف سے ترازو تولا جائے، دنیا کے کون سے مسلم ملک کے حکمران اپنے مخالفین کو صفحہ ہستی سے نہیں مٹاتے رہے۔ میں کئی بار خود لیبیا گیا ہوں، وہاں کی کانفرنسوں میں شرکت کی ہے، لیبیائی لوگوں سے ملاقاتیں کی ہیں، ان کے حال احوال دریافت کیے ہیں، ہر شخص خوشحال تھا، مالی مسائل کا شکار نہیں تھا، مہنگائی کے بوجھ تلے دبا ہوا نہیں تھا، رشوت ستانی، چوری، ڈکیتی، غصب اور دیگر جرائم کا نام و نشان نہیں تھا، ہر طرف امن و شانتی کی خوشگوار ہواؤں کے جھونکے چل رہے تھے، تعمیر و ترقی کا ایک نیا دور شروع ہو چکا تھا، بیرونی ممالک کے لوگ کام کاج کے لیے یہاں آنا شروع ہو گئے تھے، نہ صرف اندرون لیبیا بلکہ بیرون میں بھی قذافی نے بے شمار رفاہی ادارے قائم کر رکھے تھے، افریقہ کے تپتے صحراؤں اور ریگزاروں پہ قرآنی مکاتب قائم کیے، معلّمین کی تنخواہیں جاری کیں، دنیا بھر میں پیغام اسلام

عام کرنے کے لیے ایک تنظیم قائم کی جس کے ساتھ ہزاروں لوگ وابستہ تھے، قرآن حکیم دنیا کی ہر زبان میں ترجمہ کرکے تقسیم کیے، اسلامی کتب کی اشاعت کے لیے ادارے بنائے، عربی زبان کو دنیا بھر میں عام کرنے کی کوشش کی۔

فروری 2011ء میں مطلق العنان حکمرانوں کے خلاف آندھیاں اور طوفان تونس سے اٹھے، زین العابدین کی حکومت کا دھڑن تختہ کیا اور یہ خوفناک آندھی مصر پہنچی، سترہ دن کے خون آشام مظاہروں کے بعد حسنی مبارک کی حکومت کی چولیں ہل گئیں، پھر اس آندھی نے لیبیا کا رخ کیا، بار بار ایک آواز آتی تھی کہ قذافی اقتدار چھوڑ دیں، قذافی نے اعلان کیا کہ میں انقلابی لیڈر ہوں، حکمران نہیں ہوں، امریکہ، فرانس، جرمنی، اٹلی نے بھی اس شر انگیز آواز میں آواز ملانا شروع کر دی، اسلامی ممالک میں قطر اور متحدہ عرب امارات نے کھل کر اس شیطانی قافلے میں شمولیت اختیار کر لی، مغربی دنیا نے بن غازی کے لوگوں کو اکسانا، بھڑکانا اور اٹھانا شروع کیا، قذافی نے انہیں سمجھایا کہ مغربی لوگوں کے جال میں آکر اپنے ملک کو آگ میں دھکیلنے کی کوشش نہ کی جائے، مذاکرات کا راستہ اختیار کیا جائے، شاید یہ پہلا موقع تھا کہ قذافی نے ان لوگوں کو مذاکرات کا راستہ اختیار کرنے کو کہا، مگر باغی اور ان کے راہنما کٹھ پتلی، امریکی مہرے اب اس کو اپنی انا کا مسئلہ سمجھنے لگے، انہوں نے اعلان کیا کہ ہم قذافی سے مذاکرات نہیں کریں گے، ہمیں قذافی کی بے

دخلی چاہیے۔ مگر قذافی ان امریکی مہروں کے سامنے کب اقتدار چھوڑ سکتے تھے، جب امریکہ کے تمام داؤ پیچ خطا گئے تو اس نے اپنی لونڈی اور خادمہ اقوام متحدہ سے فضائی حملے کرنے اور قذافی افواج کے فضائی حملے روکنے کی قرارداد منظور کروالی، جس کی مسلم دشمن ادارے نے فوری منظوری دے دی، یہ قرارداد منظور ہوتے ہی نیٹو افواج نے لیبیا پر بمباری شروع کر دی، لیبیائی افواج کی چھاؤنیاں، اسلحہ خانے تباہ کر دیئے گئے، ذرائع مواصلات کو تہس نہس کر دیا گیا، باب العزیز پہ بمباری کی گئی جہاں قذافی کے بیٹے اور پوتے پوتیاں شہید ہو گئے، ان انسانیت سوز کارروائیوں پر قذافی نے پالیسی بیان جاری کیا کہ میں ملک دشمنوں کا مقابلہ کروں گا، وطن چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا، شہادت کی موت مروں گا، میرے آباؤ اجداد نے ملک کی خاطر جانیں دیں میں بھی ملک کی خاطر جان دوں گا، چنانچہ عہدوپیمان کو نبھاتے ہوئے قذافی، اس کی افواج اور وفادار ولیے مارچ سے لے کر 20 اکتوبر 2011 تک مسلسل سات ماہ تک ان حملوں کا مقابلہ کیا، 19 اگست کے اواخر میں باغی سمندری راستے سے طرابلس پہ قابض ہو گئے تھے، یوں سقوط طرابلس ہوا، اس کے بعد دو ماہ تک قذافی اور ان کے وفادار مختلف محاذوں پہ جوابی کارروائی کرتے رہے، بالآخر سرت کے محاذ پہ وہ کئی باغیوں کو اپنے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد لیلائے شہادت کو گلے لگانے میں کامیاب ہو گئے۔

تیرے لہو سے بڑھ گئی صحرا کی آبرو

ذہنوں میں نقش ہو گیا ہے تیرا سُرخ رُو
دنیا میں تیرا عزم ہے موضوع گفتگو
خاک وطن سے عہد نبھا کر گیا ہے تو۔قذافی اس شعر کے حقیقی مصداق بن گئے:
جفا کی تیغ سے گردن وفا شعاروں کی،
کٹی ہے۔بر سر میدان مگر جھکی تو نہیں

قذافی کی شہادت پر استعمار کے نمک خوار باغیوں نے جشن منایا، مٹھائیاں تقسیم کیں، بھنگڑے ڈالے اور ڈھول کی تھاپ پر رقص کیا، مغربی ممالک میں امریکہ، برطانیہ، جرمنی، فرانس اور اٹلی سمیت دیگر ممالک نے مسرّت کا اظہار کیا، عبوری کونسل کے راہنماؤں کو اس فتح عظیم پر مبارکبادیں دیں، 30 لاکھ بیرل تیل روزانہ نکالنے کی بات بھی کی، قذافی کا نام لے کر مغربی حکمران عرب ممالک کو خبردار کر رہے ہیں کہ اب ان کی شاہی کے تار پود بھی بکھرنے والے ہیں، ایک طرف دنیائے کفر میں شادیانے دوسری طرف مسلم ممالک کے حکمران کتنے انجانے بنے ہوئے ہیں جیسے کچھ ہوا ہی نہیں ہے، کچھ سجھائی اور سُجھائی ہی نہیں دے رہا کہ ان دس سالوں میں امارت اسلامیہ افغانستان کو ملیا میٹ کیا گیا، صدام حسین کے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی، قربانی کی عید والے دن مسلم ملک کے سربراہ کو پھانسی دے دی گئی، ۲ مئی ۲۰۱۱ء کو

مسلم امہ کے ہیرو و مجاہد اسامہ بن لادن کو شہید کرکے اس کی لاش غائب کر دی گئی،
سب سے بڑے مسلم ملک انڈونیشیا میں عیسائی ملک جنم دیا گیا، اسلامی ملک سوڈان کو دو
ٹکڑوں میں تقسیم کرکے ایک ٹکڑا عیسائیوں کے حوالے کر دیا گیا.... کوئی مسلم حکمران،
سربراہ مملکت، تاجدار تخت شاہی کی زبان حرکت نہیں کرتی، اس ظلم پہ احتجاج
نہیں کرتی، یہاں نصرت بھٹو کے مرنے پہ دس دن کا سوگ منایا جا رہا ہے مگر امت
مسلمہ کی آبرو و عظمت لٹنے پر کوئی سوگ، کوئی افسوس، کوئی دکھ، کوئی تعزیت کرنے
والا نہیں ہے۔

حج بیت اللہ اور عشرہ ذوالحجہ کے دیگر اعمال

ہر سال دنیاکے طول وعرض سے لاکھوں فرزندان توحید حج کی سعادت حاصل کرنے کے لئے مکہ مکرمہ میں جمع ہوتے ہیں۔ حج بیت اللہ جہاں بہت سے سیاسی، تمدنی، مادی اور روحانی فوائد کا جامع ہے، وہیں اسکا بہت بڑا فائدہ وحدت امت کا عملی اظہار ہے۔اسی موقع پر اسلامی اتحاد واتفاق اور اخوت ومساوات کا عملی مظاہرہ ہوتا ہے اور یہی حج اس اخوت ومحبت کو برقرار رکھنے کا بھی ذریعہ ہے۔ کیونکہ دنیاکے گوشے گوشے سے مختلف رنگ، نسل، زبان اور علاقے کے لوگ ایک ہی جگہ، ایک ہی وقت اور ایک جیسا لباس زیب تن کرکے لبیک اللھم لبیک کی پر کیف صدائیں بلند کرتے ہوئے ایک جیسے اعمال اور افعال بجالاتے ہیں، جس سے اسلامی اتحاد واخوت کو تقویت ملتی ہے۔ اور اس بات کا اظہار ہوتا کہ مسلمان رنگ وخون کی تفریق سے بالاتر ہیں، اور بقول اقبال۔۔۔۔۔۔

بتان رنگ وخون کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا

نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی، نہ افغانی

کی عملی تصویر بن کر اپنے رب کے سامنے حاضر و موجود ہیں۔ گویا حج ہر سال مختلف ممالک سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں کے جغرافیائی، نسلی، لسانی اور سیاسی اختلافات کو مٹا کر انہیں ہماگیر انسانی وحدت کا روپ عطا کرتا ہے۔

خدا کی شان دیکھئے کہ دولت وثروت کی بنیاد پر انسانیت کی تقسیم کی بیخ کنی کرتے ہوئے اس موقع پر امیر وغریب، شاہ وگدا کو ایک ہی رنگ میں رنگ دیا جاتا ہے۔ جو اس بات کا کہ بندہ وصاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے

تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

کا عملی اعلان ہوتا ہے۔

اسی طرح حج مسلم امہ کو ایک ہی پلیٹ فارم پر جمع کرنے میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ اور یہ انہیں بزبان حال یہ پیغام دیتا ہے کہ

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے

نیل کے ساحل سے لیکر تابخاک کاشغر

جسکے اندر یہ بنیادی فلسفہ پنہاں ہے کہ مسلم امہ غیر مسلم طاغوتی قوتوں کی اقتصادی لوٹ کھسوٹ، سیاسی رقابتوں اور ریشہ دوانیوں اور فکری غلامی سے محفوظ رہنے لے لئے ایک لڑی میں پرویا جائے تاکہ مسلمان دنیا میں حقیقی امن قائم کرنے کے قابل ہو سکیں۔ اس تناظر میں حج کا یہ عظیم الشان اجتماع اسلامی بلاک (جسکی تشکیل ہی مسلمان سیاسی، فنی، عملی، تہذیبی اور سماجی میدان میں ترقی کی ضامن ہے) کی تشکیل، عرب وعجم کے اختلافات کو مٹانے اور انہیں

کھوئی ہوئی عظمت رفتہ ، اور سرفرازی عطا کرنے کے لئے حیرت انگیز انقلاب پیدا کر سکتا ہے۔الغرض حج حقیقی معنوں میں تمام ظاہری امتیازات اور گونا گوں فروعی ، لسانی اور علاقائی اختلافات کا قلع قمع کرکے مسلمانوں کے اندر عاجزی ، سادگی ، خدا پرستی ، خوف الٰہی ، انسان دوستی ، اخوت مساوات اور ملی وحدت کا زبردست جذبہ پیدا کرتا ہے۔یہی جذبہ آج کے دور کا تقاضا بھی ہے اور انسانیت اور بالخصوص امت مسلمہ کے دکھوں کا مداوہ ہونے کے ساتھ ساتھ دنیا میں امن و سلامتی کا ضامن بھی ہے۔

:اب آیئے !ذرا عشرہ ذوالحجہ کے اعمال پر ایک نظر ڈالتے ہیں

: فضائل عشرہ ذوالحج

آپ عشرہ ذوالحج کے ایام مبارکہ سایہ فگن ہو چکے ہیں۔ان میں اعمال کی بہت ہی زیادہ فضیلت ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے : " ایسے کوئی دن نہیں جن میں کیا گیا عمل اللہ کو ان دنوں میں عمل سے زیادہ محبوب ہو "۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا : " اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ! اللہ کی راہ میں جہاد بھی نہیں ؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : " اللہ کی راہ میں جہاد بھی نہیں۔ سوائے اس آدمی کے جو اپنا مال لیکر اور ہتھیلی پر جان رکھ کر میدان جہاد میں جا اترا اور ان دونوں میں سے

(کوئی ایک چیز بھی واپس نہ لایا"۔ (بخاری

: اعمال عشرہ ذوالحج

ان دنوں میں بکثرت تکبیریں کہیں اللہ کی حمد و ثنا بیان کریں، قرآن کریم کی تلاوت کریں، صلہ رحمی اور صدقہ و خیرات کریں، اپنے والدین سے صلہ رحمی اور نیکی و حسن سلوک کریں، لوگوں کی مشکلات حل کرنے میں ان کی مدد کریں ان کی ضروریات کو پورا کریں اور ہر قسم کی عبادت واطاعت کو سرانجام دیں۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کہتے ہیں: " عشرہ ذوالحج کے دن ماہ رمضان کے آخری عشرہ کے دنوں سے افضل ہیں اور ماہ رمضان کے آخر عشرہ کی راتیں اس عشرہ ذوالحج کی راتوں سے افضل ہیں"۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس عشرہ میں لوگوں کے مابین تکبیر کی سنت کو زندہ کیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہما عشرہ ذوالحج میں بازار میں نکلتے اور (بآواوبلند) تکبیریں کہتے اور لوگ بھی ان دونوں کی دیکھا دیکھی تکبیریں (کہنا شروع کر دیتے تھے" (بخاری

: قربانیاں

اس عشرہ ذوالحج میں خیر و نیکی کے مواقع یکے بعد دیگرے چلے آتے ہیں۔ عید

الاضحیٰ کے دن اور اس کے بعد والے ایام تشریق کے تین دنوں میں قربانی کے جانوروں کو ذبح کرنے کی نیکی ہے۔ حدیث میں ہے :" نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو خوبصورت اور سینگوں والے (موٹے تازے) مینڈھے قربانی دی ان پر آپ ﷺ نے بسم اللہ اکبر (تکبیر) پڑھی اور انہیں اپنے دست مبارک سے ذبح کر دیا"۔ (متفق علیہ)

: افضل قربانی

افضل قربانی وہ ہے جو زیادہ قیمتی ہو اور گھر والوں کے نزدیک زیادہ نفیس ہو۔ قربانی میں ایک بکری ایک شخص اور اس کے تمام گھو والوں کی طرف سے کفایت کر جاتی ہے۔ اور جو قربانی کرنا چاہے اس کے لیے ناجائز ہے کہ وہ ذوالحج کا چاند طلوع ہو جانے سے لیکر اپنے جانور کو ذبح کرنے تک اپنے ناخن بال یا جلد و چمڑے میں سے کچھ کاٹے۔ خوش دلی سے قربانی دیں اور اس کا گوشت خود بھی کھائیں دوسروں کو بھی کھلائیں اور صدقہ بھی کریں اور اپنے صدقات و خیرات کے لیے اپنے فقرا کو تلاش کر لیا کریں کیونکہ ان میں سے کوئی آپ کا قرابت دار و عزیز ہو گا اور کوئی ہمسایہ۔

: یوم عرفہ کا روزہ

اپنی عیدوں کو ہر اس فعل سے پاک رکھیں جو کہ اللہ تعالیٰ کو غضبناک کرنے

والا ہے۔ حجاج کے ساتھ ان کی دعاؤں تہلیل (لا الہ الا اللہ) اور تکبیروں میں شامل ھو جاؤں جو شخص اپنے ہی گھر میں رہے اور حجاج اس سے سبقت لے جائیں اور مشاعر مقدسہ میں جا پہنچیں تو ایسے لوگوں کے لیے یہ سنت ہے کہ وہ یوم عرفہ کا روزہ رکھیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "یوم عرفہ کا روزہ مجھے اللہ سے امید ہے کہ آئندہ و گزشتہ دو سالوں کے گناھوں کو مٹا دیتا ہے"۔ (صحیح مسلم)

لہذا موقع ہاتھ سے نکل جانے سے پہلے پہلے اسے غنیمت سمجھیں۔ یہ زندگی غنیمت ہی ہے۔ اس کے دن بہت تھوڑے ہیں اور عمریں بہت ہی چھوٹی چھوٹی ہیں۔ اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو حج بیت اللہ کے اس پیغام وحدت کو کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے، اور امت کو اس کی کھوئی ہوئی عظمت رفتہ کو بحال کرنے کے قابل بنا دے۔ آمین

قربانی کرنے سے پہلے

قربانی کی شرعی حیثیت: ☆قربانی ایک اہم عبادت اور شعائر اسلام میں سے ہے ۔زمانہ جاہلیت میں بھی اس کو عبادت سمجھا جاتا تھا۔اور لوگ بتوں کے نام پر قربانی کرتے تھے۔اسی طرح آج بھی دوسرے مذاہب میں قربانی مذہبی رسم کے طور پر ادا کی جاتی ہے۔مشرکین بتوں کے نام پر اور عیسائی مسیح کے نام پر قربانی کرتے ہیں۔سورہ کوثر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: "پس آپ نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے اپنے پروردگار کے لئے "یعنی جس طرح نماز اللہ کے علاوہ کسی اور کے لئے نہیں ہوسکتی اسی طرح قربانی بھی اس کے علاوہ کسی کے لئے نہیں ہوسکتی۔
☆نیز ارشاد ربانی ہے: "ان صلاتی ونسکی ومحیایی ومماتی للہ رب العالمین "یعنی "میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور مرنا اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنہار ہے"۔
☆حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "قربانی کے دن میں آدمی کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربانی کرنے سے زیادہ پیارا نہیں۔اور قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں اور کھروں کے ساتھ حاضر ہوگا (ان سب چیزوں کے بدلے ثواب ملے گا) اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے یہاں ایک خاص درجہ

میں پہنچ جاتا ہے۔ سو تم لوگ جی خوش کر کے قربنانی کیا کرو! (زیادہ رقم خرچ ہو جانے پر اپنا دل برامت کرو) (ابن ماجہ وترمذی)"۔

☆حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ نے پوچھا یارسول اللہ! یہ قربانی کیا ہے؟آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ ہے" انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہم کو اس میں کیا ملتا ہے؟آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "ہر بال کے بدلے ایک نیکی"انہوں نے عرض کیا کہ اگر اُون (والا جانور بھیڑ، دنبہ) ہو؟آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: "ہر اون کے بدلہ میں بھی ایک نیکی"۔ (حاکم)

☆حنش سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ دو دنبے قربانی کے لئے لائے اور فرمایا ان میں سے ایک میری طرف سے ہے اور دوسرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ہے۔ میں نے ان سے (اس کے متعلق) گفتگو کی۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ (میں اس کو کبھی نہ چھوڑوں۔ (ابوداؤد، ترمذی)

☆حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: "اپنی قربانیوں کو خوب (کھلا پلا کر) قوی کرو! کیونکہ وہ پل صراط (پر تمہاری سواریاں ہونگی"۔ (کنزالعمال)

☆حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جو شخص قربانی میں ثواب کی نیت رکھتا ہو وہ قربانی اس شخص کے لئے دوزخ سے آڑ ہو جائیگی"۔

قربانی کب کس پر واجب ہوتی ہے؟

☆قربانی ہر اس مسلمان، عاقل، بالغ اور مقیم پر واجب ہے جس کی ملکیت میں ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کے مساوی مال اس کی ضروری حاجات سے زائد موجود ہو۔ البتہ اگر بچہ، پاگل یا مسافر صاحب نصاب بھی ہوں تو ان پر قربانی واجب نہیں۔ نیز قربانی صاحب نصاب پر زکوۃ کی طرح ہر سال واجب ہوتی ہے۔ قربانی کے واجب ہونے کے لئے نصاب پر سال گزرنا بھی ضروری نہیں۔ بلکہ اگر عید کے دن اس کے پاس اتنے پیسے آ جائیں کہ جن سے قربانی واجب ہوتی ہے تو اس شخص کے لئے قربانی کرنا واجب اور ضروری ہے۔

قربانی نہ کرنے والے کے لئے وعید: ☆حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا: "جو صاحب نصاب ہوتے ہوئے قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے"۔

عشرہ ذوالحجہ میں کرنے کے کام: ☆ذوالحجہ کے پہلے دس دن بڑی فضیلت اور شان والے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا: "اللہ تعالٰی کی عبادت کے لئے عشرہ ذوالحجہ سے بہتر کوئی زمانہ نہیں۔ ان ایام میں ایک دن کا روزہ سال بھر کے روزوں کے برابر ثواب رکھتا ہے۔ اور ان دس دنوں کی راتوں میں سے ایک رات کی عبادت شب قدر کی عبادت کے برابر ثواب رکھتی ہے"۔

☆حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا: "جس شخص نے یوم عرفہ (نویں ذوالحجہ) کا روزہ رکھا اس گزشتہ اور آئندہ سال کے گناہ معاف ہو جاتے

ہیں "۔ لہٰذا ان بابرکت گھڑیوں فائدہ حاصل کرنے کے لئے چار کام ضرور کرنے چاہئیں
ا۔ ذوالحجہ کی یکم سے نویں تاریخ تک روزے اور دسویں تک راتوں کو جاگ کر عبادت کرنا۔

۲۔ ذوالحجہ کی نویں تاریخ کی فجر سے تیرہویں ذوالحجہ کی عصر تک ہر نماز کے بعد باآواز بلند ایک مرتبہ تکبیر تشریق کا پڑھنا مرد، عورت، مسافر۔ مقیم، جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والے اور اکیلے نماز پڑھنے والے سب پر واجب ہے۔ البتہ عورت آہستہ آواز سے اور مرد بلند آواز سے پڑھے۔

ایک غلطی کی اصلاح: ☆ بعض لوگ بہت اونچی آواز سے تکبیر تشریق پڑھتے ہیں اور بعض پڑھتے ہی نہیں یا بالکل آہستہ پڑھتے ہیں یا پڑھتے ہوئے ایک مرتبہ کی بجائے کئی مرتبہ پڑھ جاتے ہیں۔ ان سب سے احتراز کرنا چاہئے۔ اور تکبیر تشریق کا ایک مرتبہ مناسب بلند آواز میں پڑھنا واجب ہے۔ تکبیر تشریق یہ ہے: "اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد"

۳۔ نماز عید الاضحیٰ: عید کے دن صبح سویرے اٹھنا، غسل کرنا، مسواک کرنا، نئے یا صاف کپڑے پہننا، خوشبو لگانا، عید کی نماز سے پہلے کچھ نہ کھانا، عید پڑھنے کے لئے جاتے ہوئے راستہ میں تکبیر تشریق بلند آواز میں کہنا مسنون ہے۔ نیز نماز عید کے لئے آتے جاتے وقت راستہ بدلنا بھی سنت ہے۔

۴۔ قربانی کرنا۔

قربانی کرنے والے کے لئے مستحب عمل: (۱) قربانی کو خوب کھلاپلا کر موٹا کرنا چاہئے (۲ قربانی کرنے والاآدمی یکم سے قربانی والے دن تک ناخن اور بال نہ بنوائے (۳) یکم سے نویں تک دن کو روزے رکھے اور رات کو عبادت کرے۔ یہ سب مستحب کام ہیں ضروری نہیں۔

ضروری تنبیہ:

۱۔ بعض دفعہ ایک گھر میں کئی لوگ صاحب نصاب ہوتے ہیں۔ مگر وہ ایک کی طرف سے قربانی کو سب کی طرف سے کافی سمجھتے ہیں۔ مثلاایسے ہوتا ہے کہ ایک سال اپنی طرف سے قربانی کردی، ایک سال بیوی کی طرف سے ،ایک سال لڑکے اورایک سال لڑکی کی طرف سے قربانی کردی۔ یہ بات ذہن نشین کرلینی چاہئے کہ گھرکے اندر جتنے لوگ صاحب نصاب ہونگے۔ ہرایک کا اپنی طرف سے ہر سال قربانی ضروری ہے۔ مثلامیاں بیوی دونوں صاحب نصاب ہیں تو دونوں کا اپنے اپنے حصہ کی قربانی کرنالازم ہے۔

۲۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ زندگی میں ایک مرتبہ قربانی کردیناکافی ہے۔ یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ جس طرح زکوۃ اور صدقہ فطر ہر سال واجب ہوتاہے۔ اسی طرح ہر صاحب نصاب پر ہر سال قربانی کرناواجب ہے۔

۳۔ نیز بعض لوگ قربانی کے جانور میں بے سوچ سمجھے ہرایک کا حصہ ڈال لیتے ہیں۔ یادرہے کہ اگر سات حصہ داروں میں سے ایک حصہ دار بھی بے دین ہویااس کاعقیدہ ٹھیک نہ ہویا محض گوشت کی نیت سے قربانی کی یااس کی کل آمدن حرام کی

ہو تو تمام حصہ داروں کی قربانی برباد ہو جائیگی۔اس لئے حصہ ڈالتے وقت حصہ داروں کا انتخاب بڑی احتیاط سے کرنا چاہئے۔

یاد رکھئے !!! بعض لوگ اپنی قربانی کے جانور میں بطور حصہ دار اہل شرک وبدعت منکرین ختم نبوت، دشمنان اصحاب رسول، قادیانی وروافض کو شریک کرتے ہیں۔علماء کرام کے متفقہ فیصلہ کے مطابق یہ قربانی ضائع ہو جاتی ہے۔اس لئے انتہائی زیادہ احتیاط کی جائے کہ ایسے عقائد والے لوگوں کو اپنے ساتھ قربانی کے جانور میں شریک نہ کریں۔

قربانی کا وقت: ☆ذوالحجہ کی دسویں تاریخ سے لے کر بارہویں تاریخ تک کی شام (آفتاب غروب ہونے سے پہلے) تک قربانی کا وقت ہے۔ان دنوں میں جب چاہے قربانی کرسکتا ہے۔لیکن پہلا دن افضل ہے۔پھر دوسرا اور پھر تیسرا دن۔

☆جہاں عید کی نماز ہوتی ہے شہروں اور بڑے قصبوں وغیرہ میں وہاں قربانی عید پڑھ کر کرنی چاہئے۔اگر کسی نے عید کی نماز سے پہلے قربانی کردی تو اس کی قربانی نہیں ہوگی۔البتہ ایسے دیہات جہاں پر نماز عید نہیں ہوتی وہاں پر صبح صادق کے بعد قربانی کردینا صحیح ہے۔

☆ تین دن کے بعد قربانی نہیں ہوسکتی۔جو شخص قربانی واجب ہونے کے باوجود ایام قربانی میں قربانی نہ کرسکے ایسے شخص کو توبہ واستغفار کرنی چاہئے۔اور قربانی کے جانور کی قیمت کے برابر مال صدقہ کردینا چاہئے۔قربانی کا ثواب تو نہیں ملے گا۔البتہ کچھ نہ کچھ تلافی ضروری ہو جائیگی۔

قربانی کے

جانور: ☆بکرا، بکری، گائے، بیل، بھینس، بھینسا، اونٹ، اونٹنی، بھیڑ، چھترا، دنبہ اور دنبی کی قربانی جائز ہے۔ان کے علاوہ کسی جانور کی قربانی جائز نہیں۔

وہ جانور جن میں سات حصہ دار شریک ہو سکتے ہیں: ☆گائے، بیل، بھینس، بھینسا، اونٹ اور اونٹنی میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔اس میں شرط یہ ہے کہ سب کی نیت قربانی کی ہو۔نیت کا درست ہونا ضروری ہے۔ نیز تمام کا مسلمان، صحیح العقیدہ ہونا بھی ضروری ہے۔ تمام حصہ داروں کی رقم حلال مال کی ہو۔ان شرائط میں سے ایک شرط بھی نہ پائی گئی یا تمام شرکاء میں سے ایک آدمی میں یہ شرائط نہ پائی گئیں تو تمام کی قربانی ضائع ہو جائیگی۔

قربانی کے جانور کی عمریں: (۱) گئے، بیل، بھینس اور بھینسا کی عمر کم از کم دو سال ہونا ضروری ہے۔ (۲) اونٹ اور اونٹنی کی عمر کم از کم پانچ سال ہونا ضروری ہے۔ (۳) بکرا، بکری، بھیڑ اور دنبہ کی عمر ایک ،ایک سال ہونا ضروری ہے۔ البتہ بھیڑ یا دنبہ اتنے موٹے تازے ہوں کہ عمر میں سال سے کم ہونے کے باوجود اگر انہیں اپنے ہم جنس سال کے جانوروں میں چھوڑ دیا جائے تو فرق محسوس نہ ہو تو ایسے بھیڑ یا دنبہ کی قربانی بھی جائز ہے۔ بشرطیکہ ان کی عمر چھ ماہ سے کم نہ ہو۔

نوٹ: اگر جانور فروخت کرنے والا پوری عمر بتاتا ہے اور ظاہری حالات بھی اس کی تکذیب نہیں کرتے تو اس پر اعتماد کرنا چاہئے۔

جن جانوروں کی قربانی جائز نہیں: (۱) جو جانور بالکل اندھا ہو۔ (۲) جو جانور بالکل

کانا ہو۔ (۳) جس جانور کی ایک تہائی آنکھ یا تہائی سے زیادہ کی روشنی جاتی رہی ہو۔ (۴)
جس جانور کا ایک کان کا تہائی یا تہائی سے زیادہ حصہ کٹ گیا ہو۔ (۵) جس جانور کی دُم تہائی
یا تہائی سے زیادہ کٹ گئی ہو۔ (۶) جو جانور اتنا دبلا پتلا ہو کہ اس کی ہڈیوں گُودا بالکل نہ
ہو۔ (۷) جو جانور اتنا لنگڑا ہو کہ صرف تین پاوٗں سے چلتا ہو۔ (۸) جس جانور کے
دانت بالکل یا اکثر نہ ہوں۔ (۹) جس جانور کے
سینگ بالکل اکھڑ گئے ہوں۔ (۱۰) بکری کا ایک تھن کٹ گیا ہو یا ایک تھن کا دودھ خشک
ہو گیا ہو۔ (۱۱) گائے، بھینس اور اونٹنی کے دو تھن کٹ گئے ہوں یا خراب ہو گئے ہوں۔ (
چوری کا جانور۔ (۱۲

جن جانوروں کی قربانی جائز ہے: (۱) خصی جانور کی قربانی جائز بلکہ افضل ہے۔ (۲) جس
جانور کے پیدائشی سینگ نہ ہوں لیکن جڑ باقی ہو تو قربانی جائز ہے۔ (۳) خارشی ضانور کی
قربانی جائز ہے۔ بشرطیکہ وہ خارش کی وجہ سے بالکل لاغر نہ ہو گیا ہو۔ (۴) دبلے پتلے
جانور کی قربانی جائز ہے۔ البتہ موٹے تازے جانور کی قربانی افضل ہے۔ (۵) جس
جانور کے کچھ دانت گر گئے ہوں لیکن زیادہ باقی ہوں تو ایسے جانور کی قربانی جائز ہے۔ (
ایسا لنگڑا جانور جو تین پاؤں سے چلتا ہو۔ لیکن چوتھا پاؤں بھی زمین پر ٹیک کر اس (۶
کا سہارا لیکر چلتا ہو۔ اس کی قربانی بھی جائز ہے۔ (۷) جس جانور کے کان بالکل ذرا ذرا سے
چھوٹے ہوں اس کی قربانی جائز ہے۔ (۸) خنثی غیر مشکل یعنی وہ جانور جس
یں نر اور مادہ میں سے کسی ایک جنس کی علامتیں غالب ہوں۔ ایسے جانور کی قربانی صحیح
ہے۔ (۹) خنثی مشکل کا اگر گوشت

گل جائے تواس کی قربانی بھی جائز ہے۔ مگر احتیاط ایسے جانور کی قربانی نہ کرنے میں ہے۔

قربانی کا گوشت: ☆بہتر یہ ہے کہ گوشت کے تین حصے کر لئے جائیں: (۱) اپنے گھر والوں کے لئے۔ (۲) اپنے رشتہ داروں کے لئے۔ (۳) فقراء اور مساکین کے لئے۔ اگر سارا گوشت خود رکھ لے وہ بھی جائز ہے۔

قربانی کی کھال: ☆قربانی کی کھال اپنے استعمال میں بھی لائی جاسکتی ہے۔ مثلاً مصلی یا چمڑے کی کوئی چیز بنالینا جائز ہے۔ اگر کھال کو فروخت کر دجائے تواس کی قیمت فقراء میں تقسیم کردینی چاہئے۔ کھال کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے۔ قربانی کی کھال کسی کو اجرت پر نہیں دی جاسکتی۔

قربانی کی کھالوں کا بہترین مصرف: قربانی کی قبولیت میں قربانی کی کھال کا بھی بڑا حصہ ہوتا ہے۔ اگر کھال صحیح اور درست مصرف پر نہ لگے توخطرہ ہے کہ کہیں قربانی کا اجر ضائع ہی نہ ہوجائے۔ یوں توقربانی کی کھال ہر مستحق شخص اور ادارے کو دینا جائز ہے، لیکن اگر صدقہ جارہ ہے کاموں میں دی جائے تواجر بہت بڑھ جاتا ہے۔

ملی مجلس شرعی کے نکات....امید کی موہوم کرن

نوید ہو کہ ملک بھر کی مذہبی و سیاسی جماعتوں کے اہم ترین رہنماؤں نے "ملی مجلس شرعی" کے زیر اہتمام حال ہی میں لاہور میں "اتحادامت کانفرنس" کے موقع پر، ملک میں آئینی طور پر نفاذ شریعت کے لیے 1949ء کی قرارداد مقاصد اور 1951ء کے 22 نکات کی تجدید کرتے ہوئے حالات حاضرہ کے تقاضوں اور ضروریات کے مطابق 15 نئے رہنما اصول بھی مرتب کیے ہیں، جو نفاذ شریعت کے لیے ممدومعاون ثابت ہو سکتے ہیں۔ علمائے کرام نے کہا ہے کہ چونکہ اسلامی تعلیمات کا یہ تقاضا ہے کہ مسلمان اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی قرآن و سنت کے مطابق گزاریں اور پاکستان اسی لیے بنایا گیا تھا کہ یہ اسلام کا قلعہ ثابت ہو، لہٰذا 1951ء میں سارے دینی مکاتب فکر کے معتمد علیہ 31 علماء کرام نے خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحقؒ کی تحریک پر عصرِ حاضر میں ریاست و حکومت کے اسلامی کردار کے حوالے سے جو 22 نکات تیار کیے تھے، ان میں سے اکثر زینت قرطاس بنادیے گئے اور ان پر کوئی عملدرآمد نہیں ہو سکا۔

نفاذ شریعت کے حوالے سے حکومتی تساہل پسندی کا نتیجہ یہ سامنے آیا ہے کہ پاکستان کے شمال مغربی سرحدی قبائلی علاقوں کے بعض عناصر نے مسلح جدوجہد کا آغاز کیا، پاکستان کے دیگر پرامن علاقے بھی اس جنگ کے اثرات سے محفوظ نہیں ہیں۔ تمام مکاتب فکر کے نمائندہ علماء کرام کی یہ کوشش اس مرحلہ

پر اس لیے ناگزیر ہے کہ ان کی اس کوشش سے ہی نہ صرف ان اسباب کی نشاندہی ہوگی جو نفاذ شریعت کی راہمیں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں، بلکہ نفاذ شریعت کے یے متفقہ اصولوں کے ذریعے وہ سمت اور راستہ بھی متعین ہوجائے گا، جس پر چل کر یہ منزل حاصل کی جاسکتی ہے، کیوں کہ دراصل نفاذ شریعت کی منزل کا حصول ہی اس بات کی ضمانت فراہم کرسکتا ہے کہ آئندہ پاکستان کے کسی علاقے سے نفاذ شریعت کے نام پر مسلح جارحیت کا ارتکاب اور حکومتی رٹ کو چیلنج نہ کیا جاسکے۔

ہم یہاں چندچیدہ چیدہ نکات کو "ملی مجلس شرعی"کے اعلامیے سے من وعن نقل کررہے ہیں ،جس سے ان نکات کی افادیت وضرورت نیزدوررسی کااندازہ ہوگا،ملاحظہ فرمایئے:

یہ کہ پاکستان میں شریعت کا نفاذ پرامن جدوجہد کے ذریعے ہونا چاہیے، کیونکہ .... یہی اسلامی تعلیمات اور دستور پاکستان کا مشترکہ تقاضا ہے اور عملاً بھی اس کے امکانات موجود ہیں۔ نیز شریعت کا نفاذ سارے دینی مکاتب فکر کی طرف سے منظور شدہ متفقہ راہنما اصولوں کے مطابق ہونا چاہیے (یہ 15 نکات اس قرارداد کا حصہ ہیں) اور کسی گروہ یا جماعت کو یہ حق نہں کہ وہ اپنا نظریہ سارے معاشرے پر قوت سے ٹھونس دے۔

دستور پاکستان کے قابل نفاذ حصے میں بصراحت یہ لکھا جائے کہ قرآن و سنت ....
مسلمانوں کا سپریم لاء ہے اور اس تصریح سے متصادم قوانین کو منسوخ کردیا جائے۔ یہ دستوری انتظام بھی کیا جائے کہ عدلیہ کی طرف سے دستور کی کوئی ایسی تعبیر معتبر نہ ہوگی، جو کتاب و سنت کے خلاف ہو اور دستور کی کسی بھی شق اور مقنّنہ، عدلیہ اور انتظامیہ کے کسی بھی فیصلے کو کتاب و سنت کے خلاف ہونے کی صورت میں اعلیٰ عدالتوں میں چیلنج کیا جاسکے۔ نیز ان دستوری دفعات کو دستور میں بنیادی اور ناقابل تنسیخ اور عوامی نمائندوں کی اہلیت Aدفعات قرار دیا جائے۔ آئین توڑنے سے متعلق دفعہ 6 سے متعلق دفعات 63,62 کو موثر بنانے اور ان پر عملدرآمد کو یقینی بنایا جائے۔ کسی بھی ریاستی یا حکومتی عہدیدار کی قانون سے بالاتر حیثیت اور استثنٰی پر مبنی دستوری شقوں کا خاتمہ کیا جائے۔

پاکستان کے قانونی ڈھانچے میں پہلے سے موجود اسلامی قوانین پر موثر طریقے سے ....
عمل درآمد کیا جائے اور اسلامی عقوبات کے نفاذ کے ساتھ ساتھ موثر اصلاحی کوششیں بھی کی جائیں۔

اسلامی اصول و اقدار کے مطابق عوام کو بنیادی ضروریات و سہولیات زندگی مثلاً ....
روٹی، کپڑا، مکان، علاج، معالجہ اور تعلیم فراہم کرنے، غربت و جہالت

کے خاتمے اور عوامی مشکلات و مصائب دور کرنے اور عوام کو دنیا میں عزت اور وقار کی زندگی گزارنے کے قابل بنانے کو اوّلین ریاستی ترجیح بنایا جائے۔

موجودہ سیاسی نظام کی اسلامی تعلیمات کے مطابق اصلاح کی جائے، مثلاً عوامی ....

نمایندگی میں سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کی حوصلہ شکنی اور غریب اور متوسط طبقے کی نمایندگی کی حوصلہ افزائی کے لیے ٹھوس عملی اقدامات کیے جائیں۔ نمایندگی کے لیے شرعی شہادت کی اہلیت کو لازمی شرط قرار دیا جائے۔ متناسب نمایندگی کا طریقہ اپنایا جائے۔ علاقائی، نسلی، لسانی اور مسلکی تعصبات کی بنیاد پر قائم ہونے والی سیاسی جماعتوں پر پابندی لگائی جائے اور قومی یکجہتی کے فروغ کے لیے مناسب پالیسیاں اور ادارے بنائے جائیں۔

تعلیمی نظام کی اسلامی تناظر میں اصلاح کے لیے قومی تعلیمی پالیسی اور نصابات کو ....

اسلامی اور قومی سوچ کے فروغ کے لیے تشکیل دیا جائے، جس سے یکساں نظام تعلیم کی حوصلہ افزائی اور طبقاتی نظام تعلیم کا خاتمہ ہو۔ اساتذہ کی نظریاتی تربیت کی جائے اور تعلیمی اداروں کا ماحول بہتر بنایا جائے۔ مخلوط تعلیم ختم کی جائے اور مغربی لباس کی پابندی اور امور تعلیم میں مغرب کی اندھی نقالی کی روش ختم کی جائے۔ تعلیم کا معیار بلند کیا جائے۔ پرائیویٹ تعلیمی اداروں کو قومی نصاب اپنانے کا پابند بنانے اور ان کی نگرانی کا

موثر نظام وضع کرنے کے لیے قانون سازی کی جائے۔ تعمیر سیرت اور کردار سازی کو بنیادی اہمیت دی جائے۔ تعلیم سے ثنویت کا خاتمہ کیا جائے۔ دینی مدارس کے نظام کو مزید موثر و مفید بنانے اور اسے عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لیے ضروری اقدامات کیے جائیں تاکہ بین المسالک ہم آہنگی کو فروغ ملے اور فرقہ واریت میں کمی واقع ہو۔ دینی مدارس کی ڈگریوں کو تسلیم جائے۔ تعلیم کے لیے وافر فنڈز مہیا کیے جائیں۔ ملک میں کم از کم میٹرک تک لازمی مفت تعلیم رائج کی جائے اور چائلڈ لیبر کا خاتمہ کیا جائے۔

ذرائع ابلاغ کی اصلاح کی جائے۔ اسلامی تناظر میں نئی ثقافتی پالیسی وضع کی .... جائے، جس میں فحاشی و عریانی کو فروغ دینے والے مغربی و بھارتی ملحدانہ فکر و تہذیب کے اثرات و رجحانات کو رد کردیا جائے۔ صحافیوں کے لیے ضابطہ اخلاق تیار کیا جائے اور ان کی نظریاتی تربیت کی جائے۔ پرائیویٹ چینلز اور کیبل آپریٹرز کی موثر نگرانی کی جائے۔ اسلام اور پاکستان کے نظریاتی تشخص کے خلاف پروگراموں پر پابندی ہونی چاہیے، بلکہ تعمیری انداز میں عوام کے اخلاق سدھارنے اور انہیں اسلامی تعلیمات پر عمل کی ترغیب دینے والے پروگرام پیش کیے جائیں اور صاف ستھری تفریح مہیا جائے۔

پاکستان کی معیشت کو مضبوط بنانے اور افلاس اور مہنگائی کے خاتمے کے ....

لیے ٹھوس عملی اقدامات کیے جائیں۔ دستور پاکستان کے آرٹیکل 38 میں درج عوام کی معاشی اور معاشرتی فلاح و بہبود کے متعلقہ امور کی تکمیل کے لیے حکومت خود اور نجی شعبے کے اشتراک سے فوری طور پر ٹھوس اقدامات کرے۔ لوٹ مار سے حاصل کردہ اور بیرون ملک بینکوں میں جمع خطیر رقوم کی وطن واپسی کو یقینی بنایا جائے۔

عدلیہ کی بالفعل آزادی کو یقینی بنایا جائے اور اسے انتظامیہ سے الگ کیا جائے۔ ....

اسلامی تناظر میں نظام عدل کی اصلاح کے لیے قانون کی تعلیم، ججوں، وکیلوں، پولیس اور ذیل اسٹاف کے کردار کو اسلامی اصولوں سے ہم آہنگ کرنے کے لیے ضروری اقدامات کیے جائیں۔ انصاف سستا اور فوری ہونا چاہیے۔

امن و امان کی بحالی اور لوگوں کے جان و مال کا تحفظ ریاست کی بنیادی ذمہ داری .... ہے۔ حکومت کو ان مقاصد کے حصول کے لیے ہر ممکن قدم اٹھانا چاہیے۔

خارجہ پالیسی کو متوازن بنایا جائے۔ تمام عالمی طاقتوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات .... رکھے جائیں اور اپنی قومی خودمختاری کا تحفظ کیا جائے۔ اپنے ایٹمی اثاثوں کے تحفظ پر کوئی سمجھوتہ نہ کیا جائے۔ مسلمانان عالم کے رشتہ اخوت واتحاد کو قوی تر کرنے کے لیے او آئی سی کو فعال بنانے میں پاکستان

اپنا کردار ادا کرے۔

افواج میں روح جہاد پیدا کرنے کے لیے سپاہیوں اور افسروں کی دینی تعلیم وتربیت .... کا اہتمام ہونا چاہیے۔ بنیادی فوجی تربیت ہر مسلم نوجوان کے لیے لازمی ہونی چاہیے۔

فوجی افسروں کی اس غرض سے خصوصی تربیت کی جائے کہ ان کا فرض ملک کا دفاع ہے نہ کہ حکومت چلانا۔ بیوروکریٹس کی تربیت بھی اسلامی تناظر میں ہونی چاہیے تاکہ ان کے ذہنوں میں راسخ ہوجائے کہ وہ عوام کے خادم ہیں، حکمران نہیں۔

دفاع اسلام خصوصاً اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات کے ازلے اور مسلمانوں .... وغیر مسلموں تک موثر انداز میں دین پہنچانے کے لیے بھی حکومت پاکستان کو فنڈز مختص کرنے چاہییں اور وسیع الاطراف کوششیں بروئے کار لانی چاہییں۔

علمائے کرام کے یہ نکات اخبارات ورسائل کی زینت بن چکے ہیں، ہم ان کے بغور مطالعے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ بحیثیت مجموعی یہ ایک اچھی کاوش ہے اور اس سلسلے میں دوسری دینی وسیاسی جماعتوں کی قیادت کو بھی اعتماد میں لے کر عملی جدوجہد کا مخلصانہ آغاز کردیا جائے تو بہت مفید ہے، تاہم اس حوالے سے کرتادھرتا کے طور پر محمد خان قادری نوع کی مسترد شخصیات کے سرفہرست ہونے سے یہ

تاثر بھی جنم لے رہا ہے کہ کہیں خاکم بدہن یہ "اپنا قد بڑھانے" کی کوشش نہ ہو۔ بہر حال یہ ایک اچھا آغاز ضرور ہے، جس پر مزید پیش رفت کی جانی چاہیے۔

دانائے راز حکیم الامت مصور پاکستان اقبال

نازاں ہے اس کی ذات پہ خاکِ سیالکوٹ
اس کا کلام زندہ جاوید ہو گیا
ہر زمزمہ نے اس کے لگائی جگر پہ چوٹ
اسلامیوں کی ملک میں ہے دیارِ ہند
مانا کہ اس دیار میں کم ہیں ہمارے

ڈاکٹر سر علامہ محمد اقبال (9 نومبر 1877ء تا 21 اپریل 1938ء) بیسویں صدی کے ایک معروف شاعر، مصنف، قانون دان، سیاستدان، مسلم صوفی اور تحریک پاکستان کی اہم ترین شخصیات میں سے ایک تھے۔ اردو اور فارسی میں شاعری کرتے تھے اور یہی ان کی بنیادی وجہ شہرت ہے۔ شاعری میں بنیادی رجحان تصوف اور احیائے امت اسلام کی طرف تھا۔ "دا ریکنسٹرکشن آف ریلیجس تھاٹ ان اسلام" کے نام سے انگریزی میں ایک نثری کتاب بھی تحریر کی جس کو بعض مسلم ممالک میں متنازع سمجھا جاتا ہے جبکہ سعودی عرب میں اس پر پابندی عائد ہے۔ علامہ اقبال کو دور جدید کا صوفی سمجھا جاتا ہے۔ بحیثیت سیاستدان ان کا سب سے نمایاں کارنامہ نظریہ پاکستان کی تشکیل ہے جو انہوں نے 1930ء میں الہ آباد

میں مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے پیش کیا تھا۔ یہی نظریہ بعد میں پاکستان کے قیام کی بنیاد بنا۔ اسی وجہ علامہ اقبال کو پاکستان کا نظریاتی باپ سمجھا جاتا ہے۔ گو کہ انہوں نے اس نئے ملک کے قیام کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا لیکن انہیں پاکستان کے قومی شاعر کی حیثیت حاصل ہے۔

ولادت و ابتدائی زندگی: علامہ اقبال 9 نومبر 1877ء (بمطابق 3 ذیلقعد 1294ھ) کو .برطانوی ہندوستان کے شہر سیالکوٹ میں شیخ نور محمد کے گھر پیدا ہوئے۔ ماں باپ نے نام محمد اقبال رکھا۔

تعلیم: علامہ نے ابتدائی تعلیم سیالکوٹ میں ہی حاصل کی اور مشن ہائی سکول سے میٹرک اور مرے کالج سیالکوٹ سے ایف اے کا امتحان پاس کیے۔ زمانہ طالبعلمی میں انھیں میر حسن جیسے استاد ملے جنھوں نے آپ کی صلاحیتوں کو بھانپ لیا۔ اور ان کے اوصاف خیالات کے مطابق آپ کی صحیح رہنمائی کی۔ شعر و شاعری کا شوق بھی آپ کو یہیں پیدا ہوا۔ اور اس شوق کو فروغ دینے میں مولوی میر حسن کا بڑا دخل تھا۔ ایف اے کرنے کے بعد آپ اعلیٰ تعلیم کے لیے لاہور چلے گئے اور گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے اور ایم اے کے امتحانات پاس کیے یہاں آپ کو پروفیسر آرنلڈ جیسے فاضل شفیق استاد مل گئے جنھوں نے اپنے شاگرد کی رہنمائی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ 1905 میں علامہ اقبال اعلیٰ تعلیم کے

لیے انگلستان چلے گئے اور کیمبرج یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا اور پروفیسر براؤن جیسے فاضل اساتذہ سے رہنمائی حاصل کی۔ بعد میں آپ جرمنی چلے گئے جہاں میونخ یونیورسٹی سے آپ نے فلسفہ میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

تدریس اور وکالت: ابتداء میں آپ نے ایم اے کرنے کے بعد اورینٹل کالج لاہور میں تدریس کے فرائض سرانجام دیے لیکن آپ نے بیرسٹری کو مستقل طور پر اپنایا۔ وکالت کے ساتھ ساتھ آپ شعروشاعری بھی کرتے رہے اور سیاسی تحریکوں میں بھرپور انداز میں حصہ لیا۔ 1922ء میں حکومت کی طرف سے سر کا خطاب ملا۔

سیاست: 1926ء میں آپ پنجاب اسمبلی کے ممبر چنے گئے۔آپ آزادی وطن کے علمبردار تھے۔اور باقاعدہ سیاسی تحریکوں میں حصہ لیتے تھے۔آپ مسلم لیگ میں شامل ہو گئے اور آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے۔آپ کا خطبہ الہٰ آباد 1930ء تارےخی ےحےثےت رکھتا ہے۔اس مےں آپ نے پاکستان کا تصور پےش کیا اور اس بات کا مطالبہ کیا کہ مسلمانوں کا ہندوؤں سے الگ وطن ہونا چاہیۓ۔ یہ دونوں قومیں اکٹھی نہیں رہ سکتی۔1931ء میں آپ نے گول میز کانفرنس میں شرکت کر کے مسلمانوں کی نمائندگی کی جب محمد علی جناح ہندوستان سے چلے گئے تو انکوں خط لکھا کہ مسلمانوں کو آپکی بے حد ضرورت ہے۔آپ ہندوستان واپس تشریف لے آئیں۔ قائد اعظم محمد علی جناح آپ کی اپیل کی وجہ سے واپس لوٹ آئے۔

☆اقبال اور عشق رسول ﷺ: ہر مسلمان کی طرح علامہ اقبال کے دل میں محبت رسول بے حد تھی۔اس رسول ﷺ جس کے بارے میں خود اللہ فرماتے ہیں۔(اے حبیب ﷺ بے شک تو اخلاق کے بلند درجے پر ہے) جن کو نبوت کے پہلے صادق اور امین کے خطاب دئے گئے۔رشک کی بات ہے کہ اقبال کو اس عظیم بندے سے عشق تھا اور اس آفتاب کے نور سے اقبال کی شاعری منور ہے۔ مولانا عبد السلام ندوی لکھتے ہیں۔ڈاکٹر صاحب کی شاعری محبت وطن اور محبت قوم سے شروع ہوتی ہے محبت الٰہی اور محبت رسول پر اس کا خاتمہ ہوتا ہے۔

ڈاکٹر مسلم عزیز درانی لکھتے ہیں کہ: حکیم الامت علامہ محمد اقبال ایک عظیم شاعر تھے۔ ان کی ولولہ انگیز شاعری نے ہندوستان کے محو خواب مسلمانوں کو جھنجھوڑ کر بیدار کر دیا۔ ان کا فکر انگیز کلام پاک و ہند کے مسلمانوں کا ہی نہیں، پوری ملت اسلامیہ کا درخشاں سرمایہ ہے۔ انہوں نے قرآن و حدیث اور تاریخ اسلام کے ساتھ علوم حاضرہ اور یورپی مزاج و معاشرہ کا بھی گہرا مطالعہ کیا تھا۔ ان کی نگاہ مذاہب عالم کے بطون تک اتری ہوئی تھی۔ وہ اسلام کی عظمت و رفعت کے قائل تھے۔ اور اول و آخر سچے مسلمان اور عاشق رسول تھے۔

شاعری: شاعر مشرق علامہ اقبال حساس دل و دماغ کے مالک تھے آپ کی شاعری زندہ

شاعری ہے۔جو ہمیشہ مسلمانوں کے لئے مشعلِ راہ بنی رہے گی یہی وجہ ہے کہ کلام اقبال دنیا کے ہر حصے میں پڑھا جاتا ہے۔اور مسلمانان عالم اسے بڑی عقیدت کے ساتھ زیر مطالعہ رکھتے ہیں اوراس فلسفے کو سمجھتے ہیں۔اقبال نے نئی نسل میں انقلابی روح پھونکی اور اسلامی عظمت کو اجاگر کیا ان کی کئی کتب کے انگریزی، جرمنی، فرانسیسی، چینی، جاپانی اور دیگر زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں بیرونی ممالک میں علامہ اقبال ایک عظیم مفکر مانے جاتے ہیں۔

اپریل 1937ء کو علامہ اقبال نے لاہور میں رحلت فرمائی۔ہم اپنے مضمون کا اختتام علامہ سید سلیمان ندوی ایک تعزیتی مضمون پر کرتے ہیں،علامہ ندوی نے لکھا: ڈاکٹر اقبال، ہندوستان کی آبرو، مشرق کی عزت اور اسلام کا فخر تھا۔آج دنیا اس ساری عزتوں سے محروم ہو گئی۔ایسا عارف، فلسفی اور عاشق رسول شاعر، فلسفہ اسلام کا ترجمان، اور کاروان ملت کا حدی خوان صدیوں کے بعد پیدا ہوا تھا۔اور شاید صدیوں کے بعد پیدا ہو، اس کے ذہن کا ہر ترانہ بانگ درا، اس کی جاں حزین کی ہر آواز زبور عجم اس کے دل کی ہر فریاد پیام مشرق، اس کے شعر کا ہر پرواز بال جبریل تھا۔اس کی فانی عمر ختم ہو گئی، لیکن اس کی زندگی کا ہر کارنامہ جاوید نامہ بن کر انشاءاللہ باقی رہے گا۔مرحوم کی زندگی ہر لمحہ ملت کی زندگی کے لئے ایک نیا پیام لایا تھا۔وہ

توحید خالص کا پرستار، دین کامل کا علمبردار، اور تجدید ملت کا طلبگار تھا اس کے رونگٹے رونگٹے میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق پیوست تھا۔ اس کی آنکھیں جسم اسلام کے ہر ناسور پر اشک بار رہتی تھیں اس نے مستقبل اسلام کا ایک خواب دیکھا تھا۔ اسی خواب کی تعبیر میں اس کی ساری عمر ختم ہو گئی۔ اقبال ہندوستان کا فخر اقبال، اسلامی دنیا کا ہیرو اقبال، فضل و کمال کا پیکر اقبال، حکمت و معرفت کا دانا اقبال، کاروان ملت کا راہنما اقبال، رخصت رخصت الوداع، الوداع۔ سلام اللہ علیک ورحمتہ الی یوم التلاق۔

آشرم کے مالک کی بیٹی اسلام کے دامن میں

وہ 20 اپریل 1985ء میں ہندوستان کے شہر رشی کیش میں پیدا ہوئی جو شرک و بت پرستی کا سب سے بڑا مرکز سمجھا جاتا ہے، اس نے جس گھر میں آنکھ کھولی، اس کے سربراہ یعنی اس کے والد ایک بہت بڑے پنڈت اور ہندو سادھوؤں کے ایک بڑے مرکز (آشرم) کے مالک و منتظم تھے۔ اس کا بچپن، لڑکپن اور جوانی کے ابتدائی دن اسی ماحول میں بسر ہوئے اور اس نے اسکول و کالج کی تعلیم کے مراحل یہیں رہ کر طے کیے۔ گھر سے لے کر کالج تک اس کا واسطہ ان لوگوں سے اور ایسے ماحول سے تھا، جہاں سوائے شرک و بت پرستی کے کچھ نہ تھا۔ ایسے ماحول میں وہ تو کیا بلکہ کوئی بھی یہ تصور نہیں کر سکتا تھا کہ اس کے قلب و ذہن میں ہدایت و توحید کا خورشید طلوع ہوگا، جس کی کرنیں اس کی کایا پلٹ کر رکھ دیں گی۔ ایک ناز و نعم میں پلی ہوئی، کھاتے پیتے گھرانے کی اعلیٰ تعلیم یافتہ بچی اس قدر عزم و استقلال اور ہمت و عزیمت کا مظاہرہ کرے گی کہ اسلام کے ابتدائی دور کے اہل ایمان کی یادیں تازہ ہو جائیں گی، کسی نے سوچا بھی نہ تھا مگر سبحان تیری قدرت! تو جس سے جو کام لینا چاہے.... کہ تیرے ارادے کا نام وجود ہے اور تیرا فضل کسی حد و سرحد اور رکاوٹ کا پابند نہیں؟!

وہ ایم ایس سی کے پہلے سال میں تھی کہ اس کی زندگی میں ہدایت کی کرن پھوٹنا شروع ہوئی، جس کا سبب یہ ہوا کہ اس کے والد کی زیر نگرانی جو آشرم تھا، اس میں ایک سادھو نے وہاں پوجا کیلئے آنے والی ایک خاتون اور اس کی جوان العمر بیٹی کے ساتھ حیا سوز گھناؤنا کھیل کھیلا۔ یہ بات لمحوں میں مشہور ہو گئی جو بلاشبہ آشرم کیلئے کلنک کا ٹیکا تھی، جب اسے یہ بات معلوم ہوئی تو اس پر اس بات کا غیر معمولی اثر ہوا، اس نے اپنے باپ سے کہا کہ پوجا کے نام پر عزت نیلام کرنے والے مرکز اور اس کے تمام سادھوؤں کو نذر آتش کرنا چاہئے، بلکہ ہم سب کو بھی سزا کے طور پر جل جانا چاہئے کیونکہ یہ سب کچھ ہمارے ادارے میں ہوا ہے۔ اس کو اس روح فرسا واقعے کے بعد آشرم سے نفرت ہو گئی اور اس نے پوجا کیلئے وہاں جانا چھوڑ دیا۔

ایک رات وہ اسی سوچ میں تھی کہ آخر عبادت گاہوں میں بھی عزتیں محفوظ نہیں ہیں تو وہ کون سی جگہ اور دین ہے جہاں حوا کی بیٹی کی عزت و ناموس محفوظ ہو..... کہ اچانک اس کی آنکھ لگ گئی۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ وہ پوجا کے لئے آشرم میں موجود ہے اور دو سادھو اس کے پیچھے لگ گئے ہیں، وہ اسے پکڑنا اور اپنی ہوس کا نشانہ بنانا چاہتے ہیں اور وہ ان سے بھاگ رہی ہے، وہ میلوں دوڑتی رہی اور سادھو بھی بدستور اس کا پیچھا کرتے رہے۔ اس کی ہمت جواب دے رہی تھی اور اس کا خوف یقین میں بدلنے والا تھا۔ قریب تھا کہ وہ پکڑی جاتی کہ اس کی

نظر ایک شخص پر پڑ گئی، جو مسجد کے دروازے پر کھڑے ہیں اور اسے کہہ رہے ہیں کہ بیٹی! مسجد کے اندر آ جاؤ، یہاں تمہیں کوئی نہیں پکڑ سکتا۔ وہ مسجد میں داخل ہو جاتی ہے اور وہ شخص دروازہ بند کرکے اس کی ہمت بندھاتا ہے کہ بیٹی! یہ تمہارا اپنا گھر ہے، مطمئن رہو، یہاں کوئی نہیں آ سکتا۔

اتنے میں اس کی آنکھ کھل گئی، اسے یوں لگا کہ یہ محض خواب نہیں بلکہ حقیقت ہے کیونکہ وہ خود کو ایک انجانے سکون و اطمینان سے سرشار پا رہی تھی۔ اس کا ضمیر اسے بار بار جھنجھوڑ رہا تھا کہ اسے سپنا سمجھ کر طاق نسیاں میں نہ ڈالنا، یہ اگرچہ ایک خواب ہے، مگر ایسا خواب جس پر کئی حقیقتیں قربان کی جا سکتی ہیں۔ ضمیر کی کسک اسے کچھ کرنے پر ابھار رہی تھی کہ اب اس شرک و بت پرستی کے گڑھ سے نکلو، یہاں اندھیرا ہے اور صرف اندھیرا۔ اس پر تین حرف بھیجو اور روشنی میں آؤ، ایسی روشنی جو تمہیں حقیقی کامیابیوں سے ہمکنار کر دے۔ وہ اس خیال کو دل و دماغ سے محو کرنے کی لاکھ کوشش کرتی، مگر کامیاب نہ ہوتی۔ اس رات عقل و دل اور جسد و ضمیر کی یہ کشمکش جاری رہی اور بالآخر اس نے ایک فیصلہ کر لیا کہ ہاں! واقعی مجھے اس ندھیرے سے اب نکل جانا چاہئے، جہاں میری عزت تک محفوظ نہیں اور اس کیلئے صبح سے ہی کوشش شروع کرنی چاہئے۔

وہ دن کے دس بجے تک اس ادھیڑ بن میں رہی کہ وہ کس طرح کفر و شرک کے اس

اندھیرے اور عزت و ناموس کے ان ڈاکوؤں کے جنگل سے نکلے، جنہوں نے بظاہر عبادت گزاروں کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے لیکن ان کا باطن شیطانی عزائم سے سیاہ ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے دل ہی دل میں دعا بھی کرتی رہی کہ اے میرے مالک! تو ہی میری مزید رہنمائی فرما اور مجھے اس گندے ماحول اور گمراہ لوگوں کے چنگل سے چھڑا کر ایمان و یقین کی روشنی عطا فرما۔ اے مالک! میرے لیے دودھ کا دودھ پانی کا پانی کر دے۔ ابھی وہ دعا ہی کر رہی تھی کہ مالک لم یزل نے اس کے دل میں یہ خیال ڈالا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر اپنے موبائل سے ایسے ہی کسی کا نمبر ڈائل کرے، اگر کسی مسلمان سے رابطہ ہوا تو امید کی کرن روشن ہوگی اور مجھے یقین ہو جائے گا کہ ان شاءاللہ میرے لیے ایمان و ہدایت کی راہ ہموار ہوگی اور اگر یہ نمبر کسی ہندو مشرک وغیرہ کا ہوا تو میں سمجھوں گی کہ ابھی میرے خواب کی تعبیر کا وقت نہیں آیا۔ یہ سوچ کر اس نے ایک فرضی نمبر ملایا، فون اٹھانے والے سے اس نے پوچھا کہ آپ کون بات کر رہے ہیں؟ آگے سے جواب تھا، میں مظفر نگر سے محمود بات کر رہا ہوں۔ "محمود" نام سن کر اس کے دل کو یک گونہ اطمینان ہوا کہ میرے مالک نے میری مزید رہنمائی فرما دی ہے۔ اس نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر ان سے اپنا مدعا بیان کیا۔ مزید تفصیلات اس کی زبانی ملاحظہ فرمائیے۔ وہ کہتی ہے:

میں نے کہا: مجھے مسلمان ہونا ہے،

وہ بولے: مسلمان کیوں ہونا چاہتی ہو؟ میں نے کہا کہ اسلام سچا دھرم ہے اور

اسلام ہی میں ایک لڑکی کی عزت بچ سکتی ہے۔

وہ بولے: تم کہاں سے بول رہی ہو؟

میں نے کہا: رشی کیش سے۔

انہوں نے بتایا کہ مسلمان ہونے کیلئے آپ کو پھلت ہمارے حضرت کے پاس جانا ہوگا، ان کا نام مولوی محمد کلیم صدیقی ہے۔ پھلت ضلع مظفر نگر میں کھتولی کے پاس گاؤں ہے، میں ان کا فون نمبر آپ کو دے دوں گا۔ میں نے کہا: دے دیجئے۔ انہوں نے کہا کہ ابھی میرے پاس نہیں ہے۔ ایک گھنٹے بعد تم فون کر لینا، میں تلاش کر لوں گا۔ میں نے ان سے کہا کہ میں اگر اسلام قبول کروں گی تو میرے گھر والے تو مجھے نہیں رکھ سکتے، میں پھر کہاں رہوں گی؟

انہوں نے کہا: میرا ایک بڑا بیٹا تو ایکسیڈنٹ میں انتقال کر گیا ہے، میرا ایک دوسرا لڑکا ہے، جس کی عمر ابھی پندرہ سال ہے۔ اگر تو مسلمان ہو گئی تو میں تمہاری اس سے شادی کر دوں گا اور تم میرے گھر میں رہنا۔ میں نے کہا کہ وعدہ یاد رکھنا۔ انہوں نے کہا کہ یاد رہے گا۔ مجھے بے چینی تھی، مجھے ایک گھنٹہ انتظار کرنا مشکل ہوگیا۔ پچاس منٹ کے بعد میں نے فون کیا، مگر مولوی صاحب کا فون نہ مل سکا۔ اس کے بعد گھنٹہ آدھ گھنٹہ بعد میں فون کرتی رہی اور معذرت بھی کرتی رہی کہ آپ کو پریشان کر دیا، مگر مجھ سے بغیر اسلام کے رہا نہیں جاتا۔ انہوں نے کہا: صبح کو میں خود تمہیں فون کروں گا۔ بڑی مشکل سے صبح ہوئی، نو بجے تک میں انتظار کرتی رہی، نو بجے کے بعد میں نے پھر فون

کیا، فون اب بھی نہ ملا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ میں نے آدمی بھیجا ہے، بڈولی، وہ وہاں سے نمبر لے کر آئے گا۔ ساڑھے گیارہ بجے فون ملا۔

میں نے فون نمبر لے کر مولوی کلیم صاحب کو فون کیا۔ فون کی گھنٹی بجی، مولوی صاحب نے فون اٹھاتے ہی کہا: السلام علیکم!

میں نے کہا: جی سلام، کیا آپ مولوی کلیم ہی بول رہے ہیں؟

انہوں نے کہا: جی کلیم بول رہا ہوں۔ میں نے کہا کہ مجھے مسلمان ہونا ہے۔

مولوی صاحب نے کہا: آپ کہاں سے بول رہی ہیں؟ میں نے کہا: رش کیش سے۔

مولوی صاحب نے کہا کہ آپ کیسے آئیں گی؟

میں نے کہا: اکیلے ہی آؤں گی۔

مولوی صاحب نے کہا: فون پر ہی آپ کلمہ پڑھ لیجئے۔

میں نے کہا کہ فون پر بھی مسلمان ہو سکتے ہیں؟

کہا کہ ہاں، کیوں نہیں ہو سکتے، بس اپنے مالک کیلئے جو دلوں کے بھید جاننے والا ہے، اس کو حاضر و ناظر جان کر سچے دل سے کلمہ پڑھ لیجئے کہ اب میں مسلمان بن کر قرآن اور اس کے سچے نبی کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق زندگی گزاروں گی۔

میں نے کہا: پڑھایئے! مولوی صاحب نے کلمہ پڑھایا اور کہا کہ اب ہندی میں اس کا ارتھ (ترجمہ) بھی کہہ لیجئے، ابھی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ میرے فون

میں پیسے ختم ہو گئے اور بات کٹ گئی۔ میں جلدی سے بازار گئی اور فون میں پیسے ڈلوائے، مگر اس کے بعد مولوی صاحب کا فون نہیں مل سکا۔ میں بہت تلملاتی رہی اور اپنے کو کوستی رہی کہ انجو! تیرے من میں ضرور کوئی کھوٹ ہے، تبھی تو تیرا ایمان ادھورا رہا۔ میں اپنے مالک سے دعا کرتی رہی، میرے سچے مالک! آپ نے کہاں اندھیرے میں میرے لیے ایمان کا نور نکالا، میں تو گناہ گار ہوں، میں ایمان کے لائق کہاں ہوں، مگر آپ تو داتا ہیں، جس کو چاہیں بھیک دے سکتے ہیں۔

تیسرے روز میں نے آنکھ بند کرکے رو رو کر دعا کی اور فون ملایا تو فون مل گیا۔ میں بہت خوش ہوئی، میں نے کہا: مولوی صاحب! میری گناہ گار آتما (روح) کی وجہ سے میرا ایمان ادھورا رہ گیا تھا۔ فون میں پیسے ختم ہو گئے تھے۔ اس کے بعد لگاتار آپ کو فون کرتی رہی مگر ملتا نہیں تھا۔ مولوی صاحب نے بڑے پیار سے کہا: بیٹا! آپ کا ایمان بالکل پورا ہو گیا تھا۔ میں خود سوچ رہا تھا کہ میں ادھر سے فون ملاؤں، مگر میں اس وقت نوئیڈا میں ایک پروگرام میں جا رہا تھا۔ ہمارے ساتھی ایک ضروری بات کر رہے تھے، اس کی وجہ سے میں فون نہ کر سکا۔ پھر ایسی مصروفیت رہی کہ فون بس برائے نام کھولا۔ میں نے کہا: پھر بھی آپ مجھے دوبارہ کلمہ پڑھا دیجیے۔ فون دوبارہ کٹ گیا۔ میرا حال خراب ہو گیا۔ میری ہچکیاں بندھ گئیں۔ میں اپنے مالک سے فریاد کر رہی تھی: میرے

مالک! کیا آج بھی میرا ایمان ادھورا ہی رہ جائے گا کہ اچانک مولوی صاحب کا فون آیا۔ میں نے خوشی سے رسیو کیا۔ مولوی صاحب نے بتایا کہ میں نے فون کاٹ دیا تھا کہ پتا نہیں کہ آج بھی تمہارے پاس فون میں پیسے ہوں گے کہ نہیں۔ اس لیے اپنی طرف سے فون کروں، کلمہ پڑھ لو۔ میں نے کلمہ پڑھا۔ ہندی میں عہد لیا اور پھر کفر وشرک اور سب گناہوں سے مجھے توبہ کرائی اور اللہ تعالی اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعات وفرمانبرداری کا عہد لیا۔

ایک دکھی ماں کی دکھ بھری داستان

حافظ محمد طاہر، گوجرانوالہ بیان کرتے ہیں کہ میں ٹورنٹو (کینیڈا) میں اپنی کار میں سفر کر رہا تھا کہ اچانک ایک گوری چٹی لال سرخ ہونٹوں والی خاتون نے مجھے روکا اور کہا السلام علیکم ! میں حیران رہ گیا۔ آخر وہ مجھے ایک کافی سینٹر پر لے گئ اور کہنے لگی پلیز ! آپ مجھے ضرور وقت دیں، میں تھوڑا پریشان ہوا، اس نے مجھے بتایا کہ اسے اردو آتی ہے، بلکہ مسلمان بھی ہے۔ میں بولا کیوں نہیں ہے۔ پھر گفتگو کا آغاز کچھ اس طرح ہوا کہ مجھے بولنے کا موقع کم اور سننے کیلئے تمام قوت اور توانائی کو یکجا کرنا پڑی۔
وہ کہنے لگی: "دیکھو میں مسلمان ہوں، لیکن تم اسلام کے ٹھیکیدار پاکستانی مسلمانوں سے کہیں بہتر ہوں، میرے دل میں حسد نہیں، بغض نہیں، کسی کا دل نہیں دکھاتی، کسی سے زیادتی نہیں کرتی، کسی کا حق نہیں مارتی، تمام اسلامی شعائر کا بھرپور ایمان کی حد تک پاس کرتی ہوں، اپنے اور خدا کے معاملات میں کسی کی دخل اندازی نہیں چاہتی۔ اپنے شوہر، گھر اور بچوں کی وفادار ہوں"۔ وہ بلا تکان بولے جا رہی تھی اور میں کسی مجرم کی مانند سر جھکائے اسے سنے جا رہا تھا۔ دل سے نکلی ہوئی آواز ہر کسی پر اثر کرتی ہے، شاید اس سحر میں،

میں بھی گرفتار ہو چکا تھا۔
وہ کہنے لگی: مجھے اسلام قبول کیے ہوئے 34 برس ہو گئے، میری عمر 51 برس ہے، اس نے بتایا کہ 17 سال کی عمر میں اس نے ایک پاکستانی نژاد نوجوان ابرار سے شادی کی تھی جو کہ ان کے ہاں ملازم تھا، وہ باقاعدہ تلاوت کرتا، نماز پڑھتا تھا اور دیگر مذہبی رسومات کی ادائیگی حسن نیت سے کرتا تھا۔ ہمارے ماحول میں ہر طرح کی آزادی تھی، نامعلوم وہ کس مٹی کا بنا تھا، اس پر کسی بات کا اثر نہیں ہوتا تھا۔" اس نے کہا کہ میں بتانا بھول گئی کہ میں جرمن ہوں اور حقیقت میں نسلاً یہودی تھی، ماں اور باپ کی اکلوتی اولاد تھی، میرے اصرار پر وہ مجبور ہوئے اور میری شادی ابرار سے کر دی، میرے ماں، باپ نے بہت زور لگایا کہ ابرار اپنا مذہب تبدیل کر لے لیکن تمام کوششیں رائیگاں گئیں، وہ ٹس سے مس نہیں ہوا، میں نے شادی کے چار سال بعد اسلام قبول کیا۔ مجھے روایتی مسلمان نہیں بننا تھا لہٰذا میں نے جامعۃ الازہر مصر سے کئی اسلامی کورسز بھی کیے، انہیں سمجھا، پڑھا اور مکمل طور پر کائنات کے اکلوتے سچ پر یقین کرتے ہوئے ایمان لے آئی۔ ابرار میرا شوہر بنیادی طور پر کم گو اور خاموش طبیعت کا انسان تھا۔
پہلے ہم فرانس منتقل ہوئے پھر کوئی گیارہ سال تک برطانیہ رہے، خدا کی قدرت

دیکھئے کہ شادی کے 17 برس گزر گئے لیکن ہم اولاد سے محروم رہے، ہر طرح کے علاج معالجے کروائے لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ ابرار کبھی مجھے پاکستان نہیں لے کر گیا، بقول اس کے اس کے گھر والے مجھے قبول نہیں کریں گے، وہ بہت سخت اور ہٹ دھرم قسم کے لوگ ہیں۔ میں نے کبھی اصرار نہیں کیا، کچھ عرصے کے بعد ہم مراکو بھی رہے اور ایک حلال فوڈ چینی" کو وہاں سے بیٹھ کر چلاتے رہے، ہمارا کاروبار پھیلتا گیا اور ہم " دونوں میاں بیوی ہر طرح کی نعمتوں کو پا کر خوش تھے۔ ایک ملال تھا کہ کاش ہماری بھی اولاد ہوتی ! ابرار نے مجھے پاکستان سے کوئی دوائی لا کر دی، تعویذ بھی پہنائے اور کچھ قرآنی آیات کا باقاعدگی سے وظیفہ بھی بتایا۔

اعتقاد پختہ ہو تو منزل آسان ہو جاتی ہے، میری گود ہری ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے مجھے چاند سی بیٹی عطا کی۔ پھر دو سال کے بعد دوسری اور تقریباً پانچ سال کے بعد تیسری بیٹی میرے آنگن میں آن کھیلنے لگی۔

وہ دن ہے اور آج کا دن کہ مجھے میرا شوہر چھوڑ کر کہیں بغیر بتائے چلا گیا، مجھے اولاد تو ملی لیکن خاوند کھو بیٹھی۔ کیا بیٹا پیدا کرنا میرے بس میں تھا؟ میں تو مجبور اور لاچار تھی، کیا بیٹیاں اولاد نہیں ہوتیں؟ کیا اسلام ہمیں یہی تعلیم دیتا ہے؟ کوئی اسے سمجھاتا کہ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم بھی چار بیٹیوں کے باپ تھے۔ خدا نے نرینہ اولاد دے کر بھی واپس لے لی۔

اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو کیا خدا انہیں مایوس کرتا؟ ان کے ایک اشارے پر کائنات سر جھکائے رہتی تھی، اگر آپ نے خدا کی رضا کو اپنی رضا سمجھتے ہوئے اولاد نرینہ کی خواہش نہ کی تو پھر ہم کس نسل کے مسلمان ہیں؟ کیا آپ کے پاس کوئی جواب ہے؟ میں اپنی بیٹیوں کو نہیں چھوڑ سکتی، یقین مانئے کہ مجھے قطعی طور پر دکھ ہوا، تکالیف بھی برداشت کیں، لیکن مستقل مزاجی کا دامن نہیں چھوڑا۔ کینیڈا میں رہتے ہوئے مجھے تقریباً پانچ سال ہونے کو ہیں، میرے دل میں یہ رنجش ہے جب بھی کوئی پاکستانی ملتا ہے تو اسے اپنا دکھڑا سناتی ہوں، کاش! کہیں سے ابرار واپس آ جائے۔ مجھ سے زیادہ آج اس کی بیٹیوں کو اپنے باپ کی ضرورت ہے، ماں ماں ہوتی ہے۔ آخر کب تک میں ان پر نظروں کا پہرہ لگائے بیٹھی رہوں گی"۔

میری درخواست ہے اس پاکستانی 3 بچیوں کے باپ سے، کہ اگر وہ زندہ ہے تو اپنے گھر لوٹ آئے۔ بیٹی زحمت نہیں رحمت ہوتی ہے۔ میں نہیں کہہ رہا، بلکہ یہ تو ہمارے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم فرما گئے ہیں۔

مظلوم مدینہ حضرت سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایک چمکتا دمکتا ستارہ، ایک مہر منیر، ایک آفتابِ عالم تاب حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی مقدس ہستی بھی ہے۔ 18 ذی الحجہ یوم شہادت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی مناسبت سے آپ رضی اللہ عنہ کے کچھ حالات نذر قارئین ہیں۔

آپؓ مکہ مکرمہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے چھ برس بعد 567ء میں مکہ مکرمہ کے مشہور تاجر عفان بن ابی العاص کے ہاں پیدا ہوئے۔ آپؓ کا نام ونسب مندرجہ ذیل ہے:

ابو عبد اللہ عثمان غنی ذوالنورین بن عفان بن ابو العاص بن امیہ بن عبد شمس۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ طرح رشتے داری ہے، جس کی تفصیل یہ ہے۔

(ا) .... آپؓ کے والد کا شجرہ پانچویں پشت میں حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے۔

حضرت عثمانؓ کی نانی ام حکیم البیضا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سگی پھوپھی .... (۲)
ہیں، یوں آپؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بھانجے ہوئے۔

آپؓ کی والدہ اروی بنت کریز کا نسب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا .... (۳)
ہے، یوں آپؓ ماں کی دادھیال کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بھتیجے ہوئے
۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا حضرت .... (۴)
عثمان رضی اللہ عنہ کے عقد میں آئیں یوں آپؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد
ہوئے۔

حضرت رقیہؓ کی وفات کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صاحبزادی .... (۵)
حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔ یوں
آپؓ کو حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی دہری دامادی کا شرف حاصل ہوا، جو
کسی اور کو نہیں ملا۔ اسی وجہ سے آپؓ کو ذوالنورین (دونوروں والا) کہا جاتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا :
حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کو عرش والے بھی ذوالنورین کہتے ہیں۔ (ابن
عساکر)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے والد ایک کامیاب تاجر تھے، ان کے انتقال کے

بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنی فراست سے تجارت کو مزید ترقی دی اور اس کا دائرہ کئی ممالک تک پھیلا دیا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپؓ کو خوب مال دیا تھا اسی طرح اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں لگانے کا جذبہ بھی خوب عطا فرمایا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپؓ کو زبان نبوت سے " غنی " کا خطاب ملا۔

آپؓ کی فیاضی و سخاوت تاریخ اسلام کا درخشاں باب ہے، بطور نمونہ چند واقعات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

(۱) .... ہجرت کے بعد مسلمانوں کو پینے کے پانی کی بڑی تکلیف تھی، کیونکہ شہر کے باہر میٹھے پانی کا ایک ہی کنواں تھا، جو ایک یہودی کی ملکیت میں تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے 20 ہزار درہم میں یہ کنواں خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے آپ کو جنت کی عظیم خوشخبری عطا ہوئی۔

(۲) .... مسجد نبوی کی توسیع کے لئے 25 ہزار درہم میں پلاٹ خرید کر وقف کر دیا۔

(۳) .... قحط کے دنوں میں غزوہ تبوک کے موقعے پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب پر 300 اونٹ بمعہ ساز و سامان (جو لشکر کا ایک تہائی تھا) مجاہدین اسلام کو فراہم کیے۔ اس موقعے پر زبان رسالت سے ارشاد ہوا! " آج

کے بعد عثمان کا کوئی عمل بھی اسے نقصان نہیں پہنچا سکتا"۔

اسی غزوے میں نقد ایک ہزار دینار بھی جہادی فنڈ میں جمع کرادیے۔ اسی .... (۴) موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ اٹھا کر تین بار یہ دعا فرمائی۔" اے اللہ ! میں عثمانؓ سے راضی ہوں، اے اللہ ! تو بھی اس سے راضی ہو جا۔ پھر صحابہؓ سے بھی فرمایا تم سب بھی عثمانؓ کے حق میں دعا کرو (ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء) ۔

آپؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے کی خدمت میں بھی وقتاً فوقتاً ہدایا .... (۵) بھیجتے تھے۔

دور صدیقیؓ میں پڑنے والے قحط کے موقع پر ایک ہزار اونٹوں پر آنے والا .... (۶) پورا غلہ ضرورت مندوں میں صدقہ کردیا، حالانکہ تاجران سے کئی گنا زیادہ قیمت پر خریدنے کے لئے تیار تھے، مگر آپؓ نے سب غلہ راہ الٰہی میں صدقہ کردیا۔

عہد نبوی سے لے کر اپنے دور خلافت کے اختتام تک آپؓ کا یہ پسندیدہ ....(۷) مشغلہ رہا کہ قدیم مساجد کی تزئین و توسیع میں رقم لگاتے اور نئی عالی شان مساجد تعمیر فرماتے تھے۔

امہات المومنین کو علیحدہ علیحدہ مکانات تعمیر کرا کے دیئے۔ .... (۸)

جس دن اسلام لائے، اس دن سے لے کر شہادت والے دن تک بلا ناغہ ہر ....(۹) جمعے کو ایک غلام خرید کر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے آزاد کرنے کا معمول

رہا۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق آپؓ نے کل 2 ہزار 4 سو غلام آزاد فرمائے۔ اسی طرح ہر جمعہ ایک اونٹ ذبح کرا کر اس کا گوشت غریبوں میں بانٹنے کا بھی معمول تھا۔ شہداء کے گھرانوں کی کفالت آپؓ اپنا فرض منصبی سمجھ کر اپنے مال سے کیا .... (۰۱) کرتے تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تیسرے خلیفہ راشد ہیں۔ اہل بدر میں سے ہیں۔ ان دس صحابہؓ میں سے ہیں جنہیں دنیا میں جنت کی بشارت ملی۔ اللہ کی راہ میں دو مرتبہ ہجرت کرنے والوں میں سے ہیں۔ سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں سے ہیں۔ آپؓ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے 1400 صحابہؓ سے اپنی رضا مندی کا اعلان فرمایا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ 6 ھ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم عمرے کی نیت سے اپنے جاں نثار صحابہ کرامؓ کے ساتھ عازم مکہ ہوئے، پھر حدیبیہ کے مقام پر کفار مکہ سے مذاکرات ہوئے، اس حوالے سے بطور قاصد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا ۔ جن کے قتل کی جھوٹی افواہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک درخت کے نیچے تمام صحابہؓ سے قصاص عثمانؓ پر بیعت لی کہ جب تک ایک بھی زندہ ہے، حضرت عثمانؓ کا بدلہ ضرور لیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بیعت کو پسند فرمایا اور سورۃ الفتح نازل ہوئی، جس میں

فرمایا کہ " میں تمام بیعت کرنے والوں سے راضی ہوں ، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے (الفتح ۱۰تا۱۸) "

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تعریف و توصیف فرمائی ۔ ذخیرہ احادیث ایسی احادیث سے بھرا پڑا ہے ایک شخص کا جنازہ صرف اس بنیاد پر نہیں پڑھایا کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتا ہے ۔ متعدد احادیث میں آپؓ کی حیا اور سخاوت کی تعریف فرمائی ۔ ایک بار فرمایا کہ عثمانؓ دنیا و آخرت میں میرے رفیق ہیں ۔ بارہا یہ ارشاد فرمایا کہ اے اللہ ! میں عثمانؓ سے راضی ہوں ، آپ بھی ان سے راضی ہو جائیں ۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حرم میں موجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا بھی رحلت فرما گئیں تو ارشاد فرمایا : اگر میری چالیس صاحبزادیاں بھی ہوتیں تو سب کو عثمانؓ کے نکاح میں دے دیتا (بروایت حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ) یہ الفاظ اس بات کی واضح دلیل تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے راضی تھے ۔

یہی وجہ تھی کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی بلا تفریق آپ رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبے کے قائل تھے اور آپؓ کو حضرات صدیق اکبر و فاروق اعظم

رضی اللہ عنہما کے بعد سب سے افضل سمجھتے تھے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کمیٹی نے، جن میں سب عشرہ مبشرہ میں سے تھے، اتفاق رائے سے آپؓ کو خلیفہ ثالث منتخب کیا۔ سب سے پہلے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے آپؓ کے دستِ حق پرست پر بیعت خلافت کی، پھر مجمع عام میں آپؓ کے ہاتھ پر بیعت کی، یوں یکم محرم 24 ھ کو آپؓ اتفاق رائے سے خلیفۃ المسلمین منتخب ہوئے۔

آپؓ کا سب سے بڑا کارنامہ، جو بعد میں آپؓ کی شہادت کا بنیادی محرک بھی ثابت ہوا تمام مسلمانوں کو قرآن مجید کی ایک قرات پر جمع کرنا ہے۔ اس کے علاوہ آپؓ نے، حضرت عمرؓ کے دور میں شروع ہونے والی فتوحات کی تکمیل کی اور 24 لاکھ مربع میل پر اسلام کا پرچم لہرایا۔ بیت المال کی تنظیم نو، حجاز میں نہروں کا جال بچھانا، مدینہ کو سیلاب سے بچانے کے لئے ڈیم تعمیر کرنا، نئی سڑکیں اور پل تعمیر کرانا، کنویں کھدوانا سرکاری عمارات و دفاتر تعمیر کرنا، نئے سکے جاری کرنا اور وقف عام کا قیام آپ رضی، اللہ عنہ کے دور خلافت کے نمایاں کارنامے ہیں۔ آپؓ کا ایک بڑا کارنامہ یہ بھی ہے کہ آپؓ نے دستور اسلامی کی حفاظت آخر دم تک کرکے مفسدوں کے ارادوں کو ناکام

بنایا۔

یہودی النسل عبد اللہ بن سبا نے کوفہ، بصرہ اور مصر کے مفسدین کو مجتمع کیا۔ انہوں نے آپؓ پر بے سروپا الزامات عائد کیے۔ جن کا آپؓ نے ہر سطح پر جواب دیا۔ ایام حج میں، جبکہ اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے گئے ہوئے تھے، ان سازشیوں نے موقع غنیمت جانا اور آپؓ کے گھر کا محاصرہ کرلیا، اس 40 روزہ محاصرے میں آپؓ کے اہل خانہ تک کھانے پینے کی کوئی چیز بھی نہ پہنچنے دی۔ ساتھیوں نے مقابلہ کرنے کی اجازت چاہی تو فرمایا کہ میں نبی کے شہر میں خون نہیں بہانا چاہتا۔ آپؓ نے تمام مظالم برداشت کیے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے بموجب خلعتِ خلافت کو اتارنے سے انکار کردیا۔

آپؓ جمعہ کے دن بحالتِ روزہ بوقتِ تلاوت قرآن 18 ذی الحجہ 35 ھ کو انتہائی بے دردی سے 82 سال کی عمر میں شہید کردیئے گئے۔

ایران پر ممکنہ امریکی حملہ

کیا امریکا ایران پر حملہ کر سکتا ہے؟ اس سوال کا اثبات میں جواب اتنا ہی مشکل ہے جتنا کہ اس کی نفی میں جواب دینا۔ تجزیہ نگار اس حوالے سے کوئی حتمی رائے قائم نہیں کر سکتے، جس کی وجہ یہ ہے کہ ایران پر یورینیم کی افزودگی اور ایٹم بم بنانے کا امریکی الزام کوئی نیا الزام نہیں، بلکہ یہ الزام اس وقت سے لگایا جارہا ہے، جب افغانستان، عراق اور لیبیا امریکی کی بیڈ لسٹ میں شامل بھی نہیں تھے۔ اسی الزام کے تحت عراق پر امریکا اور اس کے "نیٹو" اتحادی ایک بدمست ہاتھی کی طرح چڑھ دوڑے اور آج عراق امریکا کی ایک کالونی کی شکل اختیار کرچکا ہے، مگر "جمہوری اسلامی ایران" اسی پوزیشن پر کھڑا ہے۔ وقتاً فوقتاً اس پر الزام تراشی کا سلسلہ اگرچہ بدستور جاری ہے، جس میں ان دنوں یک گونہ تیزی بھی دیکھنے میں آرہی ہے، تاہم ماضی کی تاریخ یہی بتاتی ہے کہ "کچھ نہیں ہونے والا"۔

اس کی وجہ ایرانی عوام وحکمرانوں کے قابل ذکر جذبہ حب الوطنی کو قرار دینے والوں کی اگر کمی نہیں ہے، تو دوسری طرف ایران کو امریکی عزائم ومفادات کا محافظ قرار دینے والوں کی تعداد بھی کچھ کم نہیں۔ ایران کے ماضی قریب میں "امارت اسلامی افغانستان" کے خلاف امریکا کے ہراول دستے کا کردار ادا کرنے، عراق کے خلاف

ایران کی حمایت یافتہ جماعتوں کی کھل کر امریکی تائید، حالیہ عرب و غرب میں آنے والے "انقلابات" میں امریکی حمایت یافتہ گروہوں کی پشت پناہی و پشتی بانی اور سب سے بڑھ کر ایرانی اہل سنت کے ساتھ انتہائی ظالمانہ رویہ.... یہ وہ امور ہیں جو اس تاثر کو تقویت دیتے ہیں کہ امریکا کبھی بھی ایران پر حملہ نہیں کر سکتا۔ پھر یہ بھی ایک بدیہی سی بات ہے کہ اب امریکا اور اس کے حواریوں میں وہ دم خم ہے بھی نہیں کہ وہ ایران سمیت کسی بھی اسلامی یا غیر اسلامی ملک سے دو دو ہاتھ کر سکے، افغانستان میں اس کی "قابل رحم" حالت اب کسی سے ڈھکی چھپی بھی نہیں ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ مریکی صدر بارک اوباما کہتے ہیں کہ تہران پر مزید دباؤ ڈالنے کے لئے چین اور روس سے مشاورت کریں گے۔ اس وقت پوری دنیا ایک طرف ہے اور ایران تنہا ہو چکا ہے۔ امریکی صدر نے کہا کہ ان کی روس اور چین کے رہنماؤں سے بات چیت ہوئی اور دونوں ممالک ایران کے ایٹم بم بنانے کے خلاف ہیں لیکن وہ نئی پابندیوں کی مخالفت کر رہے ہیں۔ اوباما نے کہا کہ امریکی انتظامیہ ایران پر مزید دباو ڈالنے کے لیے روس اور چین سے مشاورت کرے گی۔۔ ایران کے ایٹمی پروگرام کے باعث امریکا اور یورپی یونین مزید پابندیوں کے حق میں ہیں لیکن سلامتی کونسل کے مستقل ارکان چین اور روس آمادہ نہیں۔ دوسری طرف امریکی وزیر دفاع لیون پنیٹا نے ایران پر ممکنہ حملے سے امریکی اور خطے کی سلامت کو سنگین خطرات لاحق ہونے سے متعلق تشویش کا اظہار کیا ہے۔ واشنگٹن میں میڈیا سے بات چیت کرتے ہوئے لیون پنیٹا نے کہا

کہ ایران پر حملے سے امریکا بھی متاثر ہو سکتا ہے اور خطے میں موجود امریکی فوج اس کی لپیٹ میں آ سکتی ہے۔ امریکی وزیر دفاع نے یہ بھی کہا کہ وہ ایران کے جوہری پروگرام کو رکوانے کیلئے عالمی توانائی ایجنسی کے پہلے والے موقف سے اتفاق کرتے ہیں، جس میں کہا گیا تھا کہ تہران پر حملہ اسے مزید ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری سے روک سکتا ہے تاہم اب حالات مختلف ہیں۔ پنیٹا نے کہا کہ آئی اے ای اے کی حالیہ رپورٹ کی بنیاد پر اگر ایران پر حملہ کیا گیا تو اسے جوہری ہتھیاروں کی تیاری سے روکنا مشکل ہوگا۔

امریکا کے دو اہم ترین اعلیٰ عہدیداروں کی اس پس و پیش سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ امریکا ابھی اس پوزیشن میں نہیں کہ ایران پر حملہ کرسکے۔ اگرچہ اس کے لے پالک اسرائیل نے ایک بار پھر جارحانہ موقف اختیار کرتے ہوئے کہا کہ وہ حملے سے کم کسی آپشن کے حق میں نہیں ہے۔

پاکستان کو سب سے پہلے ایران نے تسلیم کیا تھا، جس کی بنا پر روز آزادی دے ہی ایران اور پاکستان کے تعلقات مثالی رہے ہیں، جس کی ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ پاکستان ایران کے معاملے میں ہمیشہ "کمپرومائز" یا بالفاظ دیگر "لیس سر" کی پالیسی پر گامزن رہا ہے، حالاں کہ متعدد بار ایران نے ہمارے اندرونی معاملات میں بے جا مداخلت بھی کی ہے۔ حال ہی میں سرزمین پاکستان میں سعودی حکمرانوں کے

خلاف بینر بازی، سعودی سفارت کار کے قتل کی مبینہ شازش وغیرہ اس کے بین دلائل ہیں۔ (اس حوالے سے 35 سال تک ایران میں تعینات رہنے والے سفارت کار جناب نذیر احمد کی کتابیں "ایران۔افکار و عزائم" اور "Notes On Iran" خاصے کی چیز ہیں۔)

المختصر اگر امریکا و اسرائیل کی یہ دھمکیاں اگر ماضی کی طرح "فرینڈلی فائر" ہیں، تب تو تشویش کی کوئی بات نہیں، لیکن اگر یہ دھمکیاں حقیقت سے کچھ بھی سابقہ رکھتی ہیں، تو بھی امریکا اور اس کے لے پالک اسرائیل کو ایسی حماقت نہیں کرنی چاہیے۔ اس کی دیوالیہ ہوتی معیشت اس کی متحمل ہے اور نہ ہی بلبلاتے عوام اس کی اجازت دیں گے۔

اسلامی سال کا آغاز اور چند گزارشات

اسلامی سال نو کا آغاز یکم محرم الحرام سے ہو چکا ہے، جب کہ شمسی یعنی رائج الوقت گریگورین کیلنڈر کے مطابق سال نو کے آغاز میں ابھی چند دن باقی ہیں۔ آیئے! اس حوالے سے کچھ معلومات کا تبادلہ کریں۔ عربوں کی اصل تقویم قمری تقویم تھی مگر وہ مدینہ منورہ کے پڑوس میں آباد یہودی قبائل کی عبرانی (یہودی) تقویم کی طرح اپنے تجارتی اور ثقافتی فائدے کی خاطر خالص قمری کی بجائے قمری شمسی تقویم استعمال کرتے تھے۔ رسول اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اس قمری شمسی تقویم کو ہمیشہ کیلئے منسوخ فرما کر خالص قمری تقویم کو بحال رکھا تھا جس کا آغاز ہجرت مدینہ کے اہم واقعے سے کیا گیا تھا، لہٰذا یہ تقویم ہجری تقویم کے نام سے موسوم ہوئی۔ مسلمانوں کا ہجری سال حضور اکرم ﷺ کی ہجرت سے شروع ہوتا ہے جو کہ ہر قسم کے مفاسد اور شرک و نجوم پرستی جیسے رذایل اور لغویات سے یکسر خالی، خالص امن و آشتی کا پیغام ہے اس کی ابتدا خود حضور اکرم ﷺ کے حکم سے ہوئی اور حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے دور خلافت میں سرکاری مراسلات میں "اسلامی قمری ہجری" تاریخ کا اندراج لازمی قرار دیا تھا۔

اگرچہ بعض دوسری تقاویم سن ہجری سے پہلے کی معلوم ہوتی ہیں مگر ان کی

باقاعدہ تدوین سن ہجری کے آغاز کے بہت بعد ہوئی ہے، مثلا موجودہ عیسوی تقویم اپنی تازہ ترین صورت میں دراصل سولہویں صدی عیسوی سے وجود پذیر ہوئی ہے ابتدامیں یہ ردمی تقویم تھی ،جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جیولین عیسوی تقویم میں تبدیل ہوئی بالآخر گریگورین تقویم میں تبدیل ہوئی اسی طرح سن بکری گوپہلے کا معلوم ہوتا ہے مگر دراصل ہجری تقوی سے کوئی 220 سال بعد اس کی تدوین ہوئی۔ عبرانی تقویم اگرچہ بہت پرانی معلوم ہوتی ہے لیکن اس میں چھوٹی چھوٹی تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں یوں یہ تقویم بھی اپنی تازہ ترین صورت میں بعد کی ہے گواس کا بنیادی ڈھانچہ چوتھی صدی عیسوی کا ہے غالبا باقی تقاویم کا بھی حال کچھ یوں ہی ہے۔

شریعت محمدیہ ﷺ میں احکام شرعیہ مثال حج وغیرکا دارومدار قمری تقویم پر ہے۔ روزے قمری مہینے رمضان کے ہیں۔ نزول قرآن بھی رمضان میں ہوا، عورتوں کی عدت، زکواۃ کیلئے سال گزرنے کی شرط وغیرہ سب قمری تقویم کے اعتبار سے ہیں ۔عیدین یعنی عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کا تعلق بھی قمری تقویم سے ہے، تاہم دنیوی مقاصد کیلئے شمسی تقاویم کا استعمال فرض کفایۃ ہونے کے علاوہ دینی وملی حمیت کا تقاضا بھی ہے اور باعث اجر وثواب بھی۔

قمری تقویم کی بنیاد زمین کے گرد چاند کی ماہانہ گردش پر ہے اور ہر مہینے

کا آغاز نئے چاند سے ہوتا ہے۔ماہرین کے مشاہدات اور محتاط اندازوں کے مطابق رؤیت ہلال (ننگی آنکھوں سے چاند نظر آنے)اور ولادت قمری کا درمیانی وقفہ کم از کم 20 گھنٹے کا ہونا چاہئے۔قمری تقویم میں تاریخ کا آغاز غروب شمس سے ہوتا ہے اور قمری مہینہ کبھی 29 دن کا اور کبھی 30 دن کا ہوتا ہے۔یوں قمری سال عموماً 354 دن اور بعض سالوں میں 355 دن کا ہوتا ہے۔اس کے برخلاف موجودہ رائج عیسوی تقویم میں آج کل دن کا آغاز رات بارہ بجے سے ہوتا ہے اور اس میں یہ بھی طے ہے کہ ہر سال کون سا مہینہ کتنے دنوں کا ہوگا،اور یہ شعر،جو دراصل ایک انگریزی شعر کا ترجمہ ہے،بچے بچے کو یاد ہے:

تیس دن ستمبر کے،اپریل،جون،نومبر کے
باقی سارے اکتیس کے،سوائے فروری کے

جب کہ فروری کا مہینہ عام سالوں میں 28 دن کا لیا جاتا ہے اور لیپ (چار پر تقسیم ہونے والا ہر چوتھا سال)کے سالوں میں 29 دن کا ہوتا ہے۔مہینوں کی یہ تعداد خود ساختہ ہے کسی قاعدہ یا ضابطہ کے تحت نہیں البتہ سب مہینوں کے دنوں میں مجموعی تعداد 365 اور لیپ کے سالوں میں 366 دن ہوگی۔اس کے مقابل قمری تقویم میں ابہام ہے،جس میں کئی مصلحتیں پوشیدہ ہیں۔

قمری تقویم کے ابہام کا ایک فائدہ یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرامؑ اور بزرگان

دین کی ولادت و وفات کے ایام مبہم رہتے ہیں انسان طبعاً سہولت پسند اور عجلت پسند واقع ہوا ہے زیادہ محنت کے بغیر مکمل ثمرات حاصل کرنا چاہتا ہے اس لئے حضرات انبیاء کرامؑ کی خودساختہ تواریخ متعین کر لی جاتی ہیں مثلاً عیسائی حضرات نے "25 دسمبر کو حضرت عیسیٰؑ کا یوم ولادت قرار دے رکھا ہے اور اس تاریخ کو ولادت مسیح کی" خوشی میں کرسمس مناتے ہیں حالانکہ خود غیر متعصب عیسائیوں کو اعتراف ہے کہ "25 دسمبر حضرت عیسیٰؑ کا یوم ولادت ہرگز نہیں خودساختہ تہوار منا لینے سے انسان یہ سمجھنے" لگتا ہے کہ اس نے اپنے رہنما و پیشوا سے محبت کا حق ادا کر دیا ہے یوں اس کی روزمرہ کی عملی زندگی کی اپنے پیغمبر کی اصل تعلیمات سے موافقت و مطابقت بسا اوقات بتدریج کم ہوتے ہوتے بالآخر نیست و نابود ہو جاتی ہے۔ قمری تقویم کے ابہام سے حضرات انبیاؑ کی ولادت باسعادت اور وفات کے علاوہ ان کی زندگیوں کے بعض دیگر اہم واقعات کی سوفیصد "توقیت" مشکل ہو جاتی ہے۔ اگر کہیں ایسا ہو بھی جائے تو بھی دنیا بھر کے تمام مقامات پر قمری تواریخ کا یکساں ہونا ضروری نہیں لہٰذا ابہام پھر بھی ایک حد تک باقی رہے گا۔ قمری شمسی تقاویم میں تواریخ اور مہینے تو قمری ہوتے ہیں لیکن ان مہینوں کو موسموں کے مطابق رکھنے کیلئے تقریباً ہر تیسرے سال ان میں ایک ماہ کا اضافہ کیا جاتا ہے اور سال کے بارہ کی بجائے تیرہ مہینے بنائے جاتے ہیں چونکہ قمری سال شمسی سال سے تقریباً گیارہ دن چھوٹا ہوتا ہے لہٰذا تین سالوں میں تقریباً ایک ماہ کا فرق پڑ جاتا ہے۔ قمری

تقویم کے ابہام کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ بعض اہم مواقع پر اس ابہام سے پیدا ہونے والی انتظاری کیفیت (سسپنس) نہایت مسرت افزا ہوتی ہے اہل اسلام مثلاً عید الفطر کے ہلال کی امکانی رؤیت و عدم رؤیت سے پیدا ہونے والی انتظاری کیفیت میں چاند دیکھنے کی والہانہ کوشش کرتے ہیں بچوں ، جوانوں ، بوڑھوں ، مردوں اور عورتوں کی چاند دیکھنے کی یہ مسرت مساعی ایک عجیب سماں پیدا کرتی ہیں اگر عید وغیرہ کا دن پہلے سے ہی سو فیصد یقین کے ساتھ متعین اور مقرر ہو تو چنداں خوشی نہ ہوتی۔

قمری مہینوں کی موسموں سے عدم مطابقت کا فائدہ یہ بھی ہے کہ بعض نہایت اہم احکام شرعیہ مثلاً صیام رمضان کی تعمیل زندگی بھر میں تمام موسموں میں ممکن ہوگی مثلاً ایک شخص اٹھارہ بیس سال کی عمر میں رمضان کے روزے رکھنا شروع کرتا ہے اور پچاس ساٹھ برس کی عمر تک جسمانی صحت کے لحاظ سے روزے رکھنے کے قابل رہتا ہے تو وہ گرما اور سرما اور بہار و خزاں تمام موسموں میں روزے رکھنے کی سعادت حاصل کر پائے گا۔ اگر اس طرح کے احکام کیلئے شمسی مہینے متعین کئے جاتے تو ساری عمر ایسے احکام کی تعمیل ایک ہی موسم میں ہوتی بلکہ شمالی نصف کرہ اور جنوبی نصب کرہ کے موسمی تضاد کی وجہ سے بعض علاقوں اور ملکوں کے لوگ موسم گرما میں اور دوسرے علاقوں کے لوگ موسم سرما میں ان احکام کی تعمیل کیلئے ہمیشہ پابند ہو کر رہ جاتے اور ان احکام کی بجا آوری کے سلسلے

میں موسمی تغیرات کا فائدہ نہ اٹھا سکتے۔

قمری تقویم کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس میں تاریخ کا تعین گو تقریبی اور تخمینی ہی سہی نہایت آسان ہے کیونکہ سورج کی نسبت چاند کی حالتیں اس کے بتدریج بڑھنے اور گھٹنے کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہیں۔ ایک ناخواندہ شخص بھی چاند کی حالتوں سے قمری تاریخ کا اندازہ کرلیتا ہے، جبکہ سورج کی حالت یکساں رہتی ہے۔ چاند کو ننگی آنکھ سے دیکھنا آسان اور فرحت بخش ہے جبکہ سورج کو ننگی آنکھ سے دیکھنا مشکل اور ضرر رساں ہے۔ اس کے علاوہ ماہرین نے قمری ہجری تقویم کی بعض دیگر خصوصیات یہ بیان کی ہیں:

1۔ سن ہجری کی بنیاد خالص قمری تقویم پر ہے جب سے اس کا آغاز ہوا ہے اس میں آج تک کوئی ترمیم نہیں ہوئی کیونکہ یہ شرعی اور دینی تقویم ہے اس میں ترمیم کا کسی کو حق نہیں۔ دنیا کی مروجہ تقویم میں یہ خصوصیت غالباً صرف قمری تقویم ہی کو حاصل ہے۔

2۔ سن ہجری کا آغاز واقعہ ہجرت نبوی سے ہوا یوں اس کی بنیاد روحانی ہے۔

3۔ ہفتے کا آغاز جمعۃ المبارک کے دن سے ہوتا ہے۔

4۔ ہجری تقویم میں شرک، نجوم پرستی یا بت پرستی کا شائبہ تک نہیں ہے۔ مہینوں اور دنوں کے ناموں کو کسی سیارے یا دیوی، دیوتا سے کوئی نسبت نہیں۔

5۔ قمری تقویم چونکہ فطری اور نہایت سادہ ہے لہٰذا شرائع سابقہ میں بھی دینی

مقاصد کیلئے یہی مستعمل تھی بعد میں لوگوں نے اس خالص قمری تقویم میں تحریف کرتے ہوئے اسے شمسی یا قمری شمسی تقویم میں بدل ڈالا۔

یہ انتہائی افسوس ناک امر ہے کہ آج کے مسلمان اور بالخصوص نئی پود کو، جو مستقبل کی معمار وصورت گر ہے، اسلامی ہجری تقویم کے مہینوں کے نام تک معلوم نہیں ۔اگریاد ہیں توصرف چند مہینے ،جوزندواقعات وخرافات کی طرف منسوب ہیں ۔علمائے کرام نے لکھاہے کہ اگرچہ دفتری ضروریات کے تحت گریگورین کیلنڈرکااستعمال درست ہے ،تاہم اسلامی مہینوں کے ناموں کاجانناوران کی عظمت وفضیلت کا قائل ہونا بھی فرض کفایہ ہے۔ناس ہولارڈمیکالے کے وضع کردہ نظام تعلیم کاکہ جس نے ہمیں اسلاف کی دوسری میراث وزریں روایات کے ساتھ ساتھ اپنی اصل ہجری قمری تقویم بھی بھلادی۔ہمیں اس اندھیرنگری میں حاکم سے توقعات وابستہ کرکے خودفریبی میں نہیں رہناچاہیے،بلکہ اپنے بچوں کواہتمام وخصوصیت سے اسلامی سال کے مہینوں کے نام یادکرانے چاہئیں ،تاکہ وہ تقلیداغیارکے غیرمحسوس حصارسے نکل سکیں۔

مرادِ نبی حضرت فاروق اعظم ۔ چند کرامات

مدینہ کی آواز نہاوند تک : امیر المؤمنین حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک لشکر کا سپہ سالار بنا کر نہاوند کی سرزمین میں جہاد کے لیے روانہ فرمادیا۔ آپ جہاد میں مصروف تھے کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد نبوی کے منبر پر خطبہ پڑھتے ہوئے ناگہاں یہ ارشاد فرمایا کہ یَاسَارِیۃُ الْجَبَل (یعنی اے ساریہ! پہاڑ کی طرف اپنی پیٹھ کرلو) حاضرین مسجد حیران رہ گئے کہ حضرت ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو سرزمین نہاوند میں مصروف جہاد ہیں اورمدینہ منورہ سے سینکڑوں میل کی دوری پر ہیں۔ آج امیر المؤمنین نے انہیں کیونکر اورکیسے پکارا؟ لیکن نہاوند سے جب حضرت ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قاصد آیا تو اس نے یہ خبر دی کہ میدان جنگ میں جب کفار سے مقابلہ ہوا تو ہم کو شکست ہونے لگی اتنے میں ناگہاں ایک چیخنے والے کی آواز آئی جو چلا چلا کر یہ کہہ رہا تھا کہ اے ساریہ ! تم پہاڑ کی طرف اپنی پیٹھ کرلو۔ حضرت ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ تو امیر المؤمنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز ہے، یہ کہا اور فوراً ہی انہوں نے اپنے لشکر کو پہاڑ کی طرف پشت کرکے صف بندی کا حکم دیا اور اس کے بعد جو ہمارے لشکر کی کفار سے ٹکر ہوئی تو ایک دم اچانک جنگ کا پانسہ ہی

پلٹ گیا اور دم زدن میں اسلامی لشکر نے کفار کی فوجوں کو روند ڈالا اور عساکر اسلامیہ کے قاہرانہ حملوں کی تاب نہ لا کر کفار کا لشکر میدان جنگ چھوڑ کر بھاگ نکلا اور افواج اسلام نے فتح مبین کا پرچم لہرا دیا۔ (مشکوٰۃ باب الکرامات)

دریا کے نام خط؛ روایت ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں ایک مرتبہ مصر کا دریائے نیل خشک ہوگیا۔ مصری باشندوں نے مصر کے گورنر عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فریاد کی اور یہ کہا کہ مصر کی تمام ترپیداوار کا دارومدار اسی دریائے نیل کے پانی پر ہے۔ اے امیر! اب تک ہمارا یہ دستور رہا ہے کہ جب کبھی بھی یہ دریا سوکھ جاتا تھا تو ہم لوگ ایک خوبصورت کنواری لڑکی کو اس دریا میں زندہ دفن کرکے دریا کی بھینٹ چڑھایا کرتے تھے تو یہ دریا جاری ہو جایا کرتا تھا اب ہم کیا کریں؟ گورنر نے جواب دیا کہ ارحم الراحمین اور رحمۃ للعالمین کا رحمت بھرا دین ہمارا اسلام ہرگز ہرگز کبھی بھی اس بے رحمی اور ظالمانہ فعل کی اجازت نہیں دے سکتا لہٰذا تم لوگ انتظار کرو میں دربار خلافت میں خط لکھ کر دریافت کرتا ہوں وہاں سے جو حکم ملے گا ہم اس پر عمل کریں گے چنانچہ ایک قاصد گورنر کا خط لے کر مدینہ منورہ دربار خلافت میں حاضر ہوا امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گورنر کا خط پڑھ کر دریائے نیل کے نام ایک خط تحریر فرمایا جس کا مضمون یہ تھا کہ

اے دریائے نیل ! اگر تو خود بخود جاری ہوا کرتا تھا تو ہم کو تیری کوئی ضرورت نہیں'' ہے اور اگر تو اللہ تعالٰی کے حکم سے جاری ہوتا تھا تو پھر اللہ تعالٰی کے حکم سے جاری ہوجا"۔ امیر المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس خط کو قاصد کے حوالہ فرمایا اور حکم دیا کہ میرے اس خط کو دریائے نیل میں دفن کردیا جائے۔ چنانچہ آپ کے فرمان کے مطابق گورنر مصر نے اس خط کو دریائے نیل کی خشک ریت میں دفن کردیا، خدا کی شان کہ جیسے ہی امیر المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہ کا خط دریا میں دفن کیا گیا فوراً ہی دریا جاری ہوگیا اور اس کے بعد پھر کبھی خشک نہیں ہوا۔ (حجۃ اللہ ج ۲، ص ۱۶۸، ازالۃ الخفاء (مقصد ۲، ص ۱۶۶،

چادر دیکھ کر آگ بجھ گئی: روایت میں ہے آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خلافت کے دور میں ایک مرتبہ ناگہاں ایک پہاڑ کے غار سے ایک بہت ہی خطرناک آگ نمودار ہوئی جس نے آس پاس کی تمام چیزوں کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنادیا، جب لوگوں نے دربار خلافت میں فریاد کی تو امیر المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالٰی عنہ کو اپنی چادر مبارک عطا فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ تم میری یہ چادر لے کر آگ کے پاس چلے جاؤ۔ چنانچہ حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالٰی عنہ اس مقدس چادر کو لے کر روانہ ہوگئے اور جیسے ہی آگ کے قریب پہنچے یکایک وہ آگ بجھنے اور پیچھے ہٹنے لگی یہاں تک کہ وہ غار کے اندر چلی گئی اور جب یہ چادر لے کر غار کے اندر داخل ہوگئے تو وہ آگ بالکل

(ہی بجھ گئی اور پھر کبھی بھی ظاہر نہیں ہوئی۔ (ایضاً

دو غیبی شیر: روایت ہے کہ بادشاہ روم کا بھیجا ہوا ایک عجمی کافر مدینہ منورہ آیا اور لوگوں سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پتہ پوچھا، لوگوں نے بتادیا کہ وہ دوپہر کو کھجور کے باغوں میں شہر سے کچھ دور قیلولہ فرماتے ہوئے تم کو ملیں گے۔ یہ عجمی کافر ڈھونڈتے ڈھونڈتے آپ کے پاس پہنچ گیا اور یہ دیکھا کہ آپ اپنا چمڑے کا درہ اپنے سر کے نیچے رکھ کر زمین پر گہری نیند سو رہے ہیں۔ عجمی کافر اس ارادے سے تلوار کو نیام سے نکال کر آگے بڑھا کہ امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کر کے بھاگ جائے مگر وہ جیسے ہی آگے بڑھا بالکل ہی اچانک اس نے یہ دیکھا کہ دو شیر منہ پھاڑے ہوئے اس پر حملہ کرنے والے ہیں۔ یہ خوفناک منظر دیکھ کر وہ خوف ودہشت سے بلبلا کر چیخ پڑا اور اس کی چیخ کی آواز سے امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیدار ہو گئے اور یہ دیکھا کہ عجمی کافر ننگی تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے تھر تھر کانپ رہا ہے۔ آپ نے اس کی چیخ اور دہشت کا سبب دریافت فرمایا تو اس نے سچ سچ سارا واقعہ بیان کر دیا اور پھر بلند آواز سے کلمہ پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہو گیا اور امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے ساتھ نہایت ہی مشفقانہ برتاؤ فرما کر اس کے قصور کو معاف کر دیا۔ (ایضاً

قبر میں بدن سلامت؛ ولید بن عبدالملک اموی کے دور حکومت میں جب روضہ منورہ کی دیوار گر پڑی اور بادشاہ کے حکم سے تعمیر جدید کے لیے بنیاد کھودی گئی تو ناگہاں بنیاد میں ایک پاؤں نظر آیا، لوگ گھبرا گئے اور سب نے یہی خیال کیا کہ یہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا پائے اقدس ہے لیکن جب عروہ بن زبیر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے دیکھا اور پہچانا پھر قسم کھا کر یہ فرمایا کہ یہ حضورانور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا مقدس پاؤں نہیں ہے بلکہ یہ امیرالمؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قدم شریف ہے تو لوگوں کی گھبراہٹ میں قدرے سکون ہوا۔ (بخاری شریف

دیگر کرامات: عبداللہ بن مسلمہ کہتے ہیں کہ ہمارے قبیلہ کا ایک وفد امیرالمؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ خلافت میں آیا تو اس جماعت میں اشتر نام کا ایک شخص بھی تھا۔ امیرالمؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو سر سے پیر تک بار بار گرم گرم نگاہوں سے دیکھتے رہے پھر مجھ سے دریافت فرمایا کہ کیا یہ شخص تمہارے ہی قبیلہ کا ہے؟ میں نے کہا کہ ''جی ہاں'' اس وقت آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ خداعزوجل اس کو غارت کرے اور اس کے شر و فساد سے اس امت کو محفوظ رکھے۔ امیرالمؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس دعا کے بیس برس بعد جب باغیوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا تو یہی ''اشتر'' اس باغی گروہ کا ایک بہت بڑا لیڈر تھا۔

اسی طرح ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملک شام کے کفار سے جہاد کرنے کے لیے لشکر بھرتی فرمارہے تھے۔ ناگہاں ایک ٹولی آپ کے سامنے آئی تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انتہائی کراہت کے ساتھ ان لوگوں کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ پھر دوبارہ یہ لوگ آپ کے روبرو آئے تو آپ نے منہ پھیر کر ان لوگوں کو اسلامی فوج میں بھرتی کرنے سے انکار فرمادیا۔ لوگ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس طرز عمل سے انتہائی حیران تھے لیکن آخر میں یہ راز کھلا کہ اس ٹولی میں ''اسود تجیبی'' بھی تھا جس نے اس واقعہ سے بیں.برس بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی تلوار سے شہید کیا اور اس ٹولی میں عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی بھی تھا جس نے اس واقعہ سے تقریباً چھبیس .برس کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی تلوار سے شہید کر ڈالا۔

محرم اور شہادت حسین

اسلامی تقویم کا آغاز محرم الحرام سے ہوتا ہے جو کہ اسی فطری نظام کائنات کے تحت جیسا کہ خالق کائنات نے مقرر فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے! یقیناً مہینوں کی تعداد تو اللہ کے نزدیک بارہ ہے اللہ کی کتاب (لوح محفوظ) میں جس دن کہ پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور ان میں چار حرمت والے مہینے ہیں یہی سیدھا درست دین ہے۔ عیسوی شمسی سال کے برعکس اسلامی قمری سال کا آغاز ولادت النبی کے بجائے ہجرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کرنے میں زبردست حکمت ومصلحت ہے جب امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے اسلامی تقویم کا معاملہ آیا اور اسلامی سال شروع کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو آپ نے ہجرت کو معیار بنایا، کیوں کہ اس سے اسلامی عظمت کا آغاز ہوتا ہے اسلامی اتحاد کی ابتدا ہوتی ہے اور اسلامی اخوت ومساوات کی شروعات ہوتی ہے۔

ماہ محرم کی اہمیت وفضیلت: ماہ محرم الحرام کی تاریخی اہمیت مسلم ہے احادیث وروایات اور آثار سے اس کے فضائل وبرکات ثابت ہیں روایات کی روشنی میں اسی محرم الحرام کی دسویں تاریخ کو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی تخلیق فرمائی۔ یوم عاشوراء ہی کو جنت پیدا فرمائی۔ یوم عاشوراء ہی کو سفینہ نوح جودی پہاڑ

پر ٹھہرا۔ یوم عاشوراء ہی کو حضرت موسیٰ اور ان کی قوم نے فرعون سے نجات حاصل کی اور اللہ نے فرعون اوراس کے لشکر کو غرق کیا۔

یوم عاشوراء کا روزہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رمضان کے بعد بہترین روزہ محرم کا روزہ ہے اور فرض نماز کے (بعد بہترین نماز تہجد کی نماز ہے۔ (مسلم شریف، ریاض الصالحین

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محرم کی دسویں تاریخ کو خود بھی روزہ رکھتے تھے اور دوسروں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم (دیتے تھے (بخاری ومسلم

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا دلدوز واقعہ.بروز جمعہ دس محرم الحرام سن 61 ہجری کو پیش آیا۔س وقت آپ کی عمر58 سال کے قریب تھی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بارش کے فرشتہ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کی اجازت چاہی آپ نے اسے شرف باریابی کا موقع دیا،ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ دروازے کی طرف

دھیان دینا کوئی اندر نہ آنے پائے، لیکن حضرت حسین رضی اللہ عنہ کودتے پھاندتے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے مبارک پر کودنے لگے۔۔ فرشتے نے فرمایا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ اس سے محبت کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں۔۔۔۔ فرشتے نے کہا کہ آپ کی امت اسے قتل کردے گی اور اگر آپ چاہیں تو وہ مٹی لا کر آپ کو دکھلا دوں جہاں اسے قتل کیا جائے گا۔۔ پھر فرشتے نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا اور لال رنگ کی ایک مٹھی مٹی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رکھ دی (مسند احمد، ج:3، ص:265.242

مسند احمد ہی میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ٹھیک دوپہر کے وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم نے خواب میں دیکھا کہ آپ کے بال اور چہرہ مبارک غبار آلود ہے اور آپ کے ساتھ ایک شیشی ہے جس میں خون ہے۔۔۔ ہم نے عرض کیا۔۔۔ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر قربان جائیں یہ کیا چیز ہے آپ نے فرمایا کہ یہ حسین اور ان کے ساتھیوں کا خون ہے۔اس معنی میں ایک روایت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے سنن الترمذی: 3771 میں موجود ہے۔اس حدیث کے راوی عمار بیان فرماتے ہیں کہ جب اس کا حساب لگایا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ دن پیش آیا تھا۔

طبقات ابن سعد میں ہے: ہم لوگ حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس موجود تھے کہ باہر سے ایک لونڈی کے چیخنے کی آواز سنائی دی اور اسی حالت میں وہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا تک پہنچ کر کہنے لگی کی حضرت حسین کو شہید کردیا گیا۔ام المومنین نے فرمایا: بد بختوں نے ایسا کردیا۔ اللہ ان کی قبروں اور گھروں کو آگ سے بھر دے یہ کہہ کر وہ بیہوش ہو کر گر گئیں۔۔ یہ دیکھ کر ہم لوگ وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔

تاریخ بغداد میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہا نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالٰی نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کی کہ ہم نے یحیٰی بن زکریا علیہ السلام کے بدلے ستر ہزار بنو اسرائیل کو قتل کیا تھا اور حسین کے بدلے ستر ہزار اور ستر ہزار قتل ہوں گے۔

شہادت ایک نعمت: کسی مسلمان کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ ان خرافات کو جائز سمجھے، جیسے چیخ وپکار اور رونا چلانا اور شاید یہ سب ریا ونمود ہے کیونکہ ان کے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ جو ان سے افضل و بہتر تھے انہیں شہید کیا گیا لیکن ان کے شہادت کے دن کو یوم ماتم نہیں منایا گیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یوم شہادت جمعہ سترہ رمضان المبارک سن 40 ہجری ہے جب کہ آپ صبح

کی نماز کے لئے جارہے تھے۔ اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جو اہل سنت و الجماعت کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی افضل ہیں بد بختوں نے انہیں اپنے ہی گھر میں محصور کرکے ایام تشریق کے موقعہ پر ان کا کھانا پانی بند کرکے بھیڑ بکری کی طرح ذبح کرڈالا لیکن لوگوں نے ان کے یوم شہادت کو یوم ماتم نہیں ٹھہرایا اس سے بھی آگے دیکھیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو ان تمام سے افضل تھے نماز کی حالت میں قرآن پڑھتے ہوئے انہیں شہید کیا گیا لیکن ان کے بھی یوم شہادت کو یوم ماتم نہیں بنایا گیا، اسی طرح اس امت کے صدیق جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی افضل تھے لیکن لوگوں نے ان کے یوم وفات کو رونے اور سینہ کوبی کا دن نہ سمجھا، حتیٰ کہ اگلے پچھلے مخلوقات کے سردار کو بھی اللہ تعالیٰ نے دوسرے انبیاء کی طرح اس دنیا سے اٹھا لیا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم وفات کو بھی کسی نے یوم ماتم نہ قرار دیا جیسا کہ ان جاہلوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے یوم شہادت کو بنایا ہے اور نہ ہی کسی نے ان خرافات مثلا سورج کا گہن میں آجانا وغیرہ کا تذکرہ کسی کی شہادت یا وفات کے موقعہ پر کیا ہے۔ (البدایہ والنھایہ :203/8)

شہید اور شہادت

آیات قرآنیہ کی روشنی میں:

شہید زندہ ہے۔ (سورۃ البقرہ 154، آل عمران، 169)

شہید کو مردہ مت کہو (سورۃ البقرہ 154)

شہید کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے روزی ملتی ہے۔ (سورۃ البقرہ)

شہید کو مردہ گمان مت کرو۔ (آل عمران)

شہید بہت خوش ہے۔ (آل عمران)

شہید جشن مناتا ہے۔ (آل عمران)

شہید سچا ہے۔ (الاحزاب)

شہید نے اپنا عہد سنبھال لیا۔ (الاحزاب)

شہید کیلئے نور ہے۔ (الحدید)

شہید کیلئے مغفرت ہے۔ (آل عمران)

شہید کیلئے رحمت ہے۔ (آل عمران)

شہید کیلئے اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں۔ (آل عمران)

شہید کیلئے اللہ کا فضل ہے۔ (آل عمران)

شہید غم اور خوف سے بے پرواہ ہے۔ (آل عمران)

احادیث طیبہ کی روشنی میں:

(شہید کے اعمال جاری رہتے ہیں۔ (حدیث

(شہید جنت میں ہے۔ (حدیث

(شہید کیلئے جنت مہکا دی گئی۔ (حدیث

(شہید کی حالت کو اللہ تعالیٰ سنوارتا ہے۔ (حدیث

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت کی بار بار تمنا فرمائی۔ (صحیح بخاری) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے شہید کیلئے ان انعامات کا اعلان فرمایا ہے:

شہید کو شہادت کا ایسا اعزاز عطا فرمایا جائے گا کہ وہ جنت میں جا کر بھی دنیا میں واپس (آنے اور دس بار شہید ہونے کی خواہش کرے گا۔ (بخاری، مسلم، ترمذی

(قرض کے علاوہ شہید کے تمام گناہ معاف کیے جاتے ہیں۔ (مسلم

(شہادت کی موت ساری دنیا کے حکمران و مالک بننے سے افضل ہے۔ (احمد، نسائی

(شہید پر فرشتوں کا سایہ (بخاری، مسلم

(شہید کے جنت میں پر اور اس کی پروازیں۔ (طبرانی

(شہداء کی روحیں پرندوں کے پوٹوں میں ہیں۔ (ترمذی

(شہید اپنے خاندان کے 70 افراد کی سفارش کرے گا۔ (ابو داؤد، صحیح ابن حبان

(شہید عذاب قبر سے محفوظ رہتا ہے۔ (البیہقی

(شہید کیلئے کرامت کا خاص لباس ہے۔ (البزار، البیہقی

(شہید کیلئے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی رفاقت ہوگی۔ (البزار، البہیقی

(شہید بلا حساب جنت میں ہیں (الطبرانی

(شہید کیلئے جنت کے اونچے بالا خانے۔ (احمد

(شہید کو اللہ تعالیٰ نے سخی قرار دیا۔ (ابو یعلی، البہیقی

(خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی شہید کی مغفرت کی جاتی ہے۔ (مسند

(بہترین حوروں سے شہید کی شادی کرائی جاتی ہے۔ (مسند احمد

(شہید کیلئے جنت فردوس اعلیٰ ہے۔ (بخاری

(شہید اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے۔ (الطبرانی

(اللہ تعالیٰ ہمیں بھی شوق جہاد اور مرتبہ شہادت عطا فرمائے۔ (آمین

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی۔ سوانح وافکار

نقد و تبصرہ

تبصرہ نگار: ابو سعد جہان یعقوب

نام کتاب... حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی۔ سوانح وافکار

ترتیب و تبویب... مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی

نشر و توضیع... القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ.برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ سرحد، پاکستان

ضخامت...368 صفحات

قیمت... درج نہیں

زیر تبصرہ کتاب جس کا موضوع اس کے نام سے ہی ظاہر ہے مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا علامہ محمد اسماعیل شجاع آبادی دامت برکاتہم العالیہ نے مرتب ومبوب فرمائی ہے اور اسے حضرت مولانا علامہ عبدالقیوم حقانی دامت.برکاتہم کے ادارے القاسم اکیڈمی نے دیدہ زیب چار رنگے سرورق اور آفسٹ پیپر پر شائع کیاہے۔ صاحبِ سوانح وافکار اور مرتب ومبوب کسی تعارف کے محتاج ہیں اور نہ ہی حضرت حقانی اور ان کی اکیڈمی۔ اگر حضرت شجاع آبادی کا اسم گرامی معیاری تحقیق وتالیف کا استعارا ہے تو حضرت حقانی اور ان کی اکیڈمی حسنِ ترتیب

واشاعت کی علامت۔ پھر جس عظیم ترین شخصیت پر خامہ فرسائی کی اور ذوقِ تحقیق دی جارہی ہے وہ خود بھی آسمان علم و تحقیق، زہد و تقویٰ، ہدایت وانابت، سیاست وسیادت، جہد وقربانی اور عزم وہمت کے آسمان کا درخشندہ آفتاب وماہتاب ہے۔ ایسے علمی و قلمی شہپاروں پر تنقید وتبصرہ کرنا ہم جیسے اطفالِ مکتب کے لیے جوئے شیر بہادینے سے کم نہیں، لہٰذا ہم سو باتوں کی ایک کتاب عرض کیے دیتے ہیں کہ اس کتاب کو پہلی فرصت میں حاصل کیجیے اوراس کے مطالعے سے قلب وذہن کی سرشاری حاصل کرکے اسے آگے بڑھایئے تاکہ کوئی محروم نہ رہے۔

کاتب کا باقاعدہ آغاز صفحہ 13 پر ''مختصر سوانحی خاکہ'' سے ہوتا ہے۔ سوانح مدنی پر مشتمل یہ 5 صفحات بلامبالغہ دریا بکوزہ کا مصداق ہیں۔ اس کے بعد ''حالِ دل'' ہے جس میں غرضِ تحریر کی طرف بھی اشارہ ہے اور کمالِ دیانت سے مآخذ ومراجع پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ کتاب، بنیادی طور پر 5 ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب ''سیرت وسوانح'' پر ہے، جس میں مکمل سوانح عمری کے علاوہ ''گستاخانِ مدنی کا انجام'' کے عنوان سے مستند حوالہ جات سے چند واقعات دکھا کر روزحاضر کے گستاخوں کو بھی آئینہ دکھایا گیا ہے۔ اس باب کا اختتام حضرت مدنی کے لیے ''مولانا ابوالحسن علی ندوی کے خراج عقیدت'' پر ہوتا ہے جو بلاشبہ ''ختامہ مسک'' کا نمونہ ہے۔ دوسرے باب میں حضرت مدنی کے منتخب خطبات ہیں، جن کی تعداد 12 سے متجاوز ہے۔ تیسرا ''باب ''دواہم مضامین

پر مشتمل ہے، جن میں سے پہلے مضمون کا عنوان ہے ''مولانا عبید اللہ سندھی کے افکار کو علمائے دیوبند کا مسلک نہ سمجھا جائے'' اور دوسرے مضمون کا عنوان ہے ''ہر خاندان کے لیے شادی کے زریں اصول'' پہلے مضمون کا موضوع خالص علمی ہے اور دوسرے کا اصلاحی، پہلا اگر اہلِ علم کے لیے سرمۂ بصیرت ہے تو دوسرا عوام کے لیے مشعل ہدایت۔

چوتھا باب ''حضرت مدنی اور اقبال، مسئلہ وطنیت وقومیت پر ان دو مشاہیر کے اصولی اختلافِ رائے اور غلط فہمیوں کے ازالے پر مشتمل ہے۔ جو نام نہاد ''اقبال پرستوں'' کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہے۔ آخری باب میں ''منظوم خراج تحسین'' کے عنوان سے چند نظمیں شامل اشاعت کی گئی ہیں۔

ان مندرجات سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب حضرت مدنی کے سوانح وافکار پر ایک جامع دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس علمی خدمت پر حضرت مرتب ومبوب، حضرت ناشر اور ان کی اکیڈمی قابل صد مبارکباد ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی سعی مشکور فرمائے اور اجر جزیل سے نوازے۔ (آمین)

تذکرہ سائنس کے بانی مسلم علمائے کرام کا

ابو بکر رازی: امام رازی کو علم طب کا بانی اور عالی دماغ محقق و مفکر اور سائنس دان تسلیم کیا جاتا ہے۔ ابو بکر محمد بن زکریا رازی نے سب سے پہلے فرسٹ ایڈ کا طریقہ جاری کیا اور دوائوں کے صحیح صحیح وزن کیلیے ''میزان طبی'' ایجاد کیا۔ میزان طبی ایسا ترازو ہے جس میں چھوٹی سے چھوٹی چیز کا وزن صحیح صحیح معلوم کیا جا سکتا ہے۔ یہ ترازو آج کل ہر جگہ صحیح وزن کیلیے، خصوصاً سائنسی تجربہ گاہ میں استعمال کیا جاتا ہے۔ امام رازی کا سب سے بڑا کارنامہ مرض چیچک پر تحقیق ہے اور اس موضوع پر انہوں نے دنیا کی پہلی کتاب تصنیف کی جو کہ سینکڑوں برس تک یورپ کے میڈیکل کالجوں میں داخل نصاب رہی۔ الکوحل کے موجد بھی امام رازی ہیں۔

امام رازی اپنے فن کے واقعی امام تھے۔ ان کی بلندی کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ بین الاقوامی طبّی کانگریس کا اجلاس 1913ء میں لندن میں ہوا جس میں آپ کو طب کا ''ڈاکٹر'' تسلیم کیا گیا۔ دوسری مرتبہ 1930ء میں فرانس کے شہر (پیرس) میں ہوا جس میں ان کو دوبارہ طب کا ''ڈاکٹر'' تسلیم کیا گیا۔

ابوالعباس احمد بن محمد کثیر فرغانی: بغداد مامون الرشید کے وقت میں علم و فنون کا مرکز بن چکا تھا۔ ہر علم و فن کے قابل ترین لوگ وہاں موجود تھے۔ مامون الرشید علمی ذہن و دماغ رکھتا تھا۔ اس کے ذہن میں آیا کہ زمین کے گھیر کی صحیح صحیح پیائش کی جائے۔ چنانچہ اس نے انجینئروں کی ایک جماعت مقرر کی اور اس کا صدر احمد کثیر فرغانی کو نامزد کیا۔ شہر کوفہ کے شمال کا ایک وسیع میدان جو کہ ''دشت سنجار'' کے نام سے پہچانا جاتا ہے، موزوں قرار پایا۔ ماہرین نے پیائش شروع کی اور حساب کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ زمین کا گھیر 25009 میل ہے لیکن موجودہ زمانے کے نئے نئے آلات کی وجہ سے زمین کا گھیر 24858 میل مانا جاتا ہے۔ مسلم دور کی اس پیائش اور آج اس نئے دور کی پیائش میں بقدر 151 میل کا فرق ہے، کل غلطی صرف 4 فیصد ہے جو کہ غلطی تصور نہیں کی جاتی۔ ابوالعباس کا دوسرا کارنامہ شمسی توانائی سے چلنے والی گھڑی تھی جس سے دن میں وقت کا صحیح اندازہ ہو جاتا تھا۔

ابوالعباس نے کئی کتابیں مرتب کیں۔ ان کی مشہور کتاب ''جوامع علم النجوم'' ہے۔ اس کتاب کا پہلا لاطینی ترجمہ بارہویں صدی عیسوی میں شائع ہوا۔ پھر دوسرا ترجمہ جرمنی میں 1537ء اور تیسرا ترجمہ فرانس کے دانشوروں نے کیا۔

احمد بن موسیٰ شاکر: مسلم دور میں یہ پہلا میکینک گزرا ہے۔ عربی زبان میں اس

فن کو علم الحلیل کہتے ہیں۔ احمد بن موسیٰ نے اس فن میں ایک کتاب بھی لکھی تھی۔
مورخین کا خیال ہے کہ ہارون الرشید نے دنیا کی جو سب سے پہلی گھڑی فرانس کے کنگ کو جو بطور تحفہ بھیجی تھی وہ اسی میکینک کی ایجاد ہے۔

ابوالقاسم عمار موصلی:

تھے۔ انہوں (Eye Surgeon) عمار موصلی امراض چشم میں مرض موتیابند کے ماہر نے موتیابند کے سلسلے میں تحقیق کی اور اس کا علاج آپریشن کے ذریعے دریافت کیا۔
تکلیف دہ مرض ہے۔ موصلی نے اس فن پر ایک کتاب (Cataract) مرض موتیابند بھی مرتب کی جس میں اس مرض پر اچھی بحث کی ہے۔ اس کتاب کا نام ''علاج العین'' ہے۔ اس کتاب کا پہلا ترجمہ یورپ میں اور دوسرا ترجمہ 1905ء میں جرمنی سے شائع ہوا۔

ابوالحسن علی بن عبدالرحمٰن یونس:

مصر میں جب فاطمی حکومت قائم ہوئی تو علوم وفنون کی ترقی اور تحقیق و جستجو کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ 953ء میں المعز بن منصور جب خلیفہ بنے تو انہوں نے اس ملک میں بہت سی اصلاحات کیں۔ المعز ہی کے دور میں موجود مصر کے شہر قاہرہ کی بنیاد رکھی گئی جو آج تک مصر کا دارالحکومت ہے۔ لیکن المعز کا سب سے بڑا کارنامہ بیت الحکمۃ بغداد کی طرز پر سائنس اکیڈمی کی تعمیر تھا،

چنانچہ اس ادارے میں اہل علم و فضل ایک جگہ جمع ہو گئے اور ترقی کا نیا دور شروع ہو گیا۔ ☆☆☆☆☆

خواتین اور مخلوط تعلیم

عورتوں کی تعلیم کیسی ہونی چاہئے اور کہاں ہونی چاہئے اس کی صورت اور کیفیت کیسی ہونی چاہئے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق صاف کہدیا ہے کہ واذکرن ما یتلیٰ فی بیوتکنّ من آیات اللہ والحکمۃ

(سورۃ الاحزاب آیات ۳۴، پارہ ۲۲)

اور یاد کرو جو پڑھی جاتی ہے تمہارے گھروں میں اللہ کی باتیں اور عقلمندی کی چونکہ خواتین سے متعلق احکامات عفت پردہ وغیرہ قدرے تفصیل سے مذکور ہیں اس لئے آں حضرت نے سورۃ نور کی تعلیم کی خصوصی ''ترغیب دیتے ہوئے فرمایا کہ'' علمو انسائکم سورۃ النور'' اپنی عورتوں کو سورۃ نور کی تعلیم دو۔ اب کتاب و سنت میں بیان فرمودہ خدا اور رسول کی پاکیزہ تعلیمات سے مسلم بچیوں کو محروم کرکے، کالجوں، یونیورسٹیوں وغیرہ میں پڑھنے کیلئے بھیجنا نا معلوم کونسی غیرت وحمیت اور عظمت وترقی ہے ایسا کرنا مسلم بچیوں کے ساتھ یقینا ظلم وزیادتی ہے اور ان کے دین وایمان اور شرم وحیاء کو برباد کرنے کی ایک عظیم سازش ہے۔ دنیوی علوم وفنون اور معلومات عامہ کیلئے عورت ذات کا توان سے بے خبر ہونا ہی حق تعالیٰ کے نزدیک اس کی خوبی ہے جس پر'' الغافلات

المؤمنات'' (سورہ نور پ۱۸) کی نص صریح موجود ہے اس کے مقابلہ میں آج کے اس جنون ترقی پر ایک نظر ڈالئے کہ نوجوان بچیوں کو اس دنیوی تعلیم وادب کی تربیت کیلئے اندرون ملک تو کیا بیرون ملک یورپ وامریکہ اور فرانس وبرطانیہ تک کی یونیورسٹیوں کے چکر لگوائے جارہے ہیں۔

خداوند کریم ہی ہدایت وغیرت کی نعمت عطا فرمائے اس کے باوجود کیا کہا جا سکتا ہے جبکہ خواتین کیلئے تعلیم کی نوعیت متعین ہو گئی کہ فقط قرآن وحدیث کی تعلیم ہی سے انہیں روشناس کرایا جائے اب سوال یہ رہا کہ خواتین کے لئے تعلیم گاہ کہاں ہو گھروں کی پاکیزہ وباپردہ فضا میں یا اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں وغیرہ کے آوارہ مزاج و ماحول میں چنانچہ ''وقرن فی بیوتکن'' کہہ کر بتلا دیا گیا کہ خواتین دینی تعلیم گھر کی چار دیواری کے اندر رہ کر حاصل کریں تاکہ ستر وحجاب کے باعث، شرم وحیا اور عزت وعفت محفوظ رہے۔

اس کے متعلق صحیح بات یہی ہے کہ خواتین اپنے گھر میں رہتے ہوئے محرم مردوں مثلاً والد، دادا، چاچا، تایا، نانا، بھائی، ماموں، وغیرہ اور اسی طرح پختہ علم رکھنے والی عورتوں سے علم دین حاصل کریں۔ البتہ اگر بدقسمتی سے پورے گھرانے میں کوئی ایک بھی متقی وپرہیزگار عالم دین موجود نہ ہو، اور نہ ہی کوئی متقی وپرہیزگار عالمہ فاضلہ عورت ہو تو اس صورت میں دینی مسائل

کی تحقیق کیلئے اھل حق علماء کے پاس اپنے کس محرم کے ساتھ باپردہ جانا درست ہے جیسا کہ تحقیق مسائل کیلئے بہت سے مواقع پر حضرات صحابہ کرام کی عورتوں کا آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہونا ثابت ہے یہاں تک کہ عورتوں کی تعلیم وتربیت کیلئے ان کی درخواست پر آنحضرت نے ہفتہ میں ایک دن بھی ان کیلئے مقرر فرمادیا تھا (صحیح بخاری) اب خوب غور فرمائیں کہ جو نام نہاد تعلیم پردہ اور چار دیواری ختم کرنے کے بغیر حاصل ہی نہیں ہو سکتی اور جس کا بنیاد ہی پردہ شکنی کے اصول پر ہو اس کا حصول کسی مسلمان لڑکی کیلئے کہاں تک جائز ہو سکتا ہے بلکہ لڑکیوں کے حق میں اسے تعلیم کہنا ہی دھوکہ اور فریب ہے کہ تخریب اخلاق وکردار کو تعلیم کا نام دیاگیا۔

عورت ذات کا ستر وحجاب اور اس کے جوہر شرم وحیا کا تحفظ شریعت مطھرہ کو اس حد تک مطلوب ہے کہ بہت سے وہ احکامات شرعیہ جن کی بجاآوری کیلئے گھر سے باہر نکلنا پڑتا ہے مثلًا مسجد کی نماز باجماعت ، جمعہ کی نماز عیدین کی نماز ، جنازہ کی نماز ، تدفین میت ، جہاد فی سبیل اللہ ، امامت صغریٰ امامت کبریٰ وغیرہ سب کی طرف سے عورت ذات کو سبکدوش کردیا تاکہ وہ چشم غیرت زیادہ سے زیادہ پوشیدہ رہے اور یہ اس لئے کہ عورت ذات اپنی اصل کے اعتبار سے چھپی رہنے کی چیز ہے جیسا کہ ارشاد نبوی المرۃ (عورۃ فاذا اخرجت استشرفھاالشیطان (الحدیث رواہ الترمذی

عورت تو چھپے رہنے کی چیز ہے جب وہ گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اسے تاکتا ہے یعنی شیطانی مزاج لوگوں کو ابھار کر اس کے پیچھے لگانے کی کوشش کرتا ہے ایک دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا ویل للرجال من النساء وویل النساء من الرجال (الحدیث رواہ ابن ماجہ)

ہلاکت ہے مردوں کیلئے عورتوں کی وجہ سے اور ہلاکت ہے عورتوں کے لئے مردوں کی وجہ سے چنانچہ تمام شرور اور فتنوں کا دروازہ بند کرنے کیلئے اللہ جل جلالہ نے یہ '' حکیمانہ ارشاد جاری فرمایا کہ ''وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ

(سورۃ احزاب آیت ۳۳، پارہ ۲۲)

اے عورتو اپنے گھروں میں ٹکی بیٹھی رہو کہ نہ گھر سے باہر نکلیں گی نہ کوئی فتنہ فساد ہوگا، البتہ بوقت ضرورت مکمل پردہ کے ساتھ اپنے کسی محرم کے ساتھ باہر نکلنے کی اجازت شریعت میں ضرور موجود ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ ان جدید تعلیم یافتہ ماڈرن قسم کی لڑکیوں کی مخلوط تعلیم کی صورت میں بے پروائی ''نمائش '' فضول خرچی وغیرہ ان کی طبیعت بن جاتی ہے

اور یہ کیوں نہ ہوگا جو بچی بچپن سے لے کر بیس پچیس سال کی عمر تک آزادی اور آورگی کی زندگی گزارے اب خود اندازہ لگایئے کہ جب نوجوان لڑکیوں کا اپنے جیسے ہم عمر لڑکوں کے ساتھ اختلاط ہوگا تو کیا اس صورت میں جانبین کے جذبات میں جوش وہیجان پیدا نہیں ہوگا جبکہ فطری طور پر بھی مرد اور عورت میں ایک دوسرے کی طرف کشش کا مادہ طبعا موجود ہے۔

چنانچہ مخلوط تعلیم کے حوالے سے یہ کہنے پر ہم مجبور ہیں کہ آج کل عموماً دوران تعلیم ہی اکثر طلبہ وطالبات کے مابین عشق وفاء کے عہد وپیمان اور کہانیاں شروع ہو جاتی ہیں اور اس نتیجے میں وہ سب کچھ گزرتا ہے جس کا تصور شادی بیاہ ہوجانے کے بعد ہی کیا جا سکتا ہے۔ ناجائز تعلقات اور حرامکاری کا یہ غلیظ دھندہ اپنی روز افزوں ترقی کے باعث اب اس قدر عام ہونے لگا ہے کہ اس کے بھیانک انجام کو سوچتے ہوئے دل ودماغ ماؤف ہونے لگتے ہیں کہ خدایا بعد چندے نامعلوم کیا کچھ سامنے آونے والا ہے۔

کتنے معزز گھرانوں کی نیک سیرت ونیک صورت بچیاں اس مخلوط تعلیم ہی کی وجہ سے بدنام زمانہ ہوئیں۔ مگر ان جدید تعلیم وتہذیب کے مقابلہ میں وہ لڑکیاں جو قرآن کریم اور دینی مسائل کی چند ابتدائی کتابیں مثلاً تعلیم الاسلام ، بہشتی زیور ، بزرگان دین کے رسائل وغیرہ پڑھتی ہیں ان میں عموماً شرم وحیا

اور عزت وعفت کا جوہر موجود ہوتا ہے اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ شریف الطبع انسان ہمیشہ ایسی ہی نیک بخت اور سادہ طبیعت والی لڑکی کو ازدواجی رشتہ کیلئے زیادہ پسند کرتا ہے۔

اس لئے حقیقت تو یہ ہے کہ اکثر وبیشتر انگریزی اور جدید تعلیم وتہذیب ہی شادی بیاہ کے سلسلہ میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔ اگر ان تمام مندرجہ بالا بدیہات وحقائق پر یقین نہ آئے تو شہروں اور دیہاتوں کا سروے کر کے دیکھ لیا جائے کہ انگریزی خوند لڑکیاں بغیر نکاح کے گھر میں بیٹھی ہیں یا دینی تعلیم یافتہ لڑکیاں گھر میں بغیر نکاح کے بیٹھی ہیں اس کی حقیقت سب کے سامنے کھوئی ہوئی ہے۔☆☆☆☆☆

امریکہ کا جنگی جنون

امریکی محکمہ دفاع کی ویب سائٹ کے مطابق جنگی جنون میں مبتلا امریکہ کی فوج برِاعظم ایشیا کے اہم ترین ملک پاکستان سمیت دنیا کے 135 ممالک میں 800 مقامات پر موجود ہے، پاکستان سمیت کئی ممالک میں فوجی اڈے بھی قائم ہیں۔امریکی محکمہ دفاع کے مطابق دہشت گردی کے خلاف جنگ میں امریکہ کے اہم اتحادی پاکستان میں صرف 146 امریکی فوجی اہلکار موجود ہیں جن میں 130 میرین، 11 ایئر فورس اور 6 آرمی سے تعلق رکھتے ہیں۔امریکی آرمی، نیوی، میرین، ایئر فورس اور کوسٹ گارڈ پر مشتمل لاکھوں فوجیوں کے دستے دنیا کے 135 ممالک کے 800 سے زائد اہم جگہوں پر موجود ہیں ۔امریکہ کی فوج اس وقت جرمنی ،،برطانیہ، جاپان، اٹلی، کوریا، یورپ، سوویت یونین، پاکستان، افریقہ، ایشیا اور یورپ کے 135 ممالک میں ہتھیاروں اور جنگی ساز و سامان سے مسلح ہو کر اپنے اہداف کے حصول میں مصروف ہے۔

ایک برطانوی ویب سائٹ کی تحقیقاتی رپورٹ کے مطابق گزشتہ برس کے آخر تک عراق میں 85 ہزار سے زائد امریکی فوجی اہلکار موجود تھے جبکہ افغانستان میں ایک لاکھ 37 ہزار سے زائد، جرمنی میں 52 ہزار، جاپان میں 36 ہزار کے قریب، عوامی جمہوریہ کوریا میں 29 ہزار، اٹلی میں 10 ہزار، جب کہ برطانیہ میں 9

ہزار سے زائد امریکی فوجی موجود ہیں۔سال 2010 کے اختتام تک 78 ہزار کے قریب امریکی فوجی یورپ میں موجود تھے جب کہ سوویت یونین میں ان کی تعداد 150 بتائی گئی ہے، مشرقی ایشیا کے مختلف ممالک میں 48 ہزار، شمالی افریقہ کے مختلف ممالک میں ساڑھے تین ہزار، جنوبی اور مشرقی افریقہ کے مختلف ممالک میں 1400 سے زائد جبکہ افریقی صحارہ کے علاقوں میں 2000 کے قریب امریکی اہلکار موجود تھے۔رپورٹ کے مطابق امریکہ کا جنگی بجٹ پوری دنیا کے دفاعی اخراجات کا 43 فیصد حصہ ہے، امریکہ کا سالانہ جنگی بجٹ 698 ارب ڈالر تک ہے جبکہ سال 2010 میں امریکی جنگی بجٹ کے لئے 553 ارب ڈالر رکھے گئے تھے۔

تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ امریکہ کے منہ کو ''خون کا چسکا'' لگ چکا ہے، نیز جنگ اس کی مجبوری بھی ہے، کیوں کہ اس کی معیشت کا بڑی حد تک دارومدار زراعت کے بعد عالمی منڈی میں اسلحے کی تجارت پر بھی ہے۔ماضی کی تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ امریکہ انسانیت کا سب سے بڑا قاتل'' ہے۔نو مسلم میلکم ایکس نے اپنی آپ بیتی میں اس'' حوالے سے بڑے تلخ حقائق پیش کیے ہیں۔وہ کہتا ہے: صرف 1899ء تا 1902 کے مختصر عرصے میں دو لاکھ سے زیادہ فلپائنیوں کو قتل کیا(یہ سلسلہ بعد میں بھی جاری رہا اور مسلمان ہی اس کا خصوصی ہدف تھے) امریکا کے جانے کے بعد امریکا کی کٹھ پتلی عیسائی حکومت نے قتل وغارت جاری رکھی۔ دستیاب اعداد وشمار کے مطابق 1965ء تا 1982ء کے عرصے میں دو لاکھ سے زیادہ مسلمانوں

کو شہید، 3 لاکھ کو بیرون ملک اور 20 لاکھ کو اندرون ملک نقل مکانی پر مجبور کیا۔ 3 لاکھ سے زیادہ گھروں کو تباہ اور نذر آتش کر دیا گیا۔

1607ء تا 1890ء کے دوران میں شمالی' جنوبی اور سنٹرل امریکا کے 9 کروڑ سے زیادہ افراد کو قتل کیا گیا۔ 1948ء کے بعد سے امریکا اور اسرائیل دونوں نے ایک لاکھ سے زیادہ فلسطینیوں کو قتل کیا (مہاجرین کی تعداد 40 لاکھ سے زیادہ ہے)۔ 1991ء سے اب تک امریکا اور NATO کی افواج 10 لاکھ سے زیادہ عراقی شہری شہید کر چکی ہیں جن میں بچوں کی تعداد دو لاکھ ہے (پابندیوں کے باعث شہید ہونے والے عراقیوں کی تعداد 15 لاکھ بتائی جاتی ہے)۔ 1991ء میں امریکا اور NATO کی افواج نے یوگوسلاویہ کے 3 لاکھ شہریوں کو قتل کیا۔ 1980ء میں ایلسلواڈور کے 75 ہزار شہری امریکی دہشت گردی کی بھینٹ چڑھے۔ 7۔ 1975ء تا 1999ء کے عرصے میں مشرقی تیمور کے دو لاکھ شہری امریکہ کا نشانہ بنے۔ 1993ء میں 500 صومالیوں کو امریکہ نے قتل کیا۔ 1997ء سے اب تک 5 لاکھ افغانی براہِ راست یا بالواسطہ امریکا کے ہاتھوں قتل ہو چکے ہیں۔ 1989ء میں پانامہ پر حملہ کر کے 5 ہزار بے گناہ شہریوں کو ہلاک اور ہزار کو بے گھر کر دیا گیا۔ 1988ء میں ایران کے ایک مسافر طیارے پر حملہ کر کے 15 مسافروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ 1962ء تا 1973ء کے دوران میں 20910 ہزار یونانی قتل کیے گئے۔ 1994ء تا 1997ء کے عرصے میں چلی کے 5 ہزار شہری مار دیے گئے۔ 1945ء تا 1974 کے دوران میں

ویتنام میں 25 لاکھ افراد ہلاک کیے گئے۔ 1955ء تا 1973ء کے دوران میں 10 تا 20 لاکھ کمبوڈین قتل کر دیے گئے۔ 1957ء تا 1973ء کے عرصے میں لٹویا کے 5 لاکھ شہری ہلاک کیے۔ 1965ء میں انڈونیشیا میں 5 تا 10 لاکھ شہریوں کے قاتلوں کو امریکی مدد حاصل تھی۔ 6 اگست 1945ء کو جاپان کے شہر ہیروشیما پر جو ایٹم بم گرایا گیا، روزنامہ گارڈین کے مطابق اس سے 20 ہزار فوجی اور ایک لاکھ دس ہزار شہری ہلاک ہوئے۔ جاپانی ذرائع کے مطابق 3.5 لاکھ آباد شہر میں 2 لاکھ اموات ہوئیں۔ 9 اگست کو ناگاساکی پر گرائے جانے والے ایٹم بم سے ایک لاکھ 40 ہزار اموات ہوئیں۔ مارچ 1945ء میں ٹوکیو میں بمباری سے صرف ایک رات میں 85 ہزار انسان ہلاک ہو گئے۔

اس نا تمام فہرست ہیں نائن الیون کے بعد کی امریکی غنڈہ گردی کو بھی شامل کر لیں تو حقیقت مزید نکھر کر سامنے آ جائے گی۔

یہ درست ہے کہ امریکہ کے پاس فوجی طاقت زیادہ ہے لیکن کیا اس طاقت کا مطلب یہ بھی ہے کہ اگر وہ بدمعاشی بھی کرے تو دوسرا اسے چپ چاپ برداشت کرے کیونکہ کمزور ہے؟ نہیں... آج کی دنیا میں فوجی میدان میں جواب دینے کے ساتھ ساتھ کئی اور بھی میدان ہیں جہاں اس کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے اور دنیا کی انصاف پسند رائے عامہ کو ساتھ ملا کر اپنی پوزیشن مضبوط بنائی جا سکتی ہے

اور اپنی حقانیت کو ثابت کیا جا سکتا ہے، لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کے لیے ضروری ہوم ورک کیا جائے۔ ملک کے اندر اتحاد و یکجہتی قائم کی جائے اور پوری قوم ایک ہو کر اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی کے خلاف عالمی سطح پر آواز اٹھائے۔ پاکستان کی طرف سے نیٹو کی سپلائی بند کئے ہوئے آج دو ہی ہفتے ہوئے ہیں۔ امریکی اور اتحادی منت ساجت پر اتر آئے ہیں کہ رسد نہ ہونے کے باعث افغانستان میں پھنسی ہوئی امریکی فوج کو شدید دشواری کا سامنا ہے اور یہ رسد چند دن نہ کھلی تو امریکیوں کو دن میں تارے نظر آنے لگیں گے۔ نیٹو کنٹینرز وں کی سپلائی بحال کرانے کیلئے امریکہ نے دنیا بھر میں اپنے اتحادیوں سے رابطہ کر رکھا ہے اور پاکستان پر مختلف طریقوں سے دبا ؤبڑھا رہا ہے۔ امریکہ اگرچہ دھمکیاں دے رہا ہے کہ وہ ڈرون حملے افغانستان میں موجود اپنے اڈوں سے جاری رکھے گا مگر گزشتہ ایک ہفتے سے اس سلسلے میں خاموشی ہے اور جوابی کاروائی کے خوف سے ابھی تک کوئی ڈرون وزیرستان کی فضا میں بلند نہیں ہوا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستان اسی طرح ہر معاملے میں استقامت کے ساتھ امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے سامنے ڈٹ جائے، تو وہ وقت دور نہیں جب امریکہ ہمیں اپنی کالونی بنانے کے خبط سے نکل کر برابری کی سطح پر ہم سے ڈائیلاگ کرے گا۔ یہی حب الوطنی کا تقاضا بھی ہے اور امریکہ کے جنگی جنون کا علاج بھی۔

سفارتی آداب ...اور... ناآشنا سفیر

سلیم احمد عثمانی

اے کاش ہماری غیرت ، دینی حمیت ،جذبات واحساسات اس وقت سے تا ہنوز کہاں سوئے رہے؟امورِ سلطنت کے تاج پوشوں کی تو بات ہی جدا ہے۔ ہمارے حکمران تو ہر دور میں ہی امریکی دھنوں پر رقص کرتے نظر آئے ہیں... ہمیں کیا ہوگیا ؟... کیا ہمارے وجود میں سے امر ربی (روح)پرواز کر چکی جو ہم اتنے بے حس وحرکت پڑے تماشادیکھ رہے ہیں ؟کیا ملک کی درجن بھر جماعتوں میں سے کسی ایک جماعت نے اس واقعہ کو اتنی اہمیت دینا بھی مناسب نہ سمجھا کہ کسی چوک چوراہے، ٹریفک یا مین شاہراہ کو بلاک کرکے اس نام پر بھی احتجاج ریکارڈ کرواتے ؟ بات بے بات دھرنے دینے والوں، ہر کام اور ہر نام پر احتجاج کرنے والوں نے بھی اس واقعہ کو اہمیت دینا گوارہ نہ کی۔صدرِ پاکستان کی ناموس پر مرمٹنے والے جیالے اور ان کے حق میں ریلیاں نکالنے والوں کو خدا کے گھر کی عظمت کا خیال ہی نہ رہا۔گویا انہیں سانپ سونگھ گیا ہو۔

سنہری مسجد لاہور میں اخلاق ، تہذیب وتمدن سے بے خبر، سفارتی آداب سے ناآشنا امریکی سفیر کے محافظ نے جس دیدہ دلیری سے شعائر اللہ کی توہین، اپنے

ناپاک وجود کے ساتھ جوتوں سمیت مسجد میں داخل ہونے کی ناپاک جسارت کی۔ کیا یہ حکمرانوں کے لیے لمحہ فکریہ نہیں ؟ امریکا کے تو ائرپورٹ پر سرکاری پروٹوکول کے ساتھ جانے والے سرکاری مہمان پاکستانی وزراتک کی پوری تلاشی لی جاتی ہے۔ کسی قسم کی رورعایت ان سے روا نہیں رکھی جاتی۔امریکی سفیر کی تلاشی تو درکنار، اس کے محافظ کو بھی اتنی جسارت کی جرات ہوئی کہ وہ جوتے اتارنے کی زحمت.برداشت کیے بغیریوں ہی مسجد میں داخل ہوگیااور کوئی نہیں تھا کہ اس کو روکتا۔ کم از کم اپنے مذہبی شعائر اور اللہ کے گھر کی حرمت وتقدس کی کچھ لاج رکھ لی ہوتی۔واقعہ یہ ہے کہ ہمارے حکمرانوں کے دلوں میں ہی مساجد، مدارس، اور شعائر اسلام کا کوئی احترام باقی نہ رہا۔لال مسجد اور جامعہ حفصہ کو خاک وخون میں نہلانے والے انہیں کے پیش رو تھے اور یہ انہی کے نقش قدم پر گامزن ۔ کیا امریکی سفیر کے سفارتی پلان اس قدر بے ترتیبی کا شکار ہیں کہ انہیں یہی نہیں پتا کہ ان کا دورہ کہاں کا ہے؟ وہاں کے اصول وآداب کیا ہیں کہ ان قواعد وقوانین کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنا دورہ مکمل کریں ! اگر ایسی بات نہیں تو پھر کیا مسجد کے تقدس کی پامالی ہمارے منہ پر طمانچہ نہیں !

سنہری مسجد انتظامیہ کو غیرت اور جرات سے کام لیتے ہوئے دینی حمیت کا ثبوت دینا چاہیے ۔ اور مسلمانوں کا خون بہاکر، اموال لوٹ کر، اسلامی اہم بحری

ناکوں پر قبضہ کرکے، مسلمانوں کے معدنی وسائل سے بھرپور ممالک پر یلغار کرکے کمائے جانے والی دولت میں سے یہ کچھ پیسے امریکیوں کے منہ پر مارنے چاہیں کہ تمہارے ان ناپاک پیسوں سے مسلمانوں کے تقدس اور احترام کی جگہ (مسجد) کی تعمیر، اور تزین وآرائش کا کام ہر گز نہیں کیا جائے گا۔کچھ نہیں تو حطیم کے بیت اللہ سے باہر رہنے کے سبب پر ہی غور کرلیں۔ حطیم کا کچھ حصہ کعبہ کی حدود میں شامل ہے۔لیکن تعمیر میں اس حصے کو باہر رکھا گیا صرف اس وجہ سے کہ اس وقت کفار مکہ کے پاس حلال مال اسی قدر تھا جس سے صرف اسی حصے کی تعمیر ہو سکتی تھی۔ حرام مال کی فراوانی کے باوجود مکہ کے کافروں نے یہ گوارا نہ کیا کہ اللہ کے گھر میں حرام مال استعمال کیا جائے یا اسے کعبہ کی تعمیر کا حصہ بنایا جائے۔ حطیم کا یہ حصہ تا حال ان کے اس عمل کی یادگار ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ امریکیوں کو یہ باور کرایا جائے کہ اب کی بار معاملہ کچھ بدل چکا ہے۔

امریکی سفیر 60 لاکھ کا لولی پوپ دے کر دراصل مسلمانوں کے ضمیروں کو خریدنا چاہ رہے ہیں ۔ہماری مساجد پر بمباری کرنے والے امریکیوں کو، ہماری مساجد سے ایسی کیا ہمدردی؟ مدارس پر شعلہ زنی کرنے والوں کو ہمارا ایسا کیا درد؟ ہمارے گھروں، ہماری گلیوں، محلوں اور بازاروں پر ڈرون حملے کرکے اسے کھنڈرات میں تبدیل کرنے والوں کو دلجوئی کا ایسا کیا شوق؟ معصوم پاکستانیوں

کی جان لینے والے ریمنڈ ڈیوس، دخترِ ملت ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو ناکردہ جرم کی پاداش میں پس زنداں ڈالنے والے، بلیک واٹر اور دیگر خفیہ ایجنسیوں کی شکل میں پاکستان کی بنیادوں پر تیشہ چلانے والے، ایبٹ آباد میں پاکستان کی فضائی حدود کی برسرِ عام خلاف ورزی کرنے والے اور اب تازہ ترین مہند ایجنسی کا واقعہ۔ یہ سب کس نے کیا؟ اس کا اصل کردار کون لوگ ہیں؟ کیا یہ 60 لاکھ اس سب کچھ کا مداوا کرنے کو کافی ہیں؟ شعائراللہ کی اس قدر سرِعام توہین پر ٹھنڈے مزاج کے حامل، بڑے دل والے قومی راہنماؤں کی مجرمانہ غفلت عذاب الٰہی کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ کیونکہ غافل قوموں کا انجام تاریخ میں عبرتناک ہوتا رہا ہے۔ اب بھی وقت ہے سنبھلنے کا کہ پانی پلوں کے نیچے سے نہیں گزرا، گر ہو کوئی صاحبِ ادراک! قبل اس کے کہ امریکی کوئی اور جارحانہ قدم اٹھائیں خود سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اللہ ہمارے اس پاک وطن کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔

مزارات کے پابہ زنجیر قیدی بھی توجہ چاہتے ہیں

سماء ٹی وی نے مدرسہ ذکریا کاندھلوی کے دورے کی اجازت نہ ملنے پر ایک ماہ کے بعد انتقامی پلان پر عمل کرکے ''بریکنگ نیوز'' جاری کی، یا ظلم وستم کا شکار ان ''معصوم'' بچوں کو بازیاب کرانے کے جذبہ صادق سے یہ قدم اٹھایا؟ پولیس کو واقعی وہاں سے ''بھاری مقدار'' میں اسلحہ ملا، یا وہاں اسلحہ رکھا گیا؟ وہاں نشے کے عادی افراد کو تعلیم وتربیت فراہم کرکے انہیں معاشرے کا کارآمد شہری بنانے کی کوشش کی جارہی تھی، یا انہیں خودکش حملوں کی تربیت فراہم کرکے ملک وملت کے لیے ناسور پالے جارہے تھے؟ یہ اوراس جیسے تمام سوالوں کے جواب آج نہیں تو کل بہرحال مل جائیں گے، کہ پولیس نے مدرسہ ذکریا کاندھلوی سیل کرکے تمام ریکارڈ اپنے قبضے میں لے لیا ہے، ایک شخص کے علاوہ وہاں کے منتظمین بھی گرفتار ہوچکے ہیں اور تحقیقات شروع کردی گئی ہیں۔

اب تک کی نا تمام تفصیلات کے مطابق اسے مدرسے کا نام دیا جائے یا علاج گاہ کا، بہرکیف زیر تربیت افراد خود اقرار کر چکے ہیں کہ ان کے والدین انہیں وہاں لائے جس کی باقاعدہ ان سے فیس لی گئی ، یہاں تک کہ ان کو باندھنے کے لیے زنجیریں اورتالے تک ان کے ورثاء نے مہیاکیے ،دوسری طرف جو ورثاء اب تک اپنے

بچوں کو لینے کے لیے پولیس اور میڈیا سے رابطہ کر چکے ہیں وہ اس ادارے کی بندش پر نالاں ہیں۔

اس مقام پر اس حقیقت کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ اب بھی کراچی سمیت دیگر ملکی شہروں ایسے ادارے بھی موجود ہیں جنھیں گھروں کے لواحقین نشے یا دیگر ایسے غیر اخلاقی یا غریبی حالات کی وجہ سے مدرسوں میں چھوڑ دیئے جاتے تھے، ایسے مدرسوں کو عمومی طور پر '' جیل مدرسہ '' کے طور پر متعارف کرایا جاتا ہے۔اب بھی ایسے لاتعداد مدارس ایسے ہیں جہاں اولاد کی نافرمانی اور اپنی غربت کی وجہ سے چھوڑ کر جانے کا رجحان موجود ہے۔اگر حکومت مدارس کی مناسب اسکروٹنی کرتی تو یقینی طور پر ایسے مدارس کا سدباب ہوسکتا تھا جن کی وجہ سے اسلامی خدمات دینے والے مدارس کا تشخص اور پاکستان کے امیج کو مجروح ہوتا ہے۔

دینی مدارس اسلامی جمہوریہ پاکستان میں جانے کیوں ہمیشہ ہی زیر عتاب رہے ہیں، حالاں کہ ان کی تعلیمی، فلاحی اور رفاہی خدمات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہیں، یہاں تک کہ پرویز مشرف جیسامدارس ودین دشمن شخص بھی مدارس کو بہت بڑی این جی اوقرار دیتارہاہے۔اس حقیقت کو بھی نہیں جھٹلایاجاسکتاکہ دینی مدارس کے خلاف کیے جانے والے پروپیگنڈے میں صداقت نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی، بلکہ

اکثر وہ کسی یورپی ملک یا مغرب کے خرچے پر پلنے والی کسی این جی او کی نمک حلالی کی غرض سے کیا جاتا ہے۔اس دوڑ میں تمام ابن الوقت ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی کوشش کرتے ہیں، تاکہ اپنے بیرونی آقاؤں سے ''حق خدمت'' حاصل کر سکیں۔انہیں اتنا بھی صبر وقرار نہیں ہوتا کہ تحقیقات کے نتائج کا ہی انتظار کر لیں، کیوں کہ اکثر جب نتائج سامنے آتے ہیں تو ان کے جھوٹ کا پول کھل جاتا ہے، جس کا انہیں پہلے سے ادراک ہوتا ہے، اس لیے وہ ایسا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔

اس واقعے پر بھی یہی صورت حال ہے۔ایک صاحب جنھوں نے کبھی مدرسے کا منہ بھی نہیں دیکھا۔ جن کی جماعت کا ذکر ''خیر سپریم کورٹ'' نے اپنے فیصلے میں بھی ''بھتہ خوروں'' میں کیا۔ جن کی جماعت حکومت کی ''واچ لسٹ'' پر ہے۔ان کا کہنا ہے دینی مدارس کے نام نہاد جہاد کرنے اور نام نہاد اسلام پھیلانے کے مکروہ فعل کی ہم نے ہمیشہ سے مخالفت کی ہے اور گذشتہ کئی برسوں سے کراچی میں مدارس کے نام پر دہشت گردی، انتہا پسندی اور ان مدارس میں قائم زیر زمین تہہ خانوں اور بنکرز کی جانب اشارہ کرتے رہے ہیں، حکومت کراچی سمیت ملک بھر سے انتہا پسندی اور دہشت گردی کا خاتمہ چاہتی ہے تو وہ فوری طور پر ایسے مدارس کے خلاف کریک ڈاؤن شروع کردے۔ہم نے 4 سال قبل ہی بتادیا تھا کہ نام نہاد انتہا پسندوں نے مدرسوں کے اندر بنکرز قائم کیے ہوئے ہیں جہاں دہشت گردوں کو تحفظ

اور کمسن بچوں کو تشدد اور برین واش کرکے دہشت گردی کی طرف راغب کیا جاتا ہے، حکومت کو ایسے مدارس کو واچ میں رکھنا ہوگا جہاں بنکرز قائم کیے ہوئے ہیں اور یہی دہشت گردی کے اصل ٹھکانے ہیں۔ (روزنامہ جنگ بدھ 14 دسمبر 2011

ملاحظہ فرمایئے، دین کا نام لے کر لوگوں سے چندہ بٹورنے والے ''مذہبی رہنما'' مدارس دینیہ کے بارے میں کیا گل افشانی فرمارہے ہیں؟

شرم تم کو مگر نہیں آتی

ہماری جناب چیف جسٹس سپریم کورٹ سے درخواست ہے کہ وہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان اور دینی مدارس کے خلاف بلاجواز زہر اگلنے والے ان ابن الوقتوں کے خلاف بھی کارروائی کا حکم دیں، جو اپنے مذموم مقاصد کی خاطر نفرت انگیز بیان بازی کرکے عوام میں مذہبی منافرت کا پرچار کرکے نقص امن کا باعث بن رہے ہیں۔

ہم ان سطور کے ذریعے حکومت کی توجہ مزارات اور آستانوں میں پابہ زنجیر قیدیوں کی طرف بھی دلانا چاہتے ہیں۔ جن کا مشاہدہ اکثر مزارات اور عاملوں کے آستانوں پر ہوتا ہے۔اس قسم کا ایک تازہ ترین کیس حال ہی میں ٹنڈو آدم میں بھی پیش آیا ہے، جس میں امام مسجد نے سفلی علم کی بھینٹ کے طور پر ایک پانچ سالہ بچے کو قتل کردیا، مذکورہ شخص گرفتار کیا جاچکا ہے۔اس کی ویڈیو ''یوٹیوب'' پر دیکھی جاسکتی ہے۔بات ویسے بھی چل پڑی ہے۔حکومت اس سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے شاہ

عقیق، شاہ نورانی، درگاہ سیہون، زندہ پیر وغیرہ میں بھی ایسے پابند سلال ذہنی مریضوں کو بازیاب کرانے کی کوشش کرے۔ حکومت کا فرض بنتا ہے کہ ایسے مریضوں کو بیت المال سے علاج معالجہ کی سہولیات فراہم کرے۔ صوبائی وزیر برائے نسانی حقوق محترمہ نادیہ گبول نے اس جانب ایک ہلکا سا اشارہ بھی دیا ہے اور کہا ہے کہ مدرسے سے ملنے والے بچوں کو والدین کے حوالے نہیں کیا جائے گا، شہر میں منشیات کی عادت چھڑانے کے کئی مراکز ہیں، منشیات کے عادی بچوں کو وہاں داخل کرایا جائے گا۔

عمران خان کی سیاست

1952ء میں میانوالی کے علاقے میں اکرام اللہ خان نیازی کے گھر جنم لینے والے عمران احمد خان نیازی نے اعلیٰ تعلیم کے حصول کے بعد کرکٹ کو اپنا ذریعہ معاش بنایا اور اپنی محنت اور لگن سے پاکستان کی کرکٹ ٹیم کا کپتان بن گیا، جو ایک پسماندہ گاؤں کے شیر مانخیل قبیلے ہی کے لیے نہیں، تمام اہل پنجاب و سرحد کے لیے ایک بڑا اعزاز تھا۔ 1971ء سے شروع ہونے والا اس نوجوان کا کرکٹ کیریئر بلاشبہ اپنی ابتدا سے انتہا تک کامیابیوں سے عبارت ہے۔ 1992ء میں ورلڈ کپ وطن عزیز کی گود میں ڈال کر عمران خان نے کرکٹ سے علیحدگی کا اعلان کیا۔ اس کے بعد اس کی تمام تر تگ و تاز کا محور اپنی مرحومہ والدہ کے نام پر ایک کینسر ہسپتال قائم کرنے پر مرکوز رہی، جس میں اس نے جلد ہی کامیابی حاصل کی، جس میں عوام و خواص میں اس کو حاصل مقبولیت کے ساتھ ساتھ اس کے انتھک جذبے کا بھی بڑا دخل تھا۔ اپنے قیام سے لے کر اب تک شوکت خانم میموریل ہاسپٹل سے صحت یاب ہونے والے کینسر کے مریضوں کی تعداد یقیناً ہزاروں میں ہے۔

عمران خان نے جو براڈ فورڈ یونیورسٹی کے بانی اور چانسلر بھی ہیں اور پولیٹیکل سائنس، اکنامکس اور فلسفہ میں ماسٹرز کی ڈگریاں رکھتے ہیں، اپریل 1996ء میں پاکستان تحریک انصاف کے نام سے ایک سیاسی جماعت کی بنیاد رکھی، جس کے اساسی

ارکان میں حامد خان، اعجاز چوہدری، ایڈمرل جاوید اقبال، شاہد ذوالفقار علی، یوسف ملک گبول، فوزیہ قصوری اور عمر سرفراز چیمہ شامل تھے، یہ تمام نام بساط سیاست کے لیے اجنبی تھے، جس کی بناپر میدان سیاست کے برزجمہروں کا کہنا تھا کہ یہ جماعت ''ون مین شو''ثابت ہوگی، جو کسی حدتک غلط بھی نہیں تھا۔ اکتوبر 2002 ء کے قانون سازی اسمبلی کے انتخابات میں اس پارٹی کو 0.8 فیصد ووٹ ملے، یوں کل 272 ممبران میں سے ایک ممبر تحریک انصاف کی طرف سے منتخب ہوا۔ اسی طرح صوبائی انتخابات میں صوبہ سرحد کی طرف سے بھی تحریک انصاف کا ایک رکن منتخب ہوا۔

عمران خان مختلف وقتوں میں مختلف جماعتوں اور افراد کے ساتھ رہے۔ ایک وقت میں وہ بدنام زمانہ آمر پرویز مشرف کے بھی خاص لوگوں میں شامل سمجھے جاتے تھے، جب وزارت عظمیٰ کی منزل انتہائی قریب تھی تو راستے بدل دیا۔ کسی دور میں وہ طالبان کی بولی بھی بولتے رہے۔ کبھی انہوں نے ڈاکٹر مہاتیر محمد کو اپنا آئیڈیل کہا، تو ایک دور میں ''بناسپتی شیخ الاسلام ڈاکٹر طاہر القادری'' کی زلف گرہ گیر کے بھی اسیر ہوئے۔ بنیادی طور پر وہ اپنے ماضی کے برعکس اسلام کی طرف مائل دیکھے گئے، اس حوالے سے انہیں عوام میں کافی پذیرائی بھی حاصل ہوئی۔ قصہ کوتاہ ان کا کوئی انقلابی اقدام سامنے آ سکا اور نہ ہی ان کی سمت کا واضح طور پر تعیین کیا جا سکا۔ کہنے والوں نے انہیں بساط سیاست کا ایک ناکام

کھلاڑی تک قرار دے ڈالا، جس کی اپنی کوئی واضح سوچ اور منزل نہیں ہوتی اور وہ اپنا قد اونچا کرنے کے لیے اپنا وزن کبھی کسی کے پلڑے میں ڈالتا ہے تو کبھی کسی کے۔ اس صورت حال کو دیکھ کر نہیں لگتا تھا کہ آئندہ انتخابات میں تحریک انصاف کوئی مقام حاصل کر سکے گی۔

حال ہی میں، جبکہ انتخابات کا موسم قریب آ گیا ہے، عمران خان نے اچانک تبدیلی اور انقلاب کی بات کی۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے عوامی جلسے کیے اور اپنا منشور عوام کے سامنے رکھا کہ تحریک کا منشور قوم کی عزت نفس کو برقرار رکھتے ہوئے ایک ایسا منصف معاشرہ تشکیل دینا کہ جس کی بنیاد میں انسانی اقدار شامل ہوں۔ تحریک انصاف حقیقی اقتدار اور لوگوں کو ان کی مرضی کے سیاسی اور معاشی مقاصد کو معاشرتی، ثقافتی اور مذہبی اقدار کے مطابق چننے کا اصل حق دے گی۔ ہم ایک ایسی تحریک کے داعی ہیں جس کا مقصد انصاف پر مبنی آزاد معاشرہ ہو۔ ایک آزاد اور مستحکم جدید اسلامی ریاست بنائی جا سکے، پاکستان کے وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے امریکہ سمیت تمام طاقتوں کی غلامی سے نجات حاصل کی جائے، عوام کو ان کی دہلیز پر انصاف فراہم کیا جائے، بے روزگاری، مہنگائی اور جہالت و ناخواندگی سے نجات حاصل کی جائے۔ ان کے جلسوں کو ناقابل یقین حد تک پذیرائی حاصل ہوئی۔ اس کے ساتھ ساتھ بساط سیاست کے بہت سے آزمودہ کھلاڑی بھی اس کے ہم رکاب ہوئے، جن میں شاہ محمود قریشی، میاں

محمد اظہر، خیبر پختونخوا کے ضلع نوشہرہ سے تعلق رکھنے والے صوبائی وزیر آبپاشی پرویز خٹک اور اعظم خان ہوتی وغیرہ بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ عمران خان نے اس حوالے سے کوئی پابندی نہیں لگائی، بلکہ ان کا کہنا ہے کہ تحریک انصاف میں جو بھی آئے گا، اسے خوش آمدید کہا جائے گا، تاہم پارٹی کا پارلیمانی بورڈ ایسے لوگوں کو ٹکٹ نہیں دیگا جو کسی بھی قسم کی مالیاتی کرپشن میں ملوث ہوں گے۔ یہ تو وقت بتائے گا کہ پارلیمانی بورڈ اس بات پر کس حد تک عمل پیرا ہو سکے گا، بادی النظر میں یہ بات تقریباً ناممکن نظر آتی ہے، کیونکہ کوئی بعید نہیں کہ اس وقت ''کلین سویپ'' کرنے کے لیے خان صاحب ارشاد فرما دیں کہ کوئی فرشتہ نہیں ہے، جو جس علاقے سے جیت سکتا ہے اسے وہاں سے ٹکٹ دے دیا جائے۔ اگر ایسا ہو گیا تو خاکم بدہن یہ تمام نعرے، خلافت راشدہ کا نظام لانے کی باتیں اور عوام کو ریلیف دینے کے ارادے و عزائم خاک میں مل جائیں گے، جو اس بھولی بھالی قوم کے ساتھ ایک اور سنگین مذاق ہو گا۔

خیبر پختونخوا اور پنجاب میں ''کلین سویپ'' کرنے کے بعد اب خان صاحب کراچی تشریف لا رہے ہیں، ان کا کہنا ہے پچیس دسمبر کے تاریخی جلسے میں نئے پاکستان کا پروگرام پیش کیا جائے گا، کراچی میں نفرتوں کی سیاست ختم کرنے کیلئے جا رہے ہیں۔ اللہ کرے ایسا ہی ہو، ورنہ اب تک تو یہی ہوتا آیا ہے کہ جس نے نفرتوں کی خلیج کو پاٹنے کے جتنے زیادہ باغ دکھائے ہیں وہ اتنا ہی بڑا نفرتوں

کاسوداگرثابت ہوا ہے۔ کراچی کے عوام کو خان صاحب کی آمد اور آفاق احمد کی رہائی کی خوشی سے زیادہ یہ خوف کھائے جارہا ہے کہ کہیں پھر سے لاشیں گرانے کا مکروہ سلسلہ شروع نہ ہوجائے۔ بعض علاقوں میں مہاجر حقوق کے متحارب فریقوں کی جانب سے پہرے''کے آغاز کی خبریں اس خوف میں اوراضافہ کررہی ہیں۔کاش خان صاحب'' واقعی نفرتوں کی خلیج کو پاٹنے کاذریعہ بن جائیں۔

ماہ صفر المظفر اور مروجہ بدعات

صفر اسلامی سال کا دوسرا مہینہ ہے اسلام کے آنے سے پہلے بھی اس مہینے کا نام صفر ہی تھا۔ اسلام نے اس کے نام کو برقرار رکھا۔ اسلام سے پہلے لوگوں کا خیال تھا کہ اس مہینے میں آسمان سے بلائیں اور آفتیں نازل ہوتی ہیں، للہذا وہ اس مہینے میں سفر وغیرہ نہیں کرتے تھے۔

جوں جوں اسلامی تعلیمات سے دوری بڑھتی جارہی ہے، مسلمان قرآن و سنت کی تعلیمات کی بجائے رسوم و رواج اور شرک و بدعات کی دلدل میں دھنستے چلے جارہے ہیں اور دین کے بنیادی احکامات تک کو چھوڑ کر ان ''ایجاد بندہ'' طرز کی باتوں کو ہی اصل دین قرار دیا جارہا ہے۔ صفر کے مہینے کے حوالے سے بھی بیشتر مسلمانوں کا یہی حال ہے۔

عوام میں یہ بات مشہور ہے کہ اس مہینے میں لولے، لنگڑے اور اندھے جنات بڑی کثرت سے آسمان سے اترتے ہیں اور لوگوں کو نقصان پہنچاتے ہیں،اسی وجہ سے بعض لوگ اس مہینے میں صندوقوں، اور درودیوار کو ڈنڈے مارتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس طرح ہم ان ضرر رساں جنات کو بھگارہے ہیں اسی بناء پر بالخصوص خواتین

اپنے چھوٹے بچوں کے معاملے میں بہت محتاط اور خوف زدہ رہتی ہیں کہ کہیں یہ جنات انہیں نقصان نہ پہنچادیں۔ بعض علاقوں میں صفر کے مہینے کے اختتام پر خواتین مکڑی کے جالے صاف کرتے ہوئے کہتی ہیں: ''اے صفر! دور ہوجا''۔ان تمام باتوں کی بنیاد اس مہینے میں بکثرت جنات کے زمین پر اترنے اور لوگوں کو نقصان پہنچانے کے نظریے پر ہے، جس کی کوئی اصل نہیں۔ بلکہ یہ زمانہ جاہلیت کی توہم پرستی ہے، جس سے اسلام اپنے پیروکاروں کو منع کرتا ہے۔

صفرالمظفر کی ابتدائی تیرہ تاریخوں کو انتہائی منحوس تصور کیا جاتا ہے اور ان دنوں میں نہ صرف یہ کہ شادی، بیاہ اور سفر وغیرہ سے گریز کیا جاتا ہے بلکہ بعض مقامات پر تیرہ تاریخ کو چنے ابال کر اور بعض جگہوں پر چوری بنا کر تقسیم کی جاتی ہے۔ اب تو رفتہ رفتہ پورے صفر کے مہینے کا نام ہی تیرہ تیزی رکھ دیا گیا ہے اور پورے مہینے کو منحوس سمجھ کر اس میں کسی بھی نئے کام کا آغاز نہیں کیا جاتا۔ اس کی بظاہر وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ان تیرہ دنوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض الوفات میں شدت آ گئی تھی، لہٰذا صفر کے ابتدائی تیرہ دن اور ان کی وجہ سے پورا مہینہ منحوس اور ہر قسم کی خیر وبرکت سے خالی ہے۔ حالانکہ اس بات کی کوئی اصل نہیں۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض میں شدت صفر کے آخری ایام میں پیدا ہوئی تھی۔ مورخ اسلام محمد بن سعد لکھتے ہیں: ''28 صفر بروز بدھ کو رسول صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کے مرض کا آغاز ہوا''۔

عوام میں مشہور ہے کہ صفر کے آخری بدھ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیماری میں افاقہ ہوگیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غسل صحت فرمایا تھا، پھر تفریح کے لیے گھر سے باہر تشریف لے گئے تھے، اسی بناء پر بعض خواتین گھی، چینی یا گڑ کی روٹیاں پکا کر تقسیم کرتی ہیں اور جواز یہ پیش کیا جاتا ہے کہ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم اکی صحت یابی کی خوشی میں یہ عمل کیا تھا۔ بعض لوگ اس بدھ کو اہتمام سے سیر و تفریح کے لیے باغات اور پارکوں میں جاتے ہیں اور بعض لوگ پکے ہوئے چھولے اور عمدہ قسم کے کھانے پکا کر تقسیم کرتے ہیں اور جواز یہ پیش کیا جاتا ہے کہ ہم حضور رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحت یابی کی خوشی میں یہ عمل کرتے ہیں۔ بعض علاقوں میں باقاعدہ تہوار منایا جاتا ہے۔ مزدور اور کاریگر اپنے مالکان سے اس دن کھانے اور مٹھائی کا مطالبہ کرتے ہیں۔

ان تمام رسومات کی بنیاد یہ غلط اعتقاد ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صفر کے آخری بدھ کو صحت یاب ہوئے تھے، جیسا کہ ایک شعر بھی معروف ہے

آخری چہار شنبہ آیا ہے

غسلِ صحت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے

.بریلوی مسلک کے اعلیٰ حضرت احمد رضا خان صاحب.بریلوی فرماتے ہیں: ''آخری چہار شنبہ کی کوئی اصل نہیں، نہ اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحت یابی کا کوئی ثبوت ہے، بلکہ مرضِ اقدس جس میں وفات ہوئی، اس کی ابتدا اس دن سے بتائی جاتی ہے''۔(احکام شریعت جلد 3 صفحہ 183)

.بریلوی مسلک کے مفتی اعظم امجد علی صاحب لکھتے ہیں: ''ان دنوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرض شدت کے ساتھ تھا، لوگوں کو جو باتیں بتائی جاتی ہیں سب خلافِ واقعہ ہیں''۔(بہار شریعت جلد 6 صفحہ 242)

ہم نے اس مسلک کے اساطین علم کا حوالہ اس لیے دیا ہے کہ مذکورہ بالا ''رسوم وبدعات'' میں اسی مسلک کے پیروکار زیادہ سرگرم نظر آتے ہیں، جبکہ اس کے مقابلے میں دیوبندی اور اہل حدیث مسلک میں ان ''خرافات'' کا وجود نہیں ہے یا بہت کم ہے۔

عوام کی ایک بڑی تعداد اس مہینے میں شادی بیاہ کو ممنوع سمجھتی ہے اور مشہور ہے کہ: جو شادی صفر میں ہوگی وہ صِفر ثابت ہوگی''، لہٰذا لوگ اس مہینے میں شادی سے '' انتہائی گریز کرتے ہیں اور پہلے سے طے شدہ تاریخوں تک کو

محض صفر کی وجہ سے تبدیل کردیتے ہیں اسی طرح خوشی کی دوسری کوئی تقریب بھی منعقد کرنے سے قصداً گریز کیا جاتا ہے۔اس کی بنیادی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ صفر کا مہینہ نعوذ باللہ) نامبارک اور منحوس ہے، لہٰذا اس میں کیا جانے والا کام بھی نامبارک و منحوس ثابت ہوگا۔

یہ اعتقاد سراسر غلط اور خلافِ شریعت و سنت ہے۔سال کے بارہ مہینوں میں سے کوئی مہینہ بھی منحوس نہیں ہے۔ متعدد احادیث میں سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کی نفی واضح طور پر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ کسی بھی چیز میں فی نفسہ کوئی نحوست نہیں ہوتی۔

حکیم بن معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کسی بھی چیز میں کوئی نحوست نہیں۔ گھر، عورت، سواری (جس کو لوگ منحوس سمجھتے ہیں) ان سے بھی برکت ہوتی ہے۔(ترمذی

امام بخاری نقل کرتے ہیں: ماہ صفر میں بیماری، بدشگونی و نحوست، شیطان جنات کی گرفت کے اثرات کی کوئی حقیقت نہیں۔ (بخاری

علامہ طیبؒ فرماتے ہیں: ''صفر وہی مشہور مہینہ ہے، جس کے بارے میں اہل

جاہلیت کا خیال تھا کہ اس میں مصیبتوں اور فتنوں کا کثرت سے نزول ہوتا ہے۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لَاعَدْوٰی وَلَاصَفَرَ وَلَاغُوْلَ (اللہ کے حکم کے بغیر ایک کا مرض دوسرے کو نہیں لگتا اور صفر میں کوئی نحوست نہیں اور بھوت پریت (غول بیابانی) میں اللہ کے حکم کے بغیر کسی کو نقصان پہنچانے کی صلاحیت نہیں ہے) فرما کر اس کی نفی فرمادی''۔

حاصل یہ کہ صفر کے مہینے میں بھی سال کے باقی گیارہ مہینوں کی طرح کوئی نحوست نہیں ہے اور جس طرح سال کے کسی بھی مہینے میں نکاح کرنے کی کوئی ممانعت نہیں، اسی طرح اس مہینے میں بھی نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اسلامی تعلیمات سے دوری کی وجہ سے مسلمانوں میں یہ بات پیدا ہو گئی ہے کہ وہ محرم کے مہینے میں اس لیے نکاح وغیرہ نہیں کرتے کہ اس میں واقعہ کربلا ہوا تھا اور ماہ صفر میں اس لیے نکاح نہیں کرتے کہ اس مہینے میں ہونے والے نکاح نامبارک و منحوس ثابت ہوتے ہیں۔ شریعت ان دونوں مہینوں میں نکاح پر کوئی پابندی عائد نہیں کرتی، شریعت نے سال بھر کے ہر دن اور ہر مہینے میں نکاح اور شادی بیاہ کو جائز رکھا ہے، اور کسی مہینے یا دن میں ان امور کی ممانعت نہیں فرمائی۔ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی مہینے میں حضرت سیدہ صفیہ بنی حییؓ سے عقدِ نکاح فرما کر اپنے عمل سے بھی ثابت فرما دیا ہے کہ صفر کے مہینے میں شادی و نکاح کرنا جائز ہے۔ کسی کی وفات پر شریعت صرف

تین دن سوگ منانے کی اجازت دیتی ہے، البتہ بیوی اپنے شوہر کی وفات پر 4 ماہ 10 دن سوگ منائے گی۔ یہ بھی کتنا بڑا ستم ہے کہ محرم الحرام میں تو نواسۂ رسول حضرت سیدنا حسین اور دوسرے شہدائے کربلا کے غم کی وجہ سے شادی بیاہ ممنوع قرار پائے، مگر ربیع الاول، جو حضرت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کا مہینہ بھی ہے، اس میں دھڑا دھڑ شادیاں کی جائیں۔ جانے کیوں اس موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کا غم یاد نہیں آتا۔

کربلا کا دل دوز واقعہ ۱۰ محرم کو پیش آیا۔ اس واقعے میں نواسۂ رسول حضرت سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما سمیت اہل بیت کی ایک بڑی تعداد اور متعدد عظیم ہستیاں شہید ہوئیں۔ ایک مخصوص طبقہ محرم کو شہادت حسین رضی اللہ عنہ کی آڑ میں غم کے مہینے کے طور پر مناتا ہے اور یہی طبقہ ۲۰ صفر المظفر کو چہلم حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ و شہدائے کربلا کے نام سے جلسے، جلوس کرتا اور عام شاہراہوں کو ٹریفک کے لیے بند کرادیتا ہے۔ شریعت اسلام میں نہ تو شہادت کوئی مصیبت ہے جس کا غم منایا جائے اور نہ ہی سوئم، چہلم اور برسی وغیرہ مروجہ بدعات کی کوئی گنجائش ہے۔ تمام مکاتبِ فکر کے مفتیانِ کرام نے سوئم، چہلم اور برسی وغیرہ کو بدعت لکھا ہے، لہٰذا اس سے بچنا چاہیے۔ تفصیلات کے لیے فتاویٰ بزاریہ فتاویٰ شامی، فتاویٰ محمودیہ، فتاویٰ رضویہ اور فتاویٰ) اہل حدیث سمیت فقہ و فتاویٰ کی کتابیں دیکھی جاسکتی ہیں)۔

اللہ تعالی تمام مسلمانوں کو ہر قسم کے شرک وبدعات اور رسوم ورواج سے بچنے اور خاتم المرسلین کی کامل واکمل شریعت کے مطابق زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(آمین)

!!مشرف کو آنے دیا جائے

جنرل ریٹائرڈ پرویز مشرف کو ایک بار پھر اقتدار کے خواب نظر آنے لگے ہیں، یاد کھائے جانے لگے ہیں اور وہ قوم وملت کے ''وسیع تر مفاد'' میں وطن واپسی کا عندیہ دے چکے ہیں۔ یہ اعلان انہوں نے کراچی میں ایک جلسے سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔
دوسری طرف وفاقی وزیر داخلہ رحمان ملک نے کہا ہے کہ سابق فوجی صدر اشتہاری ملزم ہیں اور پاکستان آنے پر انھیں گرفتار ہونا پڑے گا۔ سندھ کے وزیر داخلہ منظور وسان نے بھی کہا ہے کہ بینظیر قتل کیس میں عدالت نے اکتوبر 2011 میں مشرف کے جو وارنٹ جاری کیے تھے، وہ ہمیں مل چکے ہیں، لہٰذا ائیر پورٹ سے ہی انہیں گرفتار کرکے ان کی پسندیدہ لانڈھی جیل منتقل کر دیا جائے گا، جہاں انہیں سی کلاس دی جائے گی۔ واضح رہے کہ بینظیر قتل کیس کے علاوہ نواب اکبر بگٹی قتل کیس میں بھی ان کے وارنٹ گرفتاری جاری کیے جا چکے ہیں۔ اس وقت ان کی حیثیت ایک اشتہاری مجرم کی ہے، جسے گرفتار کرنا آئین وقانون کا تقاضا اور اس کی عمل داری حکومت کا فریضہ ہے۔
مشرف صاحب کا تکیہ کلام تھا کہ : جو حکومتی رٹ کو تسلیم نہیں کرے گا، اسے ایسی

جگہ سے ہٹ کریں گے کہ اسے پتا بھی نہ چلے گا۔اسی جرم میں انہوں نے لال مسجد اور جامعہ حفصہ پر خونی حملہ کیا اور ہزاروں علما، طلبہ وطالبات کے خون ناحق سے اپنے نامہ اعمال کی سیاہی میں اضافہ کیا تھا، اسی جرم میں اکبر بگٹی اوران کے ساتھیوں کے خلاف آپریشن کیا تھا،اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ اپنے حوالے سے حکومت وقانون کی رٹ کی کس حدتک پاسداری کرتے ہیں۔انہیں چاہیے کہ وہ اقتدار کے خواب دیکھنے کی بجائے اس رٹ'' کا احترام کرتے ہوئے خود ہی عدالتوں میں پیش ہوں اوراپنے خلاف مقدمات'' کاسامنا کریں،تاکہ ان کی قانون وآئین پسندی واضح ہوسکے۔ویسے یہ قدم انہیں اسی دن اٹھالینا چاہیے تھا،جب وہ اقتدار سے علیحدہ کیے گئے تھے،نہ انہوں نے یہ قدم اٹھایااور نہ ہی حکومت نے اپنی رٹ پر عمل کرایا اور وہ امریکہ سدھار گئے، عوام نے پھر بھی سکون کاسانس لیاکہ چلوایک موذی ڈکٹیٹر کے ناپاک وجود سے تووطن عزیز کی دھرتی پاک ہو گئی: خس کم جہاں پاک۔جو حکومت نے اس وقت اپنی رٹ پر عمل نہ کرا سکی،اس سے یہ توقع عبث ہے کہ وہ اب اپنی رٹ پر عمل کرتے ہوئے اس اشتہاری مجرم کو حوالہ زنداں کرسکے گی،جبکہ یہ خبریں بھی ہیں کہ اس سلسلے میں انہوں نے سعودی حکمرانوں سے رابطہ کیاہے،تاکہ یہ ضمانت لی جاسکے کہ انہیں وطن واپسی پر گرفتار نہیں کیاجائے گا،تاہم وہ اب تک یہ یقین دہانی حاصل کرنے میں ناکام ہیں اورحزب اختلاف وحزب اقتدار دونوں ان کی واپسی کے حق میں نہیں ہیں،ملک جی ان کی واپسی کی راہ روکنے کے لیے سعودی عرب یاترا کرآئے ہیں،جبکہ میاں صاحبان بھی

آج کل میں سعودی عرب کا دورہ کرنے والے ہیں۔ یہ بظاہر ایک خوش کن امر ہے۔ لیکن جس سیاست میں ''نظریہ ضرورت'' ہی سب سے بڑا اصول ہو، وہاں فی الحال کوئی رائے قائم کرنا قبل از وقت ہوگا۔

قوم کا مطالبہ ہے کہ ان کو آنے دیا جائے، تاکہ وہ اپنے کیے کے انجام سے دوچار ہو سکیں۔ ان کے جرائم کوئی ایسے معمولی نہیں، جنہیں قوم آسانی سے بھول سکے۔ ملک کی بنیادی خود مختاری کا صرف ایک فون کال پر سودا کرنا اور اکتوبر 2001ء کو علانیہ پاکستانی زمین ، فضا اور ہوائی اڈے طالبان کے خلاف امریکہ کے حوالے کرنا، جس سے طالبان کی اسلامی حکومت کا خاتمہ ہوا۔ روشن خیالی کے نام پر ملک میں بنیادی اسلامی اقدار پر تیشے چلانا، آئین کو بازیچہ اطفال بنانا، مسلمانوں کو ڈالروں کے لالچ میں پکڑ پکڑ کر دشمن کے حوالے کرنا، حقوق کے لیے آواز بلند کرنے کی پاداش میں محب وطن لوگوں کو غائب کر دینا، عدلیہ پر شب خون مارنا، یہ مشرف ہی تھے جنھوں نے بلاوجہ آئین کے آرٹیکل 209 کی رو سے چیف جسٹس سپریم کورٹ جناب جسٹس افتخار محمد چوہدری کو 9 مارچ 2007ء میں معطل کر دیا اور مئی 2007ء کو معطل شدہ چیف جسٹس سپریم کورٹ جناب چوہدری افتخار محمد کراچی ائر پورٹ آئے تو حکومت کی خاموش سرپرستی سے کراچی میں خون کی ہولی کھیلی گئی ، جسے مشرف نے ''شو آف پاور'' کا نام دے کر سند جواز فراہم کی۔

مسلمانان پاکستان نہیں بھولے کہ یہی وہ شخص ہے جس نے بلدیاتی انتخابات میں ختم نبوت کا حلف نامہ حذف کردیا تھا، جو دو قومی نظریے کی جس پر آئین پاکستان کی عمارت استور ہے واضح خلاف ورزی تھی، اسی طرح قومی وصوبائی الیکشن 2002ء کے فارمز نامزدگی میں نہ تو اللہ تعالیٰ کی حاکیت کا اقرار شامل کیاگیا اور نہ ہی عقیدہ ختم نبوت کی تصدیق والا حلف نامہ شامل کیاگیا، بلکہ جھوٹے مدعی نبوت کی تردید والا حلف نامہ بھی حذف کردیاگیا تھا اور ستم یہ کہ قائد اعظم محمد علی جناح کا نام پہلے نمبر پر اور حضور کا اسم مبارک دوسرے نمبر پر رکھاگیا۔یہی وہ شخص ہے جس نے تحفظ حقوق نسواں بل بالاتفاق غیر شرعی وغیر آئینی ہونے کے باوجود 4دسمبر 2006ء میں پاس کرایااور اس پر دستخط کردیے تھے۔اسی کی ایماپر حکومتی سرپرستی واجازت سے 26 جنوری 2007ء کو لاہور میں پہلی مرتبہ تیسری بین الاقوامی میراتھن ریس منعقد ہوئی، اس ریس کا مقصد یہ تھا کہ مرد وعورت عریاں ہوکر بھاگتے اور جسمانی ساخت دکھانے میں مسابقت کریں۔اسی خونی درندے کے حکم پر جنوری 2007ء کو حکومت نے اسلام آباد کی مسجد امیر حمزہ سمیت سات مساجد کو شہید کردیا اور 40مساجد کو منہدم کرنے کے لیے نوٹس جاری کیا تھا، جبکہ جولائی 2007ء کو لال مسجد کے طلبہ وطالبات کے خلاف خونی آپریشن کرکے تین ہزار کے لگ بھگ افراد کو ابدی نیند سلادیاگیا تھا۔اسی کے دور میں کیبل کا لائسنس جاری کردیاگیا تاکہ رقص اور بے حیائی عام ہو، جبکہ نئی مسجد ومدرسہ کے لائسنس پر پابندی لگادی گئی، پاکستان کی جہادی اور دینی

جماعتوں پر پابندی لگادی گئی جبکہ عیسائی وغیر مسلم این جی اوز کو مزید سہولتیں فراہم کی گئیں۔اسی کے کہنے پر حکومت نے دینی مدارس کو صفحہ ہستی سے مٹانے اور نصاب کا حلیہ بگاڑنے کے سلسلے میں مکروہ کوششیں کیں،18اگست2001ء میں جاری کیاگیا آرڈیننس اور ماڈل دینی مدارس کا قیام اس کا بین ثبوت ہے۔یہ مشرف کاہی دورحکومت تھاجب نومبر2006ء کو برطانوی وزیراعظم ٹونی بلیئرپاکستان کے دورے پر آئےاور ظہرکے بعد فیصل مسجداسلام آباد آنے کاپروگرام بنایاتو یہ مقدس مسجد حکومتی کارندوں کی تحویل میں چلی گئی اور نماز عصر کی اذان دی گئی اور نہ ہی بروقت باجماعت نماز کی اجازت ملی۔

یہ ایسے جرائم نہیں،جو ٹھنڈے پیٹوں ہضم کیے جاسکیں۔قدرت کا قانون مکافات عمل حرکت میں آگیاہے۔انشاء اللہ وہ دن دورنہیں جب اس بدترین ڈکٹیٹراورخونی قاتل سے اس کے ایک ایک جرم کابدلہ لے کراس کاحساب چکایاجائے گا۔اس سلسلے میں اگرحکومت اپوزیشن یاعدلیہ نے کسی قسم کااندرونی یابیرونی دباؤقبول کیاتوآنے والے وقت انہیں، بھی معاف نہیں کرے گا۔

کیا متحد ہونے کا وقت اب بھی نہیں آیا؟

اعجاز احمد قاسمی

اطلاعات کے مطابق چنیوٹ کے معروف عالم دین مولانا قاری فیض احمد سلیمی صاحب جو کہ بلال مسجد کے امام وخطیب ہیں اور جامعہ خدیجہ الکبریٰ کے مہتمم بھی ہیں، کو 24 دسمبر کی شام نماز عشاء سے قبل پولیس کی وردیوں میں ملبوس نامعلوم افراد جو کہ پراڈو گاڑی میں سوار تھے، اغواء کرکے لے گئے۔ جب چنیوٹ کے تھانہ سٹی سے رابطہ کیا گیا تو انہوں نے مولانا فیض احمد سلیمی کی گرفتاری کی تردید کی اور ایسے کسی بھی واقعے سے لاتعلقی کا اظہار کیا۔ ایک ہفتہ سے زائد کا عرصہ گزرنے کے باوجود ابھی تک نہ تو مولانا فیض احمد سلیمی کو رہا کیا گیا ہے اور نہ ہی ان کے بارے میں کچھ بتایا جارہا ہے۔ تھانہ سٹی چنیوٹ کا عملہ مولانا کے اغواء کی رپورٹ درج کرنے سے بھی گریزاں ہے۔ یہ اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ نہیں، بلکہ پورا ملک ایسے بے شمار واقعات سے بھرا پڑا ہے۔ دیوبند مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے لاتعداد علمائے کرام اور عام افراد اسی طرح غائب کردیے جاتے ہیں، جن میں سے بعض سال سال دو دو سال کے بعد رہا ہوتے ہیں اور بعض کو چند ماہ بعد ہی کسی نہ کسی کیس میں ملوث کرکے چالان کرکے جیل بھیج دیا جاتا ہے۔ یوں تو دیوبند مکتب فکر کے خلاف حکومتی سطح پر کی

جانے والی سازشوں کی ایک لمبی تاریخ ہے مگر علمائے کرام وکارکنان کی ناجائز گرفتاریاں، مراکز پر حملے، جلاؤ گھیراؤ حتیٰ کہ علماء و عام افراد کا قتل عام اور دیگر کارروائیوں میں تیزی ایک دہائی سے زیادہ عرصہ پر محیط ہے۔بظاہر یوں محسوس ہوتا ہے کہ دیوبند مکتب فکر کے خلاف حالیہ سرگرمیاں نائن الیون کے بعد شروع ہوئیں مگر حقیقت یہ ہے کہ قیام پاکستان کے بعد سے 2001ء کے اختتام تک بھی دیوبند مکتب فکر تقریباً ہمیشہ ہی حکومتی عتاب کا شکار رہاہے۔تاریخ ہند پر نظر رکھنے والوں پر یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ دیوبندی اکابر نے کبھی بھی انگریز کی غلامی کو قبول نہیں کیا۔انگریز سرکار کی علانیہ مخالفت، تقریر و تحریر کے ذریعے اس کی مذمت، برصغیر پر انگریزی قبضے کے خلاف عوامی شعور بیدار کرنااور کسی بھی ناانصافی کے خلاف خاموش نہ رہنااس مکتب فکر کے اکابر کا وطیرہ رہاہے اور اب بھی ہے۔ملک و قوم اوراسلام کے خلاف ہونے والی کوئی بھی استعماری سازش ہو، سرکار کی طرف سے اسلام دشمنی پر مبنی کوئی پالیسی بنے یا کسی این جی اوز کی طرف سے توہین اسلام کی جائے، غرضیکہ کسی بھی غیر اسلامی ،غیر شرعی، سماج دشمن کارروائی کے خلاف علمائے دیوبند صف آراء ہونے میں دیر نہیں لگاتے۔یہی وجہ ہے کہ ملک میں کوئی بھی حکومت ہو، حکمران چاہے کسی بھی ذہنیت کے حامل ہوں، ان کی طرف سے کسی قسم کی اسلام بےزاری کا واقعہ رونما ہونے کی دیر ہوتی ہے اِدھر سے علمائے حق دشمنان دین کو للکارتے ہوئے میدان عمل میں کود پڑتے ہیں۔یہی وہ جرم ہے جس کی سزا ہمیشہ

علمائے دیوبند اور ان کے پیروکاروں کو ملتی ہے۔ کچھ عرصہ قبل میرے لیے نہایت ہی واجب الاحترام میرے بھائی جان جناب حافظ محمد ابوبکر صاحب بھی اسی طرح کے حکومتی جبر کا نشانہ بنے اور ایک ماہ تک غائب رکھنے کے بعد خطرناک مقدمہ میں ملوث کرکے جیل کی کال کوٹھری میں بند کر دیے گئے۔ حافظ ابوبکر کی قید کے دوران ہمارے ساتھ جس طرح کے حالات پیش آئے، میں وہ تمام حالات امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی بیٹی کی لکھی ہوئی کتاب ''سیدی وابی '' میں پڑھ چکا تھا۔ صرف ایک چھوٹی سی مثال سے ہی اندازہ کیجیے کہ قیام پاکستان سے قبل جب حضرت شاہ جی انگریزی قید میں تھے تو ان کو پندرہ روز بعد گھر والوں سے ملاقات کی اجازت تھی یعنی ایک جمعرات چھوڑ کر دوسری جمعرات کو ملاقات کی اجازت دی جاتی تھی اور ملاقات کی اجازت بھی ہوم سیکرٹری کے تحریری آرڈر سے وابستہ تھی۔ بالکل اسی طرح 65 سال بعد مجھے یہ تجربہ ہوا کہ جب حافظ محمد ابوبکر امریکی ایجنٹوں کی قید میں تھے تو ہمیں بھی ایک جمعرات چھوڑ کر دوسری جمعرات کو ملاقات کی اجازت ملتی تھی اور وہ بھی ہر بار ہوم سیکرٹری کی طرف سے جاری کردہ تحریری اجازت نامہ کی مرہون منت ہوا کرتی تھی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ امیر شریعت کے داماد کو بھی ان کے اہل خانہ میں شمار نہیں کیا جاتا تھا اور اسی طرح کی صورت حال کا سامنا ہمیں بھی کرنا پڑا۔ حافظ صاحب کی بیوی کو بھی ملاقات کی اجازت نہیں تھی، کیونکہ ہوم سیکرٹری کی طرف سے جاری ہونے والے آرڈر میں ان کا نام شامل نہیں تھا۔ ہوم سیکرٹری پنجاب کی طرف سے

جاری کیے گئے آرڈر میں صرف چار بھائیوں اور دو بچوں کا نام لکھا گیا تھا، اس لیے صرف یہ چھ افراد ہی ہر پندرہ روز بعد حافظ صاحب سے ملاقات کرپاتے۔ باقی افراد مثلاً بھانجے، بھتیجے وغیرہ تو دور کی بات والدہ، بہنیں اور بیوی کو بھی اہل خانہ شمار نہ کیا جاتا تھا۔ یہ ایک چھوٹی سی مثال ہے، ورنہ دوران قید پیش آنے والے دیگر واقعات کا ان صفحات میں احاطہ کرنا ناممکن ہے۔ بس اتنا سمجھ لیجیے کہ جو کچھ ''سیدی وابی'' میں لکھا گیا ہے آزاد ہونے کے بعد ہمارے موجودہ ملک میں اللہ کے نام لیواؤں کے ساتھ اس سے بھی بدتر رویہ روا رکھا جاتا ہے۔ایک معروف مدرسے کے ناظم صاحب نے بتایا کہ ہمارے مدرسے کے سامنے والی آبادی کا بجلی کا ٹرانسفارمر تین چار روز سے خراب تھا، وہاں کے لوگوں نے احتجاج کرکے روڈ بلاک کرکے ٹریفک روک دیا۔ تھوڑی دیر بعد علاقے کے ڈی ایس پی نے میری طرف پیغام بھیجا کہ آپ کے مدرسے کے بچے روڈ بند کیے ہوئے ہیں اگر فوری طور پر روڈ نہ کھولا گیا تو آپ کا نام فورتھ شیڈول میں ڈال دیا جائے گا۔ ناظم صاحب فرماتے ہیں کہ اس موقع پر میں بذات خود مدرسے میں موجود تھا۔مدرسے کا گیٹ بند تھا، تمام کلاسیں اپنی تعلیم جاری رکھے ہوئی تھیں اور ہمارا ایک بھی طالب علم اس احتجاج میں شریک نہ تھا۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ہمارے حکمران اور ان کے کارندے مدارس والوں کے خلاف کس قدر گندا ذہن رکھتے ہیں ۔ ملک میں روزانہ درجنوں جلوس نکلتے ہیں اور احتجاج کیا جاتا ہے مگر کسی کو فورتھ شیڈول کی دھمکی نہیں ملتی، بلکہ حکام موقع پر

جا کر احتجاج کرنے والوں کی بات سنتے ہیں، ان کے ساتھ مذاکرات کرتے ہیں اور احتجاج کرنے والوں کے مسائل کا حل نکالا جاتا ہے، جبکہ علماء کے خلاف فورتھ شیڈول کی یہ قانونی شق بطور دھمکی استعمال کی جاتی ہے۔ کوئی ان ظالموں کو روکنے والا نہیں، کوئی ان سے یہ پوچھنے والا نہیں کہ یہ دورخی کیوں اختیار کرتے ہو؟ کوئی بھی نہیں جو ان سے سوال کرے کہ بے گناہوں کو گرفتار کرکے کئی کئی ماہ تک پابند سلاسل کیوں رکھتے ہو؟ کوئی ان سے پوچھے کہ بے گناہوں پر جھوٹے مقدمات کیوں بناتے ہو؟ کوئی بھی نہیں جو ان سے جواب طلبی کرسکے۔ میں اس تمام صورت حال کا کچھ نہ کچھ ذمہ دار خود علماء کو سمجھتا ہوں اور وہ اس لیے کہ ہمارے ہاں کسی ایک ڈاکٹر کے ساتھ زیادتی ہو یا کسی ٹیچر کے ساتھ، کسی وکیل کی توہین کی جائے یا کسی کلرک کے ساتھ کوئی بدتمیزی کرے، حتیٰ کہ رکشا ڈرائیوروں کے اندر بھی اتنا اتفاق ہوتا ہے کہ کسی ایک کے ساتھ ہونے والی زیادتی پر باقی سارے مل کر شور مچاتے ہیں اور حکام کا گریبان پکڑنے کو تیار ہوجاتے ہیں، مگر علمائے دین اس معاملے میں اجتماعی غفلت اور سستی کا شکار ہیں۔ کسی ایک کی ناجائز گرفتاری، قید وبند کی صعوبتوں اور جھوٹے مقدمات میں ملوث کردیے جانے کے باوجود سب علمائے کرام مل کر احتجاج کیوں نہیں کرتے؟ اپنی آواز بلند کیوں نہیں کرتے؟ حکام کے گریبان کیوں نہیں پکڑتے؟ اگر ہمارے علمائے کرام آپس میں اتحاد واتفاق کی فضا قائم کریں تو حکومت علمائے کرام کو تحفظ فراہم کرنے پر مجبور ہوجائے گی۔ بصورت دیگر مسجد باب الرحمت

پر حملہ، جامعہ فاروقیہ کے تقدس کی پامالی، علمائے کرام کی ناجائز گرفتاریاں اور علمائے کرام جیسے واقعات تو ہوتے رہیں گے۔کیا ہے کوئی جو تمام علمائے کرام کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرسکے؟

مغرب میں خواتین کا استحصال۔ایک جائزہ

عطاء اللہ کوہستانی

ایک رپورٹ کے مطابق اس وقت دنیا کے 155 ممالک میں خواتین پر تشدد ہو رہا ہے، جن میں گھریلو تشدد سرفہرست ہے۔ خاص طور پر مغربی ممالک میں عورتوں کی موت اور معذوری کا بڑا سبب گھریلو تشدد ہے۔ وہاں عورتوں کی بڑی تعداد اپنے سابقہ اور موجودہ شوہروں کے ہاتھوں قتل کر دی جاتی ہے۔ وہ عورتیں جن کو گھریلو تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے ان کی عمریں 16 سے 44 کے درمیان ہوتی ہے۔ اس رپورٹ کے مطابق امریکہ کی پچاس ریاستوں میں سال بھر میں تقریباً سات لاکھ واقعات گھریلو تشدد کے رونما ہوئے، جبکہ گینگ ریپ اور اغوا کے کیسز اس کے علاوہ ہیں۔ اسپین میں عورتوں کی بڑی تعداد گھریلو تشدد کا شکار ہے۔ جنوبی افریقہ میں اکثر مرد اپنی عورتوں کو تشدد کے بعد گولی مار کر ہلاک کر دیتے ہیں۔ روس میں خواتین کے حقوق کے حوالے سے ابتری کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ روسی حکومت نے خود یہ بات تسلیم کی ہے کہ صرف 1999ء میں تقریباً چودہ ہزار خواتین اپنے ہی خاندان کے مردوں کے ہاتھوں تشدد کا شکار ہوئیں۔ بھارت دنیا کا ایک بڑا سیکولر ملک ہے، وہاں ہر 24 منٹ بعد کسی نہ کسی عورت کو پیٹا جاتا ہے، ہر 34 منٹ بعد کسی نہ کسی کا ریپ، ہر 34 منٹ بعد

کسی نہ کسی عورت کو اغوا کیا جاتا ہے، جبکہ ہر 93 منٹ بعد کسی نہ کسی عورت کو کم جہیز لانے پر جلا کر مار دیا جاتا ہے۔ قارئین کرام! یہ ان ممالک کی حالت زار ہے جو حقوق نسواں کے علمبردار سمجھے جاتے ہیں۔دن رات آزادی نسواں اور مساوات کا ڈھنڈورا پیٹتے ،اسلام کی مقدس تعلیمات و اقدار کو خواتین کے حقوق کے منافی قرار دیتے مشرقی معاشرے میں خواتین کی حالت زار پر دل گرفتہ نظر آتے اور مشرقی خواتین کی، معاشی ترقی اور آزادی (حیا کا بیش قیمت جوہر چھیننے) کے لیے سر گرم عمل رہتے ہیں۔لیکن اگر ہم اعداد شمار کی روشنی میں جائزہ لیں کہ حقوق نسواں کے علمبردار معاشرے نے عورت کو کیا ترقی دی ؟ کتنی وزیر اعظم یا صدر بنیں ؟اور کتنوں کو دیگر بڑے مناصب عطا ہوئے ؟تو ایسی عورتوں کی تعداد بمشکل صد فی لاکھ ہو گی۔ان گنی چنی عورتوں کو مناصب دینے کے نام پر لاکھوں خواتین کو بڑی بے دردی سے گھسیٹ کر سڑکوں اور بازاروں ،چوراہوں پر لایا گیا اور مردوں کی تسکین ہوس کے لیے عورت کے جسم کو ہوٹلوں ،کاؤنٹروں اور دکانوں پر سجایا گیا، جہاں ہر دم وہ ہوس زادوں کی غلیظ نظروں سے پامال ہوتی ہیں۔ معاش کا اضافی بوجھ اٹھانے کے باوجود بھی مغربی خاتون آج بھی گھریلو ذمہ داریوں سے آزاد نہیں ، ستم بالائے ستم مساوات کے علمبرداروں کے ہاں آج بھی عورت کی محنت کا معاوضہ مرد کے مقابلے میں کم ہے ،اور تمام گھٹیا اور نچلے درجے کے کام ہوٹلوں میں ویٹر، مسافروں کے کمروں کی صفائی ، چادریں بدلنا،روم اٹینڈنٹ کی تمام ذمہ داریاں حواء کی بیٹی انجام دیتی ہے ، جہاں

نام نہاد حقوق نسواں کے چمپئین ، مساوات اور آزادی نسواں کے علمبردار بنت حواء کا تقدس پامال کرتے ہیں جسے ہمارا میڈیا اور نام نہاد روشن خیال طبقہ ترقی اور زآزادی کا نام دیتے نہیں تھکتا۔ لیکن بقول اقبال۔

ع تہذیب فرنگی ہے اگر مرگ اموت
ہے حضرت انساں کے لیے اس کا ثمر موت

لمحوں نے خطا کی صدیوں نے سزا پائی

آب حیات / محمود الرشید حدوٹی

ہمارے ایک کشمیری دوست جب بھی کسی سیاسی لیڈر کو ابھرتے دیکھتے ہیں تو فوری طور پر ان کی انگشت شہادت حرکت میں آتی ہے، فون کرکے اس کے ہاتھ پہ بیعت کرنے کا مشورہ صادر فرماتے ہیں ، کبھی سنیٹر، کبھی ممبر قومی اسمبلی ، کبھی کسی بڑی پوسٹ پر پہنچ جانیکا سہانا سپنا دکھاتے ہیں، مولانا موصوف ہمارے ساتھ جامعہ اشرفیہ کی مسند تدریس پر ایک عرصہ تک فائز رہے، پھر قدرت والے نے دستگیری کی انہوں نے یہاں کے در و دیوار کو خیر آباد کہا اور حکمرانوں کے پڑوس میں ایک درمیانے سائز کی درس گاہ کے ہولی سولی سب کچھ بن گئے، کہا جاتا ہے کہ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے، موصوف یہاں خوف آخرت اور یاد خدا میں مست رہتے تھے، وہاں جاکر پڑوس کی یاد انہیں ہمہ وقت ستاتی ہے، حکمرانوں کی طرح تخت شاہی پہ براجمان ہونے کی ہمہ وقت سوجھتی ہے، سیاسی سوجھ بوجھ والے صاحب مطالعہ شخص ہیں۔

جناب عمران خان اور ان کی تحریک انصاف کی رنگ برنگ دنیا کو اچھلتے کودتے دیکھ کر حضرت نے بھی پیشین گوئی کردی ہے کہ آئندہ اقتدار کے پکے ہوئے پھل کی

طرح جناب عمران خان کی آغوش میں آگرے گا،انہوں نے لاہور، پشاوراور کراچی کے عمرانی جلسوں کو دیکھنے کے بعد دوستوں کو ان صاحب کے ساتھ ملنے کا مشورہ دینا شروع کر دیا ہے، کئی دوست ان کی مخولی باتوں میں آچکے ہیں، خصوصا جن دوستوں کو اسلام خلافت راشدہ کے نظام سے پیار ہے ان کو عمران کی کراچی والی تقریر کا حوالہ دیا جاتا، ہے، جس میں انہوں نے نظام خلافت راشدہ اور پاکستان کو اسلامی فلاحی مملکت بنانے کی بات کی ہے۔

مجھے حیرت ہے کہ ہمارے دوست کیوں فراموش کردیتے ہیں کہ جب لال مسجد کے ایک درویش مولانا صاحب نے شریعت یا شہادت کا نعرہ رستاخیز بلند کیا تو جناب شاہ محمود قریشی ان لوگوں میں سے ایک تھے جنہوں نے لال مسجد کی تحریک کے خلاف جلوس نکالا تھا،ان کو عمران نے اپنی جماعت کی سیکنڈ کمان دے رکھی ہے،جناب جاوید ہاشمی نے مسلم لیگ کو تج کر عمرانی لشکر میں شمولیت اختیار کی ہے،انہوں نے راولپنڈی سے لال مسجد کے نام پر ووٹ حاصل کئے،انہوں نے لال مسجداور جامعہ حفصہ کی تعمیر کا بھی عہدوپیان کیا تھامگر بسا کہ آرزو خاک شد۔

عمرانی لشکر میں واہیات گلوکاری میں اپنی پہچان رکھنے والے ،پاکستانی معاشرے میں واہیات گانے عام کرنے والے ابرارالحق بھی اپنے بینڈ باجے

سمیت، اپنے لاو لشکر سمیت، اپنی ٹلی گھنگرو کے ساتھ دھمالیں ڈال رہے ہیں، پاکستانی بیٹی بلو کے گھر لائن بنا کر ٹکٹ کٹا کر جانے کی ترغیب دینوالے، پروین کو بڑی نمکین کہہ کر آوارگی کا درس دینے والے، پنجابی لڑکیوں کے جھرمٹ میں نچ پنجابن نچ (اے پنجابی لڑکی ناچ) کے حیاسوز نعرے لگا کر داد سمیٹنے والے ابرار الحق اس ٹیم کا حصہ بن چکے ہیں ان لوگوں کی معیت میں پاکستان کے اندر اسلامی قانون کا نفاذ، خلافت راشدہ کا نظام، رائج کرنا کس طرح ممکن ہوگا؟ تحریک انصاف کے روح رواں جناب عمران خان مشہور یہودی گولڈ سمتھ کے داماد ہیں، جس کی بیٹی جمائما کو دیگر وجوہات کے علاوہ محض اس لئے انہوں نے طلاق دے دی تھی کہ پرویزی دور میں ہونے والے انتخابات میں لوگوں نے کہا تھا کہ عمران گولڈ کا داماد ہے، یہ یہودیوں کا مہرہ ہے، میں اس کو یہ الزام تو قطعاً نہیں دیتا مگر جس ٹیم کی معیت میں وہ بلند بانگ دعوے کر رہے ہیں کم از کم اس پر تو نظر ثانی کرلیں، کہ اس ٹیم کی موجودگی میں وہ اپنے خوابوں کو کس طرح شرمندہ تعبیر کر سکیں گے؟

ہمارے دوستوں کو بھی خیال کرنا چاہئے کہ وہ دور سے چمکتی ریت کے ذرات کو دیکھ کر یہ قیاس آرائی قطعاً نہ کریں کہ یہ آب حیات ہے، آب شیریں ہے یا آب زلال ہے، ہم نے پرویز مشرف کو بھی نجات دہندہ سمجھا تھا، ہم نے شوکت عزیز کو بھی ہر دلعزیز سمجھا تھا، ہم نیہر آنے والے کے بارے یہی سمجھا کہ یہ ملت بیضا

کی بھنور میں ہچکولے کھاتی کشتی کو ساحل مراد پہ پہنچا کر دم لے گا، یہ ہمارے دکھوں کا مداوا کرے گا، یہ ہمارے زخموں پہ پھایہ رکھے گا، یہ ہمارے لخت لخت جسد کی بخیہ گری کرے گا، مگر شومی قسمت جو آیا اس نے آکر ہمارے ارمانوں کا خون کیا، اس نے آکر اغیار کی غلامی کی، پوری مملکت کے مفاد کو داو پہ لگایا، اسلام کے ساتھ مذاق کیا، اسلام گڈی گڈے کا کھیل نہیں، جسے پون صدی سے بازیچہ اطفال بنایا جا رہا ہے، ہر طالع آزما کو ہم نجات دہندہ سمجھ کر اپنی قسمت کی بھاگ ڈور اس کے دست تظلم میں تھما دیتی ہیں۔

ہمیں ثابت قدمی، استقلال۔ جرات، بہادری اور پامردی کے ساتھ لوگوں کے شعور کو بیدار کرنا ہے، ہم کسی کے آلہ کار نہ بنیں، ہم صبر و ثبات کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھیں، جس کو اللہ نے جتنی استعداد اور جتنی صلاحیت عطا فرمائی ہے، وہ اسی کے مطابق لوگوں کو صراط مستقیم پر گامزن کرنے کی سعی کرتا رہے، درست راہنمائی بھی تو صدقہ جاریہ ہے، اگر کوئی دوست جذبات کی رو میں بہ کر کسی انجانے راستے پر چلنے کی ٹھانے تو اسے حقائق دکھلا کر وہاں سے واپس لانے کی کاوش بروئے کار لائی جائے، ہم اپنی افرادی قوت کو یکجا کریں، بکھرے تنکوں کی شیرازہ بندی کریں، اللہ کی کتاب اور پیارے نبی کی نورانی تعلیمات کو رفتہ رفتہ لوگوں کے دل میں اتارنے کی کوشش کریں، ہمارے دوست اپنی فکر بدل لیں، اپنے اکابر کے نقش پا پہ چلتے ہوئے منزل مراد کی طرف بڑھیں۔

احتیاط لازمی چیز ہے،جذباتی پن سے ہم پہلے بھی نقصان اٹھا چکے ہیں، لمحے خطا کرتے ہیں توصدیاں اس کی سزا پاتی ہیں،اس لئے ہمیں سوچ سمجھ کر آگے.ڑھنا ہے، باہمی مشاورت سے پیش قدمی کرنا ہے،اس لئے ہمارے دوست انتہائی صبر وسکون کا مظاہرہ کریں۔

مسلمان بچی کافر ماں کے حوالے...؟

یہ کیسا قانون ہے، جس نے ایک مسلمان لڑکی کو اس کی کافر ماں کے حوالے کر دیا؟ مانا کہ اس کی عمر کم تھی، کہ گیارہ سال کی عمر آئین پاکستان کے مطابق بلوغ کی عمر سے کم ہے، مگر کہاں گیا شریعت کا یہ اصول کہ اگر ماں کا چال چلن درست نہ ہو، یا وہ جس معاشرے اور سوسائٹی میں رہتی ہو، وہاں ماں کی زیر سرپرستی پروان چڑھنے پر بچی کے دین اور اخلاق کے نقصان کا پکا یقین ہو تو ایسی صورت میں نابالغ بچی کو بھی اس کی بے راہ روی کی مجرم ماں اور اس کے مادر پدر آزاد ماحول کے حوالے نہیں کیا جائے گا؟۔

وہ بے تکان بولے جا رہا تھا۔ وہ ایک لمحے کو سانس درست کرنے کے لیے رکا، پھر بولنا شروع کر دیا۔ اب اس کا رخ اہل قلم کی طرف تھا، وہ کہہ رہا تھا: الیکٹرانک میڈیا سے تو ہمیں بھی کوئی توقع نہیں، مگر اس موقع پر اہل قلم کے قلم کیوں ساکت وجامد ہو گئے؟ انہوں نے اس معاملے کو اپنی نگارشات کا موضوع کیوں نہیں بنایا؟ کیا ان کا فرض نہ تھا کہ وہ اپنے قلم سے ان دلدوز مناظر کی تصویر کشی کرتے، جب ایک مسلمان بچی اپنے باپ سے گلے لگ کر فریاد کر رہی تھی کہ میں اپنی پاک دھرتی اور مسلمان باپ کو چھوڑ کر ایک کافر و مشرک ماں کے ساتھ فرانس کے آزادانہ و متعفن ماحول میں نہیں جانا چاہتی۔ اس پرنم ماحول

اوراشکبار آنکھوں کے مناظر، جب ججوں سمیت ہر خاص و عام احساس شرمندگی و ترحم سے گویا زمین میں گڑا جا رہا تھا۔ اس مسلمان بچی کا زبردستی گاڑی میں بٹھایا جانا، اس کا اپنی خلاصی کے لیے ہر ممکن کوشش کرنا اور مسلسل ایک ہی فریاد، ایک ہی دہائی کہ میں انگریز کافر ماں کے ساتھ نہیں جانا چاہتی۔ اف ! کتنا سنگ دل تھا وہ آئینی فیصلہ، جس نے ایک مسلمان بچی کو باپ کی شفقت ہی سے نہیں، بلکہ اس دین متین پر عمل کرنے کے حق سے بھی محروم کر دیا، جو اسے پاپا کی گود میں ملا تھا۔

وہ کہہ رہا تھا: ٹھیک ہے باپ کا فیصلہ اور اس کا عمل اول تا آخر غلط، غلط اور یکسر غلط تھا، مگر اس کی سزا اس معصوم بچی کو دینا... کیا یہی ہے آئین و قانون کی حکمرانی، کیا یہی ہے عدل و انصاف۔ یہ آزاد عدلیہ، جو مقدمات کو شیطان کی آنت کی طرح طول دینے میں معروف ہے، اسے سرخاب کے پر کیوں لگ گئے؟ کیا ہماری عدلیہ کو قانونی تقاضے اسی وقت یاد آتے ہیں، جب کسی کافر، مشرک اور باغی دین و وطن کے مفادات خطرے میں پڑتے محسوس ہوتے ہیں؟ یہی توہین عدالت کے مسئلے کو لے لیجیے، وزیر اعظم ببانگ دہل عدلیہ کی توہین کر رہا ہے، مگر اعلیٰ عدلیہ ہے کہ اسے طول دیتی چلی جا رہی ہے۔ نظر بد دوریوں لگ رہا ہے کہ یہ مسئلہ کم از کم اتنا طول تو پکڑے گا ہی کہ منتخب حکومت اپنی میعاد پوری کر لے۔ اب تو چیف جسٹس لاہور ہائیکورٹ جناب عظمت سعید صاحب نے یہاں تک فرما دیا ہے کہ توہین عدالت کا قانون آسمان سے نہیں اترا۔

تنگ آمد بجنگ آمد''کے مصداق اب وہ موضوع سے ہٹتا جارہا تھا۔اسے شکوہ تھا اور بے''
جا بھی نہیں ،بلکہ بجا تھا۔دیکھا جائے تو نہ ہماری عدلیہ نے اس معاملے میں شرعی باریکی
کالحاظ رکھا،نہ اس کی زحمت ہی گوارا کی کہ علماومفتیان کرام سے رائے لے لیتی،شاید اس
لیے کہ علما کو پہلے ہی ملک کے عائلی قوانین پر شدید تحفظات رہے ہیں۔چلیے علما کا معاملہ
ایک طرف...کم از کم اسلامی نظریاتی کونسل اور شریعت اپیلٹ بینچ سے ہی پوچھ
لیا جاتا یا کیس ان کے حوالے کر دیا جاتا تو آج معترضین اس فیصلے کو''کسی ان دیکھے دباؤ
کا نتیجہ''تو قرار نہ دیتے۔بہرحال تازہ ترین صورت حال یہ ہے کہ آمنہ
تارڑ کو لاہور ہائیکورٹ کے حکم پر کافر ماں کے حوالے کیا جاچکا ہے۔اس صدمے میں اس
کا باپ عبدالرزاق تارڑ دل کے دورے کے باعث ہسپتال میں ایڈمٹ ہے۔فیصلے کے
خلاف پنجاب کے صوبائی وزیر چوہدری عبدالغفور نے چیف جسٹس آف پاکستان کو
درخواست دے دی ہے، درخواست میں چوہدری عبدالغفور نے موقف اختیار کیا کہ
لاہور ہائی کورٹ نے 11 سالہ بچی آمنہ کو اس کی فرانسیسی ماں کے حوالے کرنے کا حکم
دیا ہے،لیکن بچی اپنی ماں کے ساتھ نہیں جانا چاہتی۔خدشہ ہے کہ ماں اسے فرانس
لے جاکر مذہب اسلام سے متنفر کردے گی ۔درخواست میں مزید کہا گیا ہے کہ ایسا کوئی
طریقہ کار نہیں کہ بچی کو فرانس سے واپس لیا جاسکے ۔دوسری طرف جماعت اسلامی
پاکستان کے ڈپٹی سیکرٹری جنرل ڈاکٹر فرید احمد پراچہ نے ایک مسلمان بچی آمنہ کو اس کی

مرضی کے خلاف فرانسیسی ماں کے حوالے کرنے کے عدالتی فیصلہ پر چیف جسٹس لاہور ہائی کورٹ سے اپیل کی ہے کہ اس فیصلہ کے خلاف اپیل تک بچی کو بیرون ملک منتقل کرنے پر پابندی عائد کی جائے۔ انہوں نے عدالتوں سے اپیل کی کہ وہ فیصلہ دیتے وقت قانونی تقاضوں کے ساتھ ساتھ ایمانی تقاضوں کو بھی مد نظر رکھیں۔

آمنہ اگر پاکستان میں ہے، تو ہماری عدلیہ کو ہنگامی بنیادوں پر ایک انقلابی قدم اٹھاتے ہوئے اس مسلمان بچی کو روک لینا چاہیے، یہ اس کے دین واخلاق کے تحفظ کی بھی ضمانت ہے اور من حیث المسلم ہمارے مذہبی فریضہ بھی۔

علم کی فضیلت۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں

علم کے ذریعے آدمی ایمان ویقین کی دنیا آباد کرتا ہے، بھٹکے ہوئے لوگوں کو سیدھا راستہ دکھاتا ہے،.بروں کو اچھا بناتا ہے، دشمن کو دوست بناتا ہے، بے گانوں کو اپنا بناتا ہے اور دنیا میں امن وامان کی فضا پیدا کرتا ہے۔

علم کی فضیلت وعظمت، ترغیب وتاکید مذہب اسلام میں جس بلیغ ودلآویز انداز میں پائی جاتی ہے اس کی نظیر اور کہیں نہیں ملتی، تعلیم وتربیت، درس وتدریس تو گویا اس دین.برحق کا جزولاینفک ہے، کلام پاک کے تقریباً اٹھتر ہزار الفاظ میں سب سے پہلا لفظ جو پروردگار عالم جل شانہ نے رحمت عالم کے قلب مبارک پر نازل فرمایا وہ اِقْرَء ہے، یعنی پڑھ، اور قرآن پاک کی چھ ہزار آیتوں میں سب سے پہلے جو پانچ آیتیں نازل فرمائی گئیں ان سے بھی قلم کی اہمیت اور علم کی عظمت ظاہر ہوتی ہے، ارشاد ہے:

(۱)ترجمہ: پڑھ اور جان کہ تیرا رب کریم ہے، جس نے علم سکھایا قلم کے ذریعے سکھلایا آدمی کو جو وہ نہ

جانتا تھا۔ (سورۃ القلم آیت 4،5)

گویا وحی الٰہی کے آغاز ہی میں جس چیز کی طرف سرکار دوعالم کے ذریعے نوعِ بشر کو توجہ دلائی گئی، وہ لکھنا پڑھنا اور تعلیم وتربیت کے جواہر وزیور سے انسانی زندگی کو آراستہ کرنا تھا۔ حضور کو جب نبوت کے منصب عظیم سے نوازا گیا، اس وقت جزیرۃ العرب کی کیا حالت تھی؟ قتل وغارت گری، چوری، ڈکیتی، قتل اولاد، زنا، بت پرستی کون سی ایسی برائی تھی جو ان میں پائی نہ جاتی ہو۔ بعضے وقت بڑے فخریہ انداز میں اسے نجام دیا جاتا تھا۔ اللہ کے رسول نے ان کی تعلیم وتربیت اس انداز سے کی اور زندگی گزارنے کے ایسے اصول بتائے کہ دیکھتے ہی دیکھتے ان کی حالت یکسر بدل گئی اور تہذیبی قدروں سے آشنا ہوگئے۔ جہاں اور جدھر دیکھیے لوگ تعلیم وتعلم سے جڑ گئے اور قرآن وحدیث کی افہام وتفہیم میں مشغول ہوگئے۔

۲)ترجمہ: اللہ تم میں سے ان لوگوں کے درجے بلند کردے گا جو ایمان لائے، اور (جنھوں نے علم حاصل کیا۔ (سورۃ المجادلہ آیت 11

۳)دوسرے مقام پر فرمایا گیا ہے: '' (اے نبی) کہہ دیجیے کیا علم رکھنے والے (عالم)) اور علم نہ رکھنے والے (جاہل) برابر ہوسکتے ہیں۔ نصیحت تو وہی حاصل کرتے ہیں جو (عقل والے ہیں۔ (سورۃ الزمر آیت 9، سورۃ الرعد: آیت 16

۴)ایک اور آیت میں تاریکی اور روشنی کی مثال دے کر عالم اور جاہل کے فرق کو واضح کیا گیا ہے، چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: ''کہہ دیجیے، کیا برابر ہو سکتے ہیں اندھا (جاہل) اور دیکھنے والا (عالم) یا کہیں برابر ہو سکتا ہے اندھیرا اور اجالا؟''۔
(سورۃ الفاطر آیت 19،20)

اس طرح کی بہت ساری آیتیں ہیں جن میں عالم اور جاہل کے فرق کو واضح کیا گیا ہے اور ان کے درجات کے تعین کے ساتھ مسلمانوں کو حصول علم کے لیے ابھارا گیا ہے۔

مولانا محمد صدیق میمنی لکھتے ہیں:

عالم کہتے ہی ہیں پڑھے لکھے لوگوں کو، چاہے اس نے قرآن کی تعلیم حاصل کی ہو یا'' حدیث کی، فقہ کی کی ہو یا کلام ومنطق کی۔ سائنس کی ڈگری لی ہو یا میڈیکل سائنس کی۔ نیچرل سائنس پڑھا ہو یا آرٹس کے مضامین۔ سارے کے سارے پڑھے لکھے لوگوں میں شمار کیے جائیں گے۔ یہ ایسی چیز ہے جو انسان کو ہمیشہ کام آئے گی، مقصد نیک ہو اور اس کا صحیح استعمال کیا جائے تو اس کی بدولت وہ دین ودنیا کی ساری نعمت اور دولت حاصل کر سکتا ہے''۔ (دینی علوم کی عظمت اور فضیلت، اسلامی تعلیمات کی اخلاقی اور تہذیبی قدریں)

علم کی فضیلت اوراس کو حاصل کرنے کی ترغیب کے حوالے سے کثرت سے احادیث بھی وارد ہوئی ہیں، جن میں اہل علم کی ستائش کی گئی ہے اور انہیں انسانیت کا سب سے اچھا آدمی قرار دیا گیا ہے۔ اللہ کے رسول فرماتے ہیں:

١) علم والوں کو دسروں کے مقابلے میں ایسی ہی فضیلت حاصل ہے، جیسے میری فضیلت تم میں سے ادنی شخص پر۔ یقینا اللہ عزوجل، اس کے فرشتے اور آسمان وزمین والے حتیٰ کہ چیونٹی اپنے سوراخ میں اور مچھلی تک لوگوں کے معلم کے لیے بھلائی کی دعا کرتی ہیں۔ (ریاض الصالحین)

٢) ایک دوسری حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہیں، وہ بیان کرتے ہیں:

ایک دن رسول اللہ اپنے حجرے سے باہر تشریف لائے اور مسجد (نبوی) میں داخل ہوئے، وہاں دو حلقے بیٹھے ہوئے تھے، ایک حلقہ قرآن کی تلاوت کر رہا تھا اور اللہ سے دعاء کر رہا تھا، دوسرا تعلیم وتعلم کا کام سرانجام دے رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: دونوں بھلائی پر ہیں۔ یہ حلقہ قرآن پڑھ رہا ہے اور اللہ سے دعاء کر رہا ہے۔ اللہ چاہے تو اس کی دعاء قبول فرمائے، یا نہ فرمائے۔ دوسرا حلقہ تعلیم وتعلم میں مشغول ہے (یہ زیادہ بہتر ہے) اور میں تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ پھر یہیں بیٹھ گئے۔ (مشکوۃ شریف)

اہل علم کا صرف یہی مقام ومرتبہ نہیں ہے کہ انہیں دنیا کی تمام چیزوں پر

فضیلت دی گئی ہے اور اس کام میں وہ جب تک مصروف ہیں ، اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق اس کے لیے دعا کرتی رہتی ہے، بلکہ ان کا مقام و مرتبہ یہ بھی ہے کہ اللہ کے رسول نے انہیں انبیاء کا وارث اور جانشین قرار دیا ہے :

۳) جو کوئی حصول علم کی غرض سے راستہ طے کرے، اللہ تعالیٰ اس کے سبب اسے)

جنت کی ایک راہ چلاتا ہے۔ فرشتے طالب علم کی خوشی کے لیے اپنے پر بچھا دیتے ہیں اور یقیناً عالم کے لیے آسمان اور زمین کی تمام چیزیں مغفرت طلب کرتی ہیں، یہاں تک کہ وہ مچھلیاں بھی جو پانی میں ہیں۔ عابد پر عالم کو ایسی فضیلت حاصل ہے جیسی چاند کو تمام تاروں پر۔ بلاشبہ علماء ہی پیغمبروں کے وارث ہیں۔ پیغمبروں نے ترکہ میں نہ دینار چھوڑا ہے اور نہ درہم۔ انہوں نے تو صرف علم کو اپنے ترکہ میں چھوڑا۔ پس جس کسی نے (علم حاصل کیا اس نے ہی حصہ کامل پایا۔ (منتخب احادیث

(۴) طلب کرنا علم کا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔ (مشکوۃ شریف)

حضرت علی کرم اللہ وجہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم نے ارشاد فرمایا کہ علم کا یکھنا ہر مومن پر فرض ہے اس سے مراد روزہ، نماز، حلال و حرام اور حدود و احکام کی معرفت حاصل کرنا ہے۔ حسن بن الربیع فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مبارک سے پوچھا کہ ارشاد نبوی ''علم کا یکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے'' اس کا مطلب کیا ہے؟ تو حضرت عبداللہ بن مبارک نے جواب دیا

کہ اس سے وہ دنیوی علوم مراد نہیں جو تم حاصل کرتے ہو بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی دینی معاملہ میں مبتلا ہو تو اس کے بارے میں پہلے جانکار لوگوں سے علم حاصل کرلے۔ (آداب المتعلمین)

۵) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ نے کہ جو شخص علم کی طلب میں نکلا وہ گویا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہے، یہاں تک کہ وہ اپنے وطن واپس لوٹے۔ (ریاض الصالحین، مشکوٰۃ شریف)

۶) ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ نے کہ ایک عالم کی برتری ایک عبادت گزار پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے کسی ادنیٰ شخص پر، اور پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اور زمین وآسمان کی ہر شے حتیٰ کہ بلوں کی چیونٹیاں اور سمندروں کی مچھلیاں بھی علم سکھانے والوں کے لئے دعائے خیر کررہی ہیں۔ (ایضاً)

۷) پیغمبر اسلام نے کیسے بلیغ انداز میں فرمایا ہے: حکمت کو ایک گم شدہ لال سمجھو جہاں پاؤ اپنا اسے مال سمجھو۔ (بخاری، مسلم، ترمذی)

۸) آپ نے فرمایا: بلاشبہ میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ (بحوالہ: الرسول)

(المعلم

۹)آپ نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالی لوگوں کو زندہ کرے گا اور اس میں علماء کو ممتاز کرے گا اور فرمائے گا اے پڑھے لکھے لوگو! میں نے اپنا علم تمہارے اندر اس لیے نہیں رکھا کہ میں تمہیں عذاب دوں، جاؤ تم سب کی مغفرت کردی۔ (بحوالہ: دینی علوم کی عظمت اور فضیلت، اسلامی تعلیمات کی اخلاقی اور تہذیبی قدریں، از: مولانا حافظ محمد صدیق المیمنی)

آنحضرت نے جس انداز میں دین اسلام کی تبلیغ فرمائی وہ نہ صرف یہ کہ انتہائی کامیاب و مؤثر ہے۔ بلکہ اسمیں تعلیم و تربیت کے ایسے اوصاف بھی نمایاں ہیں جو متعلّمین و مربیین دونوں کے لئے روشن مثال کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مسجد نبوی کی پہلی درسگاہ اور اصحاب صفہ پر مشتمل طالب علموں کی پہلی جماعت کے عمل نے جلد ہی اتنی وسعت اختیار کرلی جسکی مثال دینے سے دنیا قاصر ہے۔ آپ نے پہلے خود تعلیم و تربیت دی۔ پھر دوسروں کو تعلیم و تربیت دینے کے لئے کامل افراد کا انتخاب فرمادیا، چنانچہ تعلیم و تربیت کا یہ سلسلہ آپ کی وفات کے بعد بھی جاری و ساری رہا۔ آپ کے منتخب کردہ، ان تربیت یافتہ معلّمین نے درس و تدریس میں جس مہارت کا ثبوت دیا وہ آپ کی ہمہ گیر تربیت ہی کا نتیجہ ہو سکتا تھا جس کے اثرات تا دیر محسوس کیے جاتے رہے۔ یہی

وجہ ہے کہ تاریخ کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ علم وحکمت اور صنعت وحرفت کے وہ ذخائر جن کے مالک آج اہل یورپ بنے بیٹھے ہیں ان کے حقیقی وارث تو ہم لوگ ہیں، لیکن اپنی غفلت وجہالت اور اضمحلال وتعطل کے سبب ہم اپنی خصوصیات کے ساتھ اپنے تمام حقوق بھی کھو بیٹھے۔

باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر ازبر ہو

پھر پسر وارثِ میراث پدر کیوں کر ہو

ان تفصیلات سے واضح ہوا کہ دین اسلام نے اپنے ماننے والوں کو علم حاصل کرنے سے نہیں روکا، بلکہ اس کی فضیلتیں بیان کرکے ہمیں اس کو حاصل کرنے کی ترغیب دی ہے، البتہ اسلام یہ حکم ضرور دیتا ہے کہ اپنے آپ کو ضرر رساں نہیں بلکہ نفع بخش بنا ؤ۔ ایک انسان کے قول وعمل سے دوسرے انسان کو تکلیف نہ پہنچے۔ اچھی اور بھلی باتوں کا تمیز وہی انسان کرسکتا ہے جس کے اندر شعور وفراست ہوگی اور یہ خوبی بغیر علم کے پیدا نہیں ہوسکتی۔ عقل وشعور تو جاہل کے پاس بھی ہے۔ مگر جو فراست ایک پڑھے لکھے کو حاصل ہوگی وہ جاہل کو ہرگز حاصل نہیں ہوسکتی۔ اس کے دن رات کے عمل میں اس کی گفتگو میں، اس کے معاملات میں، اس کے فیصلہ لینے میں ایسی بات کا صادر ہونا، جس سے دوسروں کو تکلیف پہنچ جائے کوئی بعید نہیں ہے۔ اگر اسے اس کا ادراک ہوجائے تو وہ جاہل ہی کیوں رہے گا۔ اللہ کے رسول کی حدیث سے بھی اس بات کو اچھی طرح سمجھا جاسکتا

:ہے۔آپ نے فرمایا

جو علم نفع بخش نہ ہو اس کی مثال اس خزانے جیسی ہے جس میں سے خدا کی راہ میں کچھ خرچ نہ کیا جائے، نیز آپ نے یہ بھی فرمایا: اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ آدمی وہ ہے جو سب سے زیادہ دوسروں کو فائدہ پہنچانے والا ہے۔۔ (بحوالہ: منبہات) علم نافع اور رزق وسیع کے لیے اللہ کے حضور یہ دعا بھی کرتے تھے: '''اے اللہ! میں تجھ سے علم نافع، عمل مقبول اور پاک رزق کی درخواست کرتا ہوں''۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام عالم بد عمل کے متعلق فرماتے ہیں: عالم بے عمل کی مثال ایسی ہے جیسے اندھے نے چراغ اٹھایا ہو کہ لوگ اس سے روشنی حاصل کرتے ہیں اور وہ خود محروم رہتا ہے۔ حضرت عثمان غنی فرماتے ہیں کہ علم بغیر عمل کے نفع دیتا ہے اور عمل بغیر علم کے فائدہ نہیں بخشتا۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس کا مقولہ ہے کہ اگر اہل علم اپنے علم کی قدر کرتے اور اپنا عمل اس کے مطابق رکھتے تو اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے فرشتے اور صالحین اُن سے محبت کرتے اور تمام مخلوق پر اُن کا رعب ہوتا۔ لیکن انہوں نے اپنے علم کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنا لیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ بھی اُن سے ناراض ہو گیا اور وہ مخلوق میں بھی بے وقعت ہو گئے۔ حضرت عبد اللہ ابن مبارک فرماتے ہیں: علم

کے لیے پہلے حسن نیت پھر فہم پھر عمل پھر حفظ اور اس کے بعد اس کی اشاعت اور ترویج کی ضرورت ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں: دین کی اصل عقل، عقل کی اصل علم اور علم کی اصل صبر ہے۔ (بحوالہ: منہاجات)

اسلام یا قرآن ہم کو تعلیم حاصل کرنے سے روکتا نہیں، بلکہ تعلیم کو ہمارے لئے فرض قرار دیتا ہے، وہ تعلیم کے ذریعے ہم کو صحیح معنوں میں اشرف المخلوقات کے درجہ پر پہنچانا چاہتا ہے، وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو حقیقی علم ثابت کرتا ہے، اور اس کو بنی نوع انسان کی حقیقی صلاح وفلاح اور کامیابی وبہبودی کا ضامن بتاتا ہے، وہ کہتا ہے کہ قرآن حقیقی علم ہے، اور دوسرے تمام علوم وفنون معلومات کے درجہ میں ہیں، ان تمام معلومات کو اپنی اپنی استعداد کے مطابق حاصل کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں علم حاصل کرنے کی توفیق عطافرمائے اور ہم خواہ کوئی بھی علم یا فن حاصل کریں، اس میں اس بات کو مدنظر رکھنے کی توفیق عطافرمائے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بندے، حضور اکرم کے امتی اور اس دین ہدایت کے حامل ہیں جس میں زندگی کے ہر شعبے سے متعلق کامل ومکمل احکامات موجود ہیں۔ اگر یہ بات ہمارے پیش نظر رہی تو ہم کسی موڑ پر نفس وشیطان کے بہکاوے کا شکار نہیں ہوں گے۔ ان شاء اللہ !

کہیں لاوہ نہ پھٹ پڑے

یہ صدی اسلام کی صدی ہے۔غیر مسلم مردوخواتین کی ایک بڑی تعداداسلام کے دائرہ رحمت میں داخل ہورہی ہے۔یہ صورت حال صرف پاکستان کی نہیں،بلکہ دنیابھر کی ہے۔یہ صدی اسلام کی صدی ہے۔11/9 کے بعد خاص طور پر قبول اسلام کی رجحان میں ریکارڈ اضافہ نوٹ کیا گیا ہے،الجزیرہ کی شائع کردہ رپورٹ کے مطابق گذشتہ نو برس میں تیس ہزار برطانوی شہریوں نے اسلام قبول کر کیا اور صرف گذشتہ برس 5 ہزار افراد حلقہ بگوش اسلام ہوئے اس کے علاوہ جرمنی فرانس میں سالانہ چار ہزار افراد اسلام قبول کرتے ہیں۔اس کی بنیادی وجہ اسلام کی تعلیمات ہیں،جو ہر منصف مزاج شخص کے دل ودماغ کو اپنی جانب مائل کرتی ہیں۔اس موضوع پر بازار میں درجنوں کتابیں موجود ہیں۔آپ جس نومسلم کی داستان پڑھیے،خواہ وہ
مرد ہو یا عورت،آپ کے سامنے ایک ہی بات آئے گی کہ انھوں نے اسلام کا مطالعہ کیا،اس کی آفاقی وانفسی تعلیمات پر غور کیا،اس میں اپنے مسائل کا حل تلاش کیا،جب سب کچھ اس دین فطرت میں پایا تو اسے اختیار کرلیا۔
غیر مسلم خواتین،خواہ کسی بھی دین،دھرم،مذہب اور سوسائٹی کی ہوں،مردوں کے مقابلے میں زیادہ مسائل کا شکار ہیں۔جب وہ دیکھتی ہیں کہ ان کا آبائی دین ان

کی عزت و ناموس تک کی حفاظت نہیں کر سکتا، بلکہ اسے حقوق کا ''لالی پاپ'' دے کر مردوں کے شہوانی و شیطانی جذبات کی تسکین کا ذریعہ بنانے کے درپے ہے، تو سلیم الفطرت خواتین اس دین کی غلامی کا طوق اپنے گلے میں بصد خوشی و رضا ڈالنے کا فیصلہ کرتی ہیں، جو ان کے حقوق کا سب سے بڑا ضامن، سب سے زیادہ علم بردار اور داعی ہے۔ یہ آج سے نہیں، شروع سے ہو رہا ہے۔ اس پر انہیں جس قسم کے حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، وہ خندہ پیشانی سے قبول کر لیتے ہیں۔ مسلمان معاشرہ انہیں اپنے اندر یوں سمو لیتا ہے کہ شریعت انہیں کفر کا طعنہ تک دینے کی اجازت نہیں دیتی۔ دوسری طرف ان کا اپنا معاشرہ بھی انہیں بھلا دیتا ہے۔

یہ میڈیا وار کا دور ہے۔ پروپیگنڈے کی قوت سے سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ ثابت کرنا معیوب نہیں بلکہ فیشن سمجھا جاتا ہے۔ کہیں تعلقات کام آ جاتے ہیں تو کہیں سیاسی وابستگیاں، کہیں پیسے کی چمک کام دکھا جاتی ہے تو کہیں نادیدہ قوتوں کا دباؤ۔ ازل سے یہی چیزیں اہل باطل کا ہتھیار رہی ہیں۔

ہندو خواتین کا قبول اسلام کوئی اچھنبے کی بات ہے، نہ ان کا قبول اسلام کے بعد مسلمانوں سے شادی کرنا، تاہم ''کھسیانی بلی کھمبا نوچے'' کے مصداق کچھ بااثر ہندو اس حوالے سے سرگرم ہو گئے ہیں۔ یہ لابی ایک تو نومسلم ہندو خواتین کو مختلف حربوں سے پریشان کر رہی ہے اور دوسرے اس سلسلے کو روکنے کے بھی درپے

ہے۔ان کے ہاتھ بڑے لمبے ہیں۔ایک طرف انہیں بھارتی ہائی کمشنر کی آشیر باد حاصل ہے تو دوسری طرف حکمرانوں اور قوم پرست سندھی رہنماؤں کی سپورٹ بھی،یہی وجہ ہے کہ پاکستان کا اباحت پسند میڈیا ہی نہیں،بھارت کے نشریاتی ادارے اور بی بی سی بھی منفی اور خالص مبنی برکذب پروپیگنڈے کے ذریعے اس لابی کے مذموم عزائم کی راہیں ہموار کررہے ہیں۔

حال ہی میں میرپور ماتھیلو سے تعلق رکھنے والی ایک نومسلمہ فریال کی پسند کی شادی کو اغوا اور جبری شادی کا نام دے کر جو طوفان بدتمیزی برپا کیا گیا...الامان والحفیظ۔پسند کی شادی کرنے والے جوڑے کی جانب سے عدالت میں نکاح نامہ پیش کیے جانے کے باوجود اسے اسلام اور ہندو دھرم کی لڑائی کا رنگ دینا،سندھی نوجوان نوید شاہ کو پنجابی قرار دے کر اسے سندھ پنجاب کی لڑائی کا رنگ دینا،لڑکی کے بیان حلفی کے باوجود یہ کہنا کہ اسے اغوا کرکے جبری مسلمان بنایا گیا ہے،غرض ایسے ایسے پروپیگنڈے کہ شرافت،صداقت ودیانت بھی سرپیٹ کر رہ جائے!!

کاش جذباتی قوم پرست نوجوانوں کو معلوم ہوتا دھرتی ماتا کے تحفظ کے نام پر''جے ماتا''کے نعرے لگانا ان کے نامہ اعمال کی سیاہی میں ہی مزید اضافہ نہیں کررہا،بلکہ ہندو انہیں مسلمان ہونے کے باوصف اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کررہے ہیں۔ورنہ مسلمان کو کسی طرح بھی یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ

کفرواسلام کے مسئلے میں عصبیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کفار کا ساتھ دے۔یہی عصبیت تھی، جس نے ابوالحکم کو ابوجہل بنادیا تھا،ماضی قریب میں افغانستان میں مسلمانوں کواسلامی حکومت کے مقابل لانے والی چیز بھی یہی عصبیت تھی۔کاش! میرے سندھی بھائی اوران کے لیڈراس راز کو سمجھ لیں۔ہم یہاں ان سندھی رہنماؤں کے سامنے رکن قومی اسمبلی میاں عبدالحق بھرچونڈوی المعروف سائیں میاں مٹھوکی روشن مثال رکھنا ضروری سمجھتے ہیں، جن کا کہنا ہے: دین سیاست اور ہر چیز سے مقدم ہے۔پی پی کارکن اسمبلی ضرور ہوں، مگرایمانی تقاضوں پر سمجھوتہ نہیں کرسکتا۔اللہ کرے حکمراں جماعت کے دوسرے سندھی سیاستدانوں، قوم پرستوں اورکارپردازان عدل وانصاف !!کو بھی اس غیرت ایمانی کاایک شمہ نصیب ہوجائے!!اے بساآرزو کہ خاک شدہ زمینی حقائق یہ ہیں کہ فریال ایک عاقل بالغ لڑکی ہے، جس کی میٹرک سرٹیفکیٹ میں تاریخ پیدائش 16 جنوری 1992ء درج ہے۔وہ عدلیہ اورمیڈیاکے سامنے درجنوں بارکہہ چکی ہے کہ اس نے مکمل رضاورغبت سے میاں عبدالحق بھرچونڈوی المعروف سائیں میاں مٹھوکے نائب میاں عبدالحئ عرف ثمن سائیں کے ہاتھ پراسلام قبول کیااوراپنی پسند سے نویدشاہ نامی لڑکے سے شادی کی ہے۔

اس عمل سے اسے کوئی قانون نہیں روک سکتا، کیوں کہ وہ عاقل بالغ ہے اوراسے

اپنے فیصلے کرنے کامکمل اختیار حاصل ہے۔ہائی کورٹ بار کے صدر جناب محمود الحسن نے بھی یہی باتیں کی ہیں، مگر جانے کیوں ...دباؤ ہر اصول پر غالب آجاتا ہے!
آئین و قانون کے ''تقاضوں'' کو ایک مرتبہ پھر پورا کرتے ہوئے ہائی کورٹ نے نومسلم فریال کو پولیس کی تحویل میں دارالامان روانہ کرکے 26 مارچ کو سپریم کورٹ میں پیش ہونے کا حکم دے دیا ہے۔وہ چیختی چلاتی رہی، دہائی دیتی رہی کہ مجھے دارالامان نہیں جانا، بلکہ اپنے شوہر کے ساتھ جانا ہے، وہ اپنا جرم پوچھتی رہی کہ کیا جس ملک کو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا اس میں اسلام قبول کرنا اور ایک عاقل بالغ مسلمان عورت کا پاک دامنی کے ساتھ زندگی گزارنے کے لیے پسند کی شادی کرنا جرم ہے؟ کس قدر بے حسی کا سماں تھا، جب ایک آزاد عاقل بالغ مسلمان عورت کو قانون کے محافظوں کے حکم پر قانون نافذ کرنے والے اداروں کے اہل کار دارالامان لے جا رہے تھے۔ جس ماموں کے کہنے پر اسے دارالامان بھیجا گیا ہے، اس کے حوالے سے اس نے شروع دن سے اپنے تحفظات کا اظہار کیا ہے اور یہاں تک کہا ہے کہ اگر مجھے اور میرے شوہر کو کچھ ہوا تو اس کی ذمہ داری میرے اس ماموں پر عاید ہوگی۔ہائی کورٹ نے فریال کو جہاں بھیجا ہے، ہر باخبر شخص جانتا ہے کہ وہاں نہ جان کو امان حاصل ہونے کی گارنٹی دی جا سکتی ہے اور نہ ہی عصمت و ایمان کی۔جس وقت یہ سطریں سپرد قرطاس کی جا رہی ہیں، یہ افواہیں بھی گردش کر رہی ہیں کہ فریال نے دارالامان بھیجے جانے کے فیصلے سے دل برداشتہ

ہو کر خود کشی کی کوشش کی ہے۔اللہ میری اس نو مسلم بہن کی جان ،ایمان اورآبرو کی غیبی ہاتھوں سے حفاظت فرمائے۔

یہ کیسے فیصلے ہیں جو قانون وآئین کی پاسداری کے نام پر مسلط کیے جارہے ہیں؟احاطہ عدالت میں ''جیے رام''کے نعرے لگاکردو قومی نظریے کی دھجیاں بکھیرنے والوں کے خلاف یہ قانون جانے کب حرکت میں آئے گا؟کیا قانون میں کوئی ایسی شق بھی ہے جودباؤاورسیاسی وابستگی کی بنیادپر فیصلے دینے والے ججوں پر کوئی قدغن لگاتی ہو؟اگرہاں ! تووہ کب حرکت میں آئے گی؟کیا اقلیتوں کواکثریت پرحاوی کرنے کی کوششیں صرف اس لیے درست ہیں کہ ان کواہل ااختیار واقتدار کی حمایت حاصل ہے؟کیاارباب عدل ان امورپرغور کرناپسندفرمائیں گے؟

جانے کب تک '''اوپر والوں کے دباؤ''کے تیشے آئین وقانون کایوں خون کرتے رہیں گے۔

گزشتہ دنوں مقامی ہوٹل میں علمائے کرام نے اس حوالے سے پریس کانفرنس میں اپنے تحفظات کااظہار کرتے ہوئے اہل اقتدارکواس جانب متوجہ کیاہے کہ محترمہ فریال شاہ کے ساتھ ہونے والے ناروا سلوک پر مذہبی طبقے میں انتہائی تشویش پائی جاتی ہے۔تمام علماکا مطالبہ ہے کہ تمام نومسلوں کو تحفظ دیا جائے

جج صاحبان اور تمام لیڈاران اور مقتدر طبقے سے ہمارا مطالبہ ہے کہ وہ نومسلمہ فریال، شاہ اور نومسلمہ ڈاکٹر حفصہ کو ان کا قانونی حق دیں ،انہیں جلد از جلد انصاف فراہم کیا جائے ۔ورنہ ہم تمام مکاتب فکر کے علما سے ملکر ملک گیر تحریک چلائیں گے اور اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک وہ نومسلوں کو تحفظ نہیں دیتی اور ہماری ان نومسلم بہنوں ڈاکٹر حفصہ اور فریال شاہ کو انصاف فراہم نہیں کیا جاتا اور ان پر ہونے والے ظلم کا سد باب نہیں ہوتا ۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ معاملات کومزید بگڑنے سے بچانے کے لیے ہر طبقہ اس حوالے سے شرعی وآئینی تقاضوں کی درست طریقے سے پاسداری کے لیے اپنا کردارادا کرے،تاکہ ہر قسم کے فساد کاسد باب ہوسکے۔لاوے کو پھٹنے سے پہلے سرد کرناہی عقل مندی کاتقاضاہے۔

مولانا محمد جہان یعقوب

جامعہ بنوریہ عالمیہ،سائٹ کراچی

حافظ سعید کی گرفتاری پر انعام۔ نرخ بالا کن

امریکا بہادر نے جماعۃ الدعوۃ کے امیر اور دفاع پاکستان کونسل کے مرکزی رہنما پروفیسر حافظ محمد سعید حفظہ اللہ تعالی کی گرفتاری کے لیے ٹھوس شواہد پیش کرنے پر ایک کروڑ ڈالر کی انعامی رقم مقرر کی ہے۔ یہ اعلان ہوا بھی بھارت میں ہے، جو حافظ صاحب کا نام ایک عرصے سے ''موسٹ وانٹڈ'' مجرموں میں شامل کیے بیٹھا ہے۔ اب امریکا نے اسی کی سرزمین سے یہ اعلان کرکے اس کو خوش تو بہر حال کر دیا ہے، رہی مجاہدین راہ حق کے مقابلے میں ہندو بنیے کی کامیابی، تو اس بات کو وہ بھی سمجھتا ہے: ایں خیال است و محال است و جنوں

حافظ صاحب کے لیے مژدہ ہو کہ وہ اس اعلان سے امریکی ویب سائٹ میں استعمار کے بڑے بڑے دشمنوں کی صف میں جگہ بنانے میں کامیاب ہو چکے ہیں، جن میں ملا محمد عمر مجاہد سر فہرست ہیں۔ یہ ایک بڑا اعزاز ہے، جس کی قدر وہ بخوبی جانتے ہیں۔ اللہ انہیں مزید جہادی مساعی کی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔

زمانہ قدیم سے یہ اہل کفر و ضلالت کا وتیرہ رہا ہے کہ وہ جب کچھ نہیں کر پاتے تو اپنے دشمنوں کے سروں کی قیمتیں مقرر کر دیتا ہے۔ مشرکین مکہ نے حضور رسالت مآب

کی گرفتاری پر بھی 100 اونٹوں کا انعام مقرر کیا تھا۔ یہ میرے آقا کا معجزہ تھا کہ ان کے ﷺ سر کا طالب جب واپس لوٹا تو شرف صحابیت سے مشرف ہو چکا تھا۔ کیا بعید ہے کہ مذکورہ بالا جہادی قائدین کے تعاقب میں نکلنے والا ''ڈالروں کا طالب'' بھی ہدایت یاب ہو جائے، جس طرح ماضی قریب میں بابری مسجد کو شہید کرنے والا جنونی ہندو مسلمان اور خادم اسلام بن گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کچھ بعید نہیں۔

دفاع پاکستان کونسل کے پلیٹ فارم سے امریکا کے خلاف امت کو متحد کرنے کی مساعی کرنے والوں کا امریکا کو کھٹکنا اور قابل گردن زدنی ہونا کوئی حیرت کی بات نہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ امریکی ایما پر مرحلہ وار تاش کے پتے پھینکے جا رہے ہیں۔ ابتدا میں دفاع پاکستان کونسل میں سرگرم جماعت اہل سنت والجماعت پر پابندی کا شوشہ، پھر بے نظیر قتل کیس کی '' ایجاد بندہ'' کہانی اور مولانا سمیع الحق کے ادارے جامعہ حقانیہ کو براہ راست ملوث کرنا اور اب حافظ سعید کے خلاف انعامی رقم کا اعلان۔ قوم نے سیاسی و مذہبی جماعتوں کے پلیٹ فارم سے اس اقدام کے خلاف جس رد عمل کا مظاہرہ کیا ہے، اس سے یوں لگتا ہے کہ جلد ہی اس اعلان کا بھی وہی حشر ہوگا، جو پچھلے دو اقدامات کا ہو چکا ہے۔

نہ خنجر اٹھے گا، نہ تلوار ان سے
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

وطن عزیز میں ایسے دانش فروشوں اور لشکر پرستوں نیز سیاسی ہرکاروں کی کوئی کمی نہیں، جن کا اعتقاد ہے کہ ایمان بھلے سے جائے، مگر ڈالر کے حصول کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جائے۔ انہیں خوش ہو جانا چاہیے، کہ ان کے لیے ایک اور ''گولڈن چانس'' ان کے مائی باپ امریکا نے فراہم کر دیا ہے، سو اب وہ خوابوں میں ان کروڑوں ڈالروں کا درشن کریں اور دل ناداں کو بہلانے کا سامان فراہم کریں، بقول غالب

دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

مگر کہیں انہیں خواب میں ان ڈالروں کی جگہ لمبی داڑھیوں والا کوئی مجاہد نظر آ گیا، تو ان کی دھوتیاں ڈھیلی اور شلواریں خراب ہونے کی صورت میں ہم کوئی ذمہ داری نہیں لیتے، اس کا اطمینان وہ پہلے ہی کر لیں، کس طرح... یہ ہم ان پر چھوڑتے ہیں۔

آمدم بر سر مطلب، ہم تو امریکا بہادر سے ایک ہی بات کرتے ہیں: نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز، تم نے مجاہدین فی سبیل اللہ کے سروں کی جو قیمت لگائی ہے، اس سے بڑی قیمت تو اللہ تعالیٰ کی نظر میں مجاہد کے گھوڑے کی لید کی ہے، مگر اس کے ادراک کے لیے جو باطنی آنکھیں چاہئیں وہ اس فانی دنیا پر ریجھنے اور اپنا سب کچھ حصول دنیا پر وارنے والے کو کہاں نصیب ہو سکتی ہیں؟ سوائے مردار دنیا کے طلب گارو! تمہیں تمہاری دنیا مبارک رہے۔ جب حقیقی آنکھیں کھلیں گی تب معلوم ہو گا کہ

کون گھوڑے پر سوار تھا اور کون گدھے پر۔

مسلم خاتون کو کسی بل کی ضرورت نہیں

جاگیردارانہ ذہنیت کی کارستانی ہوتی ہے کہ کہیں عزت کے نام پر، کہیں غیرت کے نام پر، کہیں خاندانی وجاہت و وقار کے نام پر اور کہیں دھن ودھونس کے نام پر حوا کی بیٹی کو اس کے ان حقوق سے بھی محروم رکھا جاتا ہے، جو اسے اسلام نے عطا کر رکھے ہیں، اگرچہ درپردہ حقوق غصب کرنے کا سارا کارِ بے خیر ہمیشہ اسی قماش کے لوگوں نے انجام دیا، مگر الزام اسلام پر عائد کر دیا کہ اس نے عورت پر ناروا پابندیاں عائد کر رکھی ہیں۔

ہم الزام ان کو دیتے تھے، قصور اپنا نکل آیا

تاریخ کا طالب علم اس حقیقت سے اچھی طرح واقف وآگاہ ہے کہ مغرب نے اسلام کے خلاف جتنے محاذ کھولے ہیں، ان میں سب سے زیادہ کامیابی اسے عورت کے محاذ پر حاصل ہوئی ہے۔یہی وجہ ہے کہ مغرب پہلے خود اپنے ذہنی غلاموں سے عورت کا استحصال کراتا ہے، پھر ان کی تمام بداعمالیوں کو مسلمانوں اور اسلام کے کھاتے ڈال کر آرڈیننس اور بل پاس کراتا ہے، تاکہ اسلام پسند طبقے کی بدنامی بھی ہوتی رہے اور خواتین کے حقوق کی علمبرداری کی آڑ میں ان کی ہمدردیاں بھی سمیٹی جا سکیں۔ مجوزہ بل بھی اسی سوچ کا عکاس اور اسی منصوبے کا حصہ ہے۔

اس بل کے حوالے سے فی الوقت تین قسم کی آرا سامنے ہیں، جو تین قسم کے طبقات سے تعلق رکھتی ہیں:

ایک دینی طبقہ ہے، جو اس بل کو اسلامی و مشرقی اقدار سے متصادم اور خاندانی نظام کی بقاکے لیے انتہائی خطرہ سمجھتاہے۔آخری درجے میں اس طبقے کی تجویز یہ ہے کہ اس بل کو اسلامی نظریاتی کونسل کے سپرد کرکے اس سے اس بل کی تطہیر، اس میں ترمیم اور بہتری کی درخواست کی جائے اور عدم توثیق کی صورت میں اس بل کو منسوخ کردیا جائے۔

دوسرا وہ طبقہ ہے، جسے پاک وطن کا باسی اور نام کی حد تک مسلمان ہونے کے باوجود اسلامی اقدار ہی نہیں مشرقی اقدار بھی ایک آنکھ نہیں بھاتیں، ان کا موقف یہ ہے کہ دن رات ایک کرکے اس بل کو آئین کا حصہ بنایا جائے۔ان کا کہنا ہے کہ جنوبی ایشیا میں پاکستان وہ واحد ملک ہے جہاں خواتین پر گھریلو تشدد کی حوصلہ شکنی کے لیے کوئی قانون موجود نہیں۔ان کا موقف ہے کہ یہ انتہائی اہم بل ہے، کیوں کہ بقول ان کے پاکستان میں 85 فیصد خواتین گھریلو تشدد کا شکار ہیں، انہیں اس تشدد سے بچانے کے لیے اس بل کو بلاتاخیر قومی اسمبلی کو منظوری کیلئے بھجوا دیا جائے۔ گویا اگر بل منظور نہ ہوا تو آسمان ٹوٹ پڑے گا!!

ان کی جلد بازی کی انتہا تو یہ ہے کہ کچھ خواتین پارلیمانی کمیٹی کے اجلاس میں بھی آ دھمکی تھیں، وہ تو خورشید شاہ صاحب کا بھلا ہو کہ انہوں نے بڑی ''عزت افزائی '' کے ساتھ ان کو اٹھادیا اور واضح بھی کر دیا کہ کسی کی ڈکٹیشن نہیں لیں گے۔

تیسرا طبقہ وہ ہے جس کا کہنا ہے بل کے مسودے میں کچھ قباحتیں تھیں۔ حکومتی ارکان کا بھی یہی اعتراف ہے، تاہم بادی النظر میں یہی لگ رہا ہے کہ حکومت یہ بل منظور کروا کر رہے گی۔ چاہے اتفاق رائے کے ذریعے یا پھر اپنے مینڈیٹ کے بل پر۔

یہ ایک نا قابل تردید حقیقت ہے کہ خواتین کے حقوق سب سے زیادہ مغرب اور یورپ میں پامال ہو رہے ہیں۔ حقوق نسواں کے دعویدار ہی ان کا استحصال کر رہے ہیں۔ نام نہاد حقوق نسواں کے علمبردار مغربی معاشرے نے اپنی بے لگام شہوت کی تسکین کی خاطر عورت کو گھر کی محفوظ چار دیواری سے آزادی کے نام پر باہر نکالا۔ وہ جو گھر میں شرافت کا مجسمہ بنکر احترام وتوقیر کی علامت تھی، اس سے اسکی نسوانیت جیسی متاع بے بہا چھین کر ہوسناک شہوانی نگاہوں کا شکار بنادیا۔ اسے عزت وشرافت اور عفت وحیا کے ساتھ والدین، اولاد، بھائی بہن اور شوہر کی خدمت سے باغی بناکر اجنبی مردوں کی خدمت پر مامور کر دیا۔ ہسپتالوں میں نرس اور تیماردار کے نام سے بھرتی کر کے مریضوں سے زیادہ ڈاکٹروں کے نخرے برداشت کرنے اور ان کی آؤ بھگت کرنے کی ذمہ داری اس پر ڈال دی۔

ائیر ہوسٹس کی حیثیت سے اجنبی مسافروں کے سامنے جسم کی نمائش پر مجبور کردیا۔یہ انہی حقوق نسواں کے نام نہاد علمبرداروں کی ''مہربانی'' ہے کہ آج حقوق نسواں اور مساوات کی آڑ میں مغربی عورت کی شرم وحیااور عفت وعصمت سربازار نیلام ہورہی ہے۔

انجام کار مغرب میں خاندانی نظام تباہ ہوچکا ہے،ناجائز بچوں اور کنواری ماؤں کی تعداد آئے روز بڑھ رہی ہے،جس کی وجہ سے خودکشیاں اور طلاقیں بڑھ رہی ہیں۔اس کے بالمقابل الحمدللہ ! تمام ترانحطاط وتنزل کے باوجوداب بھی ہمارے گھراسلام کے مورچے ہیں اور ہمارا دشمن اسلام کے ان مورچوں کو تباہ کرنا چاہتا ہے۔''ہم توڈوبے ہیں صنم،تم کو بھی لے ڈوبیں گے''کے مصداق مغرب ویورپ کی وظیفہ خواراین جی اوزاوراسمبلیوں میں بیٹھے ان کے ذہنی غلام چاہتے ہیں کہ مشرقی معاشرے کا بھی وہی حال ہواورہمارامعاشرہ اورخاندانی نظام بھی اسی طرح شکست وریخت کاشکار ہو،جس طرح مغربی معاشرہ ہوچکاہے۔اس مقصدکے لیے کبھی وہ میڈیاکاسہارالیتاہے،کبھی''بلوں'' کی بیساکھیاں استعمال کرتاہے۔اس نوع کی کوششیں آج سے نہیں،روزاول سے ہورہی ہیں،مگراب یہ ''برگ وبار''اس لیے لارہی ہیں کہ ہم نے خواتین اسلام کی تعلیم وتربیت کی طرف توجہ نہیں کی ۔ہم نے انہیں اسلام تعلیمات سے روشناس کرانے میں تغافل برتا،جس سے دشمنان اسلام نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔عورت انسانی معاشرہ کے نصف سے زیادہ حصہ پر محیط

ہے بلکہ مستقبل میں ایسے دور کی نشاندہی تعلیمات نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام میں موجود ہے جب مرد وعورت کی تعداد ایک اور چالیس کی نسبت سے ہوگی، پھر عورت کو اپنی جنس مخالف پر اثر انداز ہونے اور اپنی بات منوانے کی فطرت نے جو صلاحیت دی ہے،اسلام دشمن عناصر نے اس راز کو سمجھ کر ''نسوانی قوت ''کا بہت ظالمانہ استعمال کیا ہے۔ خواتین کو اسلام کے بالمقابل لا کھڑا کر دیا گیا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام نے عورت کو جو مرتبہ اور مقام عطا فرمایا ہے، کسی دوسرے مذہب یا نظام حکومت میں اسکا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اسلام نے عورت کو معاشرے میں بہترین مقام عطا کیا۔اس کو بلندی رتبہ کے اوج ثریا کا ہم نشیں بنایا۔اسلام ہی وہ دین ہے جس نے پہلی مرتبہ عورت کو اپنی ذاتی ملکیت کا حق دیا گیا، اسے شادی کا فیصلہ اپنی آزاد مرضی سے کرنے کا حق دیا گیا۔ اسے اپنی ذاتی جائیداد رکھنے اور کاروبار کرنے کا حق دیا گیا۔ اسے وراثت کا حق دیا گیا۔اسے اپنے دائرے میں رہتے ہوئے، مردوں کے شانہ بشانہ، زندگی کے نشیب وفراز میں اپنا بھرپور کردار ادا کرنے کا موقع فراہم کیا۔

اگرآج معاشرے میں کہیں عورت کواس کا شرعی حق نہیں مل رہاہے، توقصوراسلام

کانہیں، ہمارے جاگیر دارانہ نظام کا ہے۔پاکستان کے قانون ساز ایوانوں میں اکثریت کا تعلق اسی زمیندار اور جاگیر دار طبقے سے ہے، جو خواتین کو دوسرے درجے کا شہری اور محض جنسی تسکین کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ان لوگوں سے خیر کی توقع رکھنا خود فریبی کے سوا کچھ نہیں۔

وطن عزیز کی ماں، بہن، بیٹی کو سمجھ لینا چاہیے کہ اسے حقوق ،بل پاس کرنے یا قانون سازی سے نہیں، بلکہ اسلام کے عادلانہ نظام ہی سے ملیں گے۔ مغرب کی عورت بھی اسلام ہی کو اپنی آخری جائے پناہ اور حقوق نسواں کا حقیقی ترجمان سمجھتی ہے۔اس کا اعتراف ہے کہ اسلام نے عورت کو جو مرتبہ اور مقام عطا فرمایا ہے، کسی دوسرے مذہب یا نظام حکومت میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اسلامی تعلیمات نے عورت کو اپنے دائرہ میں رہتے ہوئے، مرد کے شانہ بشانہ، زندگی کے نشیب وفراز میں اپنا بھر پور کردار ادا کرنے کا موقع فراہم کیا ہے۔اگر معاشرہ محسن اعظم کی تعلیمات کو حرز جاں بنالے تو کسی طبقے کو حق تلفی کا شکوہ نہ رہے۔

نائن الیون کے بعد پاک امریکہ تعلقات...کیا کچھ پایا بھی؟

جب سے مسلمان خلافت عثمانیہ کی نعمت سے محروم ہوئے،ان پر معدودے چند حکمرانوں کے اکثرایسے ضمیرفروش حکمران اور بادشاہ مسلط ہوتے رہے، جوہرچڑھتے سورج کوسلام کرتے ہوئے غیروں کے لیے استعمال ہوتے اوراپنوں استحصال کرتے رہے۔اب بھی یہی صورت حال ہے اور مسلمان حکومتیں عرصہ اقتدار میں اضافے اورڈالروں کے عوض بڑی آسانی سے امریکہ کے مفادات کے لیے کام کرتی اوراسے اس کے توسیع پسندانہ مذموم عزائم کی تکمیل کے لیے ہرقسم کی کو یہ سہولت فراہم کرتی ہیں۔ان حکومتوں اور حکمرانوں کو امریکی چاکری کے بدلے میں چند سال مزیددولت اکٹھی کرنے کے لیے مل جاتے ہیں اور پھر وہ یہ دولت اپنے آنے والی سات نسلوں کے حوالے کر جاتے ہیں۔یہ اور بات ہے کہ امریکہ اتنا لحاظ، پاس بھی نہیں کرتا کہ اپنے غلاموں کی پردہ پوشی کرلے۔ بیچ بھری دنیا میں منہ پر دے مارتا ہے۔ بھری بزم میں راز کی باتیں اگل دیتا ہے۔اپناکام نکال کران حکمرانوں کو گولی یا سولی کی خوراک بنادیتاہے اور اپنے ان ''شاہ سے زیادہ شاہ کے وفادار'' قسم کے دوستوں کو دو گزز مین بھی کوئے یار میں لینے نہیں دیتا۔شاہ ایران کی کہانی سامنے ہے!

ہنری کسنجرنے سچ کہاتھا: امریکہ کی دوستی اسکی دشمنی سے زیادہ خطرناک ہے۔

وائس اف امریکہ اور جرمن ٹائمز کے خصوصی شماروں میں شائع ہونے والے فیچرز میں دنیا بھر کے تجزیاتی افلاطونوں، جنگی ماہرین و محققین اور اسکالرز کی اکثریت کے اس تجزیئے اور سچ کی تصدیق کی گئی ہے کہ 11/9 کا تعلق القاعدہ یا مسلمانوں سے نہیں ہے بلکہ یہ بش کی آئل مافیا کے صہیونی اماموں اور رزیلوں کا کارنامہ ہے، جو اقوام مسلم کے معدنی وسائل کی ڈکیتی کی پلاننگ کر چکے تھے۔ مغربی اخبارات میں شائع ہونے والے متن سے یہ سچ برامد ہوتا ہے کہ یہ کاروائی اسرائیلی ایجنٹوں کا مکروہ کارنامہ ہے۔

9/11 کے واقعات کا مقصد امریکہ کے استعماری مقاصد کی تکمیل کے لیے زمین ہموار کرنا تھا، جن میں وسط ایشیا کی ریاستوں کے تیل اور گیس کے راستوں کو اپنے کنٹرول میں لینا، پاکستان کی معیشت تباہ کرنا، پاکستان کو غیر مستحکم کرنا، پاکستان میں غربت بے روزگاری اور مہنگائی کو فروغ دینا، پاکستان کا جغرافیائی نقشہ تبدیل کرنے کی کوشش کرنا، پاکستان کے عوام اور افواج پاکستان کے درمیان عدم اعتماد کی فضا پیدا کرنا، خطے میں بھارت کی بالادستی قائم کرنا، پاکستان کو دنیا میں دہشت گرد ملک کی حیثیت سے اور اسلام کو دہشت گرد مذہب کی حیثیت سے پیش کرنا شامل ہیں۔

کے فوراً بعد ایک کال پر ڈھیر ہو کر پاکستان کو تباہ کن فیصلے کی بھینٹ چڑھا 9/11 دیا گیا۔ ایک آمر مطلق کے فیصلے پر اشرافیہ کی طرف سے کوئی صدائے احتجاج تک بلند نہ ہوئی۔ قوم کو کہا گیا اس فیصلے کے بعد ڈالروں کا سیلاب آئے گا، دودھ اور شہد کی نہریں بہیں گی، خوش حالی کا دور دورہ ہوگا۔ ہماری اشرافیہ، جو بزنس کمیونٹی، بیوروکریسی، وڈیروں، جو دولت لوٹنے ولوں، ٹیکس چوروں، قرضے معاف کرانے والوں پر مشتمل ہے، اس نے یہ سوچ کر کہ اگر امریکہ سے اس جنگ کے لیے پیسے آنا شروع ہو جاتے ہیں تو ہمیں بھی ٹیکسوں میں مراعات ملیں گی اور ہم سے کوئی حساب نہیں لیا جائے گا، اس غلط فیصلے پر چپ سادھ لی۔ ستم ظریفی دیکھیے کہ منتخب حکومت نے بھی آمر مطلق کی پالیسیوں کو نہ صرف جاری رکھا، بلکہ امریکہ کی نمک حلالی میں اس سے بھی کہیں آگے بڑھ گئے۔

امریکی دانش ور نوم چومسکی نے درست کہا تھا: امریکہ نے پاکستان کی اشرافیہ کو خرید لیا ہے۔ یوں غیروں کی جنگ ہم نے اپنے ملک میں درآمد کرلی۔ یہ پاکستان کی تاریخ کا بد ترین فیصلہ تھا، جس نے ہمیں تباہی، بربادی، کشت و خون، اللہ تعالیٰ کے غضب، غربت و مسکنت کی ایسی دلدل میں دھکیل دیا، جس سے نکلنے کے بظاہر کوئی آثار نظر نہیں آرہے ہیں۔

ہمارا ملک اس سے قبل خودکش حملوں کی اصطلاح سے نابلد تھا، اب ان حملوں کی

آماجگاہ بن گیا۔

ہم کسی داخلی انتشار اور علیحدگی کی تحریک کا شکار نہیں تھے،اب جس طرف دیکھیے علیحدگی کی تحریکیں اور نہ ختم ہونے والا داخلی انتشار نظر آتا ہے۔

ہم ڈرون طیاروں اور حملوں سے ناواقف تھے، امریکی تھنک ٹینک نیو امریکن فاونڈیشن کے مطابق 18 جون 2004 میں پاکستان میں جنوبی وزیرستان کے وانا کے مقام پر پہلا امریکی ڈرون حملہ کیا گیا، جس میں نیک محمد سمیت چار عسکریت پسند شہید ہوئے۔

لندن کے تھنک ٹینک بیورو انوسٹی گیسٹو جرنلزم کے مطابق امریکی صدر اوباما کے منصب صدارت پر براجمان ہونے کے بعد پاکستان میں اوسطاً ہر چار دن کے بعد ڈرون حملہ کیا گیا۔اب یہ عالم ہے کہ میڈیا رپورٹوں کے مطابق پاکستان میں اب تک 309امریکی ڈرونز حملوں میں 3ہزار سے زائد لوگ شہید ہو چکے ہیں۔ اوباما دور میں 257ڈرونز حملے کئے گئے۔ 2004 سے 2007 کے دوران 9ڈرونز حملوں میں 109افراد، 2008 میں 34ڈرونز حملوں میں 296 افراد، 2010 میں 132 ڈرونز حملوں میں 938افراد جاں بحق ہوئے ۔2010 تک پاکستان میں 228ڈرونز حملے کیے گئے جس میں 2052 افراد جاں بحق ہوئے۔ صرف 2011 میں 76 حملے ہوئے، جن میں 175 بچے جاں بحق ہوئے۔ صرف دو قبائلی ایجنسیوں شمالی اور جنوبی وزیرستان میں 250 سے زائد حملے کیے گئے۔ موجودہ حکومت سے قبل صرف 11ڈرون حملے ہوئے جن میں 132 افراد جاں بحق ہوئے، جب کہ اس کے بعد ڈرونز حملوں میں 2454افراد جاں بحق

ہوئے۔

یہ کون تھے، جن کایوں بے دردی سے خون بہایاگیا؟ان میں سے اکثراس پاک وطن کے امن پسند معصوم شہری تھے۔یہ صرف ہمارا دعویٰ نہیں ،بلکہ امریکہ خود بھی بارہااس بات کااعتراف کرچکاہے۔اس قدر نقصان کے باوجود،ہم ڈرون گرانے کی صلاحیت سے مالامال ہوکربھی اس کو گراناتودرکناالٹاڈرون ٹیکنالوجی مانگ کراپنے جھنڈے تلے زرداری صاحب نے کارروائیاں کرنے کی منت سماجت کی ہے۔معاف کردیجیے زرداری صاحب،اس سبز ہلالی پرچم کو جوآپ سب کے ہاتھوں سبز سے سرخ ہوچکا،مزید سرخ نہ کیجیے۔

اس سے قبل پاکستانی قوم، حکومت اور فوج پر طالبان، القاعدہ یااس کے کسی گروپ کی جانب سے حملے نہیں ہورہے تھے،امریکہ نے ہمیں آپس میں اس ہوشیاری سے دست وگریبان کردیاکہ خودہی قاتل اورخودہی مقتول والی صورت حال ہے۔ایرک میسی نے اپنے مقالے بعنوان'' مستقبل کاابھرتاپاکستان ''میں لکھاہے کہ پاکستان 40 ہزر پاکستانیوں کی ہلاکت اور 50 ارب ڈالر کا نقصان برداشت کرچکاہے۔جاں بحق شدگان میں 5 ہزار سیکیورٹی اہلکار شامل ہیں۔8ہزار معذور ہوئے۔

جس مسلمان کی جان ومال ، عزت وآبروکواللہ کے آخری نبی نے خانہ کعبہ سے بڑھ کر قابل حرمت قراردیاہے،ہم نے محض ڈالروں کے لالچ میں انہیں چوہے بلی کا کھیل

کھیلتے ہوئے پکڑ پکڑ کر خونی قاتل کے حوالے کر دیا۔

یہ پاکستانی ایجنسیاں ہی تھیں، جنھوں نے امریکی خواہش کے مطابق ان مسلمان مجاہدین کا پیچھا کیا، انہیں گرفتار کیا اور ان کو امریکا کے حوالے بھی کیا۔ حالانکہ ان میں سے کوئی بھی پاکستان کو مطلوب نہیں تھا اور نہ ہی انہوں نے یہاں کوئی جرم کیا تھا۔ مجاہدین کو رکھیے ایک طرف، قوم کی عفت مآب بیٹی حافظہ قرآن کیمسٹری کی سائنسدان محترمہ عافیہ صدیقی کا کیا قصور تھا، جسے ہم نے امریکہ کے حوالے کیا، آج میری یہ عزت مآب بہن ہماری اجتماعی بے حسی کا خمیازہ 86 سالہ قید کی صورت میں بھگت رہی اور کینسر جیسے موذی مرض کا شکار ہو چکی ہے۔ سابق آمر تو ٹھہرا ہی ضمیر فروش، دختر مشرق کی قبر پر اپنی سیاسی دکان چمکانے اور اختیار و اقتدار کے مزے لوٹنے والے عوامی نمائندگی کے دعوے دار حکمرانوں نے کیا کیا؟ آج نیٹو سپلائی بحالی کے لیے ناک رگڑنے پر آمادہ امریکہ سے قوم کی اس محترم بیٹی کو کیوں نہیں مانگا جاتا؟ کیا ہم میں صلیب کے پجاریوں جتنی بھی قومی حمیت نہیں، جنھوں نے اپنے ایک شہری کے لیے، جو بین الاقوامی قاتل درندہ تھا، تمام اصول بالائے طاق رکھ دیے اور ہمارے سر کو اپنے پیروں تلے روند کر اسے لے گئے تھے۔ بے حسی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے!

اس سے قبل ملک کا کوئی شہری یوں دن دھاڑے لاپتا نہیں ہو جاتا تھا، مگر اب جو حالت

ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔عیاں راچہ بیاں۔
اب آیئے !ذرایہ دیکھیں کہ کیاواقعی امریکہ کی دوستی سے ڈالروں کاہن برسنے لگاہے؟
امریکی کانگریس کی دستاویزکے مطابق نیویارک میں ہونے والے 11/9کے حملوں کے بعد اسلام آباد نے سویلین امداد کی مدمیں 6ارب ڈالر وصول کیے، جبکہ اوبامہ انتظامیہ نے تازہ ترین سالانہ بجٹ میں فوجی امداد ایک ارب ساٹھ کروڑ ڈالر اور سولین امداد کی مدمیں ایک ارب 40کروڑ ڈالر تجویز کی ہے۔اس طرح نائن الیون کے بعد پاکستان کو ملنے والی امداد20ارب 70کروڑ سے زائد بنتی ہے۔
:معروف ماہر معاشیات ودانش ور ڈاکٹر شاہد حسن صدیقی کا کہنا ہے
امریکہ نے جو نائن الیون کے بعد جنگیں لڑی ہیں، اس میں امریکہ کے اخراجات ایک ہزار اڑتالیس ارب ڈالر ہیں اور ہمارے نقصانات 56ارب ڈالر ہیں جس کا ہمیں امریکہ نے ڈیڑھ فیصد بھی نہیں دیا۔اس سے کوئی بڑی تبدیلی نہیں آئے گی۔
لیجیے !یہ ہے وہ ڈالروں کی برسات، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیا کی پانچویں بڑی

جوہری طاقت جو کسی بھی استعماری قوت وطاقت کا غرور توڑنے اوراس کی رگوں میں دوڑنے والے خون کو خشک کرنے کی مکمل صلاحیت رکھتی تھی، آج ایک طرف ڈرون جیسے پتنگے کے سامنے بے بس ہے، تو دوسری طرف قوم کا سارا بجٹ ہضم کرکے گھاس کھانے پر مجبور کردینے کے باوجود فضائیہ اور عسکری قوت کا ہدف اور بھی اپنے ہی غریب ترین علاقوں کے طول وعرض ہیں۔ یہ امریکہ جیسے خونی قاتل سے رشتہ غلامی استوار کرنے کا نتیجہ ہے کہ ملک کے شمال میں آگ لگی ہوئی ہے، ملک کا رقبے کے لحاظ سے سب سے بڑا صوبہ بلوچستان ''تنگ آمد بجنگ آمد'' کی پوزیشن پر آچکا ہے، ملک کا معاشی حب کراچی ٹارگٹ کلنگ کے عفریت کے منہ میں اور بھتہ خوروں کے رحم وکرم پر تو تھا ہی، اب آپریشن کے نام پر پھر یہاں کے باسی ''نوٹرننگ پوائنٹ'' پر لا کھڑے کردیے گئے ہیں۔ وال سٹریٹ جرنل کی رپورٹ کہتی ہے: آج ایک مرتبہ پھر پاکستان 9/11 کی طرح فیصلہ کن موڑ پر کھڑا ہے۔

افغانستان کی دلدل میں پھنسا امریکہ تھک ہار گیا ہے، اس کو وہ اہداف حاصل نہیں ہوئے جو اس نے افغانستان اور پاکستان کے قبائلی علاقوں کے حوالے سے مقرر کیے تھے، جس کا انتقام اب وہ پاکستان کو عدم استحکام کا شکار کرکے لینا چاہتا ہے اور ہمارے حکمران ہیں کہ اب بھی ''یس سر'' سے آگے کچھ سوچنے کے لیے تیار نظر نہیں آتے۔ انہیں تو بس اس بات سے غرض ہے کہ جو قلمدان ملا ہوا ہے یہ پکا رہے۔ آخر قوم کب تک امریکی غلامی کی زنجیروں میں جکڑی رہے گی؟ ہم کب

تک امریکہ کے سامنے کشکول لٹکاتے رہیں گے ؟ قرضوں کا شکنجہ کب تک ہماری گردنیں جکڑتا رہے گا؟ ہم کب تک ڈرون کی ظلمت سہتے رہیں گے ؟

ہماری بیوکریسی اور حکومت کو جلد یا بدیر یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ امریکہ پاکستان سمیت عالم اسلام کا دشمن ہے۔ یہ پاکستان کی جنگ نہیں، بلکہ وہ امریکی مفادات کی جنگ لڑ رہے ہیں ۔پاکستان کا فرض ہے کہ وہ اس اتش گیر جنگی جہنم سے جلد از جلد باہر نکلے۔ ورنہ یہی جہنم کہیں سب کچھ بھسم کرکے نہ رکھ دے۔

اٹھو وگرنہ حشر نہیں ہو گا پھر کبھی
دیکھو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

مناقب سیدنا صدیق اکبر۔احادیث وآثار کی روشنی میں

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ 573 ء میں پیدا ہوئے ، آپ کا نام عبداللہ ، کنیت ابو بکر اور لقب صدیق تھا۔ آپکے والد کا نام عثمان اور کنیت ابو قحافہ تھی اور والدہ کا نام سلمٰی اور کنیت ام الخیر تھی۔آپ کا پیشہ تجارت تھا،اسلام سے قبل بھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کا شمار علاقے کے بڑے تاجروں میں ہوتا تھا۔آپ کی دیانت داری ، راستبازی اور امانت داری کا خاص شہرہ تھا،اہل مکہ آپ کو علم ، تجزیہ اور حسن خلق کے باعث نہایت معزز سمجھتے تھے ،ایام جاہلیت میں خون بہا کا مال آپ ہی کے ہاں جمع ہوتا تھا اگر کبھی کسی دوسرے شخص کے یہاں جمع ہوتا تو قریش اس کو تسلیم نہیں کرتے تھے ،اس زمانے میں بھی آپ تمام رزائل اور غیر اخلاقی افعال سے دور رہتے تھے ۔ذیل میں حضوراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال کی روشنی میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے چند فضائل ومناقب بیان کیے جارہے ہیں۔

آپ کا لقب صدیق وعتیق :

حضرت ابو یحیٰی سے روایت ہے انہوں نے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کو قسم اٹھا کر یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا لقب صدیق اللہ

تعالیٰ نے آسمان سے نازل فرمایا (مستدرک حاکم)

ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم اللہ رب العزت کی طرف سے آگ سے آزاد ہو۔ پس اس دن سے آپ رضی اللہ عنہ کا نام عتیق رکھ دیا گیا۔ (ترمذی، ابن حبان)

سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہم سب سے زیادہ محبوب تھے، اور ہم سے بہتر اور ہمارے سردار تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ گفتگو کرتے رہے یہاں تک کہ فرمایا: مردوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے حضرت ابو بکر تھے۔ (ابن حبان)

عبد اللہ بن حصین تمیمی سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں نے جس کسی کو اسلام کی دعوت دی اس نے کچھ نہ کچھ تردد، ہچکچاہٹ اور تامل کا اظہار ضرور کیا، سوائے ابو بکر کے کہ اس نے بغیر کسی تردد و تامل کے فورا میری دعوت قبول کر لی۔ (البدایہ والنہایہ)

: نبی کے وزیر

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کے لئے دو وزیر آسمان والوں میں سے اور دو وزیر زمین والوں میں سے ہوتے ہیں۔ پس آسمان والوں میں سے میرے دو وزیر، جبرئیل و میکائیل علیہما السلام ہیں اور زمین والوں میں سے میرے دو وزیر ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ (ترمذی، حاکم، مسند احمد)

: نبی کے ثانی

حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اسلام لانے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ثانی (دوسرے) تھے، غارِ (ثور) میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ثانی تھے، غزوہ بدر میں عریش (وہ چھپّر جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بنایا گیا تھا) میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ثانی تھے، قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ثانی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان (حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ) پر کسی کو بھی مقدم نہیں سمجھتے تھے۔ (مستدرک حاکم)

: نبی کے سمع وبصر

حضرت عبداللہ بن حنطب سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا تو ارشاد فرمایا : یہ دونوں (میرے لئے) کان اور آنکھ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ (ترمذی)

: نبی کے مزاج شناس

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ نے ایک بندے کو دنیا اور جو اللہ کے پاس ہے کے درمیان اختیار دیا ہے۔ پس اس بندے نے اس چیز کو اختیار کیا جو اللہ کے پاس ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، اس پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رو پڑے۔ ہم نے ان کے رونے پر تعجب کیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ایک بندے کا حال بیان فرما رہے ہیں کہ اس کو اختیار دیا گیا ہے۔ پس وہ (بندہ) جس کو اختیار دیا گیا تھا خود تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہم سب سے زیادہ علم رکھنے والے تھے (جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مراد سمجھ گئے)۔ (متفق علیہ، سنن

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی روایت کے الفاظ ہیں : حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کو

کوئی نہ سمجھا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ (بات کی تہہ تک پہنچ کر) رونے لگے پھر عرض کیا:
(ہمارے ماں باپ اور بیٹے آپ پر قربان۔ (طبرانی

:حب نبی میں مجنوں

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کفار و مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مارا پیٹا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر غشی طاری ہو گئی۔ سیدنا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور بلند آواز سے کہنے لگے۔ تم تباہ و برباد ہو جا، کیا تم ایک شخص کو اِس لئے قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتے ہیں میرا رب اللہ ہے؟ ان ظالموں نے کہا، یہ کون ہے؟ کفار و مشرکین میں سے کچھ لوگوں نے کہا، یہ ابو قحافہ کا بیٹا ہے جو حبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مجنوں ہوگیا ہے۔
(ہیثمی، حاکم، سیرت حلبیہ، البدایہ والنہایہ)

:نبی کے رفیق غار

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: جب غار کی رات تھی تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے اجازت عنایت فرمائیے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے غار میں داخل ہوں تاکہ اگر کوئی سانپ یا کوئی اور چیز ہو تو

وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بجائے مجھے تکلیف پہنچائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: داخل ہو جا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ داخل ہوئے اور اپنے ہاتھ سے ساری جگہ کی تلاشی لینے لگے۔ جب بھی کوئی سوراخ دیکھتے تو اپنے لباس کو پھاڑ کر سوراخ کو بند کر دیتے۔ یہاں تک کہ اپنے تمام لباس کے ساتھ یہی کچھ کیا۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر بھی ایک سوراخ بچ گیا تو انہوں نے اپنی ایڑی کو اس سوراخ پر رکھ دیا اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اندر تشریف لانے کی گزارش کی۔ جب صبح ہوئی تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا: اے ابوبکر! تمھارا لباس کہاں ہے؟ تو انہوں نے جو کچھ کیا تھا اس کے بارے بتا دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا کی: اے میرے اللہ! ابوبکر رضی اللہ عنہ کو قیامت کے دن میرے ساتھ میرے درجہ میں رکھنا۔ اللہ رب العزت نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف وحی فرمائی کہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کو قبول فرما لیا ہے۔ (حلیۃ الاولیا)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر سے ارشاد فرمایا: آپ حوضِ کوثر پر میرے ساتھی ہیں اور غار ثور میں بھی میرے ساتھی ہیں۔ (تہذیب الاسما، نووی)

: نبی کے رفیق جنت

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنھما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کا ایک رفیق ہے پس جنت میں میرا رفیق ابو بکر ہے۔ (ریاض النضرہ

:اللہ رسول کے پیارے

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنھما سے روایت ہے کہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اس حال میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے عبا پہنی ہوئی تھی جس کو اپنے سینے پر خِلال (لکڑی کا ٹکڑا، جس سے سوراخ کیا جاتا ہے) سے جوڑا ہوا تھا اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں کیا دیکھ رہا ہوں کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عبا پہن کر اسے اپنے سینے پر ٹانکا ہوا ہے؟ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے جبرئیل علیہ السلام! انہوں نے اپنا سارا مال مجھ پر خرچ کر ڈالا ہے۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا: اللہ رب العزت آپ کو سلام فرماتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہیں، کیا تو اپنے اِس فقر میں مجھ

سے راضی ہے یا ناراض؟ اس پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! اللہ رب العزت تم پر سلام فرماتے ہیں اور تمہیں ارشاد فرماتے ہیں، کیا تو اپنے اس فقر میں مجھ سے راضی ہے یا ناراض؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ میں اپنے ربِ کریم پر ناراض ہوں گا؟ میں تو اپنے رب سے (ہر حال میں) راضی ہوں میں اپنے ربِ کریم سے راضی ہوں۔ میں اپنے ربِ کریم سے راضی ہوں۔ (ابن جوزی، ابن کثیر)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مہاجرین و انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی مجلس میں تشریف لایا کرتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم بیٹھے ہوتے اور ان میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی موجود ہوتے۔ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنھم میں سے کوئی بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نظریں اٹھا کر نہیں دیکھتا تھا، سوائے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے۔ پس یہ دونوں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دیکھا کرتے تھے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان دونوں کی طرف دیکھا کرتے۔ وہ دونوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دیکھ کر مسکراتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان دونوں کی طرف دیکھ کر تبسم فرمایا کرتے تھے۔ (ترمذی)

:سب سے افضل

حضرت سالم بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں کہا کرتے تھے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں سب سے افضل ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور پھر ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔ (سنن ابوداؤد)

حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: میں نے اپنے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے بہتر کون ہے؟ انہوں نے فرمایا: ابوبکر رضی اللہ عنہ (صحیح بخاری، ابوداؤد)

:سب سے بہادر

حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے دریافت کیا کہ لوگوں میں سب سے بہادر کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ آپ ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لوگوں میں سب سے بہادر ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ کیونکہ غزوہ بدر کے دن جب ہم نے حضور صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کے لئے ایک عریش تیار کیا تو ہم نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کون رہے گا تاکہ کوئی مشرک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نہ بڑھ سکے۔ بخدا ہم میں سے کوئی آگے نہ بڑھا سوائے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تلوار سونت کر اس مستعدی سے کھڑے ہوئے کہ جونہی کوئی دشمن ادھر کا رخ کرتا آپ رضی اللہ عنہ اس پر جھپٹ پڑتے۔

:امت پر سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت پر سب سے زیادہ رحم کرنے والے ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں اور اللہ کے احکامات کے معاملے میں سب سے زیادہ شدت والے عمر رضی اللہ عنہ ہیں اور حیا کے اعتبار سے سب سے زیادہ مضبوط عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔ (ترمذی) (اور میری امت میں سے سب سے بڑے قاضی علی بن ابی طالب ہیں۔ (طبرانی

:سب سے پہلے قرآن جمع کرنے والے

حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ نے فرمایا: قرآن کے حوالے سے سب سے زیادہ اجر پانے والے ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں کہ انہوں نے سب سے

(پہلے قرآن کو دو جلدوں میں جمع کیا۔ (مسند احمد، ابن ابی شیبہ

:ہر عمل خیر کے جامع

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آج کے دن تم میں سے کون روزہ دار ہے؟ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں، پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آج کے دن تم میں سے کون جنازے کے ساتھ گیا؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آج کے دن تم میں سے کس نے مسکین کو کھانا کھلایا؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں نے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آج کے دن تم میں سے کس نے بیمار کی عیادت کی؟ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں نے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (فرمایا جس میں یہ باتیں جمع ہوں وہ ضرور جنت میں جائے گا۔ (صحیح مسلم، نسائی

:امت کے امام اول

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مرضِ وصال میں ارشاد فرمایا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو (میری طرف سے) حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہ رضی

اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ میں نے کہا کہ: ابوبکر رضی اللہ عنہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جگہ پر کھڑے ہوں گے تو وہ کثرتِ گریہ کی وجہ سے لوگوں کو کچھ بھی سنا نہیں سکیں گے۔ آپ عمر رضی اللہ عنہ کو حکم فرمائیں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ میں نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کریں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب آپ کے مقام پر کھڑے ہوں گے تو رونے کی وجہ سے لوگوں کو کچھ سنا نہ پائیں گے۔ پس آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم فرمائیں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں چنانچہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے ایسے ہی کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر رضی اللہ عنہ کو میری طرف سے حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

(متفق علیہ، سنن)

ام المومنین سیدہ عائشہ صِدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسی قوم کے لئے مناسب نہیں جن میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ موجود ہوں کہ ان کی امامت بوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی اور شخص (کروائے۔ (ترمذی

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرضِ وصال کے دوران انہیں نماز

پڑھایا کرتے تھے، یہاں تک کہ پیر کا دن آ گیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نماز کی حالت میں صفیں باندھے کھڑے تھے۔اِس دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجرہ مبارک سے پردہ اٹھایا اور کھڑے ہو کر ہمیں دیکھنے لگے۔ ایسے لگ رہا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ انور کھلے ہوئے قرآن کی طرح ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبسم فرماتے ہوئے ہنسنے لگے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار کی خوشی سے ہم نے نماز توڑنے کا ارادہ کر لیا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی ایڑیوں کے بل پیچھے لوٹے تاکہ صف میں شامل ہو جائیں اور گمان کیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے لئے باہر تشریف لانے والے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اشارہ فرمایا کہ تم لوگ اپنی نماز کو مکمل کرو اور پردہ نیچے سرکا دیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسی دن وصال ہو گیا۔
(بخاری، مسلم، مسنداحمد، ابن حبان)

جنت کے ہر دروازے سے بلاوا:

بخاری کی ایک طویل حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:
میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا جو اللہ کی راہ میں ایک چیز کا جوڑا خرچ کرے گا تو اسے جنت کے دروازوں سے بلایا جائے گا۔

پس حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی جو اِن سارے دروازوں سے بلایا جائے اسے تو خدشہ ہی کیا۔ پھر عرض گزار ہوئے، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا کوئی ایسا بھی ہے جو ان تمام دروازوں میں سے بلایا جائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں، اے ابو بکر رضی اللہ عنہ! مجھے امید ہے کہ تم ان لوگوں میں سے ہو (جنہیں تمام دروازوں میں سے بلایا جائے گا)۔

:چلتا پھرتا جنتی

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ہم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں حاضر تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اہلِ جنت میں سے ایک شخص تم پر نمودار ہو گا۔ اتنے میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نمودار ہوئے، آپ نے سلام کیا اور بیٹھ گئے۔ (ترمذی، حاکم، مسند احمد

:شیوخ جنت کے سردار

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے لیے فرمایا: یہ

(دونوں عمر رسیدہ اہل جنت کے سردار ہیں۔ (طبرانی، المعجم الاوسط

: صدیق اکبر کے لیے خاص تجلی

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں حاضر تھے کہ عبدالقیس کا وفد آیا، اس میں سے ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نامناسب گفتگو کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا: اے ابوبکر! آپ نے سنا جو کچھ انہوں نے کہا ہے؟ آپ نے عرض کی: ہاں! یارسول اللہ! میں نے سن کر سمجھ لیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پھر انہیں اس کا جواب دو۔ راوی کہتے ہیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں نہایت عمدہ جواب دیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! اللہ رب العزت نے تمہیں رضوانِ اکبر عطا فرمائی ہے۔ لوگوں میں سے کسی نے بارگاہِ نبوت میں عرض کی۔ یارسول اللہ! رضوانِ اکبر کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ رب العزت آخرت میں اپنے بندوں کی عمومی تجلی فرمائے گا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لئے خصوصی تجلی فرمائے گا۔

: سب کچھ دین پر نثار

حضرت زید رضی اللہ عنہ بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہمیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدقہ دینے کا حکم ارشاد فرمایا۔ اس حکم کی تعمیل کے لئے میرے پاس مال تھا۔ میں نے کہا، اگر میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کبھی سبقت لے جا سکتا ہوں تو آج سبقت لے جاں گا۔فرماتے ہیں کہ میں اپنا نصف مال لے کر حاضرِ خدمت ہوا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑ آئے ہو؟ میں نے عرض کی: اتنا ہی مال ان کے لئے چھوڑ آیا ہوں۔ اتنے میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جو کچھ ان کے پاس تھا وہ سب کچھ لے کر حاضرِ خدمت ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اے ابو بکر رضی اللہ عنہ! اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑ آئے ہو؟ انہوں نے عرض کی: میں ان کے لئے اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چھوڑ آیا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے دل میں کہا، میں اِن سے کسی شے میں آگے نہ بڑھ سکوں گا۔ (ترمذی۔ مسند بزار)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جب اسلام لائے تو اس وقت انکے پاس گھر میں چالیس ہزار (40000) درہم موجود تھے، لیکن جب آپ رضی اللہ عنہ مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کے لیے نکلے تو اس وقت

آپ رضی اللہ عنہ کے پاس صرف پانچ ہزار (5000) درہم رہ گئے تھے، آپ رضی اللہ عنہ نے یہ کثیر رقم غلاموں کو آزاد کرانے اور اسلام کی خدمت پر خرچ کر دی۔ (ابن عساکر)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسی کے مال نے کبھی مجھے اتنا نفع نہیں دیا جتنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال نے دیا ہے۔ (ترمذی، دیلمی)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنھما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مرض وصال میں باہر تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا سرانور کپڑے سے لپیٹا ہوا تھا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر مبارک پر جلوہ افروز ہوئے۔ اللہ رب العزت کی حمد و ثنا بیان کی پھر ارشاد فرمایا: ابوبکر ابن ابی قحافہ سے بڑھ کر اپنی جان و مال قربان کرنے کے اعتبار سے مجھ پر زیادہ احسان کرنے والا کوئی نہیں۔ (صحیح بخاری)

صحابہ کرام بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مال میں اسی طرح تصرف فرماتے تھے جس طرح اپنے ذاتی مال میں۔ (فیض القدیر)

:پیکر اخلاق

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھم سے روایت ہے انہوں نے فرمایا : قریش میں سے تین افراد ہیں جو سب سے زیادہ روشن چہرے والے، سب سے زیادہ حسنِ اخلاق کے حامل اور حیا کے اعتبار سے سب سے زیادہ ثابت قدم ہیں۔ اگر وہ تمہارے ساتھ بات کریں تو جھوٹ نہیں بولیں گے اور اگر تم ان کے ساتھ بات کروگے تو تمہیں نہیں جھٹلائیں گے، وہ حضرت ابو بکر، حضرت ابو عبیدہ بن الجراح اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنھم ہیں۔ (سنن

:نبی کے خلیفہ

حضرات صحابہ کرام آپ کو خلیفۃ الرسول کے لقب سے پکارا کرتے تھے،ذیل میں صرف :دو روایتیں پیش کی جاتی ہیں

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب شام کی طرف حضرت یزید بن ابو سفیان رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور حضرت شرجبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے لشکر روانہ فرمائے تو آپ رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ پیدل چلتے ہوئےثنی الوداع تک تشریف لے گئے۔ انہوں نے آپ رضی اللہ عنہ سے کہا: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے (خلیفہ، آپ پیدل چل رہے ہیں اور ہم سوار ہیں۔ (مستدرک حاکم

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا: ہم نے اس کمرے کا چکر لگایا جس میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ موجود تھے جب آپ کو اس تکلیف نے آ لیا جس میں آپ نے وصال فرمایا۔ پس حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہم پر نمودار ہوئے اور فرمایا: کیا تم اس پر راضی نہیں ہو جو میں کر رہا ہوں؟ ہم نے عرض کی: (ہاں! اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ۔ (ایضاً

لیث بن سعد سے روایت ہے کہ قرآن کو سب سے پہلے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جمع کیا اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اسکی کتابت کی۔

:صدیق اکبر کا شکر امت پر واجب

حضرت سھل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ابو بکر رضی اللہ عنہ سے محبت اور ان کا شکر ادا کرنا میری امت پر واجب ہے۔

:نبی کے ساتھ حشر

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے باہر تشریف لائے مسجد میں داخل ہوئے اس

دوران حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے، ایک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دائیں جانب تھے اور دوسرے بائیں جانب اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ہم قیامت کے روز اسی طرح اٹھا (ئے جائیں گے۔ (ترمذی،ابن حبان

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سب سے پہلے جس سے زمین پھٹے گی وہ میں ہوں پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ سے، پھر عمر رضی اللہ عنہ سے، پھر میں اہل بقیع کے پاس آں گا تو ان سے (زمین شق (پھٹے) ہو گی پھر میں ان سب کے درمیان اٹھایا جاؤں گا۔ (مستدرک حاکم

:خانوادہ اہل بیت اور صدیق اکبر

بعض لوگوں نے مشہور کردیا ہے کہ حضرت صدیق اکبر اور خانوادہ اہل بیت میں تعلقات اچھے نہیں تھے،جو محض جھوٹ ہے۔ذیل یں ہم حضرت صدیق اکبر اور خانوادہ اہل بیت :کے تعلقات پر چند روایات پر اکتفا کرتے ہیں

عقبہ بن الحارث سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عصر کی

نماز پڑھی پھر مسجد سے نکل کر ٹہلنے لگے آپ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے بڑھ کر ان کو اپنے کاندھے پر اٹھا لیا اور کہا میرے باپ قربان، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشابہ ہیں علی رضی اللہ عنہ کے نہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ ہنسنے لگے۔

ایک موقع پر حضرت ابو بکر کی کوکھ میں درد اٹھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنا ہاتھ آگ سے گرم کرکے اس پر پھیرتے رہے اور اس کو سینکتے رہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سفر زندگی کے آخری دنوں میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا اور وصیت فرمائی کہ اے علی! جب میری وفات ہو جائے تو مجھے تم اپنے ہاتھوں سے غسل دینا کیونکہ تم نے ان ہاتھوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیا ہے، پھر مجھے میرے پرانے کپڑوں میں کفن دے کر اس حجرہ کے سامنے رکھ دینا جس میں حضور کا مزار ہے۔ اگر بغیر کنجیوں کے حجرے کا قفل خود بخود کھل جائے تو اندر دفن کر دینا ورنہ عام مسلمانوں کے قبرستان میں لیجا کر دفن کر دینا۔

حبیب کو حبیب سے ملا دو:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے 22 جمادی الثانی 13 ہجری کو وفات

پائی۔ آپ کی وصیت کے مطابق آپ کے جنازے کو حجرہ کے سامنے رکھ کر عرض کیا گیا
۔ یارسول اللہ ! یہ آپ کے یار غار ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے دروازہ پر حاضر ہیں
اوران کی تمنا ہے کہ انھیں آپ کے حجرے میں دفن کیا جائے ، یہ سن کر حجرہ کا دروازہ
جو پہلے سے بند تھا، خودبخود کھل گیا اور آواز آئی حبیب کو حبیب سے ملادو، کیونکہ
حبیب کو حبیب سے ملنے کا اشتیاق ہے۔ جب حجرے سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دفن کرنے کی اجازت مل گئی تو جنازے کو اندر لے جایا گیا اور
(حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر میں آپ کو دفن کردیا گیا۔ (سیرت الصالحین
اللہ کی بے شمار رحمتیں ہوں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر، اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی
(اتباع اوران کی عظمت کے تحفظ کے لیے قبول فرمائے (آمین

ایک اور عالم ربانی کی شہادت

'' اب احتجاجی بیانات جاری ہوں گے۔ تعزیت کے لیے آنے والوں کا تانتا بندھ جائے گا، تفتیشی ٹیمیں تشکیل دی جائیں گی، سرکاری کارندے مجرموں کے ساتھ آہنی ہاتھوں سے نمٹنے کا اعلان کریں گے... پھر چند دنوں یا چند ہفتوں بعد کسی کو شاید یاد ہی نہ رہے کہ کوئی سانحہ بھی پیش آیا تھا۔ نہ مستقبل کے لیے منصوبہ بندی ہوگی، نہ منتشر صفوں میں اجتماعیت کی کوئی سنجیدہ کوشش۔ سکوت اور مصلحت کوشی کی ایک طویل چادر ہوگی جو عوام اور خواص سب کو ڈھانپ لے گی تا آنکہ کسی دوسرے مفتی عتیق الرحمٰن کو نشانہ نہ بنالیا جائے۔ حیرت ظالموں پر نہیں، تعجب تو مظلوموں اور مقتولوں کے ورثا پر ہے جو ظلم پر ظلم سہے جاتے ہیں مگر دستِ گلچیں کو مروڑنے کے لیے منظم نہیں ہوتے۔ اگر مشام جاں کو معطر کرنے والے پھول یکے بعد دیگرے یونہی مسلے جاتے رہے تو ایک وقت آئے گا جب چمن پر خزاں کا تسلط اور ظلمتوں کا بسیرا ہوگا۔ جو قوم یا جماعت ظلم سہنے کی عادی ہوجائے اسے مرگِ مفاجات سے کوئی نہیں بچا سکتا، قانونِ فطرت میں انہی کی مدد کی جاتی ہے جو خود اپنے مددگار ثابت ہوتے ہیں''۔

یہ وہ پردرد کلمات ہیں، جو مفسر قرآن حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری نے داعی

قرآن حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن کی دردناک واندوہ ناک شہادت پر اپنے کالم میں تحریر فرمائے تھے۔آج جب وہ بھی دشمنان اسلام کی تیغ ستم کا شکار ہو کر ہم سے جدا ہو چکے اور اپنی مساعی جمیلہ کا اصل انعام پانے کے لیے اپنے رب غیور کے حضور پہنچ چکے ہیں، یہ کلمات دل ودماغ اور قلب وجگر میں ایک طوفان برپا کیے ہوئے ہیں۔آپ بھی مفتی عتیق الرحمٰن کے نام کی جگہ مولانا محمد اسلم شیخوپوریکا نام لگائیں اوران سطروں کوایک بار پھرپڑھیں۔کیا قلندر کی ایک ایک بات سوفیصد درست نہیں ؟کیاہمیشہ سے یہی کچھ نہیں ہوتاآیاہے؟تفتیشی ٹیموں کی تشکیل، قاتلوں سے آہنی ہاتھوں سے نمٹنے کے حکومتی بیانات، رسمی وزبانی جمع خرچ...مجھے بتلایئے !کیااس کے علاوہ بھی اب تک کچھ ہوا ہے؟ مولاناحق نواز جھنگوی اورعلامہ احسان الٰہی ظہیر کی شہادتوں سے شروع ہونے والی خونی لہراب تک مشام جاں کو معطر کرنے والے کتنے پھول اب تک مسلے جاچکے ہیں؟کتنے علما، حفاظ، قرائے کرام، شیوخ حدیث ، علم وعمل کے کتنے پہاڑ، تقویٰ وللٰہیت کے کتنے مجسم نمونے اب تک قاتلوں کی سفاکیت کانشانہ بن چکے ہیں؟کیازمانہ ان میں سے کسی ایک کی بھی مثال پیش کرسکتاہے؟نہیں اوریقینانہیں...مگر قاتل کاہاتھ روکنے والا،اس کے ہتھیار کوتوڑنے والاآخرکوئی بھی کیوں نہیں... ٹھیک ہے یہ افرادکانہیں اداروں کاکام ہے، عوام کانہیں حکومت کاکام ہے، عدلیہ ومقننہ اورپولیس کافریضہ ہے... مگرمجھے ہرسواندھیرے کی دبیز چادرکے سواکچھ نظرنہیں آتا۔کیوں اس قدرنے حسی ،بے بسی وبے کسی چھائی ہوئی ہے؟ قانون سے لیکرحکومت تک، پولیس سے

لیکرارباب سیاست وسیادت تک، مریدین سے لیکرعقیدت مندوں اور عقیدت کیشوں تک... میں جس طرف دیکھتاہوں، سکوت مرگ کاسا منظر نظرآتا ہے۔آخرکیوں؟؟
کون پوچھے گاسفاک قاتلوں اوران کے پشتی بانوں سے...آخر مولانامحمداسلم شیخوپوری کاجرم کیاتھا،جوتم نے ان کے معصوم خون سے اپنے ہاتھ رنگین اوراپنانامہ اعمال سیاہ کردیا؟وہ شخص،جس نے خودکوصرف اورصرف قرآن مجیدکی عالمگیردعوت اتحادوامن کے پرچارکے لیے وقف کردیاتھا،سفرہویاحضر،وعظ وبیان ہویامضمون وکالم،درس وتدریس ہویاعوامی اجتماعات سے خطاب اس کی ایک ہی دعوت تھی :بتان رنگ وخوں کوتوڑکرملت میں گم ہوجا...نہ تورانی رہے باقی ،نہ ایرانی نہ افغانی۔
کیاجوملک اسلام کے نام پرحاصل کیاگیا،اس ملک میں اتحادبین المسلمین کاپرچار قابل گردن زدنی جرم ہے؟کیاقرآن مجیدکاحیات افزاپیغام انسانیت تک پہنچانے کے لیے اپنی صلاحیتیں بروئے کارلانااورخودکواس مقصدرفیعہ کے لیے وقف کردینے کی سزایہی ہے کہ اسے خاک وخون میں تڑپادیاجائے؟آخرکوئی توہوجوقاتل سے پوچھنے کاجگراوراسے کیفرکردارتک پہنچانے کاجگررکھتاہو!!
حضرت مولانامحمداسلم شیخوپوری ایک مسلمہ حیثیت رکھنے والے جیدعالم دین

تھے، جو سیاسی وجماعتی وابستگیاں تو ایک طرف مسلکی اختلافات کے بھی علمی حدود سے آگے لے جائے جانے کے خلاف اور ہر قسم کے تفرقے کو سم قاتل تصور کرتے تھے۔ وہ صرف قرآن کے داعی تھے اور ان کی دعوت وہی تھی جو قرآن کی دعوت ہے...

اتحاد، اتحاد اور صرف اتحاد۔ وہ اہل حق کے باہمی اختلاف کو حصول منزل کی راہ کا کانٹا سمجھتے اور نجی محفلوں میں اس حوالے سے اپنی مخلصانہ تشویش کا اظہار کرتے رہتے تھے۔ وہ صرف حق کے ساتھی تھے اور تمام اہم حق کو اپنا سمجھتے تھے۔

راقم کو ان کی صحبت ایک عرصے تک حاصل رہی مگر انہیں ہمیشہ حق کا پرستار اور بے لوث و بے خوف پایا۔ اللہ تعالیٰ ان کی شہادت کو اپنی بارگاہ میں قبول ومقبول فرما کر دعوت قرآنی کے پرچار کا ذریعہ بنائے۔ آمین

حضرت شہید کے لفظوں میں: حیرت ظالموں پر نہیں، تعجب تو مظلوموں اور مقتولوں کے ورثا پر ہے جو ظلم پر ظلم سہے جاتے ہیں مگر دستِ گلچیں کو مروڑنے کے لیے منظم نہیں ہوتے۔ گستاخی معاف!! کیا ہم یہ کہنے میں حق بجانب نہیں کہ دینی قیادت پورے ملک میں بالعموم اور کراچی میں بالخصوص مشائخ اور علمائے کرام کے خون کی ارزانی کی روک تھام کے سلسلے میں اب تک کسی بھی فورم پر مؤثر انداز میں آواز نہیں اُٹھا سکی ہے۔ کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ آپ سب متحد ہو جائیں؟ آپ کی اجتماعی قوت اور آواز کو محسوس کیا جائے اور سنا جائے؟ اگر یہ حضرات

ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر گردوپیش پر نظر ڈالیں تو انہیں لاکھوں مخلصین کا جم غفیر دکھائی دے گا جو ان کی ایک آواز پر لبیک کہنے اور ان کے اشارہ ابرو پر مرمٹنے کے لیے ہردم تیار ہوگا۔ دشمن بھی اس آواز کو نظرانداز نہیں کرسکے گا۔ گلی کوچوں میں حق کی دعوت دینے والوں کو یکہ وتنہا نہیں سمجھے گا۔ اگرہر سطح پر علمائے کرام کے تحفظ کی سنجیدہ کوششیں کی جاہیں توشاید یہ فضابدل جائے جوآج ہے کہ ہم شہید کی تعریف وتوصیف میں مگن ہوجاتے اورچندروز کے بعدسب کچھ بھول جاتے ہیں اوردشمن نئے شکارکی تلاش اوراپنی پلاننگ میں مصروف ہوجاتاہے۔ ہمیں اس وقت ہوش آتاہے جب نئے شہیدکاجنازہ اٹھتاہے۔

کاتب قرآن سیدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(برائے اسلامی صفحہ)

تمام انسانوں میں انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد فضیلت میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کا درجہ ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگرچہ معصوم نہیں ہیں، مگر ان سے جو بھی گناہ (اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت کے تحت صادر کرائے اور) ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما کر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بلا تفریق اپنی رضا کا پروانہ عطا فرمایا ہے، لہٰذا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر ہمیشہ اچھے لفظوں میں کرنا چاہیے۔ اسلام دشمنوں کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حیثیت کو کم کیا جائے تاکہ ان کے ذریعے سے ہم تک پہنچنے والے دین میں نقب زنی آسان ہو جائے۔

فاتح عرب و عجم، کاتب وحی، برادر نسبتی پیغمبر، ہم زلف نبی، راز دار نبوت، امام تدبر و سیاست، خال المومنین، امیر المومنین، سید الرسل امام الانبیاء خاتم المعصومین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک نہایت ممتاز و جلیل القدر صحابی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ آسمان نبوت کے وہ ستارے اور

چمنستان محمدی کے وہ پھول ہیں کہ جن پر سب سے زیادہ اعتراضات کیے اور کئی الزامات عائد کیے گئے ہیں۔ بغض اعداء کا یہ عالم ہے کہ اس عظیم ہستی کے یوم وفات پر باقاعدہ دعوتوں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ تمام اعتراضات و الزامات کی وجہ قرآن و سنت کے مقابلہ میں تاریخی روایات کو اہمیت دینا ہے۔ جبکہ قرآن و سنت کی تعلیمات کے خلاف ہر روایت قابل تردید ہے۔ چہ جائے کہ اس پر تکیہ کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام پر براہ راست اور بالواسطہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر انگلی اٹھائی جائے، حالانکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ صحابہ کرام کا مقام تاریخ کی کتابوں سے متعین نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ تاریخیں کئی صدی بعد لکھی گئی ہیں۔

امام حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: مقام صحابہ کا تقاضہ ہے کہ ایسی تمام روایتیں لکھنے والوں کے منہ پر مار دی جائیں (البدایہ والنہایہ تاریخ ابن کثیر)

امام نافع کی یہ بات آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے، اپنے شاگردوں سے فرمایا: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اصحاب رسول کے درمیان پردہ ہیں، جو یہ پردہ چاک کرے گا، وہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہ پر لعن طعن کی جرات کرسکے گا۔ (دفاع معاویہ)

فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (دیوبندی)فرماتے ہیں: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا شمار ان ظیم المرتبت صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے، جنہوں نے آنحضرت کی خدمت سے منفرد حصہ پایا۔

شیخ حضرت سید نذیر حسین دہلوی (اہل حدیث) فرماتے ہیں: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کفر کی حالت میں بھی کبھی اسلام کے خلاف تلوار نہیں اٹھائی، قبول اسلام کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے اسلام کی بے مثال خدمت کی۔

مولانا احمد رضا خان.بریلوی لکھتے ہیں: جو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرے، وہ (جہنمی کتوں میں سے ایک کتا ہے، ایسے شخص کے پیچھے نماز حرام ہے۔(احکام شریعت یہی وجہ ہے کہ اہل سنت والجماعت مقام صحابہ کے خلاف کسی واقعے اور روایات کو تسلیم نہیں کرتے، بلکہ اس کے انکار کو اپنا ایمان سمجھتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث طیبہ سے بھی ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت اور ان کے دشمنوں سے نفرت کا درس ملتا ہے۔

حضرت معاویہ۔ابتدائی تعارف:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ رضی اللہ تعالی عنہ بعثت نبوی کے تقریباًپانچ برس قبل پیدا ہوئے۔آپ کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملتا ہے۔حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ رضی اللہ تعالی عنہ وہ خوش نصیب انسان ہیں جن کو جلیل القدر صحابی ہونے کے ساتھ کاتب وحی اور پہلے اسلامی بحری بیڑے کے امیر ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے اور آپ رضی اللہ تعالی عنہ کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے کئی دفعہ دعائیں اور بشارتیں نکلیں ،آپ رضی تعالی عنہ کی بہن حضرت سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالی عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ اور ام المومنین ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔آپ کے والد حضرت سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور والدہ حضرت سیدہ ہندہ رضی اللہ عنہا بھی شرف صحابیت سے مشرف تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آئینہ اخلاق میں اخلاص ، علم وفضل، فقہ واجتہاد، تقریر وخطابت، غریب پروری، خدمت خلق، مہمان نوازی، مخالفین کے ساتھ حسن سلوک، فیاضی وسخاوت، اور خوف الہی کا عکس نمایاں نظر آتا ہے۔

حضور کی نوازشات :

آپ صلح حدیبیہ کے بعد ہی اسلام قبول کر چکے تھے،تاہم اس کا باقاعدہ اعلان فتح

مکہ کے موقع پر کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے سابقہ حالات زندگی اور ان کی صلاحیت و قابلیت سے آگاہ تھے اس لئے انہیں خاص قرب سے نوازا۔ فتح مکہ کے بعد آپ رضی اللہ تعالی عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہی رہے اور تمام غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت و معیت میں بھرپور حصہ لیا۔

قرآن مجید کی حفاظت میں ایک اہم سبب ''کتابت وحی'' ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جلیل القدر صحابہ رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین پر مشتمل ایک جماعت مقرر کر رکھی تھی جو کہ '' کاتب وحی'' تھے ان میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کا چھٹا نمبر تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کو کاتب وحی بنایا تھا۔۔۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی کو کاتب وحی بناتے تھے جو ذی عدالت اور امانت دار ہوتا تھا (ازالتہ الخفا از شاہ ولی اللہ)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ وہ خوش قسمت انسان ہیں جن کو کتابت وحی کے ساتھ ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطوط تحریر کرنے کی سعادت

حاصل ہوئی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتے یہاں تک کہ سفر وحضر میں بھی خدمت کا موقع تلاش کرتے۔ چنانچہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہیں تشریف لے گئے تو سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ پیچھے پیچھے گئے۔ راستہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وضو کی حاجت ہوئی پیچھے مڑے تو دیکھا، معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ پانی لیے کھڑے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑے متاثر ہوئے، چنانچہ وضو کے لیے بیٹھے تو فرمانے لگے: معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ تم حکمران بنو تو نیک لوگوں کے ساتھ نیکی کرنا اور برے لوگوں کے ساتھ درگزر کرنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی خدمت اور بے لوث محبت سے اتنا خوش تھے کہ بعض اہم خدمات آپ کے سپرد فرمادی تھیں۔ علامہ اکبر نجیب آبادی'' تاریخ اسلام'' میں رقمطراز ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے باہر سے آئے ہوئے مہمانوں کی خاطر مدرات اور ان کے قیام وطعام کا انتظام واہتمام بھی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے سپرد کر دیا تھا۔

فضائل احادیث کی روشنی میں:

رسول اللہ نے فرمایا: اے اللہ! معاویہ کو ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ

بنا دیجئے اور اس کے ذریعہ سے لوگوں کو ہدایت دیجئے۔ (ترمذی)

رسول اللہ نے فرمایا: اے اللہ ! معاویہ کو حساب کتاب سکھا اور اس کو عذاب جہنم سے بچا۔ (کنزالعمال)

رسول اللہ نے فرمایا: معاویہ میرا رازداں ہے، جو اس سے محبت کرے گا وہ نجات پائے گا، جو بغض رکھے گا وہ ہلاک ہو گا۔ (تطہیر الجنان)

رسول اللہ نے فرمایا: اللہ تعالی قیامت کے دن معاویہ کو اٹھائیں گے ، تو ان پر نور ایمان کی چادر ہو گی۔ (تاریخ الاسلام حافظ ذہبی)

رسول اللہ نے فرمایا: میری امت میں معاویہ سب سے زیادہ بردبار ہیں۔

(بحوالہ : سیرت امیر معاویہ)

خلفائے راشدین کے دور میں جہادی کارنامے:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد خلیفہ اول سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کے دور میں آپ نے مانعین زکوۃ، منکرین ختم نبوت ، جھوٹے مدعیان نبوت اور مرتدین کے فتنوں کے خلاف بھرپور حصہ لیا اور کئی کارنامے سرانجام دیئے۔ایک روایت کے مطابق مسلیمہ کذاب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے وار سے جہنم رسید ہوا۔

خلیفہ دوم سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کے دور خلافت میں جو فتوحات ہوئیں، ان میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کا نمایاں حصہ اور کردار ہے جنگ یرموک میں آپ بڑی بہادری اور دلیری کے ساتھ لڑے، اس جنگ میں آپ کا، پورا خاندان جنگ میں حصہ لے رہا تھا۔

خلیفہ سوم سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کے دور خلافت میں سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ جہاد وفتوحات میں مصروف رہے اور آپ نے رومیوں کو شکست فاش دیتے ہوئے طرابلس ،شام، عموریہ، شمشاط، ملطیہ، انطاکیہ، طرطوس، ارواڑ، روڑس اور صقلیہ کو حدود نصرانیت سے نکال کر اسلامی سلطنت میں داخل کردیئے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ ان علاقوں کی فتوحات کے بعد اب یہ چاہتے تھے کہ اسلام ایک آفاقی اور عالمگیر مذہب ہے اس کو اب سمندر پار یورپ میں داخل ہونا چاہیے، اسی بناپر فتح قبرص کی خواہش آپ کے دل میں مچل رہی تھی، جس کے لیے بحری بیڑے کی اشد ضرورت تھی۔ بحر روم میں رومی حکومت کا ایک بہت بڑا بحری مرکز تھا جو کہ شام کے ساحل کے قریب ہونے کے باعث شام کے مسلمانوں کیلئے بہت بڑا خطرہ تھا اسے فتح کیے بغیر شام ومصر کی حفاظت ممکن نہ تھی اس کے علاوہ سرحدی رومی اکثر مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ کرتے ہوئے مسلمانوں کو تنگ کرتے رہتے تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کی

طرف سے بحری بیڑے کو تیار کرنے کی اجازت ملنے کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑے جوش خروش کے ساتھ بحری بیڑے کی تیاری شروع کردی اور اپنی اس بحری مہم کا اعلان کردیا جس کے نتیجے میں جذبہ جہاد سے سرشار مجاہدین اسلام شام کا رخ کرنے لگے۔

واضح رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیث میں دو اسلامی لشکروں کے بارے میں مغفرت اور جنت کی بشارت وخوشخبری فرمائی ان میں سے ایک وہ لشکر جو سب سے پہلے اسلامی بحری جنگ لڑے گا اور دوسرا وہ لشکر جو قیصر کے شہر میں جنگ کریگا۔پہلی بشارت سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں پوری ہوئی۔اس لشکر کے امیر وقائد خود امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔آپ کی قیادت میں اس پہلی بحری لڑائی اور فتح قبرص کیلئے بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جن میں حضرت ابوایوب انصاری، حضرت ابوذر غفاری، حضرت ابودردا، حضرت عبادہ بن صامت اور حضرت شداد بن اوس، سمیت دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین شریک ہوئے۔اس جنگ کی تفصیل یہ ہے کہ 28 ہجری میں آپ پوری شان وشوکت تیاری وطاقت اور اسلامی تاریخ کے پہلے بحری بیڑے کے ساتھ بحر روم میں اترے،ابتدامیں وہاں کے باشندوں نے مسلمانوں کے ساتھ صلح کرلی لیکن بعد میں مسلمانوں کو تنگ کرنے اور بدعہدی کرنے پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پوری بحری طاقت

اور عظیم الشان بحری بیڑے کے ساتھ قبرص کی طرف روانہ ہوئے اور بڑی بہادری سے لڑتے ہوئے قبرص کو فتح کرلیا۔اس لڑائی میں رومیوں نے بڑے جوش وخروش سے حصہ لیا، تجربہ کاراور بحری لڑائی کا ماہر ہونے کے باوجود اس لڑائی میں رومیوں کو بد ترین شکست اور مسلمانوں کو تاریخی فتح حاصل ہوئی۔

زبان رسالت سے جنت کی بشارت کا مصداق بننے کے بعد اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کچھ نہ کرتے تو بھی ان کے لیے کافی تھا،مگر اسلام کے اس شیر دلیر نے جہاد موقوف کرنا تودرکنار اس سلسلے کو موقوف کرنا بھی گوارانہ کیا اور یہاں سے فارغ ہو کر قسطنطنیہ کے قریبی علاقوں میں جہاد جاری رکھا۔ 35ھ میں آپ کی قیادت میں غزوہ ذی خشب پیش آیا۔اسی سال خلیفہ راشد حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا دل دوز واقعہ پیش آیا۔جس سے آپ خلیفہ مظلوم کے قریب ترین رشتے دار ہونے کی وجہ سے بہت زیادہ متاثر ہوئے،قصاص عثمان کے مطالبے کی وجہ سے جنگ جمل وصفین کے واقعات بھی پیش آئے،جن میں انہی منافقین کا کردار نمایاں تھا،جو قتل عثمان کے ذریعے اسلامی وحدت کو پارہ پارہ کرنے میں ناکامی کا بدلہ اب مسلمانوں کو آپس میں لڑا کرلینا چاہتے تھے۔جس کا ثبوت یہ قول بھی ہے:امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ فرما تے ہیں:سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ میں ابتدانہیں کی۔(المنتقی

بایں ہمہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کوان تمام عہدوں اور مناصب پر نہ صرف
.برقرار رکھا، جن پر آپ عہد عثمانی ہیں فائز تھے، بلکہ یہ فرما کر ہر قسم کے شکوک وشبہات
کو بھی دور فرمادیا: ہم بھی مسلمان ہیں اور وہ بھی ہمارے مسلمان بھائی ہیں، ہمارااوران
(کااختلاف صرف دم عثمان کے مسئلے میں ہے۔ (نہج البلاغہ

صفین سے واپسی پر جب آپ نے سنا کہ بعض اہل لشکر حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ
:کے خلاف بے احتیاطی سے کلام کر رہے ہیں تو لوگوں سے ارشاد فرمایا

اے لوگو! تم معاویہ کی گورنری اور امارت کو ناپسند مت کرو، کیونکہ اگر تم نے
انہیں گم کر دیا تو دیکھوگے کہ سر اپنے شانوں سے اس طرح کٹ کٹ کر گریں گے، جس
طرح اندرائن کا پھل اپنے درخت سے ٹوٹ کر گرتا ہے۔ (البدایہ والنہایہ حافظ ابن
(کثیر

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد محض چھ ماہ خلافت کے منصب پر فائز رہنے
کے بعد 41ھ ہیں حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے .برضا ورغبت خلافت آپ
کو سونپ دی اور حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما نے آپ کو خلیفہ .برحق مانتے
ہوئے بیعت کرکے منافقین کے تمام عزائم کو یک سر ناکام بنادیا۔

خلیفہ بنتے ہی آپ نے عارضی طور پر اسلامی فتوحات میں آنے والے تعطل کا خاتمہ کردیا
اور اسلامی لشکر کی باگ دور سنبھال لی، چنانچہ 42ھ میں غزوہ سجستان پیش

آیا اور آپ رضی اللہ عنہ ہی کی قیادت میں سندھ کا کچھ حصہ بھی مسلمانوں کے زیر نگیں آیا۔ 42ھ میں کابل فتح ہوا اور مسلمان ہندوستان میں قدابیل کے مقام تک پہنچ گئے۔ 43ھ میں ملک سوڈان فتح ہوا۔ 45ھ میں افریقہ پر لشکر کشی کی گئی اور ایک بڑا حصہ مسلمانوں کے زیر نگیں آیا۔ 46ھ میں صقلیہ (سسلی) پر پہلی بار حملہ کیا گیا اور کثیر تعداد میں مال غنیمت مسلمانوں کے قبضے میں آیا۔ 47ھ میں افریقہ کے مزید علاقوں میں جہاد جاری رکھا۔ 49ھ میں آپ رضی اللہ عنہ نے قسطنطنیہ کی طرف زبردست اسلامی لشکر روانہ فرمایا، جو مسلمانوں کا قسطنطنیہ پر پہلا حملہ تھا۔ 50ھ میں قبستان جنگ کے بعد قبضہ میں آیا۔ 54ھ میں آپ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مسلمان دریائے جیحون کو عبور کرتے ہوئے بخارا تک جا پہنچے۔ 56ھ میں غزوہ سمرقند پیش آیا۔ سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے رومیوں کے خلاف سولہ جنگیں لڑی حتی کہ آخری وصیت بھی یہی تھی کہ روم کا گلا گھونٹ دو۔ خلاصہ یہ کہ حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ ایک عظیم جرنیل، سپہ سالار اور میدان حرب کے نڈر شہسوار تھے، یہی وجہ ہے کہ سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کا دور حکومت فتوحات اور غلبہ اسلام کے حوالہ سے شاندار دور حکومت ہے ایک طرف بحر اوقیانوس اور اور دوسری طرف سندھ اور افغانستان تک میں اسلام کی فتح کے جھنڈے گاڑ دیئے۔

دور خلافت اور اصلاحات:

اس کے ساتھ ساتھ سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ نے خلفائے راشدین کے ترقیاتی کاموں کو جاری رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل نئے امور واصلاحات کی داغ بیل ڈال کر اس کو فروغ دیا:

۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ نے سب سے پہلا اقامتی 1 ہسپتال دمشق میں قائم کیا۔

۔سب سے پہلے اسلامی بحریہ قائم کیا، جہاز سازی کے کارخانے بنائے اور دنیا کی 2 زبردست رومن بحریہ کو شکست دی۔

۔آبپاشی اور آبنوشی کیلئے پہلی نہر کھدوائی۔ 3

۔ ڈاک کا جدید اور مضبوط نظام قائم کیا۔ 4

۔ احکام پر مہر لگانے اور حکم کی نقل دفتر میں محفوظ رکھنے کا طریقہ ایجاد کیا۔5

۔آپ سے پہلے خانہ کعبہ پر غلافوں کے اوپر ہی غلاف چڑھائے جاتے تھے، آپ نے6 پرانے غلافوں کو اتار کر نیا غلاف چڑھانے کا حکم دیا۔

۔پارلیمنٹ کا قیام عمل میں آیا اور انتظامیہ کو بلند تر بنایا اور انتظامیہ کو عدلیہ میں 7 مداخلت سے روک دیا۔

۔بیت المال سے تجارتی قرضے بغیر اشتراک نفع یا سود کے جاری کرکے تجارت وصنعت8 کو فروغ دیا اور بین الاقوامی معاہدے فرمائے۔

۔ سرحدوں کی حفاظت کیلئے قدیم قلعوں کی مرمت کرکے اور چند نئے قلعے 9

تعمیر کرا کر اس میں مستقل فوجیں متعین کیں۔

۔بڑے بڑے اخلاقی مجرموں کے لئے خصوصی پولیس (سی۔آئی۔اے سٹاف) کی 10

بنیاد ڈالی۔

مرویات: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث مروی ہیں۔جن میں سے کئی حدیثیں بخاری ومسلم میں بھی 163 موجود ہیں۔آنحضرت کی اس قدر قربت کے باوجود آپ کی روایات کم اس لیے ہیں کہ آپ حدیث نقل کرنے میں حد درجہ محتاط تھے۔

وفات حسرت آیات: 22 رجب المرجب 60ھ میں کاتب وحی، جلیل القدر صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فاتح شام وقبرص اور 19 سال تک 64 لاکھ مربع میل پر حکمرانی کرنے والے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ 78 سال کی عمر میں وفات پاگئے۔حضرت ضحاک بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور دمشق کے باب الصغیر میں مدفون ہوئے۔اللہ کی ان پر بے شمار رحمتیں نازل ہوں (آمین)

طلبہ کی خودکشیاں...ذمہ دار کون؟تدارک کیا ہے؟

فیصل آباد میں ٹیچر نے ایک طالب علم محمد عمر کو چھٹیاں کرنے پر ڈانٹا اور والد کو بلانے کے لیے کہا، لیکن والد نے اسکول جانے سے انکار کر دیا، جس پر دلبرداشتہ ہو کر 12 سالہ محمد عمر نے خود کو آگ لگا کر خودکشی کر لی، اسے ہسپتال داخل کرایا گیا لیکن وہ جانبر نہ ہو سکا۔

وفاقی دارالحکومت اسلام آباد کے تھانہ شہزاد ٹاؤن کے علاقے میں اسلام آباد ماڈل کالج کے 15 سالہ طالب علم خورشید والد کی اسکول نہ جانے پر سرزنش سے دل برداشتہ ہو کر خود کو گولی مار کر اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیا۔

مظفر گڑھ کے نویں جماعت کے طالبعلم مدثر نے والدین اور اساتذہ کے رویہ سے دلبرداشتہ ہو کر خود پر تیل چھڑک کر آگ لگا لی۔

اس سلسلے کا اب تک کا آخری واقعہ ...جو اللہ کرے آخری واقعہ ہی ثابت ہو، پاپوش نگر کے رہائشی رضا کی ٹیسٹ میں ناکامی پر والدین کی ڈانٹ کے ڈر سے گلے میں پھندا لگا کر خودکشی کرنے کا ہے۔ والدین نے اس ساری صورتحال پر میڈیا کو

موردالزام ٹھہراتے ہوئے نہ صرف اسے کوریج سے روک دیا، بلکہ کہا ہے کہ ٹیلی وژن پر اس قسم کی خبروں نے ہی بچوں میں خودکشی کے رجحان میں اضافہ کیا ہے۔ واضح رہے کہ جس روز محمد رضا کی خودکشی کا واقعہ پیش آیا، بعض نجی ٹی وی چینلز دن بھر نہ صرف ایبٹ آباد میں ایک طالب علم مبین کی خودکشی کی خبر نشر کرتے رہے، بلکہ اس کی موت پر پروگرامات بھی دکھائے گئے۔ والدین کا کہنا ہے کہ ایسے ہی پروگرامات دیکھ کر محمد رضا نے بھی خودکشی کی راہ اختیار کی۔

ایبٹ آباد کے مبین کی کہانی، زیادہ تفصیل طلب ہے کیونکہ یہ کئی چہروں سے نقاب ہٹاتی اور مسئلے کے اصل محرکات سامنے لاتی ہے۔چودہ سالہ مبین انٹرنیشنل پبلک اسکول میں زیر تعلیم تھا اور اس کے ہاسٹل میں رہتا تھا، کے گھر سے اسکول زیادہ دور بھی نہیں، لیکن گھر والوں نے اسے اس لیے ہاسٹل بھیج دیا کہ وہ دل لگا کر پڑھے لیکن وہاں اس کا دل نہ لگا اس بار جب وہ ہفتہ وار چھٹی پر گھر آیا تو واپس جانے کو اس کا دل نہیں چا رہا تھا۔ اسے یہ بھی ڈر تھا کہ ایسا کرنے سے امی اور ابو ناراض ہو جائیں گے۔ اسی لیے پیر کو اس نے زندگی کا خاتمہ کر لیا۔ مبین کی جیب سے برآمد ہونے والے خط لکھا ہے کہ وہ ہاسٹل نہیں جانا چاہتا، اس لیے خودکشی کر رہا ہے۔ بچے نے لکھا کہ اسے دنیا سے بہت پیار تھا لیکن وہ اسے چھوڑنے پر مجبور ہو گیا۔ بچے نے تاکید کی کہ اس کے چھوٹے بہن بھائی کو کبھی ہاسٹل نہ بھیجا جائے۔ مبین نے یہ بھی لکھا

کہ اس کی الماری میں پڑی ڈائری میں باقی تفصیلات لکھی ہیں۔ مبین کے ماں باپ نے بچے کی نشاندہی پر ڈائری دیکھی تو اس میں لکھا تھا کہ اسکول میں اس کی تذلیل کی جاتی ہے۔ کلاس میں اردو بولنے پر 5 روپے دینا ہوتے ہیں۔ ذرا ذرا سی بات پر کلاس سے باہر نکال دیا جاتا ہے۔ ڈائری میں مبین لکھتا ہے کہ اس نے انگلش کی کلاس میں ٹیچر سے اردو میں پوچھا: سر! کیا سوال وجواب بھی لکھنے ہیں تو استاد نے مجھے کلاس روم سے باہر بلالیا، کیونکہ اس نے کہا تھا کہ اردو بولنے پر پانچ روپے جرمانہ ہوگا۔ مبین کی ڈائری میں لکھا ہے کہ استاد نے میری شرٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر میری ماں کی تصویر نکال لی، میں رونے لگا، جس پر اس نے تصویر واپس کر دی۔ اس نے مجھے اتنا مارا کہ میرے ابو نے بھی اتنا کبھی نہیں مارا تھا۔ ڈائری میں اس نے اپنی والدہ سے یہ بھی کہا کہ وہ میرے بھائی اور بہن کو ہاسٹل نہ بھیجیں۔

پاکستان میں شرح خواندگی پہلے ہی تشویشناک ہے۔ اس پر ایسے افسوس ناک واقعات سے تعلیم کے فروغ پر انتہائی منفی اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔

ہمیں ان محرکات کا بھی پتا لگانا چاہیے، جو ایک نونہال کو اس کم عمری میں، جس میں بچے زندگی کے خواب دیکھتے ہیں، خودکشی کرنے پر مجبور کردیتے ہیں؟ نجانے ایسے کون سے حالات تھے اور وہ کیا جذبات واحساسات تھے جس نے ان ادھ کھلے

پھولوں کو یہ انتہائی قدم اٹھانے پر مجبور کیا؟ بچے بہت حساس ہوتے ہیں کیونکہ وہ اپنے گرد و پیش کے حالات سے سیکھنے کی کوشش کر رہے ہوتے ہیں۔پوری دنیا میں طالب علموں کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے اور انہیں ایسے الفاظ میں مخاطب نہیں کیا جاتا جن میں تضحیک اور اہانت کا کوئی پہلو موجود ہو، جس سے ان کے کسی قسم کے احساس کمتری میں مبتلا ہونے کا خدشہ ہو، بلکہ یہاں تک دیکھا گیا ہے کہ جو طالب علم خود کو کسی معذوری کی بنیاد پر کمزور یا کمتر سمجھتا ہے، اسے ماہر نفسیات کی مدد سے خصوصی توجہ فراہم کی جاتی ہے، تاکہ وہ مقابلے کی اس فضا میں دوسروں کے برابر آ سکے۔ایک طرف ہم پاکستان میں تعلیم کے فروغ کے لیے اقدامات کر رہے ہیں، دوسری جانب اسکولوں میں کئی ظالم اساتذہ بچوں پر اس حد تک بہیمانہ تشدد کرتے ہیں کہ وہ یا تو پڑھائی سے دل اچاٹ کر بیٹھتے ہیں، یا پھر اسکول چھوڑنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ یہ واقعات ہماری آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہیں۔

طالب علموں کے انتہائی اقدام نے ملک ایک نئی بحث چھیڑ دی ہے کہ بچوں کی اموات کے ذمہ داران اساتذہ ہیں یا والدین یا میڈیا؟ ماہرین نفسیات کے مطابق حالیہ واقعات نے معاشرے کے جس پہلو کو بے نقاب کیا ہے وہ انتہائی خطرناک ہے۔

مذکورہ واقعات کا جائزہ لیا جائے تو اس میں والدین اور اساتذہ بھی کسی حد تک ذمہ دارا نظر آتے ہیں۔ والدین اور اساتذہ کا فرض ہے کہ اپنے بچوں سے محبت اور پیار سے پیش آئیں، والدین بچے کی تربیت کرتے ہوئے ہمیشہ جبر وزور کی پالیسی نہ اپنائیں، بچوں کے حوصلوں کو بلند کرنے کی کوشش کریں،ان کے لیے وقت نکالیں،ان کی مشکلات،الجھنوں اور ترجیحات کو سمجھتے ہوئے انہیں حل کریں۔اساتذہ اپنے پیشے کے تقدس اور اپنی حیثیت کو مد نظر رکھیں، روحانی اولاد کو اپنی اولاد سے بڑھ کر اہمیت دیں، حالیہ دنوں میں اساتذہ کے طلبہ پر بے محابا تشدد کے واقعات کسی طرح بھی اس پیشے سے میل نہیں کھاتے،اس حوالے سے حکومت اور تعلیمی اداوں کے منتظمین کرام پر بھی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ''مار نہیں پیار'' کے سلوگن کو عملی جامہ پہنانے کے لیے حکمت عملی وضع کریں، تاکہ آئندہ کوئی پھول کھلنے سے پہلے نہ مرجھا جائے۔

اس تمام تناظر میں ہم سب سے بڑا مجرم میڈیا کو سمجھتے ہیں، جو اپنے کرائم شوز کو پرائم ٹائمز میں چلا کر نوجوان نسل اور نئی پود کو جرم کا عادی بنا رہا ہے۔ ہمارے ملک میں کیبل پر دن کے اوقات میں پڑوسی ممالک کے تیار کردہ ایسے اخلاق سوز پروگرام چلائے جارہے ہیں، جو وہ ممالک بھی دن میں نشر کرنے کی جرات نہیں کرتے۔ دوسری طرف ''بریکنگ نیوز'' کی دوڑ میں ہمارا میڈیا ہر منفی خبر کو خصوصی اہمیت کے ساتھ نشر کرتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے یہ خبر دیکھنے

والاجذباتی نوجوان کل خودایک خبر بن جاتا ہے۔اس جانب خاص توجہ دینے کی ضرورت ہے۔اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ میڈیا عوام کی خواہشات اور امیدوں کا عکاس ہوتا ہے، دس برس قبل جب میڈیا کا انقلاب آیا اور پرائیوٹ میڈیا گروپس نے اپنی نشریات کا آغاز کیا تو یہ عوام کے لیے تازہ ہوا کا جھونکا تھا، مگر افسوس بہت جلد ہی میڈیا نے اپنی ترجیحات نہ صرف تبدیل کرلیں، بلکہ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت پرائیویٹ چینلز نے روشن خیالی اور آزادی اظہار رائے کے نام پر اباحیت پسندی، فکری ارتداد اور فحاشی وعریانی کے فروغ نیز انتہاپسندانہ سوچ بیدار کرنے والے ڈراموں کا وہ سلسلہ شروع کردیا کہ ہوا کا یہ جھونکا اغیار کا آلہ کار بن کر ایک ایسی منہ زور آندھی کا روپ دھار گیا، جو معاشرتی ودینی اقدار، قومی حمیت، ملی غیرت اور حب الوطنی کے جذبات غرض ہر اس جوہر سے ہمیں محروم کرنا چاہتا ہے، جو ملت کی شیرازہ بندی کرتا ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ میڈیا اس قسم کے افسوسناک واقعات کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے سے گریز کرے۔ ایسے واقعات کو میڈیا پر جس انداز سے بڑھا چڑھا کر پیش کیا جارہا ہے، اس سے بھی معصوم طلبہ مزید ڈپریشن اور ذہنی تناؤ کا شکار ہورہے ہیں اور ان میں اپنے آپ کو نقصان پہنچانے کی انتہاپسندانہ سوچ پروان چڑھ رہی ہے۔میڈیا اس سلسلے میں ذمہ داری کا مظاہرہ کرے،تاکہ معصوم ذہنوں کو انتہائی قدم اٹھانے سے روکا جاسکے۔

میڈیا کو اپنا لائحہ عمل تبدیل کرنے کی اور صحافت کا ضابطہ اخلاق نئے سرے سے ترتیب دینے کی اشد ضرورت ہے۔ میڈیا ہمارے معاشرے کا حصہ ہے اور اسے معاشرے کی صحیح عکاسی کرنا چاہئے ۔پرنٹ و الیکٹرونک میڈیا لوگوں میں روشن خیالی پیدا کرنے کے بجائے انہیں انتہا پسندی کی طرف لے جا رہا ہے۔ میڈیا آزاد ہے، یہ محض ایک مفروضہ ہے کیونکہ ایک مخصوص سوچ اور مہلک ترجیحات رکھنے والے گینگ کا میڈیا پر جو کنٹرول ہے اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

ہماری میڈیا کے کارپردازوں سے گزارش ہے کہ وہ مثبت رجحانات کو اجاگر کرے۔ نوجوانوں پر میڈیا کی بادشاہت مسلم ... لیکن اس اعتماد کا غلط فائدہ اٹھانے سے بہتر ہے کہ میڈیا ایسے پروگرامز، ٹاک شوز اور مذاکرے نشر کرے جن کو دیکھ کر نوجوان میں کچھ کرنے اور کچھ بننے کی امنگ پیدا ہو۔ الحمدللہ ہمارے ملک میں ٹیلنٹ کی کمی نہیں ،ابھی کچھ دن قبل منڈی بہاء الدین کے رہائشی طالب علم موسیٰ فیروز نے دنیا کے 231 ممالک کے 55 لاکھ طلباء میں ریاضی کے عالمی مقابلے میں پہلی پوزیشن حاصل کر لی۔ حال ہی میں پاکستانی طالب علم شایان انیق اختر نے مائیکروسافٹ پروفیشنل میں ہزار میں سے 998 نمبر لے کر عالمی ریکارڈ قائم کر دیا۔ چترال سے تعلق رکھنے والے اسلام آباد کے ایک معروف اسکول گلوبل انسٹیٹیوٹ آف انٹگریٹڈ اسٹڈیز کے اولیول کے طالب علم محمد منظور الٰہی نے سال کے بہترین کتب بین کا ایوارڈ حاصل کرکے اہالیاں چترال کے

اعزازت میں اضافہ کر دیا۔ انہیں یہ ایوارڈ نیشنل بک فاؤنڈیشن کی طرف سے اسلام آباد میں منعقدہ ایک تقریب میں دیا گیا۔ ملالہ یوسف زئی، ارفع کریم جیسی باصلاحیت بچیاں محتاج تعارف نہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ میڈیا ہمارے نوجوانوں کو ایشوریا رائے، سلمان خان، کترینہ کیف اور اس نوع کے بھانڈ مراثیوں کا ''فین'' بنانے کی بجائے ان کے سامنے موسیٰ فیروز، شایان انیق اختر اور ملالہ و ارفع جیسی مثالیں رکھے تاکہ ان میں حالات کے دھارے میں بہہ کر خود کشی کرنے کی بجائے ''ایسا کچھ کر کے، جیو، یاں کہ بہت یاد رہو'' کا مصداق بننے کی امنگ پیدا ہو۔ انہیں یہ نہ سکھائیں کہ ''تم کچھ نہیں کر سکتے'' بلکہ انہیں بتائیں کہ ''تم بہت کچھ کر سکتے ہو''۔

دفاع پاکستان کونسل کو انتخابی اتحاد بنایئے

دفاع پاکستان کونسل کے چیئرمین و جے یو آئی (س) کے سربراہ مولانا سمیع الحق نے ایک بار پھر واضح کیا ہے کہ دفاع پاکستان کونسل کے کسی قسم کے سیاسی عزائم نہیں ہیں اور نہ ہی مستقبل قریب میں ہم اسے کوئی انتخابی اتحاد بنانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔
دفاع پاکستان کونسل ،کاوجود امریکہ کی جانب سے حقانی نیٹ ورک کے ٹھکانوں کو نشانہ بنانے بالفاظ دیگر افغانستان و عراق کے بعد نیا جنگی دنگل وطن عزیز پاکستان میں برپا کرنے کے اعلان کے رد عمل کے طور پر ہوا تھا،تاہم یہ ایک باقاعدہ اتحاد تھا، جس میں شامل ہر جماعت اور ہر فریق کو پورے اہتمام کے ساتھ کئی کئی گھنٹے کی ملاقاتوں میں قائل کیا گیا اور منصوبہ بندی اور بڑی محنت کے بعد اسے بہت ہی سنجیدہ لوگوں نے سنجیدہ انداز میں، ایک سنجیدہ کام کے لیے تشکیل دیا تھا۔ دفاع پاکستان کونسل نے ہجوم اور بھیڑ اکٹھی کرنے کی بجائے ایک نظریے کو سامنے رکھا اور وہ تھا... اسلامی نظریہ، اساس پاکستان، احساس پاکستان، مضبوط پاکستان ،دفاع پاکستان اور سب سے بڑھ کر وجود پاکستان کا نظریہ ۔اب تک کی صورت حال میں بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ کونسل نے اس نظریے سے سر مو بھی انحراف وروگردانی نہیں کی ہے، یہی وجہ ہے کہ اگرایک طرف اس کے قیام

کے موقع پر اس کے ساتھ شامل ایک آدھ جماعت اسے داغ مفارقت دے چکی ہے تو دوسری طرف اس میں متعدد جماعتیں شامل بھی ہو چکی ہیں۔

شاید یہ اس کونسل کے اغراض و مقاصد کی جامعیت وافادیت ہی ہے کہ جس کی بنا پر اپنے قیام کے روز اول سے ہی کونسل شہرت و مقبولیت کے بام عروج پر ہے اور کونسل نے مختصر عرصے میں شہرت کی جن بلندیوں کو چھولیا ہے، اس کی مثال کستان کی سیاسی تاریخ میں کم ہی دیکھنے میں آئی ہے۔ اس کے عوامی جلسوں اور اجتماعات میں عوام کے جم غفیر کو دیکھ کر یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ چہروں کی تبدیلی اور چند خاندانوں کی حکمرانی سے تنگ و بے زار عوام دفاع پاکستان کونسل کو اپنا نجات دہندہ سمجھتے اور اس بات کے متمنی ہیں کہ ملک کی زمام اقتدار اس کونسل کے ہاتھوں میں ہو۔ کیوں کہ پاکستان عوام ، جتنی بھی بھولی سہی، اب اسے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آچکی ہے کہ ہمارے سیاستدان ووٹ تو ہم سے لیتے ہیں، مگر عمل درآمد کے لیے ڈکٹیشن امریکا، بھارت اور دیگر غیر مسلم بلکہ اسلام دشمن قوتوں سے لیتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آئے دن نت نئے بحرانوں کا شکار ہے اور عوام چکی کے دو پاٹوں کے بیچ پھنس کر پستے جارہے ہیں۔ عوام کو ماضی کی بڑی جماعتیں ہوں، تحریک انصاف ہو یا لسانی جماعتیں، کسی سے بھی خیر خواہی کی توقع نہیں کیوں کہ سب کی ڈور '' کہیں اور '' سے ہلائی جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ یہ تمام جماعتیں، ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور '' کی پالیسی پر عمل ''

پیرا ہیں۔اس پر مستزاد امریکہ وانڈیا نوازی کے ایجنڈے پر سب متفق ہیں۔

ایسے حالات میں عوام کی نگاہوں کا دینی سیاسی جماعتوں بالخصوص دفاع پاکستان کونسل کی اٹھ جانا ایک فطری امر ہے۔ایک عوامی رائے یہ بھی ہے اور کچھ غلط بھی نہیں، کہ دفاع پاکستان کونسل انتخابی سیاست میں اترے تو ماضی کی متحدہ مجلس عمل سے زیادہ ووٹ لے سکتی ہے۔انتخابات کا بگل بجایا جاچکا ہے۔صف بندیاں شروع ہیں۔ملی یکجہتی کونسل کے جسد مردہ میں روح پھونکی جاچکی ہے۔بادی النظر میں ہر آئے روز یہ خدشہ قوی سے قوی تر ہوتا جارہا ہے کہ اگر ہماری دینی جماعتیں ماضی کی طرح ٹکڑیوں ہی میں بٹی رہیں تو ایک بار پھر ایک بہت بڑی اسٹریٹ پاور رکھنے کے باوجود کوئی نمایاں کامیابی حاصل کرنے سے محروم رہ جائیں گی، جس کا فایدہ سیکولر ایجنڈا رکھنے والی جماعتوں کو ہوگا اور ایک بار پھر حد سے حد صرف چہروں کی تبدیلی کے علاوہ انتخابات سے کوئی دوسرا نتیجہ حاصل نہ ہوسکے گا اور نئی حکومت، خواہ کسی بھی جماعت کی ہو، سابقہ پالیسیوں کو جوں کا توں جاری رکھے گی، ملک بحرانوں کی نذر کرکے حکمران سیر سپاٹوں میں مصروف ہوجائیں گے اور ہر برائی کو سابقہ حکومت کے کھاتے میں ڈال کر خود بری الذمہ ہوجایا کریں گے، جیساکہ موجودہ حکمران کرتے آرہے ہیں۔انجام کار پہلے سے زیادہ ملک غیروں کی غلامی میں اپنے قیام کی منزل سے کوسوں دور چلا جائے گا۔خاکم بدہن اگر ایسا ہوا تو میدان خالی چھوڑ دینے کی وجہ سے ہماری دینی قیادت پر بھی اس کی ذمہ داری عاید ہوگی۔

ہماری ناقص رائے کے مطابق اس منظرنامے میں سنجیدہ دینی و سیاسی قیادت پر بہت بڑی ذمہ داری عاید ہوتی ہے۔وطن کا حقیقی درد رکھنے والی دینی قوتوں کا ایک طویل مدتی اتحاد وقت کی اہم ضرورت ہے ، لہٰذا ہماری دفاع پاکستان کونسل کی قیادت سے دردمندانہ اپیل ہے کہ انتخابی دنگل سے لاتعلقی کااعلان کرکے سیکولر قوتوں کے لیے میدان خالی نہ چھوڑیے۔مانا کہ آپ نے کونسل میں شامل جماعتوں کے الیکشن لڑنے پر کوئی قدغن نہیں لگائی، مگرانفرادی حیثیت سے الیکشن میں حصہ لینے ،یاہم خیال امیدواروں کی حمایت کرنے سے وہ نتائج برآمد نہیں ہو سکتے جوایک اتحادکے طورپرالیکشن میں حصہ لے کرحاصل کیے جاسکتے ہیں۔اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ دفاع پاکستان کونسل کوایک انتخابی اتحاد میں تبدیل کر دیا جائے، کیوں کہ یہ اتحادعوام الناس کے دلوں میں اتر چکا ہے، اور اس کی محب وطن پالیسیوں سے سب متفق ہیں، لہٰذا اس کے امیدواروں کی جیت کے امکانات بھی کافی روشن نظرآتے ہیں۔اس سے ایک قدم آگے بڑھ کرجمعیت علمائے اسلام ، ملی یکجہتی کونسل جیسی محب وطن جماعتیں جواپناواضح دستورومنشوراورووٹ بینک رکھتی ہیں ،انہیں بھی اپنے ساتھ ملایااورعوام، کویہ باورکرایاجائے کہ محب دینی اور سیاسی جماعتوں کااتحاد ہی ملک سے کرپشن کا خاتمہ کرکے پاکستان کوایک اسلامی فلاحی ریاست اورماڈل ملک بناسکتاہے۔یہی اتحادامریکہ، بھارت جیسے ازلی دشمنوں کی ریشہ دوانیوں کاقلع قمع کرکے پاکستان

کو خود مختار ممالک کی صف میں نمایاں مقام دلا سکتا ہے۔ہم سمجھتے ہیں اگر ایسا ہو جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس اتحاد کو ایک قابل ذکر مینڈیٹ حاصل نہ ہو سکے۔

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ دفاع پاکستان کونسل کوئی وقتی اتحاد، ایکشن کمیٹی یا پریشر گروپ نہیں، جو نیٹو سپلائی کا مسئلہ حل ہوتے ہی دم توڑ جائے، بلکہ اس کا ایک مستقل دستور و منشور ہے۔ جیسا کہ کونسل کے اغراض و مقاصد سے عیاں ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کو نا قابل تسخیر بنانے کے ساتھ ساتھ اسے ایک اسلامی فلاحی ریاست بنانے کے لیے پر امن جدوجہد جاری رکھیں گے اور اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک قرارداد مقاصد کے مطابق اللہ تعالی کی حاکمیت قائم نہیں ہو جاتی اور پاکستان حقیقی معنوں میں اسلامی جمہوریہ نہیں بن جاتا۔کیا یہ منزل پارلیمنٹ میں نمائندگی کے بغیر حاصل ہو سکے گا؟نہیں اور یقیناً نہیں، جیسا کہ اب تک کی کونسل کی جدوجہد کا تجزیہ کرنے سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ ''آؤٹ ڈور جدوجہد''کے وہ نتائج نہیں ہو سکتے، جو ''ان ڈور'' رہ کر حاصل کیے جا سکتے ہیں۔کیا کوئی اس بات کا انکار کر سکتا ہے کہ اس ملک کی تمام بڑی جماعتوں کے چاہنے کے باوجود اگر اس ملک کو سیکولر ملک نہیں بنایا جا سکا ہے، تو اس کا مینڈیٹ ان علمائے کرام کو جاتا ہے، جو اسمبلیوں میں موجود رہ کر جدوجہد کر رہے ہیں۔حاصل یہ کہ دفاع پاکستان کونسل اپنے منشور کے

مطابق اسلامی جمہوریہ پاکستان کو ناقابل تسخیر اسلامی فلاحی ریاست بنانے کے لیے نتیجہ خیز جدوجہد اسی صورت میں کر سکتی ہے، جب خود اسمبلیوں میں موجود ہو۔ ورنہ بات صرف بیانات اور احتجاجی مظاہروں سے آگے نہیں بڑھ سکے گی۔

نہ معلوم بایں ہمہ مولانا سمیع الحق کو بار بار دفاع پاکستان کونسل کے انتخابی اتحاد بننے کی تردید کیوں کرنا پڑ رہی ہے... کہیں وہ دفاع پاکستان کونسل میں شامل ان جماعتوں کے ہاتھوں مجبور تو نہیں، جن کا ماضی میں سیاست اور انتخابی عمل سے کبھی کوئی تعلق نہیں رہا، بلکہ وہ میدان جہاد و قتال کے شہ سوار رہے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو ہماری ان جماعتوں سے گزارش ہے کہ وہ وسعت ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ کڑوا گھونٹ پی لیں۔ اگر وہ خود کسی قیمت پر بھی یہ گھونٹ پینے کے لیے تیار نہیں ہیں، تو کم از کم اتنا ضرور کر لیں کہ دفاع پاکستان کونسل کی انتخابی سیاست میں سد راہ نہ بنیں، کہیں اپنی ترجیحات کو مقدم رکھنے کی وجہ سے دینی قیادت کے ہاتھ سے یہ موقع بھی نہ نکل جائے۔

حقوق نسواں کی علمبردار امریکی خاتون کا قبول اسلام

وہ امریکہ کے قلب نیویارک میں پیدا ہوئی۔ اس کی ابتدائی جوانی ایک امریکی لڑکی ہی کی طرح گزری۔ اس کا ایک ہی شوق تھا کہ امریکا کے عظیم شہر کی تفریح بھری زندگی کی جاذبیت اور دلکشی کی دوڑ میں حصہ لے اور سب سے آگے نکل جائے۔ لیکن اسے لگتا تھا کہ اس کی کوشش جس قدر بڑھتی اور وہ جتنا بظاہر کامیابیوں کی منزلیں طے کرتی جاتی ،اس کی بے اعتمادی میں اسی قدر اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ وہ اپنے باطن میں ایک انجانا سا خلا...ایک عجیب سی کمی محسوس کر رہی تھی۔ اس کا معیار زندگی بظاہر جتنا اونچا ہو رہا تھا،اس کا اندر کا اعتماد اتنا ہی ٹوٹتا جا رہا تھا۔ وہ اس کا حل چاہتی تھی ،مگر اسے کوئی حل سجھائی نہیں دے رہا تھا۔

آخر وہ اس زندگی سے تنگ سی آ گئی ۔ تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق اس نے خود کو نشے کے حوالے کر دیا، مگر اندر کی بے کلی تھی کہ بجائے کم ہونے کے بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ کسی نے اسے مشورہ دیا کہ خود کو مصروف رکھ کر وہ ان سوچوں سے جان چھڑا سکتی ہے، چنانچہ وہ حقوق نسواں کی ترجمان سماجی کارکن کے طور پر فلاحی اور رفاہ عامہ کے کام کرنے لگی،اس نے بہت کم عرصے میں اس میدان میں بھی فتح کے جھنڈے گاڑ دیے، اور اس کے نام کا ہر طرف ڈنکا بجنے لگا، مگر ... مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی ... جس رفتار سے اس کی ترقی میں اضافہ اور اس کے کیریئر میں

نکھار آرہا تھا، اسی سرعت سے اس کے اندر کی خود اعتمادی کا بت ریزہ ریزہ ہوتا جارہا تھا۔ آخر وہ کیا چیز ہے جس کے حصول کا اس کے ضمیر کی طرف سے مطالبہ ہے، وہ بہت سوچنے کے باوجود سمجھنے میں ناکام تھی، یکسر ناکام۔

اچانک س کی زندگی میں نائن زیرو آگیا... ورلڈ ٹریڈ سینٹر اور پینٹا گون کی تباہی کے بعد اس نے دیکھا کہ ہر طرف سے اسلام پر حملے ہورہے ہیں۔ ہندو، یہودی اور عیسائی دنیا اگر اپنی توانائیاں کسی چیز کے خلاف صرف کررہی ہے تو وہ اسلام اور اسلامی اقدار ہیں۔ اسلام سے اسے کبھی کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی، نہ مثبت نہ منفی، وہ اسلام کو ماضی کا ایک افسانہ، ایک بھولی بسری کہانی اور ''پتھروں کے دور'' کی ایک یادگار سمجھتی تھی۔ جب اس کے کانوں میں ہر طرف سے یہ آوازیں گونجنے لگیں کہ اسلام عورتوں کا استحصال کرتا اور اسے گھر کی نوکرانی اور شوہر کے پاؤں کی جوتی سے زیادہ کوئی مقام نہیں دیتا، تو اس نے فیصلہ کیا کہ وہ بھی اپنی آواز بھی اس اسلام مخالف ''شوروغوغا'' میں شامل کرلے، بلکہ اسے اس کی شہرت اور معاشرے میں ایک اسٹیٹس کا حامل ہونے کی وجہ سے اس بات کی باقاعدہ پیشکشیں ہونے لگیں۔ اس نے پہلے تو سوچا کہ وہ بھی اس رو میں بہہ جائے، کیوں کہ وہ عورتوں کی آزادی کی علمبردار ہے اور بزعم خویش اسلام حقوق نسواں کی راہ کی سب سے بڑی دیوار ہے۔

پھر جانے کیوں ...اس نے فیصلہ کیا کہ پہلے تحقیق کر لینی چاہیے۔اسے یقین تھا کہ اس کی تحقیق اس کی اسلام مخالفت میں مزید شدت کا باعث بنے گی،اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ اس تحقیق سے اس کی اپنی رائے اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں یکسر بدل جائے گی،ورنہ شاید وہ ''یہ کڑوا گھونٹ ''پینے کی شاید زحمت بھی گوارا نہ کرتی۔
تحقیق کی ابتدا اس نے ایک ایسے سینئر سماجی کارکن سے ملاقات کے ذریعے کی،جو بلا تفریق ملک ومذہب سارے انسانوں کے لیے انصاف اور فلاح و بہبود کا داعی تھا۔اس ملاقات کے بعد اسے احساس ہوا کہ انصاف،آزادی اور احترام انسانیت آفاقی اقدار ہیں،جن کی دوسرے مذاہب سے بڑھ کر اسلام دعوت وترغیب دیتا ہے۔یہ اس کے لیے ایک بڑا انکشاف تھا،جسے وہ آسانی سے قبول نہیں کر سکتی تھی۔
اس نے ایک اسلامک ریسرچ سینٹر سے رابطہ کرکے قرآن مجید کا ترجمہ حاصل کیا اور اس کا مطالعہ کرنے لگی۔پہلے تو قرآن کے اسلوب وانداز نے اسے اپنی جانب متوجہ کیا،پھر اس کتاب میں کائنات،انسان اور زندگی کے بارے میں بیان کردہ ناقابل تردید حقائق نیز عبد ومعبود کے رشتے پر جو روشنی ڈالی گئی ہے،ایسی جامع تفصیل اسے اس سے قبل کسی کتاب،کسی فلسفے اور کسی مفکر ومصنف کی تھیوری میں نظر نہیں آئی تھی۔وہ بے اختیار یہ سوچنے لگی کہ یہ کسی انسان

کاکلام نہیں ہوسکتا...اس انقلابی کتاب ہدایت نے اس کے اندر گویاایک بھونچال سابرپا کردیا۔اس نے دیکھاکہ قرآن نے اپنی تعلیمات کا مخاطب براہ راست انسان اور اس کی روح کوبنایاہے۔اس نے قرآن میں بیان کردہ عورت کے حقوق کامقابلہ دوسرے ادیان ومذاہب سے کیا،تواس میں بھی اسلام کوسب سے بڑھ کرپایا،پھراس نے حضوراکرم کے فرامین،آپ کے صحابہ کرام کی مبارک زندگیوں کودیکھاتوقرآنی ہدایات کاکامل ومکمل نمونہ اورعکس جمیل نظرآیا،جب کہ دوسرے ادیان ومذاہب کے بڑے''اسے صرف ''گفتارکے غازی'' نظرآئے... اورآخرکار وہ لمحہ آگیاجب اس نے'' فیصلہ کرلیاکہ وہ جس سکون کیلئے بیتاب ہے، وہ صرف اسلام قبول کرکے ہی حاصل ہوسکتاہے۔اس کی داخلی بے تابیوں اور اضطراب کاعلاج صرف ایمان سے ہوسکتاہے اوراس کے مسائل کاحل مہم جوئی میں نہیں عملی مسلمان بننے میں ہے۔

وہ اب اسلامی زندگی سے زیادہ دیردور بھی نہیں رہ سکتی تھی،اس نے اسلام قبول کرکے ایک مسلمان مردسے نکاح کرلیا۔اس نے ایک برقعہ اور سراور گردن کوڈھکنے والا اسکارف خریدلیا،جوایک مسلم عورت کاشرعی لباس ہے۔سب کچھ ویساہی تھابس ایک چیزبدلی ہوئی تھی یعنی اس کااندرونی اطمینان وسکون اورخوداعتمادی اور تحفظ کااحساس... گویاوہ حقیقی آزادی کی منزل سے اب ہمکنار ہوئی ہو۔وہ اپنے تاثرات ان الفاظ :یوں بیان کرتی ہے

میں بڑی خوش تھی کہ ان آنکھوں میں اب تعجب اور دوری کے آثار تھے ،جو پہلے مجھ '' کو ایسے دیکھتے تھے جیسے شکاری اپنے شکار کو اور باز ننھی چڑیا کو۔ حجاب نے میرے کندھوں کے ایک بڑے بوجھ کو ہلکا کردیااور مجھے ایک خاص طرح کی غلامی اور ذلت سے نکال دیا تھا۔اب دوسروں کے دلوں کو لبھانے کیلئے میں گھنٹوں میک اپ نہیں کرتی تھی۔ اب میں اس غلامی سے آزاد تھی۔ابھی تک میرا پردہ یہ تھاکہ صرف ہاتھ اور چہرے کو چھوڑ کر میرا پورا جسم ڈھکا ہوتا، میں نے اپنے شوہر سے کہاکہ میں چہرہ بھی ڈھکنا چاہتی ہوں ، اس لیے کہ مجھے لگتاہے کہ یہ میرے رب کوزیادہ راضی کرنے والا عمل ہوگا،انھوں نے میری حوصلہ افزائی کی،وہ مجھے ایک دکان پر لے گئے جہاں میں نے ایک عربی برقعہ خریدااور مکمل شرعی پردہ کرنے لگی۔آج مجھے اپنے فحش لباس کو اتار کر اورمغرب کی دلربا طرز زندگی کو چھوڑ کر اپنے خالق کی معرفت وبندگی والی ایک باوقار زندگی کو اختیار کرنے سے جو مسرت واطمینان کااحساس ہواہے میں اس کی کوئی مثال نہیں دے سکتی ... میری وہ سہیلیاں جو میرے ساتھ حقوق نسواں کے محاذ پر مصروف کار تھیں، مجھے ڈراتی تھیں کہ اسلام قبول کرکے تم ایک عضو معطل بن کررہ جاؤگی، مگر یہ ان کی کم فہمی یااسلام کے بارے میں غلط سوچ تھی،الحمدللہ !اب میں بھی عورتوں کے حقوق کی حامی وداعی ہوں،جو مسلم عورتوں کو دعوت دیتی ہے کہ وہ اپنی ایمانی ذمہ داریوں کو اداکریں، اپنے شوہروں کی ایک اچھا مسلمان

بننے میں مدد کریں، اپنے بچوں کو اس طرح تربیت دیں کہ وہ استقامت کے ساتھ دین
پر جم کر اندھیروں میں بھٹکتی ہوئی انسانیت کیلئے مینارہ نور بن جائیں''۔

منحوس گھن چکر

لیجیے! سیر پر سوا سیر کے مصداق راجا پرویز اشرف المعروف راجا رینٹل اینڈ لوڈشیڈنگ نے اپنی کابینہ سمیت وزارت عظمٰی کا حلف اٹھالیا۔ یوں قوم کو ایک کے بعد دوسری آزمائش کا سامنا ہے۔ وہ اگر کرپشن کے باپ تھے تو یہ مہا باپ ہیں۔ اس مختصر وقت میں راجا جی کیا کچھ کریں گے یہ زرداری جی کے علاوہ کوئی نہیں بتا سکتا، کیوں کہ وہ انہیں لائے ہیں تو کسی خاص مقصد کے تحت ہی لائے ہوں گے، جو آگے چل کر معلوم ہو سکے گا۔ سر دست تو موصوف نے لوڈشیڈنگ ختم کرنے کے لیے ''اقدامات'' شروع کر دیے ہیں۔ اللہ کرے یہ اقدامات ان اقدامات کی طرح نہ ہوں، جن کی یہ شہرت رکھتے ہیں۔ فی الحال وطن عزیز کی جو صورت حال گیلانی صاحب کر کے گئے ہیں، اس پر ایک نظر ڈالیے تاکہ معلوم ہو کہ عوامی حکمرانوں نے عوام و ملک کو کیا دیا ہے؟

یہ ہمارے سامنے ایک امریکی جریدے کی رپورٹ ہے، جس نے دنیا کی ناکام ترین ریاستوں میں پاکستان کا تیرہواں نمبر قرار دیا ہے۔ افغانستان ایک سو چھ پوائنٹس کے ساتھ چھٹے نمبر پر ہے۔ امریکی جریدے فارن پالیسی میگزین کی رپورٹ کے مطابق خراب معاشی اور سیاسی صورت حال کے سبب دنیا کی ناکام ترین ریاستوں میں پاکستان کو تیرہویں نمبر پر رکھا گیا، جب کہ فہرست میں افریقی ملک

صومالیہ ایک سو چودہ اعشاریہ نو پوائنٹس کے ساتھ پہلے نمبر پر ہے۔ایک سو بارہ اعشاریہ دو پوائنٹس کے ساتھ کانگو کا دوسرا نمبر ہے۔ فہرست میں سوڈان تیسرے، چاڈ چوتھے اور زمبابوے پانچویں نمبر پر ہے۔ فارن پالیسی میگزین کی رپورٹس کے مطابق دنیا کی ناکام ریاستوں میں افغانستان کو ایک سو چھ پوائنٹس کے ساتھ چھٹے نمبر پر رکھا گیا۔اس فہرست میں ہیٹی یمن اور عراق بھی شامل ہیں۔ فارن پالیسی کے تجزیہ کار رابرٹ ڈی کپلان کا کہنا ہے کہ آمریت کے طویل دور، ٹیکسز کا ادانہ کرنا، اندرونی اور بیرونی کشیدہ صورت حال نے پاکستان کو معاشی اور سیاسی طور پر کمزور کردیا۔

ایک دوسری رپورٹ کے مطابق سپریم کورٹ سے نااہل قرار دیئے جانے والے وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی اور ان کی معاشی ٹیم نے اقتصادی میدان میں کوئی جھنڈے نہیں گاڑے، مہنگائی، لوڈشیڈنگ، خسارے اور روپے کی بے قدری نے عوام کو پریشان کیے رکھا۔نااہل وزیر اعظم یوسف کا دور اقتدار 25 مارچ 2008 سے شروع ہوا۔ اس دوران چار سال میں پانچ وزیر خزانہ اور چھ سیکریٹری خزانہ تبدیل ہوئے۔ 2008 میں پاکستانی معیشت پر مجموعی قرضہ اور واجبات 64 کھرب کے لگ بھگ تھا اور اب اس کا بوجھ 121 کھرب روپے کو چھو رہا ہے۔ مہنگائی کا طوفان بپا رہا اور عوام کو کئی مشکل معاشی فیصلے بھگتنا پڑے۔ حکومتی اداروں نے چار سال میں 50 فی صد مہنگائی کا اعتراف کیا لیکن حقیقت حکومتی اعداد و

شمار سے زیادہ ہی رہی۔ چار سال عوام کے لیے بجلی 96 فی صد مہنگی ہوئی جبکہ ہر مہینے تیل سے بجلی بنانے کے نرخ اس کے علاوہ ہیں۔ سی این جی 37 روپے سے بڑھ کر 81 روپے تک پہنچی۔ پڑول 58 روپے تھا اور عوام نے اس کی سنچری بھی مکمل ہوتے دیکھی۔مالی خسارہ جو 7 کھرب کے لگ بھگ تھا، اب 13 کھرب کے لگ بھگ پہنچ رہا ہے۔معاشی ترقی کی شرح جو 7 فی صد کے لگ بھگ تھی اب ڈھائی فی صد کے آس پاس ہے۔لوڈ شیڈنگ نے معیشت کو ہر سال 2 ارب ڈالر کا نقصان پہنچایا اور ہر سال 4 لاکھ لوگوں کا روزگار،، چھین لیا۔ اب بھی حال یہ ہے کہ مزدور کے ہاتھ میں اوزار نہیں بلکہ ڈنڈے ہیں اور لوڈ شیڈنگ کے خلاف مظاہروں میں پیش پیش ہے۔

تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ گیلانی حکومت نے عوام کو اگر کچھ دیا ہے تو وہ ہیں بحران در بحران ...پاکستان میں پیدا ہونے والے تمام بحرانوں کے ذمہ دار امیر اور غریب دونوں ہیں ، کیونکہ اگر امیر بحران پیدا کرتے ہیں تو غریب بھی الیکشن میں انہیں کو چنتے ہیں، ہر قسم کے بحران غریبوں کی ہی ایجاد ہیں۔ امن وامان ، غربت ، بیروزگاری ، مہنگائی و دہشت گردی اب پاکستان کے لیے کوئی بحران نہیں رہا ہے۔اب پاکستان میں بحران صرف اس چیز کا نام رہ گیا ہے کہ مفاہمت کے نام پر غریبوں کی کمائی ہڑپ کرنے کے لیے مخلوط حکومت کس طرح قائم کی جائے اور پھر اس حکومت کو کس طرح قائم رکھا جائے ؟ہمارے رہنماؤں کا المیہ

یہ ہے کہ وہ ملک چلانے کے لیے ایک نقطہ یا نظریہ پہ اکٹھے نہیں ہونا چاہتے، کیونکہ انھیں ذاتی مفادات دوسروں کی زندگی اور ملکی ترقی سے زیادہ پیارے ہوتے ہیں۔اس لیے جو بھی حکمران آتا ہے س کی اتنی گرفت نہیں ہوتی کہ کوئی انقلابی قدم اٹھاسکے، اس لیے وہ بھی اپنے پیش روؤں کی طرح بندر بانٹ کے فارمولے کو ہی بہتر سمجھتا ہے۔اب فروری 2008کے بعد سے مفاہمت کے نام پر غریبوں کی کمائی ہڑپ کرنے کے لیے 18 قائم مخلوط حکومت نے ایک اور اتحادی تلاش کرلیا ہے، پھر پاکستان کے غریب شہریوں کے کندھے پر بندوق رکھ کر مفاہمت کے نام پر بندر بانٹ کرنے کا فیصلہ کیا جارہا ہے۔ اندریں حالات عوام وخواص نے سکون کا سانس لیا تھاکہ نااہل وزیراعظم اوران کی کابینہ سے جان چھوٹی، مگرلگتاہے یہ محض ایک خوش فہمی تھی جوراجاجی اوران کی کابینہ دیکھ کرکافور ہوگئی ہے۔اس بات پر بھی حیرت ظاہر کی جارہی رھی کہ حکمراں جماعت نے ٹھنڈے پیٹوں اس کڑوے فیصلے کو قبول کرلیاہے،جس کی ان سے توقع نہیں تھی،یہ سپریم کورٹ کی دہشت ہے یاپھر راولپنڈی سے آنے والی ایک کال کا کمال، بہرحال تھاخلاف توقع،کہ تحفظات ہونے کے باوجوداتنی آسانی سے ''سرتسلیم خم''کردیاگیا۔لیکن اب معلوم ہورہاہے کہ زرداری سرکاراتنی جلدی ہارماننے والی نہیں،اوراسی غرض خاص کے تحت وزارت عظمیٰ کی کرسی راجاجی کوپیش کی گئی ہے کہ وہ عدالت کاناک میں دم کرکے رکھیں،اگرچہ یہ توحکمران ٹولہ بھی

جانتا ہے کہ آخری تالی عدلیہ ہی نے بجانی ہے، مگراس سے پہلے حسب توفیق شور وشغب میں کمی کرکے پیپلزپارٹی اپنے ماضی کوداغ دار بھی نہیں کرنا چاہتی۔

کسی نے سچ کہاہے کہ یہ ملک بناہی راجاؤں، چودھریوں، وڈیروں، لغاریوں، مخدوموں اورخانوں کے لیے ہے۔آزادی سے پہلے بھی یہی لوگ اقتدارواختیارکے مالک تھے اور قوم کی کشتی کے ناخدااورآزادی کے بعد بھی صورت حال وہی ہے۔چند خاندانوں کی حکمرانی کے منحوس چکرسے جانے یہ ملک عزیزکب نکلے گا؟یہ ایک بدیہی امر ہے کہ یہ منحوس گھن چکرجس جمہوریت کا تحفہ ہے اس سے جان چھڑائے اور نظام حکومت بطرزخلافت راشدہ کونافذکیے بغیرمحض انتخابات کے ذریعے تبدیلی اور بہتری کی سوچ دیوانے کے خواب سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی!!

برکتیں لوٹ لو

رمضان المبارک کا مہینہ بڑی برکتوں کا حامل مہینہ ہے،آیئے !اس ماہ مبارک کی چیدہ چیدہ برکتوں کا ایمان افروزتذکرہ اس دعاکے ساتھ کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ تمام برکتیں اپنی شان فیاضی کے مطابق نصیب فرمائے !آمین

☆...اس مبارک مہینے کی سب سے بڑی برکت یہ کہ اس مبارک مہینے میں اللہ تعالیٰ کا کلام قرآن عزیز اس کے بندوں کو عطافرمایا گیا۔اللہ کا کلام انسانی ہدایت کا رہنماکلام ہے۔اس کے ذریعے سے لوگوں کو سربلندی نصیب ہوتی ہے۔اس کے حافظ کے دنیا اور اخرت میں درجات بلند کیے جاتے ہیں۔اس کے ناظرہ پڑھنے اور تکمیل کرنے والوں کے والدین کے تمام پچھلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔اس کا دیکھنا،پڑھنا، چھونا ،سنناسب کارثواب ہے۔اس کے ایک ایک حرف کے پڑھنے پر عام دنوں میں دس دس نیکیاں ملتی ہیں اور رمضان المبارک کے دنوں میں پڑھنے سے اس کا اجر وثواب ستر گنا بڑھادیا جاتا ہے۔کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں اس ماہ مبارک میں تراویح میں قرآن مجید کی مکمل تلاوت کرنے، سننے یاسنانے کاموقع ملتاہے اورزہے نصیب ان قسمت کے سکندروں کے جواس کے علاوہ بھی اس ماہ مبارک میں درجنوں قرآن مکمل کرنے کی سعادت سے بہرہ یاب ہوتے ہیں۔

☆...اس مہینے کی دوسری بڑی برکت یہ ہے کہ اس ماہ مبارک کے آخری عشرے میں ایک رات ایسی آتی ہے جس کو لیلۃالقدر (شب قدر) کہا جاتاہے،اس رات کی عبادت قرآن شریف کے مطابق ہزار مہینوں (تقریباًتراسی برس چار ماہ) سے زیادہ بہترہے۔آج کل تو اتنی عمر بھی نصیب نہیں ہوتی،چہ جائیکہ اتنی طویل ترین عبادت!! حضوراکرم نے اس رات کو رمضان المبارک کی اکیس،تئیس،پچیس،ستائیس اورانتیس تاریخ یں تلاش کرنے کاحکم فرمایاہے،آخری عشرے کامسنون اعتکاف کرنے والوں کو یہ عظیم رات ملنے کازیادہ امکان ہوتاہے۔

☆...اس ماہ مبارک کی تیسری بڑی برکت یہ ہے کہ اس میں نیک اعمال کی قیمت بڑھادی جاتی ہے،چناں چہ نوافل کا ثواب فرائض کے برابر اور ایک فرض کا ثواب ستر فرائض کے برابر کردیا جاتاہے۔

☆...اس ماہ کی ایک برکت یہ ہے کہ یہ صبر کا مہینہ ہے اور حدیث کے مطابق صبر کا بدلہ جنت ہے۔

☆...اس ماہ کی ایک برکت یہ ہے کہ اس ماہ میں سرکش شیاطین قید کردیئے جاتے ہیں،انہیں طوق پہناکراورزنجیروں میں باندھ کرسمندرمیں ڈال دیاجاتاہے،جس کی

وجہ سے وہ انسان کو اس طرح نہیں بہکا سکتے جس طرح سال کے بقیہ گیارہ مہینوں میں بہکایا کرتے تھے۔اب مقابلہ اپنے نفس کو انسانوں کے بھیس میں پھرنے والے شیطان کے کارندوں سے رہتاہے، پھر نفس بھی بھوک پیاس کی وجہ سے مضمحل ہو جاتاہے، لہٰذا تھوڑے سے مجاہدے سے عبادت واطاعت کی انجام دہی کی راہیں کھل سکتی ہیں، دوسری طرف ایک فرشتہ بھی صبح شام یہ ندا دیتاہے: ایک خیر کے طالب ! آگے بڑھ اور اے شر کے دل دادہ ! بس کر۔

☆...اس ماہ کی ایک برکت یہ ہے کہ جنت کو سارا سال اس ماہ کے لئے آراستہ کیا جاتا ہے اور اس ماہ میں اس کے تمام دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔

☆...اس ماہ کی ایک برکت یہ ہے کہ جہنم کے تمام دروازوں کو اس مبارک مہینے میں بند کردیا جاتا ہے۔

☆...اس ماہ کی ایک برکت یہ ہے کہ اس کے روزوں کا بدلہ خود اللہ جل شانہ دیتے ہیں یا بدلے میں خود اللہ جل شانہ مل جاتے ہیں۔

☆...اس ماہ کی ایک برکت یہ ہے کہ روزے دار کے منہ کی بدبو اللہ تعالٰی کے نزدیک مشک وعنبر کے خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہوتی ہے۔

☆...اس ماہ کی ایک برکت یہ ہے کہ خشکی اور تری کے جانور اس کیلئے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔

☆...اس ماہ کی ایک برکت یہ ہے کہ رمضان المبارک میں سحری کھانے والوں پر اللہ تعالی اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں۔

☆...اس ماہ کی ایک برکت یہ ہے کہ روزانہ دس لاکھ آمیوں کو جہنم سے خلاصی کا پروانہ ملتا ہے،مزید یہ کہ یکم رمضان سے آخر رمضان تک جتنی تعداد جہنم سے خلاصی حاصل کرتی ہے، ان کی مجموعہ تعداد آخری دن خلاصی پاتی ہے۔

ڈھونڈنے والوں کو رمضان المبارک کی مزید برکتیں معلوم ہو سکتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اتنی برکتوں کے باوجود کسی شقی اور محروم پر پورا مہینہ گذر جائے اور اسکی مغفرت کا سامان نہ ہو تو اس سے بڑا بدبخت کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس لیے امتِ مسلمہ کو ان برکتوں کے حصول میں کوشاں ہونا چاہیے اور رہنمائے انسانیت کے ارشاد مبارک کے مطابق چار چیزوں کی اس مہینے میں کثرت رکھنی چاہیے۔اول: کلمہ لاالہ الااللہ کی کثرت، دوم :استغفار کی کثرت، سوم :جنت کا حصول، چہارم : جہنم سے امن۔

اللہ تعالی ہم سب کو عمل کرنے کی ہمت وتوفیق عطافرمائے۔ایں دعااز من واز جملہ جہاں
آمین باد

روزہ اور تقویٰ

مولانا محمد جہان یعقوب

اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں روزے کی فرضیت کا بنیادی مقصد حصول تقویٰ کو بیان فرمایا ہے۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ تقویٰ ایک دلی کیفیت اور روحانی ووجدانی کمال کا نام ہے، جس کے حاصل ہونے کے بعد انسان کے لیے نیک اعمال اختیار کرنا اور برے کاموں سے بچنا آسان ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت، رسول اللہ کی اطاعت، نفسانی خواہشات پر قابو، شیطان کے مکروفریب کا مقابلہ اور انسانی ہمدردی وایثار جیسی صفات وکمالات اس کی عادت وطبیعت بن جاتے ہیں۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ رمضان المبارک کے روزے، نماز تراویح اور دیگر عبادات انسان میں تقوے کا یہ جوہر نہ صرف پیدا کرتی بلکہ آئندہ کے لیے بھی اس کے لیے راہ تقویٰ پر گامزن رہنے کو سہل وآسان بنادیتی ہیں۔ اس مہینے میں سرکش شیاطین کے قید کیے جانے اور ہمہ وقت برسنے والی رحمت کی برکھا نیز اعمال کی قدر میں اضافے اور ماحول میں روحانیت کی آمیزش کی وجہ سے عمل کی راہیں بھی ہر طالب صادق کے لیے بآسانی کھل جاتی اور برسوں کے فاصلے دنوں میں طے ہوجاتے ہیں۔ روزہ حصول تقویٰ کا ایک سریع الاثر نسخہ بلکہ ذریعہ ہے۔ اس میں کی جانے والی عبادات کے ذریعے بندہ مومن میں وہ صفات پیدا ہوجاتی

ہیں کہ پھر سال کے باقی مہینوں میں بھی نفسانی وشیطانی خطرات سے حفاظت رہتی ہے۔

رمضان المبارک کاپورامہینہ اللہ تعالی نے مسلمانوں کے لیے موسم بہار اور نیکیوں کا سیزن بنایاہے،جس میں ہرنیک عمل کااجر 70 گنابڑھ جاتاہے اورنوافل کی ادائیگی فرائض کی ادائیگی کے برابر شمار ہوتی ہے۔اس مہینے کے ابتدائی 10 دنوں میں خصوصی رحمتوں کی موسلادھاربارشیں مسلسل برستی ہیں،جوابتدائی 10 دنوں کے بعداپنے ساتھ مغفرت عامہ کو بھی شامل کرلیتی ہیں اورآخری 10 دنوں ییں تو جہنم سے آزادی کے پروانے 4 قسم کے انسانوں کے علاوہ ہر کس وناکس کو عمومی طور پرملناشروع ہوجاتے ہیں۔ان بدنصیبوں میں والدین کے نافرمان،رشتے داروں سے ناتا تعلق توڑنے والے،شراب جیسی ام الخبائث کے عادی اوراپنے دل میں دوسروں کے لیے کینہ رکھنے والے شامل ہیں۔

رمضان المبارک کے مہینے کواللہ رب العزت نے روزے جیسی عظیم عبادت کی ادائیگی کے لیے مقررفرمایاہے۔روزہ ایک ایسا عمل ہے،جس کے متعلق اللہ تعالی نے یہ روح پرور خبر مخبر صادق حضرت محمد مصطفیٰ کی زبان وحی ترجمان سے اپنے بندوں کو دی ہے کہ روزہ میرے لیے ہے اوراس کابدلہ میں خود ہوں۔اس میں کیا شبہ ہوسکتا ہے کہ جس کو خوداللہ تعالی مل جائیں،اسے دولت دوجہاں کی بھلا

کیا خواہش ہو سکتی ہے؟اس موقع پر ہارون الرشید کی کنیز کی وہ حکایت ذہن میں رکھنی چاہیے جب اس نے تمام درباریوں کے برعکس خود بادشاہ پر ہاتھ رکھا تھا اور کہا تھا کہ مجھے اس سلطنت کی دوسری کسی چیز کی طلب نہیں، کیوں کہ اگر مجھے بادشاہ سلامت مل جاتے ہیں تو اس سلطنت کی ہر چیز میرے لیے محض گرد راہ ہے... تصور کیجیے !ایک کنیز کو بادشاہ پر اس قدر ناز ہے، تو ان کی خوش نصیبی کا کیا ٹھکانا ہو گا جن کے لیے اصدق الصادقین کی زبان مبارک سے رب العالمین اتنا بڑا مژدہ سنا رہے ہیں ۔

رمضان کی اس خصوصیت کے باوجود اگر ہماری اجتماعی حیات میں کوئی قابل ذکر تبدیلی نہیں آتی تو اس میں قصور ہمارا اپنا ہے کیوں کہ ہم نے اس روحانی ایئر کنڈیشن میں بھی گناہوں، برائیوں اور خلاف شرع امور کے دروازے، کھڑکیاں اور روشن دان کھول رکھے ہیں، پھر ہمیں گلہ اس روحانی روشن دان سے نہیں، بلکہ اپنے طرز عمل سے ہونا چاہیے۔ ہم سرے سے روزہ نہ رکھیں یا روزہ رکھ کر اس کا احترام نہ کریں دونوں صورتوں میں ہم روزے اور رمضان کے روحانی فوائد و ثمرات سے کماحقہ فائدہ حاصل نہیں کر سکتے۔اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ دوا جن شرائط کے ساتھ کار آمد ہوتی ہے، ہم نے ان کا التزام ہی نہیں کیا۔ خود تصور کیجیے اس مریض کی شفا کی توقع کی جا سکتی ہے، جو دوا کے ساتھ ساتھ پرہیز بھی نہ کرے بلکہ زہر بھی پھانکتا رہے۔ کیا رحمت للعالمین کے یہ

فرامین ہمارے ہی لیے نہیں جن میں آپ نے ارشادفرمایاہے کہ: بہت سے روزہ داروں کوسوائے بھوک پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

غفلت سے سچے دل سے توبہ کرتے ہوئے طلب صادق کے ساتھ کمر ہمت باندھ لیجیے۔کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جواس مبارک مہینے کی قدر کرتے ہوئے اپنے لمحات کوقیمتی بناتے ہیں اوراپنے نامہء اعمال کوکثرت تلاوت، کلمہء طیبہ کے کثرت ذکر،اپنے گناہوں پرتوبہ واستغفار،جنت کی طلب اور جہنم سے پناہ پر مشتمل دعاؤں،اور نمازپنجگانہ وصلوٰۃتراویح بیں تلاوت قرآن کی ازاول تاآخر ساعت، نفل نمازوں کے اہتمام،ادعیہ ہائے نیم شبی اورہر قسم کے صغیرہ وکبیرہ گناہوں، روزہ گزاری کے نام پررواج پاجانے والے ہرقسم کے کھیلوں، ہرطرح کی لہوولعب باتوں،کاموں، حرکات، بالخصوص کان ،آنکھ، پیٹ اوردیگر جملہ اعضاوجوارح سے تعلق رکھنے والے گناہوں،بسیارخوری اورہمہ خوری جیسی ممنوعہ چیزوں الغرض تمام منہیات کے اجتناب کے ذریعے روشن وپرنور بناتے ہیں۔ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں، جن کے لیے اللہ تعالی نے اپنے پاک نبی کی زبان مبارک سے یہ مژدہ سنایاہے کہ: میں ان کاہوں،یہی لوگ ہیں کہ جن کے منہ کی بو اللہ تعالی کومشک وعنبر سے زیادہ پیاری ہے،یہی لوگ ہیں کہ جن کے جنت کاایک دروازہ باب الریان مخصوص ہے،یہی لوگ ہیں کہ جن کے لیے جنت میں عالی شان محلات تیارکیے گئے ہیں،یہی لوگ ہیں کہ جن کے اعزاز میں جنت کومزین کیاجاتاہے،یہی لوگ ہیں

کہ جن کی دعاؤں پر آمین کہنے کے لیے نورانی مخلوق فرشتوں کی ڈیوٹی لگائی جاتی ہے، یہی لوگ ہیں کہ جن کی مغفرت کے شب و روز فیصلے ہوتے ہیں، ہاں ہاں یہی ہیں وہ خوش نصیب کہ جن کے لیے رمضان کی آخری رات لیلۃالجائزہ یعنی انعام کی رات قرار دی گئی ہے۔ان کی عظمت کو وہ نفس وشیطان کے بے دام کے غلام کیا جانیں جو اس مقدس مہینے میں بھی جانوروں کی طرح دن بھر زبان چلاتے اور اس ماہ مقدس کے تقدس کو پامال کرکے رب ذوالجلال والاکرام کے غضب کو دعوت دیتے رہتے ہیں، معمولی معمولی بہانوں سے اس عظیم ترین فریضے کا قتل کرتے بلکہ دراصل اپنی عاقبت خراب کرتے رہتے ہیں،ان کا دعویٰ ایمان ان کی سرمستی بلکہ خرمستی پر ماتم کرتا رہتا ہے۔ان میں بھی سب سے بڑے مجرم وہ ہیں ، جن کو خود تو روزہ رکھنے کی سعادت ملتی نہیں الٹا روزے داروں کو طعن و تشنیع کا نشانہ بناکر اپنے ایمان کو بھی خطرے میں ڈال دیتے، ہیں،کاش ان کو معلوم ہوتا کہ ان کی یہ باتیں زہر میں بجھا ہوا وہ مہلک ترین تیر ہیں جن کا ہدف درحقیقت وہ نہیں ، جن سے وہ یہ باتیں کہہ رہے ہیں ، بلکہ اس کا اثر ان ہی، کے ایمان کو گھائل کررہاہے۔رہے ان کے مخاطب روزے دار، تو وہ ان حرماں نصیب گستاخوں کا اس دن مذاق اڑائیں گے،جب ان گستاخوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے غضب وعذاب کے فیصلے ہوں گے اور وہ جنت کی نعمتوں میں مگن ان کے انجام بد کا نظارا کررہے ہوں گے۔اللہ تعالیٰ ہمیں اس ماہ مبارک کی قدر کرنے اور اس کے ہر لمحے اور ہر شب وروز کو قیمتی بنانے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

پی ٹی اے کا سجدہ سہو

پاکستان ٹیلی کمیونیکیشن اتھارٹی (پی ٹی اے) کانام گزشتہ دنوں ایک بار پھر اس وقت موضوع گفتگو بن گیا، جب اس نے ایک کالعدم مذہبی جماعت کی ویب سائٹ کو بند کرتے ہوئے یہ موقف اختیار کیا کہ اس ویب سائٹ کے خلاف پی ٹی اے کے پاس تواتر سے اس قسم کی شکایات موصول ہورہی ہیں کہ اس میں نہ صرف نقص امن کا باعث بننے والا مواد شائع کیا جارہا ہے، بلکہ حضور اکرم کی تیار کردہ جماعت صحابہ کرام، بالخصوص حضرات خلفائے ثلاثہ کے خلاف بھی، گستاخانہ مواد آن ایئر کیا جارہا ہے، جس سے اسلامی جمہوریہ پاکستان کی نوے فیصد اہل سنت والجماعت آبادی کی شدید دل آزاری بھی ہورہی ہے۔اس اقدام کو متاثرہ فریق کے علاوہ ہر سطح پر سراہاگیا۔ملک کے سنجیدہ طبقات کی جانب سے فون کالوں کے ذریعے اس اقدام کی تحسین کرتے ہوئے پی ٹی اے کی توجہ اپنے دائرۂ کار کومزید وسعت دینے کی طرف بھی مبذول کرائی گئی۔ابھی پی ٹی اے مبارک بادیں وصول کرنے میں اور شاید مستقبل کے حوالے سے منصوبہ بندی میں مصروف تھی، کہ سر منڈاتے ہی اولے پڑے کے مصداق پی ٹی اے کے خلاف بیان بازیوں، پریس کانفرنسوں، احتجاجی مظاہروں اور ٹاک شوز کا کبھی نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوگیا۔نوبت بایں جارسید کہ کراچی میں ایک ریلی نکالی گئی، جس کا ہدف پی ٹی اے آفس تھا۔ریلی کے شرکاکے نعرے چغلی کھارہے تھے کہ وہ ''کچھ

کرکے '' ہی ٹلیں گے، اگرچہ ان کے قائدین کا کہنا تھا کہ ہم صرف اپنا احتجاج ریکارڈ کرانا چاہتے ہیں۔ شاید حکومت کو بھی اس ریلی کے کوئی حسن ظن نہیں تھا، جبھی تو بھاری تعداد میں نفری اور پانی کی توپیں پہنچادی گئیں۔ مسجد باب رحمت میں ماضی قریب میں اس ''امن پسند'' گروپ نے جو خون کی ہولی کھیلی تھی، شاید حکومت اور قانون نافذ کرنے والے ادارے اسے نہیں بھولے تھے۔ بھولتے بھی کیسے ابھی چند دن قبل ہی اس گروپ کے سرخیل صدر کے مشیر و حکومتی جماعت کے ڈپٹی جنرل صدر صاحب نے اپنے عہدوں سے استعفاد ینے کے بعد ایک نجی چینل پر آ کر جو '' طبل جنگ '' بجایا تھا اور جس طرز گفتگو کا ثبوت اور جن عزائم کا اظہار کیا تھا، اس نے سب امن پسندی کی قلعی کھول دی تھی۔ عیاں راچہ بیاں !!

قصہ کوتاہ ماضی کی طرح اس بار بھی پی ٹی اے کو سجدہ سہو کرنا بلکہ چاروں شانے چت ہونا پڑا۔ مذکورہ ویب سائٹ بحال کر دی گئی اور شاید وہ ''سب کچھ '' بھی جس کو بندش کی وجہ قرار دیا گیا تھا، جائز قرار پا گیا، کہ یہاں جائز ناجائز کے پیمانے دوسرے ہیں۔ فیس بک ہو یا ٹیوٹر، شیعہ کلنگ ہو یا قادیانیوں کی ویب سائٹ جب ان پر پابندی ہٹانے کا فیصلہ ہوتا ہے تو قوم کو یہ بتانے کی بھی زحمت گوارا نہیں کی جاتی کہ پابندی کے بعد کیا یہ ویب سائٹیں توبہ تائب ہو چکی ہیں، کیا انہوں نے آب زم زم سے غسل کر لیا ہے... کیوں کہ ایسا کچھ نہیں ہوتا۔ اصل تو اوپر کا دباؤ اور احکامات ہوتے ہیں۔ اللہ بدگمانی سے بچائے

کیا معلوم ڈاکٹر محمد یاسین صاحب

کو بھی ''کھلا چھٹا'' کرنے کی دھمکی دے کر رام کر لیا گیا ہو، کہ موصوف بھی کرپشن کی گنگا میں اشنان کرنے میں کسی سے پیچھے نہیں رہے ہیں اور خیر سے صاحب بہادر کا اسم گرامی ای سی ایل کی بھی زینت بن چکا ہے۔

پی ٹی اے سے ہم کس طرح خوش گمانی رکھ سکتے ہیں، جب کہ سوشل میڈیا ہو یا کیبل نیٹ ورک، سب میں بے حیائی و فحاشی کا وہ طلسم ہوش ربا برپا ہے کہ الامان والحفیظ!! کمرشلز کے پردے میں وہ کچھ دکھایا جا رہا ہے کہ شرافت منہ چھپانے کو مجبور ہے۔

ہم بات کر رہے تھے پی ٹی اے کے شیعہ کلنگ نامی ویب سائٹ کو بند کرنے اور پھر کھول دینے کے اقدام کی۔ ہر غیر جانب دار پاکستانی مسلمان کی طرح ہمارا بھی ایقان ہے کہ شیعہ سنی آویزش، جسے فرقہ واریت کا نام دیا جاتا ہے، کوئی ایسا مسئلہ نہیں، جو دو چار ویب سائٹوں کی بندش سے حل ہو جائے۔ یہ انتہائی حساس مسئلہ ہے۔ امن پسندی کے تمام درس عمل اور رد عمل سے تعلق رکھنے والی فریقین کی اشتعال انگیزی کے آگے ہیچ ہیں۔ خطیبوں کی زبان بندیوں، ویب سائٹوں کی بندش اور تنظیموں پر پابندی جیسی تھپکیاں دے کر متحارب فریقین کے عمل اور رد عمل کے سلسلے کو روکا جا سکتا ہے، نہ انکی دلی نفرتوں کو ختم کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی کسی کے نظریات کو بدلا جا سکتا ہے۔

اس مسئلے کے، جس نے ملک کی بساط امن کو ہمیشہ لپیٹ کر رکھ دیا ہے، مستقل حل کی ضرورت ہے، جو نہ پی ٹی اے کے بس کی بات ہے، نہ پولیس، فوج اور کسی دوسرے ادارے کی۔ اس مسئلے کے حل کے لیے ضروری ہے کہ پارلیمنٹ، عدلیہ و مقننہ اپنا کردار ادا کریں۔ چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری سوموٹوایکشن لے کر فریقین کی قیادت کو طلب کریں، ان کے دلائل کا زمینی حقائق کی روشنی میں غیر جانب دارانہ تجزیہ کرنے کے لیے ماہرین قانون و علما کا بینچ تشکیل دیں۔ ماضی میں اس حوالے سے جو کوششیں ہوئیں، بالخصوص سابق چیف جسٹس سید سجاد علی شاہ کے سوموٹوایکشن،

ڈاکٹر اسرار احمد کمیشن، مولانا محمد عبدالستار نیازی کمیشن، اور دیگر کمیشنوں کی سفارشات کا جائزہ لیں۔ ماضی میں اس مسئلے کے حل کے سلسلے میں ہونے والی کوششیں کیوں غیر مؤثر ثابت ہوئیں؟ اس کے محرکات وذمہ داروں کا تعین کریں۔ حکومت فریقین کے لیے قابل قبول ضابطہ اخلاق مرتب کرکے اسے ہر سطح پر نافذ کرے۔ حضور خاتم المرسلین کے خلفائے راشدین، اہل بیت عظام وصحابہ کرام، جو ہر مسلمان کے نہ صرف قابل احترام بلکہ معیار حق وہدایت ہیں، ان مقدس شخصیات کی تعظیم کو ہر فریق کے لیے لازم اور ان میں سے کسی کی ادنی سی گستاخی کو سخت سزا کا مستوجب جرم قرار دے۔ اس ضابطہ اخلاق پر کسی اندرونی وبیرونی دباؤ کو خاطر میں لائے بغیر عمل کرائے۔ اگر یہ اقدامات روبہ عمل لائے جائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ یہ مسئلہ اپنی موت آپ نہ مرجائے۔ مگر... جانے

کیوں... مجاز ادارے اس سے گریزاں ہیں؟ گریز کی پالیسی سے مسائل بڑھ تو سکتے ہیں حل نہیں ہو سکتے۔ وقت کے قاضی کا یہ ایسا فیصلہ ہے، جسے کوئی بدل سکتا ہے اور نہ ہی جھٹلا سکتا ہے۔

عید الفطر۔روزوں کا انعام

عید الفطر کا تہوار روزوں کی تکمیل کی خوشی میں منایا جاتا ہے۔ رمضان المبارک کا مہینہ گویا تیاری اور احتساب کا مہینہ تھا۔ اس کے بعد عید کا دن گویا نئے عزم اور نئے شعور کے ساتھ زندگی کے آغازاور دوبارہ نئے حوصلوں کے ساتھ مستقبل کی طرف اپنا سفر شروع کرنے کا دن ہے۔ یوں کہیے کہ رمضان ایک اعتبار سے سمٹنے کا لمحہ تھا، اور عید سعید از سرِ نو پھیلنے اور آگے بڑھنے کا لمحہ۔ روزے میں آدمی دنیا سے اور دنیا کی چیزوں سے ایک محدود مدت کے لیے کٹ گیا تھا، وہ اپنی خواہش کو روکنے پر راضی ہوا تھا، اب عید کے دن سے وہ دوبارہ بلند مقصد کے لیے متحرک ہوتا ہے۔ گویا یہ آغازحیات کادن ہے۔روزہ جس طرح محض بھوک، پیاس نہیں، اسی طرح عید محض کھیل تماشے کا نام نہیں۔ دونوں کے ظاہر کے پیچھے گہری معنویت چھپی ہوئی ہے۔ روزہ وقتی طور پر عالم مادی سے کٹنا اور عید دوبارہ عالم مادی میں واپس آجانا ہے۔ عید کا پیغام ہے کہ مسلمان نئی ایمانی قوت اور نئے امکانات کی روشنی میں از سرِ نو زندگی کی جدوجہد میں داخل ہوں، ان کا سینہ اللہ کے نور سے وشن ہو، ان کی مسجدیں اللہ کے ذکر سے آباد ہوں۔

عید الفطر دراصل بہت سی خوشیوں کا مجموعہ ہے: ایک رمضان المبارک کے روزوں کی خوشی، دوسری قیام شب ہائے رمضان وتراویح کی خوشی، تیسری نزول قرآن،

چوتھی لیلۃ القدر اور پانچویں اللہ تعالی کی طرف سے روزہ داروں کے لیے رحمت و بخشش اور عذاب جہنم سے آزادی کی خوشی۔ یہی وہ وجوہات ہیں جن کی بنا پر اسے مومنوں کے لیے خوشی کا دن قرار دیا گیا ہے۔

اسلام ایک مکمل دین اور کامل ضابطہ حیات ہے، جس کے خوشی غمی کے طور طریقے بھی اپنے ہیں، تاکہ اس دین کے ماننے والوں کی انفرادیت قائم رہے۔ الحمد للہ! حدیث کے الفاظ میں : یہ ایسا واضح دین ہے جس کے دن اور رات برابر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے عید کی خوشی منانے میں بھی اپنے نام لیوائوں کو بے مہار نہیں چھوڑا، بلکہ عید کی ابتدا سے لے کر انتہا تک اس پر مسرت تہوار کو حضور اقدس کی سنتوں سے لبریز فرمادیا۔ خوشی کی خوشی عبادت کی عبادت۔ عید کی سنتیں ملاحظہ فرمایئے!

نماز عید کی تیاری کے سلسلے میں اپنے ناخن تراشیں، مسواک کریں، غسل فرمائیں، نئے کپڑے ہوں تو وہ پہنیں یا دھلے ہوئے اچھے کپڑے زیب تن فرمائیں، خوشبو لگائیں۔ مرد حضرات فجر کی نماز محلے کی مسجد میں با جماعت ادا فرمائیں اور کوشش کریں کہ عید گاہ جلد پہنچ جائیں۔ عید الفطر کے دن کچھ کھا کر نماز کے لیے تشریف لے جائیں، گر کھجوریں دستیاب ہوں تو طاق عدد میں کھجوریں کھالیں یا پھر اور کوئی میٹھی چیز بھی کھا سکتے ہیں۔ ایک راستے سے جائیں اور

دوسرے راستے سے واپس آئیں تاکہ اس طرح مختلف راستے آپ کی عبادتوں کے گواہ بنتے جائیں۔آتے جاتے تکبیرات تشریق (اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد) پڑھتے رہیں، جن میں اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا اظہار اور اپنی بندگی کا اقرار ہے۔سب سے اہم کام جو نماز عید سے پہلے کر لینا سنت ہے۔ وہ فطرانے کی ادائیگی ہے۔ (موطا امام مالک، فتح الباری، ارواء الغلیل

الحمدللہ! تمام تر تنزل وادبار اور دینی تعلیمات کے سلسلے میں سستی، تساہل و تکاسل کے باوجود بھی اکثر مسلمانوں کی عید میں اسلامی اسپرٹ کی جھلک موجود ہے۔ عید میں اسلامی اسپرٹ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا اور اس کا شکر بجالانا، اپنی خوشیوں کے ساتھ لوگوں کی خوشیوں میں شریک ہونا، اپنے مقصد کو حاصل کرتے ہوئے دوسروں کے حقوق ادا کرنا اور اس بات کے لیے عمل کرنا کہ اللہ کی دنیا ساری انسانیت کے لیے خوشیوں کا محور بن جائے۔

چناں چہ ایک ماہ روزہ دارانہ زندگی گزارنے کے بعد مسلمان عیدالفطر کے دن آزادی کے ساتھ کھاتے پیتے ہیں۔ اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے دو رکعت نماز عید اجتماعی طور پر پڑھتے ہیں۔ نماز عید کے بعد مسلمان ایک دوسرے سے گلے ملتے ہیں، ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے اور اپنی کوتاہیوں، زیادتیوں اور غلطیوں کی

معافی طلب کرتے ہیں۔ صدقہ وخیرات کے ذریعے معاشرے کے پسے ہوئے طبقات کی مدد کرتے ہیں۔ یہ سب چیزیں عید کی اسپرٹ کوظاہر کرتی ہیں۔

آیئے !آخر یں شعب الایمان یں مدرج اس حدیث مبارکہ پر غور کرتے ہیں، جس میں ہمارے لیے بڑی خوش خبریاں ہیں:

اللہ کے حبیب نے ارشاد فرمایا: جب عید الفطر کی رات ہوتی ہے تو آسمانوں یں اس کا نام انعام کی رات رکھا جاتا ہے اور جب عید کی صبح ہوتی ہے تو اللہ رب العزت فرشتوں کو تمام شہروں کی طرف بھیجتے ہیں، وہ زمین پر اتر کر تمام گلیوں کے سروں پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور ایسی آواز سے، جس کو جن وانس کے سوا ہر مخلوق سنتی ہے، پکارتے ہیں کہ اے امتِ محمدیہ !اس ربِ کریم کی بارگاہ کی طرف چلو، جو بہت زیادہ عطا کرنے والا ہے اور بڑے سے بڑے قصور کو معاف فرمانے والا ہے، پھر جب لوگ عید گاہ کی طرف نکلتے ہیں تو حق تعالی شانہ فرشتوں سے دریافت فرماتے ہیں: کیا بدلہ ہے اس مزدور کا جو اپنا کام پورا کر چکا ہو؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے معبود اور مالک! اس کا بدلہ یہی ہے کہ اس کو اس کی مزدوری پوری پوری ادا کر دی جائے، تو اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں: اے فرشتو! میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان کو رمضان کے روزوں اور تراویح کے بدلہ میں اپنی رضا اور مغفرت عطا کر دی۔ (بروایت امام بیہقی)

سچ پوچھیے ! حقیقت میں عید صرف ان لوگوں کی ہے جنھوں نے رمضان المبارک کے دنوں کو روزے وتلاوت اور راتوں کو تہجد وتراویح اور آہ سحر گاہی سے مزین رکھا۔ روزہ خوروں اللہ کے چوروں سے معذرت کے ساتھ۔ حدیث کا یہی فیصلہ ہے۔ عید کے موقع پر فیشن اور تفریح، فنکشنوں اور پارٹیوں کی آڑ میں اللہ تعالی کے غضب کو دعوت دینے والے اللہ تعالی کی پکڑ سے ڈریں۔ شریعت نے عید کا آغاز نماز و سنتوں سے کر کے ہمیں یہی درس دیا ہے کہ ایک مسلمان خوشی کے موقعوں پر بھی اسلام سے آزاد نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالی ہمیں ان خوش قسمتوں میں شامل فرمائے جن کے لیے حدیث بالا میں مژدہ رضا و مغفرت سنایا گیا ہے۔ (آمین)

الطاف بھائی! مذہبی منافرت کو ہوا نہ دیجئے

کسی قومی رہنما کے بارے میں اس بات کی تحقیق و تفتیش کرنا، کہ وہ کس مذہب ومسلک اور مکتبہ فکر سے تعلق رکھتا ہے، ایک سراسر سطحی اور انتہائی نرم سے نرم الفاظ میں بھی تنگ نظری وانتہاپسندی پر مبنی طرز عمل ہے۔ عالم اسلام ہی نہیں آپ دنیا بھر کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیجیے! کوئی بھی قوم اپنے رہنماؤں، ہیروز اور قائدین کو اس کسوٹی پر نہیں پرکھتی، کیوں کہ اس کی چنداں ضرورت ہی نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں بھی اب تک یہ سوچ پروان نہ چڑھ سکی تھی، مگر اس کا کیا کیجیے، کہ ایک ایسی ہستی نے یہ مہلک بحث چھیڑ دی جن کی شان میں یہ مصرع زبان زد عام وخاص ہے ''مستند ہے ان کا فرمایا ہوا''... کیوں... ہم فی الحال اس بحث میں اپنے قارئین کو نہیں الجھانا چاہتے۔ ویسے بھی ''عیاں راچہ بیاں!!''

موصوف نے لندن سے یہ فتویٰ صادر فرمایا ہے کہ بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح شیعہ اثناعشری مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے تھے، لہٰذا ان کے مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے کسی شخص کا قتل قائداعظم کے قتل کے مترادف ہے۔ انہوں نے اپنے دعوے پر بڑے ''ٹھوس'' دلائل بھی پیش فرمائے ہیں اور چیلنج بھی کیا ہے کہ ان کے دلائل کو کوئی نہیں جھٹلا سکتا۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیے: متحدہ قومی

مووومنٹ کے قائد الطاف حسین نے کہا ہے کہ تمام تاریخ داں اس بات کو نوٹ کرلیں کہ تاریخی حقائق سے ثابت ہے کہ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح پہلے اسماعیلی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے لیکن 1898 میں انہوں نے ممبئی کے مجسٹریٹ کی عدالت میں ایک حلف نامہ جمع کرایا تھا جس میں انہوں نے کہا تھا کہ وہ اوران کے خاندان کامسلک ہمیشہ سے اسماعیلی تھا لیکن آج وہ فیصلہ کررہے ہیں کہ وہ اوران کی بہن فاطمہ آج سے اسماعیلی مسلک چھوڑ کر اثنائے عشری مسلک اختیار کررہے ہیں۔یہ بھی تاریخی حقیقت ہے کہ قائداعظم خوجہ جماعت کے رکن تھے ،اس کو باقاعدہ چندہ دیتے تھے،جب 1948 میں قائداعظم کاانتقال ہواتوانکی میت کوحاجی کلو نے غسل دیاجوخود بھی خوجہ شیعہ اثنائے عشری تھے اورخوجہ جماعت کی جانب سے میت کے غسل کیلئے خصوصی طورپر مقرر تھے۔ قائداعظم کی دو بار نماز جنازہ پڑھائی گئی تھی،پہلی نماز جنازہ ان کے گھرپر شیعہ رہنما انیس الحسنین نے شیعہ عقیدے کے مطابق پڑھائی جبکہ دوسری نمازجنازہ علامہ شبیراحمد عثمانی نے پڑھائی۔بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے بارے میں جوتاریخی حقائق بیان کیے میں ان پر قائم ہوں اور میں چیلنج کرتاہوں کہ کوئی بھی ان حقائق کوغلط ثابت نہیں کرسکتا۔

ہم ان فرمودات پر کوئی تبصرہ نہیں کرناچاہتے،کیوں کہ ''جواب آں غزل''کاسلسلہ جاری ہے،جانبین سے بلکہ چاروں جانب سے دلائل وبراہین کاایک نہ تھمنے

والا سلسلہ چل نکلا ہے۔ دیکھیے !آگے بات کہاں تک پہنچتی ہے اور قائداعظم اپنے انتقال کے 64 سال بعد کس مکتبہ فکر کے کھاتے میں ڈالے جاتے ہیں؟

ملک کے سنجیدہ طبقات میں یہ سوال بڑے شدومد سے اٹھایا جارہا ہے کہ آخرانہی دنوں موصوف کو یہ فتویٰ دینے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟کیا وہ گلگت بلتستان میں شیعہ سنی منافرت کی آگ کومزید ہوا دینا چاہتے ہیں؟اگرہاں، توآخر کیوں؟ایک قومی رہنما کو، جس کی جماعت کواسٹریٹ پاور کے حوالے سے ملک کی تیسری بڑی جماعت ہونے کااعزاز حاصل ہے،اوربقول آں موصوف: ایم کیوایم کے کارکنوں اور ہمدردوں کی اکثریت سنیوں پر مشتمل ہے، یہ عمل زیب دیتاہے کہ وہ ایک مکتبہ فکرکی اندھی حمایت کرکے اس کے حوصلے بڑھائیں،کیااس کاانجام شیعہ سنی خوں ریزی کی صورت میں نہیں نکلے گا؟کیاآں موصوف کواس بات کاادراک ہے کہ حالات کس رخ پر جارہے ہیں؟اور اس قسم کے بیانات کے کیا ثمرات و نتائج نکلیں گے؟کیااس سے مسلک ومذہب کی بنیادپر قتل و غارت اور کشت و خون کا بازار گرم نہیں ہوگا؟جب کہ ان کادعویٰ ہے:'' میں کسی مذہب، فقہ، مسلک یا عقیدے کے خلاف نہیں''۔وہ یہ بھی فرماتے ہیں:''کسی مذہب، فقہ،مسلک یاعقیدے سے تعلق ہونے کی بنیادپر کسی انسان کو قتل کرناسراسر ظلم ہے اور میں اس ظلم کے خلاف ہوں۔ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے اور میں انسانیت کے قتل کے خلاف ہوں''۔

سوال کرنے والے یہ سوال بھی اٹھا رہے ہیں کہ اگر ان کا مقصد محض اظہار ہمدردی تھا تو انہیں یہ کہنے کی آخر کیوں توفیق نہ ہوئی کہ: ڈرون حملوں میں سنی مسلمان قتل ہو رہے ہیں، چوں کہ علامہ اقبال سنی تھے، لہٰذا ایک سنی کا قتل علامہ اقبال کے قتل کے مترادف ہے؟۔ کیا ان پاکستانیوں کی جان و مال کی کوئی قیمت نہیں؟

مبصرین کی رائے میں ان کا یہ بیان ملک کی سیاسی قیادتوں سے ملاقاتوں کی طرح ایک انتخابی حربہ ہے۔ اس بیان کے ذریعے یقینا قائد ایم کیو ایم شیعہ مکتبہ فکر کی ہمدردیاں حاصل کرنے میں کامیاب ہوں گے، جس کے سبب ان کی جماعت کو کراچی کے علاوہ ملک کے دیگر شیعہ اکثریتی علاقوں مثلاً گلگت، بلتستان، پارا چنار اور کوئٹہ میں عوامی پذیرائی حاصل ہونے کی توقع ہے اور یہ بھی امکان ہے کہ اس پذیرائی کے سبب ان کی جماعت ان علاقوں میں کچھ اضافی نشستیں جیتنے میں بھی کامیاب ہو جائے۔ رمشاء والے معاملے میں موصوف کے بیانات کو بھی اسی آئینے سے دیکھا جا رہا ہے... لیکن کیا ووٹ کے حصول کی خاطر مذہبی منافرت کو ہوا دینا اور ملک کو ایک نئی جنگ میں جھونکنے کی بنا ڈالنا درست ہے؟ نہیں اور یقیناً نہیں۔ اس تناظر میں ہم آں موصوف کی خدمت میں مؤدبانہ عرض کریں گے کہ جناب! ہمدردیاں حاصل کرنے اور ووٹ لینے کے لیے کوئی اور طریقہ اختیار کرلیجیے۔ قوم سے اپنے ووٹ بنک کی مضبوطی کی اتنی بڑی قیمت طلب نہ کیجیے، یہ قوم پہلے ہی زخم پر زخم کھا رہی ہے۔ ملک کو کسی نئی جنگ میں نہ

!!دھکیلے

7 ستمبر یوم ختم نبوت... ایک تاریخ ساز دن

حضور اکرم کے تاج و تخت ختم نبوت پر ڈاکا ڈالنے کی کوشش کرنے والے طالع آزماؤں میں مرزا غلام احمد قادیانی ملعون بھی شامل تھا، جس نے سلطنت برطانیہ کے ایما پر جھوٹی نبوت کا اعلان کیا اور اسلام کے عقائد پر تیشے چلانے شروع کیے، وہ تو 1918ء میں قضائے حاجت کے دوران طبعی موت کا شکار ہو کر نشان عبرت بن گیا، مگر حکومتی سرپرستی میں یہ فتنہ نہ صرف موجود رہا، بلکہ مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکے بھی ڈالتا رہا۔ قیام پاکستان کے بعد وطن عزیز کو ہائی جیک کرنے کی بھی کوشش کی گئی، بلکہ اعلیٰ حکومتی عہدوں پر براجمان قادیانیوں نے اس ملک کو اس کے اصل مقصد قیام یعنی یہاں احیائے اسلام کی منزل سے دور کرنے کی بھی سعی نامشکور برابر جاری رکھی۔ اس کی ایک جھلک ان سطور میں ملاحظہ فرمایئے:

'' قادیانی منتخب ارکان نے اقتدار میں آنے کے بعد پاکستان اور عوام کو نقصان پہنچانے کی کوششیں شروع کردی، وزیر خارجہ ظفر اللہ قادیانی نے سات سال کے عرصہ وزارت میں پاکستان کے اندر اور باہر قادیانیوں کی جڑوں کو خوب مضبوط کیا، پاکستان کے بیرون ملک سفارت خانوں میں چن چن کر قادیانی بھیجے گئے۔ پاکستان میں ایک '' نیا قادیان'' بسانے کے لئے ایک علیحدہ خطہ '' ربوہ'' کے

نام سے الاٹ کیا گیا، یوں پاکستان کے قلب میں ایک وسیع خطہ '' قادیانی ریاست '' کے لیے مخصوص ہو گیا۔ مشرقی و افریقی ممالک میں وسیع پیانے پر مرزائی مبلغ بھیجے گئے، اور باوجود اس کے کہا گرچہ اسرائیل کی یہودی حکومت سے حکومت پاکستان کا کوئی تعلق اور رابطہ نہیں تھا، مگر تل ابیب اور حیفہ میں مرزائیوں کے مراکز قائم کیے گئے یوں برطانیہ کا خودکاشتہ پودا نہ صرف پاکستان بلکہ تمام ممالک میں ایک تن آور درخت، بنتا جارہا تھا۔ سکندر مرزا اور ایوب خاں کی غفلتوں یا چشم پوشی کی وجہ سے پاکستان کے کلیدی مناصب پر مرزائی چھائے ہوئے تھے۔ حکومت نے محکمۂ اوقاف کے ذریعے مسلمانوں کی تمام املاک ''وقف ایکٹ'' کے تحت قبضے میں لے رکھی تھیں اور قادیانی معاشی طور پر پاکستان میں مضبوط ہی نہیں ہو رہے تھے، مٹھی بھر مرزائی، پاکستان پر حکومت کرنے کے خواب دیکھنے لگے تھے، ساتھ ہی مسلم اکثریت کے خلاف سازشوں اور بدمعاشیوں کا سلسلہ بھی جاری تھا''۔ (قادیانی عزائم

اس عظیم فتنے کے خلاف پہلی باقاعدہ تحریک 1953ء میں چلائی گئی، مگر حکومتی سرپرستی میں اس تحریک کو کچلنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا اور بے دریغ خون بہا کر اور ہمہ قسم ریاستی مظالم کے پہاڑ توڑ کر اس تحریک کو اگرچہ بظاہر منزل پر نہ پہنچنے دیا گیا، لیکن ان قربانیوں نے قادیانیت اور اس کے بہی خواہوں پر یہ ضرور واضح کر دیا کہ حق کے قافلے کو یوں ہار نہیں

رکھا جاسکتا، جدو جہد جاری رہی، علمائے کرام نے اپنے فرض منصبی کے تحت بلا تفریق مسلک وفرقہ عقیدہ ختم نبوت کا پرچار جاری رکھا اور رائے عامہ کو اس قدر ہموار کر دیا کہ ایک کال پر پوری قوم لبیک کی صدائیں لگاتی علما کے شانہ بشانہ کھڑی ہو جائے۔ دوسری طرف قادیانی بد معاشیاں بھی روز بروز بڑھ رہی تھیں، مگر اہل اسلام کو امن کا درس دیا گیا تھا، تاکہ کسی جذباتی فیصلے یا اقدام کی وجہ سے یہ دوررس محنت رائیگاں نہ چلی جائے۔

دوسری تحریک، جو بظاہر ایک حادثے کا رد عمل تھی، الحمد للہ منزل سے ہم کنار ہوئی اور قادیانی با قاعدہ طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دیے گیے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ: مئی 1974ء کو نشتر میڈیکل کالج کے طلبا کو قادیانیوں کی جانب سے چناب نگر ریلوے اسٹیشن پر تشدد کا نشانہ بنایا گیا، 30 کے قریب طلبہ زخمی ہوئے، ان کا قصور صرف یہ تھا کہ انہوں نے گزرتے ہوئے '' ختم نبوت زندہ باد'' کا نعرہ لگایا اور قادیانی لٹریچر لینے سے انکار کیا تھا، جس کی پاداش میں اسٹیشن پر روک کر انہیں شدید انسانیت سوز تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ اس واقعے سے قادیانی عزائم کھل کر سامنے آ گئے، یہاں تک کہ اس وقت کے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گئے: '' واقعہ ربوہ سنگین قومی مسئلہ ہے۔ یہ واقعہ ملک کی سالمیت سے تعلق رکھتا ہے اور درپردہ مقاصد کے کسی منصوبے کا حصہ نظر

آتاہے'' ۔انہوں نے یہ بھی کہا: '' قادیانی کتنے خطرناک ہیں ؟اس کا احساس مجھے ان دنوں میں ہوا میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ قادیانی مذہب کے لوگ اس قدر خوفناک ارادے رکھتے ہیں'' (روزنامہ جسارت کراچی 5 جون 1974ء و مقالہ مولانا تاج محمود ،علوم الاسلامیہ پنجاب یونیورسٹی 1991ء)

اس واقعے سے مسلمانوں میں غم وغصے کی لہر دوڑ گئی اور 3 جون 1974ء کو راولپنڈی میں میں علمائے کرام کا نمایندہ اجتماع ہوا جس کو ناکام بنانے کیلئے تین مندوبین مولانا مفتی زین العابدین، مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف اور مولانا تاج محمود کو لالا موسیٰ کے اسٹیشن پر روک کر ٹرین سے اتار لیا گیا۔ بعدازیں 9 جون 1974 کو لاہور میں 20 جماعتوں کا نمائندہ اجتماع ہوا۔ جس کی صدارت شہید اسلام مولانا مفتی محمد یوسف لدھیانوی نے کی اور باہمی اتفاق رائے سے ایک غیر سیاسی پلیٹ فارم '' ختم نبوت متحدہ مجلس عمل '' کے نام سے مولانا محمد یوسف لدھیانوی کی زیر صدارت بنایا گیا، پھر مجلس کی طرف سے 14 جون کو ملک میں مکمل ہڑتال اور مرزائیوں سے سوشل بائیکاٹ کا فیصلہ کیا گیا۔ 11 جون 1974ء کو وزیر اعظم بھٹو نے ختم نبوت متحدہ مجلس عمل کے قائدین کو قادیانی مسئلے کو افہام تفہیم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حل کرنے کے لیے ملاقات کی دعوت دی، جس میں مجلس عمل کے صدر مولانا یوسف لدھیانوی نے فرمایا: ''' قادیانی مسئلہ بلاشبہ پاکستان کے روز اول سے موجود ہے، پہلی غلطی اس وقت ہوئی جب

سر ظفر اللہ قادیانی کو وزیر خارجہ مقرر کیا گیا۔ شہید ملت (خان لیاقت علی خان مرحوم) کو اس خطرناک غلطی کا احساس ہوا، اور انھوں نے قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کا عزم کر لیا تھا، لیکن افسوس کہ وہ شہید کر دیے گئے اور ہو سکتا ہے کہ ان کا یہ عزم ہی ان کی شہادت کا سبب ہوا ہو۔ اس وقت جو جرات مرزائیوں کو ہوئی ہے اگر اس وقت اس کا تدارک نہ کیا گیا اور وہ غیر مسلم اقلیت قرار نہیں دیے گئے تو مسلمانوں کے جذبات بھڑکیں گے اور ان کی جان و مال کی حفاظت حکومت کے لیے مشکل ہو جائے گی۔ میں مانتا ہوں کہ آپ پر خارجی غیر اسلامی حکومتوں کا دباؤ ہو گا لیکن اس کے بالمقابل ان اسلامی ممالک کا جن ممالک سے ہمارے اسلامی تعلقات اور ہر قسم کے مفادات وابستہ ہیں، تقاضا ہے کہ ان کو جلد غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ اگر آپ حق تعالیٰ پر توکل و اعتماد کر کے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے مسلمانوں کے حق میں فیصلہ فرمائیں تو دنیا کی کوئی طاقت آپ کا بال بیکا نہیں کر سکتی۔

16 جون 1974ء ختم نبوت مجلس عمل کی طرف سے فیصل آباد میں ایک عظیم الشان اجتماع میں کہا گیا کہ: ضرورت اس امر کی ہے کہ جلد سے جلد آئین اور دستور میں واضح طور پر ختم نبوت پر ایمان لانا ہر مسلمان کے لیے ضروری قرار دیا جائے اور مرزائی امت جو جھوٹے مدعیٔ نبوت مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی یا مصلح مانتی ہے، اسے غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے اور قومی اسمبلی میں ترمیمی بل

پاس کرایا جائے۔ پھر قومی اسمبلی میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے لیے یکے بعد دیگرے دو قرار دادیں بھی پیش کی گئیں۔ علما کی ان مساعیٔ جمیلہ کا نتیجہ تھا کہ بھٹو مرحوم نے، تمام تر اندرونی و بیرونی خطرات اور ہر قسم کے دباؤ کو نظر انداز کرتے ہوئے ستمبر 1974ء کو اس نازک مسئلے کے حتمی فیصلہ کی تاریخ مقرر کردی۔ چھ اور سات 7 ستمبر کی درمیانی رات بارہ بجے کے بعد مسلمانوں کا مطالبہ تسلیم کرلیا گیا اور اگلے دن 7 ستمبر کو ڈھائی بجے رہبر کمیٹی کا اور ساڑھے چار بجے قومی اسمبلی کا اجلاس ہوا، انجام کار بحث و تمحیص کے بعد تمام حاضر اراکین کے اتفاق سے مسلمانوں کا مطالبہ منظور کرکے جھوٹے مدعیٔ نبوت مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروکار مرزائیوں کے احمدی اور لاہوری دونوں گروپوں کو دائرۂ اسلام سے خارج قرار دے دیا گیا۔ حزب مخالف سے مولانا شاہ احمد نورانی نے اسی موقعے پر یہ تحریک بھی پیش کی کہ پاکستانی ہونے کہ حیثیت سے ان لوگوں کو مکمل انسانی و شہری حقوق دیے جائیں۔ یہ قرارداد بھی کثرت رائے سے منظور کرلی گئی۔ (بحوالہ ماہنامہ بینات ختم نبوت نمبر)

یوں علمائے کرام کی کوششوں، قوم کے اتحاد و اتفاق اور حکمرانوں کی توجہ سے یہ مسئلہ ہمیشہ کے لیے حل ہوگیا۔ مسلمانان پاکستان کو شاید کبھی اتنی مسرت نہیں ہوئی ہوگی، جتنی کہ اس خبر سے ہوئی کہ سرزمین پاک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کو آئینی تحفظ فراہم کردیا گیا ہے۔ عالم اسلام نے اس

جراء تمندانہ فیصلے پر پاکستانی عوام، علماور حکمرانوں کو خراج تحسین پیش کیا۔

یہ عظیم دن ہمیں نہ صرف شاندار ماضی کی یاد دلاتا ہے بلکہ ہمیں اپنے فرائض کی جانب بھی متوجہ کرتا ہے کہ جو لوگ کسی مادی غرض یا کسی غلط فہمی کی بنا پر اس مرزائیت سے وابستہ ہوئے، انہیں ختم نبوت کا عقیدہ سمجھانے کی محنت کی جائے، ان کے شکوک وشبہات واعتراضات کاازالہ کیاجائے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ پاکستان کے اندر اور باہر جس قدر لوگ مرتد ہورہے ہیں انہیں پھر سے اسلام کی دعوت دی جائے۔حاصل یہ کہ ''پدرم سلطان بود''کے مصداق صرف شاندار ماضی کے تذکرے کافی نہیں،اپنے فرائض کی انجام دہی اس سے زیادہ ضروری ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی

جس نے دستور میخانہ بدل دیا

نبی اکرم کا فرمان ہے: ''اللہ تعالیٰ اس امت کے لیے ہر سو سال کے سرے پر ایسے بندے پیدا کرے گا جو اس کے لیے اس کے دین کو نیا اور تازہ کرتے رہیں گے''۔ چنانچہ نبی کریم کی بعثت کے ایک ہزار سال گزرنے کے بعد ''امام ربانی شیخ احمد سرہندی'' سے دین کی تجدید و حفاظت اور احیاء شریعت کا جو عظیم کام ہمارے اس ملک ہی میں لیا وہ بھی اسلام کی پوری تاریخ میں ایک خاص امتیازی شان رکھتا ہے اور اسی وجہ سے ان کا لقب '' مجدد الف ثانی ''ایسا مشہور ہو گیا کہ بہت سے لوگ ان کا نام بھی نہیں جانتے صرف مجدد الف ثانی کے معروف لقب ہی سے ان کو پہچانتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کا شمار ان جلیل القدر بزرگوں میں ہوتا ہے جنھوں نے دین حق کے لیے کفر و شرک کا خم ٹھونک کر مقابلہ کیا اور اسلام کے پرچم کو ہندوستان کی سنگلاخ زمین پر کچھ اس مضبوطی سے ایستادہ کیا کہ انشاء اللہ یہ پرچم تا قیامت لہراتا رہے گا۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کا نسب مبارک ستائیس (۲۷) واسطوں سے امیر

المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منسلک ہے، گویا آپ کی رگوں میں اس مشہور فاتح اعظم کا خون تھا جس نے مختصر سی فوج اور بے سروسامانی کے باوجود ظالم اور جابر باشاہوں کو سرنگوں کردیا تھا اور زور بازو، قوت اور تدبر سے عظیم ترین سلطنتوں کے تختے الٹ دیے تھے اور اپنی روحانی قوتوں سے مستحکم تہذیبوں کی بنیادیں ہلادی تھیں۔اس نسب اقدس پر خود حضرت کو بھی ناز تھا۔(حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ السامی صفحہ ۲۹)

نسب تحریر کیا ہواس شہ گردوں مقامی کا
شرف خورشید پاسکتا نہیں جس کی غلامی کا
شہنشاہوں کے دل ہیبت سے جس کی ہوگئے پانی
وہی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نام ہے جد گرامی کا

اسلام کے اس درویش باصفا مصلح اعظم کا نام نامی واسم گرامی احمد، لقب بدرالدین، کنیت ابوالبرکات ، منصب خزینۃ الرحمۃ، قیوم زماں، مجدد الف ثانی ، اور عرف امام ربانی، محبوب صمدانی تھا۔آپ کا مذہب حنفی اور مسلک نقشبندیہ طریقہ تھا جو تمام سلاسل تصوف کا جامع ہے۔

آپ ۱۴ شوال ۹۷۱ بمطابق 26 جون 1594ء یوم جمعہ بوقت نصف مشرقی پنجاب کے شہر سرہند '' میں پیدا ہوئے۔''

آپ کی ولادت سے پہلے آپ کے والد ماجد نے، جو اپنے وقت کے جید عالم اور ظاہری و باطنی علوم کے جامع تھے ،ایک عجیب خواب دیکھا کہ: تمام جہان میں ظلمت پھیلی ہوئی ہے، سور اور بندر اور ریچھ لوگوں کو ہلاک کر رہے ہیں ،یکایک میرے سینہ سے ایک نور نکلا اور اس میں ایک تخت ظاہر ہوا اسی تخت پر ایک شخص تکیہ لگائے بیٹھا ہے اس کے سامنے تمام ظالموں اور ملحدوں کو بھیڑ بکری کی طرح ذبح کیا جارہا ہے اور کوئی شخص بلند آواز سے کہہ رہا ہے۔ (جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا) (القرآن) صبح کو حضرت مخدوم نے اس خواب کی تعبیر حضرت شاہ کمال سے دریافت کی انہوں نے فرمایا کہ تمہارے ایک لڑکا پیدا ہوگا اس سے الحاد و بدعت کی ظلمت دور ہوگی۔ سبحان اللہ کیسا سچا خواب تھا اور کیسی صحیح تعبیر تھی (تذکرہ امام ربانی مجدد الف ثانی صفحہ ۲۱۷)

شیخ احمد سرہندی کو کم سنی میں ہی مدرسے میں بٹھا دیا گیا، جہاں آپ نے تھوڑے ہی عرصے میں قرآن مجید حفظ کرلیا، پھر آپ نے اپنے والد شیخ عبدالاحد سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔اس کے بعد مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے سیالکوٹ چلے گئے۔ اس طرح آپ نے فقط سترہ سال کی عمر تک تمام علوم ظاہری کی سند حاصل کرلی۔ ظاہری علوم سے فارغ ہونے کے بعد آپ حضرت باقی باللہ کے مرید بن گئے انہوں نے آپ کو باطنی علوم سے مالا مال کردیا۔

آپ کی شخصیت اور زہد و تقویٰ سے تھانیسر کا حاکم شیخ سلطان بہت متاثر ہوا چنانچہ اس نے آپ سے اپنی صاحبزادی کا نکاح کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ آپ نے حاکم کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سلسلے میں میرے والد محترم سے بات کی جائے، حاکم نے جب آپ کے والد سے گفتگو کی تو انہوں نے اس پیشکش کو قبول کرلیا۔ (مطالعۂ پاکستان صفحہ 53۔54)

ایک روز حضرت مجدد الف ثانی قضائے حاجت کے لیے بیت الخلاء تشریف لے گئے تو آپ نے دیکھا کہ وہاں مٹی کا ایک پیالہ پڑا ہوا ہے اور اس پر اسم اللہ منقوش ہے۔ آپ نے اس پیالہ کو وہاں سے اٹھایا اور واپس تشریف لائے، پانی منگا کر اپنے دست مبارک سے کو دھویا اور اچھی طرح پاک کیا۔ پھر اس کو ایک سفید کپڑے میں لپیٹ کر اونچی جگہ میں رکھ دیا اور جب پانی پینا چاہتے تو اسی پیالہ میں پیتے۔ چنانچہ اس تعظیم کی برکت کی وجہ سے جناب باری تعالی کی جانب سے ندا آئی: جس طرح تم نے ہمارے نام کی تعظیم کی ہے اسی طرح ہم نے بھی تمہارے نام کو دنیا و آخرت میں معظم بنا دیا۔ اس کے بعد آپ فرماتے تھے کہ اس عمل نے جس قدر فیوض و برکات پہنچائے وہ صد سالہ ریاضت و مجاہدہ سے بھی ناممکن تھے۔

حق تعالی نے آپ کو ظاہری و باطنی، صوری و معنوی ہر قسم کے کمالات کا جامع

بنایا تھا، ظاہری شکل و صورت ایسی محبوب تھی کہ جو دیکھ لیتا تعریف کیے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔اتباع سنت کا جذبہ ، بدعات سے بے حد نفرت و احتراز آپ کے خصائص حمیدہ میں سے تھا۔ معمولی معمولی باتوں میں بھی اتباع سنت کا بے حد اہتمام فرماتے تھے۔امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں آپ ایک امتیازی شان رکھتے تھے، اس میں نہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا ڈر اور نہ کسی کی ایذاء رسانی کا خوف ہوتا، کوئی بڑے سے بڑا خطرہ آپ کو یہ فریضہ ادا کرنے سے نہیں روک سکا۔ غرض یہ کہ حضرت مجدد الف ثانی کی حیات مبارکہ کا ایک ایک لمحہ آپ کے مجدد الف ثانی ہونے کی شہادت دیتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی اپنے زمانے کے بلند پایہ بزرگ اور بہت بڑے مدبر تھے۔انھوں نے اپنی فہم و فراست سے پر خطر دور میں مسلمانوں کی رہنمائی کی اور مختصر سی مدت میں مسلمانوں میں ذہنی انقلاب پیدا کرکے بے دینی کا قلع قمع کرنے کے لیے تیار کردیا۔

حضرت مجدد الف ثانی نے مسلمانوں کو واضح طور پر بتایا تھا کہ وہ ہندوؤں میں جذب نہ ہوں اور نہ ہی ان کے رسم و رواج کو اپنائیں کیونکہ مسلمان اور ہندو دو الگ الگ قومیں ہیں ۔حضرت مجدد الف ثانی نے اصلاح تصوف کی طرف خاص توجہ دی ۔آپ نے لوگو ں پر شریعت کی ظاہری اور باطنی صورت عیاں کی ظاہر کا تعلق

علماء سے اور باطنی کا تعلق صوفیاء سے جوڑا۔ سماع اور رقص و سرور سے لوگوں کو باز رہنے کی تاکید فرمائی۔ حضرت مجدد الف ثانی کے دور میں بعض علماء نے نظریہ توحید کو مسخ کرکے عوام کے سامنے پیش کر رکھا تھا آپ نے نظریہ توحید پر مکمل بحث کی۔ اس طرح آپ نے بگڑے ہوئے معاشرہ میں قرآن و سنت کی تعلیم کو عام کردیا۔ رسم و رواج کے خلاف آواز اٹھائی، قبر پرستی سے منع فرمایا۔ آپ کی ان تعلیمات اور کوششوں سے۔ برصغیر ہندوستان میں تحریک احیائے دین کا آغاز ہوا۔ عامۃ الناس کی روحانی واخلاقی اصلاح، علمائے سوء کی نشاندہی اور ان کی اصلاح، علمائے حق کو ان کا صحیح مقام دلانا، ارکان سلطنت اور بادشاہ وقت کی اصلاح، گمراہ اور بدعتی فرقوں کی نشاندہی، ان کے شر و فساد سے مسلمانوں کو آگاہ فرما کر اہل سنت والجماعت کے مطابق صحیح عقائد اسلام کی طرف رہنمائی، آزاد خیال اہل علم و طالبان علم کی اصلاح ایسے کارنامے ہیں جو آپ کے نامہ عمل میں صدقہ جاریہ بن کر تا قیامت جگمگاتے رہیں گے۔ اکبر بادشاہ آپ کی مخالفت کرنے والوں میں پیش پیش تھا۔ اکبر نے اپنی حکومت میں غیر مسلموں کو ممتاز عہدوں پر فائز کیا اور ہندو عورتوں کو اپنے حرم میں داخل کیا اس کے علاوہ اکبر نے ایک نیا دین ''دین الٰہی'' رائج کردیا اور بادشاہ کو سجدہ لازم، کرکے انکار کرنے والے بے شمار مسلمانوں کو شہید کرادیا۔ ان حالات کو دیکھ کر حضرت مجدد الف ثانی نے لوگوں کو بتایا کہ اکبر کا

جاری کردہ دین گمراہی کے سوا کچھ نہیں ۔ حضرت مجدد الف ثانی نے اکبر کے الحاد کو روکنے کے لیے انتھک کوششیں کیں ۔ اس سلسلے میں انھوں نے ''رسالہ اثبات نبوت'' لکھا جس میں اسلام کی مکمل عکاسی کرتے ہوئے اکبر کے دین الٰہی کو الحاد قرار دیا۔اس پر اکبر بادشاہ آپ سے ناراض ہوگیا ور آپ کی مخالفت کرنے لگا۔اکبر کی وفات کے بعد اس کا بیٹا جہانگیر تخت نشین ہوا۔اس نے بھی اپنے باپ کی رسومات باطلہ کو بدستور رائج رکھنے کی کوشش کی ۔ حضرت مجدد الف ثانی نے دین حق کی سربلندی کے لیے جہانگیر سے بھی ٹکر لی ۔ جہانگیر کے دور تک آپ کا حلقہ بہت وسیع ہو چکا تھا یہاں تک کہ آپ کے حلقۂ اثر میں امراء ، صوفیاء اور برسر اقتدار لوگ بھی داخل ہو چکے تھے۔آپ نے تمام لوگوں کو ہندوستان کے مختلف علاقوں میں اسلام کی تبلیغ کے لیے بھیجا تھا۔یہ دیکھ کر جہانگیر نے سرہند کے حاکم کو ایک خط لکھا کہ ''ہم شیخ احمد سرہندی سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں ''اس طرح آپ کو دربار شاہی میں آنے کی دعوت دی گئی ۔آپ نے دعوت قبول کرلی اور دربار جہانگیری میں تشریف لے گئے۔دربار میں تشریف لے جانے سے پہلے آپ نے فرمایا کہ ہم دربار شاہی کے اصولوں اور آداب کی پابندی نہیں کر سکتے، کیونکہ سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے حکمرانوں کے لیے نہیں چنانچہ جب آپ دربار میں داخل ہوئے تو بغیر سجدہ کیے آگے بڑھتے گئے، یہ دیکھ کر'' تمام درباری حیرت زدہ ہوگئے''،آپ نے فرمایا۔''اس وقت تک تو یہ پیشانی کسی غیر اللہ کے سامنے نہیں جھکی اور اللہ سے امید ہے

کہ وہ آئندہ بھی میری حفاظت کرے گا اور یہ پیشانی غیر اللہ کے آگے نہ جھکے گی''۔ اس طرح آپ نے سجدۂ تعظیمی سے انکار کردیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گوالیار کے قلعے میں آپ قید کردیے گئے، حضرت مجدد صاحب نے وہاں بھی اپنا کام جار رکھا، دیکھتے دیکھتے قید خانہ کی کایا پلٹ ہو گئی، بادشاہ کو اطلاع دی گئی کہ اس قیدی نے حیوانوں کو انسان، اور انسانوں کو فرشتہ بنا ڈالا، بادشاہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا، اس نے پایۂ تخت پر آنے کی دعوت دی، اور اپنے بیٹے شاہ جہاں کو استقبال کے لیے بھیجا، حضرت مجدد تشریف لے آئے تو بادشاہ نے معذرت چاہی۔ آپ نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا۔ دور اکبری کے منکرات و بدعات کی منسوخی کا مطالبہ کیا، بادشاہ نے ان کے منسوخ کرنے کا فرمان جاری کردیا، اس طرح نصف صدی کی گھٹا ٹوپ تاریکی کے بعد ایک مرتبہ پھر اسلام کو اس ملک میں سربلندی حاصل ہوئی۔

جھکا دیں گردنیں فرط ادب سے کج کلاہوں نے
زباں پر جب عرب کے ساربان زادوں کا نام آیا

حضرت مجدد الف ثانی کی تصانیف کافی تعداد میں ہیں، جن کے ذریعے سے آپ نے اپنے پیغامات کی نشر واشاعت فرمائی۔ چند تصانیف یہ ہیں:۔ ۱۔ مکتوبات الف ثانی، ۲۔ معارف لدنیہ، ۳۔ رسالہ اثبات نبوت، ۴۔ مکاشفات غیبیہ، ۵۔ رسالہ بسلسلہ حدیث، ۶۔ رسالہ حالات خواجگان نقشبند، ۷۔ رسالہ تہلیلیہ، ۸۔ رسالہ آداب المریدین۔

اپنی عمر کے آخری شعبان میں حسب معمول پندرہویں شب کو عبادت کے لیے خلوت خانہ میں تشریف لے گئے۔ صبح کو جب گھر میں تشریف لے گئے تو بی بی صاحبہ نے فرمایا کہ معلوم نہیں آج کس کس کا نام دفتر ہستی سے کاٹا گیا؟ یہ سن کر حضرت امام نے فرمایا: تم تو بطور شک کہہ رہی ہو، کیا حال ہوگا اس شخص کا جس نے خود اپنی آنکھ سے دیکھا ہو کہ اس کا نام دفتر ہستی سے محو کیا گیا۔ اس کے بعد آپ نے ارشاد و ہدایت کا سب کام صاحبزادوں کے سپر کردیا اور اپنا تمام وقت قرآن مجید کی تلاوت واذکار میں صرف فرمانے لگے۔ وفات سے چند ماہ پہلے آپ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اپنی عمر تریسٹھ برس معلوم ہوتی ہے۔ بقرہ عید کے دنوں میں سانس کی تکلیف اور بخار شروع ہوا۔ ۱۲ محرم کو فرمایا کہ بس اب چالیس پچاس دن کے اندر مجھ کو اس عالم فانی سے سفر کرنا ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور بتاریخ ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ تریسٹھ برس کی عمر میں آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

(اللہ ان کی قبر پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے (آمین

بڑی مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ

بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستور میخانہ

مقبول حج ...کیا؟ کیوں؟ کیسے؟

بارگاہِ قدس کے مرکزِ تجلیات کعبۃ اللہ پر حاضری کا نام حج بیت اللہ ہے، جو دینِ اسلام کا پانچواں رکن اور اہم ترین شعائر اللہ میں شمار ہوتا ہے' قرآنِ حکیم کی آیاتِ کریمہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت اللہ قیامِ عالم اور بقائے کائنات کا ذریعہ ہے' جب تک اللہ تعالیٰ کا یہ گھر دنیا میں باقی رہے گا' دنیا قائم رہے گی اور جس وقت اللہ تعالیٰ شانہ اس دنیا کو ختم کرنے کا ارادہ فرمائے گا' اس کعبے کو ویران کردیا جائے گا۔ ٹھیک اسی طرح روحانی ہدایت کا سلسلہ بھی اسی بیت اللہ سے قائم ہے۔کعبہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا اس عالم میں عظیم ترین مرکز' رحمتِ ازلیہ کا خزانہ' مغفرت ورحمت کا گہوارہ اور روحانی سیر وسیاحت کرنے والوں کا ربانی مرکزِ ضیافت' جہاں ہر شخص اپنی اپنی استعداد کے مطابق فیض اٹھاتا ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ شریف کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ کی بارگا میں عرض کیا کہ تعمیر سے فراغت ہوچکی ہے اس پر اللہ جَلَّ شانہ کی طرف سے حکم ہوا کہ لوگوں میں حج کا اعلان کرو، جسکا اس آیت شریف میں ذکر ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ یااللہ

میری آواز کس طرح پہنچے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آواز کا پہنچانا ہمارے ذمے ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اعلان فرمادیا جس کو آسمان وزمین کے درمیان ہر چیز نے سنا۔ آج اس بات میں کوئی اشکال نہیں رہاایک ملک سے دوسرے ملک میں آواز پہنچ رہی ہے اسی طرح ایک دوسری حدیث میں آتا ہے اس آواز کو ہر شخص نے سنااور لبیک کہا جسکے معنی ہے میں حاضر ہوں۔ یہی وہ لبیک ہے جس کو حاجی احرام کے بعد شروع کرتا ہے۔ جس شخص کی قسمت میں اللہ تعالیٰ نے حج کی سعادت لکھی تھی وہ اس آواز سے بہر مند ہوااور لبیک کہا۔ (اتحاف

حج بیت اللہ کا عظیم الشان اجتماع طرح طرح کی برکات کا وسیلہ بنتا ہے۔ پھر قدم قدم پر شعائر اللہ کی تقدیس و تعظیم کے جلوے' مقربینِ بارگاہ کی یادگاریں' کہیں حجر اسود کی نورانیت کا جلوہ' کہیں مقامِ ابراہیم کی مقناطیسی کشش' کہیں صفا ومروہ وسعی کے انوار وبرکات' کہیں وادی عرفات کی تجلیات' کہیں مزدلفہ ومنیٰ کے انوار' غرض قدم قدم پر مغفرت ورحمت کے وعدے ہیں' یہی وجہ ہے کہ آج مادیت کے اس پُر آشوب دور میں بھی جس قلب میں ایمان کا نور موجود ہے' حج بیت اللہ کے لیے بے تاب ہے۔ حجاج کرام دنیاوی منافع کے تصورات' سیر وسیاحت اور تفریح کی خواہشات' شہرت کے رجحانات اوراسٹیٹس سمبل کی سطح سے بالاتر ہو کر اس فریضے کی ادائی کا

جذبہ پیدا کریں۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے قریب میری امت کے امیر لوگ تو حج محض سیر و تفریح کے ارادہ سے کریں گے (گویا لندن و پیرس کی تفریح نہ کی تو حجاز کی تفریح کرلی) اور میری امت کا متوسط طبقہ تجارت کی غرض سے حج کرے گا۔ تجارتی مال کچھ اِدھر سے لے گئے کچھ اُدھر سے لے آئے اور علماء ریاوشہرت کی وجہ سے حج کریں گے فلاں مولانا صاحب نے پانچ حج کیے دس حج کیے) اور غربا بھیک مانگنے کی غرض سے) (جائیں گے۔ (کنزالعمال

مشاہدے کی بات ہے کہ بہت سے حضرات ایسے ہیں کہ حج کرنے کے بعد ان کی زندگیوں میں کوئی نمایاں تبدیلی نہیں ہوتی جو بہتر علامت نہیں۔ حج مبرور کی علامت یہی ہے کہ حج کے بعد زندگی میں ایک بڑا انقلاب آجائے' اللہ تعالی سے ایسا تعلق قائم ہوجائے کہ اس کی زندگی کا ہر گوشہ متاثر نظر آئے۔حج بیت اللہ ایک ایسا عمل ہے جو اللہ کے نزدیک جلیل القدر اعمال میں سے ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں : نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھاگیا :افضل ترین عمل کیا ہے ؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : '' اللہ تعالی پر اور اس کے رسول پر ایمان لانا '' آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھاگیا : اس کے بعد؟ نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا''۔ کہا گیا کہ اس کے بعد کونسا ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: '' حج مبرور و مقبول''۔ (متفق علیہ)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ کیلئے حج کرے اس طرح کہ اس حج میں نہ (کوئی فحش بات ہو اور نہ فسق ہو اور نہ کوئی گناہ وہ حج سے ایسا واپس ہوتا ہے جیسا اس دن تھا جس دن ماں کے پیٹ سے نکلا تھا۔ (متفق علیہ، مشکوۃ

ایک حدیث میں رسول اللہ کی یہ دعا آئی ہے کہ یا اللہ تو حاجی کی بھی مغفرت کر اور جس کی مغفرت کی حاجی دعا کرے اس کی بھی مغفرت فرما۔ ایک حدیث میں آیا کہ رسول اللہ انے تین مرتبہ یہ دعا کی۔ اس سے اور بھی زیادہ تاکید معلوم ہوتی ہے۔ حضرت عمر سے نقل کیا گیا ہے کہ حاجی کی بھی اللہ کے یہاں سے مغفرت ہے اور حاجی ۲۰ ربیع الاوّل تک جس کے لئے دعائے مغفرت کرے اس کی بھی مغفرت ہے۔

(اتحاف)

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب ''شفائ'' میں ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک جماعت سعدون خولانی کے پاس آئی اور اُن سے یہ قصہ بیان کیا کہ قبیلہ

کتامہ کے لوگوں نے ایک آدمی کو قتل کیا اور اس کو آگ میں جلانا چاہا، رات بھر اس پر آگ جلاتے رہے مگر آگ نے اس پر ذرا بھی اثر نہ کیا بدن ویسا ہی سفید رہا۔ سعدون نے فرمایا کہ شاید اس شہید نے تین حج کیے ہوں گے۔ لوگوں نے کہا کہ جی ہاں تین حج کیے ہیں سعدون نے کہا مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ جس شخص نے ایک حج کیا اس نے اپنا فریضہ ادا کیا اور جس نے دوسرا حج کیا اس نے اللہ کو قرض دیا اور جو تین حج کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی کھال اور اس کے بال کو آگ پر حرام کر دیتا ہے۔ (شفا)

رسول اللہ نے فرمایا کہ نیکی والے حج (حج مقبول) کا بدلہ جنت کے سوا کچھ نہیں (متفق علیہ مشکوٰۃ)

اپنے حج کو حج مبرور بنانے کے لیے ہر آن اتباع سنت واجتناب منہیات کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ حج کے دوران کسی چھوٹی سے چھوٹی نیکی کو حقیر ہر گز نہ سمجھیں، کسی بھی واجب کی ادائیگی میں کوتاہی سے بچیں، اور ہر قسم کی نافرمانی سے خوب دامن بچا کر رکھیں ،ان اوقات اور گھڑیوں میں ہر خیر و بھلائی ، اور ہر نیکی کمانے کی بھرپور کوشش کریں، خواہ وہ ذکر و اذکار کی شکل ہیں ہو، توبہ واستغفار کی صورت میں ہو، تکبیر و تہلیل ،تلاوت قرآن حمید یا کسی اور شکل میں ہو، غرض یہ کہ نیک وصالح اعمال کی انجام دہی میں جد و

جہد کریں۔

کاش! ہمارے پاکستان کے حکمران، ان دینی حقائق اور ان سیاسی مصالح پر نظر کرتے اور قوم کی صحیح جذبے اور تڑپ کی قدر کرتے اور ادائے فریضہ حج کے لئے آسانیاں مہیا کرتے۔ مانا کہ زرِ مبادلہ کا مسئلہ بہت اہم ہے اور حکومت کی مجبوریاں بھی اپنی جگہ بجا ہیں اور یہ بھی صحیح ہے کہ حکومت کے کاندھوں پر قرضوں کا جتنا بوجھ ہے، مملکت اس کی برداشت سے عاجز آ رہی ہے، لیکن اگر اربابِ حکومت ذرا غور فرماتے تو اس مشکل کا حل بہت آسان ہے اور بہت سی صورتیں نکل سکتی ہیں۔ جو قوم اربوں روپے کا ٹیکس دے کر حکومت کا سارا کارخانہ چلا رہی ہے اور جو حکومت فوج اور پولیس پر اربوں خرچ کر کے ملک وملت کی حدود اور جان ومال وآبرو کی حفاظت کر رہی ہے، اگر یہ حکومت اس قوم کے ادائے فریضہ حج کے لیے ایک کروڑ سالانہ کے زر مبادلہ کا خسارہ برداشت کرے تو کوئی بڑی بات نہیں، لیکن ہم باوجود اس کے اربابِ حکومت کے سامنے چند تجاویز پیش کرتے ہیں:

۱۔ دوسال ک[illegible] [illegible] جدید درخواست حج[illegible] لی جا[illegible]، پہلے سابق درخواست کنندگان کو بغیر قرعہ اندازی حج کی اجازت دی جائے، دوسال بعد کوٹہ سسٹم ختم کردیا جائے۔

۲. جو اشیا مملکتِ سعود[illegible] [illegible] درکار[illegible]، چاول، المونیم کے برتن، کورالٹھا

بوٹ' چمڑے کے تیار کردہ سوٹ کیس وغیرہ وغیرہ' ہر خواہش مند حاجی کو ان کے برآمد کرنے کا لائسنس دیا جائے۔ اتنا سامان ہر حاجی کے ساتھ جانے کی اجازت ہو یا کسی تاجر کی معرفت ٹھیکا دیا جائے' وہاں جا کر وہ رقم اس تاجر کے ذریعہ مل جائے گی تفصیلات بآسانی تاجر طبقہ مرتب کر سکتا ہے' اس طرح حکومت زرِ مبادلہ کی پریشانی سے بھی بچ جائے گی اور فریضہ حج ادا کرنے میں حجاج کرام کو پوری سہولت بھی حاصل ہو جائے گی۔

ملالہ حملہ... مجرم کون؟

ملالہ یوسف زئی ایک پھول سی بچی ہے، قوم کی بیٹی، قوم کی امنگوں کا مرکز، جس طرح کہ قوم کا ہر بچہ اور بچی ہماری امنگوں کا مرکز ہے۔اس پر حملہ کرنے والے بجا طور پر مجرم ہیں ،لیکن ٹھہریے !بڑا مجرم وہ ہے جس نے سستی شہرت کی تلاش میں ملک دشمن امریکی عہدے داروں سے ملاقات کی اورانہیں وزیرستان میں آپریشن پر اکسایا۔ وہ کون تھا؟ یہ بات اب صیغہ راز میں نہیں رہی ہے۔ سوشل ویب سائٹوں پر وہ کلپس موجود ہیں اور بآسانی دیکھی جاسکتی ہیں۔امریکی اخبار نیو یارک ٹائمز کی اس ڈاکیو منٹری ''ایک اسکول گرل کی مہم جوئی'' میں انکشاف کیا گیا ہے کہ ملالہ یوسف زئی اور اس کے والد نے پاکستان میں امریکی سفیر، پاکستان کے لئے امریکی نمائندہ خصوصی رچرڈ ہالبروک اور امریکی وزیر خارجہ اور اعلی امریکی فوجی افسران سے خفیہ ملاقاتیں کی تھیں، جن میں ان سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ سوات میں فوجی آپریشن کو یقینی بنائیں،تاکہ وہاں سے طالبان کا صفایا کیا جاسکے۔ یہ ڈاکیومینٹری نیو یارک ٹائمز کے ایک یہودی فلم میکر ایڈم ایلائیک نے تیار کی تھی اور وہ سوات آپریشن کے دوران ملالہ کے خاندان کے ساتھ ہی رہا تھا۔ توکیاملالہ خودٹری مجرم ہے؟نہیں، بلکہ اس کوتواس کے شہرت کے بھوکے باپ نے اپنے مقصدکے لیے استعمال کیا۔اس کے نام سے شائع ہونے والی ڈائری، جس کی

حقیقت بھی اب کسی سے ڈھکی چھپی نہیں رہی، کی آڑ میں مغربی این جی اوز سے ڈالر بٹورے۔ملالہ نا سمجھ تھی، کم عمر تھی سو باپ کی محبت میں استعمال ہوتی رہی۔اگر وہ اپنے مرحوم دادا ابو کی پرورش میں ہوتی تو شاید یہ نوبت بھی نہ آتی۔بچے کو جیسی تربیت دی جائے اور جیسا ماحول فراہم کیا جائے، وہ اسی رنگ میں رنگ جاتا ہے، سو اگر ملالہ نے اوبامہ کو اپنا آئیڈیل کہا ہے یا برقعے اور شعائر اسلام کی توہین کی ہے تو اگرچہ وہ اس گناہ عظیم سے کسی طور بھی بری الذمہ نہیں، لیکن ....بڑے مجرم اس کے والدین ہیں، جنہوں نے اس کی اس غلط نہج پر تربیت کی۔

ملالہ ،شازیہ اور کائنات پر حملہ کرنے والے بے شک مجرم ہیں ، لیکن بڑا مجرم وہ بھگوڑا جرنیل ہے جس نے ڈالروں کے لالچ میں غیروں کی جنگ کو اپنے ملک میں درآمد کیا، ہوائی اڈے دیے اور کندھا فراہم کیا۔ڈرون حملوں اوران کے رد عمل میں خود کش بم دھماکوں کی خونی فصل کاشت کی، جس نے وزیرستان اور سوات کے محب وطن لوگوں کو ہتھیار اٹھانے پر مجبور کر دیا، بالفاظ دیگر جس نے پر امن لوگوں کو ''طالبان'' بننے اور قانون ہاتھ میں لینے پر مجبور کر دیا۔

مانا کہ ملالہ ،شازیہ اور کائنات پر حملہ کرنے والے مجرم ہیں، لیکن ان سے بڑی مجرم موجودہ حکومت ہے جس نے سابق جرنیل کی پالیسیوں کو برقرار رکھا،ڈرون حملوں کی بندش کے لیے کوئی خاص اسٹینڈ نہیں لیا، بلکہ حسب سابق تمام معاملات

جاری رکھے۔اس صورت حال نے نفرتوں کی مزید فصلیں کاشت کیں، بالفاظ دیگر ''طالبان'' کی انگیخت میں اس حکومت کا بھی کردار ہے۔ہمارے ''نااہل وزیر داخلہ ''کا تو گویا کھانا بھی طالبان کے ذکر کے بغیر ہضم نہیں ہوتا۔طالبان کچھ دن کسی مصلحت سے ''بیٹھ'' بھی جائیں تو وہ ان کو دوبارہ جگا دیتے ہیں، جیسا موصوف نے امریکا کے حالیہ دورے سے واپسی پر کیا۔شاید یہ ان کی بھی مجبوری ہے، کیوں کہ اگر طالبان نہ رہے، یعنی وہ پر امن ہو گئے تو پھر وہ کراچی سمیت ملک بھر میں ہونے والی ہر کارروائی کو کس کے کھاتے میں ڈالیں گے؟اصل قاتلوں کا نام تو لینے سے رہے، کیوں...آپ سمجھ ہی گئے ہوں گے۔

آپ کبھی غیر جانب داری سے حالات وواقعات کا تجزیہ کیجیے،آپ کو خود اندازا ہو جائے گا کہ طالبان کا وجود اوران کی شر انگیز کارروائیاں موجودہ حکومت اور بالخصوص نااہل ملک صاحب کی مجبوری ہیں۔شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن سمیت مختلف سیاست دانوں اور زعما کی طالبان حکومت مذاکرات میں ثالثی کی پیش کش کے باوجود کوئی قابل عمل فارمولا وضع نہیں کیا گیا۔

ملالہ ہو یا شازیہ،کائنات ہو یا ڈرون حملوں میں شہید ہونے والے بے گناہ...سب اس ملک کے باسی ہیں۔قوم کی ہم دردیاں سب کے ساتھ تھیں، ہیں اور رہیں گی، لیکن ملالہ حملے یا کسی بھی ایشو کی آڑ میں ملک کے کسی بھی حصے کو مزید بدامنی میں

دھکیلنا یا بیرونی مداخلت کا جواز فراہم کرنا کسی طور بھی دانش مندی نہیں کہلا سکتا۔ غلط پالیسیاں ان واقعات کا سبب بن رہی ہیں۔ کوئی محب وطن شہری اس کی حمایت نہیں کر سکتا۔ ملالہ یوسف زئی ہماری بیٹی ہے اور اس کا دوپٹہ ہمارا تقدس ہے۔ کچھ لوگ ملالہ پر حملے سے اپنی سیاست چمکا رہے ہیں ملالہ کے خون پر شیش محل تعمیر نہ کیے جائیں۔

بلاشبہ یہ ایک غیر انسانی اور غیر اخلاقی فعل ہے۔ اسلام حالت جنگ میں بھی دشمن کی عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کی اجازت نہیں دیتا چہ جائیکہ ایک مسلمان بچی پر حملہ کیا جائے، یہ انتہائی سفاکی ہے۔ تاہم یہ عجیب مائنڈ سیٹ ہے، دہشتگردی کا کوئی بھی واقعہ ہوتا ہے اس کو بنیاد بنا کر اور مذہبی انتہا پسندی اور مذہبی جنونیت کا نام دے کر مدارس و مساجد کے خلاف شر انگیز پروپیگنڈا مہم شروع کر دی جاتی ہے جو قابل مذمت ہے۔ انہی رویوں کی وجہ سے آج ملک میں انتشار ہے۔ ظلم و بربریت اور دہشتگردی روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ اس حملے کو جواز بنا کر اگر شمالی وزیرستان میں آپریشن کیا گیا تو یہ اس ملک کی انتہائی بدقسمتی ہوگی۔ خاکم بدہن ایسا ہی محسوس ہو رہا ہے، کہا یہ جا رہا ہے کہ یہ پورا میلہ سجایا ہی اس لیے گیا ہے کہ ڈرون حملوں پر مزاحمت کو بھول جایئے، اپنے عوام پر فوج کشی کے لیے تیار رہیے، پاکستانی عوام اور فوج کے گزشتہ بھاری جانی و مالی نقصانات کو بھول جایئے اور ایک نئی قسط کے لیے تیار ہو جایئے۔ ملالہ پر حملہ اس پورے کھیل کا جواز پیش کر دیتا ہے۔

کاش حکمران امریکا کی بجائے اس ملک کے مفادات کے لیے اپنی توانائیاں صرف کرتے۔طالبان کو قومی دھارے میں لا کران سے بامقصد مذاکرات کیے جائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ اس قسم کے واقعات کا سدباب ہو جائے۔تاہم جب تک رحمان ملک جیسے لوگ اورضیاء الدین یوسف زئی جیسے سفاک وظالم باپ ہیں ، قوم کی ،ملالائیں اسی طرح بین الاقوامی فرعونیت کی بھینٹ چڑھائی جاتی رہیں گی۔کیاہمارے پالیسی سازاس حوالے سے حقائق کو سامنے رکھ کر کوئی بروقت فیصلہ کریں گے۔یاامریکااور حواریوں کے ایماپراس ملک میں ایشو پیدا کرنے اورانہیں اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے ''کیش'' کرنے کا سلسلہ یونہی جاری رہے گا؟

آخر کب تک؟

اسلامی سال کا آغاز اور چند گزارشات

کیلنڈر دو قسم کے ہوتے ہیں،ایک کو گریگورین کیلنڈر کہا جاتا ہے، جسے ہم عیسوی سال کا نام دیتے ہیں اوور دوسرے کو شمسی کیلنڈر کہا جاتا ہے جس کو ہم قمری تقویم یا ہجری سال کا نام دیتے ہیں۔ ہجری سال کا آ غاز محرم الحرام سے ہوتا ہے، جس
کا آغاز ہوا چاہتا ہے۔ یہ انتہائی افسوس ناک امر ہے کہ آج کے مسلمان اور بالخصوص نئی پود کو، جو مستقبل کی معمار و صورت گر ہے،اسلامی ہجری تقویم کے مہینوں کے نام تک معلوم نہیں ۔اگر یاد ہیں تو صرف چند مہینے ، جو واقعات و خرافات کی طرف منسوب ہیں ۔علمائے کرام نے لکھا ہے کہ اگرچہ دفتری ضروریات کے تحت گریگورین
کیلنڈر کا استعمال درست ہے ،تاہم اسلامی مہینوں کے ناموں کا جاننا اور ان کی عظمت وفضیلت کا قائل ہونا بھی فرض کفایہ ہے۔
عربوں کی اصل تقویم قمری تقویم تھی مگر وہ مدینہ منورہ کے پڑوس میں آباد یہودی قبائل کی عبرانی (یہودی) تقویم کی طرح اپنے تجارتی اور ثقافتی فائدے کی خاطر خالص قمری کی بجائے قمری شمسی تقویم استعمال کرتے تھے۔ رسول اکرم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اس قمری شمسی تقویم کو ہمیشہ کیلئے منسوخ فرما کر خالص قمری تقویم کو بحال رکھا تھا جس کا آغاز ہجرت مدینہ کے اہم واقعے سے کیا گیا تھا، للذا یہ تقویم ہجری تقویم کے نام سے موسوم ہوئی ۔ مسلمانوں کا

ہجری سال حضوراکرم کی ہجرت سے شروع ہوتا ہے جو کہ ہر قسم کے مفاسداور شرک و نجوم پرستی جیسے رذایل اور لغویات سے یکسر خالی، خالص امن وآشتی کا پیغام ہے اس کی ابتداخود حضوراکرم کے حکم سے ہوئی اور حضرت فاروق اعظم نے اپنے دورخلافت میں سرکاری مراسلات میں '''اسلامی قمری ہجری'' تاریخ کا اندراج لازمی قرار دیا تھا۔ شریعت محمدیہ میں احکام شرعیہ مثال حج وغیرکا دارومدار قمری تقویم پر ہے۔ روزے قمری مہینے رمضان کے ہیں۔ نزول قرآن بھی رمضان میں ہوا، عورتوں کی عدت، زکواۃ کیلئے سال گزرنے کی شرط وغیرہ سب قمری تقویم کے اعتبار سے ہیں۔ عیدین یعنی عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کا تعلق بھی قمری تقویم سے ہے، تاہم دنیوی مقاصد کیلئے شمسی تقاویم کا استعمال فرض کفایۃ ہونے کے علاوہ دینی وملی حمیت کا تقاضا بھی ہے اور باعث اجر وثواب بھی۔ ناس ہولارڈمیکالے کے وضع کردہ نظام تعلیم کاکہ جس نے ہمیں اسلاف کی دوسری میراث وزریں روایات کے ساتھ ساتھ اپنی اصل ہجری قمری تقویم بھی بھلادی۔ ہمیں اس اندھیرنگری میں حاکم سے توقعات وابستہ کرکے خودفریبی میں نہیں رہناچاہیے، بلکہ اپنے بچوں کواہتمام وخصوصیت سے اسلامی سال کے مہینوں کے نام یادکرانے چاہئیں، تاکہ وہ تقلیداغیارکے غیرمحسوس حصار سے نکل سکیں۔

قمری تقویم کی بنیادزمین کے گرد چاند کی ماہانہ گردش پر ہے اور ہر مہینے

کا آغاز نئے چاند سے ہوتا ہے۔ماہرین کے مشاہدات اور محتاط اندازوں کے مطابق رئویت ہلال (ننگی آنکھوں سے چاند نظر آنے) اور ولادت قمری کا درمیانی وقفہ کم از کم 20 گھنٹے کا ہونا چاہئے۔ قمری تقویم میں تاریخ کا آغاز غروب شمس سے ہوتا ہے اور قمری مہینہ کبھی 29 دن کا اور کبھی 30 دن کا ہوتا ہے۔ یوں قمری سال عموما354 دن اور بعض سالوں میں 355 دن کا ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف موجودہ رائج عیسوی تقویم میں آج کل دن کا آغاز رات بارہ بجے سے ہوتا ہے اوراس میں یہ بھی طے ہے کہ ہر سال کون سا مہینہ کتنے دنوں کا ہوگا،اور یہ شعر ،جو دراصل ایک انگریزی شعر کا ترجمہ ہے ،بچے بچے کو یاد ہے:

تیس دن ستمبر کے،اپریل،جون،نومبر کے
باقی سارے اکتیس کے، سوائے فروری کے

جب کہ فروری کا مہینہ عام سالوں میں 28 دن کا لیا جاتا ہے اور لیپ (چار پر تقسیم ہونے والا ہر چوتھا سال) کے سالوں میں 29 دن کا ہوتا ہے۔ مہینوں کی یہ تعداد خود ساختہ ہے کسی قاعدہ یا ضابطہ کے تحت نہیں البتہ سب مہینوں کے دنوں میں مجموعی تعداد365اور لیپ کے سالوں میں 366 دن ہوگی۔اس کے مقابل قمری تقویم میں ابہام ہے،جس میں کئی مصلحتیں پوشیدہ ہیں۔

قمری تقویم کے ابہام کا ایک فائدہ یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام اور بزرگان

دین کی ولادت و وفات کے ایام مبہم رہتے ہیں انسان طبعاً سہولت پسند اور عجلت پسند واقع ہوا ہے زیادہ محنت کے بغیر مکمل ثمرات حاصل کرنا چاہتا ہے اس لئے حضرات انبیاء کرام کی خودساختہ تواریخ متعین کرلی جاتی ہیں مثلاً عیسائی حضرات نے ''25 دسمبر کو حضرت عیسیٰ کا یوم ولادت قرار دے رکھا ہے اور اس تاریخ کو ولادت مسیح'' کی خوشی میں کرسمس مناتے ہیں حالانکہ خود غیر متعصب عیسائیوں کو اعتراف ہے کہ '' 25 دسمبر حضرت عیسیٰ کا یوم ولادت ہرگز نہیں خودساختہ تہوار منالینے سے انسان یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس نے اپنے رہنما و پیشوا سے محبت کا حق ادا کردیا ہے یوں اس کی روز مرہ کی عملی زندگی کی اپنے پیغمبر کی اصل تعلیمات سے موافقت و مطابقت بسا اوقات بتدریج کم ہوتے ہوتے بالآخر نیست و نابود ہوجاتی ہے۔ قمری تقویم کے ابہام سے حضرات انبیا کی ولادت باسعادت اور وفات کے علاوہ ان کی زندگیوں کے بعض دیگر اہم واقعات کی سوفیصد ''توقیت'' مشکل ہوجاتی ہے۔ اگر کہیں ایسا ہو بھی جائے تو بھی دنیا بھر کے تمام مقامات پر قمری تواریخ کا یکساں ہونا ضروری نہیں لہٰذا ابہام پھر بھی ایک حد تک باقی رہے گا۔ قمری شمسی تقاویم میں تواریخ اور مہینے تو قمری ہوتے ہیں لیکن ان مہینوں کو موسموں کے مطابق رکھنے کیلئے تقریباً ہر تیسرے سال ان میں ایک ماہ کا اضافہ کیا جاتا ہے اور سال کے بارہ کی بجائے تیرہ مہینے بنائے جاتے ہیں چونکہ قمری سال شمسی سال سے تقریباً گیارہ دن چھوٹا ہوتا ہے لہٰذا تین سالوں میں تقریباً ایک ماہ کا فرق پڑ جاتا ہے۔ قمری

تقویم کے ابہام کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ بعض اہم مواقع پر اس ابہام سے پیدا ہونے والی انتظاری کیفیت (سسپنس) نہایت مسرت افزا ہوتی ہے اہل اسلام مثلاً عید الفطر کے ہلال کی امکانی رئویت و عدم رئویت سے پیدا ہونے والی انتظاری کیفیت میں چاند دیکھنے کی والہانہ کوشش کرتے ہیں بچوں، جوانوں، بوڑھوں، مردوں اور عورتوں کی چاند دیکھنے کی یہ مسرت مساعی ایک عجیب سماں پیدا کرتی ہیں اگر عید وغیرہ کا دن پہلے سے ہی سوفیصد یقین کے ساتھ متعین اور مقرر ہو تو چنداں خوشی نہ ہوتی۔

قمری مہینوں کی موسموں سے عدم مطابقت کا فائدہ یہ بھی ہے کہ بعض نہایت اہم احکام شرعیہ مثلاً صیام رمضان کی تعمیل زندگی بھر میں تمام موسموں میں ممکن ہوگی مثلاً ایک شخص اٹھارہ بیس سال کی عمر میں رمضان کے روزے رکھنا شروع کرتا ہے اور پچاس ساٹھ برس کی عمر تک جسمانی صحت کے لحاظ سے روزے رکھنے کے قابل رہتا ہے تو وہ گرما اور سرما اور بہار و خزاں تمام موسموں میں روزے رکھنے کی سعادت حاصل کر پائے گا۔ اگر اس طرح کے احکام کیلئے شمسی مہینے متعین کئے جاتے تو ساری عمر ایسے احکام کی تعمیل ایک ہی موسم میں ہوتی بلکہ شمالی نصف کرہ اور جنوبی نصب کرہ کے موسمی تضاد کی وجہ سے بعض علاقوں اور ملکوں کے لوگ موسم گرما میں اور دوسرے علاقوں کے لوگ موسم سرما میں ان احکام کی تعمیل کیلئے ہمیشہ پابند ہو کر رہ جاتے اور ان احکام کی بجاآوری کے سلسلے

میں موسمی تغیرات کا فائدہ نہ اٹھا سکتے۔

قمری تقویم کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس میں تاریخ کا تعین گو تقریبی اور تخمینی ہی سہی نہایت آسان ہے کیونکہ سورج کی نسبت چاند کی حالتیں اس کے بتدریج بڑھنے اور گھٹنے کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہیں۔ ایک ناخواندہ شخص بھی چاند کی حالتوں سے قمری تاریخ کا اندازہ کرلیتاہے، جبکہ سورج کی حالت یکساں رہتی ہے۔ چاند کو ننگی آنکھ سے دیکھنا آسان اور فرحت بخش ہے جبکہ سورج کو ننگی آنکھ سے دیکھنا مشکل اور ضرر رساں ہے۔اس کے علاوہ ماہرین نے قمری ہجری تقویم کی بعض دیگر خصوصیات یہ بیان کی ہیں:

1۔ سن ہجری کی بنیاد خالص قمری تقویم پر ہے جب سے اس کا آغاز ہوا ہے اس میں آج تک کوئی ترمیم نہیں ہوئی کیونکہ یہ شرعی اور دینی تقویم ہے اس میں ترمیم کا کسی کو حق نہیں۔ دنیا کی مروجہ تقویم میں یہ خصوصیت غالباً صرف قمری تقویم ہی کو حاصل ہے۔

2۔ سن ہجری کا آغاز واقعہ ہجرت نبوی سے ہوا یوں اس کی بنیاد روحانی ہے۔

3۔ ہفتے کا آغاز جمعۃ المبارک کے دن سے ہوتا ہے۔

4۔ ہجری تقویم میں شرک، نجوم پرستی یا بت پرستی کا شائبہ تک نہیں ہے۔ مہینوں اور دنوں کے ناموں کو کسی سیارے یا دیوی، دیوتا سے کوئی نسبت نہیں۔

5۔ قمری تقویم چونکہ فطری اور نہایت سادہ ہے لہٰذا شرائع سابقہ میں بھی دینی

مقاصد کیلئے یہی مستعمل تھی بعد میں لوگوں نے اس خالص قمری تقویم میں تحریف کرتے ہوئے اسے شمسی یا قمری شمسی تقویم میں بدل ڈالا۔

حاصل یہ ہے کہ ہمیں اپنی اصل پہچان یعنی اسلامی ہجری سال کو بھی بالکل نہیں بھلادینا چاہیے، بلکہ اس کے نام بھی یادرکھنے چاہئیں اوراسے استعمال بھی کرنا چاہیے، کہیں ایسانہ ہوکہ آئندہ چندسالوں میں ہماری نئی پود کے ذہنوں سے یہ تصورہی محوہوجائے کہ ہم بھی ایک زندہ جاوید تہذیب وتاریخ کے امین ہیں، ہمارا بھی ایک شاندارماضی ہے، ہمارابھی ایک تشخص ہے، بلکہ تمام تہذیبوں نے تہذیب کادرس ہم سے ہی لیاہے۔

شہید کربلا حضرت سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(برائے خصوصی ایڈیشن)

حضرت سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ شکم مادر ہی میں تھے کہ حضرت حارث کی صاحبزادی نے ایک خواب دیکھا کہ کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسد اطہر کا ایک ٹکڑا کاٹ کر ان کی گود میں رکھ دیا۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے ایک عجیب و غریب خواب دیکھا ہے جو ناقابل بیان ہے۔ فرمایا بیان کرو آخر کیا خواب ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصرار پر انہوں نے خواب بیان کیا۔ آپ انے فرمایا یہ تو نہایت مبارک خواب ہے۔ فاطمہ کے لڑکا پیدا ہوگا اور تم اسے گود میں لوگی۔ (مستدرک حاکم)

کچھ دنوں کے بعد اس خواب کی تعبیر ملی۔ حضرت سیدنا حسین.بروز شنبہ 4 شعبان 4 ہجری کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور فرمانے لگے بچے کو دکھاؤ، کیا نام رکھا گیا؟ نو مولود بچے کو منگا کر اس کے کانوں میں اذان دی، پھر فاطمہ کو عقیقہ کرنے اور بچہ کے بالوں کے وزن کے برابر چاندی خیرات کرنے کا حکم دیا۔ ساتویں دن عقیقہ کیا گیا۔

والدین نے حرب نام رکھا تھا آپ صلی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ نام پسند نہ آیا آپ نے بدل کر حُسین رکھا کیوں کہ آپ حسن و جمال میں بھی باکمال تھے۔
(مستدرک حاکم، اسدالغابہ)

ذیل میں آپ کے چند فضائل درج کیے جاتے ہیں، جو مستند کتابوں سے ثابت ہیں؛

۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حَسن اور حُسین نوجوانان جنت کے سردار ہیں۔

۲) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے اللہ! میں ان دونوں (حضرات حسنین) سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت فرما اور جو ان سے محبت کرتے ہیں ان کو بھی تو اپنا محبوب بنالے۔

۳) فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسین مجھ سے ہے اور میں حُسین سے ہوں۔ جو حسین سے محبت رکھے اللہ اس سے محبت رکھے۔

۴) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے اللہ! میں حسین سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اس سے محبت فرما۔

۵) آپ نے فرمایا میرا یہ بیٹا (حضرت حسین) ارض عراق میں قتل ہوگا۔ تم میں سے جو موجود ہو اسے چاہیے اسکی مدد کرے۔

۶) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس کو یہ بات اچھی لگے کہ وہ جنتی شخص کو دیکھے اسے چاہیے کہ حضرت حُسین بن علی کو دیکھ لے۔

۷) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے ان دونوں (حضرات حسنین))
سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان دونوں کو ناراض کیا اس نے مجھے
(ناراض کیا۔ (ابن ماجہ، ترمذی، مستدرک حاکم، بخاری مسلم

حضرت حسین کے بچپن کے حالات میں صرف ان کے ساتھ آنحضرت کے پیار و محبت کے واقعات ملتے ہیں تقریباً حضور روزانہ دونوں نواسوں کو دیکھنے کے لیے حضرت فاطمہ کے گھر تشریف لے جاتے۔۔ حضرت سیدنا حسن اور سیدنا حسین شکل وصورت یں آنحضرت اور اپنے والد بزرگ وار حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے مشابہ تھے ۔حضرت حسین کی عمر صرف سات برس تھی کہ نانا کا سایہ شفقت سر سے اٹھ گیا۔آپکی ذات گرامی قریش کا خلاصہ اور بنی ہاشم کا عطر تھی۔

اہلسنت کے خلاف ایک عام پروپیگنڈا یہ کیا جاتا ہے کہ وہ اہل بیت کو نہیں مانتے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ہماری ایک آنکھ صحابہ ہیں اور تو دوسری آنکھ اہل بیت عظام ہیں، یہ ہستیاں ہماری پیشوا ہیں، راہنما، مقتدا ہیں اور رہمارا عقیدہ ہے کہ اہل بیت رسول کی محبت کے بغیر ایمان کی تکمیل ہی نہیں ہو سکتی، جس طرح دوسرے صحابہ کرام کی محبت کے بغیر ایمان کامل نہیں ہو سکتا۔

حضرت سیدنا حسین نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں،آپ کی ازواج یں لیلیٰ

حباب، حرار، غزالہ شامل تھیں ان میں سے متعدد اولادیں ہوئیں جن میں علی اکبر، عبداللہ اور ایک چھوٹے صاحبزادے واقعہ کربلا میں شہید ہوئے سید نا زین العابدین باقی تھے انہیں سے نسل چلی۔ صاحبزادیوں میں سکینہ، فاطمہ اور زینب تھیں۔
آپ نے 10 محرم الحرام 61 ھ مطابق ستمبر 680ء میں شہادت پائی۔ حضرت حسین کے ساتھ 72 آدمی شہید ہوئے ان میں سے بیس خاندانِ بنی ہاشم کے چشم و چراغ تھے۔ جن کے نام درج ذیل ہیں:
حسین بن علی، محمد بن علی، ابوبکر بن علی، علی بن حسین بن علی (علی اکبر) عبداللہ بن حسین، ابوبکر حسین، عبداللہ بن حسن، قاسم بن حسن، عون بن عبداللہ بن جعفر طیار، محمد بن عبداللہ بن جعفر، جعفر بن عقیل بن ابی طالب، عبدالرحمان بن عقیل، عبداللہ بن عقیل، مسلم بن عقیل، عبداللہ بن مسلم عقیل، محمد بن ابوسعید بن عقیل رحمہم اللہ تعالیٰ۔ اہلبیت نبوی میں زین العابدین، حسن بن حسین، عمرو بن حسن اور کچھ شیر خوار بچے باقی رہ گئے تھے، زین العابدین بیماری کی وجہ سے چھوڑ دیے گئے اور بچے شیر خواری کی وجہ سے بچ گئے۔ اللہ تعالیٰ شہدائے کربلا کی قربانیوں کے طفیل ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

واقعہ کربلا دغابازی، بے وفائی اور غداری کی عبرت انگیز داستان بھی ہے، اہل کوفہ نے سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما کو خطوط لکھ لکھ کر کوفہ بلایا تھا پھر مصیبت میں آپ کا ساتھ چھوڑ دیا تھا، حضرت مسلم اور ان کے دو صاحبزادوں کے خون سے اپنا ناپاک ہاتھ رنگنا غداری بے وفائی کی بہت ہی المناک گھناؤنی تاریخ ہے، جس کے حرف حرف سے مکروفریب کی بدبو پھیلتی ہے۔ تعزیہ داری، ماتم اور مرثیہ خوانی نے غم حسین کو ایسا رنگ دیدیا ہے کہ محرم الحرام کا یہ واقعہ کرب والم، ایک جشن بنادیا گیا ہے من گھڑت واقعات کو اشعار میں بیان کرکے مرثیہ خوانی سے خانوادۂ رسالت اور اہل بیت کی نعوذ باللہ تحقیر ہوتی ہے۔ کاشانہ نبوت اور حرم حسین کی پاکیزہ صفات پاک دامن عفت مآب خواتین کو سینہ کوبی اور آہ وبکا کرتے ہوئے دکھایا جاتا ہے نوحہ کرتے روتے بلکتے چاک گریباں کرتے اور بالوں کو نوچتے چلاتے دکھایا جاتا ہے۔ ہندوستان میں چھٹی صدی ہجری تک گریہ ماتم کا کہیں وجود نہیں ملتا۔

عاشوراء میں امن کیسے قائم ہوگا؟

محرم الحرام کے لیے وسیع پیمانے پر ماسٹر پلان ترتیب دیا گیا، رینجرز کو ہائی الرٹ کیا گیا، ڈبل سواری پر پابندی لگادی گئی۔ یکم محرم الحرام کو اہالیان کراچی و کوئٹہ سے موبائل فون کے استعمال کا حق بھی چھین لیا گیا، وزیر داخلہ نے تو موٹر سائیکل چلانے پر بھی پابندی عائد فرمادی تھی، وہ تو بھلا ہو سندھ ہائی کورٹ کا جس نے اس پابندی کو معطل کردیا۔ پلان پر عمل درآمد کے طریقے وضع کرنے کا سلسلہ جاری تھا کہ عباس ٹاؤن میں موٹر سائیکل بم بلاسٹ کا واقعہ پیش آیا۔ یہ دیکھ کر تو ہمارے وزیر داخلہ صاحب کی گویا باچھیں کھل گئیں، انہیں موٹر سائیکل سواری پر پابندی لگانے کی قوی دلیل مل گئی تھی، سو سندھ پولیس نے رٹ دائر کردی کہ یوم عاشوراء کے اختتام تک موٹر سائیکل سواری پر پابندی لگادی جائے، اب قرار پایا کہ جہاں مجالس ہوتی ہیں وہاں پانچ سو میٹر تک موٹر سائیکل سواری پر پابندی ہوگی۔ ابھی یوم عاشوراء میں کئی دن باقی ہیں، دیکھتے جایئے، اور کیا کیا عالم ظہور و شہود میں آتا ہے۔ ہمیں محرم الحرام کی ان تیاریوں کو دیکھ کر ایک لطیفہ نما واقعہ یاد آگیا، جو استاد محترم علامہ ڈاکٹر عتیق الرحمن شہید کی کسی کتاب میں پڑھا تھا، لیجیے، آپ بھی ملاحظہ فرمایئے:

ایک مجذوب ستر پوشی کے تکلفات سے عاری دنیا ومافیھا سے غافل استغراق کے

عالم میں پڑا ہوا تھا۔ معتقدین کا جمگھٹا لگنے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے بوڑھے ، جوان ، خواتین و نوعمر سب ہی قسم کے معتقدین کا جم غفیر جمع ہو گیا، کچھ '' بنیاد پرستوں'' نے ستر پوشی کا مسئلہ اٹھا دیا۔ چندہ جمع کیا گیا اور ایک خوبصورت سا لنگوٹ بنوا کر مجذوب بابا کی ستر پوشی کر دی گئی ۔ بابا کے آستانے پر دیگیں اترنے لگیں اور لنگر جاری ہو گیا، جب کبھی استغراق کے عالم سے باہر آتے تو کچھ نوالے ''بابا' کے حلق سے بھی نیچے اتار دیئے جاتے۔ بابا سے زیادہ خدام کو اپنی فکر رہتی اس لئے وہ کچھ زیادہ ہی مجذوب کی دیکھ بھال کرنے لگے ۔ایک دن کھانا کھاتے ہوئے سالن کے کچھ قطرے لنگوٹ پر گر گئے ، اس روز تو چوہوں کی عید ہو گئی اور لنگوٹ مچھر دانی کا سماں پیش کرنے لگا۔ معتقدین کو فکر لاحق ہوئی کہ چوہے کہیں حدود سے زیادہ آگے نہ نکل جائیں ۔ چنانچہ ان ''دہشت گردوں'' سے نمٹنے کیلئے ایک بلی پالی گئی ۔ بلی کیلئے دودھ درکار تھا، اس مقصد کیلئے ایک بکری پالی گئی ، بکری کی دیکھ بھال کیلئے ایک گڈریا رکھا گیا اور اس طرح زندگی کی گاڑی اپنی منزل کی طرف رواں رہی ۔ ایک دن گڈریا کسی کام سے گیا ہوا تھا، بکری بھوک کے مارے چلانے لگی ،بلی نے بھی دودھ کے انتظار میں میاؤں میاؤں کرکے ایک عجیب سماں برپا کر دیا۔ بابا کے استغراق میں خلل پیدا ہوا اور نیم وا آنکھوں سے اس ''چڑیا گھر'' کو تعجب کے ساتھ دیکھتے ہوئے آہستہ آہستہ لب ہلانے لگے جیسے کچھ کہنا چاہتے ہوں ۔ معتقدین گوش برآواز تھے ، کانوں کو ہونٹوں کے قریب کرکے بات سمجھنے

کی بھرپور کوشش کی گئی، معلوم ہوا کہ بابا پوچھ رہے ہیں ''یہ سب کیا ہنگامہ ہے؟'' جواب ملا یہ بکری آپ کے وسیع تر مفاد کیلئے پالی گئی ہے، اس کا دودھ بلی کو پلایا جاتا ہے۔ پھر اب بلے، پوچھا ''بلی کس لئے پالی گئی ہے؟'' جواب ملا چوہوں کو مارنے کیلئے۔ چوہے کہاں سے آئے۔'' جواب ملا آپ کے لنگوٹ کو کاٹ کر سوراخ کر دیتے ہیں۔'' بابا نے لنگوٹ کھول کر ایک طرف پھینکتے ہوئے کہا'' یہ سب مصیبت اس لنگوٹ کی وجہ سے آئی ہے۔''

آپ بھی شاید مجھ سے اتفاق کریں کہ فرقہ واریت کا لنگوٹ پاکستانی مجذوب کو اس طرح پہنا دیا گیا کہ اودھ کے نوابوں اور رانیوں کی رسوم ورواج کو قانونی شکل دے دی گئی۔ عاشورہ پر ذلدل وماتمی جلوس کا سڑکوں اور گلیوں سے گزارنا انتہائی ضروری ہے، لہٰذا سال بھر میٹنگیں چلتی ہیں کہ یہ تمام رسوم ورواج امن سے سرانجام پاجائیں۔ حکومت پاکستان ایک محرم کے بعد دوسرے محرم کی تیاری میں لگ جاتی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان بنا ہی اسی مقصد کیلئے تھا اور یہی دوقومی نظریہ کی بنیاد ہے، اگر محرم میں ایک مخصوص فرقے کی رسوم ورواج ادا نہ ہو سکیں تو پاکستان اقوام عالم کی دوڑ میں بہت پیچھے رہ جائے گا، جدید ٹیکنالوجی اور ایٹمی توانائی کے حصول سے ہم محروم رہ جائیں گے۔ سرکاری اور نجی اداروں اور افراد کے ذریعے جس قدر اخراجات اس فرقہ وارانہ لنگوٹ کے تحفظ پر خرچ کئے جاتے ہیں اگر ان کا تخمینہ لگایا جائے تو

کروڑوں نہیں اربوں کے حساب سے ہوگا اور اگر ایک منصوبہ بندی کے تحت یہی رقم قومی اور ملکی مفادات کیلئے صرف کی جائے تو چند سالوں کے اندر طب وصحت، مواصلات و تعلیم اور غربت جیسے مسائل کو نہایت خوش اسلوبی سے حل کرکے ملک کو ترقی کی شاہراہ پر گامزن کیا جاسکتا ہے، مسئلہ صرف لنگوٹ اتار کر پھینکنے کا ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں میں اگر کوئی چیز نقطہ اتحاد بن سکتی ہے تو وہ دین اسلام ہے۔ تمام مسلمان اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، حضور اکرم کی ختم نبوت، انبیائے کرام کی معصومیت اور صحابہ کرام، اہل بیت عظام، ازواج مطہرات کی عقیدت ومحبت اوران کے نقش عمل کونشان منزل بنانا ہے۔ بالخصوص آخرالذکر چیز یعنی صحابہ کرام، اہل بیت عظام ازواج مطہرات کی عقیدت ومحبت مسلمانوں کے لیے اس حوالے سے زیادہ اہمیت کی، حامل ہے کہ یہ شخصیات وحی ونبوت اور ہمارے درمیان ایک رابطہ پل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ وہ گواہ ہیں جن کی گواہی پر دین اسلام کی عمارت قائم ہے۔ ان کو مجروح کرنادر حقیقت دین اسلام کی عمارت کوڈھانے کے مترادف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مصر نے اس بات کو اپنے آئین کا حصہ بنادیا ہے۔ یہ آوازیں مسجد نبوی وحرم کعبہ سے بلند ہوتی رہتی ہیں۔ صحابہ کرام کی غلامی ہی وہ نکتہ ہے جس پر اسلام دشمن قوتوں اور اسلام پسندوں میں افتراق ہے، گویا صحابہ ہی وجہ امتیاز ہیں۔ اگر امت مسلمہ اس بات پر آجائے کہ تمام

اصحاب واولادوازواج پیغمبر ہمارے ماتھے کا جھومر اور سروں کا تاج ہیں، توافتراق وانتشار کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔ کیوں کہ دوسرے امور میں امت الحمدللہ متفق ومتحد ہے، جیساکہ شاعر مشرق علامہ محمد اقبال نے فرمایا ہے:

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہے سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟

حاصل یہ کہ امت مسلمہ میں اتحاد واتفاق پیدا کرنے کا راستہ یہی ہے کہ سب اس قدر مشترک پر اکٹھے ہو جائیں کہ تمام اصحاب واولادوازواج پیغمبر ہمارے ماتھے کا جھومر اور سروں کا تاج ہیں۔ کیا محرم الحرام کے لیے ماسٹر پلان ترتیب دینے والے اس جانب بھی توجہ دینا پسند فرمائیں گے؟

لاڈلوں کی تربیت کیجیے

خاتم المرسلین شفیع المذنبین رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنی اولاد اور گھر والوں کو خیر سکھاؤ اور باادب بناؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: اپنی اولاد کو تین چیزیں سکھاؤ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور ان کے اہل بیت کی محبت اور قرآن کریم کی تلاوت۔ حضور اکرم کی نصیحت ہے کہ ہم اپنی اولاد کی بہتر تعلیم وتربیت کریں، یہی ان کے لیے سب سے قیمتی تحفہ وعطیہ ہے، کیوں کہ ہر تحفہ ، ہدیہ اور جائیداد وغیرہ جو ہم اپنی اولاد کو دیں گی وہ اسی دنیاتک محدود اور ایک دن ختم ہوجائے گی، لیکن صحیح تعلیم وتربیت ایسی لافانی وباقی رہنے والی چیز ہے، جس کا فائدہ ہماری اور ہماری اولاد کی زندگی ہی تک نہیں ، بلکہ موت کے بعد بھی جاری رہے گا، کیوں اولاد کی تربیت سے کئی نسلوں کی تربیت وابستہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی صادق نے اچھی اولاد کو صدقہ جاریہ میں شمار فرمایا ہے۔ فقہائے کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ سن بلوغ کو پہنچنے سے پہلے بچہ جتنے بھی نیک اعمال کرتا ہے ان کا اجر اس کے والدین کو ملتا ہے، خواہ وہ اس کی نیت یا دعا کرے یا نہ کرے۔

اچھے زمانوں میں مسلمان کبھی اپنی اولاد کی درست اور دینی خطوط پر تربیت سے

غافل نہ رہے۔ کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ یہ اس قدر اہم فریضہ ہے کہ قیامت میں اس کے بارے میں باز پرس ہوگی کہ بچے کی کیا تربیت کی تھی؟

اس کی ایک جھلک ذیل کے واقعے میں دیکھی جا سکتی ہے: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''آپ بیتی'' میں لکھا ہے: '' جب میں چھوٹا بچہ تھا تو ماں باپ نے میرے لئے ایک چھوٹا سا خوبصورت تکیہ بنادیا تھا جیسا کہ عام طور پر بچوں کے لئے بنایا جاتا ہے مجھے اس تکیہ سے بڑی محبت تھی اور ہر وقت اسکو اپنے ساتھ رکھتا تھا ایک دن میرے والد صاحب لیٹنا چاہ رہے تھے انکو تکیہ کی ضرورت پیش آئی تو میں نے والد صاحب سے کہا کہ اباجی میرا تکیہ لے لیجئے یہ کہہ کر میں نے اپنا تکیہ انکو اس طرح پیش کیا جس طرح کہ میں نے اپنا دل نکال کر باپ کو دیدیا ہو۔ لیکن جس وقت وہ تکیہ میں نے پیش کیا اسی وقت والد صاحب نے مجھے ایک چپت رسید کی اور فرمایا: ابھی سے تو اس تکیے کو اپنا تکیہ کہتا ہے۔ مقصد یہ تھا کہ تکیہ تو درحقیقت باپ کی عطاء ہے لہٰذا اس کو اپنی طرف منسوب کرنا یا اپنا قرار دینا غلط ہے۔ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس وقت تو مجھے بہت بُرا لگا کہ میں نے تو اپنا دل نکال کر باپ کو دے دیا تھا اس کے جواب میں باپ نے ایک چپت لگادی، لیکن آج سمجھ میں آیا کہ کتنی باریک بات پر اس وقت والد صاحب نے تنبیہ فرمائی تھی اور اسکے بعد سے ذہن کا گویا رخ ہی بدل گیا''۔ اس قسم کی

چھوٹی چھوٹی باتوں پر ماں باپ کو نظر رکھنی چاہیے۔ تب جا کر بچے کی تربیت صحیح ہوتی ہے اور بچہ صحیح طور پر نکھر کر سامنے آتا ہے۔

مفتی اعظم بغداد علامہ آلوسی نے اپنی تفسیر میں فرمایا ہے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب میں وہ شخص ہوگا، جس نے اپنی اولاد کی تربیت میں کوتاہی کی۔ عرب دانش مندوں کا کہنا ہے: صرف وہ یتیم نہیں جس کا باپ مر جائے، بلکہ وہ بھی یتیم ہے جسے دینی علم وادب سے محروم رکھا گیا۔

مشہور ہے بچپن کی عادت، پچپن تک نہیں جاتی، اگر ہم نے اپنے بچوں کی درست تربیت کی تو وہ اپنی زندگی یہود و نصاریٰ کے طریقے سے نہیں بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کے طریقے سے گزاریں گے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ: ہم اپنے بچوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غزوات اور جنگیں اسی طرح یاد کرایا کرتے تھے جس طرح انہیں قرآن کریم کی سورتیں یاد کراتے تھے۔ یہ اسی تربیت کا اثر تھا کہ صحابہ کرام کی اولاد اسلامی تعلیمات، جراءت وشجاعت، ایثار ووفا، امانت ودیانت اور دینی غیرت وحمیت میں اپنے آبا کا عکس جمیل ثابت ہوئے۔

دور حاضر کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ہم اس جانب توجہ دینے کے لیے تیار ہیں

اور نہ ہی آمادہ۔اور اگر کسی کی اس جانب توجہ ہے بھی تو وہ اولاد کی تربیت اسلامی اصولوں کی بجائے مغربی طرز پر کر رہا ہے۔ جدھر دیکھیے، غیروں کی نقالی کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ یہ انداز تربیت زہر قاتل ہے۔ کیوں کہ ہم جس تہذیب پر آج کا مسلمان ریجھتا ہے، خود وہ مائل بہ خود کشی ہے، ایسی شاخ نازک پر بننے والے آشیانے کی پائیداری کی توقع رکھنا عبث ہے۔

جامعۃ الرشید کے ایک سالانہ پروگرام میں جناب اوریا مقبول جان نے بالکل بجا فرمایا: ہم اپنے بچوں اور نئی نسل کی تربیت وپرورش سے غافل ہیں۔ ہماری نے التفاقی نے انہیں میڈیا کے حوالے کر دیا ہے اور دجالی میڈیا ان کی منفی و مخرب اسلام واخلاق خطوط پر پرورش میں شیطان کی طرح دن رات ایک کیے ہوئے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہماری نئی نسل اپنے اسلاف کی درخشندہ روایات اور تابناک ماضی سے یکسر ناواقف ونابلد، بلکہ ان سے باغی وشاکی اور مغرب ویورپ کی مادر پدر آزاد تہذیب کی بدترین غلامی میں مبتلا ہے۔ اس کی وجہ ان کو ملنے والی صحبت ہے۔ ایک طرف عصری تعلیمی اداروں کا مغرب زدہ ماحول، اوپر سے میڈیا کے ذریعے دیا جانے والا سلو پوائزن۔ جس کے اثرات سامنے اور روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔

شیخ سعدی نے درست فرمایا: صحبت صالح ترا صالح کند، صحبت طالح ترا طالح کند، تا توانی دور شو از یار بد، یار بد بدتر بود از مار بد

یعنی انسان کو اچھی صحبت اچھا بناتی ہے اور بری صحبت برا بنا دیتی ہے، تم بری صحبت سے دور رہو اس لیے کہ برا دوست سانپ سے زیادہ ضرر رساں ہوتا ہے۔

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ جو اچھوں میں بیٹھے گا اللہ تعالیٰ اس کو اچھائی کی توفیق دیں گے ،اس کے برعکس جو بروں میں بیٹھے گا وہ خود بھی رفتہ رفتہ بُرا بنے گا۔ نئی پود میں کم سنی و کم فہمی کی وجہ سے چوں کہ اپنے اچھے برے کی پہچان کی صلاحیت نہیں ہوتی اس لیے ان کی زیادہ نگرانی کی ضرورت ہے۔ والدین کا فریضہ ہے کہ وہ بچے کے دوستوں پر نظر رکھیں۔ اسے بُری صحبت سے اور ڈش، وی سی آر، ویڈیو گیم،انٹرنیٹ و موبائل کے منفی و بے جا استعمال وغیرہ سے بچائیں۔ وہی والدین اولاد کی صحیح تربیت کر سکتے ہیں جو اس جانب ابتدا سے توجہ دیتے اور اولاد کی نگرانی کرتے ہیں۔ آج والدین اپنی اولاد کی نافرمانی کا شکوہ تو کرتے ہیں، مگر یہ نہیں سوچتے کہ اس میں اصل قصور ان کا اپنا ہے۔ اگر وہ بچوں کی درست تربیت کرتے، انہیں شروع سے دینی تعلیمات،اخلاقی اقدار، رشتوں کے تقدس اور اپنوں بے گانوں کے حقوق سے روشناس کراتے،بُری صحبت سے بچانے کا اہتمام کرتے، تو آج وہ بڑھاپے میں والدین کے لیے دردِ سر بننے کی بجائے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنتے، ان کی خدمت کرتے ، انہیں راحت پہنچاتے،ان کی نیک نامی کا ذریعہ بنتے۔ کیوں کہ اچھی فصل اچھے برگ وبار لاتی ہے اور جھاڑ جھنکاڑ کاشت کیے جائیں تو وہ ویسا ہی نتیجہ دیتے ہیں۔

آیئے! عزم کریں کہ ہم اپنی اولاد کو دجالی میڈیا کی بھینٹ چڑھنے نہیں دیں گے اور ان کی دینی خطوط اور صحیح نہج پر صحیح تربیت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین

انسداد پولیو مہم۔۔ تصویر کے دو رخ

ایک ہی دن کے دوران شہر قائد میں پولیو مہم سے منسلک ہیلتھ ورکرز پر پانچ مقامات پر حملے کراچی کی تاریخ کا انوکھا واقعہ ہی نہیں ،ایک بھیانک مستقبل کی بھی غمازی کر رہے ہیں۔ہیلتھ ورکرزاوروہ بھی خواتین ورکرز کی ہلاکتیں۔ان واقعات اور حملوں کے بعد عالمی ادارہ صحت نے حملوں پر صوبائی اور وفاقی حکومتوں سے پولیو ٹیم کو مناسب سیکورٹی فراہم کرنے کی درخواست کی ہے اور پولیو مہم کو مناسب سیکورٹی دینے تک بند رکھنے کا اعلان کیا ہے

یہ بلاشبہ ایک گریٹ گیم کا حصہ نظرآتا ہے۔اس واقعے سے ایک طرف تو بیرونی قوتوں کو ہمارے اندرونی معاملات میں مداخلت کاایک اور موقع ہاتھ آگیاکہ پاکستان میں ہمارے کارکن محفوظ نہیں، لہذا امریکا بہادر افغانستان وعراق کی طرح ایک نظرکرم اس ملک پر بھی فرمالے،دوسری طرف بے لگام میڈیا کو علمائے کرام ومذہبی طبقے کوبدنام کرنے کا موقع مل گیاکہ یہ تنگ نظر مولویوں کی پولیوکے خلاف فتویٰ بازیوں کاہی نتیجہ ہے،لہذاجن اداروں سے یہ تنگ نظر مولوی پیدا ہورہے ہیں وہ کسی رورعایت کے مستحق نہیں ان کا قافیہ تنگ کردواور تیسری طرف کراچی میں طالبانائزیشن کاواویلا کرنے والوں کو بھی ایک

بہانہ مل گیا، کہ ہم نہ کہتے تھے کراچی میں طالبان آ چکے ہیں، پولیو ٹیموں پر حملوں کے بعد اب بھی ہماری صداقت پر کوئی شبہ ہے؟ ان عوامی خدمت گاروں سے طالبان کے علاوہ بھلا کسے تکلیف ہو سکتی ہے۔ ان کے بڑے پولیو مہم کے خلاف ماضی میں بھی فتوے دے چکے ہیں۔ ان کے قائد ملا فضل اللہ کی ایف ایم ریڈیو سٹیشن پر پولیو ویکسین کے خلاف تقاریر کی وجہ سے ماضی قریب میں خیبر پختونخواکے قبائلی علاقوں سے تعلق رکھنے والے عوام کی ایک بڑی تعداد نے اپنے بچوں کو قطرے پلانے سے انکار کر دیا تھا۔ اسی طرح گزشتہ سال کمانڈر حافظ گل بہادر نے، امریکی ڈرون حملوں کے خلاف بطور احتجاج خیبر پختونخواہ کے شمال مغربی قبائلی علاقے وزیرستان میں پولیو کے قطرے پلانے پر پابندی عائد کردی تھی۔ تینوں طبقے اس واقعے کو اپنے مفاد میں استعمال کریں گے اور سب کا مشترکہ ہدف علمائے کرام ہوں گے۔

ہمارے عوام کا حافظہ ویسے ہی کمزور ہے اور دوسری طرف سی این جی، لوڈشیڈنگ، مہنگائی وبدامنی جیسے بحرانوں نے ان کو دماغی وذہنی طور پر ویسے بھی مفلوج
کر رکھا ہے، سو ہر ڈفلی بجانے والا اپنی ڈفلی بجائے گا اور ہمارے عوام آنکھیں بند کیے ان کے پیچھے محو رقص ہوں گے۔ عوام نہ تو یہ جاننے کی زحمت گوارا کریں گے اور نہ ہماری ایجنسیاں یہ بتانے کی، کہ حملہ آور کس کے آلہ کار ہیں۔ اگر ان کے جسموں پر ٹیٹو کے واضح نشان بھی نظر آ گئے یا وہ غیر مختون بھی ہوئے تب بھی

کہا جائے گا حملہ آور طالبان تھے اور اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر ستم یہ ہوگا کہ کوئی احسان اللہ احسان ان تمام واقعات کی ذمہ داری بھی قبول کرلے گا، جیسا کہ اب تک ہوتا آ رہا ہے اور جب تک ملک عزیز سے ایف آئی اے، را، موساد اور خاد جیسی بیرونی ایجنسیوں کا عمل دخل ختم نہیں کیا جائے گا یہی ہوتا رہے گا۔ گستاخی معاف، ایسے واقعات میں ملوث غیر ملکی ایجنسیوں کو ''کلیئر سرٹیفکیٹ'' دینے کے لیے ہمارے محترم ملک صاحب کافی ہیں، جن کا شاید کام ہی یہی ہے۔ میڈیا کی کالی بھیڑیں اس حقیقت کو بھی سامنے نہیں لائیں گی کہ پولیو مہم کی دینی ومذہبی طبقے کی جانب سے آج تک مخالفت نہیں کی گئی ہے، جس کا واضح ثبوت وہ فتویٰ بھی ہے جو عالمی ادارہ صحت و خیبر پختونخوا حکومت کی درخواست پر جید علما نے ایک کانفرنس میں دیا تھا کہ پولیو کے قطرے پلانا غیر شرعی عمل نہیں ہے۔ رہا ملا فضل اللہ یا گل بہادر جیسے لوگوں کا فعل، تو وہ کسی اعتبار سے بھی وطن عزیز بلکہ صوبہ خیبر پختونخوا حتیٰ کہ وزیرستان کے لوگوں میں بھی کوئی ایسی مسلمہ دینی وعلمی حیثیت نہیں رکھتے کہ عوام ان کی بات کو اپنے حق میں فتوے کی حیثیت دیں۔ ہم پوری ذمہ داری سے یہ بات کہتے ہیں کہ پولیو ہو یا کوئی اور ویکسینیشن، اس حوالے سے ہمیشہ تصویر کا ایک رخ ہی سامنے لایا گیا ہے اور دوسرے رخ کو دانستہ نظرانداز کیا گیا ہے۔ حالاں کہ مغربی ممالک کے بڑے عالی دماغ دانشوروں نے

ویکسینیشن کے حوالے سے بڑے واضح و غیر مبہم انداز میں اپنے تحفظات کا اظہار کیا ہے جن کا لب لباب یہ ہے کہ ویکسینیشن کے بعد ان امراض سے متاثرہ مریضوں کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے، جب کہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ان امراض کا قلع قمع ہو جاتا۔ ہم صرف دو مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں۔

اول: کیلی فورنیا کے ماہر امراض اطفال ڈاکٹر برنارڈ گرین برگ نے کانگریس کو بتایا تھا کہ امریکا کی چھے ریاستوں میں پولیو ویکسین کے متعارف کرائے جانے کے ایک برس بعد پولی کیسز میں اضافہ ریکارڈ کیا گیا ہے۔

دوم: گزشتہ دہائی کے دوران پاکستان میں پولیو کے اضافے کی شرح تیزی سے بڑھی ہے۔ سن 2011 کے دوران پاکستان میں ایک سو اٹھانوے بچے پولیو سے متاثر ہوئے، جب کہ سن 2010 میں یہ تعداد ایک سو چوالیس تھی۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا یہ ویکسین پولیو کا خاتمہ کر رہی ہے یا اس میں اضافہ؟ بی بی سی نے ایک سروے کے دوران ان والدین سے ملاقات کی جن کے بچوں کو ویکسینیشن کے بعد پولیو ہوا اور وہ معذور ہو گئے۔ اس کے قبل وہ بالکل تندرست تھے۔ ان والدین میں ضلع کرک کے خیال الدین بھی شامل تھے، جن کا چھوٹا بیٹا زائد المیعاد ویکسین کے استعمال کی وجہ سے پولیو کا شکار ہوا، پولیو کے قطرے پلانے کے بارہ دن بعد اس کے جسم کا آدھا حصہ مفلوج ہو گیا، اب نہ وہ بول سکتا ہے اور نہ ہی چل پھر سکتا ہے۔ ایسے مزید کیسز بھی ریکارڈ کیے گئے ہیں اور اس نوع کا ایک مقدمہ لاہور ہائی کورٹ

میں دائر بھی کیا جاچکا ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ پولیو ٹیموں اور عالمی ادارۂ صحت کے پاس ان بچوں کا جوان کی تیغ ستم کا نشانہ بنے، کوئی علاج بھی نہیں ہے۔

پولیو مہم کو مجاہدین کے خلاف جاسوسی کے لیے بھی استعمال کیا جاچکا ہے۔ ڈاکٹر شکیل آفریدی کی جعلی ویکسینیشن مہم کے ذریعے القاعدہ رہنما اسامہ بن لادن کو ڈھونڈنے میں سی آئی اے کی معاونت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔

قارئین کرام! خطرناک امر یہ بھی ہے کہ جو تنظیم دنیا بھر میں ویکسینیشن کے انتظامات کرتی ہے، اس کے ممبران میں یہودی بل گیٹس بھی شامل ہے، اس نے اس کار خیر کے لیے اپنی خطیر آمدنی وقف کر رکھی ہے، یہی شخص دنیا بھر میں فیملی پلاننگ واسقاط حمل کے پروگراموں کا بھی سرخیل ہے۔ آپ سمجھ گئے ہوں گے ہم آپ کو کیا بتانا چاہتے ہیں۔ یہ محض ایک تخمینی بات نہیں بلکہ اس بات کے ٹھوس ثبوت بھی موجود ہیں کہ تمام ویکسینوں میں ایسے وائرس شامل ہیں جو افزائش نسل کی صلاحیت کو متاثر کرتے ہیں۔ اس نوع کا انکشاف منرل واٹر بوتلوں کے حوالے سے بھی ہو چکا ہے۔

قصہ کوتاہ، اس قدر نقائص وخطرات کے باوجود ہمارے ملک میں ماہانہ بنیادوں پر یہ

مہم چلائی جاتی ہے اور صدر نامدار فرماتے ہیں ہم نے پاکستان کو پولیو فری ملک بنانے کا تہیہ کرلیاہے۔کاش وہ ملک کو بیرونی ایجنسیوں کی مداخلت سے پاک کر سکتے !اے بسا آرزو کہ خاک شدہ !! بایں ہمہ پاکستان دنیا کے ان چار ممالک میں شامل ہے جہاں کروڑوں روپے خرچ ہونے کے باوجود پولیو جیسے مرض کا مکمل خاتمہ نہیں ہو سکا ہے۔

میڈیا کا محاذ اور وقت کی پکار

صحافت'' عربی زبان کا لفظ ہے' جو'' صحیفہ ''سے ماخوذ ہے اور'' صحیفہ'' اس'' تحریری مواد کو کہتے ہیں جو وقتاً فوقتاً شائع ہوتا ہے' مثلاً اخبارات... پھر اخبارات میں روزنامے' تین روزے' ہفت روزے اور پندرہ روزہ اخبارات' اسی طرح رسائل و جرائد خواہ وہ پندرہ روزہ ہوں یا ہفت روزہ یا ماہنامہ یا تین یا چھ مہینے بعد جاری کیے جاتے ہوں' غرض یہ کہ لغت میں صحافت کا تعلق تحریری مواد سے ہے، لیکن اب اس کا اطلاق صرف تحریری مواد کے ساتھ خاص نہیں رہا بلکہ ہر قسم کے میڈیا پر، خواہ وہ پرنٹ میڈیا یعنی اخبارات 'رسائل و جرائد وغیرہ ہوں یا الیکٹرونک میڈیا یعنی ٹی وی چینلز' ریڈیو' انٹرنیٹ و کیبل وغیرہ ہوں یا سوشل میڈیا یعنی ٹویٹر، ویب سائٹس اور فیس بک وغیرہ، سب پر اس کا اطلاق کیا جاتا ہے۔اس تحریر میں بھی صحافت اور میڈیا کے الفاظ کے مصداق میں یہ تمام ذرائع ابلاغ داخل ہیں۔

صحافت یا میڈیا اپنے ماضی الضمیر کے اظہار ہی کا نہیں بلکہ اپنے قارئین و مخاطبین کے اذہان کو اپنے ماضی الضمیر کے مطابق ہموار کرنے کا ایک بہترین اور موثر ترین ذریعہ ہے، اسے عرف عام میں پروپیگنڈہ کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔یہی میڈیا ہے جو چاہے تو کسی فرد 'ادارہ یا جماعت کے قبول عام کی

معراج پر پہنچادے اور یہی میڈیا ہے جو اگر چاہے تو کسی فرد، ادارہ یا جماعت کو ناپسندیدگی کے تحت الثریٰ میں گرادے' ہیرو کو زیرو اور زیرو کو ہیرو بنانا میڈیا کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ میڈیا کا معاشرے پر اس قدر اثرو رسوخ ہے کہ لوگوں نے غیر محسوس طور پر اپنے اذہان کو میڈیا کے تابع کردیا ہے، دوسرے لفظوں میں لوگوں نے میڈیا کے ذہن سے سوچنا' میڈیا کی آنکھ سے دیکھنا اور میڈیا کے پیمانوں سے جانچنا اور پرکھنا شروع کردیا ہے۔

تاریخ کا طالب علم اس حقیقت سے بخوبی واقف و آگاہ ہے کہ 'گو کہ میڈیا صحافت' جرنلزم اور ماس کمیونیکیشن کی اصطلاحات بہت بعد میں ایجاد ہوئی ہیں' تاہم اس کا استعمال بہت پہلے سے بلکہ ابتدائے آفرینش سے تھا۔ اس کے آغاز کے حوالے سے کتابیں ہمیں بتاتی ہیں کہ 1897ء میں دنیا بھر کے تین سو یہودی مفکرین، دانشور اور عقلا جمع ہو کر جب پوری دنیا پر اپنے ''پایۂ استبداد'' کے قیام کے لیے سر جوڑ کر بیٹھے تو انہوں نے اس منصوبے کی تکمیل کے لیے جہاں سونے اور تیل کے ذخائر پر قبضہ کو ضروری قرار دیا، وہیں میڈیا کی ضرورت کو بھی بنیادی اہمیت دی۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کہ اس دن سے لے کر آج تک میڈیا بالخصوص الیکٹرونک میڈیا پر چند یہودی کمپنیوں کی اجارہ داری ہے جو دجال کی راہ ہموار کرنے کیلیے دجالی مقاصد و اہداف کو سامنے رکھ کر برسرپیکار ہیں۔

یہ میڈیا وار کا دور ہے۔ نائن الیون کے بعد سے بالخصوص اب جنگیں تیر و تفنگ اور ہتھیار و اسلحے کی بجائے میڈیا کے محاذ پر لڑی جا رہی ہیں' اب مقابلے حرب و ضرب کے میدانوں کے ذریعے نہیں بلکہ میڈیا و صحافت کے میدانوں میں ہو رہے ہیں۔ اب مقابلے میں ہار جیت کا مدار جنگی مہارت پر اتنا نہیں ' جتنا میڈیا کے پروپیگنڈے پر ہے۔ یہی میڈیا ہے' جو ایک بزدل قوت کو شیر نر اور ایک شیر کو گیدڑ ثابت کرنے کا ہنر رکھتا ہے۔ یہی میڈیا ہے جو پل بھر میں فاتح کو مفتوح اور مفتوح کو فاتح ثابت کر دکھاتا ہے۔ دور حاضر میں تو مستثنیات کے علاوہ وہ اندھیر مچی ہوئی ہے کہ الامان والحفیظ ! دورِ حاضر کے مفاد پرست صحافی اور میڈیا مالکان وکارندے اپنے جائز وناجائز مفادات کی خاطر اپنے قلم اور میڈیا کی طاقت سے جب چاہیں مجرم کو محرم اور محرم کو مجرم بنا سکتے ہیں۔ اسلام اس قسم کی صحافت کی آڑ میں بلیک میلنگ کی تو کسی طور اجازت نہیں دیتا،تاہم اس کے باوجود اسلام نے کبھی بھی صحافت اور میڈیا کی اہمیت سے انکار نہیں کیا۔ اسلام میڈیا کی ضرورت کو نہ صرف تسلیم کرتا ہے بلکہ اس کی اہمیت کو بھی اجاگر کرتا اور اس کے درست طریقے سے درست سمت میں استعمال کی حوصلہ افزائی بھی کرتا ہے۔ یہ بات '' دو جمع دو چار '' کی طرح واضح ہے کہ اسلام کا بنیادی مقصد اعلائے کلمۃ اللہ ہے' جس کے دو جز ہیں 1 ...احقاق الحق اور 2 ... ابطال باطل' اور اسلام ان دونوں محاذوں پر میڈیا کے استعمال کی ترغیب دیتا

ہے۔

میڈیاپر غیروں کے تسلط در تسلط کے باوجود اسلام ہمیں یہ درس دیتا ہے کہ اس صورتحال کو دیکھ کر کبوتر کی طرح آنکھیں موند لینا اور میدان غیروں کے لیے کھلا چھوڑ دینا بھی مسئلے کا حل نہیں ہے۔ اس صورت حال میں ردو قبول کے خود ساختہ معیاروں اور عزت و شہرت اور نفع و ضرر کے پیمانوں کو ایک طرف رکھ کر ''قطرہ قطرہ بہم شود دریا'' کے اصول کو سامنے رکھنے اور اس یلغار کی روک تھام اور اس کا رخ موڑنے کے حوالے سے اپنے ممکنہ کردار کو سامنے رکھنے کی ضرورت ہے' اس منہ زور گھوڑے کے مقابلے میں میدان چھوڑنے کی بجائے اپنی بساط بھر کوشش کرنا ہی وقت کا تقاضا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل اسلام نے شرعی حدود و قیود میں رہتے ہوئے میڈیا کے استعمال کی ہر دور میں حوصلہ افزائی کی ہے۔

اس وقت میڈیا کی لگامیں یہود و نصاریٰ کے ہاتھوں میں ہیں، یہ جب بھی، جہاں بھی، جس وقت بھی عالم اسلام پر کوئی بھی سازشی اور تخریبی یلغار کرنا چاہیں تو اس میڈیا کو شتر بے مہار کی طرح چھوڑ دیتے ہیں اور اپنی کوششوں میں تقریباً کامیابی سے ہمکنار بھی ہو جاتے ہیں، تو ایسی صورت میں اسلامی صحافت کی ضرورت و اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے۔ موجودہ دور میں میڈیا کے ذریعے ایسا پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ جس کے مقابلے میں اعلیٰ اخلاقی و ثقافتی اور تہذیبی و سیاسی قدروں، خوبیوں

اورافضل ترین افکاروآراء کی ادنی سی بھی اہمیت نہیں رہتی،ایسی صورت میں اسلامی
صحافت سے ہی یہ امید کی جاسکتی ہے کہ وہ اسلام کی اعلیٰ اخلاقی وثقافتی، تہذیبی اورسیاسی
قدروں اورخوبیوں کی نگہبانی کرے گااوراسلام کے خلاف ہرغلط پروپیگنڈہ کادندان شکن
جواب دے گا۔ہماری سماجی اورمعاشرتی زندگی پرمیڈیاکےاثرات غیرمعمولی، گہرے
اورہمہ گیرہیں،اسلامی صحافت مغربی یلغارکامقابلہ کرتے ہوئے اسلام کی اعلیٰ
بلندافکاروآرااورروشن پہلوؤں کوذکرکرکے سماجی اورمعاشرتی زندگی پراچھے اورگہرے
اثرات مرتب کرسکتاہے۔فحاشی اورعریانی کے سیلاب کی تندی وتیزی میں میڈیاسب
سے مؤثراوراہم کرداراداکررہاہے،جس کی وجہ سے مسلمانوں خاص طورپرنوجوان اورنئی
نسل کواسلام کی عملی وفکری، تہذیبی اوراعلی اخلاقی تشخص سے تہی دست کرنے کی
بھرپورکوششیں ہورہی ہیں۔اسلامی میڈیاہی سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ موجودہ
میڈیاکامقابلہ کرتے ہوئے پیغمبراسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ بالافرمودہ گرامی کی
بہترآبیاری کرے گااورفحاشی وعریانی کے سیلاب کے آگے مضبوط بندباندھے گا۔موجودہ
میڈیانام نہاداسلامی اسکالرزکے ذریعے شریعت کی روح کومسخ کرنے اورسادہ لوح
مسلمانوں کوگمراہ کررہاہے تواسلامی میڈیاہی ہے جوشریعت کی اصل روح
کوبرقراراورمسلمانوں کے دین وایمان کی حفاظت بدرجۂ اتم کرسکتاہے۔میڈیاحقائق سے
چشم پوشی کامرتکب ہورہاہے، خصوصاًان نہتے اورمظلوم مسلمانوں کی حالت زارسے
غیروں کے ہاتھوں ظلم کی چکی میں پس رہے

ہیں، اپنی آنکھیں بند کیے ہوئے ہیں تو اسلامی میڈیا ہی پر نگاہ انتخاب مرکوز ہو کر رہ جاتی ہے کہ ہر حال میں حقیقت شناسی سے کام لیکر مظلوموں کی آہوں اور سسکیوں کا اپنے تئیں مداوا کرے۔

اس امر سے انکار ممکن نہیں کہ ابھی اس میدان میں اہل اسلام کو بہت کچھ کرنا ہے، لیکن جو کچھ اور جتنا کچھ ہو رہا ہے وہ بھی بسا غنیمت ہے۔ بارش کا پہلا قطرہ بننے والے اداروں اخبارات و جرائد کی حوصلہ افزائی ہی مستقبل قریب میں چھم چھم برسات کی ' نوید ثابت ہو سکتی ہے۔ ہم اگرچہ ''باطل کا مقابلہ اس کے ہتھیاروں سے کرنے'' کے سرسیدی نظریے کے قائل نہیں ہیں، تاہم ساحران فرعون کی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا جامہ و پیراہن زیب تن کرنے کے فوائد و ثمرات بھی تاریخ کی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے۔

سنی شیعہ قتل وغارت، اسباب وسدباب

ملک میں 1979ء کے انقلاب ایران سے پہلے تک شیعہ سنّی حوالے سے تمام تر اختلاف کے باوجود قتل وغارت کی فضاء نہیں تھی۔اس حوالے سے پانچ بڑی کارروئیوں کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:

6 جولائی 1985ء کا واقعہ پہلی بڑی دہشت گردی ہے، یہ واقعہ کوئٹہ شہر میں پیش آیا تھا جس میں بے گناہ درجنوں سنی قتل ہوئے جن میں خواتین بھی شامل تھیں، نوجوان بچیوں کے سینے کاٹے گئے، مردوں کے سر قلم کرکے ان کے سروں اور جسم بجلی کے کھمبوں پر لٹکائے گئے۔اس وقت کے وزیر داخلہ محمد اسلم خٹک نے اعتراف کیا کہ ہم نے 231 کے قریب ایران سے تعلق رکھنے والے ''سپاہ پاسدران'' کے دہشت گردوں کو، جو اس سانحے میں ملوث ہیں، گرفتار کرلیا ہے اور اسلحہ بھی برآمد کرلیا ہے، مگر نتیجہ ڈھاک کے تین پات۔ گورنر بلوچستان موسیٰ خان، نے جو خود اسی گروہ سے تعلق رکھتا تھا،اسے اندرونی معاملہ قرار دے کرایک طرف تو وفاقی انکوائری کمیشن کے راستے مسدود کردیے اور دوسری طرف ان تمام افراد کو خاموشی سے رہا کرکے ایران بھیج دیا۔

دوسرا واقعہ 1986 کا ہے جب معروف سنی عالم دین علامہ احسان الٰہی ظہیر کو

ساتھیوں سمیت جلسے سے خطاب کے دوران ریموٹ کنٹرول بم دھماکے سے شہید کردیا گیا۔ حکومت نے دعوے تو بہت کئے مگر علامہ احسان الٰہی ظہیر اوران ساتھیوں کے قاتل تاحال تختہ دار تک نہیں پہنچائے جاسکے۔

تیسرا واقعہ 1988ء کا ہے جب معروف شیعہ عالم دین علامہ عارف حسین الحسینی کو نماز فجر کے لئے جاتے ہوئے امام بارگاہ کے دروازے پر نشانہ بنایا گیا ان کے قاتل بھی انجام تک نہیں پہنچائے جاسکے۔

چوتھا واقعہ 1990ء کا ہے جب معروف سنی عالم دین علامہ حق نواز جھنگوی کو ان کے گھر کی دہلیز پر بے دردی سے قتل کردیا گیا۔انہوں نے شہادت سے پہلے نماز جمعہ کے خطبے میں نہ صرف اپنے قتل کی سازش بلکہ تاریخ اور قاتلوں تک کی نشان دہی کردی تھی، لیکن نہ انہیں سیکورٹی فراہم کی گئی اور نہ ہی ان کے قاتلوں کو انجام تک پہنچایا جاسکا۔

پانچواں واقعہ 1991 کا ہے جب دوسرے معروف سنی عالم دین علامہ ایثار القاسمی کو انتخابات کے دوران جلسہ عام میں نشانہ بنایا گیا ان کے قاتلوں کو بھی انجام تک نہ پہنچایا جاسکا۔

ان پانچ واقعات میں حکومت وانتظامیہ کی سرد مہری بلکہ بے حسی سے قاتل کا

حوصلہ بڑھا اور یہ سلسلہ روز افزوں بڑھتا ہی چلا گیا۔ 1993ء میں اہل تشیع کے جذباتی نوجوانوں نے سپاہ محمد کے نام سے عسکری ونگ قائم کرکے باقاعدہ کاروائیوں کا آغاز کیا اور 1995ء میں اہل سنّت کے جذباتی نوجوانوں نے لشکر جھنگوی کے نام سے عسکری ونگ قائم کرکے باقاعدہ کاروائیوں کا آغاز کر دیا۔ اہل تشیع کی نمائندہ جماعت تحریک جعفریہ اور اہل سنت کی نمائندہ جماعت سپاہ صحابہ کی جانب سے بارہا مختلف فوروں پر برملا واشگاف الفاظ میں مذکورہ جماعتوں سے لاتعلقی کا اعلان بھی کیا جاتا رہا ۔یہ سلسلہ تاحال جاری ہے۔ اس کے باوجود حکومت وانتظامیہ ان جماعتوں کی کاروائیوں کو تحریک جعفریہ اور سپاہ صحابہ کے کھاتے میں ڈالتی رہی اور ''کرے کوئی اور بھرے کوئی اور'' کہ مصداق تمام نزلہ ان جماعتوں پر گرتا رہا۔ حکومت نے تمام تر وضاحتوں کو پس پشت ڈال کر ان عسکری ونگز کو نہ صرف پرامن اور دلائل کی زبان سے بات کرنے والی جماعتوں سے نتھی کیا بلکہ اس مفروضے کی بنیاد پر دہشت گردی تک کے الزامات عائد کئے، مقدمات بنائے، قید و بند کی صعوبتوں میں مبتلا کیا۔ خاص طور پر سپاہ صحابہ کے ساتھ یہ معاملہ بہت زیادہ رہا اور حکومت پروپیگنڈے کی وجہ سے تاحال یہ ذہن ہے لشکر جھنگوی اور سپاہ صحابہ ایک ہی ہیں۔ سنی شیعہ قتل و غارت گری کی روک تھام کے حوالے سے حکومت و انتظامی سطح پر ہمیں سنجیدہ کوششیں خال خال ہی نظر آتی ہیں اور جہاں کہیں ایسی کوئی سنجیدہ کوشش ہوئی بھی تو اسے نادیدہ قوتوں نے انجام تک پہنچنے سے پہلے ہی ناکام بنا دیا۔

اس سلسلے میں چیف جسٹس سید سجاد علی شاہ کا مذکورہ چاروں جماعتوں کی قیادت کو سوموٹوایکشن کے ذریعے طلب کرنا اور سب کا مؤقف سننا قابل ذکر ہے۔چیف جسٹس اس سلسلے میں کسی حتمی نتیجے پر پہنچنے ہی والے تھے کہ عدلیہ اور حکومت میں مصنوعی بحران پیدا کرکے چیف جسٹس صاحب کو گھر بھیج دیا گیا۔ان کے بعد آنے والے منصف اعلیٰ صاحبان میں سے کسی نے نہ تو از خود اس حوالے سے کوئی قدم اٹھایا اور نہ ہی ان فائلوں کی گرد جھاڑنے اور معاملے کو آگے بڑھانے کی ضرورت سمجھی۔ ہم اگر یہ کہیں کہ یہاں بھی انہی نادیدہ قوتوں نے کرشمہ دکھایا تو شاید غلط نہ ہوگا۔

چیف جسٹس سجاد علی شاہ کی جبری برطرفی نے گویا متحارب فریقین کے سفلی جذبات کو مہمیز دی اور 1999ء سے 2001ء تک دونوں طرف کے عوام و خواص کے قتل کا ننگا ناچ جاری رہا2001ء میں جنرل پرویز مشرف نے اس مسئلے کا حال یہی سمجھا کہ چاروں جماعتوں پر پابندی عائد کردی۔حالانکہ اس سے قبل جو چیف سیکرٹری سطح کی میٹنگیں ہوئی ان میں واضح کردیا گیا تھا کہ پابندی مسئلے کا حل نہیں بلکہ پابندی کی وجہ سے جب تنظیمی سرگرمیاں موقوف ہوجائیں گی جن کے ذریعے مثبت ذہن سازی ہوتی اور انتقامی جذبات کو قابو میں رکھا جاتا ہے تو اس کا فائدہ عسکری ونگز کو ہوگا اور پرامن کارکنان کی ایک بڑی تعداد بھی تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق ان سے جا ملے گی ۔بعد میں یہ خدشات درست بھی ثابت ہوئے قبل

ازیں 1990ء میں وزیر اعلیٰ پنجاب میاں محمد شہباز شریف کے کہنے پر سپاہ صحابہ کی قیادت نے لشکر جھنگوی سے کسی قسم کا تعلق نہ ہونے کے باوجود لشکر جھنگوی کے سربراہ ملک محمد اسحاق سے سینٹرل جیل ملتان میں ملاقات کی کہ ملک کے وسیع تر مفاد میں آپ قتل و غارت گری کا راستہ اختیار کرنے والے اپنے کارکنان کو سمجھائیں اس ملاقات میں ملک محمد اسحاق نے قتل و غارت کے خاتمے کیلئے تین مطالبات رکھے تھے جن میں پرامن لوگوں سے جھوٹے مقدمات کے خاتمے اور ان کی رہائی ،پڑوسی ملک سے آنے والے گستاخانہ لٹریچر کی ضبطی اور مرتکبین کی سزا اور آئندہ کیلئے اس حوالے سے قانون سازی کے مطالبات شامل تھے۔ مگر اس سلسلے میں کوئی عملی پیش رفت دیکھنے میں نہیں آئی۔ شاید یہاں بھی اس نادیدہ قوت نے اپنا کمال دکھادیا۔ وزیر اعلیٰ صاحب نے تحریک جعفریہ کی قیادت کو بھی سپاہ محمد کی قیادت کے پاس بھیجا تھا یا نہیں اور اس کا کیا نتیجہ نکلا یہ ہنوز پردہ خفا میں ہے ماضی کو ایک طرف رکھ کر وزیر اعلیٰ پنجاب میاں محمد شہباز شریف اب بھی ایسی کوئی سنجیدہ کوشش کر سکتے ہیں کیونکہ بادی النظر میں یہی محسوس ہوتا ہے کہ میاں صاحبان اس قتل غارت گری کے حوالے سے اپنے ہر دور اقتدار میں فکر مند رہے ہیں 1990ء میں میاں محمد نواز شریف نے اپنے دور وزارت عظمیٰ میں بھی اس حوالے سے کافی سرگرمی کا مظاہرہ کیا تھا اور طویل غور و خوض کے بعد دونوں طرف کے علماء و راہنما 20 نکات پر متفق بھی ہوگئے تھے اس طرح 1995ء میں اس حوالے سے سترہ نکات پر اتفاق رائے

ہوگیا تھا، وہ محترمہ بے نظیر بھٹو کا دور وزارت عظمیٰ تھا، نہ 1990ء والی متفقہ 20 تجاویز پر قانون سازی ہو سکی، اور نہ ہی 1995ء والے سترہ نکات پر۔شاید یہاں بھی انہی نادیدہ قوتوں کا جادو چل گیا اور شیعہ سنی قتل و غارت کے خاتمے کی کوئی سبیل نہ نکالی جا سکی۔

ہم یہاں محترم میاں صاحبان کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ علماء کرام نے ہر دور میں اس قتل و غارت گری کی نہ صرف مذمت کی ہے بلکہ اس کے مکمل خاتمے اور مسئلے کے حل کے لئے اپنی مخلصانہ خدمات بھی پیش کی ہیں ،ان کا دیا ہوا روڈ میپ اب بھی آپ کے سامنے موجود ہے، اور یہ اب بھی آپ جس فورم پر جب بلائیں آنے کیلئے تیار ہیں، تو آخر کیا وجہ ہے کہ آپ کوئی عملی قدم نہیں اٹھا رہے کیا آپ ان نادیدہ قوتوں کے دباؤ کا شکار ہیں، جو ہر مرتبہ ہر کوشش کو ناکام بناتی ہیں، اور حکمران اس کا ملبہ علمائے کرام کے سر تھوپ کر خود کو بری الذمہ سمجھنے لگتے ہیں 1997 میں میاں محمد شہباز شریف نے ایک اتحاد العماء بورڈ تشکیل دیا تھا، جس کی تجاویز کی روشنی میں ان کتابوں پر جن میں اصحاب ،و ازواج مطہرات، و اولاد رسول کی شان میں گستاخی کی گئی تھی، پابندی لگانے کا عملی آغاز بھی ہوگیا تھا، یہ سلسلہ دس بارہ کتابوں پر پابندی سے آگے نہ بڑھ سکا، آخر وہ کون سی قوت تھی جو اس راہ میں روڑے اٹکا رہی تھی ؟کیا حکومت کا فریضہ نہیں کہ وہ اس قوت کا تعاقب کرے اسے بے نقاب کرے، اس کے

مذموم عزائم کو ناکام بنائے، اس کا قانونی ہتھیار سے مقابلہ کرے، اسے عدالت کے کٹھرے میں لاکھڑا کرے، اور اس کے دباؤ کو ناکام بنائے، اگر ہے، تو حکومت اس حوالے سے تغافل بلکہ تجاہل عارفانہ سے کیوں کام لے رہی ہے؟

دیر بہت ہوچکی ہے، لیکن مہلت اب بھی باقی ہے، حکومت و عدلیہ نے اگر اس حوالے سے اب بھی عملی قدم نہ اٹھایا اور ہیجان انگیز گستاخ آمیز کتب، و رسائل اور تقریروں کا راستہ نہ روکا، تو مبادا اس ملک کی گلی گلی مقتل نہ بن جائے۔

مفتی سعود شہید

البیلا شہید

محترم عدنان بھائی کا پیہم اصرار بالآخر ہمارے انکار پر غالب آ چکا ہے۔ ہمارے تمام اعذار، جو اگرچہ اعذار مقبولہ کہے جا سکتے ہیں، اپنی وقعت کھو چکے ہیں۔ اس کی وجوہات میں سے ایک یہ احساس بھی ہے کہ ہم بھی اس بڑھیا کی طرح جو تھوڑا سا سوت کات کر لے آئی تھی کہ یہ یوسف کا مول اگرچہ نہیں بن سکتا، مگر یوں اس کا نام خریداران یوسف میں تو شامل ہو ہی جائے گا۔ ہم یہاں ''انگلی کاٹ کے شہیدوں میں شامل ہو جانے والے محاورے '' سے قصداً اغماض برت رہے ہیں کہ شہادت کوئی ہنسی کھیل نہیں ہے۔ تف ہے ان سیکولر و لادین لوگوں پر، جنہیں یوں تو مذہب سے اللہ واسطے کا بیر ہوتا ہے، مگر اپنے کتے کی موت مرنے والے راہ نماؤں کے لیے وہ ''شہید'' کا لاحقہ بڑی ڈھٹائی سے استعمال کرتے ہیں، کاش وہ جان سکتے کہ کہلانے سے کوئی شہید نہیں ہوا کرتا، بلکہ شہادت تو نام ہے بندے کی اس انتہائی قربانی کا، جو وہ اپنے رب کے حضور پیش کر کے شہادت حق کی گراں قدر ذمے داری سے سبک دوش ہوتا ہے اور نتیجے میں خلد بریں کی لازوال و بے مثال اور لافانی و دائمی نعمتوں کا عالم ارواح سے ہی مستحق قرار پاتا ہے۔ یہ رتبہ بلند کوئی کھیل تماشا نہیں، خوش قسمتی

اور سعادت کی آخری نشانی ہے، جو سعید روحوں کو ہی ملا کرتا ہے۔

مفتی سعودالرحمٰن شہید اسم بامسمّٰی تھا۔ سعود کے لفظ پہ غور کیجیے۔ یہ سعادت سے ہے۔ وہ سرتاپا سعادت کا مجسمہ و مرقع تھا۔ اس نے بڑی مختصر سی زندگی پائی۔ یکم جنوری 1986ء سے 5 مئی 2011ئ... فقط پچیس چھبیس برس، مگر اس دوران میں آپ سعود بھائی کے گرد ہمیشہ سعادت کا ہالہ دیکھیں گے۔ 2008ء تک اس کا شمار مہمانان رسول میں رہا، وہ مہمانان رسول جن کے قدموں تلے اعزاز و اکرام کے لیے نوری اپنے پر بچھایا کرتے ہیں۔ 2008ء سے اس کا شمار وارثان انبیا میں ہونے لگا۔ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام کے علمائے دعین متین میں، جن کو سرکار دو عالم نے انبیائے بنی اسرائیل کی طرح قرار دیا ہے، جن کو فضیلت میں یوں تشبیہ دی کہ جیسے میں محمد رسول اللہ تم صحابہ میں سے ادنیٰ صحابی کی بہ نسبت، جیسے چاند ستاروں میں، جیسے بینا نابیناؤں میں۔ قربان جاؤں سعود بھائی کے۔ ان کو فرعون وہامان اور شداد و قارون کی وراثت نہیں ان نفوسو قدسیہ کی وراثت ملی جن سے افضل واکمل، اطہر واشرف اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات میں سے کسی کو بنایا ہی نہیں۔ حاصل یہ کہ سعود بھائی ان میں سے تھے جن میں سے بننے کی محبوب رب العالمین رحمت للعالمین نے ترغیب دی ہے، فرمایا: عالم بنو یا متعلّم، خبردار! (تیسرا نہ بننا کہ ہلاک ہو جائے گا۔ (مشکوۃ

سعود بھائی کی پیشانی پہ خالق لم یزل نے سعادت لکھ دی تھی۔ یہ اسی کا ایک حسین اظہار تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دور طالب علمی سے ہی دور حاضر کے افضل الجہاد ''کلمہ حق'' کے لیے قبول فرمالیا۔ اس جہاد کے لیے جس میں شرکت موت کے پروانے پر دستخط کرنے کے مترادف ہے۔ جو شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے۔ جو پھولوں کی سیج نہیں کانٹوں کا بستر ہے۔ جہاں اپنوں کی ملامتیں بھی قدم قدم پر استقبال کے لیے موجود ہوتی ہیں اور پرایوں کے تیر و نشتر بھی۔ ہاں ہاں! اصحاب و ازواج رسول کی عزت و ناموس کی نگہ بانی، جسے اچھے اچھے دیوانگی قرار دیتے ہیں اور کنی کتراتے ہیں۔ یہ کتنا بڑا جہاد ہے اس کا اندازہ لگانا ہو تو باطل کے تیروں کے رخ کو دیکھیے، کہ محدث نبیل حضرت مولانا محمد یوسف بنوری نے اہل حق کی یہی علامت بیان فرمائی تھی، بلکہ ان سے بہت پہلے امام ابن تیمیہ حرانی نے بھی یہی ارشاد فرمایا تھا کہ حق کو دیکھنا ہو تو باطل کے تیروں کو دیکھو کہ اس کا رخ کس کی طرف ہے، اس کا سب سے بڑا ہدف کون ہے؟ یہاں تو معاملہ صرف باطل کے تیروں کا نہیں اپنوں کے نشتروں کا بھی ہے۔ عیاں را چہ بیان، اصیل را اشارہ کافی است۔ سعود الرحمٰن کو اللہ تعالیٰ نے اس عظیم سعادت کے لیے بھی قبول فرمالیا۔ اس نے اپنے تعلیمی اوقات سے بچ جانے والا وقت اس شغل عزیز کی نذر کر دیا۔ اس نے اس میدان میں بھی کامیابی کے وہ وہ سنگ میل عبور کیے جو بڑے بڑوں کے لیے بھی مثل اک خواہش ناتمام ہوا کرتے ہیں۔ سپاہ صحابہ اسٹوڈنٹس، اسلامک اسٹوڈنٹس موومنٹ اور پھر مسلم اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن کے پلیٹ

فارم سے دفاع اسلام واستحکام پاکستان کی جدوجہد بھی کی اوراہل سنت والجماعت کے نظم کا حصہ بن کر دور حاضر کے سب سے بڑے طاغوت کی بھی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے للکارا کہ لاشیں گرا کر، سہاگ اجاڑ کر، خاک وخون کا ابلیسی کھیل رچا کر اور آتش وآہن برسا کر یہ نہ سمجھ لینا کہ حق مٹ جائے گا، حق کہنے والے دب جائیں گے... نہیں نہیں، تیرے پاس تیر بہت ہیں تو ادھر سینے بھی بہت ہیں۔ جھنگوی کا پاک خون وہ بیج بو گیا ہے جس کو کوئی برگ وبار لانے سے نہ روک سکا ہے اور نہ ہی روک سکے گا۔ فاروقی کی قربانی عنداللہ وہ مقبولیت حاصل کر چکی ہے کہ اس کی آواز کو منزل سے ہم آہنگ ہونے سے نہ کوئی روک سکا ہے اور نہ ہی روک پائے گا۔ ایثار کی جواں شہادت اپنے جیسے لاکھوں جوانوں کو ایثار وقربانی کی راہ دکھا چکی ہے۔ اعظم کی للکار جب تک کفر کے ایوان باقی ہیں ان ایوانوں کے سر ودیوار ہلاتی رہے گی۔ حیدری کے روحانی فرزند اس کفرودجل سے تقیے کا نقاب نوچتے اور اس کی قبا تار تار کرتے رہیں گے، تاآں کہ اسے آئین پاکستان کے ذریعے لوہے کی لگام نہ پہنا دیں۔

سعود بھائی کے پاس وقت تھوڑا تھا اور کام بہت، سوانھوں نے سالوں کے فاصلے مہینوں میں اور مہینوں کے ہفتوں میں طے کیے۔ مشن حقہ کی آبیاری میں وہ ہر انتہا سے آگے گزر جانے کا ولولہ صادق رکھتے تھے۔ ان کے پاس وقت تھوڑا تھا سو کبھی کبھی وہ ڈسپلن کی پاس داری کو بھی وقت کا ضیاع سمجھ کر نماز میں اس کی خلاف ورزی بھی

کرجایا کرتے تھے، مگراس کے پیچھے چھپی مخلصانہ اسپرٹ سے قائدین چوں کہ واقف وآگاہ تھے، سووہ درگزر کردیا کرتے تھے کہ شہزادہ ہے اور شہزادے بھلاکب اصولوں کے پابند ہوتے ہیں۔اس کے باوجودانھوں نے حتی الوسع جماعتی ڈسپلن کی ہمیشہ پابندی کی اوراپنے ہم رکاب ساتھیوں کو بھی یہی درس دیا۔ سعود بھائی کی کس کس

اداکاذکر کیاجائے،ان کی ہراداانرالی تھی،خلاق عالم نے ان کی اس انفرادیت کی تادم آخرلاج رکھ لی اوروہ شہید بھی بڑے منفرد ٹھہرے،انہیں شہید ناموس اصحاب رسول کے ساتھ ساتھ ایک اورانفرادیت بھی عطاہوئی اوروہ ہے شہید حرمین ہونے کی۔امام احمد بن حنبل نے کسی موقع پرفرمایاتھاکہ ہم کون ہیں ؟اس کی گواہی ہماراجنازہ دے گا،سوسعود بھائی کاعنداللہ کیامقام تھااس کی گواہی لینی ہوتواس ٹھاٹھیں مارتے انسانوں کے سمندرکودیکھ لیجیے،جس میں دیوبندی،بریلوی اوراہل حدیث ،اپنے اوربیگانے سب ہی تھے اورآج وہ سب سعود بھائی کی عظمت کی گواہی دے رہے تھے۔ سعود بھائی تیرے کیاکہنے،توواقعی البیلاتھا۔

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

اللہ تعالیٰ مفتی سعودالرحمٰن شہید سمیت تمام شہدائے ناموس اصحاب رسول کی قربانی قبول فرماکراسے مشن حقہ کی تکمیل کاذریعہ بنائے رکھے اورہم آپ سب کوتادم آخراس مشن سے وابستہ رہنے کی توفیق اوراسی پرنثار ہونے کی سعادت عطافرمائے۔آمین

نوید! تم کہاں ہو؟

نوید کا تعلق نوشہرو فیروز کے ایک خوش حال میمن گھرانے سے تھا۔ وہ لیاقت میڈیکل کالج (LMC) جامشورو میں ملازم تھا۔ اس کی عمر یہی کوئی پچیس برس ہو گی۔ اس کے دوستوں میں اس کے اسٹیٹس کے ایلیٹ کلاس سے تعلق رکھنے والے نوجوانوں سے زیادہ تعداد ان نوجوانوں کی تھی، جو نسبتاً غریب گھرانوں سے تعلق رکھنے والے تھے۔ وہ ان کے کام آتا تھا، ان کی مالی مدد کرتا تھا اور تصدقات و خیرات کے علاوہ اگر کسی کو بڑی رقم کی ضرورت ہوتی تھی تو وہ بھی بطور قرض حسن دے دیا کرتا تھا۔ وہ جب بھی ویک اینڈ پر گھر آتا تو اس کی زبان پر اکثر اپنے انھی ضرورت مند دوستوں کا تذکرہ رہتا تھا، نوید اپنے والد اور بھائیوں سے ان کے لیے رقم بھی لیتا رہتا تھا، یوں اس کے گھر والے بھی انھیں جاننے لگ گئے تھے۔

وہ ستمبر 2013 کے اواخر کی بات ہو گی کہ نوید ویک اینڈ پر گھر نہیں آیا، اس کے گھر والوں نے ایک دن انتظار کے بعد اس سے راابطہ کرنے کی کوشش کی تو اس کے نمبر بھی بند جا رہے تھے، انھوں نے اس کے دوستوں سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تو وہ بھی کوئی واضح جواب نہ دے سکے۔ ان کی تشویش لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جا رہی تھی۔ نوید کا کوئی اتا پتا نہیں تھا، سو وہ ایل ایم سی آئے، انتظامیہ سے ملے، نوید کے

روم میٹ ساتھیوں سے معلوم کیا،اس کے دوستوں سے پتا کرنے کی کوشش کی، مگرسب بے سود۔نوید کہاں گیا؟آخراس سجیلے نوجوان کو،جو اپنوں پرایوں سب کی آنکھ کاتارا تھا،زمین کھا گئی یاآسمان نگل گیا؟ان کو مختلف وسوسے گھیرنے لگے، بالآخرانھوں نے تھانے میں نوید کی گم شدگی کی ایف آر درج کرائی اور واپس آ گئے،اس کے علاوہ وہ کر بھی کیا سکتے تھے۔ورد وظائف، نوافل ودعاؤں، صدقات وخیرات اورشب وروز کی تگ ودو کا سلسلہ جاری تھا کہ چند دن بعد پولیس نے ان سے رابطہ کیا کہ ایل ایم سی کے باہرایک لاش ملی ہے،آکردیکھ لیں، کہیں وہ نوید کی نہ ہو۔یہ وہاں گئے،انھوں نے لاش کو دیکھا،لاش بری طرح مسخ تھی،انھوں نے اسے پہچاننے کی بساط بھر کوشش کی مگرانھیں اس لاش میں اپنے پیارے کی خوش بو تک محسوس نہ ہوئی۔بھلا باپ اور بھائی، اپنے پیارے کو، جسے پالاپوسا، جوان کیا، نہ پہچانیں گے، سوانھوں نے کہاکہ یہ نوید کی لاش نہیں، چنانچہ پولیس نے وہ لاش لاوارث قرار دے کرایک رفاہی ادارے کے سپرد کردی جنھوں نے اس کی تجہیز وتکفین کردی۔وہ بے نیل ومرام واپس لوٹ آئے۔ابھی چند ہی دن گزرے تھے کہ پولیس کی پھرکال آ گئی۔یہ امید وبیم کی کیفیات لے کر حاضر ہوئے توان کی ملاقات نوید کے انھی دوستوں سے ہوئی، جن کے غم میں وہ گھلتا رہتا تھا۔وہ لاک اپ میں تھے اوراقرار واعتراف کررہے تھے کہ نوید کو ہم نے ہی قتل کیاہے اوریہ کہ اس روزایل ایم سی کے باہر سے ملنے والی لاش اسی کی تھی۔اف اللہ! نوید کے والداور بھائی پر توگویا آسمان ٹوٹ پڑا تھا۔ہم دردی وغم خواری کا یہ صلہ۔غریب

پروری کا یہ بدلہ۔

غم زدہ باپ کے منہ سے صرف اتنا ہی نکل سکا: آخر تم نے میرے بیٹے کو کیوں قتل کیا، اس نے تمھارا کیا بگاڑا تھا؟

ہم نے اس سے بھاری قرض لے رکھا تھا، جسے ہم ادا نہیں کر سکتے تھے، اس لیے ہم نے اسے قتل کر دیا۔ نوید کے دوست، جواب قاتل کے روپ میں نوید کے ورثا کے سامنے تھے، انھوں نے بڑی بے پرواہی سے یہ عذر گناہ پیش کیا تھا، جس میں حقیقت سے زیادہ بناوٹ جھلکتی تھی۔ پولیس کا اصرار تھا، صاحب! یہی قاتل ہیں آپ کے بیٹے کے، ہم نے کمال ذمہ داری و دیانت داری کا ثبوت دے کر انھیں دھر لیا ہے۔ پولیس کو جھٹلانا ان کے لیے بھی ممکن نہ تھا کہ قاتل خود اعتراف قتل کر رہے تھے۔ مبینہ قاتل اب بھی پابند سلاسل ہیں اور نوید کے اہل خانہ ہر روز جیتے اور ہر روز مرتے ہیں۔ انھیں اس بات کا افسوس کسی کل چین لینے نہیں دے رہا کہ کاش! ہم لاش وصول کر لیتے اور اسے اپنے ہاتھوں سے کفنا دفنا دیتے تو کچھ تو صبر آ جاتا، مگر ان کا اب بھی یہ کہنا ہے اس لاش میں نوید کی کوئی بات نہیں تھی۔ انھیں اس بات کا بھی قلق ہے کہ آخر ان کے جگر گوشے کو ہمدردی و غم خواری اور غریب پروری کی اتنی بھیانک سزا کیوں ملی اور وہ بھی ان کے ہاتھوں، جن کی ضروریات کو وہ اولین حیثیت دیتا تھا۔

قارئین محترم! گزشتہ دنوں نوشہروفیروز کے سفر کے دوران یہ دل دوز داستان میرے سامنے آئی۔نوید کی والدہ انتقال کرچکی ہیں۔نوید جیسے تعلیم یافتہ ،باصلاحیت وخوب رواورسب سے بڑھ کرانسانی ہم دردی سے سرشار نوجوان کے غم میں اس کے والد، بھائیوں اور بہنوں کی حالت دن بہ دن خراب ہوتی جارہی ہے۔ان کا دل کسی طرح یہ ماننے کو تیار نہیں کہ ان کا نوید اب اس دنیا میں نہیں رہا،اب وہ اس کی صورت نہیں دیکھ سکیں گے۔انھوں نے مختلف وردووظائف بھی کیے ہیں اوران سب کی روشنی میں ان کا اس بات پر یقین آئے روز کامل ہوتا جارہاہے کہ نوید زندہ ہے۔مگروہ کہاں ہے؟اس کی کسی سے کوئی دشمنی نہیں تھی،وہ کسی جماعت سے بھی وابستہ نہیں تھا،وہ اپنے کام سے کام رکھنے والا ایک پابند صوم وصلوۃ نوجوان تھا۔اسے بھلا کوئی کیوں قتل کرے گا۔وہ اس کے قتل کی صورت میں بھی یہ بات ماننے کے لیے تیار نہیں کہ اسے اس کے دوستوں نے قتل کیاہے۔اسے وہ پولیس کی روایتی مستعدی سے تعبیر کرتے ہیں اور پاکستانی پولیس کی ایسی مستعدی ویسے بھی شہرہ آفاق ہے۔انھیں مجرم کا پتاجرم سے پہلے پہ چل جاتاہے،مگروہ ہمیشہ صف بچ نکلتاہے ،کیوں کہ اس کے ساتھ معاملات پہلے سے طے شدہ ہوتے ہیں،حصہ داری کے بعدایسی بے ادبی کیسے کی جاسکتی ہے،سوقرعہ فال کسی بھی قسمت کے مارے کے نام نکل آتاہے اوروہ نہ صرف دھرلیاجاتاہے ،بلکہ اس سے اعتراف جرم بھی کرالیاجاتاہے۔لطیفہ مشہورہے ،آپ نے بھی سناہوگاکہ ایس ایچ اوصاحب دفتر میں

بیٹھے توکلائی سے گھڑی غائب تھی،انھوں نے فوری طور پر سپاہیوں کو گھڑی اور مجرم کی تلاش کا حکم دے دیا،پولیس کی دوڑیں لگ گئیں کہ آخر کو باس کا حکم اور اپنی نوکری کا مسئلہ تھا۔کافی دیر بعد باس کے سیل پر بیگم صاحبہ کی کال آئی،وہ کہہ رہی تھیں: سرتاج! آج آپ جلدی میں اپنی گھڑی ڈریسنگ روم میں بھول کر چلے گئے۔صاحب نے آرڈر جاری کیا،گھڑی کا سراغ لگ چکا ہے،لہٰذا تلاش کا سلسلہ موقوف کر دیا جائے۔آگے سے فرماں بردار،برق رفتار ماتحتوں کا جواب تھا: صاحب! ہم نے درجن بھر آدمی پکڑے ہیں اور ان میں سے ہر ایک یہ اقرار کر رہا ہے کہ صاحب کی گھڑی میں نے چرائی ہے اور ان سے مسروقہ گھڑی بھی برآمد کر لی گئی ہے۔کہیں ایسا تو نہیں کہ کسی بااثر قاتل پر پردہ ڈالنے کے لیے نوید کے دوستوں کو قاتل بنا دیا گیا ہو۔

آمدم بر سر مطلب،اگر نوید کے گھر والوں کو پولیس سے کوئی توقع نہیں ہے تو کوئی حیرت کی بات بھی نہیں۔ان کی جس فریاد کو آپ تک پہنچانا ہے،وہ یہ کہ ان کی ان کے لاڈلے کے بارے میں وظائف، عملیات یا کسی اور ذریعے سے راہ نمائی کی جائے،تاکہ انھیں کوئی کوئی یقینی بات معلوم ہو،اگر وہ اس دنیا میں نہیں رہا تو انہیں صبر آ جائے،اور اگر وہ بقید حیات ہے تو وہ اس کی تلاش کے حوالے سے مزید کوشش کریں۔اس سلسلے میں اہل دل قارئین کسی قسم کی مدد کر سکیں تو وہ مجھ سے اس نمبر پر رابطہ کر سکتے ہیں:03082987234

مولانا محمد جہان یعقوب
ریسرچ اسکالر، بنوریہ ریسرچ اکیڈمی، جامعہ بنوریہ عالمیہ
انچارج ادارتی صفحہ، ہفت روزہ اخبارالمدارس ، کراچی

حضرت جی رابع: ایک ہمہ جہت شخصیت

مولانا محمد جہان یعقوب

الحمدللہ ! تبلیغی جماعت " اپنی صلاح اور دوسروں کی اطلاع " کے امتیازی نشان کے ساتھ اپنے قیام کے روزاول سے دعوت دین کے میدان میں " اپنی جان، اپنامال اور اپناوقت " کے اصول کے تحت مصروف کار ہے۔ یہ اخلاص وللّٰہیت سے بھرپور جماعت ہر قسم کی موافقت ومخالفت اور تنقید وتحسین سے بالاتر ہو کر اپناکام کر رہی ہے۔ دعوت دین علیٰ منہاج السنہ اس کا طرہ امتیاز ہے۔ کسی قسم کے تشہیری ذرائع کا استعمال اس جماعت نے کبھی بھی نہیں کیا۔ یہاں دعوت واطلاع کا سلسلہ سینہ نہ سینہ چلتاہے۔ یہ اخلاص ہی کی برکت ہے کہ اس کے اجتماعات میں لوگوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر امڈ آتا ہے، جس میں آقا وغلام، امیر وفقیر، شاہ وگدا، اصحاب جاہ ومنصب اور فاقہ مست گدڑی پوشوں تک ہر قسم کے مردوزن موجود ہوتے ہیں، مگر کسی کے لیے کوئی امتیازی شان وشوکت اور انتظام واہتمام نہیں کیاجاتا، بلکہ سب کی ایک ہی قدر مشترک کو ملحوظ رکھاجاتاہے کہ سبھی شاہ دوجہاں ﷺ کے امتی، ان کے سونپے ہوئے کار تبلیغ کے امین اور اپنی اصلاح کے طالب ہیں۔ دنیااس جماعت کو دیکھ

کر حیران وانگشت بدنداں رہ جاتی ہے کہ ان کو اپنے گردوپیش کی مطلق کوئی خبر نہیں بلکہ گرمی وسردی، بہاروخزاں، سازگاروناسازحالات میں یہ لوگ ہر شہر اور قریہ، گاؤں اور دیہات میں ایک ہی صدا لگاتے نظر آتے ہیں کہ ہماری اور آپ کی بلکہ سارے عالم کے انسانوں کی دونوں جہانوں کی کامیابی اللہ تعالیٰ نے اپنے دین اور رحمت للعالمین ﷺ کے نورانی طریقوں میں رکھی ہے۔وقت کے ساتھ ساتھ ہر جماعت اور تنظیم اپنے طریق کار اوراغراض ومقاصد میں تبدیلی لاتی ہے مگر یہ جماعت روزاول سے جس (ترتیب پر چل رہی تھی اب بھی اسی ترتیب پر گامزن ہے اور رہے گی (ان شاء اللہ حضرت اقدس شیخ الحدیث پیر طریقت رہبر شریعت مولانا محمد زبیر الحسن اسی جماعت کے امیر تھے۔آپ نے باوجود ایک عبقری شخصیت اور علم وعمل کا پہاڑ ہونے کے اس جماعت کوانہی اصولوں پر چلائے رکھا، جن پر ان کے والد گرامی حضرت جی مولانا محمد انعام الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ چھوڑ کر گئے تھے۔آپ کو فیاض ازل نے عظیم نسبتیں ہی عطا نہیں فرمائی تھیں، بلکہ آپ میں ان تمام نسبتوں کا عکس بھی صاف نظر آتا تھا۔آپ کی تعلیم وتربیت کے آغاز میں جورائے پوری جمال کارفرما تھا، آپ نے تاحیات اس کی لاج رکھی۔حضرت مولانا شیخ عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو صرف حفظ قرآن کی الف با کرا کے چھوڑ نہیں دیا تھا، بلکہ ان کی آپ پر خصوصی شفقتیں ہمیشہ سایہ فگن رہیں اوران کی روحانی توجہ نیز شفقت ورافت نے

اس جوہر آب دار میں وہ چمک دھمک، اور حسن وجمال پیدا فرمالیا تھا جو کسی رائے پوری نسبت کے امین میں ہونی چاہیے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ تعالیٰ کسی کو بیعت یوں ہی نہیں کر دیا کرتے تھے، اس معاملے میں وہ اکابر میں سب سے بڑھ کر محتاط تھے، ان کا آپؒ کو بیعت کرنا اس بات کی غمازی کرتا تھا کہ انہوں نے اس فرد فرید میں کچھ دیکھا ہے، آپؒ نے اس بیعت کے تقاضوں کو اپنے تقویٰ وطہارت اور ریاضت وانابت الی اللہ کے ذریعے یوں نبھا کر دکھایا کہ حضرت شیخ الحدیثؒ نے بہت ہی کم عرصے میں آپ کو خرقہ خلافت واجازت سے نوازا، اور وہ بھی چھوٹی سی عمر میں اور وہ بھی بعجلت تمام کہ جب چار روز بعد آپ حرمین کی مقدس فضاؤں کو چھوڑ کر اپنے وطن مالوف کی طرف عازم سفر ہونے والے ہیں....

حضرت شیخ نے آپ کو خلافت کی عظیم ذمے داری سونپتے ہوئے اپنے حسن ظن کا ہی اظہار نہیں فرمایا بلکہ ان کے والد گرامی حضرت مولانا محمد انعام الحسنؒ کو یہ بھی لکھا کہ ہونہار کی تربیت فرماتے رہیں، گویا خلافت دے کر غافل نہیں ہو گئے۔ اب ایک طرف سے حضرت شیخ الحدیثؒ کی روحانی توجہات اور دعائیں اور دوسری طرف سے والد بزرگوار کی تربیت کا فیضان، جس نے آپ کو اسلاف کا حقیقی جانشین بنا کر ہمہ جہت کمالات عطا کیے۔ یہ حضرت شیخ الحدیثؒ ہی کی صحبت وتربیت کا ہی اثر تھا کہ باوجود تبلیغی مصروفیات کے آپؒ نے تدریس کا سلسلہ نہ صرف جاری رکھا، بلکہ

تقریباً 25 سال تک برابر بخاری شریف پڑھانے کا شرف حاصل کیا۔آپ کے درس بخاری میں اپنے اساتذہ بالخصوص حضرت شیخ الحدیثؒ کا رنگ جھلکتا تھا۔آپ ایک کامیاب ترین مدرس تھے اور دوران درس کتاب کے لب لباب کو یوں طلبہ کے سامنے رکھ دیا کرتے تھے جیسے تیار کھانا پلیٹ میں رکھا ہو۔آپ درس بھی اسی خوش الحانی سے دیا کرتے تھے، جو خوش الحانی آپ کی خطابت وتلاوت میں صاف نظر آیا کرتی۔آپ کو اللہ تعالی نے حسن ظاہری وباطنی اور خوش الحانی کی نعمتوں سے خوب خوب نواز رکھا تھا، آپ کا مترنم بیان اور لحن داؤدی آپ کو دوسرے اکابر تبلیغ سے ایک ممتاز شان عطا کرتا ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا جوش وولولہ ،جذبہ واخلاص آپؒ کو اپنے خاندانی بزرگوں سے وراثت میں عطا ہوا تھا۔آپ کو اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا محمد انعام الحسنؒ کے دعوتی اسفار، تبلیغی اشغال اور روز وشب دیکھنے کا موقع ملا، جس سے آپ میں یہ تمام صفات بدرجہ اتم منتقل بھی ہوئیں ،بلکہ آپ نے والد گرامی قدر کی سرپرستی میں عملی طور پر بھی اس عظیم فریضے کو ادا کیا اور انھوں نے آپ کی تربیت بھی کمال درجے کی فرمائی کہ کسی دم اس سے غافل نہ ہوئے اور جب جب اور جہاں جہاں مناسب جانا اصلاح بھی فرمائی۔آپ کے والد بزرگوار نے آپ کی ایک استاد اور شیخ کی طرح ہمہ جہت تربیت فرمائی اور اپنے بزرگوں حضرت مولانا محمد الیاس، حضرت مولانا محمد اکرام الحقؒ وحضرت

مولانا محمد یوسفؒ کی نسبت آپ کی جانب منتقل بھی فرمائی۔ چنانچہ جب والد محترم کی رحلت کے بعد دعوتی و تبلیغی امور کی گراں بار ذمے داریاں آپ کے کندھے پر پڑیں تو آپ نے ان کا حق ادا کیا اور بلا مبالغہ اپنے بزرگوں بالخصوص والد مرحوم کا عکس جمیل ثابت ہوئے۔ آپ کے دور امارت میں بحمد اللہ تبلیغی کام ساتوں براعظموں تک پھیلا اور اس عالمگیریت کے پیش نظر اہم فیصلوں کے لیے پاک و ہند کے علمائے کرام واکابر تبلیغ پر مشتمل ایک مرکزی شوریٰ بھی عمل میں آئی جس کے سربراہ آپ تھے۔ اس نظام کے تحت بڑے منظم انداز سے نبوی دعوت عالم بھر میں پہنچی۔

فجزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء فی الدارین ابدا!! آپ کو مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور سے جنون کی حد تک وابستگی تھی۔ کیوں نہ ہوتی کہ آپ کا خمیر ہی یہاں سے اٹھا تھا۔ یہ مدرسہ صرف آپ کی مادر علمی نہیں تھا، بلکہ آپ نے اپنے والد گرامی اور حضرت شیخ الحدیث رحمہما اللہ کی موجودگی و سرپرستی میں عملی تبلیغی سرگرمیوں کا آغاز بھی نہیں سے فرمایا، جس مجمعے میں آپ نے چھے نمبروں پر اپنا پہلا تبلیغی بیان فرمایا اس میں یہ دونوں بزرگ بنفس نفیس تشریف فرما تھے۔ یہ 9 اگست 1974 جمعۃ المبارک کا دن تھا۔

مادر علمی سے یہ تعلق ہر آئے دن کے ساتھ ترقی کرتا رہا اور ساری زندگی آپ کے اس تعلق میں کسی قسم کی مشغولیات و مصروفیات اور اسفار رکاوٹ نہ بن سکے، آپ جہاں بھی ہوتے مادر علمی ضرور تشریف لے جاتے تھے۔

اپنی تبلیغی وتدریسی مصروفیات کی وجہ سے آپ کا پاکستان کم کم آنا ہوا،آپ صرف سالانہ تبلیغی اجتماع پر تشریف لایا کرتے تھے اور عوامی مجمعے کے ساتھ ساتھ نوجوانوں اور طلبہ میں بھی خصوصی بیان فرمایا کرتے تھے۔جن خوش قسمت جوروں کے نکاح اس بابرکت اجتماع میں ہوتے تھے ،وہ بھی آپ ہی پڑھایا کرتے تھے اور مختصر نصیحتیں بھی
ارشادفرمایا کرتے تھے،جو مستقبل میں ازدواجی وخانگی معاملات میں مشعل راہ کاکام دیتی تھیں۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو تقریروبیان کاخاص ملکہ عطافرمارکھا تھا۔دھیمے مگرمترنم
اندازمیں قرآن وحدیث اور عربی اشعار سے مزین بیان فرماتے تھے،جس میں
سازوسوزاورلے وترنم کی مالا کسی موقعے پر بھی ٹوٹنے نہ پاتی تھی اور مجمعہ کسی بڑے خطیب کی تقریر کی طرح اول تاآخردم سادھے ہمہ تن گوش ہوکراس مردولی وولی زادہ کابیان سنتااوراس فکروکڑھن سے اپنے نصیبے کے مطابق حصہ پاتا تھا،جوآپ کی دعوت وتقریرکامرکزومحورہوتی تھی۔
آپ علمائے کرام سے خاص تعلق رکھتے تھے اوربڑی شگفتہ مزاجی وخندہ پیشانی سے ملتے تھے،انہیں تحائف دیتے اوران کے تحفے قبول فرمایا کرتے تھے۔انہیں اس عظیم ذمے داری کی طرف متوجہ کرتے اوراس کی نزاکتوں سے آگاہ کیا کرتے تھے۔عوام سے آپ کابرتاؤمشفقانہ ومربیانہ ہوتا تھا۔انہیں علمائے کرام کی عزت کرنے اوران سے تعلق رکھنے نیزان سے پوچھ پوچھ کرچلنے کی نصیحت فرمایا کرتے

تھے۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو عجز وانکساری و بے نفسی وفروتنی کا خاص حصہ ودیعت فرمارکھا تھا،اصاغر سے بھی یوں پیش آتے تھے کہ جیسے کسی بڑے سے مل رہے ہوں۔

تبلیغی جماعت کے اکابر کا ایک خاص مزاج ہے اور یہ حضرات کتاب وکیسٹ کی بجائے بالمشافہہ افادے واستفادے کے قائل رہے ہیں۔ناگزیر حالات وضروریات کے علاوہ ان ذرائع کا استعمال کرنے کے قائل نہیں،یہی وجہ ہے کہ ان حضرات کی زندگی اور شب وروز کے معمولات نیز کمالات وکرمات سے بھی وہی لوگ مستفید ہو سکتے ہیں جنھیں خروج کی سعادت نصیب ہوئی ہو۔حضرت مولانا محمد زبیر الحسنؒ بھی اسی ذوق کے حامل تھے،جس کی وجہ سے اہل پاکستان تک ان کی پوری شخصیت وکمالات نہ پہنچ سکے یا مخصوص حلقے تک ہی پہنچ پائے،بایں ہمہ وہ ایک عبقری شخصیت،پیکر علم وعمل،نمونہ اسلاف،صاحب کشف وکرامات اورامت اجابت کی استقامت علی الدین نیزامت دعوت کی ہدایت کے حریص اوراس مقصد کی خاطر اپنا سب کچھ نچھاور کرنے والی شخصیت کے روپ میں ہمیں نظر آتے ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ ہمیں ان میں یہ وصف بھی نمایاں طورپر نظرآتا ہے کہ وہ ہندوستان کے معروضی حالات ،ان میں مسلمانوں کے کردار ومقام اور مشکلات ومصائب کا بھی خوب ادراک رکھتے تھے اوراس حوالے سے بروقت راہ نمائی اور سرپرستی بھی فرماتے رہے۔

مدتوں رویا کریں گے جام وپیمانہ تجھے

(مولانااحسان اللہ فاروقی کی یاد میں خصوصی تحریر)

آج مولانااحسان اللہ فاروقی شہید رحمۃاللہ علیہ کو ہم سے جدا ہوئے ایک سال کا عرصہ ہونے کو آیا ہے، لیکن وہ دل کی محفل میں اسی طرح زندہ وجاوید ہیں، جس طرح پہلے تھے۔ شہید مرانہیں کرتا، پھر شہید بھی میرے احسان بھائی جیسا...ہر دم متحرک وسراپاجدوجہد، جس کااوڑھنا بچھوناہی جماعت کاکام اور جماعت سے تعلق رکھنے والے ساتھی تھے۔ بھلاایسے شہید ناز کو کبھی جماعت اور جماعتی ساتھی فراموش کر سکتے ہیں!

آتی ہی رہے گی ترے انفاس کی خوشبو
گلشن تیری یادوں کامہکتاہی رہے گا

میرا، احسان بھائی سے پہلا تعارف اس وقت ہوا، جب میں نے جامعہ بنوریہ عالمیہ میں درس نظامی کے حصول کے لیے داخلہ لیا۔ اگرچہ یہ 1997ء کی بات ہے، مگریوں لگتاہے جیسے کل کی بات ہو۔ میں بزم کااسٹیج سیکریٹری تھا، بزم آخری مراحل میں تھی کہ دوطلبہ آکربیٹھ گئے، جو کسی اور درجے کے تھے، میں ان سے متعارف نہ تھا۔ مجھے اختتامی دعاکے لیے کسی کی تلاش تھی۔ نظران دومیں سے دبلے پتلے طالب

علم پر ٹھہری، جس کی ناک پر رکھا موٹے فریم کا چشمہ اس کی ذہانت کی چغلی کھا رہا تھا۔ میں نے اپنے ساتھی خاور اقبال سے اس کا نام پوچھا اور اسے اختتامی دعا کے لیے دعوت دی۔ خیال تھا کہ فوراً ہاتھ دعا کے لیے اٹھیں گے اور چند منٹ بعد بزم اپنے اختتام کو پہنچے گی، مگر شاید وہ پہلے سے تیار اور اسی لمحے کے لیے منتظر بیٹھا تھا۔ اس نے اسٹیج سنبھالتے ہی حمد و ثنا سے تقریر شروع کی اور پھر مطالب و معانی کے دریا بہا دیے، کبھی جذبات کی روانی اور کہیں احساسات کی جولانی، گویا اس نے محفل ہی لوٹ لی۔ بزم کے آخر میں علیک سلیک ہوئی اور ہر اگلا دن اس تعلق کو مضبوط سے مضبوط تر ہی کرتا رہا۔

احسان بھائی ہم سے دو سال سینئر تھے۔ ان کی فراغت کے بعد بھی یہ سلسلہ اسی طرح جاری وساری رہا۔ انہوں نے تخصص کیا، جامعہ کراچی سے ماسٹر ڈگری حاصل کی، طلبہ تنظیم کے بعد بالائی جماعت کی کراچی کی باڈی میں شامل ہوئے، غرض ان کی سرگرمیوں اور مصروفیات کا دائرہ بڑھتا رہا، اس دوران ہم نے بھی عملی زندگی کا آغاز کر دیا... مگر بایں ہمہ اس تعلق میں کوئی تعطل نہ آیا۔ کبھی دفتر میں تو کبھی مسجد میں احسان بھائی تشریف لاتے رہے۔ جہاں جس وقت پہنچنے کا وعدہ کیا، سر وقت پہنچے۔ بارہا ایسا بھی ہوا کہ طے شدہ وقت میں وہ دفتر میں میرے منتظر اور میں گھر پر، مگر کبھی برا منایا اور نہ ہی گلہ شکوہ کیا۔ شاید ہی کوئی دن جاتا ہو، جب احسان بھائی کراچی میں موجود ہوں اور جامعہ تشریف نہ لائیں، یا فون

یاایس ایم ایس کے ذریعے بات نہ کریں۔

یہ میری فراغت والے سال کا قصہ ہے۔کہنے لگے :''اب آپ عالم بن گئے ہیں، موبائل رکھ لیا کریں''۔ہم جامعہ بنوریہ عالمیہ کے قریب حضرت ہوٹل میں چائے پی رہے تھے۔میں نے کہا:''شیخ !موبائل تو میں نے لے لیا ہے، بس کوئی اچھا سا نمبر مل جائے، تو استعمال شروع کردوں گا''۔یہ سنتے ہی انھوں نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک سم نکال کردی، کہ جب تک آپ اپنا نمبر نہیں لے لیتے، یہ نمبر استعمال کرلیں۔میں نے شکریے کے ساتھ ان سے وہ سم لے لی، یہ نمبر تقریباً ایک سال تک میرے استعمال میں رہا۔

ایک دن کچھ تحریری کام کے سلسلے میں تشریف لائے۔جب کام کی بات ہو گئی تو استفسار کرنے لگے :''آپ نے اپنا نیا کمپیوٹرائزڈ شناختی کارڈ بنوایا ہے؟''دراصل انہیں میری گوشہ نشینی کی طرف مائل طبیعت کا علم تھا،اس لیے وہ مجھے ''اپ ڈیٹ''رکھنے کے لیے اس قسم کے معاملات کی طرف توجہ دلاتے رہتے تھے۔میں نے بتایا کہ فارم وغیرہ جمع کرائے ہوئے تقریباً تین ماہ کا عرصہ ہوچکا ہے، مگر اب تک کارڈ ملا نہیں۔کہنے لگے :''آپ نے رسید پر دیے ہوئے نمبر پر رابطہ نہیں کیا؟''میں نے بتایا:''ایک ڈیڑھ ماہ قبل رابطہ کیا تھا، وہاں سے جواب ملا کہ آپ کا کارڈ گلگت کے حالات کی کشیدگی کی وجہ سے اب تک ویری فائی نہیں

ہو سکا ہے''۔کہنے لگے: ''آپ بھی اللہ والے ہو، لالوکھیت ڈاک خانے سے معلوم کرنا تھا، اب تک کارڈ آ گیا ہوگا''۔ پھر کہا: ''اگر آپ فارغ ہو تو چلو، ابھی چلتے ہیں''۔ چنانچہ ہم وہاں گئے، انہوں نے خود ہی رسید جمع کرائی، کارڈ وصول کیا اور مجھے واپس جامعہ چھوڑ دیا۔ ایسے ایک دو نہیں کئی واقعات ہیں، جو اس وقت، جب

کہ ''ذکر حبیب'' چھڑا ہے، ذہن کی اسکرین پر نمودار ہو ہو کے بے چین کیے دے رہے ہیں۔ دل چاہتا ہے کہ تمام واقعات کو قرطاس کی زینت بنا کے دل کا بوجھ ہلکا کروں... مگر کالم کی طوالت کا خوف دامن گیر ہے، اس لیے اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

احسان بھائی واقعی اللہ تعالیٰ کا احسان تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑی خوبیاں عطا فرما رکھی تھیں۔ احساس ذمہ داری کا وہ عالم کہ ایک کام کے لیے بھی دن میں کئی کئی بار یاد دہانی کراتے تھے، ہمدردی کا وہ عالم کہ جس کام کے لیے کہو زبان پر حرف انکار نہیں، خلوص کا وہ عالم کہ قائد ہو کر بھی ہر چھوٹے سے چھوٹے کام کے لیے ہر دم آمادہ و تیار، زبان یں وہ مٹھاس کہ جو ایک بار ان کی بات سن لے وہ ان کا گرویدہ ہو جائے، دلائل یں وہ قوت کہ مد مقابل کو قائل ہوتے ہی بن پڑے، حالات حاضرہ پر ایسی نظر کہ کوئی بات اور کوئی گوشہ ان سے مخفی نہ تھا، چستی و پھرتی کا وہ عالم کہ اکیلے ایک جماعت کے برابر کام کریں، سادگی ایسی کہ ایک بڑی مسجد کی امامت و خطابت اور ایک بڑی جماعت کا قائد ہونے کے باوجود ہر قسم کے تکلفات و حجابات سے کوسوں دور، اپنی بائک پر تمام خطرات سے بے

خبر کبھی اکیلے، اور اکثر کسی ساتھی کو ساتھ بٹھائے شہر کی سڑکوں پر رواں دواں... احسان بھائی! تیری کس کس خوبی کا ذکر کروں، تیری ہر خوبی دوسری سے بڑھ کر اور ہر ادا نرالی تھی!'' ''رقتیدو لے نہ از دل ما''۔

جمادی الثانی میں '''الایثار نیوز'' کے شمارے کے تکمیلی مراحل کے سلسلے میں ان کی بھاگ دوڑ دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ جو کام ان کے ذمے تھا، وہ تو باحسن وجوہ انجام دیا ہی، دوسرے کاموں کے لیے بھی کوشش کرتے رہے، آج الحمد للہ ان کے ساتھی اس کام کو شبانہ روز محنت اور اسی جوش، جذبے، ولولے اور کامل خلوص سے انجام دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ رجب المرجب میں اکثر آتے رہے۔ کاتب وحی، صحابی رسول، خلیفۃ المسلمین، جرنیل اسلام، فاتح عرب وعجم، امام تدبیر وسیاست، محسن اسلام امیر المؤمنین حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت وسوانح کے حوالے سے کتابچے کی تالیف، ترتیب وتسوید کے حوالے سے اس موضوع پر درکار تمام کتب ورسائل اور اب تک ہونے والا تمام تحریری ذخیرہ اور ہر قسم کا تعاون حتی المقدور فراہم کیا۔ بس ان کو فون پر کسی کتاب یا رسالے کا نام لکھوانے کی دیر ہوتی تھی اور وہ لے کر پہنچ جاتے تھے، خواہ جہاں سے اور جیسے بھی حاصل کریں۔ یہ ان کے اسی اخلاص کی برکت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے قلیل وقت میں بڑے اچھے انداز میں اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ شعبان میں وہ اپنی تحریری صلاحیتوں کو جلا بخشنے اور صحافت کے گر'' سیکھنے کی غرض سے اسلام''

آباد محترم مولانا عبدالقدوس محمدی حفظہ اللہ تعالیٰ کے ہاں صحافت ورکشاپ میں شریک ہوئے۔ وہاں اخبار کے ساتھ قلمی تعاون کے حوالے سے بھی اہلِ قلم سے رابطوں میں رہے، کیوں کہ ان کا جانا جس غرض سے بھی ہو، وہ اپنے ہر دورے میں جماعت کے کار کو ضرور سامنے رکھتے اور اس کے لیے لازمی کوشاں رہا کرتے تھے۔ وہاں سے واپسی پر پھر جماعتی تگ وتاز میں مصروف ہوگئے، پھر اوپر سے جامع مسجد میں امامت وخطابت کی ذمے داریاں... بایں ہمہ میسیج کے ذریعے رابطے میں رہے، اپنی مسجد میں ختمِ قرآن کی تقریب میں شرکت کی دعوت بھی دی، مگر شاید ملاقات مقدر میں نہیں تھی، جس کی کسک اب بھی دل میں باقی ہے۔

مدتوں رویا کریں گے جام وپیمانہ تجھے

کسے خبر تھی کہ وہ اتنی جلدی رخصت ہونے والے ہیں۔ ابھی تو ان کی اٹھان تھی۔ ابھی تو انہیں بہت سے سنگِ میل عبور کرنے تھے۔ مگر شاید خلاقِ عالم اس ان تھک نوجوان عالمِ دین کو مزید تھکانا نہیں چاہتے تھے۔ تکوینی طور پر ان سے جتنا کام لینا طے تھا، شاید وہ اس کو مکمل کر چکے تھے، اب کام کا نہیں، بلکہ انعام کا مرحلہ تھا... انعام بھی کیسا... انبیاء وصدیقین کا پڑوس، حیات ابدی وجاودانی، خون کا پہلا قطرہ زمین پر گرتے ہی تمام گناہوں کی معافی، اعلیٰ علیین میں مقام، سینکڑوں حوروں اور موٹی موٹی آنکھوں والی حور عین سے شادی، عین شہادت کے وقت جنت میں اپنے لیے تیار محلات اور مقام رفیع کی زیارت، ایمان

کا جوڑا پہنایا جانا، عذاب قبر کی سختیوں، تکلیفوں، ہولناکیوں اور کلفتوں سے نجات، قیامت کے روح فرسا دن میں جنابِ باری سے امن دیا جانا، سر پر وقار کا ایسا تاج رکھا جانا کہ جس کے ایک یاقوت کی قیمت بھی دنیا و مافیہا سے بڑھ کر ہے، اپنے متعلقین میں سے ستر افراد کی، جن کے لیے جہنم واجب ہو چکی شفاعت کا اعزاز...اور سب سے بڑھ (70) کر حضراتِ صحابہ کرام اور قائدین سے ملاقاتیں...امی عائشہ صدیقہ نے اس شہید ناز کو یقینا ''میرا بیٹا'' کہہ کر بلایا ہوگا... شہدائے ناموسِ صحابہ نے اپنے اس نئے مہمان کا ضرور استقبال کیا ہوگا... شہید اور شہادت کے مقام رفیع کا مقابلہ بھلا کوئی اور نعمت کر سکتی ہے؟ ہر گز نہیں۔ شہید اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر کے اللہ تعالیٰ سے کبھی نہ فنا ہونے والی زندگی کا پروانہ حاصل کر لیتا ہے...ایسی زندگی کہ اللہ تعالیٰ خود شہید کو مردہ کہنے سے منع فرماتے ہیں، مردہ کہنا تو دور کی بات، مردہ سمجھنے اور خیال کرنے کی بھی اجازت نہیں ...اللہ کے نبی آخر الزماں، جو اصدق الصادقین ہیں اس زندگی کا ثمرہ یوں بیان فرماتے ہیں کہ موت کے بعد ہر شخص کا نامہ اعمال بند ہو جاتا ہے سوائے شہید کے عمل کے، کہ وہ قیامت کی صبح تک بڑھتا ہی رہتا ہے۔ایک اور حدیث میں ارشاد نبوی ہے کہ شہدا کو جنت میں من چاہی زندگی عطا کر دی جاتی ہے،ان کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں رکھ دی جاتی ہیں کہ وہ جنت میں اڑتی پھرتی ہیں، جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتی ہیں اور قندیل ہائے عرش کے اندر محو استراحت ہو جاتی ہیں۔یہی انعامات واحسانات اور الطاف باری ہی تو ہیں، کہ جنہیں دیکھ کر شہید یہ

تمنا کرتا ہے کہ مجھے دنیا میں بھیج دیا جائے تا کہ ایک مرتبہ پھر اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں۔

آمدم بر سر مطلب، میں شہید کے مقام و مرتبے اور شہادت کی عظمت سے واقف ہوں ... مگر ایک پیارے بھائی کی جدائی کا غم ... کوئی معمولی چیز نہیں ہوتی، آج ایک سال کا عرصہ ہو چکا ہے، مگر یوں لگتا ہے جیسے احسان بھائی یہیں کہیں آس پاس میں موجود ہیں اور ابھی مسکراتے ہوئے اپنی بائک دوڑاتے ہوئے پہنچ جائیں گے۔ یہ صرف میری کیفیت نہیں بلکہ احسان بھائی سے متعارف ہر شخص کا یہی حال ہے، سب کی یہی کیفیت ہے۔

مگر تیری مرگِ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے

مجھے خوشی ہے کہ وہ جن مقدس ہستیوں کے تقدس کی بات کرتے تھے، ان پر فدا ہو کر ہمیشہ کے لیے امر ہو گئے۔ احسان بھائی کو شہادت بھی بڑی البیلی ملی، جو اسی کا مقدر تھی ... وہ خود بھی البیلا تھا، رب نے اسے شہادت بھی البیلی عطا فرمائی۔ انہوں نے گولی لگتے ہی جو انگشتِ شہادت بلند کی، وہ تدفین تک اسی طرح بلند تھی اور گواہی دے رہی تھی کہ یہ سچا شہید ہے۔ جب حوریں اس کے استقبال کے لیے آئی ہوں گی، تو حوروں کے اس دولہا کے لبوں پر جو مسکراہٹ کھیل گئی تھی وہ بھی آخر دم تک اسی طرح تھی۔ اس کے چہرے کا اطمینان صاف بتا رہا تھا کہ وہ کامیاب

ہے۔جوں ہی ایدھی سرد خانے سے ان کے جسد خاکی کو ایمبولینس میں منتقل کیا گیا، آسمان بھی رو پڑا، بارانِ رحمت نے تادمِ تدفین اس البیلے شہید کا استقبال کیا۔اللہ تعالی مولانا احسان اللہ فاروقی کی شہادت کو قبول فرمائے اور اسے مشن کی آبیاری کا ذریعہ بنائے۔ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

خدمتِ خلق۔ایک عبادت

خدمت خلق ایک جامع تصور ہے۔اس کی گہرائی میں جانے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لفظ ایک وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ خلق کے اندر روئے زمین پر رہنے والے ہر جاندار کا اطلا ق ہوتا ہے اور ان سب کی حتی الامکان خدمت کرنا، ان کا خیال رکھنا ہمارا فرض ہے۔ ان کے ساتھ بہتر سلوک وبرتا کی ہدایت اللہ رب العزت نے بھی دی ہے اور نبی کریم کی تعلیمات بھی اس سلسلہ میں تاکید کرتی ہیں، دین میں خدمت خلق کے مقام کو سمجھنے سے اس کے وسیع تر مفہوم کو سمجھنا آسان ہوجائے گا۔

قرآن میں جگہ جگہ ایمان لانے والوں کے جن اہم صفات کا ذکر کیا گیا ہے اس میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنا، یتیموں کی دیکھ بھال کرنا، مسکینوں کو کھانا کھلانا بھی شامل ہے ۔اور ان صفات کو نہ اپنانے پر بھڑکتی آگ کی وعید سنائی گئی ہے۔

اللہ کے آخری نبی حضرت محمد نے اپنی پوری زندگی دوسروں کی خدمت میں گزاری ،آپ کی دعوت میں مخلوقات کی خدمت پر بہت زور ملتا ہے۔قربان جایئے اس نبی

کی ذات پر جس نے عالم انسانیت کی خدمت میں اپنی ساری زندگی گزار دی اور ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ ان کی ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے ۔جب آپ نے پہلی اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی اس وقت اپنے پہلے خطبے میں ارشاد فرمایا: افشواالسلام، واطعمواالطعام وصلواالارحام وصلوا والناس نیام ،تدخلوا الجنہ بسلام۔

سلام کو عام کرو، کھانا کھلا، صلہ رحمی کرو، راتوں کو قیام کرو، اپنے اس رویے کے نتیجے میں سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاگے ، یہ بھی خدمت خلق کی ایک صورت ہے۔ گویاجنت میں داخل ہونے کے لیے ضروری ہے کہ انسانوں کے ساتھ اچھا برتا کیا جائے ،ضرورت مندوں کی ضرورتوں کو پورا کیا جائے۔ ایک موقع پر اللہ کے رسول نے فرمایا: من لایرحم لایرحم (بخاری ،کتاب الادب) جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا ہے ۔اس ارشاد میں نہایت مثر انداز میں مخلوق پر رحم کرنے اور انسانوں کے ساتھ رحمت و شفقت کا برتا کرنے کی ترغیب دی گئی ہے ۔یہ اسلام کی رحمت عام ہے جس کی تعلیم رحمتہ للعالمین نے دی ہے ،انسان انسان ہونے کی حیثیت سے ہمدردی کا مستحق ہے، خواہ اس کا تعلق کسی قوم اور مذہب سے ہو، خدا کی رحمت کے مستحق وہی لوگ ہیں جو اس کی مخلوق کے حق میں مہربان ہوتے ہیں ۔لیکن جن کا برتا مخلوق کے ساتھ ظالمانہ ہوتا ہے وہ یہ ثابت کر دکھاتے ہیں کہ وہ اللہ کی رحمت کے مستحق نہیں ہیں۔ لہذا جو

لوگ انسانیت کے رشتے کو کاٹیں گے اللہ تعالی ان سے اپنی رحمت کے رشتہ کو کاٹے گا۔

خدمت خلق مطلوب بھی ہے اور مقصود بھی ہے۔: دین کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو جہنم سے بچایا جائے۔ اگر کسی کا گھر جل رہا ہو اور اس کو بچایا جائے تو یہ خدمت خلق ہے، اور اگر موت کے بعد وہ آگ میں گرنے والا ہو اور اس کو بچایا جائے تو کیا یہ خدمت خلق نہیں ہے؟ یقینا یہ بھی خدمت خلق ہے۔ گویا مومن کی پوری زندگی چاہے وہ دعوتی نوعیت کی ہو، امدادی نوعیت کی ہو، خیر خواہانہ ہو سب کچھ اس خدمت کے زمرے میں آتا ہے۔ لیکن اس وقت امت کا سواد اعظم صرف مالی تعاون کو خدمت خلق سمجھتا ہے۔ اس کو یہ نہیں معلوم کہ مالی تعاون ضروری تو ہے لیکن اگر ہم اس کے ساتھ انسانوں کی ابدی کامیابی میں تعاون نہ کریں، ان کو آگ میں جلنے سے نہ روکیں تو ہم سے اس کے بارے میں بھی پوچھا جائے گا، دریافت کیا جائے گا۔

ان آیات و احادیث سے معلوم ہوا کہ دین میں خدمت خلق کا کتنا جامع تصور موجود ہے۔ اس کی عکاسی انسان کی پوری زندگی، سوچ، ذہن، دل و دماغ سے ہونی چاہیئے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی ایک شعبہ قائم کرلے اور مطمئن ہو جائے کہ اس نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ ہر صاحب ایمان کو دل کی گہرائیوں سے

اپنا جائزہ لینا چاہئے کہ کیا وہ ان خدمات کو انجام دے رہا ہے۔

خدمت خلق کے لئے ضروری نہیں ہے کہ آپ کے پاس پیسہ ہو، بلکہ اس کے بغیر بھی آدمی پوری زندگی مخلوقات کی خدمت کر سکتا ہے۔خدمت خلق یہ بھی ہے کہ آپ کی ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ایک آدمی مال سے خالی ہاتھ تو ہو سکتا ہے لیکن وہ دل سے دوسروں کا خیال رکھ سکتا ہے یہ بھی بہت بڑی خدمت ہے۔آپ کی زبان سے دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے،جب بھی بولیں بھلی بات بولیں ،دوسروں کا برا نہ سوچیں،ہاتھ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچائیں،لوگوں سے مسکرا کر ملیں یہ سب انسانوں کی خدمت میں شامل ہے۔اللہ کے رسول نے فرمایا: المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ مسلم وہ ہے جس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

انسان کے لئے دوسروں پر اپنا مال خرچ کرنا بہت مشکل کام ہوتا ہے کیونکہ اس سے اس کو شدید محبت ہوتی ہے، لیکن اگر انسان کو خدا پر پختہ یقین ہو تو وہ کبھی بھی خدا کی محبت پر مال کو ترجیح نہ دے گا،ایسی صورت میں اس کو اپنے رب کا وعدہ ہمیشہ یاد رہے گا و میرے راستے میں خرچ کرو میں اسے دو چند کرکے دوں گا۔حضرت عیسی نے اپنے حواریوں کو خطاب کرتے ہوئے کیا ہی پیارا جملہ ارشاد فرمایا تھا: اپنا مال خداوند کے پاس رکھو، کیونکہ انسان کا دل وہیں

ہوتا ہے جہاں اس کا مال ہوتا ہے۔

مال کو جمع کرکے رکھنے سے منع کیا گیا ہے اور مال جمع کر رکھنے والوں کے لئے تباہی وبر بادی کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ انسانی ہمدردی کا بھی تقاضہ ہے کہ اپنے جیسے بے سہارا انسانوں پر اپنا مال خرچ کیا جائے۔اس کے لئے ضروری نہیں کہ آدمی بہت مالدار ہو ۔ تھوڑا مال ہو تب بھی اس طرح کی خدمت انجام دی جا سکتی ہے۔ کیوں کہ اللہ ہر ایک کی استطاعت سے بخوبی واقف ہے۔ وہ دلوں کے راز جانتا ہے۔اور اللہ کے نزدیک نیتوں ہی پر نیکیاں ہیں۔ایک حدیث میں ہے ان اللہ لاینظرالی صورکم واموالکم ولکن ینظرالی قلوبکم واعمالکماللہ تمہاری صورتوں اور تمہارے مال کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے اعمال اور دلوں کو دیکھتا ہے،

خدمت خلق کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ انسان اپنی صلاحیت ،طاقت وقوت راہ خدا میں لگائے ،اس کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں اور حالات کے لحاظ سے وہ بدلتی بھی رہتی ہیں۔ نبی نے فرمایا: اگر اندھے کو راستہ نہیں ملتا، تم نے اسے راستہ بتا دیا تو یہ بھی خدمت ہے۔ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا بھی صدقہ ہے۔اس طرح کے بے شمار مواقع قدم قدم پر آتے رہتے ہیں ضرورت بس دل کی رضامندی کی ہے، نیت کی درستگی کی ہے ،اور اللہ پر پختہ ایمان کی ہے۔

قرآن کریم میں اجتماعی کاموں کو ترجیح دی گئی ہے۔ نبی کریم نے بھی امت کو مجتمع رہنے کی تاکید کی ہے۔اکیلے نماز پڑھنے کے مقابلے میں جماعت کی نماز کو درجہ افضل قرار دیا گیا ہے۔یہ سب باتیں ہمیں بتاتی ہیں کہ اگر خدمت خلق کا فریضہ بھی ایک نظم اور اجتماعیت کے ساتھ ہو تو وہ بھی نہایت اچھے طور سے انجام پائے گا۔کیونکہ اجتماعی کاموں میں ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ جلد از جلد پورے ہوتے ہیں، سسٹم اور نظم کے تحت ہوتے ہیں۔

نیکی اور خدمت کے بہت سارے کام ہیں ،اگر ان کی اہمیت ،فضیلت اور اس پر اللہ نے جو اجر رکھا ہے لوگوں کو معلوم ہو جائے تو لوگ دل کھول کر خرچ کریں۔لیکن یہ سارے کام تبھی درست اور باعث اجر وثواب ہوں گے جب آدمی کی نیت خالص ہو کوئی اور غرض وغایت نہ ہو، کوئی دنیوی مفاد پیش نظر نہ ہو۔انسان کو اس کے کام کا اجر وثواب صرف اسی صورت میں مل سکتا ہے جب وہ کہے ہم تو تمہیں صرف اللہ کی خاطر کھلا رہے ہیں ہم تم سے کوئی بدلہ چاہتے ہیں نہ کوئی شکریہ ،ہمیں تو اپنے رب سے اس دن کے عذاب کا خوف لاحق ہے ،جو سخت مصیبت کا انتہائی طویل دن ہوگا۔

اگر ہماری نیت اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ جو کچھ ہم خدمت کرتے ہیں ، کھانا کھلاتے ہیں لوگوں کی ضرورتوں کا خیال رکھتے ہیں ، کسی کا دل نہیں دکھاتے ،

یہ صرف اللہ کی رضا اور آخرت میں نجات کے لئے ہے تو اس پر اجر ہے اور دوسرے فوائد بھی کئی گنا حاصل ہوں گے۔ لیکن نیت یہ نہ ہو تو آپ بیٹھ کر بار بار اس بات کا رونا روتے رہیں کہ ہم نے اتنا کام کیا اس کے باوجود لوگ ہمیں نہیں مانتے، ہماری نہیں سنتے تو یہ سب چیزیں نیت کی خرابی کا نتیجہ ہیں۔ ہمارے ذہن میں ہونا چاہئے کہ یہ سارا کام جو ہم کر رہے ہیں یہ بندوں کے لیے نہیں بلکہ اللہ کے لیے ہے، اللہ کے ہم بندے ہیں اور ہم پر یہ اللہ کا حق ہے۔ ایک لمبی حدیث میں اس کا بہت اچھا نقشہ کھینچا گیا ہے جس میں ہے کہ قیامت کے روز اللہ بندے سے پوچھے گا کہ میں بھوکا تھا، پیاسا تھا، بے لباس تھا تو تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا، پانی نہیں پلایا، کپڑا نہیں پہنایا اور بندہ حیرت سے کہے گا یا اللہ تو تو سب کا پروردگار ہے تو کیسے بھوکا رہ سکتا ہے، تو کیسے پیاسا رہ سکتا ہے تو بے لباس کیسے رہ سکتا ہے اس پر اللہ کہے گا میرا فلاں بندہ بھوکا تھا، پیاسا تھا، بے لباس تھا، اگر تو اسے کھلاتا، پلاتا، کپڑے پہناتا تو آج اس کا اجر یہاں پاتا۔

خدمت خلق کا کام اس قدر اہمیت کا حامل ہے کہ جب ہم اس کام کے ذریعے انسانیت کے لیے اللہ کے نبی کی طرح رحمت بن جائیں گے تو اس وقت ہمارے وہ خواب بھی پورے ہوں گے جو ہم دنیا میں دین کے غلبے اور اس کی اقامت کے لیے دیکھتے ہیں۔ ان شا اللہ۔

نمونہ اسلاف حضرت مولانا جمشید علی بھی چلے گئے

ابھی پیر طریقت حضرت مولانا خلیفہ عبدالقیوم (سرپرست اعلیٰ اہل سنت والجماعت) کی جدائی کا غم تازہ تھا، جو معروف روحانی شخصیت اور حضرت شیخ احمد دہلوی کے خلییفہ مجاز بھی تھے، کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد جمشید علی بھی داغ مفارقت دے گئے۔ اس موقع پر ہم اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی رہتے ہوئے نبوی تعلیم کے مطابق ''فان للہ مااخذ ولہ مااعطیٰ وکل شیء عندہ باجل مسمّٰی ''ہی کہہ سکتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد جمشید علی کی عام پہچان ایک تبلیغی بزرگ اور پاکستان میں تبلیغی جماعت کے بانی راہ نما کے طور پر تھی، لیکن بہت کم لوگ اس حقیقت سے واقف تھے کہ حضرت مرحوم ایک عظیم علمی نسبت کے بھی حامل تھے اور ایک عظیم الشان روحانی نسبت بھی رکھتے تھے۔ علمی حوالے سے ان کی ابتدائی تعلیم وتربیت حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی کی ایر سرپرستی ہوئی تھی، اور انہی کے حکم ومشورے پر حضرت مرحوم نے ازہر ہند دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا تھا، وہاں ان کے اساتذہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسوین احمد مدنی جیسی نابغہ روزگار علمی و عملی شخصیات شامل تھیں، جن کے فیض صحبت

وتربیت نے انھیں کندن بنادیا تھا۔ان کا شمار شیخ الاسلام مدنی کے نمایاں شاگردوں میں ہوتا تھا۔اس کے ساتھ ساتھ آپ ایک عظیم روحانی نسبت بھی رکھتے تھے۔آپ برصغیر کے مسیح الامت حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خان کے مرید تھے۔آپ کا اپنے شیخ سے تعلق محض ضابطے کا نہیں بلکہ رابطے کا تھا۔آپ نے حضرت حکیم الامت و شیخ الاسلام سے یہی سیکھا تھا کہ جب کسی اللہ والے کے ہاتھ میں بہ غرض اصلاح اپنا ہاتھ دے دو تو پھر خود کو مٹادو، اپنے تمام معاملات اپنے مرشد کے مشورے سے طے کرو اور اس کے فرمان پر سر تسلیم خم کر دیا کرو، کہ دانہ خاک میں مل کر گل وگلزار ہوتا ہے۔سو انھوں نے بھی اپنے آپ کو مکمل طور پر اپنے شیخ کے سپرد کر دیا تھا۔قیام پاکستان تک ان کی خدمت میں رہ کر روحانیت کے موتے سمیٹے اور پاکستان کے قیام کے بعد انہی کے حکم وارشاد پر دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈو الہ یار تشریف لائے۔یہاں قیام کے دوران آپ کو شیخ الحدیث نمونہ اسلاف حضرت مولانا سلیم اللہ خان مدظلہم العالیہ کی شاگردی کا شرف بھی حاصل ہوا۔بعد ازاں آپ کا یہاں استاد کے طور پر تقرر ہوا۔

آپ 1966ء میں یہاں سے مدرسہ عربیہ اسلامیہ رائے ونڈ تشریف لے گئے اور خود کو تبلیغی کاموں کے لیے وقف فرمایا،آپ کا شمار پاکستان میں تبلیغی جماعت کے صف اول کے راہ نماؤں اور قطب الاقطاب حضرت حاجی محمد عبدالوہاب مدظلہم العالیہ کے انتہائی قریبی ساتھیوں میں ہوتا تھا۔تبلیغی

سرگرمیوں، بیانات، خروج والی جماعتوں سے الوداعی مصافحے وہدایات کے ساتھ ساتھ آپ شیخ الحدیث کے منصب جلیل پر بھی فائز تھے اور اپنے استاد محترم حضرت مدنی کے طرز پر تدریس کیا کرتے تھے۔ جس طرح حضرت مدنی نے سیاسی مصروفیات کو تدریس حدیث میں آڑے نہ آنے دیا، اسی طرح آپ نے بھی تبلیغی مصروفیات کو خدمت ودرس حدیث کی راہ میں حائل نہ ہونے دیا اور اپنے اکابر واسلاف کی طرح ہجوم عوارض وامراض کے باوجود اس شغل محمود میں اپنی زندگی بسر کی۔ آپ کے تلامذہ میں کئی نامور شخصیات بھی شامل ہیں، جن میں مبلغ اسلام حضرت مولانا ڈاکٹر محمد طارق جمیل اور داعی قرآن حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن شہید قابل ذکر ہیں۔

1966ء میں تبلیغی جماعت سے آپ نے جو تعلق قائم کیا تھا، وہ تادم آخر برقرار رہا۔ لاہور میں دو ہفتے زیر علاج رہنے کے بعد جب آپ خالق حقیقی سے جا ملے اور آپ کا جسد خاکی تبلیغی مرکز رائے ونڈ لایا گیا تو ہر آنکھ اشک بار تھی، کہ آج تبلیغی جماعت سے وابستہ ہر شخص خواہ وہ ذمہ دار ہو یا کارکن، خود کو یتیم محسوس کر رہا تھا، کہ اب ایسی شفیق ہستی کہاں ملے گی، بقول شاعر

ڈھونڈو گے ہمیں ملکوں ملکوں
ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

حضرت مولانا مرحوم 1931ء میں بھارتی ضلع مظفر نگر کے علاقے اسلام پورہ میں

پیدا ہوئے تھے، یوں آپ نے ماشاء اللہ 83 برس کی عمر پائی۔ 48 برس سے آپ نے خود کو تبلیغ ودعوت کی عظیم محنت کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ آپ تو اپنی خدمات کا صلہ پانے کے لیے رب شکور کی بارگاہ میں حاضر ہو چکے، جہاں ہر شخص کو حاضر ہونا ہے، یوں بہ ظاہر ہم ایک شفیق ہستی سے محروم ہو گئے، لیکن آپ کے صاحب زادے
مولانا محمد خورشید علی سمیت آپ کے لاکھوں تلامذہ و مریدین تا قیام قیامت آپ کی حسنات میں اضافے کا باعث اور آپ کے انداز پر خلق اللہ کی تربیت کرتے رہیں گے۔
ہم ان کے لواحقین، اہل خانہ و تلامذہ سے دلی اظہار تعزیت کرتے ہوئے خلاق عالم کی بارگاہ میں مرحوم کے رفع درجات کے لیے دعا گو ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں اپنی شان عطا کے مطابق بہترین جزا عطا فرمائے۔ آمین۔

قیام امن کے داعی کا سفاکانہ قتل

دن بہ دن تنہائی کا احساس شدید تر ہوتا جاتا ہے، علمائے کرام جن کی اس قحط الرجال کے دور میں ضرورت ماضی سے کہیں زیادہ بڑھ چکی ہے، ایک ایک کرکے اٹھتے جارہے ہیں، کچھ اپنی طبعی موت توکچھ لیلائے شہادت سے ہم آغوش ہو کر ہمیں داغ مفارقت دیتے جارہے ہیں۔ ابھی جامع سیاست وطریقت حضرت مولانامیاں سراج احمد دین پوری کے مرقد کی مٹی بھی نہیں سوکھی ، کہ ایک اور ہیرا ہم سے چھین لیاگیا،ایک اور نابغہ روزگار ہستی،ایک اور حق گو عالم دین،ایک اور خطیب بے بدل،ایک اوراصول پسند سیاست دان،جس کے قدم سیاست کی پرخار وادی میں بھی کسی لمحے ڈگمگائے نہیں۔سابق سینیٹراورجمعیت علمائے اسلام (ف)کے صوبائی جنرل سیکریٹری حضرت مولاناعلامہ ڈاکٹر خالد محمود سومرو سکھر جامعہ حقانیہ میں نماز فجر ادا کررہے تھے کہ نامعلوم مسلح ملزمان نے ان پر اندھا دھند فائرنگ کر دی، ڈاکٹر صاحب کو اسپتال منتقل کیا جارہا تھا کہ وہ راستے میں ہی دم توڑ گئے۔

ڈاکٹر خالد محمود سومرو کا تعلق لاڑکانہ سے تھا اور وہ 26 سال تک جے یو آئی (ف)کے سیکرٹری جنرل رہے، 2006 میں سینیٹر منتخب ہوئے اور مختلف کمیٹیوں کے چیرمین رہے۔ ڈاکٹر خالد محمود پر پہلے بھی 5 مرتبہ قاتلانہ حملہ ہو چکا

تھا جب کہ کچھ عرصے قبل بھی ان پر رتوڈیرو میں بھی ان پر قاتلانہ حملہ کیا گیا تھا۔ سندھ کی سیاست میں ان کا اہم کردار رہا ہے اور جے یو آئی (ف) کے سندھ میں جلسوں کے تمام تر انتظامات ڈاکٹر خالد محمود سومرو ہی کیا کرتے تھے۔

کاش! سفاک قاتلوں کو معلوم ہوتا ڈاکٹر خالد محمود سومرو کتنے اہم انسان تھے۔ وہ محض ایک عالم دین اور ایک مذہبی سیاسی جماعت کے صوبائی راہ نما ہی نہیں، بل کہ انتہائی لایق، فایق، اعلیٰ تعلیم یافتہ شخص تھے۔ ان کا انتخاب رب لم یزل نے جس عظیم کام کے لیے کر رکھا تھا، ان کے تعلیمی پس منظر کو دیکھ کر ایسا گمان بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہ تھے تو ایک عالم دین کے صاحب زادے اور ایک دینی ومذہبی پس منظر رکھنے والے خاندان کے چشم وچراغ، لیکن انھوں نے عصری تعلیم حاصل کی تھی اور لاڑکانہ سے MBBS کی ڈگری حاصل کی اور لاڑکانہ ہی میں ہاؤس جاب سے اپنی عملی CMC - (R.M.P) زندگی کا آغاز کیا۔ گویا وہ چلے تو تھے لوگوں کی جسمانی بیماریوں کا علاج کرنے کے لیے مگر سبحان! تیری قدرت... تیرے ہاں اس ڈاکٹر کے لیے کسی اور کام کا انتخاب، ہو چکا تھا کہ جسمانی معالج وفزیشن تو بہت ہیں، ضرورت ہے ایک نباض امت کی جو سیاست کی پرخار وادی میں قدم رکھے اور قوم وملت کو اندرونی وبیرونی دشمنوں کی، طرف سے لگائے جانے والے روحانی امراض سے محفوظ رکھنے میں اپنا کردار ادا کرے۔ سو اس فزیشن نے سیاست کی وادی پرخار میں قدم رکھا، ساتھ ہی سندھ یونی ورسٹی جام شورو سے اسلامک کلچر میں ماسٹر ڈگری بھی حاصل کی، اس کے

ساتھ ساتھ آپ نے بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی اسلام آباد اور جامعہ ازہر مصر سے کورسز بھی کر رکھے تھے۔سیاست کے میدان میں آپ نے اپنی خداداد صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کیا اور اس کے لیے جمعیت علمائے اسلام کا پلیٹ فارم چنا، جس کے ناظم عمومی برائے صوبہ سندھ کے طور پر آپ نے 26 سال تک خدمات انجام دیں۔یہ آپ کی خدمات کا اعتراف ہی تھا کہ اتنے طویل عرصے تک اس منصب کے لیے آپ ہی کا انتخاب کیا جاتا رہا۔اس کے علاوہ آپ کی حیثیت وقت کی نبض پر ہاتھ رکھنے والے بیدار مغز راہ نما کی تھی۔آپ کا شمار ان گنے چنے سیاست دانوں میں ہوتا تھا، جن کی رائے کو خصوصی اہمیت دی جاتی تھی۔آپ 2006ء سے 2012ء تک سینیٹ آف پاکستان کے رکن اور مختلف اسٹینڈنگ کمیٹیوں میں بھی شامل رہے۔

ان کی پہچان صرف ایک سیاست دان کی نہیں تھی، بل کہ وہ ایک اسلامی اسکالر کے طور پر پہچانے جاتے تھے اور دنیا بھر میں آپ کو لیکچر دینے کے لیے مدعو کیا جاتا تھا۔آپ نے ہر فورم پر اسلام کے آفاقی پیغام کو ہر مرض کی دوا کے طور پر پیش کیا، اس کا اندازہ اقوام متحدہ کے زیر اہتمام انسانی حقوق کے حوالے سے ۔اور نومبر کو جنیوا (سوئزرلینڈ) میں منعقدہ بین الاقوامی سیمینار میں سینیٹر ڈاکٹر خالد محمود سومرو کی تقریر کے ان کلمات سے بہ خوبی ہو سکتا ہے، ملاحظہ فرمائیے!

اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس وقت دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ دہشت گردی'' ہے اور ہمارا ملک پاکستان دہشت گردوں کے نشانے پر ہے، ہم عرصہ سے دہشت گردوں کا شکار بنے ہوئے ہیں، پاکستان میں دہشت گردی کی وجہ سے بہت سارے نقصانات ہوئے ہیں۔ ہم دہشت گردی کی بھرپور مذمت کرتے ہیں جہاں پر بھی کوئی دہشت گردی ہوئی ہے ہم نے اس کی مذمت کی ہے، لیکن یہ ضروری ہے کہ دہشت گردی کی تعریف مقرر کرنی چاہئے کہ دہشت گردی کیا ہے؟ کیونکہ ابھی تک یہ واضح نہیں ہے کہ آپ کس کو دہشت گرد کہہ رہے ہیں۔ اقوام متحدہ کی قرار دادوں میں بھی یہ وضاحت موجود ہے کہ اگر کوئی ملک کسی دوسرے ملک پر جبری قبضہ کرنے کی کوشش کرے تو اس علاقہ کے لوگوں کو اپنی دھرتی اور اپنے ملک کے تحفظ کا حق حاصل ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جب تک دہشت گردی کے بنیادی اسباب ختم نہیں ہوں گے، تب تک دہشت گردی سے جان نہیں چھوٹے گی۔ میرے خیال کے مطابق طاقت کا ناجائز استعمال، کسی بھی ملک پر ناجائز قبضہ، لوگوں کو زبردستی اپنا غلام بنانے کی کوشش سیاسی اور سماجی ناانصافی، دہشت گردی کے بنیادی اسباب ہیں ان چیزوں کو ختم کرنے کی کوشش کی جائے۔ میرے خیال کے مطابق دہشت گردی کے عمل کو کسی بھی مذہب یا قوم کے ساتھ منسلک کرنا درست نہیں ہے۔ اسلام لفظ کے معنی ہیں: سلامتی۔ اور ایمان لفظ کے معنی ہیں: امن یہی سبب ہے کہ ہم مسلمان امن اور سلامتی کی بات کرتے ہیں کیونکہ ہمارا دین ہمیں امن اور سلامتی کا درس دیتا ہے ہم چاہتے ہیں کہ دنیا بھر کے لوگوں کو امن اور سلامتی نصیب ہو

اور تمام لوگوں کو ان کے بنیادی حقوق ملیں اللہ تعالی نے قرآن پاک میں اور تمام آسمانی کتابوں میں حقوق انسانی کا تذکرہ فرمایا ہے اور اللہ تعالی کے تمام نبیوں نے بھی انسانی حقوق کے تحفظ کی بات کی ہے۔ اللہ تعالی کے آخری پیغمبر حضرت محمد ا نے حج الوداع کے موقع پر جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا وہ خطبہ انسانی حقوق کے سلسلہ میں ایک اہم پیغام تھاہم سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالی کے آخری پیغمبر کا یہ خطبہ حقوقِ انسانی کا پہلا بین ''الاقوامی چارٹر تھا۔

اقوام متحدہ کا فورم ہو یا مؤتمر عالم اسلامی کا اسٹیج، متحدہ مجلس عمل کا پلیٹ فارم ہو یا ملی یک جہتی کونسل کا، وفاق المدارس العربیہ کا کوئی جلسہ ہو ہو یا جمعیت علمائے اسلام کا پروگرام، سیاسی ہوں یا غیر سیاسی اجتماعات ... غرض ہر جگہ انھوں نے اسلام کے پیغام امن کا پرچار کیا، اسلام کو دہشت گردی سے زبردستی جوڑنے کی کوششوں کی مذمت کی، اسلام کا اصل چہرہ سامنے رکھا اور ملک بھر میں قیام امن کے لیے جہاں کہیں کوئی کوشش ہوئی اس کی پرزور تایید کی۔ انھوں نے غلط کو ببانگ دہل غلط کہا اور اس میں کسی کی ملامت کی ذرہ برابر پروانہ کی۔ انھوں نے جماعتی پالیسی کو ہمیشہ مقدم رکھا، لیکن جماعتی پالیسی بھی کبھی ان کے پاؤں کی بیڑی نہ بن سکی۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے جو زمانے کے ساتھ بدلا نہیں کرتے، بل کہ زمانے کو بدلنے کا ہنر جانتے ہیں، سو انھوں، نے بھی

دستورِ مے خانہ بدل ڈالا تھا۔جب انھوں نے جنیوکنونشن بہ دختر پاکستان ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی کھل کروکالت کی اور امریکا کوانسانی حقوق پامال کرنے کا سب سے بڑا مجرم گردانا، توانھیں ''ہاتھ ہلکا رکھنے''کی فہمایش کی گئی تھی، جسے وہ خاطر میں نہیں لائے تھے، کہ وہ قلندر تھے اور قلندر کی یہ صدا ہوا کرتی ہے

ٹھوکر سے میرا پاؤں توزخمی ہوا مگر

راستے میں جو حایل تھا وہ کہسار ہٹ گیا

علامہ ڈاکٹر خالد محمود سومرو اعلیٰ عصری تعلیم کے حامل ہونے کی وجہ سے مغرب پرست لابیوں کی نفسیات اوران کے طریق واردات سے ہی واقف نہیں تھے، بل کہ وارث انبیاء ہونے کی وجہ سے ان کا توڑ بھی جانتے تھے۔سیاست وثقافت اور وقوم وزبان کی آڑ میں مستقبل بہ باطل جو کھیل کھیلنے والا ہوتا تھا، وہ اس کی پیشگی اطلاع ہی نہیں رکھتے تھے، بل کہ امت کو خبر دار کر کے اس کے توڑ میں مصروف ہوجایا کرتے تھے۔یہی ان کی وہ ادائے باغیانہ تھی جو دورِ حاضر کے طاغوت کو کھٹکتی تھی۔یہی وہ ان کا بانکپن تھا، جو عالم کفر کو ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔یہی وہ ان کی صدائے حریت تھی جسے دبانے کے لیے ایک عرصے سے سندھ کی قوم پرست اور وطن پرست جماعتیں کوشاں تھیں۔انہیں قلق تھا اس بات کا، کہ یہ شخص ہمارے لوگوں کو دینی غیرت وحمیت کی جس لڑی میں پروتا جارہاہے ،اگر یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہا توہمیں اپنے پروگراموں کی چاکنگ اور کارکی لابنگ کرنے کے لیے لوگ اسی طرح

مستعار لینے پڑیں گے، جس طرح روشنیوں کے شہر میں ایک جماعت کا وتیرہ رہا ہے یا جس طرح دھرنا، راانڈ سیاست دانوں نے کیا۔ سندھی نوجوانوں پر ان کے گہرے اثرات تھے۔ ان کی خطابت اور مترنم تقریریں مجمعے پر وہ اثر ڈالتی تھیں، کہ جو انھیں ایک بار سن لیتا، انہی کے گن گانے لگتا تھا۔

ان کا قاتل کون ہو سکتا ہے؟ افراد، شخصیات، اندرونی یا بیرونی سازش کار... اس سے قطع نظر یہ بات طے ہے کہ ان کو بہ حالت نماز شہید کرنے والا کوئی مسلمان نہیں ہو سکتا، زمانے کے انحطاط سے انکار نہیں، تاہم ایسی حرکت کوئی مسلمان نہیں کر سکتا اور جو کوئی ایسی حرکت کرے وہ مسلمان نہیں ہو سکتا۔ قاتل اور اس کے سرپرست خوش نہ ہوں، کہ ہم نے ایک راہ کا روڑا ہٹا دیا ہے، لہٰذا اس پاک دھرتی کی پشت پر وہ اپنے بیرونی آقاؤں کے مغربی تہذیب کو رائج کرنے کے منصوبے پر آزادی سے عمل پیرا ہو سکیں گے، نہیں اور ہر گز نہیں، کہ اہل حق کی تاریخ ہی قربانیوں سے عبارت ہے، شہید کا خون ہی تو ہے جس سے اس دین کی آبیاری ہوئی ہے۔ تاریخ بھی اس بات کی گواہ ہے اور بوڑھا آسمان بھی اس حقیقت پر شاہد عدل، کہ شہید اپنی جان تو دے دیتا ہے، مگر اس کی قربانی سے اس کے مشن و موقف میں کم زوری و اضمحلال نہیں آیا کرتا، بل کہ جو شہید ہوتا ہے وہ بقول علامہ علی شیر حیدری: مٹتا نہیں، بل کہ بیج بن کر ابھرتا ہے، بیج بہ ظاہر زمین میں غایب ہو جاتا ہے، مگر گل گلزار بن کر نکلتا ہے۔ ایک بیج سے پھلوں، پھولوں، کلیوں اور بیل بوٹوں کا ایک سلسلہ شروع

ہوجاتا ہے، جوایک کیاری، ایک باغ، ایک گلشن کی شکل اختیار کرجاتا ہے۔

وہ قیام امن کے پرجوش مناداور پرزور داعی تھے۔ انھوں نے کراچی آپریشن کی کھل کرحمایت کی تھی۔ وہ ان دنوں جعلی پولیس مقابلوں کے حوالے سے بڑے متفکر تھے، کہ جب قانون کے رکھوالے ہی قانون کامذاق اڑائے جانے کاسبب بنیں گے اور محافظ ہی قاتل ٹھہریں گے، توکسی وکیل کریں کس سے منصفی چاہیں!! انھوں نے اس حوالے سے اعلیٰ حکام سے ملاقاتیں بھی کی تھیں اور کوئی بڑااسٹینڈ لینے جارہے تھے۔

سندھ میں امن وامان کی ابتر صورت حال کے اس ماحول میں صوبائی حکومت بالکل بے بس ہے۔ زندگی کے کسی شعبے میں اس کی کارکردگی نظر نہیں آتی۔ حکومت کی ناکامی کے لئے ثبوت و شواہد یا کسی کی تصدیق وتردید کی ضرورت نہیں ہے۔ پیپلزپارٹی کے پچھلے دورِ حکومت سے آج تک چھ سال سے زائد کے عرصے میں قائم علی شاہ سندھ کے وزیراعلیٰ ہیں۔ اس پیرانہ سالی میں وہ ملک و قوم یا کم از کم اپنے صوبہ کی بھی خدمت کے قابل نہیں، لیکن ان میں پیپلزپارٹی کی قیادت کو نہ جانے کیا اہلیت، صلاحیت نظر آتی ہے کہ پارٹی سندھ کی قیادت کے لئے کسی اور شخص کوتلاش کرتی ہے، نہ اعتماد کرتی ہے۔ان کے چھ سالہ دورِ حکومت میں عوام کا دم پوری طرح نکلنے اور سانس اکھڑنے لگا ہے۔ سالہا سال سے پولیس اور مجرموں کے درمیان آنکھ مچولی جاری ہے، تو صوبائی حکومت کواپنی شدید ناکامی کا اعتراف کرتے ہوئے مستعفی ہو جانا چاہیے۔ حکومت شہریوں کی جان او

مال و املاک کا تحفظ نہ کرسکے، جو اس کا بنیادی فریضہ ہے تو اسے حکمرانی کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ یہ واقعہ سندھ میں بدامنی کے واقعات میں روز بروز اضافے کا واضح ثبوت ہے۔ سندھ حکومت امن کے قیام اور عوام کے تحفظ کی ذمہ داری میں بری طرح ناکام ہوچکی ہے۔ سندھ میں حکومت نام کی کوئی چیز نظر نہیں آرہی، ہر طرف ڈاکوؤں اور قاتلوں کا راج ہے۔ پاکستان کی سرزمین پر بلاامتیاز مسلک ومذہب جن اکابر شخصیات وحضرات کا ناحق خون بہایا گیا۔

ہم سمجھتے ہیں کہ ڈاکٹر مولانا خالد محمود سومرو کی شہادت حال ہی میں تشکیل پانے والے علمائے دیوبند کے اتحاد کے لیے ٹیسٹ کیس ہے۔ ہماری دینی قیادت، اکابر علما کرام دانشورانِ قوم اور بااثر حضرات کو سوچنا چاہیے کہ اگر بات کسی ایک فرد یا ادارے کی، ہوتی تو ہماری بے توجہی اور لاتعلقی کی شاید کوئی تاویل یا توجیہ ہوسکتی تھی، لیکن یہ سب مکتبہ فکر، تمام طبقات اور سارے مسلکی حلقوں کا معاملہ ہے۔ اس لئے کہ حاملین دین پر حملہ خود دین پر حملہ ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان حادثات وواقعات کے سدباب اور روک تھام کے لئے مشاورت سے کوئی واضح لائحہ عمل مرتب کیا جائے تاکہ آئندہ ایسے حادثات کا اعادہ نہ ہو۔ اگر اب بھی ہم نے وقت کھودیا اور اس طرح، اپنے اکابر کے خون میں لت پت لاشے اٹھاتے رہے تو دنیائے اسلام اپنے ان علمی سپوتوں اور قوم کی پیشوائی وراہ نمائی کرنے والی عظیم شخصیات سے محروم ہوجائے گی، جو ملک وملت

کو خود کشی کی راہوں پر ڈالنے کے مترادف ہوگا۔

دفاعِ صحابہ کے محاذ پر مولانا محمد نافع کی خدمات۔ایک جائزہ

ایک اور نابغہ روزگار شخصیت حضرت مولانا محمد نافع بھی اِنتقال کر گئے ۔ماشاء اللہ آپ نے تقریباً سو سال عمر پائی۔آخر وقت تک دل و دماغ، حافظہ، علوم کا استحضار حیرت انگیز طور پر برابر کام کر رہا تھا۔ایسے بزرگوں کی وَفات پر جنابِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اِرشاد ''یَرْفَعُ اللّٰہُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَائَ'' کی عملی تصویر تو ذہن میں پھر سے تازہ ہو جاتی ہے۔

چنیوٹ جامعہ آباد کے مغربی جانب ''محمدی شریف'' کے نام سے ایک گاؤں ہے۔ یہاں ایک بزرگ عالم دِین حضرت مولانا عبد الغفور صاحب کو تقریباًایک صدی قبل اللہ رَبُّ العزت نے تین صاحب زادے عطافرمائے،اُنھوں نے اپنے سب سے چھوٹے صاحب زادے کا نام ''محمد نافع'' رکھا،اس کا پس منظر میں بڑا دلچسپ ہے،آپ بھی ملاحظہ فرمایئے!

یہ 1914ء کی بات ہے، مولانا عبد الغفور سفر حج کی سعادَت کے لیے مکہ مکرمہ پہنچے،مناسک حج کی ادائیگی سے فراغت کے بعد مدینۃ الرسول کی زِیارت کا شوق دِل میں انگڑائیاں لینے لگا، یہ وہ دور تھا جب یہ سفر بذرِیعہ اُونٹ قطع

کیا جاتا تھا، اس کے لیے جب کوشش کی گئی تو ''نافع'' نامی شتربان سے اُجرت پر سوارِی کا اُونٹ دَستیاب ہوا، شتربان اتنا شریف النفس اور عالی اخلاق انسان تھا کہ مولانا عبدالغفور نے شتربان کا یہ خوب صورَت نام دماغ کے دَرِیچے میں ایک پیاری سی نیت کرکے محفوظ کرلیا، سفرحج سے واپسی کے ایک ہی سال بعد جب ان کے گھر ایک نومولود نے آنکھ کھولی تو انھوں نے اس نومولود کے لیے اُس مدنی شتربان کے نام پر اِسم ''نافع'' کا اِنتخاب کیا اور تبرکاً ساتھ اسم گرامی ''محمد'' کو لگا کر پورا نام ''محمد نافع'' رَکھا۔

ضرت مولانا محمد نافع نے 1933ء میں قرآنِ کریم حفظ مکمل کیا، اس کے بعد اِبتدائی دِینی کتب کی تعلیم سے فراغت کے بعد حضرت مولانا محمد نافع نے عالم اِسلام کی مایۂ ناز یونیورسٹی دَارُالعلوم دِیوبند میں دَاخلہ لیا اور دورۂ حدیث مکمل کیا، دورۂ حدیث یںحضرت مولانا محمد نافع نے شیخ الادب اعزازالعلماء حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب، جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا محمد اِبراہیم بلیاوی اور مفتی اعظم حضرت مفتی محمد شفیع صاحب سے اِستفادَہ کیا۔فراغت کے بعد محمدی شریف کے مقامی اِدارہ ''جامعہ محمدی'' میں سلسلۂ تدرِیس شروع کیا۔حضرت مولانا محمد نافع نے دارالعلوم دیوبند سے سندفراغت حاصل کرنے کے بعدتدریس کے ساتھ ساتھ تنظیم اہل سنت والجماعت، جس کے رہنماؤں میں مولانا نورالحسن بخاری، مولانا دوست محمد

قریشی اور علامہ عبد الستار تونسوی شامل ہیں،کے پلیٹ فارم سے رد رفض پر کام شروع کیا، تنظیم کا ہفت روزہ الدعوہ نکلتا تھا اس میں ''تحقیقاتِ نافعہ'' کے عنوان سے مختلف موضوعات پر مضامین لکھنے شروع کیے، آپ کے استاذ مولانا احمد شاہ بخاری ماہنامہ الفاروق کے نام سے ایک رسالہ نکالتے تھے اس کے لیے بھی کئی مضامین لکھے۔آپ کے مضامین نے بہت جلد قارئین میں ایک حلقہ پیدا کرلیا۔حضرت مولانا محمد نافع ایک بزرگ، متبحر اور نکتہ رَس عالم دِین تھے، آپ نے پوری عمر عظمت صحابہ رِضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے کام کیا، اعتدال میں اپنی مثال آپ تھے، حضرت مولانا محمد نافع کی تصانیف معلومات کا خزانہ ہیں، مولانا محمد نافع نے جس جس موضوع پر قلم اُٹھایا، دِیانت دارِی کی بات ہے کہ اُس کا حق اَدَا کردِیا۔

انھوں نے اپنی پوری زندگی گمنامی میں جھنگ کے ایک چھوٹے سے دیہات میں گزار گئے، لیکن دنیا کے راحت و آرام کے حصول کی کبھی تمنا نہیں کی، ایسی حالت میں جہاں دنیا کی کوئی خاص سہولت بھی میسر نہ تھی، حضراتِ صحابہ کی سیرت پر دسیوں کتابیں لکھیں، اور اُمت کے سامنے پیش کرنے کے لیے ''مشاجراتِ صحابہ'' کے مسئلہ کو منتخب کیا جہاں قلم کی جولانیاں دِکھاتے ہوئے بہت سوں کی ٹانگیں پھسل گئی ہیں اور کئی اہل قلم راہِ اعتدال سے بھٹک گئے ہیں، لیکن حضرت مولانا نے ایسے آسان انداز میں اعتدال کے ساتھ اہل سنت والجماعت کے

مؤقف کو پیش کیا کہ اہل علم عش عش کر اٹھے۔ علمی دُنیا اُنہیں اہل سنت والجماعت کے علمی ترجمان اور صحابہ کرام کے ناموس و وقار کے تحفظ کی علامت کے طور پر جانتی ہے۔ حضرت کی پہچان دِفاعِ صحابہ کے مسئلے پر اُن کا وہ تحقیقی قلم ہے جس سے مجموعی طور پر ہزاروں صفحات پر مشتمل حضرت کی متعدد کتب منصہ شہود پر آکر قبولِ خاص و عام حاصل کر چکی ہیں۔ وہ اِمام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی کے اُس علمی قافلہ کے فرد تھے، جنہوں نے اہل سنت والجماعت کے عقائد کے فروغ و تحفظ اور حضراتِ صحابہ کرام واہل بیت عظام رضی اللہ عنہم کی حیات و خدمات کی اِشاعت اور اُن کے بارے میں معاندین کی طرف سے مختلف ادوار میں پھیلائے جانے والے اعتراضات اور شکوک و شبہات کے جواب و دِفاع میں مسلسل جدوجہد کی ہے۔ حضرت نے اس موضوع پر نہایت عرق رَیزی سے کام کیا، تاریخی رِوَایات کی چھان بین کے لیے قرآن و حدیث کی بہترین چھلنی لگائی، رِوَایات کے کذب و صدق کی جانچ پڑتال کے لیے اِنصاف کا ترازو قائم کیا اور رِوَایات کے رطب و یابس کو الگ کرنے کے لیے معتدل و معقول معیار قائم کیا۔ جس کی گواہی ہر وہ شخص دی گا جس نے کبھی تلاشِ حق میں حضرت کی بارگاہِ علم پر حاضری دِی ہو۔ حضرت کی دِفاعِ صحابہ کی منجملہ تصانیف میں سے ایک، ''رحماء بینھم'' نامی کتاب ہے، جو اپنے موضوع پر ایک منفرد انوکھی اور بے مثال و لازوَال کتاب ہے۔ حضرت کے علمی ذوق کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ کتاب کا نام ہی مصنف کا دعویٰ ہے اور پوری کتاب کے

سینکڑوں صفحات اسی دعویٰ کی دَلیل ہیں۔ان کی کتب میں دَرج شدہ دَلائل ٹھوس، حوالے صحیح اور مطابقے ہیں اُن کی تحقیق انیق سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ رَیت کے ذرات میں سے سونا الگ کرنا جانتے ہیں، انھوں نے مقامِ صحابہ اور مقامِ اہل بیت کی وَضاحت کرکے نہ صرف مسلک حقہ کو وَاضح کیا ہے بلکہ رَوَافض کے اعتراضات اور شکوک شبہات کااِستیصال بھی کیا ہے، مولانا کی تصنیفات رَوَافض کے نظریات پر ضربِ کارِی ہیں۔ اُنھوں نے اپنی متعدد تالیفات کے ذِریعے سے حضرات صحابہ کرام کے حقیقی سیرت و کردار کومستحکم علمی اور تارِیخی دَلائل کے ساتھ وَاضح فرمایا۔ جن اِنصاف نا آشنا حلقوں نے ان حضرات پر طرح طرح کے اعتراضات وارِد کیے ہیں اُن کا شافی اور اِطمینان بخش جواب دِیا اور حضراتِ صحابہ کرام کے دَرمیان جو علمی اور سیاسی اِختلافات پیش آئے، اُن کے حقیقی اسباب کی دِل نشین وَضاحت فرمائی۔

وقت کے ابن حجر شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی، شیخ الحدیث و نائب رَئیس جامعہ دَارُالعلوم کراچی، نے ان کی ایک کتاب پر ان الفاظ میں تبصرہ فرمایا: ''سیرتِ حضرت معاویہ'' میں حضرت مولانا محمد نافع صاحب نے حضرت معاویہ کی سیرت کے حقیقی روشن پہلوؤں کو مضبوط دَلائل کے ساتھ اُجاگر کیا ہے۔ حضرت معاویہ اُن صحابہ کرام میں سے ہیں جن کے خلاف اعتراضات و مطاعن کے ترکش سے کوئی تیر بچا کر نہیں رکھا گیا۔ قابل تعریف بات یہ ہے کہ

مولانا محمد نافع صاحب کا اندازِ بیان مناظرانہ اور جارحانہ نہیں ہے بلکہ باوَقار اور دِل نشین ہے اور سنجیدہ علمی تحقیق کی بنیاد پر پورا اُترتا ہے۔'' (مقدمہ سیرت حضرت معاویہ)

اپنے دور کے امام المحققین حضرت مولانا محمد عبدالستار تونسوی نے فرمایا: ''بندہ نے ان کی اکثر کتب مثلًا رحماء بینھم، حدیث ثقلین، بناتِ اربعہ، سیرتِ حضرت علی المرتضٰی، سیرتِ حضرت امیر معاویہ وغیرہ دیکھیں اور ابھی اُن کی نئی تالیف فوائد نافعہ ہر دو جلدوں کو تقریبًا اکثر مقامات سے دیکھا ہے، ماشاء اللہ موصوف نے اہل سنت کی ترجمانی کا حق اَدا کردِیا ہے، بحمداللہ میری دَیرینہ آرزو پوری ہو گئی ہے، بلا مبالغہ عرض ہے کہ عدیم الفرصت ہونے کی وجہ سے خود ایسی جامع کتاب نہیں لکھ سکتا۔

یہ تومشتے نمونہ ازخروارے دو اقتباسات ہیں، ورنہ ان کی علمی و تحقیقی شان کے تمام اکابر واصاغر قائل تھے، جس کا ایک واضح ثبوت یہ بھی ہے کہ ان کی تحریر کردہ کتابیں ہر محقق عالم ومناظر کی مطالعے کی میز کی زینت نظر آتی ہیں۔حیات امیر معاویہ پر کتابچے کی تالیف کے دوران بندہ کو بھی ان کی کتابوں سے استفادہ کرنے کا موقع ملا اور بلا مبالغہ کئی مشکل عقدے حضرت کی کتابوں کی ورق گردانی سے چٹکی بجاتے حل ہو گئے۔اللہ انھیں اپنی طرف سے اس کا بہترین بدلہ عنایت

فرمائے۔آمین۔

حضرت کی ایک نمایاں خصوصیت کثرتِ مطالعہ تھی، حضرت کثیر المطالعہ بھی تھے اور سریع المطالعہ ۔حضرت بلاشبہ اللہ یعالیٰ کے اعلیٰ پائے کے ولی تھے۔حضرت کی بنیادی اور اِمتیازی خصوصیت ان کی سادگی تھی۔ حضرت کے ایک معتقد حضرت کی سادگی کا نقشہ کھینچتے ہوئے رَقمطراز ہیں ''میں جب جھنگ میں ایڈیشنل ڈائیریکٹر لوکل گورنمنٹ کے عہدے پر تعینات تھا تو اکثر محمدی شریف جایا کرتا تھا لائبریری کی چوکی پر ایک دُبلے پتلے بزرگ بیٹھے دِکھائی دیتے تھے جن کے اِرد گرد کتابوں کا انبار لگا ہوتا تھا، ایک طرف اسٹیل کی چائے دَانی اور مٹی کی ایک پیالی پڑی ہوتی تھی اور وَہی اُن کی کل متاع تھی اور اسی سامان کو وہ نعمت غیر مترقبہ سمجھتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطافرماتے ہوئے ان کا فیض تا قیام قیامت برقرار رکھے اور اہل سنت کو ان کا مطالعہ کرکے اہل رفض وباطل کی دسیسہ کاریوں کا منہ توڑ جواب دینے اور ناواقف وناداں عوام کالانعام کے ایمان کی رفض وباطل کی کالی بھیڑوں اور زہریلی سنڈیوں سے حفاظت کرنے کی توفیق عطافرمائے۔

مدارس قیادت کا احتجاجی تحریک چلانے پر غور، تنگ آمد بہ جنگ آمد

پہلے تو ایک طویل غیر حاضری پر معذرت۔ آج کل ملکی حالات کچھ ایسے ہیں کہ لکھنے والے کے لیے یہ فیصلہ کرنا ہی مشکل ہوگیا ہے کہ وہ لکھے تو کیا لکھے اور کس موضوع پر خامہ فرسائی کرے۔ حالات جس تیزی سے تبدیل ہوتے جا رہے ہیں اور پھر ہمارا فاسٹ بل کہ فاسٹسٹ میڈیا جس تیزی سے ہر خبر کو بریک کر رہا ہے، اس میں یہ خود ایک مستقل مسئلہ ہے کہ کچھ نیا بچا ہی نہیں ہے۔ خیر! قلم قبیلے سے وابستہ ہونے کی وجہ سے بہر حال قلم کی آبرو قایم رکھنا بھی ضروری ہے۔

دینی مدارس اور حکومت کے درمیان رسہ کشی یوں تو کوئی نئی بات نہیں، بل کہ مفتی منیب الرحمٰن کے بقول پرویز مشرف کے دور سے ہی مدارس کی نگرانی کا سلسلہ جاری ہے اور دینی مدارس پر الزام تراشی کی مدت تو اس سے بھی پرانی ہے اور پچھلے 18 برسوں کے دوران مسلسل مدارس کے خلاف الزامات عائد کیے جاتے رہے ہیں، ملک میں کہیں بھی دہشت گردی کا کوئی واقعہ رونما ہو جائے، حکومتی کارپردازان اور مختلف جماعتوں میں موجود سیکولر اذہان مدارس کی کردار کشی کے یک نکاتی ایجنڈے پر شب و روز کام شروع کر دیتے ہیں، اب تو معاملہ صرف حکومتی کارپردازان اور سیکولر لابی تک محدود نہیں رہی بل کہ این جی اوز اور سول سوسائٹی

بھی اس میدان میں کود پڑی ہے، کچھ دینی و مسلکی لبادہ اوڑھے ہوئے لوگ جن کا کام ہی مسلکی تعصبات کو ہوا دینا ہے وقت اسی شغل عزیز میں صرف کر دیتے ہیں۔

چوں کہ مدارس کے معاملے میں جلتی پر تیل ڈالنے اور رائی کا پہاڑ بنانے کا کام بڑے زوروں پر ہے، جس کی وجہ سے حکومت اور دینی مدارس کی قیادت کے درمیان میں معاملات طے ہوتے ہوتے پھر بگاڑ کی طرف چلے جاتے یا لے جائے جاتے ہیں، شاید یہی وجہ ہے کہ درست صورت حال سامنے نہیں آپاتی۔ ہم سے بھی اس حوالے سے احباب استفسار کرتے رہتے ہیں، کیون کہ ہمارا چو مدارس کے ترجمان ایک ہفت روزہ اخبار کے نیوز اور ادارتی بورڈ سے بھی تعلق ہے اور ہم ملک کے ایک بڑے دینی ادارے میں تفسیر قرآن کے کام سے بھی منسلک ہیں۔ سوچا اپنے قارئین کو اس سلسلے میں تازہ ترین صورت حال سے آگاہ کیا جائے۔

حکومت کا دعویٰ ہے کہ وہ قومی ایکشن پلان کے تحت ملک میں مدارس میں اصلاحات چاہتی ہے، اس سلسلے میں دینی مدارس کے پانچوں بورڈوں کی نمایندہ جماعت اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ سے وزیر داخلہ کی ملاقات بھی ہو چکی ہے اور کئی امور باہمی اتفاق رائے سے طے بھی پا چکے ہیں، لیکن دینی مدارس کی رجسٹریشن کے معاملے پر عمل درآمد کے حوالے سے ابھی تک حکومت اور مدارس کے نمایندوں کے درمیان ڈیڈلاک برقرار ہے۔ حکومت اور اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ میں

رجسٹریشن پروفارما کے مسودہ پر ابھی تک کوئی معاہدہ نہیں ہو سکا ہے۔ ہنوز یہ معاملہ ماضی کی طرح ہی ہے۔

قارئین کو یاد ہوگا کہ 2005 ء میں اس وقت کے وزیر مذہبی امور اعجاز الحق اور پھر 2010 ء میں اس وقت کے وزیر داخلہ عبدالرحمٰن ملک نے مدارس اصلاحات کے حوالے سے ان تنظیموں کے ساتھ معاہدے کیے تھے اور رجسٹریشن کے پروفارما پر بھی کچھ کام ہوا تھا تاہم کوئی باہمی معاہدہ نہیں ہوا تھا۔ اس معاملے کے دو ہی فریق ہیں حکومت اور مدارس۔ رجسٹریشن کا معاملہ طے نہ پانے میں کس کا قصور ہے؟ یقیناً آپ بھی، کہیں گے کہ حکومت کا تو نہیں ہوگا، کیوں کہ وہ تو چاہتی ہی یہ ہے کہ تمام مدارس کو رجسٹرڈ کیا جائے، پھر لا محالہ مدارس کی قیادت ایسا ہونے نہیں دے رہی ہوگی... حالاں کہ حقائق کا غیر جانب داری سے تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ایسا بھی نہیں ہے۔ حال ہی میں اتحاد تنظیمات مدارس کا منصورہ میں ایک نمائندہ اجلاس ہوا، جس میں پانچوں وفاقوں کی قیادت نے شرکت کی، جن میں مولانا عبدالمالک، مفتی منیب الرحمٰن مولانا قاری محمد حنیف جالندھری، یاسین ظفر، سید کاظم نقوی ودیگر شامل، ہیں۔ اجلاس کے اختتام پر جو اعلامیہ جاری ہوا اور پریس کو بریفنگ دی گئی اس کا جائزہ لیجیے! پانچوں وفاقوں کی قیادت کا کہنا تھا کہ :

ہمارا بدستور یہ مؤقف ہے کہ مدارس دینیہ کی رجسٹریشن قیادت کو اعتماد میں لیے

بغیر ممکن نہیں، اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ میں شامل پانچوں وفاق متفق ہیں کہ 2005 میں رجسٹریشن کے مسئلے پر وزارت داخلہ سے معاملات طے پا چکے ہیں، مگر اب تک اس پر عمل نہیں کیا جا سکا اور بیوروکریسی کے کہنے پر بار بار اس مسئلے کو الجھا دیا گیا۔

پشاور کے سانحے کے بعد علما اور مذہبی حلقوں نے فوجی عدالتوں سمیت دہشت گردی کے خلاف قومی ایکشن پلان کی مکمل حمایت کی تھی، اگرچہ اس پلان میں مذہبی اور فرقوں کے الفاظ کی شمولیت کی وجہ سے ان کے تحفظات بھی تھے، مگرچوں کہ ریاست کی بقا اور دفاع سب کی مجموعی ذمہ داری ہے،اس لیے علمائے کرام نے کہا تھا کہ ہم اس مسئلے کے حل اور ایسے عناصر کے سدباب کے لیے کندھے سے کندھا ملا کر حکومت کے ساتھ ہیں اور ظلم، لاقانونیت اور دہشت گردی کا خاتمہ کرنے میں اپنا کردار ادا کریں گے،اس مؤقف کا بار بار اعادہ کیا گیا اور اب بھی کیا جا رہا ہے، منصورہ میں ہونے والے اجلاس میں ایک بار پھر مدارس کی قیادت نے کہا ہے کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں حکومت کے ساتھ ہیں۔ کچھ ملک دشمن عناصر قوتیں مدارس اور حکومت میں ٹکراو کرانا چاہتی ہیں۔ ہم ملک کو بحران سے دوچار کرنا نہیں چاہتے۔وزیر اعظم اور چیف آف آرمی سٹاف اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ کی قیادت سے مذاکرات کریں۔سیاسی اور عسکری قیادت کو باور کرواتے ہیں کہ مدارس پرامن طور پر تعلیمات اسلامیہ کو فروغ دے رہے

ہیں۔ علمائے کرام نے شبہات دور کرنے کے لیے وزیر اعظم نواز شریف اور وزیر اعلی شہباز شریف کے ساتھ فوری طور پر ملاقات کی خواہش کا بھی اظہار کیا۔ انہوں نے علمائے کرام کی گرفتاریوں کو روکنے اور گرفتار شدگان کی رہائی کا بھی مطالبہ کیا۔ دس روز قبل وفاق المدارس العربیہ کے ناظم اعلیٰ مولانا قاری محمد حنیف جالندھری نے آئی جی پنجاب، ہوم سیکرٹری اور چیف سیکرٹری سے الگ الگ ملاقاتیں بھی کی تھیں اور 21 ویں آئینی ترمیم کے بعد مدارس پر چھاپوں اور علما کی گرفتاریوں، مدارس کی رجسٹریشن سمیت دیگر معاملات زیر بحث آئے تھے اوراس بات پر اتفاق پایا گیا تھا کہ کچھ قوتیں حکومت اور مدارس کے درمیان تصادم کرنا چاہتی ہیں۔ مفتی منیب الرحمٰن نے بھی میڈیا کو بتایا ہے کہ ہم نے وزیر اعظم ،آرمی چیف، وزیر اعلی پنجاب اور حساس اداروں کے سربراہان کے نام خطوط لکھے لیکن ہمیں کسی طرف سے جواب نہیں ملا۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ حکومت کے ساتھ مذاکرات جاری ہیں اور مذہبی امور، تعلیم اور داخلہ کے وفاقی سیکریٹریوں سے بھی بات چیت اور معاملات کے انڈر پراسس ہونے کے باوجود یک طرفہ کارروائیاں جاری ہیں اور ہم نے بار بار کہا ہے کہ جن مدارس پر دہشت گردی کا الزام عائد کیا جاتا ہے ان کے نام میڈیا کو بتائے جائیں،حکومت دہشت گردی میں ملوث مدارس کی نشاندہی کرے،ہم ان کا الحاق ختم کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے خلاف ہر قسم کی کارروائی کی حمایت کریں گے۔ قبل ازیں بھی تواتر سے مدارس دینیہ کی قیادت یہ مطالبہ کرتی رہی ہے کہ قوم کو بتایا جائے کون کون سے مدارس

دہشت گردی میں ملوث ہیں،اس طرح کے عناصر کا کبھی دفاع نہیں کریں گے۔
حکومت اور عسکری ادارے ملک سے دہشت گردی کے خاتمے میں مخلص ہیں ،جس طرح اس بات میں دورائے نہیں ہو سکتی ،اسی طرح یہ بھی ایک ٹھوس حقیقت ہے کہ سانحہ پشاور سمیت ملک میں ہونے والی دہشت گردی میں دینی مدارس کا کوئی کردار نہیں ۔اگر صرف اس دلیل کی وجہ سے یہ تمام جرائم دینی مدارس اور اہل مدارس کے کھاتے ڈالے جارہے ہیں کہ مرتکبین میں ان مدارس سے پڑھنے والے بھی شامل ہیں توگستاخی معاف...یاتو یہ مان لیجیے کہ یہ منطق ہی سرے سے غلط ہے اور نا قابل تسلیم، ہے، کیوں کہ کہیں بھی ایسانہیں ہوتا۔اگر آپ کواس منطق پر ہی اصرار ہے توآخراس کااطلاق عصری اداروں پر کیوں نہیں ہوتا؟ یہ ایک یقینی امر ہے کہ ملک میں ہونے والے نوے فیصد جرائم میں حصہ لینے والوں کا تعلق کسی نہ کسی اسکول،کالج یایونی ورسٹی سے ہوتاہے۔کیاآج تک مجرم کے کوائف میں اس بات کا بھی ذکر کیاگیاکہ مجرم فلاں اسکول،کالج یایونی ورسٹی کاپڑھاہواہے؟نہیں۔یہ توبہت دور کی بات،کہ اس کے جرم کی بنیادپراس کے ادارے ،بل کہ اس کی جنس کے تمام ادروں کو موردالزام ٹھہرایاجائے۔آخرمذہبی طبقے کے حوالے سے ہی یہ تعصب کیوں؟اس قدربودی دلیل کے باوجود دینی مدارس کی وسعت ظرفی ملاحظہ کیجیے کہ وہ یہاں تک کہ رہے ہیں کہ آپ نشان دہی کیجیے،ہم نہ صرف لاتعلقی کااعلان کریں گے،بل کہ آپ جو بھی کارروائی کرناچاہیں ،ہم اس کی تایید کریں گے۔

اسی طرح مدارس کی رجسٹریشن کے معاملے کو لیجیے۔آپ کے بجٹ میں بھانڈ، مراثیوں تک کے لیے تو فنڈز مختص ہیں، لیکن دینی مدارس کے لیے کوئی گرانٹ نہیں، کوئی فنڈ مختص نہیں۔آپ مدارس کو کوئی امداد بھی نہیں دیتے۔اس کے باوجود ان کی رجسٹریشن کی بات کرتے ہیں، یہ تو ان مدارس کی قیادت کی وسعت ظرفی ہے کہ وہ اس کے لیے بھی تیار ہے۔اورآپ ہیں کہ کوئی نظام وضع کرنے سے پہلے ہی کارروائیاں شروع کردیتے ہیں۔جن مدارس میں بچے دن کوپڑھ کررات کوگھروں کو چلے جاتے ہیں،وہ 2005اور2010کے طے شدہ مشترکہ معاہدے کی روسے مدارس ہی کے زمرے میں نہیں آتے۔اگران کی بھی رجسٹریشن کرنی ہے توپہلے قانون توبنائیں۔ابھی قانون بنانہیں اورآپ کے شاہ سے زیادہ شاہ کے وفادار طرزکے پولیس اہل کاروں نے پھرتیاں دکھاناشروع کردیں۔صوبہ سندھ وبلوچستان میں کئی چھوٹے مدارس ومکاتب کی بندش کی بھی اطلاعات ہیں، بند کیے گئے مدرسوں میں مختلف مسالک کے مدارس شامل ہیں، جن کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنے مدرسوں کی رجسٹریشن کروائیں، جس کے بعد ہی مدرسے کھولنے کی اجازت دی جائے گی۔یادرہے کہ یہ کارروائی پہلے ہوئی ہے اوروزیراعلیٰ سندھ کایہ بیان بعدمیں آیاہے کہ رجسٹریشن کے معاملے میں چھوٹے مدارس کواستثناء نہیں دے سکتے۔مدارس کی قیادت نے رجسٹریشن سے کب اباء کیاہے،ان کاتواب بھی یہ مؤقف ہے کہ مدارس نے قانون کے مطابق رجسٹریشن کرائی ہے اور کراتے رہیں گے، مگرآپ قانون

کو بنائیے۔

قارئین کرام ! اس مختصر سے منظر نامے سے آپ بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ مدارس نے ہمیشہ ماننے اور معاملات کو سلجھانے کی کوشش کی ہے، لیکن جانے حکومت کی کیا مجبوری ہے کہ مدارس ہی کو قابل گردن زدنی قرار دیا جارہا ہے۔ان کی تمام تر وضاحتوں کو تسلیم کرنے کے باوجود پرنالہ ابھی تک وہیں کا وہیں ہے۔شاید یہی وجہ ہے کہ انتہائی سخت مجبوری کی حالت میں اس ماہ کے آخر تک بھی معاملات حل نہ ہونے اور تسلی بخش جواب نہ ملنے کی صورت میں مدارس کی قیادت نے احتجاجی تحریک چلانے کا فیصلہ کیا ہے، مگر اب بھی گیند حکومت کی کورٹ میں ہے اور حکومت تدبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے معاملات کو بگڑنے سے بچا سکتی ہے۔

مدارس قیادت کا احتجاجی تحریک چلانے پر غور، تنگ آمد بہ جنگ آمد

پہلے تو ایک طویل غیر حاضری پر معذرت۔ آج کل ملکی حالات کچھ ایسے ہیں کہ لکھنے والے کے لیے یہ فیصلہ کرنا ہی مشکل ہوگیا ہے کہ وہ لکھے تو کیا لکھے اور کس موضوع پر خامہ فرسائی کرے۔ حالات جس تیزی سے تبدیل ہوتے جا رہے ہیں
اور پھر ہمارا فاسٹ بل کہ فاسٹسٹ میڈیا جس تیزی سے ہر خبر کو بریک کر رہا ہے، اس میں یہ خود ایک مستقل مسئلہ ہے کہ کچھ نیا بچا ہی نہیں ہے۔ خیر! قلم قبیلے سے وابستہ ہونے کی وجہ سے بہر حال قلم کی آبرو قایم رکھنا بھی ضروری ہے۔

دینی مدارس اور حکومت کے درمیان رسہ کشی یوں تو کوئی نئی بات نہیں، بل کہ مفتی منیب الرحمٰن کے بقول پرویز مشرف کے دور سے ہی مدارس کی نگرانی کا سلسلہ جاری ہے اور دینی مدارس پر الزام تراشی کی مدت تو اس سے بھی پرانی ہے اور پچھلے 18 برسوں کے دوران مسلسل مدارس کے خلاف الزامات عائد کیے جاتے رہے ہیں، ملک میں کہیں بھی دہشت گردی کا کوئی واقعہ رونما ہو جائے، حکومتی کارپردازان اور مختلف جماعتوں میں موجود سیکولر اذہان مدارس کی کردار کشی کے یک نکاتی ایجنڈے پر شب و روز کام شروع کر دیتے ہیں، اب تو معاملہ صرف حکومتی کارپردازان اور سیکولر لابی تک محدود نہیں رہی بل کہ این جی اوز اور سول سوسائٹی

بھی اس میدان میں کود پڑی ہے، کچھ دینی و مسلکی لبادہ اوڑھے ہوئے لوگ جن کا کام ہی
مسلکی تعصبات کو ہوا دینا ہے، وہ بھی اسی شغل عزیز میں صرف کر دیتے ہیں۔ چوں کہ
مدارس کے معاملے میں جلتی پر تیل ڈالنے اور رائی کا پہاڑ بنانے کا کام بڑے زوروں پر ہے
جس کی وجہ سے حکومت اور دینی مدارس کی قیادت کے درمیان میں معاملات طے،
ہوتے ہوتے پھر بگاڑ کی طرف چلے جاتے یا لے جائے جاتے ہیں، شاید یہی وجہ ہے کہ
درست صورت حال سامنے نہیں آپاتی۔ ہم سے بھی اس حوالے سے احباب
استفسار کرتے رہتے ہیں، کیوں کہ ہمارا چو مدارس کے ترجمان ایک ہفت روزہ اخبار کے
نیوز اور ادارتی بورڈ سے بھی تعلق ہے اور ہم ملک کے ایک بڑے دینی ادارے میں
تفسیر قرآن کے کام سے بھی منسلک ہیں۔ سوچا اپنے قارئین کو اس سلسلے میں تازہ ترین
صورت حال سے آگاہ کیا جائے۔

حکومت کا دعویٰ ہے کہ وہ قومی ایکشن پلان کے تحت ملک میں مدارس میں اصلاحات
چاہتی ہے، اس سلسلے میں دینی مدارس کے پانچوں بورڈوں کی نمایندہ جماعت
اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ سے وزیر داخلہ کی ملاقات بھی ہو چکی ہے اور کئی امور باہمی
اتفاق رائے سے طے بھی پا چکے ہیں، لیکن دینی مدارس کی رجسٹریشن کے معاملے پر عمل
درآمد کے حوالے سے ابھی تک حکومت اور مدارس کے نمایندوں کے درمیان ڈیڈلاک
برقرار ہے۔ حکومت اور اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ میں رجسٹریشن پروفارما کے
مسودہ پر ابھی تک کوئی معاہدہ نہیں ہو سکا ہے۔ ہنوز یہ

معاملہ ماضی کی طرح ہی ہے۔

قارئین کو یاد ہو گا کہ 2005 ء میں اس وقت کے وزیر مذہبی امور اعجاز الحق اور پھر 2010 ء میں اس وقت کے وزیر داخلہ عبدالرحمٰن ملک نے مدارس اصلاحات کے حوالے سے ان تنظیموں کے ساتھ معاہدے کیے تھے اور رجسٹریشن کے پروفارما پر بھی کچھ کام ہوا تھا تاہم کوئی باہمی معاہدہ نہیں ہوا تھا۔ اس معاملے کے دو ہی فریق ہیں حکومت اور مدارس۔ رجسٹریشن کا معاملہ طے نہ پانے میں کس کا قصور ہے؟ یقیناً آپ بھی، کہیں گے کہ حکومت کا تو نہیں ہو گا، کیوں کہ وہ تو چاہتی ہی یہ ہے کہ تمام مدارس کو رجسٹرڈ کیا جائے، پھر لا محالہ مدارس کی قیادت ایسا ہونے نہیں دے رہی ہو گی... حالاں کہ حقائق کا غیر جانب داری سے تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ایسا بھی نہیں ہے۔ حال ہی میں اتحاد تنظیمات مدارس کا منصورہ میں ایک نمائندہ اجلاس ہوا، جس میں پانچوں وفاقوں کی قیادت نے شرکت کی، جن میں مولانا عبدالمالک، مفتی منیب الرحمٰن مولانا قاری محمد حنیف جالندھری، یاسین ظفر، سید کاظم نقوی و دیگر شامل، ہیں۔ اجلاس کے اختتام پر جو اعلامیہ جاری ہوا اور پریس کو بریفنگ دی گئی اس کا جائزہ لیجیے! پانچوں وفاقوں کی قیادت کا کہنا تھا کہ:

ہمارا ابدستور یہ مؤقف ہے کہ مدارس دینیہ کی رجسٹریشن قیادت کو اعتماد میں لیے بغیر ممکن نہیں، اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ میں شامل پانچوں وفاق متفق ہیں

کہ 2005 میں رجسٹریشن کے مسئلے پر وزارت داخلہ سے معاملات طے پا چکے ہیں، مگر اب تک اس پر عمل نہیں کیا جا سکا اور بیوروکریسی کے کہنے پر بار بار اس مسئلے کو الجھا دیا گیا۔

پشاور کے سانحے کے بعد علما اور مذہبی حلقوں نے فوجی عدالتوں سمیت دہشت گردی کے خلاف قومی ایکشن پلان کی مکمل حمایت کی تھی، اگرچہ اس پلان میں مذہبی اور فرقوں کے الفاظ کی شمولیت کی وجہ سے ان کے تحفظات بھی تھے، مگرچوں کہ ریاست کی بقا اور دفاع سب کی مجموعی ذمہ داری ہے، اس لیے علمائے کرام نے کہا تھا کہ ہم اس مسئلے کے حل اور ایسے عناصر کے سدباب کے لیے کندھے سے کندھا ملا کر حکومت کے ساتھ ہیں اور ظلم، لاقانونیت اور دہشت گردی کا خاتمہ کرنے میں اپنا کردار ادا کریں گے، اس مؤقف کا بار بار اعادہ کیا گیا اور اب بھی کیا جا رہا ہے، منصورہ میں ہونے والے اجلاس میں ایک بار پھر مدارس کی قیادت نے کہا ہے کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں حکومت کے ساتھ ہیں۔ کچھ ملک دشمن عناصر قوتیں مدارس اور حکومت میں ٹکراو کرانا چاہتی ہیں۔ ہم ملک کو بحران سے دوچار کرنا نہیں چاہتے۔ وزیر اعظم اور چیف آف آرمی سٹاف اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ کی قیادت سے مذاکرات کریں۔ سیاسی اور عسکری قیادت کو باور کرواتے ہیں کہ مدارس پر امن طور پر تعلیمات اسلامیہ کو فروغ دے رہے ہیں۔ علمائے کرام نے شبہات دور کرنے کے لیے وزیر اعظم نواز شریف اور وزیر اعلی

شہباز شریف کے ساتھ فوری طور پر ملاقات کی خواہش کا بھی اظہار کیا۔ انھوں نے علمائے کرام کی گرفتاریوں کو روکنے اور گرفتار شدگان کی رہائی کا بھی مطالبہ کیا۔ دس روز قبل وفاق المدارس العربیہ کے ناظم اعلیٰ مولانا قاری محمد حنیف جالندھری نے آئی جی پنجاب، ہوم سیکرٹری اور چیف سیکرٹری سے الگ الگ ملاقاتیں بھی کی تھیں اور 21 ویں آئینی ترمیم کے بعد مدارس پر چھاپوں اور علما کی گرفتاریوں، مدارس کی رجسٹریشن سمیت دیگر معاملات زیر بحث آئے تھے اور اس بات پر اتفاق پایا گیا تھا کہ کچھ قوتیں حکومت اور مدارس کے درمیان تصادم کرنا چاہتی ہیں۔ مفتی منیب الرحمٰن نے بھی میڈیا کو بتایا ہے کہ ہم نے وزیر اعظم ،آرمی چیف، وزیر اعلیٰ پنجاب اور حساس اداروں کے سربراہان کے نام خطوط لکھے لیکن ہمیں کسی طرف سے جواب نہیں ملا۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ حکومت کے ساتھ مذاکرات جاری ہیں اور مذہبی امور، تعلیم اور داخلہ کے وفاقی سیکریٹریوں سے بھی بات چیت اور معاملات کے انڈر پراسس ہونے کے باوجود یک طرفہ کارروائیاں جاری ہیں اور ہم نے بار بار کہا ہے کہ جن مدارس پر دہشت گردی کا الزام عائد کیا جاتا ہے ان کے نام میڈیا کو بتائے جائیں، حکومت دہشت گردی میں ملوث مدارس کی نشاندہی کرے، ہم ان کا الحاق ختم کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے خلاف ہر قسم کی کارروائی کی حمایت کریں گے۔ قبل ازیں بھی تواتر سے مدارس دینیہ کی قیادت یہ مطالبہ کرتی رہی ہے کہ قوم کو بتایا جائے کون کون سے مدارس دہشت گردی میں ملوث ہیں، اس طرح کے عناصر کا کبھی دفاع نہیں کریں گے۔

حکومت اور عسکری ادارے ملک سے دہشت گردی کے خاتمے میں مخلص ہیں ،جس طرح
اس بات میں دورائے نہیں ہو سکتی ،اسی طرح یہ بھی ایک ٹھوس حقیقت ہے کہ سانحہ
پشاور سمیت ملک میں ہونے والی دہشت گردی میں دینی مدارس کا کوئی کردار نہیں
۔اگر صرف اس دلیل کی وجہ سے یہ تمام جرائم دینی مدارس اور اہل مدارس کے کھاتے
ڈالے جارہے ہیں کہ مرتکبین میں ان مدارس سے پڑھنے والے بھی شامل ہیں
تو گستاخی معاف ...یا تو یہ مان لیجیے کہ یہ منطق ہی سرے سے غلط ہے اور نا قابل تسلیم،
ہے، کیوں کہ کہیں بھی ایسا نہیں ہوتا۔اگر آپ کو اس منطق پر ہی اصرار ہے تو آخر اس
کا اطلاق عصری اداروں پر کیوں نہیں ہوتا؟ یہ ایک یقینی امر ہے کہ ملک میں ہونے والے
نوے فیصد جرائم میں حصہ لینے والوں کا تعلق کسی نہ کسی اسکول،کالج یا یونی ورسٹی سے
ہوتا ہے۔کیا آج تک مجرم کے کوائف میں اس بات کا بھی ذکر کیا گیا کہ مجرم فلاں
اسکول،کالج یا یونی ورسٹی کا پڑھا ہوا ہے؟نہیں۔یہ تو بہت دور کی بات،کہ اس کے جرم کی
بنیاد پر اس کے ادارے ،بل کہ اس کی جنس کے تمام ادروں کو موردالزام
ٹھہرایا جائے۔آخر مذہبی طبقے کے حوالے سے ہی یہ تعصب کیوں؟اس قدر بودی دلیل
کے باوجود دینی مدارس کی وسعت ظرفی ملاحظہ کیجیے کہ وہ یہاں تک کہ رہے ہیں کہ
آپ نشان دہی کیجیے،ہم نہ صرف لاتعلقی کا اعلان کریں گے،بل کہ آپ جو بھی کارروائی
کرنا چاہیں ،ہم اس کی تایید کریں گے۔

اسی طرح مدارس کی رجسٹریشن کے معاملے کو لیجیے۔آپ کے بجٹ میں بھانڈ، مراثیوں تک کے لیے تو فنڈز مختص ہیں، لیکن دینی مدارس کے لیے کوئی گرانٹ نہیں، کوئی فنڈ مختص نہیں۔آپ مدارس کو کوئی امداد بھی نہیں دیتے۔اس کے باوجود ان کی رجسٹریشن کی بات کرتے ہیں، یہ تو ان مدارس کی قیادت کی وسعت ظرفی ہے کہ وہ اس کے لیے بھی تیار ہے۔اور آپ ہیں کہ کوئی نظام وضع کرنے سے پہلے ہی کارروائیاں شروع کر دیتے ہیں۔جن مدارس میں بچے دن کو پڑھ کر رات کو گھروں کو چلے جاتے ہیں، وہ 2005 اور 2010 کے طے شدہ مشترکہ معاہدے کی رو سے مدارس ہی کے زمرے میں نہیں آتے۔اگر ان کی بھی رجسٹریشن کرنی ہے تو پہلے قانون تو بنائیں۔ابھی قانون بنا نہیں اور آپ کے شاہ سے زیادہ شاہ کے وفادار طرز کے پولیس اہل کاروں نے پھرتیاں دکھانا شروع کر دیں۔صوبہ سندھ و بلوچستان میں کئی چھوٹے مدارس و مکاتب کی بندش کی بھی اطلاعات ہیں، بند کیے گئے مدرسوں میں مختلف مسالک کے مدارس شامل ہیں، جن کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنے مدرسوں کی رجسٹریشن کروائیں، جس کے بعد ہی مدرسے کھولنے کی اجازت دی جائے گی۔یاد رہے کہ یہ کارروائی پہلے ہوئی ہے اور وزیر اعلیٰ سندھ کا یہ بیان بعد میں آیا ہے کہ رجسٹریشن کے معاملے میں چھوٹے مدارس کو استثناء نہیں دے سکتے۔مدارس کی قیادت نے رجسٹریشن سے کب اباء کیا ہے، ان کا تو اب بھی یہ مؤقف ہے کہ مدارس نے قانون کے مطابق رجسٹریشن کرائی ہے اور کراتے رہیں گے، مگر آپ قانون تو بنائیے۔

قارئین کرام !اس مختصر سے منظر نامے سے آپ بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ مدارس نے ہمیشہ ماننے اور معاملات کو سلجھانے کی کوشش کی ہے، لیکن جانے حکومت کی کیا مجبوری ہے کہ مدارس ہی کو قابل گردن زدنی قرار دیا جارہاہے۔ان کی تمام تر وضاحتوں کو تسلیم کرنے کے باوجود پرنالہ ابھی تک وہیں کا وہیں ہے۔شاید یہی وجہ ہے کہ انتہائی سخت مجبوری کی حالت میں اس ماہ کے آخر تک بھی معاملات حل نہ ہونے اور تسلی بخش جواب نہ ملنے کی صورت میں مدارس کی قیادت نے احتجاجی تحریک چلانے کا فیصلہ کیاہے، مگر اب بھی گیند حکومت کی کورٹ میں ہے اور حکومت تدبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے معاملات کو بگڑنے سے بچا سکتی ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ معروف صحابی حضرت سیدنا عبداللہ بن عمرو بن حرام الانصاریؓ کے صاحب زادے ہیں۔ آپ کے والد حضرت عبداللہ انصاریؓ غزوہ احد میں شہید ہوئے۔ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ ہجرت مدینہ سے تقریباً پندرہ سال پہلے مدنیہ منورہ، جو اس وقت یثرب کہلاتا تھا، میں پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا۔

آپ کم عمری میں اسلام لائے اور بے شمار غزوات میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ دیا۔ چناں چہ غزوہ خندق کا واقعہ بیان فرماتے ہوئے خود حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم غزوہِ خندق میں خندق کھود رہے تھے کہ ایک سخت قسم کی چٹان سامنے آ گئی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی سے یہ چٹان نہیں ٹوٹی تو آں حضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر صورت حال عرض کر دی گئی ۔ تمام بات سماعت فرمانے کے بعد حضو اقدس ر ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اترتا ہوں، چناں چہ آپ ﷺ کھڑے ہوئے (تو ہم نے دیکھا کہ) اور آپ ﷺ کے شکم مبارک پر (بھوک کی شدت کی وجہ سے) پتھر بندھا ہوا تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خود ہماری یہ کیفیت تھی کہ ہم نے بھی تین دن سے کوئی چیز نہیں چکھی تھی، حضور

ﷺ نے کدال کو ہاتھ میں لے کر اس چٹان پر مارا تو وہ چٹان ریت کا ڈھیر ہو گئی۔
اس جاں نثار صحابی رسول ﷺ سے سرکار دو عالم ﷺ کی یہ بھوک نہ دیکھی
گئی، اپنا فاقہ بھول گئے اور بے تاب و بے قرار ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں
عرض کیا :

یا رسول اللہ ﷺ ! مجھے گھر جانے کی اجازت دیجیے، چناں چہ گھر آ کر اہلیہ سے کہا کہ
میں نے نبی کریم ﷺ کو ایسی حالت میں دیکھا ہے کہ صبر نہ ہو سکا، تمھارے پاس
کھانے کو کچھ ہے؟ اہلیہ نے کہا: اور تو کچھ نہیں، البتہ میرے پاس کچھ جو ہیں اور بکری کا
ایک بچہ ہے، چناں چہ انھوں نے بکری کا وہ بچہ ذبح کیا اور ان کی اہلیہ محترمہ نے جو پیسے
گوشت کو پکنے کیلیے ہانڈی میں رکھنے کے بعد حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی
خدمت میں حاضر ہوئے اور خدمت اقدس میں عرض کیا:

اے اللہ کے رسول ﷺ ! مختصر سا کھانا ہے، آپ تشریف لے چلیں یا ایک دو آدمی
آپ کے ساتھ ہوں۔

آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: کتنا کھانا ہے؟

جب انھوں نے تفصیل بتلائی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا خاصا ہے اور ساتھ ہی یہ

بھی فرمایا کہ جب تک میں نہ آ جاؤں، اہلیہ سے کہہ دو کہ نہ ہانڈی چولہے سے اتارے اور نہ ہی روٹیاں تنور میں لگائے۔

پھر آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اعلان فرمادیا کہ جابر کی دعوت ہے، سب چلیں۔ حضرت جابرؓ بھاگے بھاگے گھر پہنچے اور اطلاع دی کہ حضور اکرم ﷺ ہی نہیں تشریف لا رہے۔ بل کہ تمام مہاجرین وانصار کو بھی اپنے ساتھ لا رہے ہیں۔ وہ بھی صحابیہ تھیں، بجائے پریشان ہونے کے انھوں نے حضرت جابر سے پوچھا: حضور ﷺ نے تم سے کھانے کے متعلق پوچھ لیا تھا؟ انہوں نے کہا کہ ہاں پوچھ تو لیا تھا۔ یہ سن کر کمال اطمینان سے کہنے لگیں، پھر پریشانی کس بات کی ،آپ ﷺ اپنے اور اللہ تعالی کے اعتماد پر تمام لوگوں لے کر تشریف لا رہے ہیں۔ اتنے میں بیت جابر نبی اقدس ﷺ اور صحابہؓ کی تشریف آوری سے بقعہ نور بن چکا تھا۔ صحابہ کرامؓ کو ترتیب سے بیٹھنے کا حکم فرما کر حضور انور ﷺ ہنڈیا کی جانب تشریف لے گئے ،چناں چہ آپ ﷺ اپنے دست اقدس سے روٹیاں توڑنے اور ان پر بوٹیاں رکھنے لگے، اور ہانڈی سے گوشت اور تنور سے روٹی لے کر ان کو ڈھانک دیتے تھے، اِسی طرح برابر آپ ﷺ روٹی کے ٹکڑے کر کرکے دیتے رہے اور ہانڈی میں سے چمچ بھر بھر کر لیتے رہے، یہاں تک کہ سب نے خوب پیٹ بھر کے کھانا کھایا اور کھانا کچھ بچ بھی گیا، پھر آپ ﷺ نے حضرت جابر کی اہلیہ سے فرمایا: یہ تم خود بھی کھا اور محلے پڑوس میں بھی ہدیہ بھیجو۔

(صحیح بخاری)

یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے عشق رسالت اوران کی اہلیہ محترمہ کے ذات نبی وبات نبی پر غیر متزلزل اعتماد ہی کا کرشمہ تھا کہ وہ کھانا تمام اہل محلّہ نے بھی کھایااور پھر بھی کھاناویسے کاویساموجود تھا۔ نبی اکرم ﷺ کی برکت سے معجزانہ طور پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ ، جو بہ ظاہر مالی تنگ دستی کا شکار تھے، مگر دلی طور پر رب وہاب نے انھیں فیاضی سے خوب خوب نوازرکھاتھا،کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو پیٹ
بھر کر کھانا کھلادیا۔ سچ ہے رحمت پروردگار ''بہا''یعنی معاوضہ نہیں ''بہانہ''ڈھونڈتی ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سات بہنوں کے اکلوتے بھائی تھے اور غزوہ احد میں والد گرامی کی شہادت کے بعدان کی کفالت کی تمام ترذمے داری اوروالد محترم کے ذمے واجب الاداقرضوں کی ادائی کابوجھ ان کے ناتوں کندھوں پرآگیاتھا۔ بہنوں کی کفالت کی غرض سے انھوں نے اپنے سے عمر میں کافی بڑی ایک خاتون سے شادی کرلی تاکہ وہ ان کی بہنوں کاخیال رکھ کروالدین کی کمی کااحساس نہ ہونے دے۔ان کے، والدکے ذمے واجب الاداقرضوں کی ادائی میں سرکاردوعالم ﷺ نے معاونت فرمائی اوریہ بھی سرکار ﷺ کا معجزہ تھاکہ کھجوروں کے ایک ہی ڈھیر میں اللہ تعالیٰ نے وہ برکت عطافرمائی کی تمام قرض خواہوں کاقرضہ اداہوگیا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے 1500 کے قریب احادیث روایت کی گئی ہیں، یوں ان کا شماران صحابہ میں ہوتا ہے جن سے کثیر تعداد میں احادیث مروی ہیں۔
حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طویل العمری کی بشارت کے بہ موجب تقریباً چورانوے سال کی عمر پائی اور 78ھ میں وفات پائی۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی وفات کسی بدخواہ کے زہر دینے سے ہوئی، مستند تاریخ سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم !!
انھیں ابتدا میں بغداد کے قریب مدائن شہر میں دریائے دجلہ کے قریب دفن کیا گیا تھا، بعدازاں شاہ فیصل شاہ عراق کے حک م پر ان کے جسد خاکی کو سلمان پارک منتقل کیا گیا، اس کی وجہ کیا ہوئی؟ یہ بھی ایک ایمان افروز واقعہ ہے، ملاحظہ فرمایئے!
یہ 1932ء کی بات ہے کہ عراق کے اس وقت کے بادشاہ شاہ فیصل کو خواب میں صحابیِ رسول ﷺ حضرت حذیفہ ابن الیمان رضی اللہ عنہ کی زیارت ہوئی، جو رازدان رسول ﷺ کہلاتے تھے۔ انھوں نے بادشاہ سے کہا:
اے بادشاہ! میری اور جابر بن عبداللہ کی قبر میں دجلہ کا پانی داخل ہوگیا ہے،

لہٰذا ہماری قبر کشائی کرکے ہمیں کسی اور جگہ منتقل کر دو۔
خواب سے بیدار ہوکر صبح ہی بادشاہ نے اس حکم پر عمل کیا اور ان دونوں اصحابِ رسول ﷺ کی قبریں سیکڑوں لوگوں کی موجودگی میں کھولی گئیں، حاضرین میں مفتیِ اعظم فلسطین، مصر کے بادشاہ شاہ فاروق اور دیگر اہم افراد بھی شامل تھے۔ یہ دیکھ کر تمام عوام وخواص حیرت سے بت بنے رہ گئے کہ اتنا طویل ترین عرصہ بیت جانے کے باوجود ان دونوں اصحابؓ رسول ﷺ کے اجسام حیرت انگیز طور پر تروتازہ تھے اور یوں لگ رہا تھا کہ جیسے ابھی ابھی دفنائے گئے ہوں۔ ان کے کفن تک سلامت تھے اور یوں لگتا تھا جیسے وہ خود بھی زندہ اور گہری نیند میں ہوں۔ ان دونوں اصحابؓ رسول ﷺ کی مبارک آنکھیں بھی کھلی ہوئی تھیں اور ان سے ایک عجیب سی روشنی خارج ہو رہی تھی جسے دیکھنے والوں کی آنکھیں چکا چوند ہو گئیں۔ ہزاروں لوگوں نے ان بزرگوں کی، زیارت کی اور دنیا پر ایک بار پھر یہ بات واضح ہو گئی کہ اللہ والوں کی نرالی شان ہوتی ہے۔ بادشاہ نے ان اصحابؓ رسول ﷺ کے مبارک اجسام کو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک کے بالکل قریب سلمان پاک نامی جگہ پر دوبارہ دفنا دیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق

''یارسول اللہ !اجازت دیجیے کہ آج میں اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے اس دشمن خدابیٹے کاکام تمام کروں''

''نہیں ،ابوبکر! نہیں''

یہ مکالمہ حضرت سیدناابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ اور سرکاردوعالم کے درمیان غزوہ بدر کے دن ہورہاتھا۔دراصل ہوایہ تھاکہ حضرت سیدناابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کے بڑے بیٹے عبدالرحمٰن جواب تک خانوادہ صدیق میں وہ واحدفرد تھے ،جو اسلام نہیں لائے تھے ،وہ جنگ کے دوران اچانک آگے آئے اور نعرہ بلندکیا ''ھل من مبارز''یعنی کیاہے کوئی مجھ سے مقابلہ کرنے والا۔یہ صورت حال دیکھ کرسیدناصدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ خودآگے بڑھے اورخدمت اقدس میں مقابلے کی اجازت طلب کی،تونبی الملاحم نے انھیں منع فرمادیااور بارگاہ رسالت کے ایک اشارہ ابروپراپناسب کچھ قربان کرنے والے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کے سرخیل حضرت سیدناصدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ پیچھے ہٹ گئے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہما،حضرت سیدناصدیق

اکبر اور حضرت سیدہ ام رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بڑے بیٹے اور ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حقیقی بھائی تھے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلام زور زبردستی سے پھیلا ہے، ان کی آنکھیں کھولنے کے لیے یہ بات بھی کافی ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابو بکر جب تک اپنی مرضی و توفیق سے حلقہ بہ گوش اسلام نہیں ہوئے، نہ ان پر ان کے دادا حضرت سیدنا عثمان ابوقحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوئی جبر کیا اور نہ ہی ان کے والدین اور بہن بھائیوں نے، حالاں کہ یہ پورا گھرانا ابتدا میں ہی اسلام کے دامن رحمت میں داخل ہو چکا تھا۔ وہ صلح حدیبیہ 6 ہجری تک اپنے کفریہ عقائد و نظریات پر کاربند رہے اور تمام گھرانے کے ساتھ ہجرت بھی نہیں کی، بل کہ مکہ مکرمہ میں مقیم رہے۔ جب وہ حلقہ بہ گوش اسلام ہوئے تو انھیں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ منورہ بلایا اور بڑا بیٹا ہونے کی حیثیت سے اپنا نائب و جانشین بنا کر تمام گھر اور کاروبار کے معاملات ان کے حوالے کر دیے۔ وہ بھی کمال اطاعت شعاری سے اپنے فرائض منصبی انجام دیتے رہے اور ابا حضور کو ان بکھیڑوں سے ازاد ہو کر خدمت دین متین کا موقع فراہم کیا۔ باوجودیکہ وہ بڑے بیٹے تھے، کس درجہ فرماں بردار تھے، اس کا اندازہ صحیح بخاری میں درج اس واقعے سے بہ خوبی لگایا جا سکتا ہے

:

ایک مرتبہ رات کے وقت چند اصحاب صفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں مہمان تھے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کو آں حضرت کی خدمت میں جانا تھااور انھیں اندازہ تھا کہ انھیں تاخیر بھی ہو سکتی ہے اس لیے انھوں نے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالی عنہ کو حکم دیا کہ وہ ان کی واپسی، کاانتظار نہ کریں بل کہ مہمانوں کو کھانا کھلادیں۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالی عنہ نے حسب ہدایت وقت پر مہمانوں کے سامنے کھانا پیش کیا، لیکن انھوں نے کہا کہ ہم سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کے ساتھ کھانا کھانا چاہتے ہیں اور ان کے بغیر کھانے سے انکار کردیا، اتفاق سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بہت دیر کے بعد تشریف لائے، جب معلوم ہوا کہ مہمان اب تک بھوکے ہیں تو بیٹے کو بہت سخت سست کہااور قسم کھالی کہ اب اسے کھانے میں شریک نہیں کروں گا۔ بیٹے نے احوال واقعی سے آگاہ کیا، مگر صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کو فقرائے صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم کو اس قدر انتظار کرانا بہت شاق گزرا، ان حضرات نے بھی عذر خواہی کی ، مگر فرماں بردار وفاشعار فرزند نے جواب میں ایک لفظ نہ کہا، جب مہانوں نے بھی کہہ دیا کہ:

واللہ! جب تک آپ عبدالرحمٰن کو نہ کھلائیں گے ہم بھی نہ کھائیں گے، توانھیں بھی کھانے میں شریک کرلیا۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالی عنہ خود فرماتے ہیں کہ اس روز کھانے میں اس قدر برکت ہوئی کہ ہم لوگ کھاتے جاتے تھے، لیکن وہ کسی طرح ختم نہیں ہوتا تھا، یہاں تک کہ میں اس میں سے کچھ آں حضرت کی خدمت میں بھی لے کر حاضر ہوا، جس کو آپ نے خود بھی تناول فرمایااور موجود صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم کو بھی کھلایا۔ (بخاری)

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہایت شجاع اور بہادر شخص تھے، خصوصاً تیر اندازی میں کمال درجہ مہارت رکھتے تھے، ،اپنے قبول اسلام کے بعد عہدِ نبوت میں جس قدر معرکے پیش آئے،سب میں شریک ہوئے اور جانبازی وپامردی کے ساتھ سرگرمِ کارزار تھے۔ان میں فتح مکہ،غزوہ حنین،غزوہ طائف اورغزوہ تبوک خاص طورپر قابل ذکر ہیں۔دورصدیقی میں مدعیان نبوت کے خلاف لڑے جانے والے سب سے بڑے معرکے جنگ یمامہ میں حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی شجاعت وبسالت بالخصوص تیراندازی کاغیر معمولی کمال دکھایا،یمامہ کی جنگ میں فتح کے راستے کاسب سے بڑاروڑا محکم بن طفیل نامی کمانڈرتھا،جوقلعے کے گیٹ پر پہاڑکی طرح ڈٹاہواتھااوراسی وجہ سے مسلمان قلعے کے اندرداخل نہ ہوسکتے تھے،حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکررضی اللہ تعالیٰ عنھمانے اسے تاک کرتیرمارا،جس سے وہ اسی جگہ ڈھیر ہوگیااور مسلمان قلعے میں داخل ہوگئے۔اس جنگ میں ان کے ہاتھوں سات بڑے کمانڈرواصل جہنم ہوئے۔

اس کے علاوہ انھوں نے شام کی رومی سلطنت کے خلاف ہونے والی تمام جنگوں،مصرکے تمام معرکوں،بیت المقدس کی فتح کے معرکے اورجنگ یرموک،قنسرین وحلب میں نہ صرف حصہ لیا،بل کہ اپنی تیراندازی کے وہ وہ جوہر دکھائے کہ کفارکے لشکرادھ موئے ہوکراپنی پیٹھ سہلاتے رہ گئے۔

خلیفہ سادس کاتب وحی حضرت سیدنا معاویہ بن ابو سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خلافت کے آخری مہینوں میں۔یزید کی جانشینی کے حوالے سے دیگر کبار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم کی طرح انھیں بھی تحفظات تھے، سوانھوں نے بھی اس کی بیعت سے صاف انکار کر دیا تھااوراس حوالے سے مروان بن الحکم سے کافی تلخ کلامی بھی ہوئی تھی اسد الغابہ) یہ اختلاف خاندان بنوامیہ یاحضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے) کسی ذاتی پرخاش کا نتیجہ نہیں تھا، کیوں کہ وہ جنگ جمل میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے ،اس کے علاوہ بھی ان کے باہمی تعلقات بہت عمدہ تھے اور تحائف کا بھی تبادلہ ہوتا رہتا تھا۔

حضرت سیدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے انتقال کے کچھ عرصے بعد وہ مدینہ منورہ چھوڑ کر مکہ چلے گئے اور مدینے کی حبشی یاحبیشی نامی مضافاتی بستی میں اقامت پذیر ہوئے ،52یا56یا58 ہجری میں (بہ اختلاف روایات)ان کا اسی بستی میں انتقال ہوا۔ان کی موت اچانک ہوئی تھی اور پہلے سے انھیں اپنی صحت کے حوالے سے کسی قسم کی کوئی شکایت، بیماری یا کمزوری بھی نہیں تھی، وفات کے دن حسب معمول سوئے اور حالت نیند میں ہی واصل بہ حق ہوگئے۔رضی اللہ عنہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کے انتقال کی خبر ملی تو انھوں

نے حج کی نیت سے مکہ مکرمہ کا سفر اختیار کیا اور بھائی کی قبر پر کھڑی ہو کر اتنا روئیں کہ تمام ماحوال کو بھی اشک بار کر دیا، اس وقت ان کی زبان پر یہ اشعار تھے :

وکنا لندمانی جذیمۃ حقبۃ

من الدھر حتی قیل لن یتصدعا

فلما تفرقنا کانی ومالکا

لطول اجتماع لم بنت لیلۃ معا

پھر مرحوم بھائی کہ روح سے مخاطب ہو کر اس خواہش کا اظہار کیا: بخدا! اگر میں آپ کی وفات کے وقت موجود ہوتی تو آپ کو اسی جگہ دفن کرتی جہاں تم نے وفات پائی تھی۔اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ بھائی نے کسی موقع پر بہن سے ایسی کوئی وصیت کی ہو۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

حضرت سیدنا عبدالرحمٰن بن ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہما کی اس اچانک وفات کی کوئی ظاہری وجہ نہ ہونے کی وجہ سے منافقین نے مشہور کرادیا کہ حکومت نے انھیں زہر دیا ہے،پروپیگنڈا اس قدر شدید تھا کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنھا بھی بھائی کی محبت میں اسی زاویے سے سوچنے لگیں ،ان کا یہ شبہ اس وقت رفع ہوا جب انھی کے دولت کدے میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا، وہ یہ کہ ایک

عورت ، جو بہ ظاہر توانا و تندرست تھی، ان کے دولت کدہ آئی اور سجدہ کیا اور ایسا طویل سجدہ کیا پھر اس سے سر نہ اٹھایا، دیکھنے پر معلوم ہوا کہ اس کی روح قبض ہو چکی ہے۔ یہ ایک واضح نظیر تھی کہ بغیر کسی طبّی وجہ کے بھی موت ہو سکتی تھی۔ (مستدرک حاکم)

!! پارلیمنٹ کی قرارداد۔پس چہ باید کرد

سرزمین حرمین شریفین سعودی عرب ایک نئے خطرے سے دوچار ہے۔اسی خطرے کو بھانپتے ہوئے سعودی عرب نے عرب لیگ کا دو روزہ اجلاس طلب کیا جس میں طے ہوا کہ اب عرب ممالک کے دفاع کے لئے 40 ہزار کی مشترکہ فوج بھی بنائی جائے گی۔اس خطرے کو پیش نظر رکھتے ہوئے حکومت پاکستان نے اپنے سب سے اولین اور ہر موقع پر پاکستان کا ساتھ نبھانے والے دوست سعودی عرب کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا ہے جو کہ انتہائی خوش آئند اقدام ہے'تاہم پارلیمنٹ میں متفقہ طورپر منظور کی جانے والی قرارداد سے فضاکچھ مکدر سی ہونے لگی ہے،جس کا کسی حدتک ازالہ وزیراعظم میاں محمد نوازشریف کے پالیسی بیان سے ہوگیاہے۔امید ہے شکوک وشبہات کے تمام بادل دور ہوجائیں گے اورماضی کی طرح اب بھی سرزمین حرمین شریفین کے محافظین کی فہرست میں پاک فوج کانام اورکام شامل ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ مشرق وسطی ہویاافریقی ممالک، مشرق بعید ہو یا یورپ یا دنیا کا کوئی اور خطہ۔ہر جگہ مسلمانوں کو گھیر گھیر کراور باہم لڑوا کر مارنے، ختم کرنے اور ساری دنیاپر بلاشرکت غیرے حکمرانی کے خواب دیکھنے والا ملک امریکا ہی ہے۔امریکا نے ہی اس وقت سعودی عرب کے عین ساتھ واقع

ممالک عراق، شام میں جنگیں بھڑکا رکھی ہیں۔ اس کی کوشش ہے کہ ان دونوں ممالک میں جاری جنگ بالآخر سعودی عرب میں داخل ہو اور مسلمانوں کا ہر لحاظ سے مرکز و محور، دنیا میں حدود اسلامی کو قائم کرنے والا اور امن کا گہوارا یہ ملک خانہ جنگی اور تباہی و بربادی کا اس طرح شکار ہو جس طرح عراق اور شام ہیں۔

اگر پارلیمنٹ کی قرارداد کا مقصد سعودی عرب کی حمایت سے کسی طرح کی بھی کنارا کشی ہے تو ہمیں یہ ذہن میں رکھنا چاہئے کہ سعودی عرب ہمارا سب سے بڑا محسن اور دوست ہے اور جب محسن اور دوست پر مشکل وقت آئے تو اس کو تنہا نہیں چھوڑا جاتا بلکہ اس کی مدد کی جاتی ہے۔ گزشتہ سال اپریل میں مشیر خارجہ سرتاج عزیز نے ایک امریکی نشریاتی ادارے کو انٹرویو دیتے ہوئے بتایا تھا کہ ہم سعودی عرب کو چھوٹے ہتھیار اور جنگی طیارے فروخت کر رہے ہیں۔ ہمارے ہتھیاروں کی صنعت ترقی پا رہی ہے۔ یہ وہی سعودی عرب ہے جس نے گزشتہ سال پاکستانی ترقیاتی فنڈ کے لئے بلاوجہ ڈیڑھ ارب ڈالر کا تحفہ دیا تھا تو آسمانوں تک پہنچا ڈالر ایک دم نیچے گرا اور پاکستانی معیشت کو ایک بڑا سہارا ملا تھا۔ 1965 اور 1971 کی جنگیں بھی گواہ ہیں کہ سعودی عرب نے ہمارا ہر ممکن کھل کر ساتھ دیا تھا۔ سعودی عرب وہ تھا کہ جب پاکستان نے ایٹمی پروگرام کی بنیاد رکھی تو جو ہمارے اس پروگرام کو آگے بڑھانے کے لئے خفیہ

اور علانیہ ہر موقع پر ہر ممکن طریقے سے معاون رہا۔ اب لوگ تسلیم کرتے ہیں جبکہ ہمارے ایٹمی پروگرام کے لئے کم از کم 60 فیصد امداد سعودی عرب نے ہی فراہم کی تھی۔ اسی ایٹمی پروگرام نے دشمنوں کے ناپاک عزائم کو روک رکھا ہے۔ 1998 میں پاکستان نے ایٹمی دھماکے کئے تھے تو ساری دنیا نے ہمارے ملک پر پابندیاں عائد کر دی تھیں۔ یہ سعودی عرب ہی تھا جس نے اس موقع پر بھی ہمیں ساڑھے 5 ارب ڈالر کی امداد نقد اور تیل کی صورت میں دی تھی اور ہمیں مشکل سے نکالا تھا۔ کتنے سال ایٹمی دھماکوں کی خوشی میں سعودی عرب ہمیں روزانہ کی بنیاد پر 50 ہزار بیرل تیل مفت دیتا رہا۔ یہ سعودی حکومت ہی ہے جو اب یہاں پاکستان میں زرعی اجناس کاشت کرکے پھر انہیں خود اپنے ملک برآمد کرکے ہمیں قیمت ادا کرنے کی تجویز دے چکی ہے جس سے پاکستان کو تیل بھی سستا ملے گا تو لاکھوں ایکڑ بنجر پڑی زمینیں بھی آباد ہوں گی۔ جتنی رقم ہم آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک سے کشکول لے کر ذلت کے ساتھ قرضہ کی شکل میں وصول کرتے ہیں اس سے زیادہ ہمیں سعودی عرب سے عزت کے ساتھ ملتی ہے۔ پاکستان میں جب کبھی کوئی ناگہانی آفت آئی، سعودی عرب کی امداد اور تعاون سب سے پہلے اور سب سے زیادہ دیکھنے کو ملا۔ 2005 کا زلزلہ ہو یا اس کے بعد آنے والے مسلسل سیلاب، سعودی کردار ہمارے سامنے ہے۔ سعودی عرب ہی وہ ملک ہے جہاں کئی ملین پاکستانی برسرروزگار ہیں جو سالانہ اربوں ڈالر ہمیں زرمبادلہ کے طور پر بھیجتے ہیں۔ اللہ نہ کرے اگر دشمن کامیاب ہوا اور یہ لاکھوں پاکستانی پاکستان

واپس آ گئے تو ہمارے ملک کا کیا بنے گا؟کیاایران یا کوئی اور ملک ان کے روزگار کا ضامن ہوگااور کیااتنازرمبادلہ ہمیں کسی اور ملک سے مل سکے گا؟نہیں اوریقینا نہیں۔

یہ حرمین شریفین کے خلاف ایک بہت بڑی اور منظم سازش ہے جس کے ڈانڈے اسرائیل سے بھی ملتے ہیں جس نے اپنے نقشہ میں، اپنی خیالی حدود میں مکہ اور مدینہ کو بھی شامل کر رکھا ہے۔اسی طرح ایرانی صدر حسن روحانی کے اس بیان سے اس تمام منظرنامے میں ایران کو بھی معصومیت کی سندنہیں دی جاسکتی کہ عظیم ترایران کے خواب کو عملی جامہ پہنانے کاوقت آگیاہے اور عظیم ایران کادارالخلافہ بغداد ہوگا۔خامنائی کے ایک دست راست بھی اس طرح کی بات کہہ چکے ہیں اوراب یہ کوئی سربستہ راز بھی نہیں رہاہے کہ ایران یمن میں باغیوں کی پشت پر کھڑاہے۔عرب کے نسبتا پسماندہ ملک یمن کی شورش نے پورے عالم اسلام کو پریشانی سے دوچار کر دیا۔یمن کی آج کی خطرناک صورتحال کا جائزہ لیا جائے تو یہ پون صدی سے جاری کشمکش کا تازہ اور سب سے خطرناک وار دکھائی دیتا ہے جس میں حوثیوں کو استعمال کیا گیا اور شاید آخری تجزیہ کے طور پر یہ حوثی ہی سب سے زیادہ خسارے میں دکھائی دیں کیونکہ اس وقت ایران ان کی پشت پناہی پر ہے۔ان کی ذاتی حیثیت اور شناخت گم ہوتی جا رہی ہے۔ ماضی میں جھانکا جائے تو ایران کے ہتھے چڑھنے سے قبل حوثی فرقہ پرست نہیں تھے۔ ان کا تعلق

شیعوں کے سب سے معتدل فرقہ زیدیہ سے تھا اور زیدیوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ انتہا پسند نہیں اور نہ ہی مذہبی اختلافات کے حامی ہیں اور ان کے کوئی عالمی سامراجی عزائم بھی نہیں ہیں۔ ایران کے حامی سیاستدان اور فرقہ پرست تنظیمیں متحد ہو کر پاکستان کی حکمتِ عملی کے خلاف متحرک ہو چکی ہیں۔ سیاسی سرگرمیوں سے بڑھ کر دھمکی آمیز انداز میں ایک طرف سعودی عرب کی حمایت پر حکومت کی مذمت کا عمل جاری ہے تو دوسری جانب یہی عناصر سوشل میڈیا پر حوثیوں کے حق میں مہم بھی چلا رہے ہیں۔ سعودی عرب کے دفاع کو فرقہ واریت قرار دینے والوں سے کوئی یہ تو سوال کرے کہ جس ملک کے تم گن گاتے نہیں تھکتے ، وہ یمن میں کیا کر رہا ہے؟ سپاہ پاسداران انقلاب کے ذمہ داروں کی وہاں موجودگی، امداد کے نام پر ایمبولینسوں کے ذریعے اسلحے کی ترسیل ، باغیوں کے حق میں ریلیاں، ان اقدامات سے فرقہ واریت نہ پھیلنے اور سرزمین حرمین شریفین کی حمایت سے فرقہ واریت پھیلنے کی آخر کیا وجہ ہے؟ اس میں کسی مسلمان کے نزدیک دو رائے نہیں ہو سکتی کہ سعودی عرب کا دفاع حرمین شریفین کی وجہ سے سب سے زیادہ مقدم و ضروری ہے۔ اگر سعودی عرب کے دشمن اپنے ناپاک عزائم کی جانب قدم بڑھاتے ہیں تو لازمی طور پر وہاں جانے کے سارے راستے اور مقامات غیر محفوظ ہوں گے۔ ذرائع ابلاغ میں چھپنے والی رپورٹوں کے مطابق یمن کے باغیوں نے حرمین شریفین کو نشانہ بنانے کی دھمکی دی ہے جو انتہائی تشویش ناک ہے۔ اس کے بعد تو ہمیں کسی صورت سعودی عرب کے دفاع اور تعاون سے ہاتھ

کھینچنے کا تصور بھی ذہن سے نکال لینا چاہیے تھا،جانے کیوں اور کس کے خوف سے پارلیمنٹ نے ایک مبہم قرارداد منظور کی ،جس کی وجہ سے دشمن کو خوش ہونے کا موقع ملا۔اللہ کرے کہ پارلیمنٹ اس کی فوری تلافی کی کوئی سبیل نکالے ۔

ہمارا بہت بڑاالمیہ یہ ہے کہ یہاں کامیڈیاآزاد ہے اوراس قدر طاقت ورکہ وزیراعظم صاحب کو بھی اس بات کااعتراف ہے کہ یمن سعودیہ تنازعے کوفرقہ وارانہ رنگ دینے میں میڈیاکاہاتھ ہے۔وزیراعظم کی بات سے بڑھ کر مجلس وحدت المسلمین کے سربراہ امین شہیدی کایہ اعتراف ،کہ میڈیانے ہمارابہت ساتھ دیااور فضابدلنے میں ہماری معاونت کی ،کیااس سے بڑھ کر بھی کوئی ثبوت درکارہے۔جانے ہمارے قومی ایکشن پلان میں ایسی کوئی شق شامل ہے یانہیں کہ میڈیاکے ذریعے مذہبی منافرت پھیلانا بھی جرم ہے۔اگر ہوتی توشاید نوبت یہاں تک نہ پہنچتی۔دوسراالمیہ یہ بھی ہے کہ ہمارے عوام ہی نہیں خواص اور سیاست دانوں سے لے کرانیکرپرسنزودانش وروں تک،تمام شعبوں میں ایسے افراداور جماعتوں کی ایک بڑی کھیپ موجود ہے جن کی ہمدردیاں پاکستانی ہونے کے باوجوداپنے ملک کے بجائے کسی اور ملک سے ہیں۔امن کی آشاکارونا توپہلے سے رویاجارہاتھا،اس موجودہ منظرنامے نے ایک اورحقیقت بھی واضح کردی جس کی سب سے بہتر تعبیر میرے خیال میں وہی ہے جومہاتیر محمد نے کی تھی کہ اہل تشیع خواہ جس ملک کے بھی ہوں ان کی ہمدردیاں ایران سے وابستہ ہوتی ہیں۔یہ بہت بڑاالمیہ ہے ،جس

کاواحدعلاج یہی ہے کہ جس طرح ایک امریکی کی ہمدردیاں امریکاکے ساتھ،ایک یورپی کی یورپ کے ساتھ اورایک سعودی کی سعودی عرب کے ساتھ وابستہ ہوتی ہیں اسی طرح ایک پاکستانی کی ہمدردیوں کا محورپاکستان،پاکستان اور صرف پاکستان ہونا چاہیے۔اگرہم نے پاکستانی بن کر سوچنااورپالیسیاں ترتیب دیناشروع کردیاتووہ وقت دور نہیں جب ہمارا دشمن ناکام ونامراد ہوجائے گا،اگروطن عزیز میں دوسرے ممالک کے مذہب وکلچر کودرآمد کرنے ہی کی کوشش کی گئی تویہ وطن عزیزکی سالمیت کے لیے سم قاتل ثابت ہوگااوراللہ نہ کرے،یہ پاک دھرتی نہ رہی توہمیں وہ ممالک بھی قبول کرنے سے انکار کردیں گے جن کی خاطرآج ہم دھرتی ماں کی سالمیت کوداؤپرلگانے سے بھی نہیں چوکتے۔کیامیر جعفرومیر صادق اورخواجہ نصیرالدین طوسی کااپنے بدیسی آقاؤں کے ہاتھوں بدترین انجام اس قماش کے لوگوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی نہیں۔

لبیک حرمین شریفین ریلی

عوام ریلی میں شریک ہو کر غیرت ایمانی کا ثبوت دیں

.بروز سوموار جامعہ بنوریہ عالمیہ میں دفاع حرمین شریفین کے سلسلے میں ایک اعلیٰ سطحی اجلاس منعقد کیا گیا ، جس میں یمن کی صورتحال کے حوالے سے سعودی عرب کی مدد نہ کرنے اور یمن کے حوالے سے غیر جانبدار رہنے کی پارلیمنٹ کی مشترکہ قرارداد کو قومی امنگوں کے خلاف قرار دیتے ہوئے اس کی شدید الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے حکومت سے بلاتاخیر عرب اتحاد کا حصہ بننے کی اپیل کی گئی اور باقاعدہ احتجاجی تحریک چلانے کا اعلان کیا گیا، جس کا آغاز 24 اپریل.بروز جمعہ تمام جماعتوں اور مذہبی طبقے کی جانب گرو مندر سے تبت سینٹر تک احتجاجی ریلی کی صورت میں کیا جائے گا، اجلاس میں اہلسنت والجماعت کے مرکزی صدر علامہ اورنگزیب فاروقی ، جماعۃ الدعوۃ کراچی کے امیر ڈاکٹر مزمل ، جمیعت علماء اسلام (س) کے مولانا حماداللہ مدنی ، ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہل حدیث کے مولانا قاری خلیل الرحمٰن ،امیر انجمن دعوت اہلسنت والجماعۃ پاکستان کے مفتی نجیب اللہ عمر، تحریک غلبہ اسلام کے مولانا عبداللہ شاہ مظہر سمیت تقریباًشہر قائد کے تمام دیوبند واہل حدیث مکاتب فکر سے تعلق رکھنے

والے مدارس کے نمائندگان شرکت کی اور حکومت اور اداروں پر واضح کردیا کہ پاکستانی عوام سعودی عرب کو اس مشکل وقت میں ساتھ نہیں چھوڑ سکتے۔ پاکستانی قوم غیرت مند قوم ہے اور اپنے دوست کو مشکل وقت میں تنہا نہیں چھوڑ سکتی۔ اس اجلاس میں بریلوی مکتبہ فکر کی کمی شدت سے محسوس کی گئی اور اس بات پر خوش گوار حیرت کا بھی اظہار کیا گیا کہ مکہ مدینہ کے ناموں کی مالا جپنے اور اپنی دال روٹی چلانے والے اس کڑے وقت میں دوسرے بلاک کے ساتھ کیوں کھڑے ہیں؟ دعوت دینے کے باوجود اس مکتبہ فکر کے کسی راہ نما کی عدم شرکت ایک سوالیہ نشان چھوڑ گئی کہ آخر خود کو کب تک سواد اعظم سے الگ تھلگ رکھا جاتا رہے گا؟ پاک فوج یمن بھیجنے کی مخالفت کرنے والوں کی زبانیں آخر کیوں گنگ ہیں؟ یمن سعودیہ تنازع، مانا کہ شیعہ سنی تنازع نہیں ہے اور اسے یہ رنگ دیا بھی نہیں جانا چاہیے، لیکن اب یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ یمن کے حوثیوں کو بغاوت پر اکسانے والے کون ہیں اور ان کے پس پردہ کیا مقاصد ہیں؟ ایران کے اس حوالے سے جانب دارانہ کردار کا معاملہ اب محض الزام تراشیوں اور مفروضوں تک محدود نہیں ہے، بلکہ ایرانی سپاہ پاسداران انقلاب کے کمانڈر کی سعودی عرب کے تمام شہروں کو نشانہ بنانے کی دھمکی نے تمام گرد صاف کر دی ہے اور اب یہ جاننا کچھ مشکل نہیں رہا کہ کون گدھے پر اور کون گھوڑے
پر سوار ہے؟ سب سے پہلے پاکستان کی بات کرنے والے کن کی وکالت کر رہے ہیں، یہ بھی اب کوئی سربستہ راز نہیں رہا۔ یمن کی قانونی حکومت کے خلاف شورش کے پیچھے کون ہے اور اس کے کیا عزائم

ہیں، یہ بات سمجھنے کے لیے ہمارا تھوڑا ماضی میں جھانکنا ہوگا۔
یہ مئی 2011 کی بات ہے۔ تیونس اور مصر میں مسلم حکمرانوں کے خلاف عوامی احتجاج کی کامیابی اور ڈکٹیٹروں کی حکومتوں کے خاتمے سے اسلام دشمن یہود و نصاریٰ کے کاسہ لیسوں اور ایجنٹوں کے دل میں اس شوق نے انگڑائی لی کہ کیوں نہ انقلابات کی عوامی عالمی و بین الاقوامی سطح پر پذیرائی کے اس موقع کو کیش کرتے ہوئے سرزمین، عرب، مشرق وسطیٰ بالخصوص حرمین شریفین کے خلاف اپنے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی جائے۔ اس کے لیے منافقین کے تھنک ٹینک سر جوڑ کر بیٹھے۔ تہران، امریکا و تل ابیب میں ہونے والے ان خفیہ اجلاسوں میں دجالی قوتوں نے طے کیا کہ اس کا آغاز بحرین سے کیا جائے، جہاں پہلے ہی ان کے ہم خیالوں کی ایک بڑی تعداد حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کر چکی تھی۔ اس بغاوت کو تیونس اور مصر طرز کا عوامی انقلاب باور کرانے کی پوری کوشش کی گئی۔ جہاں تک بس چلتا تھا اس حوالے سے رائے عامہ کو اپنے حق میں کرنے کے لیے عالمی ذرائع ابلاغ کو وقف کر دیا گیا۔ مظاہرین و باغیوں کی پیٹھ ٹھونکی گئی، بحرین کی اہل سنت حکومت کے خلاف بیان بازی کی گئی، قراردادیں پاس کی گئیں، غرض ایران، شام، لبنان نے براہ راست اور دوسری استعماری قوتوں نے بالواسطہ اس بغاوت کو کامیاب کرانے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ مذکورہ ممالک کے ساتھ ساتھ ملک عزیز پاکستان میں موجود ایران کے ہم خیال مخصوص مکتبہ فکر کے لوگوں نے بھی اس

کارِخیر''میں اپنا حصہ ڈالنا ضروری خیال کرتے ہوئے ''شاہ سے زیادہ شاہ کی وفاداری''کا ثبوت دیا۔ چنانچہ شہر قائد میں اس مکتبہ فکر کی طرف سے سرزمین حرمین شریفین اور سعودی حکمرانوں کے خلاف نفرت آمیز اور دل آزار بینرز آویزاں کیے گئے اور آل سعود کو آل یہود تک کہنے سے گریز نہیں کیا گیا۔ مسلک اہل سنت دیوبند و اہل حدیث سے تعلق رکھنے والے علمائے کرام اور مذہبی و سیاسی جماعتوں کے راہ نماؤں نے اس موقع پر بھی حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے حکومت سے مطالبہ کیا کہ یہ نفرت آمیز اور دل آزار بینرز فوری طور پر ہٹائے جائیں۔ علمائے کرام کا موقف تھا کہ ایک منظم منصوبے کے تحت ملک اور بالخصوص شہر قائد کو فرقہ واریت کی طرف دھکیلا جا رہا ہے۔ عرب ممالک میں افراتفری کا مقصد وہاں کے تیل کے ذخائر پر قبضہ اور مسلمانوں کے روحانی مرکز حرمین شریفین کے گرد گھیرا تنگ کرنا اور یہودی استعمار کے مذموم و دجالی مقاصد کے لیے راہ ہموار کرنا ہے۔ علمائے کرام کے مطالبے اور بار بار یاد دلانے کے باوجود اس سلسلے میں کوئی نمایاں پیش رفت دیکھنے میں نہ آئی۔ جس کے بعد اکابر علمائے کرام کے مشورے سے طے کیا گیا کہ علما و خطبائے کرام کو یکجا جمع کر کے انہیں ایک مشترکہ لائحہ عمل دیا جائے۔ علمائے کرام کی پیہم جدوجہد کے نتیجے میں وطن عزیز کو فرقہ وارانہ فسادات کی آگ میں جھونکنے کی یہ سازش ناکام ہوئی تھی اور آل سعود کو آل یہود کہنے والی لابی کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ زخمی سانپ کی طرح یہ عناصر انڈر گراؤنڈ اپنی منصوبہ بندی تشکیل دینے میں لگے رہے اور بحرین کے

محاذ پر ناکامی کے بعد اب یمن کے حوثیوں کو بغاوت پر اکسایا گیا کہ تم قدم بڑھاؤ ہم تمھارے ساتھ ہیں۔اس کے بعد پھر اسی طرح کی کہانی دہرائی گئی،رائے عامہ کو سعودیہ کے خلاف ہم وار کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی،حکومت کو اس معاملے کو پارلیمنٹ میں لے جانے پر مجبور کیا گیا اور وہاں بیٹھے اپنے ہم خیال سیاست دانوں کے ذریعے بساط الٹ دی گئی۔جانے کس ان جانے خوف کے تحت پاکستان کے سینئر ترین سیاست دان نے مکمل مینڈیٹ ہونے کے باوجود بھی خود کشی کی راہ پر چلنے کا فیصلہ کیا۔خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا کہیے!!

اس اجتماعی خود کشی کی راہ پر لے جانے والے فیصلے کی تبدیلی کے لیے ایک بار پھر علمائے کرام اٹھ کھڑے ہوئے،انھوں نے اپنا کردار ادا کرتے ہوئے اس فیصلے کے نقصانات سے قوم کو آگاہ کرنے کا فیصلہ کیا کہ یہ ہمیں تنہا کر کے مارنے کی سازش کی ایک کڑی ہے،سعودی عرب اور خلیجی ممالک کے ساتھ کھڑے ہو کر ہم اپنا قد اونچا کر سکتے تھے،خلیجی ممالک سے منہ مانگے مفادات حاصل کر سکتے تھے،اپنے دوستوں کی تعداد میں اضافہ کر سکتے تھے۔جناب سراج الحق،حضرت مولانا فضل الرحمٰن کی رائے بھی اب وہی بن چکی ہے جو دیگر اہل سنت علما اور جماعتوں کی ہے،جس کا واضح ثبوت اس نوع کے پروگراموں میں ان کی گرم جوشی سے ملتا ہے،تاہم صرف اتنا کافی نہیں۔ہماری سوچ نارسا کے مطابق ان کو اس حوالے سے پارلیمانی میدان میں اپنے جوہر دکھانے ضروری ہیں،جس کے لیے قوم کی

نگاہیں اس جماعت بالخصوص قائد جمعیت کی طرف اٹھتی ہیں ۔ہمیں امید واثق ہے کہ دیر آید درست آید کے مصداق وہ اپنا کردار ضرور ادا کریں گے۔ یہ انتہائی خوش آئند امر ہے کہ اس حوالے سے نہ صرف تمام مسلک دیوبند سے تعلق رکھنے والی جماعتیں یک آواز ہیں ،بلکہ مسلک اہل حدیث کی تنظیموں کی بھی ایک ہی رائے ہے کہ یہ سرزمین حرمین شریفین پر قبضہ کرنے اوراس کی مرکزیت کو ختم کرنے کی سازش ہے۔ دونوں مکاتب فکر ماضی کی طرح اب بھی اس معاملے میں یک آواز ہیں ۔ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلک اہل سنت کے دوسرے مکاتب فکر کو بھی اس پلیٹ فارم پر یکجا کیا جائے ۔مقام حیرت وافسوس ہے کہ جن لوگوں کا وظیفہ زندگی ہی ''مکہ ومدینہ ''ہے، جن کا ماٹو ہی ''عشق رسالت ''ہے، وہ مجرمانہ غفلت یا پراسرار خاموشی کا شکار کیوں ہیں ؟۔ حکومت کی '' صاف چھپتے بھی نہیں ،سامنے آتے بھی نہیں ''والی صورت حال ہے ۔''راضی رہے رحمٰن بھی اور نہ روٹھے شیطان بھی''کے مصداق ایک طرف خفیہ سفارتی وفود بھی جا جا کر یقین دہانیاں بھی کی جارہی ہیں کہ ہم آپ کے ساتھ ہیں، دوسری جانب اسحٰق ڈار جیسے وزیران باتدبیر احسان فراموشی کی روایت بھی برقرار رکھے ہوئے ہیں، ''شیطان بزرگ ''تو اس حوالے سے سعودی عرب کے ساتھ کھڑا ہے ،پھر نہ جانے کس ''بزرگ ''کی ناراضی کا ڈر ہے۔ ویسے مرگ بر اسرائیل کے نعرے لگانے والوں کا اسرائیل سے کوئی نیا یارا بھی ہو چکا ہے اور کوئی بعید نہیں کہ پس پردہ

شیطان بزرگ بھی اس کا حصہ ہو، کہ بغل میں چھری منہ میں رام رام اس کی پرانی پالیسی ہے، بہرحال ہنوز پرنالہ الٹا بہ رہا ہے، جس کے بعد علمائے کرام نے ایک بار پھر باقاعدہ احتجاجی تحریک چلانے کا اعلان کیا گیا، جس کا آغاز 24 اپریل بروز جمعہ تمام جماعتوں اور مذہبی طبقے کی جانب گرو مندر سے تبت سینٹر تک احتجاجی ریلی کی صورت میں کیا جا رہا ہے۔ شہر قائد کے عوام کی دینی، ملی و مذہبی ذمے داری ہے کہ لبیک حرمین ریلی کو کامیاب بنا کر دشمن کو پیغام دیں کہ پاکستانی عوام کے دل سعودی عرب کے ساتھ دھڑکتے ہیں، ہم کڑے وقت میں اپنے محسن کو تنہا نہیں چھوڑ سکتے اور بغاوت یا کسی بھی انداز میں حرمین شریفین کی سلامتی کو خطرے میں ڈالنے کی کسی کو اجازت نہیں دیں گے۔

ہم زلف نبیؐ، امام تدبر وسیاست، امیر المومنین حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

تمام انسانوں میں انبیائے کرام علیہم الصلو والسلام کے بعد فضیلت میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کا درجہ ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگرچہ معصوم نہیں ہیں، مگر ان سے جو بھی گناہ (اللہ تعالی نے کسی حکمت کے تحت صادر کرائے اور) ہوئے تھے، اللہ تعالی نے انہیں معاف فرما کر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بلا تفریق اپنی رضا کا پروانہ عطا فرمایا ہے، لہٰذا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر ہمیشہ اچھے لفظوں میں کرنا چاہیے۔اسلام دشمنوں کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حیثیت کو کم کیا جائے تاکہ ان کے ذریعے سے ہم تک پہنچنے والے دین میں نقب زنی آسان ہو جائے۔

فاتح عرب و عجم، کاتب وحی، برادر نسبتی پیغمبر، ہم زلف نبی، راز دار نبوت، امام تدبر و سیاست، خال المومنین، امیر المومنین، سیدالرسل امام الانبیا خاتم المعصومین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک نہایت ممتاز و جلیل القدر صحابی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ آسمان نبوت کے وہ ستارے اور چمنستان محمدی ﷺ کے وہ پھول ہیں کہ جن پر سب سے زیادہ اعتراضات کیے اور کئی الزامات عائد کیے گئے ہیں۔بغض اعدا کا یہ عالم ہے کہ اس عظیم ہستی کے یوم وفات

پر باقاعدہ دعوتوں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ تمام اعتراضات والزامات کی وجہ قرآن و سنت کے مقابلہ میں تاریخی روایات کو اہمیت دینا ہے۔ جبکہ قرآن و سنت کی تعلیمات کے خلاف ہر روایت قابل تردید ہے۔ چہ جائے کہ اس پر تکیہ کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام پر براہ راست اور بالواسطہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر انگلی اٹھائی جائے، حالانکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ صحابہ کرام کا مقام تاریخ کی کتابوں سے متعین نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ تاریخیں کئی صدی بعد لکھی گئی ہیں۔

حضرت معاویہؓ۔ابتدائی تعارف:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ رضی اللہ تعالی عنہ بعثت نبوی ﷺ کے تقریباپانچ برس قبل پیدا ہوئے۔آپ کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملتا ہے۔حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ رضی اللہ تعالی عنہ وہ خوش نصیب انسان ہیں جن کو جلیل القدر صحابی ہونے کے ساتھ کاتب وحی اور پہلے اسلامی بحری بیڑے کے امیر ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے اور آپ رضی اللہ تعالی عنہ کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے کئی دفعہ دعائیں اور بشارتیں نکلیں آپ رضی تعالی عنہ کی بہن حضرت سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالی عنہا کو حضور صلی اللہ، علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ اور ام المومنین ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔آپ کے والد حضرت سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ

اور والدہ حضرت سیدہ ہندہ رضی اللہ عنہا بھی شرف صحابیت سے مشرف تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے آئینہ اخلاق میں اخلاص، علم و فضل، فقہ واجتہاد، تقریر وخطابت، غریب پروری، خدمت خلق، مہمان نوازی، مخالفین کے ساتھ حسن سلوک، فیاضی وسخاوت، اور خوف الٰہی کا عکس نمایاں نظر آتا ہے۔

حضور ﷺ کی نوازشات:

آپ صلح حدیبیہ کے بعد ہی اسلام قبول کر چکے تھے،تاہم اس کا باقاعدہ اعلان فتح مکہ کے موقع پر کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے سابقہ حالات زندگی اور ان کی صلاحیت و قابلیت سے آگاہ تھے اس لئے انہیں خاص قرب سے نوازا۔ فتح مکہ کے بعد آپ رضی اللہ تعالی عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہی رہے اور تمام غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت و معیت میں بھرپور حصہ لیا۔

قرآن مجید کی حفاظت میں ایک اہم سبب ''کتابت وحی'' ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جلیل القدر صحابہ رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین پر مشتمل ایک جماعت مقرر کر رکھی تھی جو کہ '' کاتب وحی'' تھے ان میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کا چھٹا نمبر تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کو کاتب وحی

بنایا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی کو کاتب وحی بناتے تھے جو ذی عدالت اور امانت دار ہوتا تھا (ازالتہ الخفا از شاہ ولی اللہ دہلوی

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ وہ خوش قسمت انسان ہیں جن کو کتابت وحی کے ساتھ ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطوط تحریر کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتے یہاں تک کہ سفر و حضر میں بھی خدمت کا موقع تلاش کرتے۔ چنانچہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہیں تشریف لے گئے تو سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ پیچھے پیچھے گئے۔ راستہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وضو کی حاجت ہوئی پیچھے مڑے تو دیکھا، معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ پانی لیے کھڑے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑے متاثر ہوئے، چنانچہ وضو کے لیے بیٹھے تو فرمانے لگے: معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ تم حکمران بنو تو نیک لوگوں کے ساتھ نیکی کرنا اور برے لوگوں کے ساتھ درگزر کرنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی خدمت اور بے لوث محبت سے اتنا خوش تھے کہ بعض اہم خدمات آپ کے سپرد فرمادی تھیں۔ علامہ اکبر نجیب آبادی '' تاریخ اسلام '' میں رقمطراز ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے باہر سے آئے ہوئے

مہمانوں کی خاطر مدرات اور ان کے قیام وطعام کا انتظام واہتمام بھی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے سپرد کر دیا تھا۔

: خلفائے راشدینؓ کے دور میں جہادی کارنامے

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد خلیفہ اول سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کے دور میں آپ نے مانعین زکو، منکرین ختم نبوت ، جھوٹے مدعیان نبوت اور مرتدین کے فتنوں کے خلاف بھرپور حصہ لیا اور کئی کارنامے سرانجام دیئے ۔ایک روایت کے مطابق مسلیمہ کذاب حضرت معاویہؓ رضی اللہ تعالی عنہ کے وار سے جہنم رسید ہوا۔ خلیفہ دوم سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کے دور خلافت میں جو فتوحات ہوئیں، ان میں حضرت امیر معاویہؓ رضی اللہ تعالی عنہ کا نمایاں حصہ اور کردار ہے ،جنگ یرموک میں آپ بڑی بہادری اور دلیری کے ساتھ لڑے، اس جنگ میں آپ کا پورا خاندان جنگ میں حصہ لے رہا تھا۔

خلیفہ سوم سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کے دور خلافت میں سیدنا حضرت امیر معاویہؓ رضی اللہ تعالی عنہ جہاد وفتوحات میں مصروف رہے اور آپ نے رومیوں کو شکست فاش دیتے ہوئے طرابلس ،شام، عموریہ، شمشاط، ملطیہ، انطاکیہ، طرطوس، ارواڑ، روڑس اور صقلیہ کو حدود نصرانیت سے نکال کر اسلامی سلطنت

میں داخل کردیئے۔ حضرت امیر معاویہؓ رضی اللہ تعالی عنہ ان علاقوں کی فتوحات کے بعد اب یہ چاہتے تھے کہ اسلام ایک آفاقی اور عالمگیر مذہب ہے اس کو اب سمندر پار یورپ میں داخل ہونا چاہیے، اسی بناپر فتح قبرص کی خواہش آپ کے دل میں مچل رہی تھی، جس کے لیے بحری بیڑے کی اشد ضرورت تھی۔ بحر روم میں رومی حکومت کا ایک بہت بڑا بحری مرکز تھا جو کہ شام کے ساحل کے قریب ہونے کے باعث شام کے مسلمانوں کیلئے بہت بڑا خطرہ تھا اسے فتح کیے بغیر شام ومصر کی حفاظت ممکن نہ تھی اس کے علاوہ سرحدی رومی اکثر مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ کرتے ہوئے مسلمانوں کو تنگ کرتے رہتے تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کی طرف سے بحری بیڑے کو تیار کرنے کی اجازت ملنے کے بعد حضرت امیر معاویہؓ رضی اللہ تعالی عنہ نے بڑے جوش خروش کے ساتھ بحری بیڑے کی تیاری شروع کردی اور اپنی اس بحری مہم کا اعلان کردیا جس کے نتیجے میں جذبہ جہاد سے سرشار مجاہدین اسلام شام کا رخ کرنے لگے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد محض چھے ماہ خلافت کے منصب پر فائز رہنے کے بعد 41ھ میں حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے برضاورغبت خلافت آپ کو سونپ دی اور حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما نے آپ کو خلیفہ برحق مانتے ہوئے بیعت کرکے منافقین کے تمام عزائم کو یک سرناکام بنادیا۔ خلیفہ بنتے ہی آپ نے عارضی طور پر اسلامی فتوحات میں آنے والے تعطل کا خاتمہ کردیا اور اسلامی

لشکر کی باگ دور سنبھال لی، چنانچہ 42ھ میں غزوہ سجستان پیش آیا اور آپ رضی اللہ عنہ ہی کی قیادت میں سندھ کا کچھ حصہ بھی مسلمانوں کے زیر نگیں آیا۔ 42ھ میں کابل فتح ہوا اور مسلمان ہندوستان میں قدابیل کے مقام تک پہنچ گئے۔ 43ھ میں ملک سوڈان فتح ہوا۔ 45ھ میں افریقہ پر لشکر کشی کی گئی اور ایک بڑا حصہ مسلمانوں کے زیر نگیں آیا۔ 46ھ میں صقلیہ (سسلی) پر پہلی بار حملہ کیا گیا اور کثیر تعداد میں مال غنیمت مسلمانوں کے قبضے میں آیا۔ 47ھ میں افریقہ کے مزید علاقوں میں جہاد جاری رکھا۔ 49ھ میں آپ رضی اللہ عنہ نے قسطنطنیہ کی طرف زبردست اسلامی لشکر روانہ فرمایا، جو مسلمانوں کا قسطنطنیہ پر پہلا حملہ تھا۔ 50ھ میں قبستان جنگ کے بعد قبضہ میں آیا۔ 54ھ میں آپ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مسلمان دریائے جیحون کو عبور کرتے ہوئے بخارا تک جا پہنچے۔ 56ھ میں غزوہ سمرقند پیش آیا۔ سیدنا معاویہؓ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے رومیوں کے خلاف سولہ جنگیں لڑی حتی کہ آخری وصیت بھی یہی تھی کہ روم کا گلا گھونٹ دو۔ خلاصہ یہ کہ حضرت سیدنا امیر معاویہؓ رضی اللہ تعالی عنہ ایک عظیم جرنیل، سپہ سالار اور میدان حرب کے نڈر شہسوار تھے، یہی وجہ ہے کہ سیدنا حضرت امیر معاویہؓ رضی اللہ تعالی عنہ کا دور حکومت فتوحات اور غلبہ اسلام کے حوالہ سے شاندار دور حکومت ہے ایک طرف بحر اوقیانوس اور اور دوسری طرف سندھ اور افغانستان تک میں اسلام کی فتح کے جھنڈے گاڑ دیئے۔

:دورخلافت اوراصلاحات

اس کے ساتھ ساتھ سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ نے خلفائے راشدین کے ترقیاتی کاموں کو جاری رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل نئے امور واصلاحات کی داغ بیل ڈال کر اس کو فروغ دیا:

1 ۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ رضی اللہ تعالی عنہ نے سب سے پہلا قامتی ہسپتال دمشق میں قائم کیا۔

2 ۔سب سے پہلے اسلامی بحریہ قائم کیا، جہاز سازی کے کارخانے بنائے اور دنیا کی زبردست رومن بحریہ کو شکست دی۔

3 ۔آبپاشی اورآبنوشی کیلئے پہلی نہر کھدوائی۔

4 ۔ڈاک کا جدید اور مضبوط نظام قائم کیا۔

5 ۔احکام پر مہر لگانے اور حکم کی نقل دفتر میں محفوظ رکھنے کا طریقہ ایجاد کیا۔

6 ۔آپ سے پہلے خانہ کعبہ پر غلافوں کے اوپر ہی غلاف چڑھائے جاتے تھے، آپ نے پرانے غلافوں کو اتار کر نیا غلاف چڑھانے کا حکم دیا۔

7 ۔پارلیمنٹ کا قیام عمل میں آیا اور انتظامیہ کو بلندتر بنایا اور انتظامیہ کو عدلیہ میں مداخلت سے روک دیا۔

8 ۔بیت المال سے تجارتی قرضے بغیر اشتراک نفع یا سود کے جاری کرکے تجارت وصنعت کو فروغ دیا اور بین الاقوامی معاہدے فرمائے۔

۔ سرحدوں کی حفاظت کیلئے قدیم قلعوں کی مرمت کرکے اور چند نئے قلعے تعمیر کرا کر 9
اس میں مستقل فوجیں متعین کیں۔
۔بڑے بڑے اخلاقی مجرموں کے لئے خصوصی پولیس (سی۔آئی۔اے سٹاف) کی 10
بنیاد ڈالی۔

روایات:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی 163
احادیث مروی ہیں۔جن میں سے کئی حدیثیں بخاری و مسلم میں بھی
موجود ہیں۔آنحضرت ﷺ کی اس قدر قربت کے باوجود آپ کی روایات کم اس لیے
ہیں کہ آپ حدیث نقل کرنے میں حددرجہ محتاط تھے۔

وفات حسرت آیات:

رجب المرجب 60ھ میں کاتب وحی، جلیل القدر صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ 22
وسلم، فاتح شام و قبرص اور 19 سال تک 64 لاکھ مربع میل پر حکمرانی کرنے والے
حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ 78 سال کی عمر میں وفات پاگئے۔حضرت
ضحاک بن قیس رضی اللہ تعالی عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور دمشق کے باب
الصغیر میں مدفون ہوئے۔اللہ کی ان پر بے شمار رحمتیں نازل ہوں (آمین)

کونڈے۔ایک نفرت انگیز بدعت

رجب کے مہینے میں جہاں کئی اور بدعتیں ثواب سمجھ کر کی جاتی ہیں مثلا ہزاری اور لکھی روزے، صلوۃ الرغائب، 27 رجب کی شب بسلسلہ معراج النبی ﷺ چراغاں کرنا وغیرہ ,ان میں ایک مشہور بدعت 22 رجب کو امام جعفر صادق رحمہ اللہ کے کونڈے بھی ہے۔ کہتے ہیں اس تاریخ کو امام جعفرؒ کا انتقال ہوا تھا۔ حالانکہ 22 رجب امام جعفرؒ کا نہ یوم وفات ہے اور نہ ہی یوم ولادت، بلکہ ان کی ولادت 8 رمضان 80ھ ہے اور وفات 15 شوال 148 ھ ہے۔

دراصل دشمنان صحابہؓ 22 رجب کو کاتب وحی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خوشی میں یہ رسم ادا کرتے ہیں کیونکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ان کی عداوت اور دشمنی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ چونکہ تقیہ کرنا ان کے ایمان کا ایک جز واعظم ہے اور ان کا مشہور قول ہے:

لا ایمان لمن لا تقیہ لہ" (جس شخص نے تقیہ نہیں کیا اس کا کوئی ایمان نہیں) س لئے " یہ لوگ دوسروں کو سیدھی بات نہیں بتاتے کہ ہم وفات معاویہ رضی اللہ عنہ کا جشن منا رہے ہیں بلکہ تقیہ کرکے اور فرضی کہانیاں سنا کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں ۔ رہا اس بات کا ثبوت کہ 22رجب حضرت امیر معاویہؓ کا یوم وفات ہے اور شیعہ قوم کے نزدیک یہ دن بہت بابرکت ہے, یہ بات شیعہ مذہب کی مشہور کتاب تحفۃ العلوم طبع لکھنو باب چودہ صفحہ 62 پر بھی موجود ہے، جس کے

ٹائٹل پر لکھا ہوا ہے:
یہ کتاب فیض انتساب مذہب اثناء عشری یعنی مذہب شیعہ کے احکام ومسائل دین ''
''وغیرہ کی ہے
اہل سنت میں بھی بعض نادان اور ناواقف لوگ کونڈے کرتے ہیں، چونکہ یہ لوگ بریلوی مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں اس مناسبت سے ان کے اپنے اعلیٰ حضرت کا بھی ایک فتویٰ درج کیا جاتا ہے چنانچہ وہ اپنے ایک فتویٰ کے آخر میں فرماتے ہیں: ومن یکن یطعن فی معاویہؓ فذالک کلب من کلاب الھاویہ (احکام شریعت حصہ اول صفحہ 103)
ترجمہ: ''جو شخص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرے وہ جہنم کے کتوں سے ایک کتا ہے'' اس بات کا فیصلہ ہم اپنے بریلوی مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے بھائیوں پر چھوڑتے ہیں کہ حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یوم وفات کی خوشی منانا ان پر طعن کرنے کے مترادف یا اس سے بڑا جرم ہے یا نہیں۔

!ٹریفک قوانین کی پابندی کیجیے

کسی قوم کی تہذیب و تمدن کا اندازہ لگانا ہو تو وہاں کے ٹریفک پر ایک نظر ڈال لی جائے پھر یہ کہ ٹریفک قوانین پر عمل پیرا ہونے سے وقت کی بچت کے ساتھ ساتھ حادثات کی روک تھام بھی ممکن ہے۔ ایک تجزیہ کے مطابق اتنے انسان دشمنیوں کے نتیجہ میں ہلاک نہیں ہوتے جتنے ٹریفک حادثات کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔ غیر ممالک میں اشارہ کاٹنے پر بات طلاقوں پر پہنچ جاتی ہے منگنیاں ٹوٹ جاتی ہیں۔ وطن عزیز میں ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی پر نادم ہونے کے بجائے کچھ لوگ اتراتے ہیں جو خوش آئند امر نہیں ہے۔

سعودی عرب کے مفتی اعظم عبدالعزیز شیخ نے دو سال قبل قرآن مجید کی ایک آیت جس میں اللہ تعالی نے فرمایا ہے'' جس نے ایک انسان کو قتل کیا، اس نے گویا پوری انسانیت کو قتل کر دیا اور جس نے ایک شخص کو بچایا، اس نے گویا پوری انسانیت کو بچا لیا'' کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی گناہ کبیرہ کے زمرے میں آتی ہے۔ کوئی شخص ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی کرتا ہے اور اس کی اس حرکت کی وجہ سے کسی کی موت واقع ہو جاتی ہے تو وہ قتل عمد کا مجرم گردانا جائے گا۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی فرماتے ہیں :ٹریفک قوانین کو دین سے الگ کوئی چیز سمجھنا اور انکی پاسداری نہ کرنا غلط سوچ ہے ،اس لئے کہ یہ قوانین انسانی مصلحت پر مبنی ہوتے ہیں اس اعتبار سے انکی پابندی شرعا واجب ہوتی ہے ۔ٹریفک قوانین کی پابندی نہ کرنے والا اسلامی نقطہ نظر سے قانون شکنی ، وعدہ خلافی ، ایذارسانی اور سڑک کے ناجائز استعمال جیسے چار بڑے گناہوں کا ارتکاب کر رہا ہوتا ہے اور اس قسم کی بیقاعدگی فساد فی الارض کی تعریف میں آتی ہے اس لئے ٹریفک قوانین کی پابندی کرنی چاہیے کیونکہ یہ باتیں ہمارے دین نے ہمیں سکھائی ہیں، ہمیں ان زریں اسلامی اصولوں پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔ اسلام ہمیں سڑک پر منظم انداز میں چلنے کی تلقین کرتا ہے ہم ان قوانین اور ضابطوں پر عمل کرکے سڑکوں پر مثالی ڈسپلن قائم کر سکتے ہیں۔ حدیث مبارکہ ہے کہ ضابطوں کی پابندی نہ کرنا اپنے اوپر ظلم ہے کبھی ہم نے سوچا ہے یہ ضابطے کیا ہیں اور ان پر عمل نہ کرکے ہم اپنے اوپر کیسے کیسے ظلم کرتے ہیں؟ ان ضابطوں کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگالیں کہ برقی اشاروں کی خلاف ورزی سے کتنے لوگ ہیں جو حادثہ کی صورت میں اس دار فانی سے کوچ کر گئے ہیں؟ کتنے لوگ ہیں جو تیز رفتاری کی وجہ سے ہلاک ہوئے یا زندگی

بھر کے لئے معذور ہو گئے؟ کتنے لوگ ہیں جو ون ویلنگ کرتے ہوئے جان کی بازی ہار گئے؟ کتنے لوگ ہیں جنھوں نے سڑک پر غفلت اور لاپرواہی کا مظاہرہ کرکے لوگوں کی جان و مال کو نقصان پہنچایا ہے؟ یہ سب چیزیں ضابطوں پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے رونما ہوتی ہیں۔ حدیث شریف: اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو ٹریفک قوانین میں کچھ ایسی خلاف ورزیاں ہیں جن سے انسان کی جان ضائع ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے ان میں ایک.برقی اشاروں کی خلاف ورزی ہے۔

جب آپ سرخ اشارہ کراس کرتے ہیں تو اس صورت میں حادثہ رونما ہونے کا خطرہ ہوتا ہے اور اس طرح کے حادثات سے اکثر قیمتی جانوں کا ضیاع ہوتا ہے۔ ایک اشارہ توڑنے والے کی جان کا ضائع ہونا اور دوسرا اشارہ توڑنے والے کی وجہ سے کسی دوسرے شخص کی جان کے ضیاع کا اندیشہ ۔ اگر اشارہ توڑنے والا حادثہ میں زندگی کی بازی ہار جائے تو یہ خود کشی ہو گی۔ خود کشی حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔ دوسرا ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی کرنے والے کی وجہ سے کسی دوسرے شخص کی جان جائے تو یہ قتل ہو گا۔ ارشاد ہے کہ جس نے ایک شخص کی جان بچائی گویا اس نے پوری انسانیت کو بچایا اور جس نے ایک انسان کو قتل کیا تو گویا اس نے پوری انسانیت کو قتل کیا۔ قانونی طور پر اگر ٹریفک خلاف ورزی کی وجہ سے کسی شخص کی موت واقع ہو جائے تو گاڑی یا موٹر سائیکل چلانے والے شخص کے خلاف قتل بالخطا اور قتل بالسبب کا مقدمہ درج ہوتا ہے۔

ایک اور جگہ ہمارے پیارے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ دوسروں کو بچانے میں اپنی حیات ہے اگر ہم صرف اس بات کو ذہن میں رکھیں تو ہمارے ہاں ٹریفک شعور کے فقدان نے سڑکوں پر موجودہ صورتحال پیدا کی ہوئی ہے یہی وجہ ہے کہ ہم توقع کرتے ہیں کہ جب ہم گزر رہے ہوں تو سب راستہ چھوڑ دیں اور جب کوئی اور گزر رہا ہو تو ہمیں سائڈ پہ ہونے کی بھی زحمت نہ کرنی پڑے۔ سڑکوں پر بھی احترام آدمیت ہونا ضروری ہے جس سے اخوت و بھائی چارے،برداشت اور ایثار کے جذبات کے علاوہ لوگوں کے جان ومال کو بھی محفوظ بنایا جا سکتا ہے۔غلط اوور ٹیک کرنا، ون وہیلنگ، تیز رفتاری، غفلت اور لاپرواہی سے گاڑی یا موٹر سائیکل وغیرہ چلانا بھی ٹریفک کی سنگین خلاف ورزیوں میں آتے ہیں۔

ایک اور خلاف ورزی جو لوگوں میں عام پائی جاتی ہے وہ لوگوں یا ٹریفک کی گزرگاہ میں رکاوٹ پیدا کرنا ہے۔ حدیث مبارک ہے راستوں کو ان کا حق دو اور ان پر مت بیٹھو راستے کا حق یہ ہے کہ اسے راستہ یا گزرگاہ سمجھا جائے، راستے کو آرام گاہ یا منزل نہ بنایا جائے کیونکہ راستے پر بیٹھنے سے گزرنے والوں کے لئے رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔

یہ رکاوٹیں کئی مسائل کو جنم دیتی ہیں:

سڑک پر بیٹھنے سے کسی مریض کو ہسپتال جانے میں، کوئی گاڑی آگ بجھانے جا رہی ہو، کسی طالب علم کو سکول جانے میں، کسی مزدور کو کام پر جانے میں، کسی ڈاکٹر کو ہسپتال جانے میں، کسی اندھے یا معذور کو گزرنے میں رکاوٹ یا تکلیف پیش آ سکتی ہے اور کسی دوسرے مسلمان کو تکلیف دینا کسی صورت جائز نہیں۔

اسی طرح راستوں پر تجاوزات کے فروغ کا رجحان راستوں سے ان کا حق چھیننے کے مترادف ہے۔ ایک حدیث شریف ہے: جس کسی نے مسلمان کے راستے کی تکلیف دور کی اللہ تعالی اس کی نیکیوں میں اضافہ فرمائے گا اگر آپ کہیں سے گزر رہے ہیں، راستے میں پتھر یا کانٹا پڑا ہو جس سے کسی مومن کو تکلیف پہنچ سکتی ہو اس کو ہٹانا ثواب ہے لیکن ہم لوگ سڑک کو ناجائز طریقے سے استعمال کرنے کو اپنا حق سمجھتے ہیں مثلا سڑک پر سامان رکھ کر کاروبار کرنا، ناجائز تجاوزات اور غلط پارکنگ وغیرہ اس کے علاوہ ستم ظریفی کا یہ عالم ہے شادی بیاہ، فوتگی یا دیگر تقریبات پر سڑکوں پر باقاعدہ ٹینٹ اور شامیانے لگا کر گھنٹوں گلی یا سڑک بند کرکے لوگوں کی آمدورفت کو روک دیا جاتا ہے جس سے لوگ اذیت سے دوچار ہوتے ہیں۔

تازہ ترین اعداد و شمار کے مطابق 2002 سے 2014 تک ایک لاکھ 22 ہزار بڑے حادثات ہوئے جن میں 53 ہزار 790 افراد جان کی بازی ہار گئے۔ اسکے علاوہ ایک

لاکھ 6ہزار افراد زخمی ہوئے اور کم وبیش ڈیڑھ لاکھ گاڑیاں تباہ ہوئیں۔2001 تک گاڑیوں کی تعداد 50لاکھ تھی جو اب اڑھائی کروڑ سے بھی زائد ہے۔ان تمام حقائق کی روشنی میں ملک میں ٹریفک حادثات کی روک تھام کے لیے بنائے جانے والے کسی بھی قانون کوایک مثبت پیش رفت ہی سمجھا جانا چاہیے، کراچی میں 8جون سے موٹر سائیکل اور بائیک سوار ہی نہیں، بلکہ اس کے پیچھے بیٹھنے والے کے لیے بھی، خواہ وہ خاتون ہی کیوں نہ ہو، ہیلمٹ کی پپابندی کولازمی کردیاگیاہے، جس کے خلاف سندھ ہائی کورٹ میں ایک درخواست بھی دائر کردی گئی ہے، درخواست میں موقف اختیار کیاگیا ہے کہ آئین میں موٹر سائیکل پر سوار دوسرے شخص پر ہیلمٹ پہننے کی پابندی کا کوئی قانون موجود نہیں، نیز اس کے علاوہ خواتین کے ہیلمٹ سے متعلق احکامات کا فائدہ دہشت گرد بھی اٹھا سکتے ہیں، یہ دونوں باتیں اپنی جگہ وزنی اور قابل غور ہیں،امید ہے عدلیہ اس حوالے سے جلدہی کوئی حتمی فیصلہ سنائے گی،جب تک اس مقدمے کافیصلہ نہیں آجاتا،اس قانون پر عمل درآمد کومعطل رکھنا چاہیے۔ عوام حیران ہیں کہ عوام کوپانی ، بجلی ، گیس اوردیگربنیادی ضروریات زندگی سے محروم کرنے کے درپے سندھ حکومت کوعوام کی اس قدر فکرآخرکیوں لگ گئی؟کہیں دال میں کچھ کالاتونہیں ہے۔ عوام کو یہ سوچنا قطعی غلط بھی نہیں ہوسکتا،کہ حکومت میں وزراء ومشیران کی فوج ظفرموج ہویامحکمہ جاتی افسران،سب ہی کمیشن مافیاکے کارندے معلوم ہوتے ہیں۔دوسری بات یہ بھی ہے کہ ٹریفک قوانین میں اب تک جو بھی کوئی نیا منجن شامل

کیا گیا ہے، خواہ وہ ہیلمٹ کی پابندی ہو یا ڈبل سواری و شناختی کارڈ ساتھ رکھنے کی پابندی، اس کا فائدہ ہمارے مسکین صورت پولیس والوں نے ہی اٹھایا ہے، جن کی تنخواہ دگنی کرنے کے باوجود ان کے چائے پانی کی ضروریات ہیں کہ ختم یا پوری ہونے کا نام ہی نہیں لیتیں۔ بقول شاعر

چھٹتی نہیں یہ کافر، منہ کو لگی ہوئی

بہر حال ایک طرف ہمارے اداروں اور حکومت کو چاہیے کہ وہ قوانین وضع کرتے وقت پیٹ کے بجائے دماغ سے سوچے اور دوسری جانب ہر شہری کا بھی فرض ہے کہ وہ ٹریفک قواین کی مکمل طور پر پاسداری کرے، ورنہ چمڑی اور دمڑی دونوں ہی کا خطرہ ہے۔

رمضان المبارک۔ صبر کا مہینہ

مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خبر دی ہے کہ رمضان المبارک رحمت، مغفرت اور جہنم سے خلاصی کا مہینا ہے۔ گویا اس ماہ کے جو اہل ایمان کے لیے موسم بہار کی حیثیت رکھتا ہے، تین حصے ہیں۔ پہلے دس دن رحمت کے، کہ روزوں اور تراویح کی بہ دولت اللہ تعالی کی رحمت متوجہ ہوتی ہے، گویا دل کی کھیتی پر رحمت کی پھوار پڑتی ہے ،جو اس کو روئیدگی کے قابل بناتی ہے ،گناہوں کے جھاڑ جھنکاڑ کو دھوڈالتی ہے اور نیکیوں کے برگ وبار لانے کے قابل بناتی ہے، جس کے نتیجے میں جہنم کے قیدیوں کی آزادی کے پروانے جاری ہوتے ہیں اور روزانہ کی بنیاد پر گویا مغفرت کے پرمٹ بانٹے جاتے ہیں، اور آخری دس دنوں میں جہنم سے خلاصی کے فیصلے ہوتے ہیں۔ اس مبارک مہینے کی برکتیں اور سعادتیں لامتناہی ہیں۔ اللہ تعالی کی رحمت قدم قدم پر بندوں کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ سارا سال گناہوں اور خالق کی بغاوتوں میں لتھڑے مسلمانوں کے لیے رب کریم اپنی رضا ورضوان کے دروازے کھول دیتے ہیں۔ سعادت منداور خوش نصیب لوگ ان مبارک گھڑیوں کو قدرت کا انعام واکرام سمجھ کر قیمتی بناتے، اپنے روٹھے ہوئے رب کو مناتے، گزشتہ زندگی کی غفلتوں کی تلافی اور آئندہ کے لیے ایمانی زندگی گزارنے کا لائحہ عمل طے کرتے ہیں۔ وہ ان بابرکت ساعات کو کمائی کی ذریعہ سمجھتے ہیں، گویا ان کو اللہ تعالی کی طرف سے

دستخط شدہ تیس بلینک چیک ملے ہیں کہ جتنا چاہو ان میں ثواب لکھوالو۔ اہل ایمان دنیاوی کاموں کی طرح اس ماہ مقدس کی پلاننگ بھی پہلے ہی شروع کر دیتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اس ماہ کے لیے جنت کی تزئین کا سلسلہ ایک رمضان کے اختتام کے بعد سے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک ماہ قبل سے اپنے جاں نثار وحب دار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس مہینے کی عظمتوں سے باخبر فرما کر اس کی تیاری کے لیے ترغیب دیا کرتے تھے۔

اس برکت وعظمت والے مہینے کو کیسے زیادہ سے زیادہ قیمتی، موثر اور مفید بنایا جاسکتا ہے؟ اس ماہ فرقان کی پر کیف ساعتوں کو کس طور پر قرآنی انوارات وبرکات سے فیض یاب کیا جاسکتا ہے؟ کیسے ہماری زندگی کے بقیہ گیارہ ماہ ایمانی سانچے میں ڈھل سکتے ہیں؟ ان سوالات کے جوابات پانے کے لیے ضروری اور لازمی ہے کہ ہم رمضان کریم کو ان قواعد اور اصول کے مطابق گزاریں، جن کا ذکر ہمیں جا بجا کتاب وسنت میں ملتا ہے۔ غور کیا جائے تو یہ بات نکھر کر سامنے آتی ہے کہ روزے کا مقصد فقط یہ نہیں کہ انسان ایک خاص وقت میں اپنے کھانے پینے اور بشری تقاضوں سے کنارہ کش ہو جائے بلکہ اصل مقصود ومنتہی یہ ہے کہ انسانی قلب کا تزکیہ ہو، آدمی کا باطن معصیتوں کی آلودگی سے پاک صاف اور اس کے دل میں ایمان وتقوی کا نور داخل ہو۔

چناں چہ تقوی، خشیت الٰہی اور پرہیزگاری کے حصول میں جہاں اور بہت سے امور معاون

بنتے ہیں، وہاں صبر کی اہمیت وحیثیت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔ایک حدیث مبارکہ میں سرکاردوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کو صبر کا مہینا اور صبر کا بدلہ جنت بتلایا ہے۔

اسی طرح دوسری حدیث مبارکہ میں آپ علیہ الصلو والسلام نے یوں ارشادفرمایا: روزہ ڈھال ہے (گناہوں اور جہنم سے بچاوکے لیے) پس روزہ دار کواس دوران نہ تو فحش کلامی کرنی چاہیے اور نہ ہی جہالت ونادانی پر مشتمل گفتگو۔اگر کوئی دوسرافرد اس سے جھگڑے یا دشنام طرازی کرے تو اس کو دو مرتبہ یہ کہہ دینا چاہیے کہ میں روزہ دار ہوں۔

قرآن حکیم ہمیں مختلف انداز اور پیرایوں میں اللہ رب العزت کے ہاں صابرین کا مقام ومرتبہ اوران کو ملنے والے اجر وثواب کے بارے میں آگاہ کرتا ہے۔صبر کیا ہے؟اس کا عملی زندگی میں کہاں کہاں اور کس کس موقع پر اطلاق ہوتا ہے؟بندہ مومن کے لیے اس ایمانی صفت سے متصف ہونا کیوں ناگزیر ہے؟

حضرات علمائے کرام صبر کی تین قسمیں بتلاتے ہیں۔اول یہ کہ انسان نیکی اور بھلائی کے کاموں پر مستقیم رہے۔جس نوعیت کا بھی کارخیر شروع کررکھا ہے،اس کو پوری مستقل مزاجی ، محنت اور لگن سے سرانجام دیتا رہے۔

دوسری قسم صبر کی یہ ہے کہ گناہوں، معصیتوں اور باری تعالی کی سرکشیوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کی جدوجہد کرے۔یہ کوشش وکاوش بھی صبر کے مفہوم میں داخل وشامل ہے۔

صبر کا تیسرا اورآخری درجہ یہ ہے کہ بندہ اپنے اوپر آنے والے ناگہانی مصائب، بلیات اورحادثات پر برداشت، ضبط نفس اور حوصلہ کا مظاہرہ کرے۔ کسی بھی بیماری دکھ، صدمے اور مشقت پر بے صبری کا اظہار نہ ہو۔بلکہ ایسے جاں گسل لمحات، اورسانحات میں دل اورزبان پر قابو رکھے۔ کوئی بھی ایسا کلمہ جو تقدیر کے شکوے پر مبنی ہو،اس سے قلب ولسان کی حفاظت کرے۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی فرماتے ہیں کہ صبر کا تعلق ہاتھ پیر سے نہیں بلکہ قلب سے ہے اور قلب کا وظیفہ یہ ہے کہ صبر کرے اور صبر کے معنی یہ ہیں کہ بندہ رضا کا اظہار کردے کہ جو کچھ من جانب اللہ ہوا وہ ٹھیک ہوا، باقی یہ حکم بھی ہے کہ جدوجہد کرواور کوشش بھی کرو، ہاتھ پیر سے سعی بھی کرو، یہ صبر کے منافی نہیں سعی کا حاصل یہ ہے کہ اس چیز کو پانے کے لئے جدوجہد کرو جو گم ہے، لیکن جو کچھ نتیجہ نکلے اس پر راضی رہے،اللہ تعالی کے فیصلے پر راضی رہنا بھی صبر ہے، اس میں چون وچرا بالکل نہ کریں۔

شیخ الاسلام جسٹس (ر) مولانا مفتی محمد تقی عثمانی آسان ترجمہ قرآن میں رقم طراز ہیں: صبر کا مطلب یہ نہیں کہ انسان کسی تکلیف یا صدمے پر روئے نہیں۔ صدمے کی کسی بات پر رنج کرنا انسان کی فطرت میں داخل ہے۔اس لیے شریعت نے اس پر کوئی پابندی نہیں لگائی۔ جو رونا بے اختیار آجائے وہ بھی بے صبری میں داخل نہیں۔البتہ صبر کا مطلب یہ ہے کہ صدمے کے باوجود اللہ تعالی سے کوئی شکوہ نہ ہو۔بلکہ اللہ تعالی کے فیصلے پر انسان عقلی طور پر راضی رہے۔

حقیقت یہ ہے کہ رمضان کا مہینا ہمیں صبر کے حصول کی عملی مشق کا بھرپور موقع فراہم کرتا ہے۔اس ماہ مبارک میں ہر فرد بشر زیادہ سے زیادہ افعال خیر کرنے کی جستجو میں لگا ہوتا ہے۔ عبادات وتلاوت، ذکر وتسبیحات، کثرت نوافل سمیت صدقات وخیرات کا ذوق وشوق پورے جوبن پر ہوتا ہے۔ساتھ ساتھ ہر روزے دار اپنے نفس کو ظاہری وباطنی نافرمانیوں سے آلودہ کرنے سے بچانے کی سعی والتزام کرتا ہے۔دن بھر کی بھوک پیاس، لوگوں کے نامناسب رویوں اور ناشائستہ طرز کلام کو برداشت کرکے ہمارے اندر ایثار، ہم دردی، غم خواری اور دوسرے کی فکر جیسے روحانی اوصاف نشوونما پاتے ہیں۔

آج جب ہم اپنے گردوپیش پر سرسری نظر ڈالتے ہیں تو ہر متنفس نفسا نفسی، آپادھاپی اور اپنا اپنی کا اسیر وقیدی دکھائی دیتا ہے۔ جگہ جگہ جلد

بازی، عجلت اور تیزی کے مظاہر دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ہمارے اجتماعی وانفرادی مزاجوں میں
دوسروں کو برداشت کرنے کا حوصلہ، غیروں کی فکر کرنا اور صبر وقربانی جیسے اعلی اسلامی
اخلاق کی نایابی نظر آتی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ موجودہ بابرکت اور ایمان
افروز ساعتوں کو اس نیت اور عزم کے ساتھ گزارا جائے، کہ ہمارے اندر
بردباری، قناعت، نرم دلی، ضبط اور تحمل جیسی بلند اور ایمانی عادات جگہ پا سکیں۔ کیوں کہ
ایمان کے دو حصے بتلائے گئے ہیں، آدھا شکر اور آدھا صبر۔ اللہ تعالی ہمیں
صبر کا خوگر بنائیں اور اپنے صابرین وشاکرین بندوں میں ہمارا شمار فرمائیں۔ آمین!

روزے کا مقصد قرآن مجید نے سور بقرہ میں یہ بیان کیا ہے کہ لوگ خدا سے ڈرنے
والے بن جائیں۔ اس کے لیے اصل میں لعلکم تتقون کے الفاظ آئے ہیں۔ یعنی تمھارے
اندر تقوی پیدا ہو جائے۔ قرآن کی اصطلاح میں تقوی کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے
شب وروز کو اللہ تعالی کے مقرر کردہ حدود کے اندر رکھ کر زندگی بسر کرے اور اپنے دل
کی گہرائیوں میں اس بات سے ڈرتا رہے کہ اس نے اگر کبھی ان حدود کو توڑا تو اس کی
پاداش سے اللہ کے سوا کوئی اس کو بچانے والا نہیں ہو سکتا۔

روزے سے یہ تقوی کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ اس کو سمجھنے کے لیے تین باتیں پیش

: نظر رہنی چاہییں

پہلی یہ کہ روزہ اس احساس کو آدمی کے ذہن میں پوری قوت کے ساتھ بیدار کردیتا ہے کہ وہ اللہ کا بندہ ہے۔ نفس کے چند بنیادی مطالبات پر حرمت کا قفل لگتے ہی یہ احساس بندگی پیدا ہونا شروع ہوتا اور پھر بتدریج بڑھتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ روزہ کھولنے کے وقت تک یہ اس کے پورے وجود کا احاطہ کرلیتا ہے۔ فجر سے مغرب تک کھانے کا ایک نوالہ اور پانی کا ایک قطرہ بھی روزے دار کے حلق سے نہیں گزرتا اور وہ ان چیزوں کے لیے نفس کے ہر مطالبے کو محض اپنے پروردگار کے حکم کی تعمیل میں پورا کرنے سے انکار کردیتا ہے۔ روزے کا یہ عمل جب بار بار دہرایا جاتا ہے تو یہ حقیقت روزے دار کے نہاں خان وجود میں اتر جاتی، بلکہ اس کی جبلت میں پیوست ہوجاتی ہے کہ وہ ایک پروردگار کا بندہ ہے اور اس کے لیے زیبا یہی ہے کہ زندگی کے باقی معاملات میں بھی تسلیم واعتراف کے ساتھ وہ اپنے مالک کی فرماں روائی کے سامنے سپر ڈال دے اور خیال وعمل، دونوں میں اپنی آزادی اور خود مختاری کے ادعا سے دست بردار ہوجائے۔ اس سے، ظاہر ہے کہ خداپر آدمی کا ایمان ہر لحاظ سے زندہ ایمان بن جاتا ہے، جس کے بعد وہ محض ایک خدا کو نہیں، بلکہ ایک ایسی سمیع وبصیر، علیم وحکیم اور قائم بالقسط ہستی کو مانتا ہے جو اس کے تمام کھلے اور چھپے سے واقف ہے اور جس کی اطاعت سے وہ کسی حال میں انحراف نہیں کرسکتا۔ تقوی پیدا کرنے کے لیے سب سے مقدم چیز یہی ہے۔

دوسری یہ کہ روزہ اس احساس کو بھی دل کے اعماق اور روح کی گہرائیوں میں اتار دیتا ہے کہ آدمی کو ایک دن اپنے پروردگار کے حضور میں جواب دہی کے لیے پیش ہونا ہے۔ ماننے کو تو یہ بات ہر مسلمان مانتا ہے، لیکن روزے میں جب پیاس تنگ کرتی، بھوک ستاتی اور جنسی جذبات پوری قوت کے ساتھ اپنی تسکین کا تقاضا کرتے ہیں تو ہر شخص جانتا ہے کہ تنہا یہی احساس جواب دہی ہے جو آدمی کو بطن وفرج کے ان مطالبات کو پورا کرنے سے روک دیتا ہے۔ رمضان کا پورا مہینا ہر روز گھنٹوں وہ نفس کے ان بنیادی تقاضوں پر محض اس لیے پہرا لگائے رکھتا ہے کہ اسے ایک دن اپنے مالک کو منہ دکھانا ہے۔ یہاں تک کہ سخت گرمی کی حالت میں حلق پیاس سے چٹختا ہے، برفاب سامنے ہوتا ہے، وہ چاہے تو آسانی سے پی سکتا ہے، مگر نہیں پیتا؛ بھوک کے مارے جان نکل رہی ہوتی ہے، کھانا موجود ہوتا ہے، مگر نہیں کھاتا؛ میاں بیوی جوان ہیں، تنہائی میسر ہے، چاہیں تو اپنی خواہش پوری کر سکتے ہیں، مگر نہیں کرتے۔ یہ ریاضت کوئی معمولی ریاضت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور میں جواب دہی کا احساس اس سے دل و دماغ میں پوری طرح راسخ ہو جاتا ہے۔ تقویٰ پیدا کرنے کے لیے، اگر غور کیجیے تو دوسری موثر ترین چیز یہی ہے۔

تیسری یہ کہ تقویٰ کے لیے صبر ضروری ہے، اور روزہ انسان کو صبر کی تربیت دیتا

ہے۔ بلکہ صبر کی تربیت کے لیے اس سے زیادہ آسان اور اس سے زیادہ موثر کوئی دوسرا طریقہ شاید نہیں ہو سکتا۔ دنیا میں ہم جس امتحان سے دوچار ہیں، اس کی حقیقت اس کے سوا کیا ہے کہ ایک طرف ہمارے حیوانی وجود کی منہ زور خواہشیں ہیں اور دوسری طرف اللہ تعالی کا یہ مطالبہ ہے کہ ہم اس کے حدود میں رہ کر زندگی بسر کریں؟ یہ چیز قدم قدم پر صبر کا تقاضا کرتی ہے۔ سچائی، دیانت، تحمل، بردباری، عہد کی پابندی، عدل و انصاف، عفوودرگزر، منکرات سے گریز، فواحش سے اجتناب اور حق پر استقامت کے اوصاف نہ ہوں تو تقوی کے کوئی معنی نہیں ہیں، اور صبر کے بغیر یہ اوصاف، ظاہر ہے کہ آدمی میں کسی طرح پیدا نہیں ہو سکتے۔

خلاصہ کلام یہ کہ روزہ ہمیں صبر سکھاتا ہے اور صبر کا مرکزی مفہوم اور نکتہ رک جانا ہے اور روزہ بھی رک جانے کو کہتے ہیں۔ کھانے پینے سے رک جانا، بیوی کی قربت سے رک جانا، جسم کے تمام اعضاء وجوارح کے غلط استعمال سے رک جانا، نفس کے خلاف پیش آنے والے کسی بھی معاملے میں رد عمل کا اظہار کرنے سے رک جانا، اسی تناظر میں اللہ کے حبیب پاک حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ سرور قلب وسینہ سرور کائنات شاہ مکہ ومدینہ خاتم النبیین سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ والتسلیم کے اس فرمان عالی شان کو سمجھا جاسکتا ہے، کہ یہ صبر کا مہینا ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس ماہ مقدس میں صبر کرنے اور اس کے بدلے میں جنت الفردوس کی دائمی وابدی نعمتوں کا مستحق بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

''ایں خانہ ہمہ آفتاب است'' کا مصداق یقیناً اسلاف و اخلاف میں سے بہت سے گھرانے ہو سکتے ہیں، مگر امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خاں صفدرؒ اور مفسر قرآن حضرت مولانا عبدالحمید خاں سواتیؒ کے اخلاف کو اس کا مصداق قرار نہ دینا بدنیتی یا پھر حقایق سے چشم پوشی کے مترادف ہوگا، یہ الگ بات ہے کہ اب ان میں فخلف من بعدہم خلف الخ کا مصداق چند لوگ بھی سامنے آ رہے ہیں، عمار خان ناصر صاحب اگر ''غامدی بچہ'' کا کردار ادا کر رہے ہیں تو ان کے پدر بزرگ وار کا طرز عمل بھی ''خاموشی نیم رضامندی'' کی بھیانک مثال بنتا جا رہا ہے، اس کے ساتھ مقام صد تشکر و امتنان ہے کہ اسی خانوادے کی نئی پود میں اللہ تعالیٰ نے ایسے رجال کار پیدا فرما دیے ہیں، جو حساب مانگ بھی رہے ہیں اور حساب چکا بھی رہے ہیں، جن قارئین کی نظروں سے ماہ نامہ ''صفدر'' کے خاص شمارے گزرے ہیں وہ یقیناً ہماری تایید فرمائیں گے۔ برادرم احسن خدامی اور حمزہ احسانی لایق صد مبارک باد ہیں کہ وہ تجدد پسندوں کے امام جاوید احمد غامدی اور اس کے اندھے معتقدین کے نہ صرف تار و پود بکھیر رہے ہیں، بل کہ انتہائی دردمندی سے انھیں جادہ مستقیم کی طرف آنے کی دعوت بھی دے رہے ہیں۔

زیر نظر ضخیم کتاب ''غامدی نمبر''اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔اہل حق کی یہ خوبی ہے کہ وہ ہر فتنے کا تعاقب کرتے ہیں،اس سے قطع نظر کہ اس کی ڈوریں مشرق سے ہلائی جارہی ہیں یا مغرب سے،کہ یہ اہل حق کی شان ہے کہ وہ تحریف الغالین اور انتحال المبطلین کے غبار کو دین حقہ کے چہرہ صافی سے دور کرنے کا فریضہ تا قیام قیامت انجام دیتے رہیں گے۔ممدوحان مکرم نے اس کتاب میں،جو اس سلسلے کی پہلی کڑی ہے،امام الضالین ورئیس المتجددین جاوید احمد غامدی کے حوالے سے تمام مطلوبہ مواد اکابر اہل حق کی تحریروں کی روشنی میں یکجا کر دیا ہے۔مواد کس قدر جان دار ہوگا،اس کا اندازہ چند لکھنے والوں کے ناموں سے ہی لگالیجیے: مولانا نور احمد تونسویؒ،مفتی ابولبابہ شاہ منصور،ڈاکٹر خالد جامعی،مولانا فضل محمد،مولانا عبداللہ معتصم،مولانا عبدالقدوس خاں قارن،ڈاکٹر مفتی عبدالواحد،مفتی محمد انور اوکاڑوی دامت برکاتہم العالیہ۔ان میں سے ہر شخصیت ''آفتاب آمد دلیل آفتاب''کا مصداق ہے۔

یہ کتاب سات ابواب پر مشتمل ہے،جن میں سے پہلے باب میں مرتبین کا درد دل ہے،دوسرے باب میں فتنہ غامدی کے حوالے سے اکابر کی تحریرات جمع کی گئی ہیں جو ہمیں اپنے بڑوں کے نقش قدم پر چلنے کی دعوت دیتی ہیں،تیسرے باب میں حمیت دینی کے حوالے سے اکابر کے طرز عمل کو واضح کرنے کے ساتھ ساتھ تجدد پسندوں کی فتنہ سامانیوں کے چند نمونے دیے گئے ہیں،چوتھے باب میں غامدی کا تعارف وپس

منظر، پانچویں باب میں اس کے افکار کا تحقیقی محاسبہ اور چھٹے باب میں اس کے تراشیدہ مذہب کا عمومی جائزہ پیش کیا گیا ہے، جب کہ آخری باب میں فتاویٰ جات کی صورت میں غامدی مذہب وافکار کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکی گئی ہے۔ اس حوالے سے یہ ایک جامع ومکمل دستاویز ہے، تاہم دسری جلد بھی آرہی ہے، دیکھیے اس میں کن گوشوں سے نقاب ہٹایا جاتا ہے۔

بہ حیثیت مجموعی کتاب ظاہری وباطنی اور لفظی ومعنوی خوبیوں کا مجموعہ ہے، تاہم دو باتوں کی طرف توجہ دلانا ضروری سمجھتے ہیں، اول یہ کہ اس کتاب میں غامدی کے سب سے بڑے ناقد محترم رفیق چودھری کہیں نظر نہیں آتے، دوسرے یہ کہ غامدی کو ایک نئے مذہب کا بانی قرار دینا بجا، مگر اس کے نظریات کا لاہوری احمدی قادیانیوں سے موازنہ کرکے غامدی کے اندر قادیانیت کے جراثیم کی نقاب کشائی بھی ضروری ہے، کہ یہ گوشہ تاحال تشنہ تعبیر ہے، امید ہے اگلی جلد میں مرتبین اس جانب بھی توجہ مندول فرمائیں گے، اس کے لیے محقق عالم دین مولانا مفتی محمد سیف الرحمٰن قاسم مدظلہم سے گزارش کی جاسکتی ہے۔

ہم وقت کی ایک اہم ضرورت کے مطابق فتنہ غامدی کے حوالے سے اس قدر خوب صورت اور جامع دستاویز مرتب وشایع کرنے پر مجلے کے سرپرست شیخ الحدیث مولانا حبیب الرحمٰن سومرو، مدیر اعلیٰ مولانا جمیل الرحمٰن عباسی، مدیر مسؤل مولانا احسن خدامی

اور مدیر برادرم حمزہ احسانی سمیت تمام عملے کو ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں۔ چہار رنگے دیدہ زیب سرورق اور مناسب کاغذ کے ساتھ چھ سو صفحات کی اس ضخیم کتاب کا ہدیہ دو سو روپے مناسب ہے۔ کتاب ہر گھر، مدرسے اور کتب خانے و لائبریری کی زینت بننے کے لائق ہے۔

زید حامد اور تحریک تکمیل پاکستان

یہ زید حامد کون ہے جسے سعودی عرب میں سزا ہونے پر پاکستان میں کئی برساتی مینڈک ٹرٹر کر رہے ہیں ؟زید حامد کون ہے
جاننے کے لیے میرے قابل فخر شاگرد مولانا مفتی محمد وقار، ایم فل، جامعہ کراچی کا یہ چشم کشا مقالہ ملاحظہ فرمایئے ! !

زید زمان۔ تعارف و تعلیم اور ابتدائی سرگرمیاں:

زید حامد کے زمانہ طالب علمی کے اور شروع کے دوستوں کا کہنا ہے کہ زید حامد کا اصل نام '' زید زمان '' ہے، اس کا شناختی کارڈ نمبر ''37405-1071347-7'' ہے، اس کا باپ فوج کا ایک ریٹائرڈ کرنل تھا، اس کا نام ''زمان حامد '' تھا، بلاک B-13، پی۔ ا ی۔ سی ۔ ایچ ۔ ایس سوسائٹی کراچی کے علاقے نرسری میں چنیسر ہالٹ اور شاہراہ فیصل کے بیچ میں واقع KFC والی گلی میں پیچھے اس کی رہائش تھی۔ 1980ء میں حبیب پبلک اسکول سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اسکول کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد اس نے کالج میں داخلہ لیا۔ پھر 1983ء میں '' NED '' یونیورسٹی میں داخلہ لیا، NED یونیورسٹی سے اس نے '' بی اے '' کی ڈگری حاصل کی۔ (اس کے علاوہ اس نے پوسٹ گریجویشن، ایم ۔ایس اور پی ایچ ڈی وغیرہ نہیں کی اور نہ ہی کبھی وہ درس وتدریس کے شعبے سے وابستہ رہا ہے، للہذا اسے ڈاکٹر یا پروفیسر وغیرہ

یونیورسٹی میں داخل ہوا تو وہ ایکNED لکھنا یا کہنا غلط ہے، ناقل) جس زمانے میں وہ ماڈرن نوجوان تھا، لیکن بہت جلد ہی اس کا اسلامی جمعیت طلبہ کے ساتھ تعلق ہوگیا اور ان کے سرگرم کارکنان میں اس کا شمار ہونے لگا۔زید حامد جمعیت کے دوسرے کارکنوں کے مقابلے میں نسبتاً لمبی ڈاڑھی، سرپر پکول پہنے، سبز افغان جیکٹ اور کلاشن کوف زیب تن کیے رہتا تھا۔زید حامد شروع سے ہی غیر معمولی ذکی وذہین تھا۔ان دنوں چونکہ جہاد افغانستان کا دور تھا،اس لیے تحریکی ذہن کا یہ نوجوان بھی عملی طور پر جہاد افغانستان کے ساتھ منسلک ہوگیا اور بڑھتے بڑھتے اس کا جہاد افغانستان کے بڑے لوگوں '' جلال الدین حقانی، گلبدین حکمت یار اور احمد شاہ مسعود'' کے ساتھ تعلق ہوگیا اور عملی جہاد اور گوریلا جنگ کے تجربات کا حامل قرار پایا۔اردو اس کی مادری اور انگریزی اس کی تعلیمی زبان تھی، جبکہ پشتو اور فارسی اس نے افغانستان میں رہ کر سیکھی تھی،اس لیے وہ اردو،انگریزی، پشتو اور فارسی زبانیں روانی سے بولنے لگا۔اسی دوران اس کو جلال الدین حقانی، گل بدین حکمت یار اور احمد شاہ مسعود سے نہ صرف تقرب حاصل ہوگیا، بلکہ گل بدین حکمت یار اور برہان الدین ربانی کے پاکستانی دوروں کے موقع پر وہ ان کی ترجمانی کے فرائض بھی انجام دینے لگا۔اسی طرح دوسرے جہادی اور تحریکی راہنماؤں سے بھی اس کے قریبی مراسم ہوگئے۔تعلیم سے فراغت کے بعد وہ ''برنکس'' نامی ایک سیکیورٹی کمپنی کا منیجر بن کر کراچی سے راولپنڈی منتقل ہوگیا۔پھر کچھ عرصہ بعد اس نے برنکس کمپنی چھوڑ کر ''براس ٹیکس'' کے نام

سے اپنی کمپنی بنائی اور اسی کے نام سے ایک ویب سائٹ بھی ترتیب دی (بر اس ٹیکس کی حقیقت ہم آگے صفحات میں بیان کریں گے) ہماری معلومات کے مطابق اس وقت سے (لے کر اب تک زید حامد راولپنڈی ہی میں رہائش پذیر ہے۔ (1

سعد موٹن بھی اسلامی جمعیت طلبہ کے سرگرم کارکن تھے،ان کا کہنا ہے کہ زید زمان سے میرا تعارف یوسف علی کے خاص مقرب رضوان طیب نے کرایا، یہ اس زمانے کی بات ہے جب افغان جہاد کے آخری مراحل چل رہے تھے اور طالبان کابل کو فتح کرکے حکومت بنانے کی پوزیشن میں آگئے تھے۔ کراچی کے کچھ لوگ تیار ہو کر افغان جہاد میں حصہ لینے کی غرض سے جا رہے تھے،جب طالبان حکومت بنی تو کچھ لوگوں نے سوچا کہ کیوں نہ پاکستان میں بھی طالبان طرز کی حکومت قائم کی جائے۔مذہبی سوچ رکھنے والوں کو اپنی طرف راغب کرنے کے لیے انہیں خلافت کا نعرہ دیا گیا، یہی کافی تھا۔ رضوان طیب کے اسلامک سینٹر کے پلیٹ فارم پر زید حامد سے ملاقات ہوئی، پھر یہ دونوں ''مسلم ایڈ'' کے لیے کام کرنے لگے اور میں بھی ان کے ساتھ کام کرنے لگا۔ مسلم ایڈ کا کارڈ آج بھی میرے پاس موجود ہے۔ میں ان کے ساتھ مل کر فنڈ اکٹھا کرتا تھا، ہم نے افغان جہاد کے حوالے سے ایک موی ''قصص الجہاد'' کے نام سے بنائی تھی،زید زمان اس کا ڈائریکٹر تھا، جبکہ اس کی سیل اور فروخت کی ذمہ داری میری تھی۔اس کے بعد زید زمان کی ملاقات یوسف علی (کذاب، مدعی نبوت) سے ہوئی اور وہ اسے کراچی لے آیا۔ رضوان طیب، سہیل احمد اور عبدالواحد کراچی میں ان کے ابتدائی ساتھیوں میں سے تھے۔ان لوگوں نے خلافت کا نام لے کر کراچی سے ایک تحریک

کاآغاز کیااوراسلامی جمعیت طلبہ اور جماعت اسلامی کے لوگوں کوٹارگٹ بنایا،اگر کوئی جہاد سے متاثر تھاتواس کے حوالے سے اوراگر کوئی تصوف یا کسی دوسری فکر سے وابستہ تھاتواس لائن سے اس کوقریب لانے کے لیے اس فکر کے قصیدے پڑھے گئے،یوں کل کامجاہد زید زمان ایک صوفی اور ذکر کی لائن کاآدمی بن کر ابھرااوراسے یوسف علی (کذاب)کااتناقرب حاصل ہواکہ (نعوذ باللہ) یہ اس کاصحابی اور خلیفہ قرارپایا۔(2)

:زید زمان سے زید حامداور پھر سید زید زمان حامد تک

یونیورسٹی سےNED زید حامد کے شناختی کارڈ میں اس کانام'' زیدزمان'' ہے۔

افغانستان تک اور پھر یوسف کذاب کے بیت الرضاء سے سیشن کورٹ تک یہ زید زمان یونیورسٹی میں زیدزمان نے افغان کمانڈروں NEDکے نام سے پکاراجاتا تھا۔

کومدعوکرکے ان کے بیانات کروائے اوران تقریروں کاترجمان زیدزمان خود تھا۔یونیورسٹی کے وہ ساتھی جنہوں نے اسلحہ کے زورپرزیدزمان کایہ پروگرام کروایا تھا،آج بھی زیدزمان کے جھوٹ کاپردہ چاک کرنے کے لیے تیارہیں کہ زیدزمان ہی زید حامد ہے۔یوسف کذاب کے انجام کو پہنچنے کے بعدزیدزمان نے بدنامی اوررسوائی سے بچنے کے لیے اپنانام ''زیدزمان'' سے ''زید حامد'' رکھ لیا۔زید حامد،یوسف کذاب کی موت کے فوراً بعداگر یہ اقدام نہ کرتاتواسے ڈرتھاکہ کہیں کوئی مسلمان اسے بھی عبرت ناک انجام سے دوچارنہ کردے۔قصہ مختصرزیدزمان نے یوسف کذاب سے اپنے تمام تعلق کو نام کی تبدیلی کے ذریعے اس

ہوشیاری سے چھپایا کہ کسی کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہ آسکی کہ یہ وہی شخص ہے جس کو یوسف کذاب اپنا صحابی اور خلیفہ قرار دیا کرتا تھا۔زید زمان نے دوسری کروٹ یہ بھی لی کہ اب وہ اس نئے نام سے مختلف ٹی وی پروگراموں،کالجز اور یونیورسٹیز میں نظر آنے لگا۔مارچ 2010ء میں زید حامد کی طرف سے ایک پریس ریلیز جاری کی گئی جس میں اس نے اپنے نام میں ترمیم کرلی اور نیا نام ''سید زید زمان حامد'' رکھ لیا۔تاحال اس کا یہی نام چل رہا ہے۔

ملحوظہ: حیرت کی بات تو یہ ہے کہ زید حامد اس مشغلے میں بھی اپنے گرو یوسف کذاب کے نقش قدم پر نکلا، کیوں کہ اس کا گرو یوسف کذاب بھی اپنا نام تبدیل کرتا رہتا تھا۔یوسف کذاب نے خود عدالت میں اپنا یہ بیان ریکارڈ کروایا تھا کہ اس کا پیدائشی نام '' محمد'' تھا، لیکن بعد میں اس کے والدین نے اس کا نام اسکول کے داخلہ فارم میں ''یوسف علی'' لکھوادیا اور کالج میں یہی نام رہا، نویں جماعت میں اس کا نام ''یوسف علی ندیم'' لکھا گیا، تعلیمی اسناد میں تبدیلی آنے کی وجہ سے اس نام کو تبدیل کرنا مشکل تھا، لہٰذا یہ نام اس کے سروس کارڈ میں بھی لکھا گیا، جیسے ہی اس نے ملازمت کو خیر باد کہا، اس نے اپنا نام'' محمد یوسف علی ''کردیا، بعد میں اس نام میں'' ابوالحسنین'' کا سابقہ بھی لگادیا۔یوسف کذاب نے انگریزی میں ایک جھوٹا سرٹیفکیٹ بنایا جس کو نبی اکرم سے منسوب کیا کہ آپ نے مجھے اپنی خلافت عظمیٰ دے کر یہ سرٹیفکیٹ جاری فرمایا ہے نعوذ باللہ)، اس جھوٹے سرٹیفکیٹ میں یوسف کذاب نے اپنا نام اے ایچ محمد یوسف (علی رکھا، آخری

باراس کانام سیشن جج میاں محمد جہانگیر علی نے تبدیل کیا، جج صاحب لکھتے ہیں: اس فیصلے (میں ملزم کو محمد اور علی کے بجائے محض ''یوسف کذاب '' کہا جائے گا۔ (3

:زید حامد بحیثیتِ تجزیہ نگار

ہم پیچھے ذکر کر آئے ہیں کہ زید حامد اردو، انگریزی، پشتو اور فارسی زبانیں روانی سے بولتا ہے۔ باتوں میں چاشنی، الفاظ میں روانی، جملوں کا بر محل استعمال، شروع میں انداز قدرے دھیما اور پھر آہستہ آہستہ جوشیلا ہو جانا اس کا خاص فن ہے۔ ایک عام محب وطن شہری اور دین سے لگاؤ رکھنے والا طالب علم اسے سنتا ہے تو اس کی باتوں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ زید حامد اپنے پروگراموں میں صرف ملکی ہی نہیں بلکہ دیگر ممالک کے مسائل پر بھی اپنا تجزیہ پیش کرتا ہے۔ وہ ملک کو درپیش مسائل کا ذکر کرکے انہیں حل کرنے پر زور دیتا ہے۔ زید حامد امریکا، اسرائیل اور بھارت کی زوردار انداز میں مخالفت کرتا اور اپنے سامعین وناظرین کو خطے میں پاکستان کی گراں قدر خدمات اور کردار سے روشناس کراتے ہوئے روشن مستقبل کی نوید بھی دیتا ہے۔ وہ اپنے ہم وطنوں کو اس بات کا احساس دلانے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ کمزور اور بے بس نہیں بلکہ ان میں بہت کچھ کرنے اور کر دکھانے کی صلاحیت موجود ہے۔ وہ نئی نسل کو لہو ولعب اور کھیل کود میں مشغول کرنے کو یہودی سازش قرار دیتا ہے کہ اس طرح دشمن ہمیں مصروف کرکے اپنا کام نکالنا چاہتا ہے۔ خوب صورت انگریزی، خوش لباسی، کچھ کر دکھانے کا عزم، ملک دشمنوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے

کا جوش، ملک کے شمالی علاقوں کے حالات پر گہری نظر، بھارت کے دفاعی تجزیہ کاروں
سے دوبدو لڑائی، انٹرنیٹ کی دنیا میں غیر معمولی سرگرمی، مؤثر نیٹ ورک، غیر معمولی
روابط اور عزائم کے ذریعے نسل نو کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانا اس کی بنیادی
خصوصیات کہی جاسکتی ہیں۔ وہ اپنی تقاریر میں شاعر مشرق علامہ محمد اقبال کے اشعار کچھ اس
انداز سے سناتا ہے کہ مجمعہ مسحور و مبہوت ہو کر رہ جاتا ہے، انھی خوبیوں کی وجہ سے عام
طور پر وہ امریکا اور یہودیت کے خلاف دلائل کے انبار لگانے والے، ہندو لابی کے
زبردست نقاد اور اسلام کا درد رکھنے والے تجزیہ نگار سمجھا جاتا ہے۔ اس کا ہدف
کالجز اور یونیورسٹیز میں زیر تعلیم جواں سال، جواں ہمت اور امنگوں سے بھرپور نوجوان
ہے ،اسی طرح وہ محب وطن شہری بھی اس کا ہدف ہے جو ملک کی موجودہ صورت حال
سے متفکر اور دستورے خانہ کی تبدیلی کے خواہاں ہے۔

اس کا مقصد و مشن '' تحریک تکمیل پاکستان '' ہے،اسی سلسلے میں موصوف نے ملک میں
خلافت راشدہ کا نظام قائم کرنے اور معاشی صورت حال کو بہتر بنانے کے لیے سود جیسی
لعنت کے خاتمے کے لیے اپنی جدوجہد شروع کر رکھی ہے۔اس کا کہنا ہے کہ معاشی بحران
کے خاتمے کے لیے ملک سے جرائم اور دہشت گردی کا خاتمہ ضروری ہے اور اس کی روک
تھام کے لیے حکومت کو اپنے اقدامات مستقل بنیادوں پر جاری رکھنے
چاہییں، اور پاکستان کو قائد اعظم اور علامہ اقبال کے خواب کی تعبیر بنانے میں کسی قسم
کی کسر نہیں چھوڑنی چاہیے۔اس کا نعرہ خلفائے راشدین کا نظام، خلافت کا قیام اور اقبال
کا تصور خودی ہے۔اس نے ملک کی مقتدر قوتوں کی توجہ '' ملی

غیرت''کے نعرے کے ذریعے بھی حاصل کی۔یہ حقیقت ہے کہ زید حامد نے ایک متاثر کن اور سحر انگیز مہم چلائی ہے جس نے ملک کے اہل دل،اہل درد اور کچھ کر دکھانے کے خواہش مند طبقات، جن میں نوجوان اور اسٹوڈنٹس سرفہرست ہیں، کی توجہ سمیٹی ہے، لیکن یہ سوال اب بھی جواب طلب ہے کہ موصوف کی ان کاوشوں کے پس پردہ کیا عزائم ہیں؟ کہیں وہ ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت ملکی وقار کو بگاڑنے کے مشن پر تو عمل پیرا نہیں؟ کہیں ان کی یہ کوششیں مسلمانوں میں مزید تفرقے اور انتشار کا سبب تو نہیں بن رہیں؟ یہ وہ عقدے ہیں جن کی تاحال مکمل گرہ کشائی نہیں کی جا سکی ہے۔

:زید حامد بحیثیتِ مصنّف

یوں تو زید حامد نے انگریزی میں بھی کافی کتابیں لکھی ہیں اور مختلف موضوعات پر اپنے تجزیے بھی رقم کیے ہیں ،تاہم ہمارا موضوع ان کی وہ اردو تصنیفات ہیں جو ان کے مشن کو کافی حد تک نمایاں کرتی ہیں۔ان کتابوں کے سرسری جائزے سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ مصنف خود کو مسلمانوں کی قیادت کے منصب پر فائز سمجھتے ہیں،البتہ گہرائی میں جانے سے تمام اندازے غلط ثابت ہوتے ہیں اور واضح ہو جاتا ہے کہ لوہے،پیتل پر سونے کا پانی چڑھا کر اسے اصلی سونا ثابت کرنے پر سارا زور صرف کیا جا رہا ہے، گویا وہ اس مصرعے کا مصداق نظر آتے ہیں۔

ہیں کواکب ہیں کچھ نظر آتے ہیں کچھ

ہم ان کی کتب پر تبصرہ کرنے کے بجائے صرف ان کے نام ذکر کرنا کافی سمجھتے

ہیں:۔

خلافت راشدہ...(1)

دہشت گردی کے خلاف امریکی عزائم...(2)

موجودہ پاک افغان تعلقات۔ایک تاریخی المیہ...(3)

پاکستان۔ایک عشق، ایک جنون...(4)

نعمت اللہ شاہ ولی۔ پیشین گوئیاں...(5)

اقبال پراسرار...(6)

یہودی اور عیسائی صہیونیت...(7)

معاشی دہشت گردی...(8)

دریائے سندھ سے دریائے آموتک...(9)

(اسلام کا سیاسی تصور (پاکستان یں مذہبی فرقہ وارانہ تشدد...(10)

یوسف کذاب اور اس کے عقائد و نظریات

سب سے پہلے ہم زید حامد کے گرو یوسف کذاب کا تعارف اور اس کے عقائد کے بارے میں مختصر طور پر بیان کریں گے، تاکہ زید حامد کا اس کے گرو یوسف کذاب کے ساتھ تعلق اور یوسف کذاب کا اسے اپنا خلیفہ قرار دینے کی حقیقت واضح ہو جائے۔

:یوسف کذاب کا مختصر تعارف

ابوالحسنین محمد یوسف علی 1949ء کو جڑانوالہ میں پیدا ہوا اور پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ایم اے اسلامیات کیا۔1970ء سے قبل وہ پاک آرمی میں تھا

اور بعد ازاں کیپٹن کے عہدے سے استعفاء دے کر جدہ چلا گیا اور دو سال بعد لاہور شادمان میں رہائش پذیر ہوا اور بعد میں 218، کیو بلاک، ڈیفنس میں رہائش اختیار کرلی۔ یوسف کذاب نے ''ورلڈ اسمبلی فار مسلم یونیورسٹی'' کی بنیاد رکھی جو محض ایک کاغذی تنظیم تھی، وہ خود ہی اس کا صدر اور ڈائریکٹر جنرل تھا اور اس کے گھر میں ہی اس کا دفتر تھا۔ ایک روزنامہ کے ادارتی صفحہ پر کالم '' تعمیر ملت'' لکھتا رہا۔اس نے روپے فی جمعہ کے حساب سے مسجد بیت الرضاء میں خطبہ جمعہ دینا شروع کیا اور 500 جمعہ کے بعد مسجد سے ملحقہ حجرہ میں محفل لگانا شروع کردی، یہیں مختلف لوگوں کو بشارتیں دیتا کہ میرا اس وقت تک انتقال نہیں ہوگا جب تک رسول اللہ سے ملاقات نہ کرلوں اور دعویٰ کرتا کہ وہ رسول اللہ سے کسی بھی شخص کی ملاقات کرواسکتا ہے،

لوگ یہ سن کر خوش ہوجاتے، اس پر ہدیے، نذرانے نچھاور کرتے اور اس کے ایک اشارہ ابرو پر سو جان سے فدا ہونے کے لیے تیار رہتے تھے۔یہ ان لوگوں کو درود شریف پڑھنے پر لگا دیتا اور ملاقات کے لئے مختلف شرائط رکھتا، کسی کو کہتا کہ آپ ساری دولت مجھے دے دو، کسی کے گھر کی رجسٹری مانگ لیتا، جس کی بیوی خوبصورت ہوتی اس سے کہتا کہ اپنی بیوی کو طلاق دو، تاکہ باقی زندگی حضور (یوسف علی) کی ہم رکابی میں گزارے ۔اس کا یہ طریقہ کار تھا کہ زبان سے کہہ دیتا کہ فلاں لڑکی آج سے اس کی بیوی ہے۔ یوں اس نے بغیر نکاح کے کئی عورتوں کی زندگیاں خراب کیں۔جب یوسف کذاب دیکھتا کہ کوئی شخص نبی کریم کے دیدار کے لیے

مضطرب ہے تو اس کو کمرے میں لے جاتا اور پھر اس کو کہتا کہ آنکھیں بند کرلو اور درود شریف پڑھو، پھر کہتا کہ آنکھیں کھولو اور پوچھتا کہ کہ دیدار ہوا؟ سامنے بیٹھا شخص حیرانگی سے ادھر ادھر دیکھنے لگتا، جب وہ دیکھتا کہ کمرے میں یوسف کذاب کے علاوہ اور کوئی شخص موجود نہیں تو پریشان ہوجاتا جس پر یوسف کذاب اس سے کہتا کہ ''انا محمد یعنی: میں ہی محمد ہوں) میرا یہ راز کسی کو مت بتانا، درود شریف پڑھتے رہنا اور) '' مجھ پر بھیجتے رہنا، جلد ہی ہم دنیا میں اپنا آپ ظاہر کریں گے۔یوسف کذاب نے جن افراد کو اس انداز میں اپنا دیدار کرواتے ہوئے خود کو محمد کہا، ان میں کراچی کے ایک ریٹائرڈ ڈاکٹر کموڈور، ایک بریگیڈ ڈاکٹر، ایک سکواڈرن لیڈر، ایک فارمسٹ اور متعدد تعلیم یافتہ اچھے گھرانوں کے کاروباری افراد شامل ہیں۔ ان تمام افراد نے تھانہ ملت پارک لاہور پولیس کے ایس ایچ او ملک خوشی محمد کو اپنے انفرادی بیانوں میں یہ بتایا اور تحریری طور پر لکھ کر دیا کہ وہ تمام افراد یوسف کذاب کا بطور محمد دیدار کرچکے ہیں۔

(4)

:یوسف کذاب کے باطل دعوے اور عقیدے

یوسف کذاب نے ابتدا میں خود کو مرشد اور مرد کامل، حضرت، امامِ وقت، اللہ اور رسول کا نائب اور سفیر بناکر پیش کیا۔سٹیٹ بنام یوسف علی سیشن کورٹ کیس نمبر 60، آف 1998ء میں پیش کردہ یوسف کذاب کی آڈیو، ویڈیو، تحریریں، ڈائری اور کتابوں سے اس کے دعاوی اور عقائد لیے گئے ہیں، اس کے چند غلیظ

: (اور خطرناک عقائد مندرجہ ذیل ہیں (نقل کفر، کفر نہ باشد

☆...یوسف کذاب نے مرد کامل ہونے کا دعویٰ کیا اور کہا کہ مرد کامل درحقیقت محمد
(کی شاندار شکل ہے۔ (5

☆...یوسف کذاب نے کہا کہ وہ امام وقت ہے اور دعویٰ کیا کہ جب اللہ اور محمد کسی
(فرد پر نزول کرتے ہیں، وہ رسول یا امام وقت ہو جاتا ہے۔ (6

☆...یوسف کذاب کا دعویٰ ہے کہ محمد جسمانی طور پر اب تک زندہ ہیں، ان کی پہلی
(شکل آدم اور موجودہ شکل محمد یوسف علی ہے۔ (7

☆...یوسف کذاب کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ طبعی جسم رکھتا ہے اور اس نے دعویٰ کیا کہ
رب اس کے اندر بول رہا ہے اور اس کے چیلوں نے لکھا ہے کہ یوسف علی ہی رب دو
(جہاں ہے۔ (8

☆...یوسف کذاب نے کہا کہ محمد ہر طرح سے اللہ تعالیٰ کی مثل ہیں اور یہ دعویٰ کیا کہ
اللہ، محمد ایک ہی ہیں اور جو اپنے آپ کو اللہ، محمد کے علاوہ سمجھ رہا ہے، وہ مشرک ہے۔
(9)

☆...یوسف کذاب کا دعویٰ ہے کہ قرآن پاک کے تمام ترجمے اور تفسیریں غلط ہیں۔ (
10)

☆...یوسف کذاب نے دعویٰ کیا کہ اس کی قیام گاہ ''غار حرا'' ہے، حج اور عمرہ کے لیے
(وہاں دور جانے کی کیا ضرورت ہے، یہاں کرا دیتے ہیں۔ (11

☆...یوسف کذاب کا دعویٰ ہے کہ یوسف علی (یعنی وہ خود) رسول اور اس کے

(مصاحب (ساتھی) صحابہ ہیں۔ (12

محترم قارئین ! یہ تھا یوسف کذاب کا تعارف اور اس کے عقائد کا مختصر تذکرہ، اب ہم آئندہ سطور میں یہ ثابت کریں گے کہ زید حامد کا تعلق اپنے گرو یوسف کذاب کے ساتھ صحابیت کا رہا ہے ، اس پر ہم علمائے کرام کے بیانات اور کچھ اخباری رپوٹس پیش کرتے ہیں۔

زید حامد۔ یوسف کذاب کا ساتھی و صحابی، حقیقت یا فسانہ ؟

: تصویر کا پہلا رخ

ایک یونیورسٹی کے طالب علم نے زید حامد سے اس کے یوسف کذاب کے ساتھ تعلق کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا کہ میری یوسف علی سے 1992ء میں ملاقاتیں ہوئیں تھیں، پھر میں کراچی چھوڑ کر راولپنڈی چلا آیا اور اس کے بعد میرا اس سے رابطہ نہیں ہوا۔ ''wake up pakistan'' کے عنوان سے یونیورسٹیوں کے طلباء و طالبات میں رائے عامہ بیدار کرنے کی مہم کے دوران یوسف کذاب سے ''نبی و صحابی'' والا تعلق اور رابطہ چھپانے کے لیے نہ جانے زید حامد کتنے جھوٹ بول چکا ہے اور کتنے جھوٹ مزید بولنے پڑیں گے ؟زید حامد نے مارچ 2010ء کو لاہور میں ایک پریس کانفرنس میں اپنا تعارف کرواتے ہوئے بھی یوسف کذاب کے ساتھ لمبی رفاقت کا سفر گول کر دیا۔ لاہور میں ایک پریس کانفرنس میں زید حامد نے حلفاً کہا کہ میں محمد پر ایمانِ نبوت رکھتا ہوں ۔آپ کے بعد کسی مدعی نبوت ، کذاب ، نجس ، ملعون، مردود، کافر اور ملحد کے ساتھ میرا

دینی و مذہبی اعتبار سے کوئی تعلق نہ تھا اور نہ کبھی رہے گا، ایسے شخص کو عقیدہ ختم نبوت کے فلسفہ کی بنیاد پر کافر اور ملحد سمجھتا ہوں (اس کی یہی پریس ریلیز انٹرنیٹ پر جاری کی (گئی اور علمائے کرام سے تائید لینے کے لیے ہر جگہ جا کر یہی حلف دیتا رہا۔

ان دو میں سے پہلی بات سے صرف ملاقات کی حد تک زید حامد کا یوسف کذاب سے تعلق و تعارف ثابت ہوتا ہے، جبکہ دوسری بات سے اس کے عقیدہ ختم نبوت پر اعتقاد اور یوسف کذاب سمیت کسی بھی مدعی نبوت، کذاب، نجس، ملعون، مردود، کافر اور ملحد کے ساتھ دینی و مذہبی تعلق کی بڑی شدت سے نفی ہو جاتی ہے۔ کیا زید حامد کی ان باتوں پر اندھا اعتماد کیا جا سکتا ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں، کیوں کہ غیر جانب داری سے حقائق کا مشاہدہ کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ زید حامد اپنی اس نوع کی باتوں اور وضاحتوں سے لوگوں کو دھوکا دینا اور جھوٹ بولنا چاہتا ہے۔

:تصویر کا دوسرا رخ

یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ زید حامد کا یوسف کذاب کے ساتھ تعلق رہا ہے اور وہ اس کے عقائد و نظریات سے متأثر بھی تھا۔ 1992ء کے بعد سے لے کر یوسف کذاب کو قادیانیوں کے قبرستان میں دفن کیے جانے تک باقی مریدوں کی نسبت زید حامد کا ساتھ مدعی نبوت یوسف کذاب سے سب سے زیادہ رہا تھا۔ زید حامد اب بھی یوسف کذاب کا خفیہ طور پر بھرپور دفاع کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے

نہیں دیتا۔ یوسف کذاب کا دفاع کرتے ہوئے علمائے کرام کے خلاف نازیبا کلمات کہتا اور جھوٹ پر جھوٹ بول کر یوسف کذاب کو سچا ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتا ہے۔
ہم آئندہ سطور میں یہ بات ثابت کردیں گے کہ مدعی نبوت کذاب، نجس، ملعون، کافر اور ملحد یوسف کذاب کے ساتھ زید حامد کا دینی و مذہبی تعلق رہا تھا اور بالخصوص 1997ء سے 2000ء تک کا عرصہ جو زید حامد نے یوسف کذاب کی خدمت میں بھرپور طریقے سے گذارا تھا۔

☆...زید حامد، ملعون مدعی نبوت یوسف کذّاب کے گمراہ کن عقائد پر مبنی پمفلٹ چھپوا کر انہیں تقسیم کرنے کا انتظام خود کیا کرتا تھا۔

☆...یوسف کذاب کے اور ورلڈ اسمبلی آف مسلم یونٹی کے اجلاس کیلئے چھوٹی بڑی تقاریب کا اہتمام زید حامد کی ذمہ داری تھی۔

☆...یوسف کذاب کے عقیدت مند جو نقد رقم اور دیگر اشیاء نذرانے کے طور پر دیا کرتے تھے، ان کا حساب کتاب بھی زید حامد کے پاس ہوتا تھا۔

☆...28 فروری 1997ء کو نام نہاد ورلڈ اسمبلی آف مسلم یونٹی کے اجلاس منعقدہ بیت الرضائ'' چوک یتیم خانہ ملتان روڈ لاہور میں جب یوسف کذاب نے اپنا تعارف'' بطور نبی کروایا تو زید حامد بھی شریک تھا۔ یوسف کذاب نے کہا تھا :

کائنات کے سب سے خوش قسمت ترین انسانو! اللہ سے محبت کرنے والے خوش '' نصیب صاحبان ایمان! حضور سے وابستہ ہونے والو! ان پر وارفتہ ہونے والو! آپ کو مبارک ہو کہ آج آپ کی اس محفل میں القرآن موجود ہے، پارے بھی موجود ہیں

آیات بھی موجود ہیں، آپ میں سے ہر ایک اپنی اپنی جگہ پر ایک آیت ہے، کچھ، خوش نصیب اپنی اپنی جگہ پر پارہ ہیں جن کو اپنے پارے ہونے کا احساس ہے ان کو قرآن کی پہچان ہے۔ آج نور کو نین نچھاور کرنی ہے اور نور کے اس سفر میں جو لوگ انتہائی معراج پر پہنچ گئے ہیں، ان کا بھی آپ سے تعارف کروانا ہے۔ آج کم از کم یہاں اس محفل میں 100 صحابہ ہیں، 100 اولیاء موجود ہیں، ہر عمر کے لوگ بھی موجود ہیں ایک ایک کا تعارف کروانے کو جی چاہتا ہے، لیکن ہم آج صرف دو کا تعارف کروائیں، گے۔ بھئی! صحابی وہی ہوتا ہے ناں، جس نے صحبت رسول ﷺ میں ایمان کے ساتھ وقت گزارا ہو اور ان پر قائم ہو گیا ہو اور رسول اللہ ہیں ناں! اگر ہیں تو ان کے صاحب بھی ہیں، ان کے صاحب جو مصاحب ہیں وہی تو صحابی ہیں، انہی صحابہ کے ذریعے کائنات میں رزق تقسیم ہو رہاہے، انہی کے ذریعے کائنات میں رنگ لگا ہوا ہے اور انہی کے صدقے شادی بیاہ ہو رہے ہیں، پانی مل رہا ہے، ہوا چل رہی ہے اور چاند کی چاندنی اور سورج کی روشنی ہے، یہ نہ ہوں تو اللہ بھی ان کی قسم اٹھاتا ہے کہ کچھ بھی نہ ہو، حتیٰ کہ یہ جو سانس آ رہا ہے، یہ بھی انہی کے صدقے ہے۔ آج اس محفل میں 100 صحابہ موجود ہیں اور ہر ایک اپنی اپنی جگہ نمونہ ہے اور ہر ایک کا تعارف کروانے کو جی چاہتا ہے، لیکن آج ہم دو کا تعارف کروائیں گے۔ ایک وہ خوش نصیب ہستی ہے، کائنات میں واحد ہستی ہے، نام بھی ان کا عبد الواحد ہے۔ محمد عبدالواحد ایک ایسے صحابی اور ایک ایسے ولی اللہ ہیں کہ پوری

کائنات میں جن کا خاندان سب سے زیادہ تقریباً سارے کا سارا وابستہ ہے، رسول سے وارفتہ ہے، رسولِ محمد سے وابستہ ہو کر محمد مصطفیٰ تک پہنچا ہے اور محمد مصطفیٰ کے ذریعے ذات حق سبحانہ تعالیٰ تک پہنچا ہے۔ اب میں دوسرا تعارف اس نوجوان ولی کا کرواؤں گا صحابی کا کرواؤں گا جس کے سفر کا آغاز ہی صدیقیت سے ہوا ہے اور جس دن ہمیں، نیابت مصطفیٰ عطا ہوئی تھی اگلی صبح ہم کراچی چلے آئے تھے اور سب سے پہلے وابستہ ''ہونے والے اور وارفتہ ہونے والے'' سید زید زمان حامد ''ہی تھے۔

جب اس اجلاس میں زید حامد کا تعارف مقام صدیقیت سے آغاز کرنے والے صحابی کی حیثیت سے ہوا تو اس نے کھڑے ہو کر شکریہ کے چند جملے کہے جن کے الفاظ یہ ہیں: ''کتابوں میں پڑھا تھا، چالیس چالیس پچاس پچاس سال چلّے کیے جاتے تھے، ریاضت اور مجاہدہ کیا جاتا تھا، میرے آقا سیدنا علیہ الصلاۃ والسلام کی انتہاء سے شدید انتہائی محبت کے بعد ایک طویل سفر ریاضت اور مجاہدے کا گزارا جاتا تھا تو زیارت ہوتی تھی، کہاں یہ ماحول، کس کے پاس وقت ہے کہ چلّے کرے، کس کے پاس وقت ہے کہ صدیوں کی عبادتیں کرے اور پھر دیدار نصیب ہو، تڑپ تو تھی کہ دیدار نصیب ہو، مگر اس روز سمجھ میں آیا کہ زہد ہزاروں سال کا ایک طرف اور پیار کی نگاہ ایک طرف۔

نگاہِ مردِ مؤمن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

اپنے کسی پیارے کو دیکھیں جو پیار کی نگاہ دے تو صدیوں کا سفر لمحوں میں

! ...طے ہو جاتا ہے۔ نعرہ تکبیر

زید حامد لاکھ جھوٹ بولے کہ ایسا کچھ نہیں ہوا۔ اس کی آڈیو ریکارڈنگ عدالت میں پیش کی جا چکی ہے، عدالت میں ثابت ہو چکا ہے کہ یہ تقریر یوسف کذاب اور زید حامد کی ہے، اس محفل میں موجود لوگوں نے اس تمام واقعے کی عدالت میں شہادت بھی دی ہے جو عدالتی ریکارڈ کا حصہ ہے اور زید حامد کے جھوٹے پروپیگنڈہ کا منہ توڑ جواب بھی، البتہ ''میں نہ مانوں'' کا تو کوئی علاج نہیں ہے۔

☆...یوسف کذاب کے خلاف تھانہ ملت پارک میں درخواست دی گئی تو یوسف کذاب اور اس کے اہل خانہ کی حفاظت کی ذمہ داری زید حامد کے ذمے لگائی گئی جو زید حامد نے ''برنکس کمپنی'' کے ذریعے پوری کی۔

☆...یوسف کذاب کیس کی پیروی زید زمان اور سہیل احمد نے بھرپور طریقے سے کی۔

☆...یوسف کذاب کے کیس کے سلسلے میں زید حامد علمائے کرام سے ملتا رہا اور اس کی تصویر کا ایک رخ دکھلا کر اور جھوٹ بول کر دھوکہ دینے کی کوشش کرتا رہا ہے۔

☆...زید حامد، مولانا عبد الستار خان نیازی کے پاس آیا اور دھوکے اور جھوٹ کا سہارا لیکر یوسف کذاب کے بارے میں بیان لے گیا اور اخبار میں چھپوا دیا۔ جب مولانا عبد الستار خان نیازی کو یوسف کذاب کی تحریروں، تقریروں اور ڈائری کے بارے میں بتایا گیا تو انھوں نے تردیدی بیان جاری کیا، جس کے الفاظ یہ ہیں

یوسف کذاب کے بارے میں مجھے تصویر کا ایک رخ دکھایا گیا، زید زمان نامی لڑکا چند '' افراد کے ساتھ آیا، '' مرد کامل کا وصیت نامہ '' سے چند اقتباسات پڑھ کر سنائے، ان میں سے کوئی قابل اعتراض بات نہیں تھی۔ صحیح صورتحال کا علم مجھے نہیں تھا، یوسف کذاب کی آڈیو کیسٹ بھی نہیں سنی تھی جس میں اس نے 100 صحابہ والی بات کی ہے۔ (وہ واقعی گستاخ رسول ہے تو کلیئرنس دینے کا سوچ بھی نہیں سکتا ہوں۔ (13

☆... یوسف کذاب کے نمائندہ کی حیثیت سے زید حامد پیغام لیکر روزنامہ '' خبریں کے دفتر گیا اور اصرار کرتا رہا کہ یوسف کذاب کا مسئلہ عدالت کی بجائے علماء بورڈ میں '' (حل کیا جائے، زید حامد کا یہ اقرار انٹرنیٹ پر بھی موجود ہے۔ (14

☆... یوسف کذاب کی اہلیہ نے جب یوسف کذاب جیل میں تھا، بعض کاغذات زید حامد اور سہیل احمد کے ذریعے امریکی قونصلیٹ کو بھجوائے۔

☆... زید حامد نے یوسف کذاب کو اس ملک سے فرار کروانے کے لیے حقوق انسانی کی تنظیموں اور غیر ملکی سفارتخانوں سے بھی رابطے کیے۔

☆... جب یوسف کذاب کے خلاف گستاخی رسالت اور دعوائے نبوت کی بنیاد پر سزائے موت کا عدالتی فیصلہ آیا تو زید حامد نے ردّ عمل کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا: '' یہ عدل (وانصاف کا خون ہے ''۔ (15

☆... زید حامد، یوسف کذاب کی رہائی کے سلسلے میں سب سے زیادہ سرگرم رہا اور

عدالت میں ہر تاریخ پر موجود ہوتا تھا۔

☆...مؤرخہ 22 جون 1999ء کو زید حامد نے سیشن کورٹ لاہور میں ملزم یوسف کے بارے میں ایک درخواست دائر کی کہ یوسف کذاب بیماری کی وجہ سے حاضر نہیں ہو سکتے، نیز زید حامد نے اس درخواست کے ساتھ میڈیکل ہیلتھ سرٹیفکیٹ بھی پیش کیا، درخواست منظور ہوئی اور یوسف کی حاضری معاف کرتے ہوئے 22 جولائی 1999ء تک کے لیے کاروائی ملتوی کردی گئی۔

☆...جب یوسف کذاب کو سزائے موت کا حکم سنایا تو وہاں موجود یوسف کذاب کے ساتھیوں میں سے سب سے زیادہ پریشان زید حامد تھا اور زید حامد مسلمانوں کو دھمکیاں دیتے ہوئے یہ کہہ رہا تھا کہ سب کچھ تباہ ہوجائے گا۔(16)

اسی طرح روز نامہ ''نیا اخبار'' نے اپنی اشاعت میں لکھا ہے کہ یوسف کذاب کو عدالت سے سزا سنائے جانے کے بعد جب جیل لے جایا جانے لگا تو اس موقع پر اس کے خلیفہ زید زمان نے تڑیاں لگانی شروع کردیں، زید زمان زور زور سے کہنے لگا کہ ''تم تباہ ہو جاؤ گے، اپنا انتظام کرلو'' یاد رہے کہ یوسف کذاب نے زید زمان کو (نعوذ باللہ) اپنا صحابی قرار دے رکھا تھا۔(17)

☆...یوسف کذاب کے قتل کیس سے لیکر اس کی لاش کو قبرستان میں دفن کرنے تک تمام امور میں زید حامد پیش پیش تھا۔

☆...زید حامد، یوسف کذاب کے افکار و نظریات سے بغاوت کرنے اور اسے کذاب کہنے پر اپنی اہلیہ مسماۃ نصرت جمیل پر تشدد کرتا رہا اور بالآخر اسے طلاق دے دی۔

مسماۃ نصرت جمیل اس بات کی تصدیق کرنے والوں میں شامل ہیں کہ زید حامد اپنے اندرونی حلقوں میں یوسف کذاب کا پرچار کرتا رہا ہے۔

☆... تنظیم اسلامی نے اپنا موقف مؤرخہ ''17 مارچ 2010ئ'' کو جاری کیا جس میں لکھا تھا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ زید حامد کا یوسف کذاب سے ماضی یں قریبی تعلق تھا۔ (18)

☆... اس کے علاوہ 2008ء کے اگست اور جولائی میں زید حامد کے حوالے سے حقائق بھی سامنے آنے لگے جس میں یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ زید زمان حامد کا یوسف کذاب سے غیر معمولی عقیدت مندانہ خلافت کا تعلق رہا ہے۔یوسف علی پر ہونے والے کیس، اس کے قتل یا اس کے حشر پر اس کو دکھ ہے جس کا ثبوت 13 اگست 2000ء کو ڈان میں چھپنے والے مضمون ''convicted for blasphemy'' سے ملتا ہے۔جب بھری محفل میں اس سے سوال ہوتا ہے تو اس کا ایک جواب تو یہ ہوتا ہے کہ کفر کا الزام تو قائدا عظم اور علامہ اقبال پر بھی لگا تھا، مجھ پر لگ گیا تو کون سی بڑی بات ہے؟ دوسرا یہ بہتان لگانا بہت بری بات اور گناہ کا کام ہے، تیسرا جس کو جواب درکار ہے، اس کے دفتر میں آکر اس سے ملے، کیونکہ وہ اگر اجتماعات میں اس الزام کا جواب دینے لگے تو فرقہ وارانہ فسادات کا خطرہ ہے۔

الحمد للہ! ان باتوں کی بھی قلعی کھل گئی،جب شفاء کالج آف میڈیسن اسلام آباد کے طلباء عبدالمالک، یوسف رضا اور علی اپنے دیگر ساتھیوں کے ساتھ

فروری کے ایک جمعہ کو ملاقات کے لئے زید حامد کے پاس اس توقع کے ساتھ پہنچے کہ وقت کا یہ بڑا اسکالر اور اسلام کا ماہر یوسف کذاب جیسے لوگوں پر سو بار لعنت بھیجے گا، مگر اس وقت یہ نوجوان شدید صدمے کا شکار ہو گئے جب زید حامد ان لوگوں کو بتانے لگے کہ یوسف علی کس قدر بڑا صوفی ،اسکالر اور وقت کا درویش تھا اور کس طرح فسادی ملاؤں نے اسے قتل کروادیا، ایک سوال کے جواب میں اس نے کہا کہ: ہاں! میں نے سچ کہا تھا کہ میں کسی یوسف کذاب کو نہیں جانتا، میں تو محمد یوسف علی کو جانتا ہوں جس کو بہت سے دیگر لوگ جانتے ہوں گے ، دیگر ملنے والوں سے انہوں نے یہ بھی کہا کہ دراصل پلاٹ کا کوئی تنازعہ تھا جس کے انتقام میں یوسف کذاب کو پھنسایا گیا وہ بطورتائید مشہور عالم دین اور جمعیت علمائے پاکستان کے راہنما مولانا عبدالستارخان نیازی کا نام بھی لیتاہے کہ ان کے نزدیک یوسف کذاب معصوم تھا، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ مولانا عبد الستارخان نیازی کہتے تھے کہ ان کے پاس دو نوجوان آئے اور انہوں نے یوسف کو بطور معصوم پیش کیا جس پر میں نے ہمدردی کا اظہار کیا، مگر حقیقت معلوم ہونے کے بعد انہوں نے یوسف کے خلاف مقدمے کی حمایت کی۔(19)

محترم قارئین! مذکورہ بالا شواہد اور یوسف کذاب کے بنفس نفیس اقرار کرنے کے بعد اس بات میں شک کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ زید حامد کا یوسف کذاب کے ساتھ نہ صرف تعلق رہاہے بلکہ اس کے ساتھ والہانہ عقیدت بھی تھی جس کا ثبوت یہ بھی ہے کہ یوسف کذاب بھرے اجتماع یں اسے اپنا خلیفہ بھی قرار دے

چکاہے۔ یہی وجہ ہے کہ زید حامد نے آج تک کھل کر یوسف کذاب سے اپنی براَت کا اعلان نہیں کیااور شاید آئندہ بھی نہ کرسکے۔

کیاعلمائے کرام نے یوسف کذاب کادفاع کیاتھا؟

جب زید حامدیوسف کذاب کے حوالے سے عوام میں اپنی بات نہ منوا سکاتو جھوٹ کا سہارا لیتے ہوئے علمائے کرام کے حوالے دینے شروع کردیے، تاکہ عوام اس کی بات پراندھا اعتماد کرلیں اوراصل حقائق کوجاننے کی کوشش ہی نہ کریں، اس کا کہنا ہے کہ علمائے کرام میں سے مولانا عبدالرحمان اشرفی ، مولانا عبداللہ (دیوبندمکتبہ فکر) مولانا عبدالستارخان نیازی، مفتی غلام سرور قادری (بریلوی مکتبہ فکر) جیسے جید علمائے کرام یوسف کامسلسل دفاع کرتے رہے اور وہ کہتے رہے کہ یوسف پر ظلم ہورہاہے، وہ دعوائے نبوت نہیں کرسکتا۔

محترم قارئین ! زید حامد نے جن علمائے کرام کی طرف اس بات کو منسوب کیا ہے، ہم ان سب کی رائے اورتردیدی بیان بمع ثبوت پیش کرتے ہیں جس سے زید حامد کی جھوٹی ملمع سازی کاپردہ چاک ہوجاتاہے۔

☆... مولانا عبدالرحمان اشرفی اوریوسف کذاب :

جب مولانا عبدالرحمان اشرفی کواس بارے میں علم ہواکہ زید حامد نے ان سے متعلق ایک جھوٹ منسوب کیاہے تو مولانا نے اگلے ہی دن مؤرخہ 15 مارچ 2010ء کوپریس کانفرنس کی جس میں اس جھوٹ کی تردیدکی، تفصیلی رپورٹ ملاحظہ فرمایئے :

لاہور (پ۔ر) جامعہ اشرفیہ کے نائب مہتمم مولانا عبدالرحمان اشرفی نے کہا ہے کہ گزشتہ چند دنوں سے مجھے کئی احباب نے فون کیے اور متعدد افراد نے مجھے آ کر بتلایا کہ ٹی وی اینکر زید حامد جس کا تعلق مدعی نبوت یوسف کذاب سے رہا ہے، وہ اپنے بیانات میں میرے بارے میں یہ تاثر دے رہا ہے کہ وہ اچھا آدمی تھا اور میرا بہترین دوست تھا، اس نے میرے ساتھ حج کیا تھا، نیز اس نے کارکنان ختم نبوت اسلام آباد کی ایک پریس کانفرنس کے جواب میں اپنی تردیدی تقریر اور ویڈیو کیسٹ میں کہا ہے کہ جامعہ اشرفیہ لاہور کے مولانا عبدالرحمان اشرفی بہت بڑے بزرگ اور اعلیٰ پائے کے اسکالر ہیں اور وہ ابھی تک زندہ ہیں، جب تک یوسف مرا نہیں اس وقت تک اس کا دفاع کرتے رہے اور انہوں نے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت والوں کو بلا کر ڈانٹا کہ تم ظلم کر رہے ہو، کیونکہ یوسف علی نے دعویٰ نبوت نہیں کیا وغیرہ وغیرہ۔ جہاں تک میرے بارے میں یوسف علی کے ساتھ دوستی کرنے کا حوالہ دیا جا رہا ہے تو میں (مولانا عبدالرحمان اشرفی) اس بات کی وضاحت کرتا ہوں کہ حقیقت حال یہ ہے کہ یوسف علی میرے پاس ایک مرتبہ ملنے کے لیے آیا تھا اور اس وقت میں اور مولانا اجمل خان حج کو گئے تو منیٰ میں جہاں مولانا اجمل خان کا درس تھا، وہیں یوسف علی بھی درس دے رہا تھا۔ لہٰذا یہ کہنا غلط ہے کہ میں نے یوسف علی کے ساتھ حج کیا تھا اور میری اس کے ساتھ دوستی رہی۔ میرا زید حامد سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی میں نے اس سلسلے میں یوسف علی کے حق میں کوئی اخباری

بیان دیا ہے اور نہ ہی عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے متعلقین کی اس سلسلے میں کوئی سر زنش کی۔ میرا موقف بھی یوسف علی کے بارے میں وہی ہے جو دیگر علمائے کرام اور ارباب فتاویٰ اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت والوں کا ہے اور اس سلسلے میں، میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے ساتھ مکمل تعاون کا یقین دلاتا ہوں، لہٰذا یہ تمام باتیں جو مجھ سے منسوب کی گئی ہیں، سراسر جھوٹ اور خلاف واقعہ ہیں، میں زید حامد پر یہ واضح کردینا چاہتاہوں کہ آئندہ ان باتوں کی نسبت وہ میری طرف نہ کرے۔ (20)

☆... مولانا عبداللہ اور یوسف کذاب :

زید حامد کہتا ہے کہ لال مسجد کے خطیب مولانا عبداللہ جو عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے رکن تھے اور بہت دلیر اور بہادر آدمی تھے، وہ یوسف کذاب کے معاملے میں خاموش بیٹھے رہے، یہ ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ گستاخی رسالت کا کوئی ارتکاب کرے اور مولانا عبداللہ چپ بیٹھ جائیں، مولانا عبداللہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے ممبر تھے اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نے ہی یوسف کذاب کا کیس لڑا ہے۔ مولانااسماعیل شجاع آبادی نے مؤرخہ 9 مئی 2000ء کو عدالت میں گواہی دیتے ہوئے کہا کہ میں اس مقدمے میں اپنی پارٹی کے سربراہوں سے صلاح مشورے کے بعد ان کی ہدایت پر مدعی بنا ہوں مولانا اسماعیل نے 11 مئی کو عدالت میں گواہی دیتے ہوئے کہا کہ یہ مقدمہ میں اپنی، پارٹی کی ہدایت پر اور ایک مسلمان کی حیثیت سے لڑ رہا ہوں، یہ کیس عالمی مجلس تحفظ

ختم نبوت کی طرف سے دائر ہوا ہے۔ زید حامد کے بقول مولانا عبداللہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے ممبر تھے، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی طرف سے کیس دائر ہونا یہ ثابت کرتا ہے کہ مولانا عبداللہ خاموش نہیں رہے، بلکہ یوسف کذاب پر کیس کروانے والوں میں شامل تھے۔(21)

☆... مولانا عبدالستار نیازی اور یوسف کذاب:

زید حامد کہتا ہے کہ مولانا عبدالستار خان نیازی آخری وقت تک یوسف کا دفاع کرتے رہے ہیں، مولانا نے مجھے خود بتایا کہ وہ خود یوسف کو کورٹ میں جاکر بچانا چاہتے ہیں تو جج نے کہا کہ آپ بہت بوڑھے ہوگئے ہیں، آپ آرام کریں، ہمیں پتہ ہے آپ کا فتویٰ میرے پاس پہنچ چکا ہے۔ مگر قارئین! سچ تو یہ ہے کہ مولانا عبدالستار خان نیازی کا یوسف کے حق میں بیان 9 جولائی 1997ء کو جاری ہوا، مگر اگلے روزان کی طرف سے تردید آ گئی، مولانا اس وقت کے کیس سے باخبر نہ تھے، زید حامد نے ان سے دھوکہ دہی اور فراڈ سے تصویر کا ایک رخ دکھا کر بیان جاری کروایا تھااور آج تک اسی بیان کا ڈھنڈورا پیٹ رہا ہے، اگلے ہی روز مولانا عبدالستار خان نیازی کا تردیدی بیان آگیا۔ مولانا نے 10 جولائی 1997ء کو اپنے تردیدی بیان میں فرمایا کہ '' زید زمان نامی لڑکا چند افراد کے ساتھ مرد کامل کا وصیت نامہ سے چند اقتباسات پڑھ کر سنائے، ان میں کوئی قابل اعتراض بات نہیں تھی جس سے میں یوسف علی کو غلط سمجھتا۔ اگر یوسف علی واقعی گستاخ رسول ہے تو میں کیا کوئی بھی اسے کلیرنس

دینے کا سوچ بھی نہیں سکتا، زید زمان نے مجھے تصویر کا ایک رخ دکھایا ہے۔ اس کے علاوہ جج صاحب نے کوئی عدالتی کاروائی کے دوران یہ نہیں کہا کہ عبدالستار خان نیازی صاحب آپ بیمار اور بوڑھے ہیں، گھر بیٹھیں، بلکہ مولانا کا تردیدی اخباری بیان کورٹ میں پیش ہوا اور دوران اشاعت گواہوں سے بھی اس پر گفتگو ہوئی تھی۔ (22)

:☆... مفتی غلام سرور قادری اور یوسف کذاب

زید حامد نے طلباء کے سامنے مفتی غلام سرور قادری کے بارے میں بھی جھوٹ بولا کہ فیڈرل شریعت کورٹ کے ایڈوائزر مفتی غلام سرور قادری یوسف کا دفاع کرتے رہے، لیکن زید حامد کا یہ جھوٹ بھی پکڑا گیا جب مفتی غلام سرور قادری کا تردیدی ویڈیو بیان '' یوٹیوب '' پر آیا جس میں مفتی غلام سرور قادری نے کہا: '' میں نے یوسف کذاب کو ایک دوست کے گھر دیکھا، یوسف کذاب کو پہلے میں نہیں جانتا تھا، پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یوسف کذاب کی دینی تعلیم نہ تھی، پھر بعد میں، میں سنتا رہا کہ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور جیل چلا گیا ہے اور یہ بھی اخبار میں پڑھا کہ کسی نے جیل میں اسے قتل کر دیا ہے، اسے سزائے موت دی گئی تھی۔ میں نے اب 2010ء میں پہلی مرتبہ اس کی تقریر سنی، اس تقریر سے پتہ چلا کہ وہ دجال ہے، اور ان دجالوں میں سے ایک دجال ہے جس کے بارے میں نبی کریم نے فرمایا کہ '' وہ کذاب ہونگے، دجال ہونگے، میری امت کو فریب میں ڈالیں گے، نبوت کا دعویٰ کریں گے۔ '' یوسف کذاب کا کہنا ہے

کہ 100 صحابہ میری اس محفل میں موجود ہیں ، میں دیکھ رہا ہوں ۔لہذا یہ سب مکاری اور فریب کاری ہے ، زید حامد جھوٹ بول رہا ہے، میں نے اس شخص کے بارے میں کوئی بیان نہیں دیا ہے اور نہ ہی علمائے اہل سنت والجماعت (بریلوی) نے کبھی اس کی حمایت کی اور نہ کر سکتے ہیں،یوسف، ملعون اور کذاب تھا اور کذاب کو جو اللہ تعالی نے سزا دی ہے وہ واقعی اس کا حقدار تھا۔''

قارئین ! اس سلسلے میں مفتی غلام سرور قادری صاحب کا تردیدی بیان کراچی کے اخبار روزنامہ جسارت میں بھی شایع ہوا ، ملاحظہ فرمایئے:

کراچی (نمائندہ جسارت) دیگر مسالک کے ساتھ ساتھ بریلوی مسلک نے بھی زید زمان کو خبیث ، جھوٹا اور شیطان قرار دیکر واضح کیا ہے کہ یوسف کذاب کے معاملے میں تمام مسالک کے علماء کل بھی متفق تھے اور آج بھی ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے ۔ خود ساختہ دفاعی تجزیہ کار زید زمان نے اپنی اعتراضی ویڈیو میں یوسف کذاب کا دفاع کرتے ہوئے دیوبند پر لعن طعن کرکے بہتان لگایا تھا کہ مولانا عبدالستار خان نیازی اور اس وقت وفاقی شریعت بورڈ کے مشیر مفتی مولانا غلام سرور قادری یوسف کذاب کا اس کے آخری وقت تک دفاع کرتے رہے ہیں ۔ مولانا عبدالستار خان نیازی وفات پا چکے ہیں، تاہم بریلوی مسلک کے علمائے کرام نے زید زمان کے بہتان پر ردِّ عمل کا مظاہرہ کرکے اسے گستاخ قرار دیا ہے ۔ اپنے ویڈیو پیغام میں مولانا سرور قادری نے کہا کہ انہوں نے کبھی بھی یوسف کذاب کے حق میں بیان دے کر اسے دیوبندی ،،بریلوی مسئلہ قرار نہیں

دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ دیوبندی ہوں یا بریلوی ہوں دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ آخری نبی محمد ہیں۔ یوسف کذاب قابل قتل تھا اور اس کے خلاف عدالت نے درست فیصلہ دیا ہے۔ یوسف کذاب شیطان تھا تو اس کا دفاع کرنے والا بھی شیطان ہے، کذاب کی ترجمانی کرکے طلباء کو گمراہ کرنے والے کو ایسے کھلا نہیں چھوڑنا چاہیے، زید کو صحابی کہنا غلط ہے، صحابی صرف رسول کا ہوتا ہے، اسے شیطان یوسف کا چیلہ کہنا چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ جماعت اہل سنت نے کبھی اس کذاب کی حمایت نہیں کی، اسے جو سزا ملی، اس کا وہ حقدار تھا، ایسے خبیث آدمی کے دفاع کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ امت کا اجماع ہے کہ جو نبوت کا دعویٰ کرے گا وہ کافر ہوگا اور جو اسے کافر نہیں کہتا وہ بھی کافر ہے۔ زید حامد کو توبہ کرنی چاہیے ،اسے کسی اسٹیج پر آنے کی اجازت نہیں دینی چاہیے ، ایسا شخص فتنہ انگیز ہے، حکومت کی طرف سے ایسے شخص پر پابندی ہونی چاہیے ۔واضح رہے کہ اس سے قبل دیوبندی عالم مولانا عبدالرحمان اشرفی نے بھی زید حامد کے بہتان پر اپنا ردعمل ظاہر کرتے ہوئے کہا تھا کہ میرا یوسف علی کے بارے میں وہی موقف ہے جو دیگر علمائ، ارباب فتاویٰ اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا ہے اور اس سلسلے میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کو یقین دلاتا ہوں کہ جو باتیں مجھ سے منسوب ہیں وہ سراسر جھوٹ اور خلاف واقعہ ہیں۔ س (23)

، محترم قارئین ! جن علمائے کرام کی طرف زید حامد نے جھوٹ کو منسوب کیا تھا

جب انہیں اس بات کا علم ہوا تو ان کی طرف سے فوراً تردیدی بیانات شائع ہوئے، جیسا کہ آپ نے گذشتہ صفحات میں پڑھ لیا۔ ان علمائے کرام کے بیانات کی روشنی میں ہمیں یہ بات معلوم ہوئی کہ زید حامد محض جھوٹی باتوں کو معزز علمائے کرام کی طرف منسوب کرکے عوام اور بالخصوص طلباء کو گمراہ کرنا چاہ رہا تھا، مگر جب اس میں وہ ناکام رہا تو ''کھسیانی بلی کھمبا نوچے'' کے مصداق علمائے کرام پر لعن طعن کرنا شروع کردیا۔ ملاحظہ فرمایئے!

علماء کو کوڑے پڑیں گے، زید حامد

جب یوسف کذاب کی حقیقت لوگوں کے سامنے آئی اور اسے سزائے موت کا حکم سنایا گیا تو اس موقع پر زید حامد نے کہا:

''شریعت کے تقاضے پورے نہیں ہوئے، یوسف پر دو الزامات لگائے گئے: ایک دعوائے نبوت کا الزام اور دوسرا زنا کا الزام۔ یوسف کذاب پر زنا کا الزام ثابت نہیں ہوا لہٰذا جنھوں نے یوسف کذاب کے خلاف شہادت دی ہے، وہ جھوٹے ثابت ہوئے، ان کو جھوٹی گواہی دینے پر (حد قذف) کوڑے مارے جائیں۔ ہم خلافت راشدہ کا نظام لائیں گے تو انہیں کوڑے کی سزا دیں گے، ان کی گواہی معتبر نہیں رہی، لہٰذا یوسف پر دعویٰ نبوت کا الزام بھی جھوٹا ثابت ہوا۔''

محترم قارئین! زید حامد اگرچہ معروف تجزیہ کار ہی کیوں نہ ہو، لیکن یہ ضروری نہیں کہ ان کی ہر بات سچ اور قابل یقین بھی ہو جس کی وجہ سے اس پر اندھا اعتماد کرلیا جائے زید حامد نے کئی ایسے صریح جھوٹ بولے ہیں، ان،

میں سے ایک جھوٹ یہ بھی ہے۔ ہم اس مقدمے کی اصل حقیقت آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں، تاکہ اس کے الزام واتہام کی قلعی کھل جائے۔

زید حامد نے جو بات ذکر کی اس کی حقیقت یہ ہے کہ اس مقدمے میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے سربراہوں سے صلاح مشورے اور ان کی ہدایت پر مولانا اسماعیل شجاع آبادی مدعی بنے، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی تاریخ اللہ تعالی کے محبوب، خاتم المرسلین، حضرت محمد کی ختم نبوت کے دفاع کی خاطر قربانیوں سے بھرپور ہے، اس جماعت کی کوشش سے ''فیڈرل شریعت کورٹ'' میں ایک پٹیشن دائر کی گئ جس میں مطالبہ کیاگیاکہ توہین رسالت سے متعلق اسلامی قانون کو پاکستان میں نافذ کیا جائے، تاکہ کسی بدبخت کو گستاخی رسول کی جسارت نہ ہو، اس مقدمے میں تمام اسلامی مکاتب فکر کے علماء کو بطور مشیر طلب کیاگیا، سب نے متفقہ موقف کی تائید کی اور پٹیشن منظور ہوجانے کے بعد توہین رسالت کی سزا ''سزائے موت'' مقرر ہوئی،اس سزا کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر ہوئی، لیکن بفضلہ تعالی وہاں بھی فیصلہ ''فیڈرل شریعت کورٹ'' کے حق ہیں ہی ہوااور 1991ء سے باقاعدہ قانون توہین رسالت اس ملک میں نافذ ہوا۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت سے متعلق مذہبی علماء، وکلاء اور دوسرے شعبہ ہائے زندگی سے وابستہ افراد کی کوششوں اور جدوجہد سے پاکستان کے ضابطہ فوجداری کی دفعہ C 295 میں تبدیلی ہوئی۔مدعی مولانا اسماعیل شجاع آبادی نے جو درخواست یوسف کذاب کے خلاف دی اور جو ایف۔آئی۔آر درج ہوئی،اس میں

لکھا گیا تھا کہ '' محمد یوسف علی نامی شخص نبوت کا دعویٰ کرکے لوگوں کو گمراہ کررہا ہے، اس کی تحریروں اور ڈائری کے علاوہ اس کی تقریری کیسٹ بھی ہمارے پاس موجود ہے جس میں اس کا دعویٰ ہے کہ وہ محمد رسول کا تسلسل ہے اور اس دور کا (نعوذباللہ) رسول ہے، اس نے اپنے گھرانے کو اہل بیت اور پیروکاروں کو اصحاب رسول قرار دیا اور کنواری لڑکیوں کو ورغلانے اور ان سے بدکاری کی کوشش کی ہے، پھر اپنے گمراہ پیروکاروں سے نذرانے کے طور پر لاکھوں روپے وصول کیے ہیں جس کے چشم دید گواہ موجود ہیں، اس کے خلاف توہین رسالت اور دیگر جرائم کے تحت فوجداری کیس رجسٹرڈ کیا جائے، تاکہ اس کو اس کے گھناؤنے جرم کی قرارواقعی سزا ملے۔''

اس مقام پر یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ توہین رسالت کا قانون انگریز کا بنایا ہوا نہیں ہے، جیساکہ عام طور پر یہ مغالطہ دیا جاتا ہے، بلکہ یہ قانون قرآن و سنت سے لیا گیا ہے اور اس میں دو شہادتیں پیش ہوں اور جرم ثابت ہوجائے تو ملزم کے انکاری بیان کی کوئی حیثیت نہیں رہتی، ملزم یوسف کذاب کے کیس میں 14 افراد بشمول مدعی نے گواہی دی، آڈیو، ویڈیو کیسٹیں اور تحریریں پیش ہوئیں، گواہوں پر یوسف کذاب کے وکیل نے بھرپور جرح بھی کی، (اگر گواہ شہادت کے معیار پر پورے نہ اترتے تو یوسف کا وکیل ان پر جرح نہ کرتا) یوسف کذاب نے عدالت میں اپنی خلافت عظمیٰ کا سرٹیفکیٹ بھی پیش کیا جس پر فلوٹڈ بھی لگا ہوا تھا اور (نعوذباللہ) بقول یوسف کذاب یہ سرٹیفکیٹ نبی کریم

نے اسے دیا تھا، یوسف کذاب کا یہ سرٹیفکیٹ تیار کرنا بھی توہین کے زمرے میں ﷺ
آتا ہے۔ یوسف کذاب کیس میں پیش ہونے والے گواہوں میں تین ایسے شخص بھی
تھے جو ماضی ہیں اس کے خاص معتقدین شمار کیے جاتے تھے اور اس سے کراچی میں ان کا
گہرا تعلق بھی رہا تھا۔ آڈیو اور ویڈیو ثبوتوں کے علاوہ ان گواہوں نے بھی شہادت دی
کہ یوسف کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا اور ''انا محمد'' (ہیں ہی محمد ہوں) کا دعویٰ کرکے
اپنا دیدار کروانے کے عوض لاکھوں روپے لوگوں سے بٹورتا رہا، اپنے گرو کو سچا ثابت
کرنے کے لیے یوسف کذاب کیس میں عدالتوں ہیں دھکے کھانے والے زید حامد کو
اچھی طرح معلوم ہے کہ ایف۔ آئی۔ آر میں زنا کا الزام نہیں لگایا گیا، البتہ یوسف
کذاب نے عورتوں سے بدکاری کی کوشش ضرور کی تھی اور لاکھوں کے نذرانے بھی
وصول کیے، جب زنا کا الزام لگا ہی نہیں اس بات کا کیا جواز بنتا ہے کہ پورے پاکستان کے
طلباء کے پاس جاکر شور مچایا جائے کہ علمائے کرام کو کوڑے پڑیں گے۔ حد قذف تو
الزام ثابت نہ ہونے پر لگائی جاتی ہے۔ لہٰذا زید حامد یوں ہی ہوا ہیں بن دیکھے تیر چلا کر
(عوام اور طلباء کو گمراہ کرنے کی کوشش نہ کرے۔ (24

براس ٹیکس اور تحریک تکمیل پاکستان.
براس ٹیکس کی حقیقت.:

زید حامد تعلیم مکمل کرنے بعد'' برنکس کمپنی'' میں منیجر کی نوکری پر کام کرتا رہا، بعد ازاں سن 2000 ء میں اس نے اپنی ایک الگ ویب سائٹ بنالی جس کا نام اس نے براس ٹیکس ''رکھا، زید حامد اس ویب سائٹ اور مختلف پروگراموں کے ذریعے اپنا'' مشن (جس کو وہ '' تکمیل پاکستان'' کا نام دیتے ہیں) لوگوں تک پہچانا چاہ رہے ہیں۔ سادہ لوح عوام، طلبہ اوراکثر نوجوان ،جوان کی حقیقت سے واقف نہیں ہوتے، ان کے پروگرام دیکھ کر متاثر ہو جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ موصوف ایک محب وطن پاکستانی اورکامیاب تجزیہ کار کی حیثیت سے پاکستان کا دفاع کررہاہے۔ معروف صحافی سید بدر سعیدنے زید حامد سے ایک تفصیلی انٹرویو لیا جس میں انہوں نے زید حامد سے بہت سے سوالات کئے ،ان سوالات میں سے ایک سوال براس ٹیکس کے بارے میں کیا گیا کہ براس ٹیکس کی حقیقت کیا ہے ؟اوراس کے لئے اب تک کتنی کاوشیں کی گئیں ؟ اس کے جواب میں زید حامد نے کہاکہ '' براس ٹیکس کا آغاز میرے بیڈروم سے ہوا، براس ٹیکس کیا ہے ؟ اوراس وقت کیا تھا؟ براس ٹیکس صرف ایک کنٹریشن تھی ، جیسے ایک ڈاکٹر اگر اپنا کلینک کھولتا ہے تو اس کے لئے اسے کتنا فنڈ چاہیئے ؟ کتنی میز اور کرسی کی ضرورت پڑے گی ؟ وغیرہ وغیرہ کے بارے میں سوچتا ہے، میرا بھی کنٹریشن کا کام تھا تو ہم نے مشکل سے 15 سے 20 ہزار کے بجٹ سے اس کام کو شروع کیا تھااور وزٹینگ کارڈاور لیٹر ہیڈ چھپوائے ، جتنے مارکیٹ میں کارپوریٹ کلائنٹس اور کمپنیاں تھیں ،آئل اور گیس کمپنیاں تھیں، بڑے بڑے تجارتی ادارے تھے ، ان کو

ہم نے خط لکھنا شروع کیا اور کچھ تعلقات بھی تھے ۔ لوگوں میں جان پہچان تھی تو ان لوگوں نے بھی ہمیں کام دینا شروع کیا ، ہم نے ان کو سیکیورٹی پالیسی رپورٹس لکھنا شروع کیں ، ہمیں کام ملنا شروع ہوگیا اور 2007 ء تک ہم نے براس ٹیکس اپنے گھر سے چلایا ، میرے ڈرائنگ روم میں براس ٹیکس ہوتا تھا ، ہمیں ملازم رکھنے کی بھی ضرورت نہیں تھی ، مشرف کے دور تک ہم سرکاری کام کرتے رہے پھر جب زرداری کا دور آیا تو ہم نے ''NEWS ONE'' ''نیوز ون'' ٹی وی'' میں کام کرنا شروع کردیا (''نیوز ون'' چینل کا شمار پاکستان کے بڑے ٹی وی چینلز میں ہوتا ہے ، یہ ٹی ون میڈیا گروپ کا نجی چینل ہے ۔ ناقل) ''نیوز ون'' والوں کی طرف سے ہمیں پیسے ملتے تھے ، کوئی ڈھائی تین لاکھ ہمیں مہینہ کا دیا کرتے تھے ، ساتھ ہی ہمیں دوسری جگہوں سے کنٹریکٹ بھی آتے رہے اور اس طرح ہمارا کنٹریکٹ دنیا بھر میں ہوگیا جن میں بالخصوص ایران اور سعودی عرب شامل ہیں ۔'' (25)

قارئین ! زید حامد نے برنکس کمپنی اور براس ٹیکس ویب سائٹ کے علاوہ اور بھی بہت سے ٹی وی چینلز جن میں ایکسپریس نیوز ، آج نیوز ، دن نیوز ، ZEM ٹی وی وغیرہ میں پروگرام کیے ہیں اور مختلف موضوعات پر ایک تجزیہ کار کی حیثیت سے اپنی رائے اور مقصد کا اظہار و پرچار کیا ہے ، تاکہ اس کا مخصوص نظریہ لوگوں کے دل و دماغ کو اپیل کر سکے ۔ گزشتہ سطور میں زید حامد نے براس ٹیکس سے متعلق انٹرویو سے جو کچھ معلوم ہوا ، ہماری تحقیق کے مطابق یہ براس ٹیکس کی مکمل

حقیقت نہیں ہے ،اس تشنگی کو دور کرنے کے لیے ذیل میں ہم آپ کے سامنے .براس ٹیکس کی حقیقت سے پردہ چاک کرتے ہیں جس سے زید حامد کے عزائم اور اس کی ویب سائٹ کی اصلیت بخوبی واضح ہو جائے گی۔

ریسرچ کے دوران ہمارے علم میں یہ بات آئی ہے کہ .براس ٹیکس اصل میں ''انڈین آرمی کے آپریشن '' کا نام ہے جو انڈیا میں راجستھان کے مقام پر 1986ئ، 1987ء میں کیا گیا تھا۔ یہ دراصل اس آپریشن کی پریکٹس تھی جو انڈیا آرمی نے پاکستان کے خلاف کرنا تھا۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ زید حامد نے اپنے پروگرام کا نام'' .براس ٹیکس'' ہی کیوں رکھا؟اس تناظر میں بہت سے سوالات ہر عام و خاص کے ذہنوں میں گردش کررہے ہیں ،مثلاً: کیا وہ انڈیا کا ایجنٹ ہے اور وہ انڈیا کے ایماء پر اس پروگرام کے ذریعے اسلام کا نام لے کر لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے ؟کیا اس کا مشن اسلام اور مسلمانوں کو کمزور کرنا ہے ؟ یا واقعی وہ اسلام کا دفاع کر رہا ہے ؟ وغیرہ وغیرہ۔

زید حامداورانڈیاکے درمیان تعلق کے تاثرکواس بات سے تقویت ملتی ہے کہ انڈیاکے ایک اخبار'' ملاپ '' میں زید حامد کو انڈیا حکومت کی طرف سے احتیاط کے ساتھ کام کرنے کی ہدایت کی گئی ،یہ اس وقت کی بات ہے جب سے علمائے کرام کی طرف سے زید حامد کی اصلیت کو عوام پر ظاہر کیا گیا تھا، تب انڈیا حکومت کو فکر لگ گئی کہ کہیں ہمارا ایجنٹ پکڑا نہ جائے۔ذیل میں ہم قارئین کے سامنے وہ رپورٹ پیش کرتے ہیں :

ممبئی 6 مارچ (یو این آئی) مسلمانوں کے مذہب اسلام میں ردّعمل کرکے بادشاہ اکبر کے طرز کی تبدیلیاں لانے اور ہندو دھرم کا پرچار کرنے کے لیے گرو یوسف (جن کو اسلام کے ایک پرچاری نے پاکستان سرکار سے سزائے موت دلوائی تھی) کے چیلے زید حامد پچھلے کچھ عرصے سے کافی متحرک تھے۔ یاد رہے یہ وہی زید حامد ہیں جو افغان جنگ میں انڈیا کے لیے جاسوسی کا کام کرتے تھے اور افغان جنگ ختم ہو جانے کے بعد انہیں گرو یوسف کے ساتھ اسلامی صوفی بن کر اسلام میں تبدیلی کا مشن ہماری تنظیم کی جانب سے دیا گیا تھا جس میں وہ کافی حد تک کامیاب جا رہے تھے کہ یکایک پاکستان کی ساری عاشقِ رسول تنظیمیں ان کے پیچھے لگ گئیں اور ان کے ہر فنکشن کو ناکامی میں تبدیل کر دیا۔ یہ وہی تنظیمیں ہیں جنھوں نے گرو یوسف کو بھی پھانسی کی سزا دلوائی تھی اور پھر جیل میں ہی مار دیا تھا اور ان کو شمشان گھاٹ یا قبرستان بھی نصیب نہیں ہوا اور تو اور انہی جہادیوں کی ایک ویب سائٹ فیس بک پر بھی زید حامد ایکسپوزیشن کے نام سے کام کر رہی ہے جس نے زید حامد کا مکمل طور پر کریا کرم کر دیا ہے۔ اندرونی اطلاعات کے مطابق بھارت سرکار کی طرف سے زید حامد کو محتاط رہ کر اپنا مشن آگے بڑھانے پر زور دیا ہے اور فی الوقت اپنے پروگراموں کو سلو کرنے کی کامنا کا بھی اظہار کیا ہے۔ (

26)

: تحریک تکمیل پاکستان

: .براس ٹیکس ویب سائٹ کے مطابق

☆... تکمیل پاکستان موومنٹ ایک جدوجہد ہے جو پاکستانی قوم کو وہ مقام دلائے گی کہ جس کا خواب علامہ اقبال نے دیکھااور قائدِ اعظم نے سوچا تھا۔ دنیا کی اقوام کے درمیان پاکستان کو دنیا کی سب سے عظیم قوم بننا تھا جس کے لیے پاکستان حاصل کیا گیا تھا۔

☆... علامہ اقبال کے خواب کا پہلا حصہ ہم نے 14 اگست 1947ء کو پاکستان حاصل کرکے مکمل کرلیا تھا، تاہم اس خواب کی مکمل تعبیر کا حصول ہماری ضرورت ہے۔ یہ وقت کی پکار ہے کہ قوم کو بدلا جائے اور پاکستان کی تکمیل کی طرف جدوجہد کی جائے جو کہ علامہ اقبال اور قائدِ اعظم کا ہدف تھا۔

☆... علامہ اقبال کے نظریات کو ازسرِنو تازہ کیا جائے، قوم کو جگایا جائے اور ایک مشترکہ جدوجہد ان خطوط پر کی جائے جس کا راستہ قائدِ اعظم، علامہ اقبال اور دیگر بزرگوں نے دکھایا تھا۔ 23 مارچ 1940ء کی روح اور شوق وجذبہ کو ایک بار پھر تازہ کیا جائے اور ہم یہ کر سکتے ہیں اور کریں گے۔ 23 مارچ 2010ء کو ستر سال بعد جب قرار داد پاکستان منظور ہوئی تھی، پاکستانی عوام جمع ہو کر ایک بار پھر تاریخی قرار داد تکمیل پاکستان منظور کریں گے اور تحریک پاکستان کی روح کو پھر سے زندہ کریں گے۔ آج ہم اس جدوجہد کو جاری رکھیں گے تاوقتیکہ پاکستان اپنی تکمیل کے مرحلے تک نہ پہنچ جائے۔

: تحریک تکمیل پاکستان کے حوالے سے زید حامد کی نصیحت

تحریکِ تکمیلِ پاکستان کے حوالے سے زید حامد نے محب وطن پاکستانیوں کو

ایک'' اہم نصیحت ''کی ہے، جس میں انہوں نے اپنا مقصد اور مشن واضح کرنے کے علاوہ بطور تعریض کچھ نازیبا باتیں بھی کی ہیں۔ ذیل میں ان کی نصیحت ذکر کرنے کے بعد ہم اس کا جائزہ بھی لیتے ہیں:

عزیز ممبران ! یہ ایک نہایت اہم نصیحت ہے۔''

شیطان کا سب سے بڑا فتنہ اور ہتھیار یہ ہے کہ وہ انسان کو جھوٹے مسائل کی بحث ومباحثہ میں الجھائے رکھتا ہے تاکہ ان کی توجہ ان مسائل سے ہٹ جائے جو اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک سے زیادہ اہم ہیں۔اللہ تعالیٰ جو کسی مؤمن کو سب سے بڑا تحفہ دیتے ہیں وہ شرح صدر ہے۔یعنی ان چیزوں کی بصیرت حاصل ہونا جو دوسرے نہ دیکھ سکتے ہوں۔حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ سے دعامانگی تھی کہ ان کو شرح صدر نصیب ہو، اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ کو شرح صدر عطافرمائی تھی '' الم نشرح لک صدرک''۔

جب اللہ تعالیٰ کسی کو سزا دیتا ہے تو اس کے دل کو اندھا بنا دیتا ہے اور اس سے بصیرت چھین لیتا ہے۔اللہ تعالیٰ کے ہمیشہ اس عذاب سے پناہ مانگنی چاہیے۔ یہ لوگ بدترین مخلوق ہیں اور اپنی کم نظری اور سیاہ دلوں کی وجہ سے ہمیشہ فتنہ پھیلاتے ہیں، کیونکہ یہ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں۔ یہ اس وقت کے ابو جہل ہیں جو قرآن کی آیات اور سنت مبارکہ کو سمجھنے کی فراست نہیں رکھتے۔ مسلمانوں کے اندر ایسے لوگ موجود ہیں۔ ہم اکیسویں صدی کے سب سے بڑے مشن پر ہیں اور جو کام ہم اب کر رہے ہیں یہ

آگے چل کر انسانیت کے مستقبل اور قسمت کا تعین کرے گا۔ یہ ایک بہت بڑی ذمہ داری کا کام ہے، یہ کوئی چھوٹی موٹی خیرات یا نیکی نہیں ہے۔ سود کے خلاف اس جنگ میں ہم اللہ اور اس کے رسول کے صفِ اول کے مجاہدین کا کام انجام دے رہے ہیں۔ جو بھی اس جنگ میں ہمارے خلاف ہے، دراصل وہ اللہ اور اس کے رسول سے حالت جنگ میں ہے۔اس بات میں کوئی شک نہیں ہونا چاہیے۔اس بات کو سمجھیے کہ سود گناہ عظیم ہے۔ کوئی اور گناہ انسانی معاملات میں اس سے بڑھ کر نہیں ہے۔ اللہ اور اس کے رسول سود اور سودی نظام یعنی کاغذی کرنسی اور بینکاری کے ساتھ جنگ میں ہیں۔اس کے علاوہ حدیث مبارکہ میں روایت ہے کہ سود کے گناہ کے ستر درجے ہیں اور ان میں سے سب سے معمولی درجے کے گناہ کی مثال اپنی ماں کے ساتھ زنا کرنے کی مانند ہے۔

کیا آپ کو اندازہ ہوا ہے کہ یہ کتنی بڑی جنگ ہے ؟پوری مسلم دنیا اور اس کے راہنماؤں اور علمائے کرام سوائے چند ایک کے سود کو ایک ناقابل ترمیم اور اٹل حقیقت کے طور پر قبول کرچکے ہیں۔ یہاں تک کہ مسجد نبوی کے مضافات میں بھی سودی لین دین کرنے والے سینکڑوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ کوئی اس بارے میں بات نہیں کرتا۔ اگر کسی کی ڈاڑھی چھوٹی ہو، اس کا تعلق دوسرے فرقے سے ہو یا وہ نماز مختلف انداز سے ادا کرتا ہو تو لوگ اتنی معمولی باتوں پر مرنے مارنے کے لیے تیار ہوجاتے ہیں، لیکن جب سود کے نظام کی بات آتی ہے تو مکمل طور پر خاموش ہوجاتے ہیں۔ کیا یہ جہالت ہے، حماقت ہے یا اندھا پن ہے یا

اللہ کا عذاب ہے؟حقیقت یہ ہے کہ یہ ان سب کا مجموعہ ہے۔ یہ ایک عذاب ہے جس سے امت آج کل دوچار ہے۔لوگ میری ڈاڑھی، سرخ ٹوپی اور شرٹ پر اعتراض کرتے ہیں، اس بات پر بحث کر رہے ہیں کہ میری اس تصویر میں پیٹھ پر روضہ رسول ہے یا یہ کہ کے پر کلمہ لکھا ہوا ہے یا یہ پروپگینڈہ ہے کہ میں (نعوذ باللہ) قادیانی ہوں یا آئی ایس آئی کا ایجنٹ ہوں، لیکن اس فقیر پر سب اعتراض کرنے والے سود کے معاملے میں مکمل خاموش ہیں۔ دراصل یہ لوگ دانستہ اور نادانستہ طور پر اللہ اور رسول سے حالت جنگ میں ہیں، لیکن ان کی پوری توجہ ان چھوٹی باتوں پر بحث کرنے کی طرف ہے، جس میں شیطان نے ان کو الجھایا ہوا ہے۔اس بات کو سمجھیے کہ ہم رسول کی عزت وعظمت کے دفاع کے لیے دجال سے سب سے بڑی جنگ لڑ رہے ہیں تو ایسے وقت پر معمولی مسائل پر بحث کرکے موضوع کو تبدیل کرنے والے مکمل طور پر شیطان کے اثر ورسوخ کے تحت ہیں اور وہ خود اس حقیقت سے بے خبر ہیں،اگر آپ میں سے کوئی ایسا کر رہا ہے تو رک جائے اور ہوش کے ناخن لے اور توبہ وتدبر کرے۔ اس بات کو اس مثال سے سمجھیے کہ مسلمانوں کے ایک گروہ کو کفار ذبح کر رہے ہوں، لیکن کوئی بھی ان کی مدد کو نہ آرہا ہو، مگر جب ایک مجاہد اپنی تلوار نکال کر ان کمزور مسلمانوں کی مدد کو آئے تو مسلمانوں کے دیگر تماشائی گروہ '' حرام حرام '' کا شور مچائیں صرف اس بنیاد پر کہ اس مجاہد کی ڈاڑھی چھوٹی ہو یا اس کی تلوار پر کلمہ لکھا ہو۔ اس مثال میں غور وفکر کریں۔

یہی سب کچھ آج کے مسلمان کر رہے ہیں۔ وہ معمولی اور غیر اہم مسائل پر اعتراض کرکے بڑی تحریکوں اور ان کے اپنے راہنماؤں کو تباہ کر رہے ہیں۔ وہ یہ نہیں دیکھتے کہ وہ فقیر اور اس کا گروہ امت کے لیے کیا خدمات سرانجام دے رہے ہیں؟ اور یہ کہ ان کی بہت بھاری ذمہ داری کے سامنے معمولی مسائل کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ یہ مومن کی فراست ہوتی ہے جس سے وہ جان جاتا ہے کہ کس کام کو ترجیح دینی ہے؟ اور یہ کہ کس وقت کون سا قدم اٹھانا ہے؟ ہر کسی کو یہ حکمت وفراست تحفے میں نہیں ملتی۔ شیطان کے آلہ کار بن کر چھوٹی چھوٹی باتیں جو عظیم مشن کے سامنے بے حیثیت ہیں، ان پر نکتہ چینی کرکے فتنہ و فساد پھیلائے۔ اللہ کسی ایسے شخص پر رحم کرے گا جو امت کو ...ان کے اصل مسائل سے دور لے جائے؟

اللہ صمد ہے، پوری کائنات سے بے نیاز ہے، اسے ہماری ضرورت نہیں ہے، بلکہ ہمیں اس کی ضرورت ہے۔ اگر آپ نے اپنا رویہ درست نہیں کیا تو آپ دنیا وآخرت میں خسارہ میں رہیں گے۔ جو حقیقت میں نیک نہیں ہے وہ اپنے آپ کو نیک بنا کر پیش نہ کرے، ہم سب عاجز لوگ ہیں، ہم غلطیوں سے پاک نہیں ہیں اور مغفرت کے لیے ہم اللہ کی رحمت کے طلب گار ہیں۔ آپ اپنی فکر کریں اور اپنی ذمہ داری نبھائیں اور ایسے مسائل کھڑے کرکے جو یا تو جھوٹ پر مبنی ہیں یا پھر اہم مسائل کے سامنے بے معنی ہیں، دوسروں کا وقت برباد نہ کریں۔ جو کوئی بھی مشن تکمیل پاکستان کے خلاف کھڑا ہوگا یا راستے میں رکاوٹ ڈالے گا

وہ شیطان کا پیروکار ہوگا۔ اس معاملے میں بہت زیادہ محتاط رہیں۔ اللہ آپ کو شیطان کا، (آلہ کار اور شر کا باعث بننے سے بچائے۔ آمین'' (27

:زید حامد کی نصیحت پر طائرانہ نظر

قارئین کرام !زید حامد نے اپنی اس نصیحت میں انتہائی لفاظی اور ملمع سازی سے کام لیا ہے، اس میں ابتداء میں موصوف نے اپنے آپ کو ایک مفکر، مدبر اور دانشمند کی حیثیت سے ظاہر کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ پاکستان میں اللہ تعالیٰ نے کسی اور شخص کو اتنی بصیرت اور تدبر عطا نہیں کیا، جتنا اسے عطا کیا گیا ہے، گویا اس کی نظر میں پاکستان کی بھلائی اور بہتری کے لیے اس سے بہتر سوچنے اور سمجھنے والا اور کوئی نہیں ہے !!! ...حتیٰ کہ اللہ کے نیک بندے اور علمائے کرام بھی نہیں

آگے چل کر موصوف سود کے خلاف جنگ کرنے پر زور دیتا ہے اور پاکستان کی معیشت بہتر بنانے کی تلقین کرتا ہے۔ یہ بات ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ سودی نظام کے خلاف آواز اٹھانی چاہیے، مگر سوال یہ ہے کہ زید حامد کی اس مہم پر پیش رفت صرف ٹی وی اینکرز اور گلوکاروں کے ذریعے سے ہی کیوں کی جاری رہی ہے؟ کیا انہیں لگتا ہے کہ اس مہم میں اسے علمائے کرام کی مدد یا نیک بندوں کی دعائیں لینی چاہئیں؟ ان کے اقدام سے تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ علمائے کرام سودی نظام کا خاتمہ کرنے پر توجہ نہیں دے رہے ہیں یا وہ اتنی بصیرت نہیں رکھتے کہ ان سے مشاورت بھی کی جاسکے۔ کیا بصیرت والے اور دانشمند لوگ

صرف موصوف اور اس کے لشکر و گلوکار ہی ہیں؟ اگر ایسا ہے تو خاکم بدہن اس سے پھر سودی نظام کے استحصال کے بجائے اسے اور زیادہ فروغ ملے گا۔

زید حامد کا اپنے اوپر کیے جانے والے اعتراضات کا دفاع کرتے ہوئے یہ کہنا ہے کہ میں جب بھی سودی نظام کا خاتمہ یا ملک میں خلافت راشدہ کا نظام قائم کرنے کی بات'' کرتا ہوں تو مجھے قادیانی کہا جاتا ہے، میری ڈاڑھی چھوٹی ہونے پر طعنہ دیا جاتا ہے، مجھے آئی ایس آئی کا ایجنٹ ظاہر کیا جاتا ہے، مگر مجھ پر اعتراض کرنے والے سودی معاملات پر مکمل خاموش رہتے ہیں اور اس کے خلاف کوئی آواز نہیں اٹھاتے ''۔ لیکن قارئین! اعتراض ہمیشہ اسی پر کیا جاتا ہے جس پر شک ہو یا جس کے عزائم اور نظریات میں کھوٹ ہو، زید حامد پر کیے جانے اعتراضات بالکل بجا ہیں، مگر اسے معلوم ہے کہ اگر اس نے اپنی توانائیاں اپنے اوپر ہونے والے اعتراضات کا جواب دینے میں صرف کردیں تو ہو سکتا ہے کہ اس کا اصلی مقصد اور مشن ہاتھ سے چھوٹ جائے، اسی لیے وہ ان باتوں کو پس پشت ڈال دیتا ہے اور ایک شاطر و عیار شخص کی طرح ان مسائل کی طرف عوام کی توجہ پھیرنے کی کوشش کرتا ہے جن کو لے کر وہ پریشان ہیں، یوں لوگ ان مسائل میں الجھ کر رہ جاتے ہیں اور اس کی اصل حقیقت سے قطع نظر کر لیتے ہیں، یہ تو عوام کا معاملہ ہے، جہاں تک علما و مقتدیانِ قوم کا معاملہ ہے تو وہ دین کی آواز بلند کرنے کے دعوے دار ہر شخص کی مکمل چھان بین کرکے اس کا اصل چہرہ عوام کے سامنے لاتے ہیں، وہ مذہبی راستوں میں رکاوٹ ڈالنے والے کسی شخص کو صرف اس

بناپر سند جواز مہیا نہیں کرتے کہ وہ دین کا نام لیتا ہے ، وہ ہر معاملہ میں اسلام مخالف دشمن پر آواز ضرور اٹھاتا ہے اور ایسا ہونا بھی چاہیے کہ یہی ان کی ذمہ داری اور فریضہ ہے۔ زید حامد کے نصیحت بھرے الفاظ پڑھ کر حیرت بھی ہوتی ہے اور اس کی دانشمندی کا بھرم بھی کھل جاتا ہے،جب وہ ایک مرد مجاہد کی مثال دیگر لوگوں کو سمجھانا چاہتا ہے کہ ''اگر مسلمانوں کو کفار نیست و نابود کر رہے ہوں اور ان کی مدد کو کوئی نہ آئے ، ایسے میں ایک مجاہد اپنی تلوار لے کر میدان میں داخل ہوتا ہے اور مسلمانوں کی مدد کرتا ہے تو مسلمانوں کے دیگر تماشائی ''حرام حرام'' کا شور مچانا شروع کر دیتے ہیں اور اس کے ساتھ مل کر دشمن کا مقابلہ نہیں کرتے۔'' زید حامد اس مثال کو بیان کرکے یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ اس وقت پاکستان میں سود کی وبا تیزی سے پھیل چکی ہے، خلافت کا نظام رائج نہیں ، جگہ جگہ اسلام کو کمزور کیا جارہا ہے ؛ ایسے میں جب میں (زید حامد) مرد مجاہد بن کر پاکستان کے حق میں آواز اٹھاتا ہوں اور خلافت راشدہ کا نظام قائم کرنے کی کوشش کرتا ہوں تو لوگ مجھے طرح طرح کے طعنے دینے شروع کر دیتے ہیں، میری ذات کو لے کر مجھے اپنے مقصد سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں، گویا پاکستان میں موصوف زید حامد کے علاوہ اور کوئی مرد مجاہد اور اسلام مخالف دشمن کے خلاف آواز اٹھانے والا موجود نہیں ہے۔

: تحریک تکمیل پاکستان کے ذریعے زید حامد کے عزائم

یوں تو زید حامد تکمیل پاکستان کے ذریعے بڑے عزائم کے دعوے دار ہیں ، مگر ان کے عزائم میں للٰھیت ، اخلاص اور حب وطنی خال خال ہی نظر آتی ہے۔ زید حامد کے بقول تحریک پاکستان کا مقصد سود سے پاک معاشی نظام ، غزوۂ ہند ، خلافت راشدہ ، فتح بیت المقدس ، ریاست ہائے متحدہ اسلامیہ ، ریڈیو پاکستان دہلی اور آزادی ہے۔ چونکہ زید حامد خلافت راشدہ ، سود سے پاک معاشی نظام کا ذکر زیادہ اور باقی چیزوں کا ضرورت کے تحت کرتے ہیں ، اسی لیے ہم آئندہ سطور میں ان کے چند عزائم پر تبصرہ کرنے پر اکتفا کریں گے:

☆...خلافت راشدہ کا قیام:

زید حامد پاکستان میں خلافت راشدہ کا نظام قائم کرنے کے لیے گھر گھر آواز پہنچانا چاہتا ہے۔ اس حوالے سے وہ اپنی کتاب ''خلافت راشدہ'' میں لکھتا ہے کہ '' خلافت راشدہ کا سیاسی، معاشی اور معاشرتی ماڈل اتنا حیرت انگیز اور خداداد ہے کہ اس کی مثال آج بھی دنیا کا کوئی اور ماڈل دے ہی نہیں سکتا، مگر جب انسان آج کی جمہوریت ، آمریت اور بادشاہت کی عینک لگا کر خلافت کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ ہمیشہ پریشان ہوتا ہے۔ انسانیت نے خلافت سے بہتر کوئی دوسرا ماڈل تخلیق نہیں کیا ، یہ خلافت راشدہ سے پہلے اور اس کے بعد انسانیت کی تاریخ میں اس سے بہتر سیاسی ، معاشی اور عدالتی نظام اس کائنات میں پیدا ہی نہیں ہوئے۔ یہ نہایت ہی مسحور کن دور تھا اور انسانیت کی معراج تھی ۔ آج دنیا میں جتنی بھی خیر نظر آرہی ہے اور خاص طور پر مغرب نے

جو بھی خیر کے نظام، مثلاً: معاشرتی فلاح اور معاشرتی انصاف اپنے ملک میں قائم کیے ہیں اور جو بھی بہتر حکومت اور گورنمنٹس کے نظام قائم کیے ہیں اس کی تمام مثالیں ''خلافت راشدہ میں بہت پہلے موجود ہیں۔

ایک اور جگہ لکھتا ہے کہ '' خلافت اور شورائیت یہ وہ نظام ہیں جو ہمیں آنے والے وقت میں اپنانے ہیں، ہمیں موجودہ جمہوریت، بادشاہت اور آمریت کو خیر باد کہنا ہے، مرضی اکثریت کی نہیں، بلکہ اللہ اور اس کے رسول کی ہونی چاہیئے جو خلیفہ کے ذریعے نافذ کی جانی چاہیے اور اس مرضی کے نفاذ کے لیے خلیفہ شوریٰ سے مشورہ لے سکتا ہے جو کہ معاشرے کے بہترین افراد پر مشتمل ہو، یہ اسلام کا سیاسی نظام ہے۔'' (36)

مزید لکھتا ہے کہ ''اسلام دشمنوں کو یہ بھی قابل قبول نہیں کہ یہ فقیر قرآن و سنت کے نظریے، خلافت راشدہ بطور سیاسی، معاشی، عدالتی ماڈل، عشق رسول زندگی کا مقصد اور مدینہ ثانی پاکستان کو ایک مقدس امانت قرار دے، ہم نے پاکستان میں مذہبی اور سیاسی دہشت گردی کے خلاف آواز اٹھائی، لسانیت، فرقہ واریت، صوبائیت اور عصبیت جاہلیہ کے خلاف سب سے بڑی آذان ہم دے رہے ہیں، ہم نے پاکستان کی نظریاتی اور جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت کے لیے اپنا خون اور پسینہ بھی بہایا ہے اور اب دشمنوں کے پراپیگنڈا کا مقابلہ کر رہے ہیں، ہم پاکستان کے مسلمانوں کو متحد کرکے ایک مضبوط امت میں پرونا چاہتے ہیں، اقبال کے اس شعر کے مطابق:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل لیکر تابخاک کاشغر

تاکہ امت مسلمہ پاکستان کوبنیاد بناکر اپنی نشاۃ ثانیہ کو دوبارہ حاصل کرسکے ،ہمارا یہ مشن ایک روحانی ، نظریاتی اور اخلاقی بنیاد پر مبنی ہے جس کی اساس عشق رسول اور ادب رسول ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ پاکستان کہ جس کی تعمیر لا الہ الا اللہ پر ہوئی تھی،اب اس کی تکمیل محمد رسول اللہ پر کی جائے ۔'' (28)

:☆... سود سے پاک معاشی نظام

زید حامد مشن تکمیل پاکستان کے ذریعے سود کے خلاف ایک مہم چلارہا ہے ،جس کے مطابق ملک پاکستان میں سود جیسی لعنت تمام معاملات میں تیزی سے پھیل چکی ہے اور نوبت یہاں تک آ گئی ہے کہ اگر ایک سچا مسلمان سود کا معاملہ نہ بھی کرنا چاہے تو بھی اس کی کچھ نہ کچھ بو اسے پہنچ جاتی ہے ،زید حامد کا کہنا ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالی نے سود کے خلاف واضح طور پر جنگ کا اعلان کیا ہے اور ہمیں بھی سود کے خاتمہ کے لیے تگ ودو کرنا چاہیے، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مجھے آئی ایس آئی ، را اور ہندو یہود کے خلاف بولنے پر نشانہ بنایا جارہاہے ۔ ہم نے سود اور رباء کے نظام کے خلاف آذان دی اور بیت المال کے نام پر ایک خالص اسلامی معاشی اور فلاحی نظام کی جدوجہد میں مشغول ہیں، اللہ اور اس کے رسول نے سود کے خلاف جنگ کا اعلان کیا ہے اور ہم بھی اعلان جنگ

(کر چکے ہیں۔(29

محترم قارئین ! ملک پاکستان کی معیشت آج جو خسارے میں جارہی ہے، اس کی سب سے بڑی اور بنیادی وجہ یہ ہے کہ اسلام مخالف دشمن نے سودی وبا ہمارے ملک میں اس قدر پھیلادی ہے کہ اگر اس سے چھٹکارا پانے کی کوشش بھی کی جائے تو سالوں لگ سکتے ہیں، ہمیں اس سودی نظام کے خلاف آواز اٹھانا چاہیے اور جس قدر ممکن ہو ملک پاکستان میں اسلامی معاشی نظام لانے کی جدوجہد کرنی چاہیے، ضرورت اس بات کی ہے کہ جہاں سود جیسا ناسور پھیل چکا ہو وہاں ہم اس کا متبادل حل پیش کریں، اس کے شرعی معیارات وضع کریں اور اس کے مطابق ہر ایک کو معاملات کرنے کا پابند کریں۔ میرے استاد محترم جسٹس (ر) مولانا مفتی محمد تقی عثمانی نے اپنی کتاب ''غیر سودی بینکاری'' میں سودی نظام اور اس کے متبادل کے بارے میں کچھ یوں ذکر کیا ہے کہ سودی معیشت نے پچھلے چار سو سال میں جس طرح سے اس نظام کو جمانے کے لیے ہر سطح پر کوششیں ہورہی ہیں۔اس کے لیے تعلیم و تربیت کا خاص نظام بنایا گیا ہے، حساب و کتاب رکھنے کے طریقے وضع کرکے دنیا بھر میں انہیں نافذ کردیا گیا ہے، اس کے مناسب قوانین بنائے گئے ہیں، اسی کو مدد دینے کے لیے ٹیکسوں کا ایسا نظام تیار کیا گیا ہے جو سود کی حوصلہ افزائی کرے اور غیر سودی تجارت کی ہمت شکنی ہو۔ لہٰذا بات صرف اتنی نہیں تھی کہ معاملات کو

صحیح کرنے کے لیے ایک نظام تجویز کر دیا جائے، بلکہ اس نظام کو ٹھیک ٹھیک چلانے کے لیے ایک ہمہ گیر جدوجہد کی ضرورت تھی جس میں سب سے پہلا کام ایسے افراد کی تربیت تھی جو اس نظام کو ٹھیک ٹھیک سمجھیں اور اس پر دیانت داری سے عمل کریں۔ جن لوگوں نے سودی نظام کے تحت تربیت پائی تھی، انہیں اس نئے نظام سے آگاہ کرنا اور اس کی نزاکتوں کو سمجھانا ایک مستقل کام تھا جس کے لیے عالم اسلام میں کئی مستقل تربیتی ادارے قائم کیے گئے، پھر حساب وکتاب رکھنے کے طریقے بدلے بغیر اس نئے نظام کو درست نہیں کیا جاسکتا تھا، کیونکہ حساب وکتاب اور اکاؤنٹنگ اور آڈٹ کے جو معیار اس وقت عالمی طور پر مسلم سمجھے جاتے ہیں، اگر انہی کے مطابق اکاؤنٹنگ اور آڈٹنگ کی جائے تو اس کے نتیجے میں خود معاملات غیر شرعی ہو سکتے ہیں، چنانچہ اس کے لیے بحرین میں اکاؤنٹنگ اور آڈٹ کے نئے معیار تیار کیے گئے جو ضخیم جلدوں میں بحرین سے شائع ہوئے ہیں۔

پھر سود کے جن متبادل شرعی طریقوں پر عمل ہو رہا ہے، وہ اگرچہ گنے چنے ہی ہیں، لیکن مختلف مواقع پر ان کی عملی تطبیق کے اپنے کچھ مسائل ہوتے ہیں جن پر شرعی اور عملی دونوں جہتوں سے غور کرنا پڑتا ہے غرض اس نظام کو روبہ عمل لانے کے لیے اتنی مختلف جہتوں سے کام کرنے پڑا ہے کہ اس کی وسعت کا اندازہ انہی حضرات کو ہوسکتا ہے جو اس میں عملی طور پر شریک رہے ہیں۔ پھر جب کوئی نیا کام شروع ہوتا ہے تو طبعی طور پر اس میں خامیاں بھی ہوتی ہیں، لوگ

ٹھوکریں بھی کھاتے ہیں، کچھ سادگی میں غلط فہمی کا شکار ہوتے ہیں، کچھ بدنیت لوگ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جانتے بوجھتے ہوئے بھی غلطیاں کرتے ہیں اور چونکہ غیر سودی مالیاتی ادارے جگہ جگہ قائم ہورہے تھے اور اس بات کا پورا خطرہ موجود تھا کہ کسی متحدہ معیار کی غیر موجودگی میں ہر ادارہ اپنے من مانے طریقے پر شرعی طریقوں کی تشریح کرکے غلط طریقوں کو شرعی طریقے کہہ کر نافذ کرے، اس لئے ایک متحدہ مجلس شرعی نے ان تمام اداروں کے لیے متحدہ شرعی معیار تیار کرنے کا کام کیا جس کے ذریعے ان اداروں کو ان معیاروں کا پابند بنایا جاسکے۔ چنانچہ اب تک جو معاییر شرعیہ تیار ہوئے ہیں، انہیں پاکستان سمیت مختلف اسلامی ممالک کے مرکزی بینکوں نے غیر سودی اداروں کے لیے واجب العمل قرار دے دیا ہے۔ (30)

☆…غزوۂ ہند:

زید حامد کی طرف سے احادیث کی بھی من پسند تشریح وتاویل کی جاتی رہی ہیں، ہم اس حوالے سے صرف ایک مثال پر اکتفا کرتے ہیں، جس کا تعلق غزوۂ ہند سے ہے۔ پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ نبی کریم کے زمانہ میں ''ہند'' کا حدود اربع کیا تھا؟ شروح حدیث اور جغرافیہ عرب کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم کے زمانہ میں ہندوستان یا ہند، دیبل یا سندھ سے شروع ہوتا تھا اور مکران کے ساحلوں تک جا پہنچتا تھا جس کے ایک طرف بنگال کے ساحل تھے تو دوسری طرف کوہ ہندوکش، اس علاقے میں لڑی جانے والی جنگ اور اس میں شریک ہونے

والوں کے حوالے سے نبی کریم کی مستند احادیث موجود ہیں ،ذیل میں ہم صرف دو احادیث پیش کرتے ہیں:

☆... عن ثوبان مولیٰ رسول اللہ قال، قال رسول اللہ عصابتان من امتی احرزھما اللہ من النار عصابۃ تغزو الھند و عصابۃ تکون مع عیسیٰ ابن مریم علیھما السلام۔ الحدیث

ترجمہ: حضرت ثوبان،جو نبی کریم کے آزاد کردہ غلام تھے،سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میری امت کی دو جماعتوں کو اللہ نے جہنم کی آگ سے محفوظ فرمایا ہے، ایک وہ جماعت جو ہندوستان میں جہاد کرے گی، دوسری وہ جماعت جو عیسیٰ ابن مریم کے ساتھ ہوگی۔ (40)

☆... عن ابی ھریرۃ قال وعدنا رسول اللہ غزوۃ الھند فان ادرکتھا انفق فیھا نفسی ومالی فان اقتل کنت من افضل الشھداء وان ارجع فانا ابو ھریرۃ المحرر۔ الحدیث

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ سے ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ نے ہندوستان کے جہاد (غزوہ ہند) کا وعدہ فرمایا (حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا کہ) اگر اس جہاد کو میں نے پالیا تو میں اپنی جان ومال اس میں قربان کردوں گا، چنانچہ اگر میں شہید ہوگیا تو میں افضل شہیدوں میں سے ہوں گا اور اگر میں زندہ واپس لوٹا تو جہنم سے آزاد ہوں گا۔ (41)

ان احادیث کے علاوہ نعیم بن حماد سے بھی تین روایات موجود ہیں جن کو ضعیف

(بتایا جاتا ہے، جس میں دجال کی موجودگی اور حضرت عیسیٰ کا بھی ذکر ہے

محترم قارئین ! درج بالا احادیث میں نبی کریم نے غزوۂ ہند کا وعدہ فرمایا ہے ،اس کا حقیقی مصداق کیا ہے؟ حضور اکرم نے اس کی کوئی صراحت نہیں فرمائی ہے ،یہی وجہ ہے کہ اب تک تمام محدثین اس حدیث کو روایت تو کرتے چلے آئے ہیں مگر خود سے اس کا مصداق کسی جہاد کو قرار نہیں دیتے، محتاط لفظوں میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اب تک ہند کے خطے میں جتنے بھی جہاد اعلائے کلمتہ اللہ کے لیے ہوئے ہیں اور آئندہ ہوں گے ،وہ سب اس خوش خبری کا مصداق بن سکتے ہیں ،اسلامی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم کے زمانے کے ہندوستان کے ساحلوں تک اسلامی لشکر خراسان کے راستے حضرت عمر کے زمانے میں پہنچ چکے تھے، مکران کے ساحل کا علاقہ حضرت عثمان کے زیر نگیں آچکا تھا، پہلی باقاعدہ فوجی مہم جوئی کے ذریعے حجاج بن یوسف کے زمانے میں محمد بن قاسم ملتان تک پہنچ چکے تھے، محمود غزنوی نے ایک نہیں بلکہ سترہ حملے کیے تھے،، ممکن ہے اس کے علاوہ بھی ہند کے خطے میں جہادی معرکے انجام پائے ہوں،ان تمام پر غزوہ ہند کے الفاظ صادق آتے ہیں۔ لیکن زید حامد کا اصرار ہے کہ ان میں سے کوئی جہاد بھی غزوہ ہند کی فضیلت کا مصداق نہیں بن سکا،البتہ کشمیر میں مہم جوئی ہی جہاد ہند کا مصداق ہے اوران کے تیار کردہ لوگ ہی اس خوش خبری کے حقدار ہوں گے جو احادیث میں آئی ہے۔ (33

کیا یہ بات انصاف کے خلاف نہیں کہ خیر القرون کے جہادی معرکوں سے صرفِ

نظر کرتے ہوئے صرف اپنی من پسند مہم جوئی کو ہی غزوہ ہند کا مصداق قرار دینے کی جسارت کی جائے جس کی تائید میں سوائے اپنی بات کے کوئی دلیل بھی نہ ہو ؟
ہمارا مقصود غیر مسلم ظالم، جابر، قابض، جارح فوج کے خلاف کی جانے والی کسی مہم جوئی کا انکار ہر گز نہیں، بلاشبہ جہاد دین کا لازمی حصہ اور جز ہے اور انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ آج موجودہ بھارت کے خلاف ہونے والی لڑائیوں اور جنگوں کو جہاد قرار دیا جائے اگرچہ مخالف نقطہ نظر بھی پائے جاتے ہیں) مگر اس جہاد ہی کو غزوۂ ہند کہنا اور اس) پر اصرار کرنا کوئی صحت مندانہ رویہ نہیں کہلا سکتا، ہاں اسے سیاسی چال ضرور کہا جا سکتا ہے۔
آپ کو یہ جان کر خوش گوار حیرت ہو گی کہ غزوہ ہند کی یہ اصطلاح بھی زید حامد نے اپنے گرو یوسف کذاب سے مستعار لی ہے، ہماری تحقیق کے مطابق یوسف کذاب '' غزوۂ ہند '' کی اصطلاح استعمال کرتا تھا۔ (34

زید حامد کے بارے میں علمائے کرام کا موقف

زید حامد کے نظریات اور عقائد کے بارے میں جب علمائے کرام کو علم ہوا تو انہوں نے بھی اس پر اپنا متفقہ موقف ظاہر کرتے ہوئے اسے یوسف کذاب کا چیلا اور مرید کہا اور لوگوں کو باور کرایا کہ اس گمراہ شخص کا مکمل بائیکاٹ کریں، تاکہ اس کی ضلالت و گمراہی اور اس کے غلط عقائد دوسروں تک منتقل نہ ہوں۔ ذیل میں ہم علمائے کرام کے موقف کو واضح کرتے ہیں :

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت :

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی طرف سے زید حامد کو کھلا چیلنج دیا گیا جس کے مطابق انھوں نے کہا کہ یوسف کذاب مدعی نبوت تھا، لاہور کی سیشن عدالت نے اس کی اپنی کیسٹوں، تحریروں اور گواہوں کی شہادت پر اس کو سزائے موت سنائی گئی اور اسے جیل ہی میں ایک قیدی نے قتل کردیا۔زید حامد چونکہ اس کا خلیفہ اور صحابی ہے، اس لئے وہ یوسف کذاب کو مظلوم اور سچا مسلمان مانتا ہے، ہم کہتے ہیں کہ جس طرح یوسف کذاب جھوٹا تھا، اسی طرح زید حامد بھی اس کے عقائد و نظریات کا حامل ہونے کی بناء پر جھوٹا ہے، مگر زید حامد اب تک اس کا انکار کرتا آیا ہے، ہم نے ڈیڑھ سال پہلے بھی اس کو چیلنج دیا تھا، آج پھر اس کو دہراتے ہیں کہ وہ جہاں چاہے ہم اس کے جھوٹ کو ثابت کرنے کے لئے تیار ہیں، اگر اس نے ان عقائد سے توبہ نہ کی تو ہم اس کے خلاف بھی اسی طرح قانونی کاروائی کریں گے جس طرح یوسف کذاب کے خلاف کی تھی۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ اس سے بچیں۔(35)

تنظیم اسلامی کا موقف:

زید حامد سے کچھ عرصہ قبل بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کی ملاقات ہوئی۔ پاکستان کے درخشاں مستقبل اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے حوالہ سے ان کے خیالات کو محترم ڈاکٹر نے سراہا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ہی تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام ایک سیمینار بعنوان ''بھارت کے جارحانہ عزائم اور سلامتی کونسل کا کردار'' منعقد ہوا جس میں دیگر مقررین کے علاوہ زید حامد

کو بھی مدعو کیا گیا۔ اس پروگرام کے بعد کچھ حضرات کی طرف سے ہمیں توجہ دلائی گئی کہ زید حامد کا نبوت کا دعویٰ کرنے والے یوسف کذاب سے تعلقات رہے ہیں اور اس حوالے سے ان کی شخصیت متنازعہ ہے، اس سے قبل ان کی شخصیت کے متنازعہ ہونے کا ہمیں علم نہیں تھا۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی طرف سے توجہ دلانے پر اور پھر ہماری تحقیق کے بعد یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ یوسف کذاب کے خلاف پاکستان کی عدالت نے سزائے موت کا فیصلہ سنادیا تھا اور انہیں جیل ہی میں کسی قیدی نے قتل کر دیا تھا۔ زید حامد سے جب ان حوالوں کے بارے میں پوچھا گیا تو انہیں نے ابتداً یوسف کذاب سے لاتعلّقی کا اظہار کیا، بعد ازاں ان کا یہ موقف سامنے آیا کہ ان کے آخری دور کے تصورات و دعاوی سے اپنی لاتعلّقی کا عندیہ دیا۔

ہمارے نزدیک اگر کوئی مسلمان اپنے گمراہ کن نظریات سے تائب ہوجائے اور ایسے نظریات پھیلانے والے شخص سے بھی اعلان لاتعلّقی کر دے تو امت مسلمہ کے ایک فرد کی حیثیت سے اس کے رجوع کو خوش دلی سے قبول کرلینا چاہئے، تاہم اس کے اپنے خیالات و نظریات کو قرآن و سنت کی کسوٹی پر پرکھنے کی ضرورت مستقبل میں بھی رہے گی۔ زید حامد کے موجودہ خیالات کو جاننے کے لئے تنظیم اسلامی کے ایک وفد نے ان سے ملاقات کی، اس ملاقات میں زید حامد نے صاف لفظوں میں اقرار کیا کہ ''وہ ختم نبوت پر یقین رکھنے والے ہیں اور مدعیان نبوت پر لعنت بھیجتے ہیں، مزید یہ کہ گستاخان رسول پر بھی اللہ کی لعنت ہے۔ ماضی

میں ان کا یوسف علی سے اگرچہ تعلق رہا تھا، لیکن اب وہ ان کے آخری دور کے عقائد اور نظریات سے اعلان برأت کرتے ہیں۔'' اس پر ہمارے وفد نے ان سے تقاضا کیا کہ اپنے اس سہ نکاتی اقرار کا اپنی ویب سائٹ اور ''فیس بک'' وغیرہ پر بھی اعلان کریں، انہوں نے اس بات کو تسلیم کیا۔ زید حامد اگر اپنی ویب سائٹ وغیرہ پر یہ اعلان و اقرار ''اپ لوڈ'' کردیں تو ہمارے نزدیک ان کی پوزیشن صاف ہو جائے گی۔

یہاں ہم یہ بات بھی واضح کردینا ضروری سمجھتے ہیں کہ جہاں تک پاکستان میں خلافت راشدہ کے نظام کا قیام، سود کی حرمت علاوہ ازیں امریکہ اور یہود و ہنود کے مذموم ایجنڈے کا تعلق ہے، ہمیں زید حامد کی آرا سے بالعموم اتفاق ہے، لیکن ہم نائن الیون کے بعد اپنائی گئی افغان و طالبان پالیسی، لال مسجد، سوات، مالاکنڈ کے علاوہ آزاد قبائلی علاقوں میں فوجی آپریشن کو پاکستان اور اسلام کے حوالہ سے انتہائی ضرر رساں بلکہ تباہ کن سمجھتے ہیں، ہم ان کی مخلوط محافل کے اہتمام کو بھی شریعت کے تقاضوں کے ہم آہنگ نہیں سمجھتے۔(36)

تنظیم اسلامی نے زید حامد کے بارے میں موقف کی مزید وضاحت 17 مارچ 2010ء کو کی، جس میں کہا کہ ہمارے 9 مارچ 2010ء کے جاری کردہ موقف پر زید حامد سے یہ دعویٰ کرنا کہ ہم نے یوسف کذاب کے حوالے سے ان کی وضاحت کو قبول کرلیا ہے، نیز یہ تاثر دینا کہ محترم ڈاکٹر اسرار احمد اور تنظیم اسلامی کا ان

کو تعاون حاصل ہے، صحیح نہیں ہے، لہٰذا ہم اپنے جاری شدہ موقف کی مزید وضاحت پیش کر رہے ہیں۔

ہمارے نزدیک اگر کوئی مسلمان اپنے گمراہ کن نظریات سے تائب ہو جائے اور ایسے نظریات پھیلانے والے شخص سے بھی اعلان لاتعلقی کر دے تو امت مسلمہ کے ایک فرد کی حیثیت سے اس کے رجوع کو خوش دلی سے قبول کر لینا چاہئے، تاہم اس کے اپنے خیالات و نظریات کو قرآن و سنت کی کسوٹی پر پرکھنے کی ضرورت مستقبل میں بھی رہے گی، ہم نے زید حامد سے یوسف کذاب سے واضح طور پر برأت کا اعلان کرنے کا تقاضا بھی کیا تھا، مگر زید حامد کی طرف سے تاحال کوئی جواب نہیں موصول ہوا۔ لہٰذا ہمارے نزدیک زید حامد کی پوزیشن قطعی طور پر کلئیر نہیں ہوئی، بلکہ مزید مشکوک ہو گئی ہے۔ (37

:جماعۃ الدعوۃ پاکستان کا موقف

جماعۃ الدعوۃ پاکستان قرآن و سنت کی حامل جماعت ہے، اس کا مقصد انسانیت کی خیر خواہی اصلاح اور تربیت ہے۔ مسلمانوں کو فرقہ واریت، باہمی اختلافات اور فسادات کی راہ سے نکال کر صحیح اسلام کا تعارف و کردار پیش کرنا، اسلامی معاشرے کی بنیاد انہی خطوط پر استوار کرنا جو رسول نے مدینہ منورہ میں رکھی تھی، جماعۃ الدعوۃ سلف صالحین کے منہج دعوت و جہاد پر کاربند ہے اور زید زمان حامد سمیت کوئی بھی شخص جو خلاف شرع عقائد رکھتا ہو، یا قرآن و سنت سے متصادم نظریات کا پرچار کرتا ہو، ہر میدان میں اس کی مخالفت کرتی

ہے اور جماعۃ الدعوۃ کی ہمدردی کسی بھی ایسے شخص کے لئے ہرگز نہیں جو ختم نبوت کا منکر اور ناموس رسالت کا دشمن ہو۔

جماعۃ الدعوۃ کی دفاع پاکستان کے لئے کی جانے والی کوششیں اور عملی جدوجہد کوئی دو چار سال کی بات نہیں، بلکہ ان کو شروع ہوئے ایک طویل عرصہ گزرچکا ہے اور چاہے 14 اگست ہو، یوم تکبیر، یوم دفاع پاکستان یا 23 مارچ کا یوم تکمیل پاکستان کوئی بھی خاص دن ہو، جماعۃ الدعوۃ کی ایسی مہمات جاری رہتی ہیں اور عوام الناس کی (بیداری و شعور کے لئے پروگرامات ملک بھر میں منعقد ہوتے رہتے ہیں۔(38

معہد ام القریٰ کا موقف :

جامعہ اشرفیہ لاہور کے نائب مہتمم مولانا عبدالرحمان اشرفی نے کہا کہ گزشتہ کچھ دنوں سے مجھے کئی ایک احباب نے فون کئے اور متعدد حضرات نے تشریف لاکر بتلایا کہ ٹی وی اینکر زید حامد جن کا مبینہ طور پر یوسف علی مدعی نبوت سے خلافت و صحابیت کا تعلق ہے، وہ اپنے بیانات میں میرے بارے میں یہ تاثر دے رہا ہے کہ میں نے یوسف علی کے بارے میں کہا ہے کہ وہ اچھا آدمی تھا اور وہ میرا بہترین دوست تھا، اس نے میرے ساتھ حج کیا تھا، نیز اس نے کارکنان ختم نبوت اسلام آباد کی ایک پریس کانفرنس کے جواب میں اپنی تردیدی تقریر اور ویڈیو کیسٹ میں کہا ہے کہ جامعہ اشرفیہ لاہور کے مولانا عبدالرحمان اشرفی جو بہت بڑے بزرگ اور بڑے ٹاپ کے اسکالر ہیں اور وہ ابھی تک

زندہ ہیں، جب تک یوسف مرا نہیں، تب تک وہ اس کا دفاع کرتے رہے اور انہوں نے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت والوں کو بلا کر ڈانٹا کہ تم ظلم کر رہے ہو، کیونکہ یوسف علی نے دعویٰ نبوت نہیں کیا، وغیرہ وغیرہ

جہاں تک میرے بارے میں یوسف علی سے دوستی وغیرہ کا حوالہ دیا جارہا ہے تو میں عبدالرحمان اشرفی)اس کی وضاحت کرتا ہوں کہ حقیقت حال یہ ہے کہ یوسف علی) میرے پاس ایک دو مرتبہ ملنے کے لئے آیا اور اسی دوران میں اور مرحوم مولانا اجمل خان حج کو گئے تو منیٰ میں جہاں مولانا اجمل خان کا درس تھا وہیں یوسف علی بھی درس دے رہا تھا، لہٰذا یہ کہنا غلط ہے کہ میں نے یوسف علی کے ساتھ حج کیا اور میری اس سے دوستی رہی ہے اور میرا زید حامد سے کوئی تعلق ہے، نہ ہی یں نے اس سلسلہ میں یوسف علی کے بارے میں کوئی اخباری بیان جاری کیا ہے اور نہ ہی عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے متعلقین کو اس سلسلہ میں کوئی سرزنش کی۔ میرا موقف بھی یوسف علی کے بارے میں وہی ہے جو دیگر علماء، ارباب فتاویٰ اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت والوں کا ہے اور اس سلسلے میں میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے ساتھ مکمل تعاون کا یقین دلاتا ہوں۔ لہٰذا یہ تمام باتیں جو مجھ سے منسوب کی گئی ہیں، سراسر جھوٹ اور خلاف واقعہ ہیں، میں زید حامد پر یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ آئندہ ان باتوں کی نسبت میری جانب نہ کی جائے۔

میں رسول کریم کے بعد کسی مدعی نبوت کو مرتد اور زندیق سمجھتا ہوں اور

اسی عقیدے پر بارگاہ الٰہی میں حاضر ہو کر رسول کریم کے لوائے حمد کے نیچے ذات نبوت کی شفاعت کا طلبگار ہوں۔ میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ زید حامد اور اس جیسے دیگر لوگ جو یوسف علی کی باتوں اور سحر میں گرفتار ہیں ان کو ان باتوں سے نجات دے اور سچی (توبہ کی توفیق فرمائے۔ آمین (39

قائین ! اس کے علاوہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن گرومندر روڈ کراچی، جامعہ بنوریہ عالمیہ سائٹ کراچی اور دیگر مفتیان کرام کی طرف سے بھی زید حامد اور اس کے نظریات کے بارے میں تسلی بخش فتویٰ شائع ہوا ہے جسے متعلقہ ویب سائٹس پر دیکھا جاسکتا ہے۔

:حرفِ آخر

زید حامد کا تعارف ، عقائد اور اس کے عزائم کا جائزہ لینے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ زید حامد اپنی لفاظی ، سحر انگیز گفتگو اور نام نہاد للّٰہیت کا لبادہ اوڑھ کر سادہ لوح مسلمانوں کے ایمان سے کھیلنا چاہتا ہے۔ موصوف نے تکمیل پاکستان کے جو عزائم محب وطن اور اہل درد مسلمانوں کے سامنے پیش کیے ہیں ، ان میں وہ اپنی نیک نیتی، خلوص نیت اور رواداری کو اس انداز میں پیش کرتا ہے کہ ایک عام محب وطن بھی اسے اپنا رہبر اور قائد سمجھنے لگتا ہے ، کیونکہ اسے معلوم ہے کہ لوگوں کے دلوں کو جیتنے کے لیے ایسے مسائل کا چناؤ کیا جائے کہ جن کی وجہ سے عوام پریشان ہے، اگرچہ اندرون خانہ وہ ایک سوچی سمجھی سازش اور یہودی لابی کے مقاصد کی خاطر سرگرم عمل ہو ، مگر اس کی ظاہری

بناوٹ، جدوجہد، سرگرمیاں اور پیش رفت کو دیکھ کر یہ یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ ان کی یہ سرگرمیاں مسلمانوں کے لیے کارگر ثابت ہوں گی یا نہیں؟ یوں لگتا ہے کہ وہ اسلام کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کی بجائے اسے کھوکھلا اور کمزور کرنا چاہتا ہے، اسلام اور اس کے نظام کا سہارا لے کر اپنے آپ کو صوفی ظاہر کرکے لوگوں کو دھوکا دے رہا ہے، وہ اپنے آپ کو مبصر، مفکر، مدبر اور تجزیہ نگار ظاہر کرکے لوگوں کو اپنی گرفت میں لینا اور رکھنا چاہتا ہے، اپنی باتوں کو میڈیا کے اینکرز اور گلوکاروں کے ذریعے لوگوں تک پہنچا رہا ہے۔

مولانا سعید احمد جلال پوری نے اپنی کتاب '' رہبر کے روپ میں رہزن'' میں زید حامد پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں، صرف ایک صدی پیشتر متحدہ ہندوستان کے غلیظ فتنہ، فتنۂ قادیانیت کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی کی ابتدائی زندگی کو لے لیجیے تو اندازہ ہوگا کہ شروع شروع میں اس نے اپنے آپ کو مسلمانوں کا نمائندہ، اسلام کا ترجمان اور آریوں اور عیسائیوں کے خلاف مناظر سے باور کرایا تھا، مگر یہ سب کچھ ایک خاص وقت اور ایک خاص مقصد کے لیے تھا، وہ یہ کہ کسی طرح مسلمانوں میں اس کا نام اور مقام پیدا ہوجائے اور بحیثیت مسلمان اس کا تعارف ہوجائے، مسلمان اس کے قریب آجائیں اور مسلمانوں کا اس پر اعتماد بیٹھ جائے چنانچہ جب اس نے محسوس کیا کہ ان مناظروں اور مباحثوں سے اس کے مقاصد حاصل، ہوگئے

ہیں تو اس نے اپنے باطل افکار و نظریات کا اظہار کر کے اپنے پر پرزے نکالنا شروع کر دیئے ۔ اس کے بعد اس نے جو گل کھلائے ، وہ کسی باخبر انسان اور ادنی مسلمان سے مخفی اور پوشیدہ نہیں ۔ ٹھیک اسی طرح زید حامد بھی خاص ایک حکمت عملی کے تحت یہ سب کچھ کر رہا ہے ۔ لہٰذا جس دن اس کو اندازہ ہو جائے گا کہ اس کا مقصد پورا ہو گیا ہے یا مسلمانوں میں اس کا مقام،اعتماد اور تعارف ہو گیا ہے ، یہ بھی مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح اپنے پوشیدہ افکار و عقائد کا اظہار و اعلان کر دے گا۔ (40 ''

ہمیں یہ بات بڑے افسوس کے ساتھ لکھنی پڑ رہی ہے کہ زید حامد جہاں جھوٹ اور ملمع سازی سے کام لیتا ہے، وہاں علمائے کرام اور بزرگان دین پر طعن و تشنیع کیے بغیر بھی نہیں رہتا،زید حامد اپنے اکثر ویڈیو پروگراموں میں علمائے کرام کو طعن و تشنیع کا نشانہ بناتا ہے ، اس کی بظاہر یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ چونکہ علمائے کرام نے زید حامد کا ساتھ نہیں دیا تھا اور اس کے گرو کو پھانسی کی سزا دلوائی تھی ، اسی وجہ سے وہ آج ان علمائے کرام پر برہم ہے اور جہاں بھی کوئی معاملہ ملکی وقار کا آتا ہے تو وہاں علماء پر الزام تراشی ضرور کرتا ہے۔شاید یہی سبب ہے کہ زید حامد نے اپنے مشن کی تکمیل کے لیے علمائے کرام سے مشاورت کی بھی زحمت گوارہ نہیں کرتا اور گلوکاروں اور ٹی وی اینکرز کے ذریعے اپنا الو سیدھا کر رہا ہے۔

محترم قارئین ! اسلام کی بنیادوں کو کمزور کرنے والے لوگ صرف دور حاضر ہی میں

نہیں پائے جاتے ، بلکہ اس سے پہلے بھی بہت سے لوگوں نے طاغوتی طاقتوں کے سہارے اسلام اور سادہ لوح مسلمانوں کو اپنے جال میں پھنسا کر انہیں گمراہ کرنے کی ناکام کوششیں کی ہیں ، مگر اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں اپنے دین کی حفاظت اور مسلمانوں کی مدد کی ہے اور آئندہ بھی کرے گا (ان شاء اللہ تعالیٰ)۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہمیں اس قسم کے لوگوں کے ساتھ تعلقات استوار نہیں کرنے چاہئیں اور ان سے مکمل بائیکاٹ کرنا چاہیے کہ یہی ہماری ایمانی غیرت کا تقاضا ہے ۔زید حامد کی ذات سے ہمیں کوئی عداوت ودشمنی نہیں، ہمیں شکایت اس کے غلط افکار ونظریات اور عزائم سے ہے ۔اگر زید حامد، یوسف کذاب پر علی الاعلان لعنت بھیج دے ، علمائے کرام پر طعن و تشنیع کرنے سے باز آئے اور عقیدہ ختم نبوت پر غیر متزلزل ایمان کا واضح اعلان کردے تو مسلمانان پاکستان اسے ابھی گلے لگانے کے لیے تیار ہیں ، ورنہ ہماری اس سے مودبانہ گذارش ہے کہ وہ دین کا نام لے کر اسلامی شعائر کو تختۂ مشق بنانے سے باز آجائے اور سادہ لوح مسلمانوں کو مزید گمراہ نہ کرے اور میری قارئین سے بھی گزارش ہے کہ وہ ہرایرے غیرے اور مجھول شخص کے حلقہ درس یں بیٹھنے سے اجتناب کریں، پہلے اس کا نام ونسب اور اس کی تعلیم اور عقائد کے بارے میں معلوم کریں کہ اس کا علم کہیں خود رو اور ذاتی مطالعہ کی پیداوار تو نہیں ؟ اس کے اعمال اور اخلاق کیسے ہیں ؟ کہیں وہ کسی گمراہ ، بے دین ، ملحد اور مستشرق استاد کا

شاگرد یا کسی فتنہ پرداز سے متاثراوراس کاآلہ کارتونہیں ؟اس کے تعلقات کن لوگوں کے ساتھ رہے ہیں ؟ کہیں وقت کے علمائے کرام نے اسے گمراہ تونہیں کہا؟وغیرہ وغیرہ۔

☆...☆...☆...☆

مصادر و مراجع

مولانا سعید احمد جلال پوری، راہبر کے روپ میں راہزن، صفحہ نمبر 11 ...(1)

ایضاً، صفحہ نمبر12 ...(2)

ویب سائٹ ...(3)

:www.markazsirajiya@hotmail.com/www.endofprophethood.com،

مرکز سراجیہ

ایضاً ...(4)

از بانگ قلندری ، مرد کامل کا وصیت نامہ ، ڈائری یوسف کذاب ...(5)

از کالم: تعمیر ملت، ڈائری یوسف کذاب ...(6)

از ڈائری یوسف کذاب اور چشم دید گواہوں کے عدالتی بیانات ...(7)

از ویڈیو کیسٹ یوسف کذاب، علی نامہ ، ڈائری یوسف کذاب ...(8)

از آڈیو کیسٹ، ڈائری یوسف کذاب ...(9)

ایضاً ...(10)

از آڈیو کیسٹ ، تقریر: 28 مئی 1997ئ ...(11)

ایضاً ...(12)

روزنامہ خبریں، 10 جولائی 1997ئ ...(13)

حوالہ سابقہ ویب سائٹ، مرکز سراجیہ ...(14)

روزنامہ ڈان، 13 اگست 2000ئ ...(15)

روزنامہ انصاف، 6 اگست 2000ئ ...(16)

روزنامہ نیا اخبار۔ 5 اگست 2000ئ ...(17)

حوالہ سابقہ ویب سائٹ، مرکز سراجیہ ...(18)

دیکھئے: ارشد قریشی، فتنہ یوسف کذاب ...(19)

روزنامہ اسلام لاہور، 15 مارچ 2010ئ ...(20)

حوالہ سابقہ ویب سائٹ، مرکز سراجیہ ...(21)

روزنامہ خبریں، 10 جولائی 1997ئ ...(22)

روزنامہ جسارت کراچی: 20 مارچ 2010ئ ...(23)

حوالہ سابقہ ویب سائٹ، مرکز سراجیہ ...(24)

ملاپ اخبار، ممبئی، 9 مارچ 2010ئ ...(25)

www.brasstacks.com ویب سائٹ ...(26)

دیکھئے: زید حامد، خلافت راشدہ...(27)

از زید حامد، پریس ریلیز آف براس ٹیکس ...(28)

ایضاً ...(29)

محمد تقی عثمانی، مفتی، غیر سودی بینکاری، مکتبہ معارف القرآن ...(30)

کراچی، مارچ 2011ئ، صفحہ نمبر۴۹/۵۰

ابو عبد الرحمان، احمد بن شعیب، سننِ نسائی، کتاب الجہاد، جلد 2، صفحہ نمبر …(31)

63

ایضاً …(32)

کاشف حفیظ صدیقی، دانشوری سے حقیقت تک، صفحہ نمبر 9 …(33)

ایضاً، صفحہ نمبر 10 …(34)

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت …(35)

تنظیم اسلامی کا موقف، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاھو، لاہور، ویب سائٹ …(36)

:www.tanzeem.org، (updated 9/3/10)

ایضاً (updated 17/3/2010) …(37)

جماعۃ الدعوۃ پاکستان …(38)

معہد ام القریٰ، جامعہ اشرفیہ لاہور پاکستان، ویب سائٹ …(39):

(www.jamiaashrafia.org)

مولانا سعید احمد جلال پوری، راہبر کے روپ میں راہزن، صفحہ نمبر 3 …(40)

☆…☆…☆…☆

زکاۃ کے بعض اہم مسائل

مسائل زکاۃ کے حوالے سے عوامی راہ نمائی کی غرض سے عام طور پر پوچھے جانے اور پیش آنے والے مسائل کے جوابات نذر قارئین کیے جارہے ہیں،تاکہ قارئین اپنے اموال کی زکاۃ ادا کرتے وقت ان مسائل کو سامنے رکھ کردرست طریقے اور صحیح مصرف پرزکاۃ کامال صرف کرسکیں،مسائل سے ناواقفیت بعض اوقات نیکی برباد گناہ لازم کامصداق بھی ثابت ہوجاتی ہے۔

زکاۃ کون لے سکتا ہے؟

سونے، چاندی، مال تجارت اور گھر میں روز مرہ استعمال کی چیزوں سے زائد سامان کی قیمت لگا کراس میں نقدی جمع کی جائے، ان پانچوں کے مجموعہ یا ان میں سے بعض کے مجموعہ کی مالیت ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت سے کم ہو تو ایسا شخص زکاۃ کا مستحق ہے وہ زکاۃ لے سکتا ہے اور اگران پانچوں یا ان میں سے بعض کا مجموعہ چاندی کے وزن مذکور کی قیمت کے برابر یا اس سے زائد ہے تو ایسا شخص زکاۃ نہیں لے سکتا۔ضرورت سے زائد لباس، ریڈیو، ٹیپ ریکارڈر، یا ٹی وی اور وی سی آر جیسی خرافات انسانی حاجات میں داخل نہیں، اس لیے ان کی قیمت بھی حساب میں لگائی جائے گی۔

:ایک غلط رواج کی اصلاح

بہت سے مالدار لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے علاقوں میں سینکڑوں غریب ہوتے ہیں مگر یہ لوگ زکاۃ صرف اپنی برادری کی انجمن میں دیتے ہیں اور پھر وہ انجمن زکاۃ کی رقم قبرستان کی زمین خریدنے یا ہسپتال وغیرہ کی تعمیر پر خرچ کرتی ہے۔ خوب سمجھنا چاہیے کہ زکاۃ کی ادائیگی کے لیے مستحق زکاۃ فقیر کو مالک بنا کر دینا ضروری ہے، جس صورت میں تملیک نہ ہو مثلا کوئی عمارت تعمیر کردی یا قبرستان خرید کر وقف کردیا، اس سے زکاۃ ادا نہیں ہوتی۔

:پبلسٹی پر زکاۃ کی رقم لگانا

آج کل بہت سے ادارے زکاۃ اور دوسرے عطیات جمع کرنے کے لیے زکاۃ کی بہت سی رقم پبلسٹی پر خرچ کردیتے ہیں، حالانکہ پبلسٹی پر رقم لگانے سے زکاۃ ادا نہیں ہوتی، اس لیے کہ زکاۃ کی ادائیگی کے لیے تملیکِ فقیر شرط ہے جو اسمیں نہیں پائی جاتی۔

:عشر وزکاۃ کو کن چیزوں میں صرف کرنا صحیح نہیں

ہر اس چیز میں جس میں کسی مستحق زکاۃ کی تملیک (مالک بنانے) کی شرط نہ پائی جائے، خواہ وہ سرے سے مالک بننے کا اہل نہ ہو جیسے مسجد ومدرسہ کی تعمیر

یا ہو لیکن مستحق نہ ہو جیسے صاحبِ نصاب شخص کو دے دی تو اس طرح غیر مصرف میں رقم خرچ کرنے یا کوئی چیز دینے سے زکاۃ و عشر ادا نہیں ہوتے۔ لہٰذا مسجد و مدرسہ ہسپتال، اسکول کی تعمیر میں، سڑک وغیرہ بنانے میں، میت کے کفن میں، میت کی طرف سے قرض ادا کرنے میں اگرچہ حالتِ حیات میں اس نے قرض کی ادائیگی کا حکم دیا ہو، زکاۃ و عشر دینا صحیح نہیں، اس سے زکاۃ و عشر ادا نہیں ہوتے، کیونکہ اس میں مالک بنانا نہیں پایا جاتا۔

:مدِ زکاۃ سے خیراتی دواخانہ کھولنے کا حکم

دواخانہ میں زکاۃ اور چرم قربانی کا مصرف صرف یہ ہے کہ اس رقم سے دوائیں خرید کر مساکین کو مفت دے دی جائیں، اس مد سے دواخانہ کے ڈاکٹروں اور دوسرے کارکنوں کی تنخواہ، مکان کا کرایہ، تعمیر اور فرنیچر وغیرہ مصارف پر خرچ کرنا جائز نہیں، اس سے زکاۃ ادا نہیں ہوگی۔ مساکین سے مد زکاۃ سے خریدی ہوئی دواں کے پیسے لینا اور وہ دوائیں غیر مساکین کو دینا جائز نہیں، بعض دواخانوں میں مد زکاۃ سے مریضوں کو خون دیا جاتا ہے، اس سے زکاۃ ادا نہیں ہوگی۔

:جن رشتہ داروں کو زکاۃ دینا جائز نہیں

باپ اپنی بیٹی اور اس کی اولاد کو زکاۃ نہیں دے سکتا، بھائی اپنی بہن اور

اس کی اولاد کو زکاۃ دے سکتے ہیں۔ زکاۃ کا وراثت سے کوئی تعلق نہیں، زید کے انتقال کے بعد لڑکی کو اس کا حق وراثت دینا لازم ہے۔ زندگی میں والد اولاد کو جائیداد وغیرہ دینا چاہے تو عام حالات میں لڑکوں اور لڑکیوں کو برابر دینا چاہئے، لڑکیوں کو محروم کرنے کی نیت سے سب جائیداد لڑکوں کو دے دینا ہرگز جائز نہیں، تاہم والد نے زندگی میں فاطمہ کو کچھ دیا ہو یا نہ دیا ہو زکاۃ کا وہی حکم ہے جو اوپر بیان ہوا، مندرجہ ذیل رشتہ داروں کو زکاۃ دینا جائز نہیں:

☆......اصول: یعنی جن سے پیدا ہوا ہے۔ ماں، باپ، دادا، دادی، نانا، نانی وغیرہ۔ سوتیلی ماں اصول میں داخل نہیں، لہٰذا اسے زکاۃ دینا جائز ہے۔

☆......فروع: یعنی اولاد۔ بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسہ، نواسی وغیرہ۔

☆......میاں بیوی ایک دوسرے کو زکاۃ نہیں دے سکتے، طلاق کے بعد بھی جب تک عدت نہیں گذر جاتی زکاۃ دینا جائز نہیں۔

زکاۃ دینے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ مصرف نہ تھا:

اگر دینے والے نے غور و فکر کے بعد مصرف سمجھ کر زکاۃ دی تھی تو اس کی زکاۃ ادا ہو گئی، مگر ہاشمی مثلاً زید کو اس کے زکاۃ ہونے کا علم ہوگیا تو اس پر لازم ہے کہ معطی• دینے والے) کو واپس کرے اور معطی دوبارہ زکاۃ ادا کرے، اگر واپس کرنا کسی وجہ سے ممکن نہ ہو تو مساکین پر صدقہ کردے اور اگر غور و فکر

کے بغیر زکاۃ ادا کی یا غور و فکر کیا اور غیر مصرف ہونے کا گمان ہوا یا شک رہا، اس کے باوجود زکاۃ ادا کر دی تو اس صورت میں اگر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ مصرف تھا تو زکاۃ ادا ہو گئی اور اگر بعد میں معلوم ہوا کہ مصرف نہ تھا تو زکاۃ ادا نہیں ہوئی۔

:وکیل کے پاس زکاۃ کی رقم ضائع ہو گئی تو زکاۃ ادا نہیں ہوئی

زید نے خالد کو زکاۃ کی رقم کسی مسکین کو ادا کرنے کے لیے دی جو خالد کے پاس سے ضائع ہو گئی، ایسی صورت میں زید کے ذمہ جو زکاۃ واجب الادا تھی وہ ادا نہیں ہوئی، دوبارہ ادا کرنا لازم ہے۔ اگر خالد نے حفاظت میں غفلت نہیں برتی بلکہ جیسے اپنے مال کی حفاظت کا اہتمام کرتا ہے ویسا ہی اہتمام زکاۃ کی رقم کی حفاظت کا کیا تھا تو خالد کے ذمہ اس رقم کا واپس کرنا لازم نہیں، ورنہ لازم ہے۔

:وکیل کا زکاۃ کی رقم میں ردو بدل کرنا

ایک شخص نے کسی دوسرے شخص کو زکاۃ یا صدقات واجبہ کی مد سے کچھ رقم مساکین کو دینے کے لیے دی، اس وکیل نے وہ رقم بدل دی، مثلا دس دس روپے کے دس نوٹ اس میں سے لیے اور سو روپے کا نوٹ اس میں رکھ دیا تو زکاۃ بہر حال ادا ہو جائے گی، بشر طیکہ زکاۃ کے لیے دیئے گئے پیسے بھی اس کے پاس موجود ہوں، اگر وہ زکاۃ

ادا کرنے سے پہلے ضائع ہو گئے ہوں یا خرچ کر دیئے ہوں تو جتنے ضائع ہو گئے یا خرچ ہو گئے اتنے روپوں کے بقدر زکاۃ ادا نہیں ہوئی، وہ موکل کو لوٹانا ضروری ہے تاکہ وہ بنیتِ زکاۃ کسی کو دیدے۔البتہ اس صورت (صدقات) میں چونکہ رقم متعین ہو جاتی ہے، لہٰذا تبدیل کرنے کا جواز اس پر موقوف ہے کہ موکل کی طرف سے تبدیل کرنے کی اجازت صراح یا دلال موجود ہو، موجودہ زمانے میں عموماً اس کی اجازت ہوتی ہے اس لیے صراح اجازت کی ضرورت نہیں، اس کے باوجود احتیاط اس میں ہے کہ صراح اجازت لے لے۔

وکیل نے زکاۃ کو مصرف میں استعمال نہیں کیا تو کیسے بری ہو گا؟

وکیل کے لیے جائز نہیں کہ زکاۃ دہندگان کی طرف سے معین کردہ مصرف کے علاوہ کسی اور جگہ زکاۃ کی رقم صرف کرے، اگر ایسا ہو جائے تو:

جس کو دیا ہے اگر وہ مصرفِ زکاۃ ہے اور اس کے پاس وہ مالِ زکاۃ باقی بھی ہے، اس نے ابھی تک خرچ نہیں کیا تو مالک کو اطلاع دے، اگر مالک بخوشی اس پر راضی ہو تو زکاۃ ادا ہو جائے گی، اگر اس نے اجازت نہیں دی یا اس مستحق کے ہاتھ سے زکاۃ کی رقم خرچ ہو گئی ہے تو پھر وکیل پر لازم ہے کہ زکاۃ دہندگان کو صورتِ حال بتا کر اتنی رقم اپنی طرف سے زکاۃ دہندگان کی ہدایت کے مطابق بطورِ زکاۃ کسی مستحق کو دے، زکاۃ دہندگان اگر اسے معاف کر دیں اور خود زکاۃ ادا کریں یا دوبارہ اسے زکاۃ کی رقم دے کر ادائیگی کا وکیل بنا دیں تو بھی

صحیح ہے، اگر مالک کو اطلاع دینا ممکن نہ ہو تو وکیل اتنی رقم زکاۃ دہندگان کی طرف سے بتائے ہوئے مصرف میں خرچ کرے، ان شا اللہ تعالی اس سے ذمہ فارغ ہو جائے گا۔ وکیل نے جس کو دیا ہے اگر وہ مصرفِ زکاۃ نہیں تو اس میں مالکان کی اجازت سے بھی زکاۃ صحیح نہیں ہو سکتی بلکہ مذکور بالا تفصیل کے مطابق دوبارہ زکاۃ دینا ضروری ہے۔

:وکیلِ زکاۃ دوسرے کو وکیل بناسکتا ہے

وکیلِ زکاۃ دوسرے کو وکیل بناسکتا ہے اگرچہ اصل زکاۃ دہندہ کو علم نہ ہو: اسلم نے اکرم کو وکیلِ زکاۃ بنایا، اکرم نے خود زکاۃ ادا نہیں کی بلکہ جاوید کو وکیل بنایا اور جاوید نے مستحق کو زکاۃ پہنچائی تو زکاۃ ادا ہو گئی، اگرچہ اصل زکاۃ دہندہ یعنی اسلم کو جاوید کے وکیل ہونے کا علم نہ ہو۔ وکیلِ زکاۃ کو اگر خاص شخص کو دینے کے لیے وکیل مقرر کیا جائے تو کسی اور کو نہیں دے سکتا، اگر مطلقاً فقرا و مساکین کو دینے کا وکیل بنایا گیا ہو تو خود نہیں لے سکتا، باقی جس مستحق کو بھی دے زکاۃ ادا ہو جائے گی، اگرچہ اپنی مستحق بیوی یا مستحق بالغ اولاد ہی کو دے، نابالغ مستحق اولاد کو دینے میں یہ شرط ہے کہ یہ خود مستحق زکاۃ ہو ورنہ نابالغ بچوں کو نہیں دے سکتا۔ اگر اسے مکمل اختیار دیا جائے کہ آپ کی مرضی جہاں چاہیں اس زکاۃ کو صرف کر سکتے ہیں تو پھر خود بھی لے سکتا ہے، بشرطیکہ مستحق زکاۃ ہو۔

:اگر کسی شخص نے غیر مسلم کو وکیل بنایا

اگر کسی شخص نے غیر مسلم کو وکیل بنایا کہ زکاۃ مستحقین تک پہنچاؤ تو یہ صحیح ہے، بشرطیکہ اسے دیتے وقت دینے والے نے زکاۃ کی نیت کی ہو، اگر دیتے وقت زکاۃ کی نیت نہیں کی تو جب تک یہ مال فقیر کی ملکیت میں موجود ہے اس وقت تک نیت کرلے تو زکاۃ ادا ہوجائے گی، البتہ اگر وہ مال فقیر کی ملکیت سے کسی بھی وجہ سے نکل جائے تو پھر زکاۃ کی نیت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں، زکاۃ ادا نہ ہو گی۔

:اجازت کے بغیر کسی کی طرف سے زکاۃ دے دی

عمران پر زکاۃ فرض ہے، سلیمان نے اس کی اجازت کے بغیر اس کی طرف سے زکاۃ دے دی تو اس سے زکاۃ ادا نہیں ہوئی، اگر عمران بعد میں اجازت بھی دے دے تب بھی درست نہیں اور جتنی رقم سلیمان نے عمران کی طرف سے دی ہے وہ عمران سے وصول کرنے کا حق بھی نہیں رکھتا۔

عیدالفطر۔انعام کا دن

عیدالفطر کا تہوار روزوں کی تکمیل کی خوشی میں منایا جاتا ہے۔ رمضان المبارک کا مہینہ گویا تیاری اور احتساب کا مہینہ تھا۔ اس کے بعد عید کا دن گویا نئے عزم اور نئے شعور کے ساتھ زندگی کے آغاز اور دوبارہ نئے حوصلوں کے ساتھ مستقبل کی طرف اپنا سفر شروع کرنے کا دن ہے۔ یوں کہیے کہ رمضان ایک اعتبار سے سمٹنے کا لمحہ تھا، اور عید سعید از سرِ نو پھیلنے اور آگے بڑھنے کا لمحہ۔ روزے میں آدمی دنیا سے اور دنیا کی چیزوں سے ایک محدود مدت کے لیے کٹ گیا تھا، وہ اپنی خواہش کو روکنے پر راضی ہوا تھا، اب عید کے دن سے وہ دوبارہ بلند مقصد کے لیے متحرک ہوتا ہے۔ گویا یہ آغازِ حیات کا دن ہے۔ روزہ جس طرح محض بھوک ، پیاس نہیں ، اسی طرح عید محض کھیل تماشے کا نام نہیں۔ دونوں کے ظاہر کے پیچھے گہری معنویت چھپی ہوئی ہے۔ روزہ وقتی طور پر عالم مادی سے کٹنا اور عید دوبارہ عالم مادی میں واپس آ جانا ہے۔ عید کا پیغام ہے کہ مسلمان نئی ایمانی قوت اور نئے امکانات کی روشنی میں از سرِ نو زندگی کی جدوجہد میں داخل ہوں، ان کا سینہ اللہ کے نور سے وشن ہو، ان کی مسجدیں اللہ کے ذکر سے آباد ہوں۔

عیدالفطر دراصل بہت سی خوشیوں کا مجموعہ ہے: ایک رمضان المبارک کے روزوں

کی خوشی، دوسری قیام شب ہائے رمضان وتراویح کی خوشی، تیسری نزول قرآن، چوتھی لیل القدر اور پانچویں اللہ تعالی کی طرف سے روزہ داروں کے لیے رحمت و بخشش اور عذاب جہنم سے آزادی کی خوشی۔ یہی وہ وجوہات ہیں جن کی بنا پر اسے مومنوں کے لیے خوشی کا دن قرار دیا گیا ہے۔

اسلام ایک مکمل دین اور کامل ضابطہ حیات ہے، جس کے خوشی غمی کے طور طریقے بھی اپنے ہیں، تاکہ اس دین کے ماننے والوں کی انفرادیت قائم رہے۔ الحمدللہ! حدیث کے الفاظ میں: یہ ایسا واضح دین ہے جس کے دن اور رات برابر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے عید کی خوشی منانے میں بھی اپنے نام لیواؤں کو بے مہار نہیں چھوڑا، بلکہ عید کی ابتدا سے لے کر انتہا تک اس پر مسرت تہوار کو حضور اقدس ﷺ کی سنتوں سے لبریز فرمادیا۔ خوشی کی خوشی عبادت کی عبادت۔ عید کی سنتیں ملاحظہ فرمایئے!

نماز عید کی تیاری کے سلسلے میں اپنے ناخن تراشیں، مسواک کریں، غسل فرمائیں، نئے کپڑے ہوں تو وہ پہنیں یا دھلے ہوئے اچھے کپڑے زیب تن فرمائیں، خوشبو لگائیں۔ مرد حضرات فجر کی نماز محلے کی مسجد میں باجماعت ادا فرمائیں اور کوشش کریں کہ عید گاہ جلد پہنچ جائیں۔ عیدالفطر کے دن کچھ کھا کر نماز کے لیے تشریف لے جائیں، گر کھجوریں دستیاب ہوں تو طاق عدد میں کھجوریں کھالیں

یا پھر اور کوئی میٹھی چیز بھی کھا سکتے ہیں۔ایک راستے سے جائیں اور دوسرے راستے سے واپس آئیں تاکہ اس طرح مختلف راستے آپ کی عبادتوں کے گواہ بنتے جائیں۔آتے جاتے تکبیرات تشریق (اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد) پڑھتے رہیں، جن میں اللہ تعالی کی کبریائی کا اظہار اور اپنی بندگی کا اقرار ہے۔سب سے اہم کام جو نماز عید سے پہلے کر لینا سنت ہے۔ وہ فطرانے کی ادائیگی ہے۔ (موطا امام (مالک،فتح الباری،اروا الغلیل

الحمدللہ! تمام تر تنزل وادبار اور دینی تعلیمات کے سلسلے میں سستی،تساہل و تکاسل کے باوجود بھی اکثر مسلمانوں کی عید میں اسلامی اسپرٹ کی جھلک موجود ہے۔ عید میں اسلامی اسپرٹ کیا ہے؟ اللہ تعالی کو یاد کرنا اور اس کا شکر بجالانا، اپنی خوشیوں کے ساتھ لوگوں کی خوشیوں میں شریک ہونا،اپنے مقصد کو حاصل کرتے ہوئے دوسروں کے حقوق ادا کرنا اور اس بات کے لیے عمل کرنا کہ اللہ کی دنیا ساری انسانیت کے لیے خوشیوں کا محور بن جائے۔

چناں چہ ایک ماہ روزہ دارانہ زندگی گزارنے کے بعد مسلمان عیدالفطر کے دن آزادی کے ساتھ کھاتے پیتے ہیں۔ اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے دو رکعت نماز عید اجتماعی طور پر پڑھتے ہیں۔ نماز عید کے بعد مسلمان ایک دوسرے سے گلے ملتے ہیں،ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے اور اپنی کوتاہیوں،زیادتیوں اور غلطیوں کی

معافی طلب کرتے ہیں۔ صدقہ وخیرات کے ذریعے معاشرے کے پسے ہوئے طبقات کی مدد کرتے ہیں۔ یہ سب چیزیں عید کی اسپرٹ کوظاہر کرتی ہیں۔

آیئے !آخر میں شعب الایمان میں درج اس حدیث مبارکہ پر غور کرتے ہیں، جس میں ہمارے لیے بڑی خوش خبریاں ہیں:

اللہ کے حبیب ﷺ نے ارشادفرمایا: جب عیدالفطر کی رات ہوتی ہے توآسمانوں میں اس کا نام انعام کی رات رکھاجاتا ہے اورجب عید کی صبح ہوتی ہے تو اللہ رب العزت فرشتوں کو تمام شہروں کی طرف بھیجتے ہیں، وہ زمین پر اتر کر تمام گلیوں کے سروں پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور ایسی آواز سے، جس کو جن وانس کے سوا ہر مخلوق سنتی ہے، پکارتے ہیں کہ اے امتِ محمدیہ ﷺ !اس ربِ کریم کی بارگاہ کی طرف چلو، جو بہت زیادہ عطا کرنے والا ہے اور بڑے سے بڑے قصور کو معاف فرمانے والا ہے، پھر جب لوگ عیدگاہ کی طرف نکلتے ہیں تو حق تعالی شانہ فرشتوں سے دریافت فرماتے ہیں: کیا بدلہ ہے اس مزدور کا جو اپنا کام پورا کرچکا ہو؟وہ عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے معبود اور مالک ! اس کا بدلہ یہی ہے کہ اس کو اس کی مزدوری پوری پوری ادا کر دی جائے، تو اللہ تعالی ارشادفرماتے ہیں: اے فرشتو! میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان کو رمضان کے روزوں اور تراویح کے بدلہ میں اپنی رضا اور مغفرت عطا کر دی۔

(بروایت امام بیہقی)

سچ پوچھیے ! حقیقت میں عید صرف ان لوگوں کی ہے جنہوں نے رمضان المبارک کے دنوں کو روزے وتلاوت اور راتوں کو تہجد وتراویح اور آہ سحر گاہی سے مزین رکھا۔روزہ خوروں اللہ کے چوروں سے معذرت کے ساتھ۔حدیث کا یہی فیصلہ ہے۔عید کے موقع پر فیشن اور تفریح، فنکشنوں اور پارٹیوں کی آڑ میں اللہ تعالی کے غضب کو دعوت دینے والے اللہ تعالی کی پکڑ سے ڈریں۔شریعت نے عید کاآغاز نماز وسنتوں سے کرکے ہمیں یہی درس دیا ہے کہ ایک مسلمان خوشی کے موقعوں پر بھی اسلام سے آزاد نہیں ہوسکتا۔اللہ تعالی ہمیں ان خوش قسمتوں میں شامل فرمائے جن کے لیے حدیث بالا میں مژدہ رضا ومغفرت سنایا گیا ہے۔آمین۔

شاہ جی کی شخصیت کے چند پہلو

سید عطاء اللہ شاہ بخاری پٹنہ صوبہ بہار بھارت میں حافظ ضیاء الدین کے گھر پیدا ہوئے، آپ کے دادا کا نام سید نورالدین احمد تھا،آپ کا سلسلہ نسب چھتیسویں پشت میں شہید کربلا حضرت حسین سے جا ملتا ہے۔آپ کو اپنے نانا سے جذبہ حق گوئی و بے باکی اور جوشِ خطابت وراثت میں ملا تھا،جس کا اندازہ حضرت شاہ جی کی زبانی اس واقعے سے کیا جا سکتا ہے،اپنے ابتدائی ایام کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

'' ایک مرتبہ گھر والوں نے مجھے ایک روپیہ دے کر بازار سے آٹا لانے کو کہا،میں بازار گیا،راستے میں ایک جگہ انگریز کے خلاف جلسہ ہو رہا تھا اور انگریز کے خلاف خوب خوب بیانات ہو رہے تھے ،مجھے بھی خوشی ہوئی،اسٹیج سیکرٹری سے وقت مانگا تو اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ تم بچے ہو۔جب میں نے مسلسل اصرار کیا تو اس نے میری معصومانہ ضد و پیہم اصرار کو دیکھتے ہوئے صرف پانچ منٹ تقریر کرنے کی اجازت دی، چناں چہ میں نے انگریز کے خلاف خوب زوردار جذباتی تقریر کی۔پانچ منٹ ختم ہونے پر جب میں اسٹیج سے اُترنے لگا تو لوگوں نے اصرار کیا کہ اس بچے کو مزید موقع دیا جائے، چناں چہ پون گھنٹہ میری تقریر جاری رہی ،اس تقریر کا انگریز سرکار پر یہ اثر ہوا کہ اسٹیج سے اترتے ہی مجھے گرفتار کیا گیا۔مجسٹریٹ بھی پولیس کے ساتھ تھا،اس نے ایک ماہ کی سزا لکھ دی

'''اور یہ میری پہلی سزا تھی۔

آپ نے ابتدائی اور حفظِ قرآن مجید کی تعلیم اپنے نانا سے حاصل کی اور قرأت کی تعلیم عرب کے مشہور قاری سید عاصم عمر سے حاصل کی ،جب آپ پٹنہ سے پنجاب منتقل ہوئے تو راجووال میں قاضی عطاء محمد کے مدرسے میں کچھ عرصہ تک زیر تعلیم رہے اور پھر ۱۹۱۴ء کو امرتسر تشریف لے گئے اور وہاں ممتاز عالم دین و مفسر قرآن حضرت مولانا نور احمد امرتسری سے قرآن مجید کی تفسیر پڑھی اور فقہ و اصول فقہ کی تعلیم دارالعلوم دیوبند کے چشم وچراغ حضرت مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی سے حاصل کی، جبکہ حدیث کی تعلیم برصغیر کے مشہور عالم دین اور ملک کی عظیم دینی درس گاہ جامعہ اشرفیہ لاہور کے بانی حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری سے حاصل کی۔

دنیائے خطابت کے مہر منیر، شہنشاہ خطابت ،امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا شماران علمائے حق اور اولوالعزم انسانوں میں ہوتا ہے جنھوں نے ساری زندگی تحفظ ختم نبوت ،اسلام کی نشرواشاعت ،دعوت و تبلیغ ،رد قادیانیت ،تردید باطل ،احقاق حق اور انگریز و استعماری طاقتوں کے خلاف جدوجہد میں گزاری ،آپ برصغیر کے عظیم خطیب ،شعلہ بیان مقرر، تحریک تحفظ ختم نبوت کے عظیم مجاہد اور رہنما تھے۔آپ کی شخصیت کے کئی عنوان اور بے شمار گوشے ہیں، جن پر اس

مختصر کالم میں بات نہیں کی جاسکتی ،البتہ ان کی حیات عاشقانہ کے چند اہم گوشوں سے
زیر بیں قارئین کرام کو روشناس کرنے کی ہم کوشش ضرور کریں گے۔
سید عطاء اللہ شاہ بخاری ایک بہترین خطیب تھے ،آپ نے خطابت کے وہ جوہر دکھائے
کہ آج تک کوئی اس کی نظیر پیش نہیں کرسکا،شاہ جی ایک عوامی خطیب تھے،ان
کاطرز خلافت علمی وادبی چاشنی سے بھرپور ہونے کے باوجود عوام میں اس قدر مقبول
تھاکہ نمازِ عشاکی ادائی کے بعد جو مجمع شاہ جی کی تقریر کے سحر میں
جو کھوجاتا تھا،تواذانِ فجر تک مجمع یوں ہمہ تن گوش رہتا تھاکہ کسی چہرے پر تھکن
کااحساس ہوتا تھااور نہ ہی کسی زبان پر کوئی شکوہ،بل کہ مجمع چاہتا تھاکہ شاہ جی یوں ہی
بولتے ،بل کہ موتی رولتے رہیں،اور وہ ان سے یوں ہی عشق رسالت وحبِ صحابہ
واہل بیت رضی اللہ عنھم کی دولت سے اپنادامن بھرتا رہے۔غیر منقسم ہندوستان ا
ور پاکستان کاشاید ہی ایسا کوئی شہر یا قصبہ ہو،جہاں آپ نے اپنی سحر آفرین خطاب ،شریں
بیانی اور ہنگامہ خیز انقلابی تقریروں سے لوگوں کے سوتے ہوئے جذبات اور غافل دلوں
کو نہ گرمایا ہو۔آپ نے ہندوستان وپاکستان کے کونے کونے میں اسلام کا علم
بلند کیا،انگریز سامراج کے خلاف آپ کی زبان سے الفاظ نہیں بلکہ آگ کے شعلے نکلتے
تھے ،جس نے انگریز سامراج کی نیندیں حرام کررکھی تھیں ،آپ کا لہجہ اور موقف انگریز
سامراج کے خلاف بہت ہی سخت تھااور آپ کا ہر ہر جملہ انگریز سامراج کے محلات کی
درودیوار کو صاعقہ آسمانی بن کر لرزادیتا تھا۔آپ کا انداز خطابت نہایت نرالااور دل
نشین تھا،آپ کی زبان سے

نکلنے والے الفاظ لوگوں کے دلوں پراس قدر اثرانداز ہوتے تھے کہ لاکھوں کا مجمع آپ کی
ایک آواز پر دینِ اسلام اور تحفظِ ختم نبوت کیلئے جان کی بازی لگانے تک کے لیے
تیار ہو جاتا تھا۔جس کی ایک واضح مثال غازی علم دین نامی گاڑی بان کا راج پال جیسے
بااثر گستاخ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو واصلِ جہنم کرنا بھی ہے۔ان کی خطابت
پر بلا مبالغہ ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کا مصداقِ اتم تھی اور یہ شعر ان کی خطابت پر مکمل
صادق آتا تھا

دیکھنا تقریر کی لذت، کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ سمجھا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں تھا

شاہ جی کی شخصیت کا ایک حوالہ ان کی روحانی عظیم نسبت بھی تھی، وہ ایک سچے
عاشقِ رسول اور ایک عالمِ ربانی تو تھے ہی، ساتھ ہی وہ ایک عارفِ ربانی بھی تھے،آپ
حصولِ علومِ ظاہری سے فارغ ہونے کے بعد تزکیہ باطن کی طرف متوجہ ہوئے، چناں
چہ سب سے پہلے ولی کامل حضرت مولانا پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی سے اصلاحی تعلق
قائم کیا اور آپ کی خدمت اقدس میں تصوف وسلوک کی منازل طے کیں ۔ حضرت
مولانا پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی انتہائی نیک ، عابد اور متقی و پرہیزگار انسان تھے،آپ جب
حضرت مولانا پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی کے مرض الوفات میں حاضر خدمت ہوئے
اور عرض کی :

''حضرت کوئی نصیحت فرمایئے۔ ''

اس وقت پیر کامل حضرت مولانا سید مہر علی شاہ گولڑوی عالم جذب میں تھے ، صرف اتنا فرمایا:

اتباع شریعت رکھیے'' ۔ پیرو مرشد کی اس نصیحت پر اس قدر عمل کیا کہ خود آپ'' کو ''امیر شریعت ''کالقب دیا گیا،اور آج تک دنیا آپ کو ''امیر شریعت ''کے نام سے جانتی اور یاد کرتی ہے ۔ حضرت مولانا پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی کی وفات کے بعد آپ نے حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری سے تجدید بیعت کی اور خلافت سے سرفراز ہوئے، پیر کامل حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری آپ سے بہت ہی زیادہ محبت کرتے تھے۔

آپ تقسیم ہند کے حق میں نہیں تھے ،جس کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی تھی کہ ان کا کہنا تھا جس انگریز کو ثالث مقرر کیا جا رہا ہے ، وہ قابلِ اعتماد نہیں،اس لیے وہ ایسی ڈنڈی مارے گا کہ دونوں ملک مسلسل لڑتے بھی رہیں اور اندرونی و بیرونی عدمِ استحکام کا شکار ہو کر نتیجتاً اسی انگریز سامراج کے دست نگر ہو جائیں۔ان کی اس رائے سے اختلاف بھی کیا گیا اور نتیجہ بھی اس کے خلاف نکلا اور دو ملک بن گئے ، لیکن اب جوں جوں ماہ وسال گزرتے جا رہے ہیں مبصرین ان کی سیاسی بصیرت کا اعتراف کرتے ہوئے تسلیم کرتے ہیں کہ واقعی ! شاہ جی سیاسی بصیرت میں اعلیٰ درجے پر فائز تھے،چناں چہ اس وقت آپ نے جن جن خدشات کا اظہار کیا تھا، قیام پاکستان کے بعد وہ تمام خدشات ایک ایک کر کے درست ثابت ہوئے۔اس مردِ قلندر نے

اس وقت فرمایا تھا: انگریز تمہارے درمیان فساد برپا کرکے جائے گا۔آج ہم اگر اپنے اردگرد نظر ڈال کر دیکھیں تو ہم باوجود ایک آزاد و خود مختار اور ایٹمی طاقت کا حامل ملک ہونے کے باوجود گورے انگریز کے محتاج ہیں۔اس کی ڈکٹیشن ،قرض اور ایڈ ہماری ضرورت بن چکی ہے اور ہمارا بال بال قرضوں میں جکڑا ہوا ہے۔جس کی ایک نقد قیمت ہم یہ بھی چکا رہے ہیں کہ ہمارے فیصلے اب بھی ان کے اشارہ آبرو پر ہوتے ہیں ،دوسری طرف شاطر ثالث نے تقسیم ہند کے وقت جو مسئلہ اور معاملہ مسئلہ کشمیر کی صورت میں لاینحل چھوڑا ہے وہ آج تک حل نہیں ہو سکا،یہ ایک خونی لکیر ہے جس کو عبور کرنے کی خاطر لاکھوں جانوں، عصمتوں کی قربانیاں دی جا چکی ہیں اور جانے اس شبِ تاریک کی سحر ہم سے اور کتنی قربانیاں مانگتی ہے۔

آپ کی شخصیت کا ایک اور عنوان تبلیغی مساعی کا بھی ہے،آپ کی مساعی جمیلہ سے ہزاروں ہندو،بدھ مت کے پیروکار اور عیسائی حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔اس حوالے سے ہم آپ کی زندگی کے صرف ایک واقعے کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں،جس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ وہ حسنِ اخلاق اور عجز و انکساری کے کس اعلیٰ مقام پر فائز تھے:

یہ 1939ء کا واقعہ ہے،آپ مجلس '''احرار اسلام'' لاہور کے دفتر میں تشریف لائے، جب آپ نیچے سے اوپر جانے لگے تو اس وقت بھنگی گندگی لے کر اوپر دفتر سے نیچے کی طرف آرہا تھا۔سیڑھیوں کے درمیان شاہ جی سے سامنا ہوا،سیڑھیاں تنگ تھیں اس لیے بھنگی سمٹ کر دیوار کے ساتھ لگ گیا تاکہ آپ آسانی سے گزر سکیں۔جب

اللہ کے ولی کی نظراس بھنگی پرپڑی تواس سے کہا: یہ ٹوکری نیچے رکھ لواوراوپرآجائواور میری ایک بات سن جائو۔

بھنگی ٹوکری نیچے رکھ کراُوپرچلاآیااورآپ سے کہاکہ میرے لیے کیاحکم ہے؟

آپ نے کہا: یہ صابن لواورمنہ ہاتھ دھوکر میرے پاس آجائو، چناں چہ اس نے ایساہی کیا،آپ نے اسے اپنے پاس بیٹھایا، کھانامنگوایااورایک لقمہ توڑکرسالن میں ڈبویااوراس کے منہ میں ڈال دیا۔ پھراس سے کہا: میاں ایک لقمہ توڑکرسالن لگائواور میرے منہ میں ڈالو۔ بھنگی بڑی حیرانی سے آپ کی طرف دیکھنے لگا،آپ نے اس سے کہا: بھائی انسان ہونے کے ناتے آپ میں اور مجھ میں کوئی فرق نہیں ، گندگی اُٹھاناتمھاراکام ہے، سوتم اس مکان کی گندگی صاف کررہے ہو،جب کہ میں پوری قوم کی گندگی صاف کررہاہوں۔ یہ پیار بھرے جملے سنے تواس کی ہمت بڑھی اوراس نے لقمہ اُٹھایااورآپ کے منہ میں ڈال دیااورآپ سے کہا: شاہ جی ! یہیں بیٹھے رہیں، میں تھوڑی دیربعدحاضرہوتاہوں۔

اس کے بعدوہ اپنے گھرگیااوربیوی بچوں کوساتھ لے کرشاہ جی کی خدمتِ اقدس میں آیااورکہنے لگا: شاہ جی ! اگریہی اسلام ہے توپھرہم سب کومسلمان کردو، چناں چہ آپ نے ان کوکلمہ پڑھایااورمسلمان کیا،جب وہ مراتواس کاجنازہ بھی دفترسے اُٹھایاگیا۔ یہ تھے ہمارے اکابرجنھوں نے اپنے قول وفعل کے ذریعے نہ صرف مسلمانوں کی رہنمائی کی بلکہ ان کے اعلیٰ اخلاق کودیکھ کرغیرمسلم

خود بخود دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتے تھے۔

کیا تھے آباء وہ تمھارے اور تم کیا ہو

افسوس ! اس جدید اور روشن خیال دور میں، جب کہ اکابر کا سایہ ہم سے اُٹھ چکا ہے، ایسے واقعات تو در کنار بلکہ ہمارے اقوال اور اخلاق و کردار کو دیکھ کر ہمارے اپنے مسلمان ہی ہم سے نہ صرف بد ظن ہو رہے ہیں بلکہ وہ ہم سے روز بروز دور ہوتے جا رہے ہیں۔بقول شاعر ہمارا تو یہ عالم ہے

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود

یہ مسلماں ہیں جنھیں دیکھ کر شرمائیں یہود

ہمیں چاہیے کہ ہم جن اکابر کو اپنا امام پیشوا اور مقتدا تسلیم کرتے ہیں، ان کے نقش قدم پر چل کر نہ صرف مسلمانوں کی راہ نمائی کا حق ادا کریں بلکہ اپنے اخلاق و کردار کے ذریعے غیر مسلموں کو بھی متاثر کریں تاکہ وہ بھی آغوش اسلام میں داخل ہو جائیں ، اخلاق حقیقتاً بڑا ہتھیار ہے، جس سے دلوں کو فتح کیا جا سکتا ہے۔

آپ کی زندگی کا ایک اور درخشاں عنوان رد قادیانیت و مرزائیت اور تحفظ ختم نبوت ہے، اس سلسلے میں حضرت شاہ جی کی خدمات محتاج بیان نہیں، اب تک دشمن شاہ جی کی للکار اور ان کی فکری یلغار سے لرزاں و ترساں ہے، ہم ان کی خدمات کو اس ایک جملے میں سمونا چاہتے ہیں: شاہ جی نے بلاشبہ قایانیت و مرزائیت کا ناطقہ

بند کردیا تھا۔

آپ نے ساری زندگی دین اسلام کی خدمت میں گزاری اور بالآخر آپ 21 اگست 1961 ۔ بمطابق 9 ربیع الاول ۱۳۸۱ھ کو اس دارفانی سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے رخصت ہوگئے اور یوں ہم دنیائے خطابت کے اس مہرِ منیر، امت مسلمہ کے عظیم مجاہد اور راہِ طریقت کے عظیم راہ نما سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے محروم ہوگئے۔

!! جنرل صاحب! ایک آپریشن فرقہ واریت کے خلاف بھی

وطن عزیز پاکستان میں دہشت گردی اور دہشت گردوں کے خلاف فائنل راؤنڈ کھیلا جارہا ہے، یہ کام ہمارے جمہوری حکم ران اپنی جمہوری مجبوریوں کی وجہ سے کبھی نہیں کر سکتے تھے، جو آج مسلح افواج کریا کرارہی ہے۔اس کے روح رواں چیف آف آرمی اسٹاف جنرل راحیل شریف ہیں، جن کی رگوں میں دوڑنے والا خون ملی و دینی غیرت کی وجہ سے جوش ماررہاہے، میجر راجا عبدالعزیز بھٹی کے بھانجے اور میجر شبیر شریف کے بھائی میں یہی اوصاف ہونے بھی چاہییں، جو اللہ تعالیٰ کی عطا سے جنرل راحیل شریف میں موجود ہیں۔ جنرل صاحب یقیناًایک طویل عرصے سے دہشت گردی اور دہشت گردوں کے نیٹ ورک، پشت پناہوں، سپورٹرز اور اسپانسرز کے حوالے سے ہوم ورک کیے بیٹھے تھے، جس کے لیے کسی مناسب وقت کے منتظر تھے، جو پشاور کے آرمی پبلک اسکول میں کھیلے جانے والے گھناؤنے کھیل کی صورت میں مل بھی گیا،اس سے نہ صرف آپریشن ضرب عضب کو مہمیز ملی، بل کہ اس کا دائرہ بھی شمال کے پہاڑوں کے مکینوں سے وسیع وعریض قلعوں، محلات اور بینک بیلنس والوں تک پھیل گیا۔ جنرل صاحب نے اپنی حکمت عملی اور حب الوطنی سے ایک طرف تو بلوچستان کے عوام سے اپنائیت سے بات کی اور ''میں تمھیں وہاں سے ہٹ کروں گا کہ تمھیں پتا بھی نہیں چلے گا'' کی قبیل کے فوجی لہجے سے گھائل ان احساس محرومی کی چکی میں پستے عوام کی سماعتوں سے جب محبت

سے بھرپور یہ لہجہ ٹکرایا کہ آپ کی محرومیوں کا ازالہ کیا جائے گا،آپ کے حقوق کا تحفظ کیا جائے گا،تو دل سے نکلی یہ بات ان کے دلوں کو بھی یوں ہی مسخر کرنے میں کامیاب ہو گئی ، جس طرح اس سے قبل قبائل کے کئی ہتھیار بند کمانڈروں کو کر گئی تھی۔ شہر قائد کی حالت دو دہائیوں سے دگرگوں تھی ، یہاں بھی پورے ہوم ورک کے ساتھ عین فساد کے مراکز پر نشتر کاری کی گئی ، جو قابل اصلاح تھے ، وہ رام ہو گئے اور جو ''بغل میں چھری منہ میں رام رام'' والے ہندو بنیے کے راتب پر پلتے تھے ،ان کے کس بل بھی نکال گئے ،اللہ کرے یہ ایکشن اپنے منطقی انجام کو پہنچے ، جس کی قوی امید ہے ، مگر قائم علی شاہ کی نواز علی شاہ سے ملاقاتیں ، یوسف رضا گیلانی کے وکٹری کے نشانات اور بڑے زور چھوٹے زرداری صاحبان کی انتقامی کارروائی والی باتیں اس حوالے سے تھوڑے شکوک ضرور پیدا کر رہی ہیں۔ امید ہے میجر جنرل بلال اکبر اسی طرح جذبہ بلالی کے ساتھ سیف ہاؤسز کا تعاقب جاری رکھیں گے اور ''غریبوں کی ماں کراچی'' کو دہشت کی آماج گاہ بنانے والوں کی تمام سازشیں اسی طرح ناکام ہوتی رہیں گی۔

بیرونی راتب پر پلنے والوں کے بعض ایجنڈے ایک سے بھی ہوتے ہیں ،ان میں دینی مدارس کی کردار کشی اور مدارس کو دہشت گردی کے اڈے اور دہشت گردوں کی آماج گاہ کہنا بھی شامل ہے ، بلکہ اس ''کار خیر'' میں تو یہ سب ایک سے ایک بڑھ کر حصہ لیتے ہیں ، کہ اس کے دام بہت اچھے ملتے ہیں۔ جنرل صاحب نے حکومت کو اندرونی خوف سے

نکالتے ہوئے سوا سال قبل نیشنل ایکشن پلان اور تحفظ پاکستان آرڈیننس منظور کرایا، جس کی کارکردگی بلاشبہ تیز بل کہ تیز تر رہی، جس کا ایک اندازہ صرف اس بات سے لگایئے کہ ایک رپورٹ کے مطابق ماہ گزشتہ میں کراچی میں سب سے زیادہ ہلاکتیں پولیس مقابلوں کے نتیجے میں ہوئیں، ہزاروں افراد پس دیوار زنداں ڈالے گئے، پولیس نے موقع غنیمت جان کر خوب دیہاڑی بنالی، بہت سے چور ''چور چور'' کی صدا لگا کر بچ نکلنے میں کامیاب ہوگئے، مجرموں کے لیے بنائے جانے والے قانون میں بے گناہ بھی رگڑے میں لائے گئے، صرف لاؤڈ اسپیکر ایکٹ پر عمل درآمد کی تیزی کی ایک مثال ملاحظہ فرمایئے کہ ''صحیفہ اہل حدیث'' نامی ہفت روزہ کے ایڈیٹر کے خلاف نماز جمعہ میں اشتعال انگیز تقریر کا مقدمہ جس تاریخ کا بنایا گیا، وہ بجائے جمعہ کے بدھ کا دن تھا اور موصوف جن پر کراچی میں بیان کا یہ مقدمہ درج ہوا، اس روز لاہور میں تھے۔ایسے ایک دو نہیں درجنوں لطیفے سامنے آئے۔

این جی اوز نے اپنے دام کھرے کرنے کے لیے پوری کوشش کی کہ اس کا رخ دینی مدارس کی جانب پھیرا جائے، اور وہ اس میں کافی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔مدارس میں چھاپے، تلاشیاں، طلبہ واساتذہ کو ہراساں کرنے اور گرفتاریوں کا گویا ایک سلسلہ شروع ہوگیا، جو تھمنے میں نہ آتا تھا۔اہل مدارس کو مشتعل کرنے کے لیے رجسٹریشن کے پراسس کو نہ صرف مشکل بنادیا گیا بل کہ اس میں ایسے ایسے سوالات ڈالے گئے

جن کا کوئی جواز نہیں بنتا تھا۔اہل مدارس کا یہ صبر ہی تھا کہ بالآخر جنرل صاحب نے، حکومتی قیادت اور مدارس نمایندگان کو ساتھ بٹھایا، دونوں طرف کی باتیں سنیں، حکومتی اہل کاروں کی من مانیوں پر سرپیٹ کر رہ گئے۔ جلتی پر تیل ڈالنے والی این جی اوز کی گردن ناپنے کا بھی فیصلہ ہوا۔وزیر داخلہ چوہدری نثار علی خان کی پریس بریفنگ اور تنظیمات مدارس کے قائدین بالخصوص مولانا قاری محمد حنیف جالندھری اور مولانا مفتی منیب الرحمٰن کے قومی اخبارات میں شایع ہونے والے کالموں میں اس سلسلے میں تمام تفصیلات آچکی ہیں۔ نصاب کی اصلاح کا فیصلہ ہو، مدارس کی رجسٹریشن آسان بنانے کا معاملہ ہو، یکساں نصاب رائج کرنے کی بات ہو یا اشتعال انگیزی پھیلانے والوں کے خلاف کارروائی ، تمام معاملات کا افہام و تفہیم سے حل ہو جانا ایک بہت بڑی پیش رفت ہے۔امید ہے یہ خلیج جو این جی اوز کی محنت سے حائل ہوئی ہے، اب دور ہو جائے گی۔

جنرل صاحب کے ان اقدامات اور شریف حکومت کے ان پر عمل درآمد سے ملکی مسائل ان شاء اللہ بڑی حد تک حل ہو جائیں گے، ہم سمجھتے ہیں کہ ان تمام اقدامات کے ساتھ جنرل صاحب ایک قدم اور بھی اٹھائیں۔ وہ ہے ملک سے فرقہ واریت کے عفریت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ۔اس مسئلے کے حل اور خاتمے کے لیے ماضی میں کئی قابل قدر کوششیں ہوئی ہیں اور حسن اتفاق ، کہ ہوئی بھی میاں محمد نواز شریف کی حکومتوں میں، ان میں مولانا عبدالستار خان نیازی کی سربراہی میں بننے والی

کمیٹی،ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم کی سربراہی میں بننے والی کمیٹی، سپریم کورٹ کے اس وقت کے چیف جسٹس (ر) جسٹس سید سجاد علی شاہ کا سوموٹو ایکشن وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ان کی فائلوں میں دبی کارگزاریوں کی روشنی میں اہل سنت والجماعت اور اہل تشیع کی قیادت اور دونوں فرقوں کے غیر جانب دار اہل علم کو بٹھاکر اس مسئلے کے اصل اسباب و عوامل کا جائزہ لینے،ان کا تجزیہ کرنے،ان میں اندرونی وبیرونی رول کی نشان دہی کرنے،اس کی حوصلہ شکنی کرنے اور فساد وجدال کا باعث بننے والے جملہ امور، جن میں اشتعال انگیز تقاریر، بیانات، کتب، لٹریچر وغیرہ سب ہی شامل ہے، کو زیر بحث لانے اور اس پر پابندی عاید کرنے کی ضرورت ہے۔ہم سمجھتے ہیں کہ سیاست دان کبھی بھی یہ مسئلہ حل نہیں کرنا چاہتے، کیوں کہ ان کی بقا کا مدار اس پر ہے کہ قوم مختلف ایشوز پر لڑتی رہے،اور وہ حکومت کرتے رہیں۔اگر جنرل راحیل شریف صاحب اس جانب بھی پیش قدمی فرمائیں ،تو ان کا اس دکھی قوم پر احسان عظیم ہوگا۔ویسے بھی محرم الحرام قریب ہے اور ضلعی وصوبائی سطح پر ابھی سے محرم میں امن وامان کے قیام کے پلان مرتب ہونے شروع ہوچکے ہیں، جن کا حشر قوم ماضی میں دیکھ چکی ہے، سانحہ راول پنڈی کوئی زیادہ پرانی بات نہیں۔بیوروکریسی میں بیٹھے حکومتی کل پرزے اب بھی اسی نوع کی ڈنگ ٹپاؤ پالیسیاں ترتیب دیں گے، جن سے فائدے سے زیادہ نقصان ہوتا رہا ہے۔تو جنرل صاحب! بسم اللہ کیجیے! ایک آپریشن ضرب عضب فرقہ واریت کے خلاف بھی ہونا چاہیے۔

حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ

18 ذی الحجہ یوم شہادت

☆☆☆☆☆☆

صحابی رسول ۔۔ خلیفۂ راشد۔۔۔ذوالنورین ۔۔۔ شہید مدینہ ۔۔۔ حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ

فضائل ۔۔۔۔ سیرت ۔۔۔۔ دورِخلافت ۔۔۔۔ شہادت

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سرکارِدوعالم کے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنھم میں سے ہیں۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی تعریف اور ان کے مقام کے حوالے سے کچھ عرض کریں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی تعریف:

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم ان مقدس ہستیوں کو کہا جاتا ہے جنھوں نے حالتِ ایمان میں حضور اکرم اکی صحبت (اگرچہ ایک لمحہ کے لیے ہو) پائی اور ان کی وفات بھی حالتِ ایمان پر ہوئی ہو۔ (مقدمہ ابن الصلاح، نخبۃ الفکر، اسد الغابہ)

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کا مقام:

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم جس مقدس گروہ کا نام ہے وہ امت کے عام افراد کی

طرح نہیں، بلکہ وہ رسول ا اور امت کے درمیان ایک مقدس واسطہ ہونے کی وجہ سے ایک خاص مقام اور عام امت سے امتیاز رکھتے ہیں۔ یہ مقام اور امتیاز ان کو قرآن و سنت کی نصوص و تصریحات کا عطا کیا ہوا ہے اور اسی لیے اس پر امت کا اجماع ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سچے، عادل اور نمونہ ہدایت ہیں۔ اس اجماعی عقیدے کو تاریخ کی راویات کے انبار میں گم نہیں کیا جاسکتا۔ محققین کا قول ہے کہ اگر کوئی روایت ذخیرہ حدیث میں بھی ان کے اس مقام اور شان کے خلاف نظر آتی ہو تو اسے بھی قرآن و سنت کی نصوص واضحہ اور اجماع کے مقابلہ میں متروک تصور کیا جائے گا۔

ویسے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے مقام کو تاریخ کی روشنی میں جانچنا ایسا ہے جیسے ہیرے کا وزن لکڑی کے ٹال والے سے کروایا جائے۔ اس بات میں کوئی دورائے نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم تاریخی نہیں قرآنی شخصیات ہیں۔ اہل سنت والجماعت کا ہمیشہ سے یہ عقیدہ رہا ہے کہ بنی آدم میں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد فضیلت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنھم ہی کا درجہ ہے۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اگرچہ معصوم نہیں ہیں مگر ان سے جو بھی کام ان کے اپنے شایان شان نہیں تھے اور ان سے صادر ہوگئے تھے، وہ اللہ تعالیٰ نے معاف فرما کر انہیں اپنی رضا کا پروانہ عطا فرما دیا ہے۔ قرآن و سنت میں موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے فضائل کا تقاضا یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو تنقید کا نشانہ نہ بنایا جائے۔ بلکہ حضرات صحابہ کرام رضی

اللہ عنھم کا ذکر صرف خیر ہی کے ساتھ کیا جائے۔ اس لیے کہ ان پر تنقید نبی علیہ السلام کے تزکیۂ نفوس پر اعتراض ہے جس کا کوئی مسلمان بقائی ہوش و حواس تصور بھی نہیں کر سکتا۔

اب آیئے! تیسرے خلیفۂ راشد شہید مدینہ جامع القرآن حضرت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی سیرتِ طیبہ کے اوراق پلٹتے ہیں، کہ ان نفوسِ قدسیہ کا تذکرہ اہلِ ایمان کے ایمانی جذبات میں مزید تازگی پیدا کرتا ہے۔

:ولادت

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پیدائش عرب کے مشہور شہر مکہ معظّمہ میں ہوئی۔آپ رسول اکی ولادت (عام الفیل) کے چھ سال بعد 76ء میں پیدا ہوئے۔

:نام ونسب

عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان بن ابی العاص بن امیہّ بن عبد شمس اموی قریشی۔ (ابن (عساکر بحوالہ حضرت عثمان ذی النورین صفحہ ۲۵

:القاب

ا)آپ کا ایک لقب ذی النورین ہے۔ ذی النورین کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے نکاح میں) نبی علیہ السلام کی یکے بعد دیگرے دو شہزادیاں آئیں۔ پہلے آپ کے نکاح میں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا تھیں جب ان کا انتقال ہوگیا تو آپ انے حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہ کا نکاح آپ کے ساتھ کر دیا۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا بھی چھ سال بعد وفات پاگئیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میری چالیس (اور ایک روایت کے مطابق سو) بیٹیاں بھی ہوتیں اور وہ یکے بعد دیگرے انتقال کرتی رہتیں تو بھی میں اپنی بیٹیوں کو یکے بعد دیگر عثمان کے نکاح میں دیتا رہتا۔ آپ رضی اللہ عنہ اس شرف کی وجہ سے ذی النورین کہلاتے ہیں۔

آپ رضی اللہ عنہ کی شادی رسول اکی دو بیٹیوں سے یکے بعد دیگرے ہوئی اور اولاد آدم میں کسی شخص کو بھی یہ اعزاز میسر نہیں کہ دو بیٹیاں کسی نبی کی اس کے عقد میں آئی ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ملائے اعلیٰ (یعنی فرشتوں کے مجمع) میں ذوالنورین کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

اس کی ایک وجہ یہ بھی کہی جاتی ہے کہ آپ نے دو دفعہ ہجرت کی ایک حبشہ کی طرف دوسری مدینہ کی طرف اس لیے آپ ذی النورین کہلائے۔

۲) ایک لقب آپ کا غنی بھی ہے وجہ یہ ہے کہ حضرت عثمان غنیرضی اللہ عنہ عرب) میں سب سے زیادہ دولت مند تھے اسکے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے فیاض طبع بھی بنایا تھا چنانچہ آپ نے اپنی فیاضی اور اپنے مال و دولت سے اس وقت اسلام کو فائدہ پہنچایا (جب اس امت میں کوئی دوسرا ان کا ہمسر موجود نہ تھا۔ (حضرت عثمان ذی النورین

: حلیہ مبارک

آپ کا قد درمیانہ تھا۔ چہرے پر چیچک کے ہلکے داغ تھے۔ رنگ گندمی ہونے کے

باوجود آپ رضی اللہ عنہ حسن و جمال کا پیکر تھے۔ داڑھی گھنی اور لمبی تھی۔ اس کو زرد خضاب سے رنگین رکھتے تھے، جوڑ بڑے بڑے اور مضبوط تھے، ہڈی چوڑی تھی۔ سر پر بال گھنے اور گھونگریالے تھے۔ دونوں شانوں میں زیادہ فاصلہ تھا۔ جلد مبارک نرم تھی، دانت بہت خوبصورت تھے۔ (ابن عساکر)

حضرت عثمان غنیرضی اللہ عنہ کے فضائل:

ا) اللہ تعالیٰ نے آپ کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے۔)

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِہِمْ فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ عَلَیْہِمْ وَاَثَابَہُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا (سورۃ فتح آیت ۱۸)

ترجمہ: ''بالتحقیق اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے راضی ہوا جبکہ وہ آپ ا سے درخت کے نیچے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینے تک جہاد کرنے کی) بیعت کر رہے تھے سو اُن) کے دلوں میں جو کچھ تھا اللہ کو معلوم تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان پر اطمینان نازل فرمادیا اور ان کو لگے ہاتھ ایک فتح دے دی''۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ آیت صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی۔ جب یہ افواہ اڑی کہ قاصد رسول ا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کفار مکہ نے شہید کردیا ہے۔ اس پر حضور ا نے 1400 صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے بیعت لی۔ کہ جب تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ نہیں لیں گے واپس نہیں جائیں گے اور آپ ا نے اپنے ایک ہاتھ کو عثمان کا ہاتھ قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بیعت

پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو رضا کا پروانہ عطا فرمایا۔

اس کے علاوہ خلفائے راشدین، سابقون الاوّلون، کاتبین وحی، مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ عنھم، مجاہدین صحابہ کرام رضی اللہ عنھم، اہل بدر صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے حوالے سے جنتی آیات ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان سب کا بھی مصداق ہیں کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد ثالث اور سابقون الاولون صحابہ کرام رضی اللہ عنھم میں سے تھے۔ دوبار دین کی خاطر ہجرت فرمائی اور ہر جہاد میں بھی پیش پیش رہے۔

۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''عثمان (رضی اللہ عنہ) میری امت میں (سب سے زیادہ حیادار اور سخی ہے''۔ (ابونعیم

اس کے علاوہ بھی متعدد احادیث میں حضور اکرم ا نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حیا اور سخاوت کی تعریف فرمائی ہے۔

۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عثمان بن عفان دنیا وآخرت میں میرے (دوست ہیں۔ (ابویعلی

۴) ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے) درمیان میں تشریف رکھتے تھے آپ نے فرمایا کہ ہر شخص اپنے برابر اور دوست و ساتھی کی طرف اٹھ کر چلے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف تشریف لے گئے، ان سے بغل گیر ہوئے اور فرمایا تم دنیا وآخرت میں میرے (دوست ہو۔ (ابن ماجہ

۵) حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)
نے فرمایا ہر نبی کا ایک رفیق ہوتا ہے اور میرا رفیق جنت میں عثمان (رضی اللہ عنہ)
(ہے۔(ترمذی شریف
٦) حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ)
وسلم کو دیکھا کہ اول شب سے طلوع فجر تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے ہاتھ اٹھا
:اٹھا کر دعا کرتے رہے اور فرماتے تھے

اے اللہ ! میں عثمان (رضی اللہ عنہ) سے راضی ہوں تو بھی عثمان (رضی اللہ عنہ)
(سے راضی رہ۔(البدیہ والنہایہ جلد 7 صفحہ 212

اس کے علاوہ بھی آپ رضی اللہ عنہ کی شان میں احادیث وارد ہوئی ہیں۔

٧) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں: امت میں سب سے زیادہ صلہ)
رحمی کرنے والے اور اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرنے والے سیدنا حضرت عثمان
رضی اللہ عنہ ہیں۔

٨) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس امت میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بعد عمر)
فاروق رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں، پھر عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ پھر میں۔

٩) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہم سب سے افضل)
تھے۔

:حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سخاوت

اللہ تعالی نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خوب مال عطا فرمایا تھا اور وہ اس مال میں سے بہت زیادہ سخاوت فرماتے تھے، اس لیے اللہ کے رسول انے آپ کو غنی کا لقب عطا فرمایا۔ انکی سخاوت کے بے شمار واقعات ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

ا) جب مسلمان ہجرت کرکے مدینہ آئے تو وہاں کا پانی انھیں موافق نہیں آیا اور لوگوں کو پیٹ کی تکلیف رہنے لگی۔ شہر کے باہر میٹھے پانی کا صرف ایک کنواں تھا جس کو بئر رومہ '' کہتے تھے اس کا مالک ایک یہودی تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے '' تھے کہ کنواں خرید لیا جائے تاکہ سب مسلمان اس کا پانی استعمال کریں لیکن سوال یہ تھا اس کی قیمت کہاں سے آئے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ارشاد فرمایا کہ جو شخص بیر رومہ کو خریدے گا اس کے لیے جنت ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ہمت کی اور کنواں خریدنے کے لیے یہودی سے بات چیت کرنے گئے۔ یہودی نے کہا میں کنواں الگ نہیں کر سکتا کیوں کہ میری کھیتی باڑی اور کھانے پینے کا سب دارو مدار اس پر ہے۔ تمھاری خاطر اس کا آدھا پانی قیمت سے دے سکتا ہوں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بارہ ہزار درہم میں آدھا پانی خرید کر وقف عام کر دیا۔ ایک دن یہودی پانی لیتا اور ایک دن مسلمان لیتے۔ مسلمانوں کی باری آتی تو وہ دو دن کا پانی نکال لے جاتے۔ اگلے روز یہودی کے پاس کوئی نہ جاتا اور وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھا رہتا اس سے یہودی مجبور ہوگیا اور ان نے آٹھ

ہزار درہم مزید لیکر سارا کنواں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ فروخت کردیا۔

۲) مسجد نبوی کی توسیع کے لیے نبی اکرم ا نے ایک موقع پر فرمایا: وہ کون ہے جو فلاں مویشی خانہ کو خرید لے اور ہماری مسجد کے لیے وقف کردے تاکہ اللہ اس کو بخش دے، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بیس یا پچیس ہزار درہم میں یہ زمین کا ٹکڑا خرید کر مسجد نبوی کے لیے وقف کردیا۔

۳) شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ازالۃ الخفاء میں سالم بن عبداللہ بن عمر کی ایک روایت نقل کی ہے کہ تبوک کے سفر میں جتنی بھوک پیاس اور سواری کی تکلیف درپیش آئی اتنی کسی دوسرے غزوے میں نہیں آئی۔ دران سفر ایک مرتبہ کھانے پینے کا سامان ختم ہوگیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ نے مناسب سامان اونٹوں پر حضور ا کی خدمت میں روانہ کیا۔ اونٹوں کی تعداد اتنی کثیر تھی کہ انکی وجہ سے دور سے تاریکی نظر آرہی تھی، جس کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگو! تمھارے واسطے بہتری آگئی ہے، اونٹ بٹھائے گئے اور جو کچھ ان پر لدا تھا اتارا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا ''میں عثمان رضی اللہ عنہ سے راضی ہوں اے اللہ! تو بھی عثمان رضی اللہ عنہ سے راضی ہوجا'' یہ فقرہ حضور نے تین مرتبہ فرمایا پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنھم رضی اللہ عنھم رضی اللہ عنہ سے کہا تم بھی عثمان

(رضی اللہ عنہ کے حق میں دعا کرو۔ (ازالۃ الخفائ)

۴) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں دو بار مسجد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مزید توسیع کی، اپنی خلافت کے دوسرے سال 26ھ میں اور پھر 29ھ میں دوسری مرتبہ تراشیدہ پتھروں سے اس کی تعمیر کی، ستون پتھر کے بنوا لیے اور چھت میں ساگوان لگوایا۔ اسی طرح آپ رضی اللہ عنہ نے مسجد الحرام کی بھی توسیع و مرمت کروائی۔

۵) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہر جمعہ کو ایک اونٹ ذبح کرا کر اس کا گوشت راہ خدا) میں غربا کو تقسیم کرتے تھے۔

۶) آپ حج کے موقع پر ۸ ذیقعد کو منیٰ میں اپنی طرف سے تمام حجاج کے کھانے کی) دعوت فرماتے تھے۔

۷) آپ رمضان شریف میں اپنی طرف سے متعدد مقامات مثلاً حرم کعبہ، مدینہ) منورہ، کوفہ، بغداد وغیرہ میں کھانے کا انتظام فرماتے تھے۔

یہ تو چند ایک واقعات تھے۔ تفصیلات کے لیے بڑی کتابوں کا مطالعہ فرمائیں۔

خلافت:

جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنھم حملے میں شدید زخمی ہو گئے اور ان کے انتقال کا وقت قریب آنے لگا تو لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت سے پہلے آپ سے درخواست کی کہ اپنے بعد کسی کو خلیفہ مقرر کر دیں۔ پہلے تو آپ تیار نہ ہوئے مگر لوگوں کے زور دینے پر آپ نے چھ آدمیوں کی ایک کمیٹی بنا دی، جس کے

ارکان ہیں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ (حضرت نبی ا نے ان تمام حضرات کے جنتی ہونے کی بشارت دی ہے) شامل تھے اور فرمایا کہ ان میں کسی ایک شخص کو منتخب کرکے امیر بنالو۔ اس کے بعد حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بن اسود کو حکم دیا کہ جب مجھے دفن کرکے فارغ ہوجائیں تو ان چھ آدمیوں کو ایک مکان میں جمع کرنا تاکہ یہ اپنے آپ میں سے کسی کو امیر منتخب کرلیں۔ اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) کے بارے میں بطور خاص وصیت فرمائی کہ دوسروں کی طرح انھیں بھی رائے دینے کے لیے بلا لینا لیکن امارت سے ان کو کوئی سروکار نہ ہوگا، فیصلہ کثرت رائے سے ہوگا۔ چنانچہ ان حضرات نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو یہ اختیار دیا کہ وہ جسے چاہیں خلیفہ مقرر کردیں، انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کی ابتدا یکم محرم 24ھ مطابق 7 نومبر 644ء سے ہوئی۔ جس آزادنہ طریقہ سے بلا جبر واکراہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب خلافت ہوا اس کی مثال دنیائے اسلام میں نہ اس سے قبل اور نہ بعد میں ملتی ہے۔ آپ کو عوام نے کھلے طور پر بھی منتخب کیا۔ اور نامزد کمیٹی کے فیصلہ کی تائید کی۔ بیعت خلافت سے کسی شخص نے بھی انکار نہیں کیا بلکہ بیعت کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے

فرمایا: ''ہم نے اپنے میں سے افضل ترین شخص کی بیعت کی اور ہم نے (افضل کے انتخاب میں) کوتاہی نہیں کی''۔

دور عثمانی کے نمایاں کارنامے

۱) اسلام میں اول وقف عام مسلمانوں کے لیے بیر رومہ خرید کر کیا۔)

۲) بیت المال سے مؤذنین کے لیے وظائف کا تقرر فرمایا۔)

۳) پولیس کا محکمہ قائم فرمایا۔)

۴) تمام مسلمانوں کو ایک قرأت پر متفق کیا، اسی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ ''جامع) القران'' بھی کہلاتے ہیں۔

۵) جگہ جگہ ضرورت کے تحت سڑکیں اور پل تعمیر کرائے۔)

۶) مفتوحہ علاقوں اور ملکوں میں مساجد اور دینی مدارس قائم کیے۔)

۷) ملک شام میں سمندری جہازوں کے بنانے کا کارخانہ قائم کیا۔ جہاں لبنان کے) جنگلات سے لکڑی لائی جاتی تھی۔

۸) مدینہ کو سیلاب سے بچانے کے لیے ایک بند تعمیر کرایا۔)

۹) جگہ جگہ پانی کی نہریں نکلوائیں۔ مدینہ اور دوسرے شہروں میں نئے کنویں) کھدوائے۔ غرض تعمیرات عامہ کے پیش نظر دوسرے شہروں میں بھی سرکاری عمارتیں، سڑکیں وغیرہ تعمیر کرائیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے رفاہ عامہ کے بہت کام کرائے۔

۱۰) عرب میں اسلام سے پہلے سونے اور چاندی کے ایرانی اور رومی سکے رائج تھے۔) آنحضرت ا اور خلیفۂ اول حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے وقت میں

یہی سکے چلتے تھے۔ جب ایران فتح ہوگیا تو 18ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے ایرانی سکوں کے نمونوں پر مختلف وزن کے درہم ڈھالے گئے اور نقش میں تبدیلی کر دی گئی کسی پر لاالہ الا اللہ اور کسی پر محمد رسول اللہ اور کسی پر صرف عمر تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں جو درہم و دینار ڈھالے گئے ان کا نقش ''اللہ اکبر'' تھا۔

خلیفۂ راشد کے خلاف زیرزمین سازش

کوفہ کی ایک جماعت جس میں اشتر نخعی، ابن ذی الحبکہ، جندب، صعصعہ بن الکوار، کمیل اور عمیر بن ضابی وغیرہ خاص طور پر شامل تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ملک کی امارت اور سیاست پر صرف قریش کا حق نہیں۔ دوسرے مسلمانوں نے بھی ملک فتح کیے ہیں۔ اس لیے وہ بھی اس کے مستحق ہیں۔ اسی طرح بصرہ میں بھی ایک سازشی جماعت تھی۔ مفسدین کا سب سے بڑا مرکز مصر تھا جہاں ایک یہودی النسل عبد اللہ بن سبا نے الگ فرقہ بنایا ہوا تھا۔ یہ سب گروہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے اور بنوامیہ کے خاتمے پر متفق تھے۔ عبداللہ بن سبا نے ان سب جماعتوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت پر متحد کر دیا۔ اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ اقدام کیا کہ انھوں نے تمام گورنروں کو مدینہ منورہ میں طلب کیا اور مجلس شوریٰ بلائی گئی جس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مختصر تقریر کے بعد سب کی رائے طلب کی۔ ملک کے مختلف حصوں میں حالات کی تحقیق کے لیے وفود روانہ کیے۔ تمام ملک

میں ہس گامی اعلان جاری کیا کہ جس کسی کو گورنر سے شکایت ہو وہ حج کے موقع پر خلیفہ سے بیان کرے۔ حج سے چند دن پہلے بصرہ، کوفہ اور مصر کے فتنہ پر دازوں نے آپس میں طے کرکے اپنے اپنے شہر سے حاجیوں کے روپ میں مدینہ منورہ کا رخ کیا۔ شہر سے باہر قیام کرکے اپنے چند سرکردہ افراد کو باری باری حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ (تاریخ طبری۔ البدایہ والنہایہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مفسدین کے اجتماع کی خبر سنی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آپ ان لوگوں کو راضی کرکے واپس بھیج دیں۔ میں ان کے جائز مطالبات تسلیم کرلوں گا۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سمجھانے پر وہ واپس چلے گئے، لیکن پھر بعد میں مسلح ہو کر مدینہ میں داخل ہوگئے ان کی تعداد 500 کے قریب تھی۔ اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہ حج پر گئے ہوئے تھے۔ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنھم موجود تھے انہیں بھی خلیفۂ وقت کی طرف سے مقابلے کی اجازت نہیں تھی، بلکہ سخت ممانعت تھی۔ باغی انتقام انتقام کے نعرے لگارہے تھے۔ انھوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے خلافت سے دست برداری کا بھی مطالبہ کردیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے مفسدین سے فرمایا :

جب تک مجھ میں جان باقی ہے میں اس خلعت (خلافت) کو جو اللہ تعالیٰ نے''

مجھے پہنائی ہے خود اپنے ہاتھوں سے نہیں اتاروں گا اور حضور اکی وصیت کے مطابق میں اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک صبر کروں گا''۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خلافت سے کنارہ کشی کا مطالبہ مسترد کردیا تاکہ دستور اسلامی کی حفاظت ہوسکے، تو مفسدین نے ان کے گھر کا محاصرہ کرلیا جو چالیس روز سے زائد تک جاری رہا، اس عرصہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل خانہ کا کھانا پینا بند کردیا اور ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا، حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ کو بھی یہ چیزیں نہ لے جانے دیں۔ باغیوں نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی بھی ایک نہ سنی اور جب خلیفہ راشدکے ان ساتھیوں نے جو اس وقت قصر خلافت میں ایک بڑی تعداد میں موجود تھے، مفسدین سے جنگ کرنے کی اجازت طلب کی تو فرمایا: میں باہر نکل کر ان سے جنگ کروں تو میں وہ پہلا خلیفہ نہیں بننا چاہتا جو امت محمدی'' کی خونریزی کرے''۔

پھر فرمایا ''اگر ایک شخص کا بھی ارادہ ہو تو میں اس کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں کہ وہ میرے لیے اپنا خون نہ بہائے''۔

گورنر شام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شام چلے آنے کی درخواست بھی مسترد

کردی کہ میں دیارِ رسول کو نہیں چھوڑنا چاہتا۔
جمعرات کو آپ رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ و حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہیں اور ان سے فرمارہے ہیں:
(عثمان ! جلدی کرو ہم تمھارے منتظر ہیں۔ (البدایہ والنہایہ

:خلیفہَ راشد کی شہادت کا جاں سوز واقعہ

باغیوں کو خطرہ تھا کہ حج کے ایام ختم ہونے والے ہیں، حجاج کی واپسی کے بعد ان کے لیے اپنے مقصد کی تکمیل ممکن نہ رہے گی، چنانچہ بالآخر انھوں نے آپ رضی اللہ عنہ کے گھر پر حملہ کردیا۔ حضرت زیاد، حضرت مغیرہ اور حضرت نیار اسلمی رضی اللہ عنھم شہید ہوگئے، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، محمد بن حاطب رضی اللہ عنہ مروان اور حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ جو دروازے پر متعین تھے، مدافعت میں شدید زخمی ہوئے۔ چار باغی دیوار سے اندر کود گئے۔ اور آپ رضی اللہ عنہ پر پے درپے وار شروع کردیے۔ آپ کی بیوی نائلہ نے آگے ہاتھ کیا جس سے ان کی بھی تین انگلیاں کٹ گئیں، بالآخر بروز جمعہ بوقتِ عصر روزے کی حالت میں تلاوت قرآن کے دوران ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو انتہائی مظلومانہ طریقے سے خلیفہ ثالث جامع القرآن کامل الحیاء والعرفان حضرت سیدنا عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقریباً 84 سال کی عمر میں شہادت ہوگئی۔ شہادت کے وقت قرآن مجید کھلا ہوا تھا اور آپ رضی اللہ عنہ سورۃ بقرہ کی تلاوت فرمارہے تھے، آپ رضی اللہ عنہ کے جسم اطہر سے فواروں کی طرح نکلنے

والے خون کے پہلے قطرے کو قرآن مجید نے اپنے اندر جذب کیا اور اس آیت پر آپ کا لہو مبارک گرا: ''فسیکفیکہم اللہ'' (اور اللہ تعالیٰ تم لوگوں کے لیے کافی ہو جائے گا)

شہادت سے پہلے آپ رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ آخری کلمہ نکلا: ''بسم اللّٰہ توکلت علی اللّٰہ'' (اللہ کے نام کی برکت سے، میں نے اللہ تعالیٰ پر بھروسا کیا)۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر سن کر بڑے افسوس سے فرمایا: '' اے لوگو! اب تم پر ہمیشہ تباہی رہے گی''۔

ان کی یہ بات محض ان کے ظن و تخمین کی پیداوار نہ تھی بل کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اس بات کی نشان دہی فرمائی تھی کہ ۳۵ھ میں اسلام کی چکی گھومے گی اور یہ بھی فرمایا تھا کہ جب ایک بار مسلمانوں کے درمیان تلوار چل پڑے گی تو وہ پھر کبھی نیام میں نہ جاسکے گی۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ یا حضرت جبیر رضی اللہ عنہ بن مطعم نے نماز جنازہ پڑھائی (اور جنت البقیع کے باغ میں دفن کردیے گئے۔ (رضی اللّٰہ عنہ وارضاہ

مرادِ رسول، شہیدِ محراب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

مسلمانوں کے دوسرے خلیفۂ راشد، اعدل الاصحاب، امام
العادلین، مرادِ رسول، شہیدِ محراب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں
جن کی فضیلت کے لیے اتنا کافی ہے کہ قرآن کریم ان کی رائے کی موافقت کرتا ہے اور
سید المرسلین، خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے فرمایا: میرے بعد اگر
کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتا۔ (سنن ترمذی)

22 لاکھ مربع میل پر حکومت کرنے والے خلیفہ کی زندگی کا ایک ایک گوشہ اپنے اندر
ایسے انمٹ نقوش لیے ہوئے ہے جن کی اتباع کرنے والے بادشاہ ہوں یا رعایا سبھی
راہِ ہدایت پر گامزن ہوجاتے ہیں۔ آپ کی اطاعتِ الٰہی، اتباعِ رسول، زہد و تقویٰ،
اخلاقِ حسنہ، رعایا کی نگہبانی، یتیموں پر شفقت، غمزدوں کی غم گساری، غریبوں پر
رحم، ناداروں کی دلجوئی، بے سہاروں کے ساتھ ہمدردی، عاجزی وانکساری، احساسِ ذمہ
داری، بیت المال سے حق دار کی خیر خواہی، یادِ آخرت وغیرہ تمام ہی صفاتِ عالیہ قابلِ
تقلید ہیں۔ اس مضمون میں آپ کی بے مثال شخصیت کا مختصر سا تعارف پیش کرنے کی
سعی کی گئی ہے۔

آپ کا نام مبارک عمر ہے، دور جاہلیت اور اسلام دونوں میں آپ کا نام عمر ہی رہا، عمر کا معنی ہے آباد کرنے یا آباد رکھنے والا۔ چونکہ آپ کے سبب اسلام کو آباد ہونا تھا لہٰذا پہلے ہی سے یہ نام عطا کر دیا گیا نیز آپ کا عہد خلافت چونکہ اِسلام کی آبادی کا زمانہ ہے اس لحاظ سے بھی آپ اسم بامسمّٰی ہوئے۔

آپ کا لقب فاروق ہے۔ اس لقب کے حوالے سے حضرت علی المرتضی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم سے عرض کی گئی کہ: ہمیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے متعلق کچھ بتایئے تو ارشاد فرمایا:

حضرت عمر وہ ہستی ہیں جنہیں اللہ عزوجل نے لقبفاروق عطا فرمایا کیونکہ آپ نے حق کو باطل سے جدا کر دکھایا۔ (تاریخ ابن عساکر)

حضرت عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا سے عرض کی گئی: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو فاروق کا لقب کس نے دیا؟

انھوں نے ارشادفرمایا: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا۔ (اسد الغابہ)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت جبریل امین علیہ السلام نے فرمایا: زمین میں ان کا نام عمر اور آسمانوں میں فاروق ہے۔ (ریاض النضرہ)

آپ کی کنیت ابو حفص ہے، جس کی نسبت آپ کی صاحب زادی حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنھا کی طرف ہے، جو ام المؤمنین بھی ہیں۔ آپ کا لقب و کنیت دونوں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عطا کردہ ہیں۔ سب سے پہلے امیر المؤمنین کا لقب بھی حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو دیا گیا، اس کا پس منظر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک بار حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تو خلیفہ رسول اللہ کہا جاتا تھا جبکہ مجھے یہ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خلیفہ ہوں اور اگر یہ کہا جائے خلیفہ خلیفہ رسول اللہ تو بات لمبی ہو جائے گی۔ اس وقت حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ ہمارے امیر ہیں اور ہم مومنین ہیں تو آپ ہوئے امیر المومنین۔ آپ نے فرمایا: یہ ٹھیک ہے۔
(الاستیعاب)

آپ رضی اللہ عنہ کا نسب نویں پشت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نویں پشت میں کعب کے دو بیٹے ہیں مرہ اور عدی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرہ کی اولاد میں سے ہیں، جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عدی کی اولاد میں سے ہیں۔

آپ رضی اللہ تعالی عنہ مکہ میں پیدا ہوئے اور ان چند لوگوں میں سے تھے جو لکھ پڑھ سکتے تھے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

سخت مخالفت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا سے حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے اسلام قبول کر لیا۔ اس لے آپ کو مراد رسول بھی کہا جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالی سے دعا فرمائی تھی :

اے اللہ ! ابو جہل اور عمر بن خطاب میں سے جو آپ کو زیادہ محبوب ہو اس کے ذریعے اسلام کو غلبہ عطا فرما۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ یہ روایت بیان کرکے آگے کہتے ہیں : اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں میں سے عمر رضی اللہ عنہ زیادہ محبوب تھے۔ (سنن ترمذی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : عمر رضی اللہ عنہ نے جب سے اسلام قبول کیا تب سے ہماری طاقت و قوت میں اضافہ ہوتا گیا (صحیح بخاری)

ہجرت کے موقعے پر کفار مکہ کے شر سے بچنے کے لیے سب نے خاموشی سے ہجرت کی مگر آپ کی غیرت ایمانی نے چھپ کر ہجرت کرنا گوارا نہیں کیا۔ آپ نے تلوار ہاتھ، میں لی کعبہ کا طواف کیا اور کفار کے مجمع کو مخاطب کرکے کہا: ” تم میں سے اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہو کہ اس کی بیوی بیوہ ہو جائے اس کے بچے یتیم ہو جائیں تو وہ مکہ سے باہر آ کر میرا راستہ روک کر دیکھ لے“ مگر کسی کافر کی ہمت نہ پڑی کہ آپ کا راستہ روک سکتا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ دین میں اس قدر پختہ تھے کہ انسان کا سب سے بڑا دشمن شیطان بھی ان کے مقابلے میں آنے سے کتراتا تھا۔اسی حقیقت کے متعلق نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی ہے :اے ابن خطاب ! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ! جب کبھی شیطان کا سرِ راہ تم سے سامنا ہوتا ہے تو وہ تمھارا راستہ چھوڑ کر (دوسرے راستے پر چل دیتا ہے۔(صحیح بخاری

یہ بات بھی بہت مشہور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو موقف اختیار کرتے تھے تو اس کی تائید میں قرآن مجید نازل ہو جاتا تھا۔جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں ہے: مقام ابراہیم کو مستقل جائے نماز بنانے کی رائے،امہات المومنین کو حجاب کا حکم دینے کی رائے،بدر کے قیدیوں سے متعلق رائے کے ذریعے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے (رب سے موافقت کی تھی۔(صحیح مسلم

قرآن کریم میں بہت سی آیات طیبہ ہیں جو حضرت عمرفاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئیں اورآپ کی شان وعظمت پر دلالت کرتی ہیں۔

آپ نے جب اسلام قبول کیا اور اہل حق کی تعداد چالیس ہو گئی تو سورہ انفال کی (1) (آیت نازل ہوئی۔(معجم کبیر

ازواج مطہرات کے متعلق طلاق کی غلط خبر مشہور ہوئی تو آپ نے بارگاہِ رسالت میں رجوع کیا اور حقیقتِ حال دریافت کرکے مسجد نبوی میں اس کا اعلان کردیا

(تو سور نسا کی آیت نمبر نازل ہوئی۔ (مسلم

سورہ تحریم کی آیت نمبر میں آپ کو صالح المومنین یعنی ''نیک ایمان والے ''کہا(3)

(گیا۔ (در منثور

ایک کافر نے آپ کے ساتھ بیہودگی کی تو سور بنی اسرائیل کی آیت نمبر میں آپ کو(4)

(صبر ومعاف فرمانے کی تلقین کی گئی۔ (خازن

اسی طرح ایک دوسرے موقع پر سور جاثیہ کی آیت نمبر میں بھی آپ کو(5)

(در گزر کرنے کا حکم ہوا۔ (الکشف والبیان

(سورہ سجدہ کی آیت نمبر میں آپ کے ایمان کو بیان کیا گیا۔ (زادالمسیر (6)

جنگ بدر میں آپ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ کو قتل کیا تو سور (7)

مجادلہ کی آیت نمبر میں آپ کے دشمنانِ خدااور سول سے دوستی نہ کرنے کی گواہی دی

گئی۔ 8)) سورہ ال عمران کی آیت نمبر میں آپ کے مشیر رسول ہونے کا بیان ہے۔

(در منثور)

آپ نے بارگاہِ رسالت میں آواز کوانتہائی پست رکھ کراس بارگاہِ عرش نشان (9)

کاانتہائی ادب کیا تو سور حجرات کی آیت نمبر نازل ہوئی اور آپ کے باطنی تقوی کو بیان

)کیا گیا۔)البحر المحیط

اس کے علاوہ بھی آیات مقدسہ ہیں جو آپ کے حق میں نازل ہوئیں، تفصیل کے لیے

تفاسیر کی طرف مراجعت کیجئے۔

اسی موضوع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گواہی دیتے ہوئے فرماتے ہیں: بیشک اللہ
(تعالی نے عمر (رضی اللہ عنہ) کی زبان اور ان کے دل پر حق رکھ دیا ہے۔ (ترمذی
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرزند ارجمند ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی کچھ ایسی ہی گواہی
دیتے ہوئے کہتے ہیں: جب بھی لوگوں کو کوئی مسئلہ پیش آتا جس میں آرا مختلف ہوتیں
اور عمر رضی اللہ عنہ کوئی اور رائے پیش کرتے تو قرآن کریم انہی کی رائے کی تائید میں
(نازل ہو جاتا۔ (مسند احمد

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت
: کی طرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صاف اشارہ ایک حدیث سے یوں ملتا ہے
دوران خواب میں نے اپنے آپ کو ایسے کنویں پر پایا جس کی منڈیر نہیں تھی، اس میں
ایک ڈول تھا۔ میں نے اس کنویں سے جتنے اللہ تعالی نے چاہے ڈول کھینچے پھر اس ڈول
کو ابن قحافہ (ابوبکر رضی اللہ عنہ) نے تھام لیا۔ انھوں نے اس کنویں سے ایک یا دو
ڈول کھینچے، ان کے کھینچنے کی کمزوری کو اللہ معاف فرمائے، اس کے بعد ڈول بڑے ڈول
) میں تبدیل ہو گیا اور اس کو ابن الخطاب

رضی اللہ عنہ) نے پکڑ لیا۔ میں نے انسانوں میں کوئی مضبوط طاقتور شخص نہیں دیکھا جو عمر (رضی اللہ عنہ) کی طرح ڈول کھینچتا ہو۔ اس نے اتنے ڈول کھینچے کہ سب لوگ (جانوروں اور زمین سمیت سیراب ہو گئے۔ (بخاری

یہ حدیث سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت کی واضح دلیل ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد وہی خلیفہ راشد قرار پائیں گے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت وامامت پر نہ صرف صحابہ رضی اللہ عنھم بلکہ تمام امت مسلمہ کا اجماع ہے۔

سیدنا حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ خود بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مداح تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ان لوگوں میں کھڑا تھا جو عمر رضی اللہ عنہ کے لیے اس وقت دعا کر رہے تھے جب آپ کو چارپائی پر لٹایا گیا تھا۔ اچانک میرے پیچھے سے ایک شخص نے اپنی کہنی میرے کندھوں پر رکھی اور یوں دعا کی: ''اللہ تعالی آپ پر رحم فرمائے، مجھے اللہ تعالی سے امید تھی کہ وہ آپ کو آپ کے دونوں ساتھیوں کے ساتھ ہی جمع کر دے گا، کیونکہ میں اکثر و بیشتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ الفاظ سنا کرتا تھا "میں، ابوبکر اور عمر تھے، میں ابوبکر اور عمر نے یوں کیا، میں ابوبکر اور عمر گئے" تو اسی لیے مجھے امید تھی کہ آپ کو اللہ تعالی آپ کے ساتھیوں کے ساتھ ہی اکٹھا

کر دے گا"۔ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں : میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ علی رضی اللہ عنہ تھے جو یہ دعا کر رہے تھے۔ (بخاری)

قرآن کریم کے مطابق تمام صحابہ کرام محبت والفت اور باہمی رحم دلی میں بے مثال تھے ۔ اسی لیے حضرت عمر فاروق اور حضرت علی رضی اللہ عنہما بھی ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ شیر وشکر رہے ، غزوہ خندق کے موقع پر جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے مشہور جنگجو کافر عمر بن عبد ود کو جہنم رسید کیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرط مسرت سے ان کا سر چوم لیا۔ (کشف الغمہ)

آپ اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے : الٰہی ! مجھے اس وقت زندہ نہ رکھنا جب کوئی مشکل پیش آئے اور مشکل کشائی کے لیے حضرت علی موجود نہ ہوں۔ دوسری طرف حضرت علی المرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم کے کیا جذبات تھے ، شیعہ کتب سے ملاحظہ کیجئے :

بعد وصال جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کفن پہنا دیا گیا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے ان کے بارے میں فرمایا: مجھے روئے زمین پر اس سے زیادہ محبوب کوئی شے نہیں کہ میں اِن جیسے اعمال لے کر بارگاہِ رب العزت میں حاضر ہوں۔ (تلخیص الشافی، مطبوعہ نجف اشرف)

ایک موقع پر فرمایا: حضرت ابوبکر و حضرت عمر کا کردار نہایت عمدہ تھا اور ان دونوں نے اپنے دورِ خلافت میں امت میں عدل و انصاف قائم کیا۔ (ناسخ التواریخ)

ایک بار فرمایا: اللہ تعالی حضرت عمرؓ کے شہروں کو برکت دے۔ آپ نے کجی کو درست کیا، بیماری کا علاج، فتنہ و فساد کو پس پشت ڈالا، سنت نبوی کو قائم کیا۔ وہ دنیا سے پاک دامن رخصت ہوئے۔ انھوں نے خیر کو پالیا اور اللہ تعالی کی اطاعت و تقوی کا حق ادا کر دیا۔ (نہج البلاغہ)

تاریخ گواہ ہے کہ جس قدر فتوحات اور احکامات شرعیہ کا نفاذ آپ رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ہوا اتنا کسی اور خلیفہ کے زمانے میں نہ ہوا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصالِ پرملال کے وقت اِسلامی حکومت کا کل رقبہ تقریباً نو لاکھ ستائیس ہزار مربع میل تھا۔ خلافتِ صدیقی میں اس رقبے میں مزید دو لاکھ پچھتر ہزار ایک سو چونسٹھ مربع میل کا اضافہ ہوا اور سلطنت اسلامیہ کا کل رقبہ بارہ لاکھ دو ہزار ایک سو چونسٹھ مربع میل ہوگیا اور پھر خلافتِ فاروقی کی عظیم الشان فتوحات کی بدولت اس رقبہ میں تیرہ لاکھ نو ہزار پانچ سو ایک مربع میل کا اضافہ ہوا اور یوں پچیس لاکھ گیارہ ہزار چھ سو پینسٹھ مربع میل زمین آپ کے زیر نگیں آ گئی ۔ یہ تمام علاقہ بغیر آرگنائزڈ آرمی کے فتح کیا۔ آپ کی ان فتوحات میں اس وقت کی دو سپر پاور طاقتیں روم اور ایران بھی

ہیں۔آج سیٹلائٹ میزائل اورآبدوزوں کے دور میں دنیاکے کسی حکمراں کے پاس اتنی بڑی سلطنت نہیں ہے۔حضرت عمرفاروق رضی اللہ عنہ کے کسی ساتھی نے ان کی حکم عدولی نہیں کی، وہ ایسے عظیم مدبرومنتظم تھے کہ عین میدان جنگ میں اسلام کے مایہ ناز کمانڈر سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کومعزول کردیااور کسی کو یہ حکم ٹالنے اور بغاوت کرنے کی جراء ت نہ ہوئی۔حضرت عمرفاروق رضی اللہ عنہ نے جن علاقوں کوفتح کیا وہاں آج بھی سیدنا عمرفاروق کا نظریہ موجود ہے،دن رات کے پانچ اوقات میں مسجدکے میناروں سے اس نظریے کااعلان ہوتا ہے۔عمرفاروق رضی اللہ عنہ نے دنیاکوایسے سسٹم دیئے جوآج تک دنیامیں موجود ہیں۔آپ کے عہد میں باجماعت نماز تراویح کا باقاعدہ سلسلہ شروع ہوا،آپ کے دورمیں شراب نوشی کی سزا80 کوڑے مقرر ہوئی، سن ہجری کا اجراکیا، جیل کاتصور دیا، مؤذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں، مسجدوں میں روشنی کابندوبست کروایا، باوردی پولیس، فوج اورچھاؤنیوں کاقیام عمل میں لایا گیا،آپ نے دنیامیں پہلی بار دودھ پیتے بچوں، معذوروں، بیواؤں اور بے آسرا لوگوں کے وظائف مقررکیے۔آپ نے دنیامیں پہلی بار حکمرانوں، گورنروں، سرکاری عہدے داروں کے اثاثے ڈکلیئر کرنے کا تصور دیا۔آپ جب کسی کو سرکاری عہدے پر فائز کرتے تھے تواس کے اثاثوں کا تخمینہ لگواکراپنے پاس رکھ لیتے اوراگرعرصہ امارت کے دوران عہدے دارکے اثاثوں میں کوئی غیرمعمولی اضافہ ہوتا تواس کی تحقیق کرتے ۔یہ وہ سسٹم ہے جس کو دنیامیں کوئی دوسرا شخص

متعارف نہ کروا سکا۔ دنیا کے 245 ممالک میں یہ نظام کسی نہ کسی صورت میں موجود ہے ۔ان حقائق کی روشنی میں زبان و قلم بے اختیار گواہی دیتا ہے کہ دنیا کا سکندر اعظم عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حج سے واپسی کے بعد ابولؤلو نامی مجوسی ایرانی غلام ،جس کی قبر آج بھی مرجع خلائق ہے اور ایرانی اسے بابا فیروز کے نام سے یاد کرتے ہیں، فیروزہ نامی پتھر بھی اسی بدترین دشمن اسلام کی طرف منسوب ہے، نے خنجر کے پے درپے تین وار کرکے شدید زخمی کر دیا۔آپ تین دن اسی حالت میں رہے مگر نماز کوئی نہ چھوڑی پھر یکم محرم الحرام کو دس سال پانچ مہینے اور اکیس دن مسند خلافت پر متمکن رہنے کے بعد 63 برس کی عمر میں آپ شہید ہو گئے ۔آپ اکثر یہ دعا فرمایا کرتے تھے: اللھم ارزقنِی شہادۃً فی سبِیلِکَ واجعل موتِی فی بلدِ رسولِکَ صلی اللہ علیہِ وسلم (الٰہی !تو مجھے اپنی راہ میں شہادت کی موت عطا فرما اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر مدینے میں مرنا نصیب فرما۔)

آپ نے وصیت کرتے ہوئے فرمایا: جب مجھے قبر میں رکھ دو تو میرا گال زمین سے یوں ملا دینا کہ اس کے اور زمین کے درمیان کوئی چیز حائل نہ رہے ۔آپ کو بیری کے پتوں سے پانی گرم کرکے غسل دیا گیا اور دو چادروں اور جو قمیص پہن رکھی تھی اس میں کفنایا گیا۔وصیت کے مطابق آپ کی نمازِ جنازہ حضرت صہیب رضی

اللہ عنہ نے چار تکبیروں کے ساتھ پڑھائی اوریکم محرم الحرام کوروضہ رسول میں دفن (ہونے کی سعادت پائی (اسد الغابہ، طبقات کبریٰ

ہر ذی روح کو پیام اجل کو لبیک کہنا ہے اور ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے ویسے تو دنیا سے لاکھوں لوگ رخصت ہوئے، حضرت عمرفاروق رضی اللہ عنہ نے دنیا سے پردہ :فرمایا توکیا سماں تھا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تاثرات کیا تھے؟ملاحظہ کیجئے

آپ پر قاتلانہ حملہ ہوا تو مہاجرین وانصار نے کہا: اللہ تعالیٰ ہماری عمریں بھی آپ کو لگادے۔ حضرت علی المرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم نے آپ کے چہرے سے کفن کا کپڑا ہٹا کر کہا: اللہ تعالی آپ رحم فرمائے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! میرے گمان میں خاردار درخت بھی آپ کے وصال پر غمزدہ ہیں (طبقات (کبریٰ

ہرمزان ، نہاوند کا ایرانی گورنر تھا اور مسلمانوں کا کٹر دشمن تھا،اس کی وجہ سے مسلمانوں اور ایرانیوں میں کئی لڑائیاں ہوئیں،آخر ہرمزان گرفتار ہوا،اسے یقین تھا کہ اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا، لیکن امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اس شرط پر رہا کر دیا کہ وہ آئندہ جزیہ دے گا۔وہ آزاد ہو کر وہ اپنے دار لحکومت پہنچا، بہت بڑی فوج اکٹھی کی اور مسلمانوں کے مقابلے پر اتر آیا، لیکن اس بار بھی اسے شکست ہوئی اور ہرمزان دوبارہ سے گرفتار ہو کر خلیفہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ ہرمزان کے چہرے سے صاف ظاہر تھا کہ وہ خود کو صرف کچھ لمحوں کا مہمان سمجھتا ہے۔اس کے اور خلیفہ ثانی حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے درمیان ہونے والی بات چیت امیر المؤمنین کے ایفائے عہد کی ایک درخشندہ مثال ہے، جسے تاریخ نے اپنے سینے میں محفوظ کرلیاہے،ملاحظہ فرمایئے !

خلیفہ : تم نے ہمارے ساتھ کئی بار عہد شکنی کی ہے، تم جانتے ہو کہ اس جرم کی سزا موت ہے ؟

ہرمزان : ہاں میں جانتا ہوں اور مرنے کیلیے تیار ہوں، لیکن میری ایک آخری خواہش ہے۔ میں شدید پیاسا ہوں اور پانی پینا چاہتا ہوں ۔ خلیفہ کے حکم پر

اسے پانی کا پیالہ پیش کیا گیا۔

ہرمزان: مجھے خوف ہے کہ پانی پینے سے پہلے ہی مجھے قتل نہ کر دیا جائے۔

خلیفہ: اطمینان رکھو، جب تک تم پانی نہ پی لو کوئی شخص تمھارے سر کو نہ چھوئے گا۔

ہرمزان: آپ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ جب تک میں پانی نہ پیوں گا، مجھے قتل نہ کیا جائے گا،لہٰذا میں یہ پانی کبھی نہ پیوں گا (یہ کہہ کر اس نے پیالہ توڑ دیا اور فاتحانہ انداز میں کہنے لگا) اب آپ مجھے کبھی قتل نہیں کر سکتے۔

خلیفہ: (مسکرا کر) تم نے عجیب چال چلی ہے، لیکن عمر کو اپنے لفظوں کا پاس ہے، جاؤ تم آزاد ہو۔ ہرمزان شکر گزاری اور حیرانی کے تاثرات کے ساتھ چلا جاتا ہے۔کچھ عرصہ بعد ہرمزان اپنے کچھ ساتھیوں سمیت خلیفہ کے سامنے حاضر ہوتا ہے۔

خلیفہ: ہرمزان! کیسے آئے؟

ہرمزان: امیر المؤمنین! ہم سب ایک نئی زندگی کی تلاش میں ہیں، ہمیں اسلام کا راستہ بتا دیجئے۔ یہ کہتے ہی اس نے اپنا ہاتھ خلیفہ ثانی حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دست مبارک میں دے دیا اور آپؓ کے ایفائے عہد کی بدولت اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ اسلام کے دامن رحمت میں داخل ہو گیا۔

بے مثال عدل

آپ کے عدل کی مثال دنیاکے کسی دوسرے حکمراں میں نہیں ملتی ،آپ کے عدل کی یہ حالت تھی کہ جب آپ کا انتقال ہوا تو آپ کی سلطنت کے دوردراز علاقہ کا ایک چرواہا بھاگتا ہوا آیا اور چیخ کر بولا: لوگو! حضرت عمرفاروق کا انتقال ہوگیا ہے۔لوگوں نے کہا: تم مدینہ سے ہزاروں میل دور جنگل میں رہتے ہو، تمہیں کس نے خبردی ؟ چرواہا بولا: جب تک عمرفاروق رضی اللہ عنہ زندہ تھے میری بھیڑیں جنگل میں بے خوف چرتی پھرتی تھیں ،کوئی درندہ ان کی طرف آنکھ اٹھاکر نہیں دیکھتا تھا،لیکن آج پہلی بار ایک بھیڑیا میری بھیڑ کا بچہ اٹھاکرلے گیا ہے۔ میں نے بھیڑیئے کی اس جراء ت سے جان لیاکہ آج عمررضی اللہ عنہ دنیامیں نہیں ہیں۔

مدینہ کے بازارمیں گشت کے دوران ایک موٹے تازے اونٹ پر نظرپڑی ،پوچھا: یہ کس کا اونٹ ہے ؟ بتایاکہ یہ آپ کے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ کا ہے۔آپ نے گرجدار آواز میں کہاکہ عبداللہ کو فورا میرے پاس بلاؤ،جب سیدناعبداللہ رضی اللہ عنہ آئے توپوچھا: عبداللہ! یہ اونٹ تمہارے ہاتھ کیسے آیا؟ عرض کیا : اباجان ! یہ اونٹ بڑاکمزورتھااورمیں نے اس کو سستے داموں خرید کرچراگاہ میں بھیج دیاتاکہ یہ موٹاتازہ ہوجائے اور میں اس کو بیچ کر نفع حاصل کروں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا: تمھاراخیال ہوگاکہ لوگ اس کو چراگاہ میں دیکھ کر کہیں گے : یہ امیرالمؤمنین کے بیٹے کا اونٹ ہے، اسے خوب چرنے دو، اس کو پانی پلاؤ، اس کی خدمت کرو۔ سنو! اس کو بیچ کر اصل رقم لے لو اور

منافع بیت المال میں جمع کرادو۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے سر تسلیم خم کردیا۔
امیرالمومنین سیدنا عمر فاروق رض اللہ عنہ کے دربار میں ایک نوجوان روتے ہوئے داخل ہوا۔ آپ نے رونے کی وجہ پوچھی: اس نے روتے روتے عرض کیا کہ میں مصر سے آیا ہوں، وہاں کے گورنر کے بیٹے سے دوڑ کے مقابلے میں جیت گیا تو محمد بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے میری کمر پر کوڑے برسائے، جس سے میری کمر چھلنی ہو گئی۔ وہ کوڑے مارتا رہا اور کہتا رہا کہ تمہاری یہ جراءت کہ سرداروں کی اولاد سے آگے بڑھو۔ آپ نے یہ داستان سننے کے بعد مصر کے گورنر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے کو بلا بھیجا، جب وہ آگئے تو کہا: یہ ہیں سردار کے بیٹے، پھر مصری کو کوڑا دیا اور کہا کہ اس کی پیٹھ پر زور سے کوڑے مارو تاکہ اس کو پتا چلے کہ سرداروں کے بیٹوں کی بے اعتدالیوں پر ان کا کیا حشر ہوتا ہے۔ اس نوجوان نے جی بھر کر بدلہ لیا۔ یہ ہے وہ بے لاگ عدل جس میں قوموں کی عزت اور ترقی کا راز پنہاں ہے۔
حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم
حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں داخل ہوتے تو دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے گھر کا پرنالہ مسجد نبوی کی طرف لگا ہوا ہے، جس کی وجہ سے بارش وغیرہ کا پانی مسجد نبوی کے اندر گرتا تھا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ مسجد تو اللہ تعالی

کا گھر ہے اور کسی شخص کے ذاتی گھر کا پرنالہ مسجد کے اندر آ رہا ہو تو یہ اللہ کے حکم کے خلاف ہے چنانچہ آپ نے اس پرنالے کو توڑنے کا حکم دیا او وہ توڑ دیا گیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو پتا چلا کہ میرے گھر کا پرنالہ توڑ دیا گیا ہے تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے فرمایا :

یہ پرنالہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لگایا تھا اور آپ کی اجازت سے میں نے لگایا تھا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا : کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی تھی؟

انھوں نے فرمایا : ہاں ! اجازت دی تھی۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا :

میرے ساتھ آؤ۔ چنانچہ اس پرنالے کی جگہ کے پاس گئے اور وہاں جا کر خود رکوع کی حالت میں کھڑے ہوگئے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا : اب میری کمر پہ کھڑے ہو کر یہ پرنالہ دوبارہ لگاؤ۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا : میں دوسروں سے لگوالوں گا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا : عمر (رضی اللہ عنہ) کی یہ مجال کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لگائے ہوئے پرنالے کو توڑ دے، مجھ سے یہ اتنا بڑا جرم سرزد ہوا، اس کی کم از کم سزا یہ ہے کہ میں رکوع میں کھڑا ہوتا ہوں اور تم میری کمر پہ کھڑے ہو کر یہ پرنالہ لگاؤ۔ چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کی کمر پر کھڑے ہو کر وہ پرنالہ اس کی

جگہ پر واپس لگادیا۔

قیامت میں جواب دہی کا خوف

ایک بار حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ علاقہ شام سے واپس آئے تو آپؓ تنہا ہو کر لوگوں سے حالات دریافت کرنے لگے۔ آپؓ ایک بڑھیا کے پاس سے گزرے اور اُس سے اُس کا حال پوچھا۔

بڑھیا نے کہا: عمرؓ کا کیا حال ہے؟

حضرت عمرؓ: وہ ابھی شام سے واپس آئے ہیں۔

بڑھیا! اللہ تعالیٰ اُنہیں میری طرف سے جزائے خیر دے۔

حضرت عمرؓ: کیوں؟ آخر اس کا سبب؟

بڑھیا: جب سے وہ خلیفہ ہوئے ہیں، مجھے آج تک بیت المال سے ایک پیسا نہیں ملا۔

حضرت عمرؓ: عمرؓ کو تیرا حال معلوم نہیں۔

بڑھیا: سبحان اللہ! یہ آپ نے کیا کہا؟ جو شخص خلیفہ ہو اور پھر اسے یہ معلوم نہ ہو کہ مشرق و مغرب کے درمیان کیا ہو رہا ہے؟ میری سمجھ میں نہیں آ سکتا۔

:اس بڑھیا کے یہ الفاظ سُن کر حضرت عمرؓ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور کہنے لگے اے عمرؓ! تجھ پر افسوس ہے، تیری رعایا تجھ سے کیسے جھگڑتی ہے۔ اس کے بعد آپؓ نے :بڑھیا سے کہا

اے بڑھیا! تو اپنی داد خواہی کتنے میں فروخت کرکے اپنے دعویٰ سے دستبردار ہو سکتی ہے، بتا، میں عمرؓ کو اس پر راضی کر لوں گا۔"

بڑھیا: اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے، میرے ساتھ تم تمسخر نہ کرو۔ آخر آپؓ نے 20 درہم میں اُس کی داد خواہی خرید لی۔ اس بڑھیا سے رخصت ہونے ہی کو تھے کہ حضرت علیؓ اور عبد اللہ بن مسعودؓ "السلام علیک یا امیر المؤمنین" کہتے ہوئے آ موجود ہوئے۔ بڑھیا امیر المؤمنین کا لفظ سنتے ہی سخت پریشان ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اے بڑھیا! افسوس نہ کر، تو نے کوئی الزام کی بات نہیں کہی۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے ایک کاغذ کے ٹکڑے پر یہ عبارت لکھی۔ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ تحریر اس امر کے متعلق کہ عمرؓ نے فلاں بڑھیا سے اپنی ابتدائے خلافت سے اب تک اس کی داد خواہی 20 درہم میں خرید لی۔ اب اگر وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے دعویٰ کرے تو میں اس سے بری ہوں، علیؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ اس پر گواہ ہیں۔"

صحرا میں بدو کی دادرسی

حضرت عمر فاروقؓ کا دستور تھا کہ جب کبھی کوئی قافلہ باہر سے آ کر نواح مدینہ میں اترتا تو آپؓ تمام رات چوکی داری کیا کرتے۔ ایک رات آپؓ گشت کرتے ہوئے ایک بدو کے خیمے کے پاس سے گزرے۔ بدو خیمے کے سامنے سر جھکائے خاموش بیٹھا تھا۔ حضرت عمرؓ اس کے پاس جا پہنچے اور اُس سے سفر وغیرہ کے حالات پوچھنے لگے۔ اتنے میں خیمے کے اندر سے ایک عورت کے کراہنے کی آواز آئی۔

حضرت عمرؓ نے پوچھا:: یہ کس کی آواز ہے؟

بدو نے کہا کہ میری عورت کو دردِزہ ہو رہا ہے۔ حضرت عمرؓ یہ سنتے ہی شہر کی طرف لوٹے اور گھر آئے ۔آپؓ کی زوجہ حضرت ام کلثومؓ جو نیکی و حلم اور محبت واطاعت کی مجسم تصویر تھیں،آپ فی الفور انھیں ہمراہ لے کر اُس بدو کے خیمے کے پاس آئے اور بدو سے کہا: آپ میری بیوی کو خیمہ کے اندر آنے کی اجازت دیں تاکہ وہ اندر جاکر آپ کی بیوی کو تسلی و تشفی دیں اور ممکن امداد کر سکیں۔ چنانچہ بدو نے اجازت دے دی۔ حضرت ام کلثومؓ اندر تشریف لے گئیں ۔ پہلے چراغ روشن کیااور پھر تیمارداری میں مصروف ہوگئیں۔بدو کو اس وقت تک معلوم نہ تھا کہ آپؓ امیر المؤمنین ہیں۔ جس وقت امیر المؤمنینؓ کی بیوی ام کلثومؓ خیمہ کے اندر تیمارداری میں مصروف ہو گئیں، بدو حضرت عمرؓ کے پاس آکر بیٹھ گیا اور کہا بدو: سنا ہے حضرت عمرؓ بڑے سخت گیر ہیں ،کیا تم انہیں جانتے ہو؟

حضرت عمرؓ: واقعی وہ سخت گیر ہیں۔

بدو: میں حیران ہوں کہ مدینہ کے لوگوں نے کیوں اُسے اپنا امیر بنالیا؟

حضرت عمرؓ: مسلمانوں کی مرضی ،شاید اُن کی نظر میں عمرؓ اچھا آدمی ہوگا اور کثرت رائے نے انہیں امیر منتخب کر لیا۔

بدو: وہ بڑے پُر لطف کھانے کھاتا ہوگا۔ حضرت عمرؓ اور بدو کے درمیان اسی قسم کی گفتگو ہو رہی تھی کہ حضرت ام کلثومؓ کی آواز آئی:

امیر المؤمنین !اپنے دوست کو خوش خبری دے دیجیے، اللہ تعالی نے اُنھیں فرزند عطا" "کیا ہے۔

بدو امیر المؤمنین کا نام سنتے ہی گھبرا کر آپ کے برابر سے اُٹھ کر آپ کے سامنے آبیٹھا اور اپنی گستاخی کی معذرت کرنے لگا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں، قوم کا سردار قوم کا سچا خادم ہوتا ہے۔ کل صبح تم میرے پاس آنا، میں بیت المال سے تمہارے بچے کا وظیفہ مقرر کر دوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

فاتح بیت المقدس کی خاکساری

جب صحابہؓ کی افواج دورِ فاروقیؓ میں بیت المقدس کو فتح کرنے کے لیے گئی تو عیسائیوں نے کہا کہ مسلمانو! ہم تم سے لڑنا نہیں چاہتے، کیوں کہ ہماری تورات میں لکھا ہے کہ بیت المقدس کو فتح کرنے کے لیے اگر مسلمانوں کی افواج آئیں تو تم ان سے لڑائی مت کرنا،اسی طرح یہودیوں نے کہا: ہماری کتاب انجیل میں ہے کہ چابیاں مسلمانوں کے خلیفہ کے سپرد کر دینا۔ فوجیں وہیں بیٹھ گئیں اور ایک قاصد مدینہ منورہ بھیجا گیا کہ وہ لوگ چابیاں خلیفۂ وقت کو دینا چاہتے ہیں ۔ خلیفہ وقت سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام اسلم کو بلا کر حکم دیا کہ سواری تیار کرو غیر ملکی دورے پر جانا ہے۔ اس نے سواری تیار کی۔ فاروقِ اعظمؓ سواری پر سوار ہو گئے، سادگی اور عدل کی انتہا دیکھیے کہ مربع میل پر حکومت کرنے والا خلیفہ وقت اور مسلمانوں کا حاکم جب چلنے لگا تو جسم 22 پر وہ

کپڑے تھے جن پر سترہ پیوند تھے۔

جانے لگے تو تمام صحابہؓ مل کر اُم المومنین سیدنا عائشہؓ کے پاس گئے اور کہا کہ اے امی عائشہؓ! دیکھئے فاروقِ اعظمؓ غیر مسلموں سے مذاکرات کرنے جا رہے ہیں، یہ ٹاکیوں والے کپڑے دیکھ کر غیر مسلم کیا کہیں گے۔

فاروقِ اعظمؓ نے سیدہ عائشہؓ سے عرض کیا: ''اے اُم المومنینؓ میں آپ کی بات ٹال نہیں سکتا، لیکن مجھے یہ بتایئے کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر ٹاکیوں والا لباس نہیں ہوتا تھا؟ کیا پیغمبرؐ کا چولہا کئی کئی ماہ نہیں بجھا رہتا تھا؟''۔

چنانچہ اسی حالت میں فاروقِ اعظمؓ اپنے غلام کو لے کر چل پڑے۔ایک منزل پر پہنچ کر فاروقِ اعظمؓ نے اپنے غلام کو فرمایا: سواری کو بٹھاؤ۔ سواری بیٹھ گئی تو فاروقِ اعظمؓ نے غلام کے ہاتھوں سے مہار پکڑ کر کہا کہ اب تم سواری پر سوار ہو جاؤ۔ غلام نے کہا امیرالمومنینؓ! میں ایک نوکر ہوں، غلام ہوں، خادم ہوں'' تو فاروقِ اعظمؓ نے'' فرمایا بحیثیت انسان تُو اور میں برابر ہیں۔ پھر باریاں طے کر لیں اور باری باری سواری پر سوار ہونے لگے۔ اتفاق سے جب بیت المقدس کے قریب پہنچے تو مہار فاروقِ اعظمؓ کے ہاتھ میں تھی۔غلام نے کہا: یاامیرالمومنینؓ! سامنے یہودیوں اور عیسائیوں کی جماعت کھڑی ہے، وہ لوگ کیا کہیں گے کہ مسلمانوں کا خلیفہؓ پیدل آ رہا ہے۔ تو اس پر فاروقِ اعظمؓ نے فرمایا: میں اس ناانصافی کا جواب میں کیا دوں گا، اگر آج

تیرا حق میں نے استعمال کر لیا۔ فاروقِ اعظمؓ نے ایک ہاتھ میں مہار پکڑی اور دوسرے ہاتھ میں ٹوٹا ہوا جوتا جو دورانِ سفر ٹوٹ گیا تھا۔ اور جب فاروقِ اعظمؓ بیت المقدس پہنچے تو وہ کتابیں کھول کر بیٹھے تھے۔ ایک نے کہا جو سواری پر ہے وہ مسلمانوں کا دوسرا خلیفہؓ ہے۔ دوسرے نے کہا نہیں، بلکہ میری کتاب کہتی ہے کہ خلیفہؓ پیدل ہو گا سواری پر غلام ہو گا۔ پھر آپ کو چابیاں دے دی گئیں۔

یہ میری جدی پشتی جاگیر نہیں مسلمانوں کی ملک ہے

جب فاروقِ اعظمؓ چابیاں لیے باہر تشریف لائے تو ایک بوڑھا آدمی آیا اور ایک کاغذ فاروقِ اعظمؓ کے ہاتھ میں دیا۔ عمر فاروقؓ نے وہ کاغذ پڑھا اور سر ہلا دیا کہ یہ میرے اختیار میں نہیں۔ واپسی پر فاروقِ اعظمؓ سے صحابہؓ نے سوال کیا: وہ بوڑھا کون تھا اور وہ خط کیا تھا؟ تو فاروقِ اعظمؓ نے جواب دیا: آج سے چالیس سال قبل میرا والد مجھے یہاں بکریاں چرانے کے لیے لایا تھا، میں دن کو بکریاں چراتا اور رات کو یہیں سو جاتا۔ ایک روز بیت المقدس کی باہر والی دیوار کے ساتھ سو رہا تھا، صبح جب دھوپ نکلی اور میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ ایک آدمی میرے چہرے کو بڑے غور سے دیکھ رہا ہے۔ میں بیدار ہوا تو مجھ سے مخاطب ہو کر اس نے سوال کیا:

تم کون ہو اور کدھر سے آئے ہو؟ میں نے جواب دیا: عرب سے آیا ہوں، یہاں بکریاں چراتا ہوں۔ اس نے کہا: تیرا نام کیا ہے؟ میں نے کہا: عمر۔ یہ سن کر اس

نے کہا تمہارے باپ کا نام خطاب تو نہیں ۔میں نے کہا ہاں ۔اس نے کہا تم اپنے دائیں پاؤں کی پنڈلی سے کپڑا اٹھاؤ۔جب میں نے کپڑا اٹھایا تو اس نے کہا : میں گواہی دیتا ہوں اے نوجوان ! جو آخری رسول آئے گا تو اس کا دوسرا خلیفہ ہوگا، میری کتاب تورات میں لکھا ہے : محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا خلیفہ عمرؓ ہوگا اور اس کی پنڈلی پر نشان ہو گا۔ پھر اس نے کہا: جب یہ علاقہ تیرے قبضہ میں آئے تو تُو مجھے دے گا؟میں نے جان چھڑانے کے لیے کہہ دیا: ہاں دے دوں گا۔ فاروقِ اعظمؓ فرمانے لگے: وہ جو آدمی میرے پاس خط لایا تھا وہی آدمی تھا اور اس نے بیت المقدس کا قبضہ مانگا تھا۔ میں نے اس سے معذرت کی اور کہا: یہ مسلمانوں کا علاقہ ہے، میری جدی پشتی کوئی جاگیر نہیں ۔

فاروق اعظمؓ کی چند کرامات

دریائے نیل کے نام خط: فتح مصر کے بعد جب فاتح مصر حضرت عمروؓ بن عاص مصر میں داخل ہوئے تو لوگوں نے بتایا کہ سال میں ایک مرتبہ مخصوص مہینے میں گیارھویں رات کو ایک خوب صورت باکرہ لڑکی کو بناؤ سنگھار کرکے دریا کے حوالے کرنا پڑتا ہے ورنہ دریا کا پانی سوکھ جاتا ہے اور یہ رسم عرصہ دراز سے جاری ہے۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے اس سلسلے میں حضرت عمر بن خطابؓ کے پاس خط لکھا، حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ اس قسم کی رسم کی گنجائش شریعت میں نہیں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ان الاسلام یھدم ماکان قبلہ'' (اسلام زمانہ جاہلیت کی بری رسم کو ختم کردیتا ہے) میں دریا کے نام ایک خط بھیج

رہاہوں، یہ خط اس مخصوص رات میں حوالہ دریا کردیا جائے، چنانچہ یہ خط حوالہ دریا کردیا گیااور پانی معمول سے بھی زیادہ نکل آیا۔ اس وقت سے آج تک یہ دریا خشک نہیں ہوا۔ خط کے الفاظ یہ تھے: من عبداللہ عمر بن الخطاب امیر المومنین الی نیل مصر فان کنت تجری من قبلک فلا تجر، وان کان اللہ یجریک فاسال الواحد القھار ان یجریک ترجمہ :اللہ کے بندے امیرالمؤمنین عمر بن خطاب کی طرف سے مصر کے دریائے نیل) کی طرف، اگر تواپنی مرضی سے چلتاہے تومت چل، اور اگر تجھے اللہ تعالیٰ چلاتا ہے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ جویکتااور قہر وغضب کامالک ہے، کہ وہ تجھے جاری (کردے

بادل اور دریا کو بھی عمرؓ کا پاس ولحاظ: حضرت خوات بن جبیرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لوگ قحط میں مبتلا ہوگئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیاکہ نماز استسقاء ادا کی جائے نماز کے بعد سب لوگوں نے دعا کی: یااللہ ہم آپ سے مغفرت چاہتے ہیں اور تیرے بندے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے بارش چاہتے ہیں تو تھوڑی ہی دیر میں بارش شروع ہوگئی، چند دیہاتی دوڑتے ہوئے آئے انھوں نے عرض کی: امیرالمؤمنین ! ہم جنگل میں تھے ایک بادل چھاگیااور اس میں سے ایک آواز سنائی دی، ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی کہہ رہاہے: آگیا ہے تیرے پاس فریاد پوری کرنے والا اے ابو حفص، آگیا ہے تیرے پاس فریاد پورے کرنے والا اے ابو حفص ! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر مدائن کسریٰ کی طرف بھیجا، یہ لوگ جب دریائے دجلہ کی جانب روانہ ہوئے تو دریا میں

کشتی نہ تھی۔ امیر لشکر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے دجلہ کو مخاطب ہو کر فرمایا، اے دجلہ ! تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت اور امیر المؤمنین خلیفۃ اللہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عدل کے طفیل ہمارے عبور کے درمیان رکاوٹ نہ بن، تو تمام لشکر اپنے اونٹوں، گھوڑوں سمیت مدائن کی طرف عبور کر گئے۔ (ازالۃ الخفاء)

مدینہ کی آواز نہاوند تک: امیر المؤمنین حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک لشکر کا سپہ سالار بنا کر نہاوند کی سرزمین میں جہاد کے لیے روانہ فرمادیا۔ آپ جہاد میں مصروف تھے کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد نبوی کے منبر پر خطبہ پڑھتے ہوئے ناگہاں یہ ارشاد فرمایا کہ یاساریۃ الجبل (اے ساریہؓ! پہاڑ کی طرف اپنی پیٹھ کرلو) حاضرین مسجد حیران رہ گئے کہ حضرت ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو سرزمین نہاوند میں مصروف جہاد ہیں اور مدینہ منورہ سے سینکڑوں میل کی دوری پر ہیں۔ آج امیر المؤمنین نے انہیں کیونکر اور کیسے پکارا؟ لیکن نہاوند سے جب حضرت ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قاصد آیا تو اس نے یہ خبر دی کہ میدان جنگ میں جب کفار سے مقابلہ ہوا تو ہم کو شکست ہونے لگی اتنے میں ناگہاں ایک چیخنے والے کی آواز آئی جو چلا چلا کر یہ کہہ رہا تھا کہ اے ساریہ! تم پہاڑ کی طرف اپنی پیٹھ کرلو۔ حضرت ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ تو امیر المؤمنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز ہے، یہ کہا

اور فوراً ہی انھوں نے اپنے لشکر کو پہاڑ کی طرف پشت کر کے صف بندی کا حکم دیا اور اس کے بعد جو ہمارے لشکر کی کفار سے ٹکر ہوئی تو ایک دم اچانک جنگ کا پانسہ ہی پلٹ گیا اور دم زدن میں اسلامی لشکر نے کفار کی فوجوں کو روند ڈالا اور عساکر اسلامیہ کے قاہرانہ حملوں کی تاب نہ لا کر کفار کا لشکر میدان جنگ چھوڑ کر بھاگ نکلا اور افواج اسلام نے فتح مبین کا پرچم لہرا دیا۔

فاروق بین الحق والباطل : عبداللہ بن مسلمہ کہتے ہیں کہ ہمارے قبیلہ کا ایک وفد امیرالمؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی بارگاہ خلافت میں آیا تو اس جماعت میں اشتر نام کا ایک شخص بھی تھا۔ امیرالمؤمنین رضی اللہ تعالی عنہ اس کو سر سے پیر تک باربار گرم گرم نگاہوں سے دیکھتے رہے پھر مجھ سے دریافت فرمایا کہ کیا یہ شخص تمہارے ہی قبیلہ کا ہے ؟میں نے کہا کہ ''جی ہاں'' اس وقت آپ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالی عزوجل اس کو غارت کرے اور اس کے شر و فساد سے اس امت کو محفوظ رکھے۔ امیرالمؤمنین رضی اللہ تعالی عنہ کی اس دعا کے بیس.برس بعد جب باغیوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کو شہید کیا تو یہی ''اشتر'' اس باغی گروہ کا ایک بہت.بڑا لیڈر تھا۔ اسی طرح ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ ملک شام کے کفار سے جہاد کرنے کے لیے لشکر بھرتی فرما رہے تھے۔ ناگہاں ایک ٹولی آپ کے سامنے آئی تو آپ رضی اللہ تعالی عنہ نے انتہائی کراہت کے ساتھ ان لوگوں کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ پھر دوبارہ

یہ لوگ آپ کے روبرو آئے تو آپ نے منہ پھیر کر ان لوگوں کو اسلامی فوج میں بھرتی کرنے سے انکار فرمادیا۔ لوگ آپ رضی اللہ تعالی عنہ کے اس طرز عمل سے انتہائی حیران تھے لیکن آخر میں یہ راز کھلا کہ اس ٹولی میں ''اسود تجیبی'' بھی تھا جس نے اس واقعہ سے بیس برس بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کو اپنی تلوار سے شہید کیا اور اس ٹولی میں عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی بھی تھا جس نے اس واقعہ سے تقریبا چھبیس برس کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کو اپنی تلوار سے شہید کرڈالا۔

سوارِ دوشِ رسول، شہید کربلا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی سیرت کا ایک ورق

حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ رضی اللہ تعالی عنہ شکم مادر ہی میں تھے کہ حضرت حارث کی صاحبزادی نے ایک خواب دیکھا کہ کسی نے رسول اللہ ﷺ کے جسد اطہر کا ایک ٹکڑا کاٹ کر ان کی گود میں رکھ دیا۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ ! میں نے ایک عجیب و غریب خواب دیکھا ہے جو ناقابل بیان ہے، آپ ﷺ نے فرمایا بیان کرو، آخر کیا خواب ہے؟ انھوں نے خواب بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ تو نہایت مبارک خواب ہے۔ فاطمہ کے ہاں لڑکا پیدا ہوگا اور تم اسے گود میں لوگی۔ کچھ دنوں کے بعد اس خواب کی تعبیر ملی۔ (مستدرک حاکم)

نواسۂ رسول ﷺ، جگر گوشہ بتولؓ حضرت سیدنا حسین ابن علی رضی اللہ عنہما 5 شعبان 4ھ کو مدینہ طیبہ میں پیدا ہوئے۔ ولادت کے بعد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور نو مولود بچے کو منگا کر اس کے کانوں میں اذان دی، منہ میں لعابِ مقدس ڈالا اور برکت کی دعا فرمائی، پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو عقیقہ کرنے اور بچے کے بالوں کے وزن کے برابر چاندی خیرات کرنے کا حکم دیا۔ ساتویں دن عقیقہ کیا گیا۔ (مشکوہ شریف)

والدین نے حرب نام رکھا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ نام پسند نہ آیا آپ نے بدل کر حسینؓ رکھا کیوں کہ آپ حسن و جمال میں بھی باکمال تھے۔
(مستدرک حاکم، اسد الغابہ)

حدیث شریف میں ہے رسول اقدس ﷺ نے فرمایا: حضرت ہارون علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کے نام شبر اور شبیر رکھے اور میں نے اپنے بیٹوں کا نام انہی کے نام پر حسن وحسینؓ رکھا ہے، اسی لیے حسنین کریمین کو شبر وشبیر کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے ۔یاد رہے کہ سریانی زبان میں شبر وشبیر اور عربی زبان میں حسن وحسین دونوں کے ایک معنی ہیں ۔ایک حدیث میں آیا ہے: حسن اور حسین جنتی ناموں میں سے دو نام ہیں۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بچپن کے حالات میں صرف ان کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے پیار ومحبت کے واقعات ملتے ہیں ، حضور ﷺ تقریباً روزانہ دونوں نواسوں کو دیکھنے کے لیے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنھا کے گھر تشریف لے جاتے۔۔ حضرت سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنھما شکل وصورت میں آنحضرت ﷺ اور اپنے والد بزرگوار حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے مشابہ تھے ۔حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی عمر صرف سات برس تھی کہ نانا کا سایہ شفقت سر سے اٹھ گیا۔

آپؓ کی ذات گرامی قریش کا خلاصہ اور بنی ہاشم کا عطر تھی۔اہلسنت کے خلاف ایک عام پروپیگنڈا یہ کیا جاتا ہے کہ وہ اہل بیت کو نہیں مانتے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ہماری ایک آنکھ صحابہؓ ہیں اور تو دوسری آنکھ اہل بیت عظامؓ ہیں، یہ ہستیاں ہماری پیشوا، راہ نما اور مقتدا ہیں اور رہمارا عقیدہ ہے کہ اہل بیت رسول ﷺ کی محبت کے بغیر ایمان کی تکمیل ہی نہیں ہو سکتی، جس طرح دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی محبت کے بغیر ایمان کامل نہیں ہو سکتا۔

حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، آپ کی ازواج میں لیلیٰ حباب، حرار، غزالہ شامل تھیں، ان میں سے متعدد اولادیں ہوئیں جن میں علی اکبر، عبداللہ اور ایک چھوٹے صاحبزادے واقعہ کربلا میں شہید ہوئے، سیدنا زین العابدین باقی تھے انہی سے نسل چلی۔صاحبزادیوں میں سکینہ، فاطمہ اور زینب تھیں۔

ذیل میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چند فضائل درج کیے جاتے ہیں، جو مستند کتابوں سے ثابت ہیں:

☆......رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حسن اور حسین (رضی اللہ عنھما) نوجوانان جنت کے سردار ہیں۔

☆......رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حسین رضی اللہ عنہ مجھ سے ہے اور میں حسینؓ سے ہوں۔

جو حسینؓ سے محبت رکھے اللہ اس سے محبت رکھے۔

☆......آپ ﷺ نے فرمایا اے اللہ! میں حسینؓ سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اس سے محبت فرما۔

☆......آپ ﷺ نے فرمایا: میرا یہ بیٹا (حضرت حسین رضی اللہ عنہ) ارض عراق میں قتل ہوگا۔ تم میں سے جو موجود ہو اسے چاہیے کہ اس کی مدد کرے۔

☆......آپ ﷺ نے فرمایا جس کو یہ بات اچھی لگے کہ وہ جنتی شخص کو دیکھے اسے چاہیے کہ (حضرت) حسین بن علی (رضی اللہ عنھما) کو دیکھ لے۔

☆......آپ ﷺ نے فرمایا جس نے ان دونوں (حضرات حسنین رضی اللہ عنہما) سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان دونوں کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔

☆......آپ ﷺ نے ایک موقع پر دعا کرتے ہوئے فرمایا: اے اللہ! میں ان دونوں حضرات حسنین رضی اللہ عنہما) سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت فرما اور جو ان) سے محبت کرتے ہیں ان کو بھی تو اپنا محبوب بنالے۔

حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی پیدائش کے ساتھ ہی آپ کی شہادت کی بھی شہرتِ عام ہو گئی تھی، چناں چہ حضرت علی، حضرت فاطمہ زہرا اور دیگر صحابہِ کبار و اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنھم و عنھن، سبھی لوگ، ان احادیث کریمہ کی وجہ سے جو آپ کی شہادت کے بارے میں وارد ہیں، آپ کے زمانہ شیر خوارگی ہی سے یہ بات جانتے تھے کہ آپؓ سرزمینِ کرب وبلا میں شہید کیے جائیں گے، ذیل میں ان

:میں سے چند روایات کو نقل کیا جاتا ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بارش کے فرشتے نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری دینے کے لیے اللہ سے اجازت طلب کی، جب وہ فرشتہ اجازت ملنے پر بارگاہِ نبوتؐ میں حاضر ہوا تو اس وقت حضرت حسین رضی اللہ عنہ آئے اور حضور ﷺ کی گود میں بیٹھ گئے ،آپ ﷺ ان کو چومنے اور پیار کرنے لگے۔ فرشتے نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ !کیا آپ حسینؓ سے پیار کرتے ہیں ؟ حضور ﷺ نے فرمایا: جی ہاں ! اس نے کہا: آپ کی امت حسینؓ کو قتل کر دے گی، اگر آپ چاہیں تو میں ان کی قتل گاہ کی (مٹی) آپ کو دکھا دوں۔ پھر وہ فرشتہ سرخ مٹی لایا، جسے ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے کپڑے میں لے لیا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اے ام سلمہ !جب یہ مٹی خون بن جائے تو سمجھ لینا کہ میرا بیٹا حسین شہید کر دیا گیا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اس مٹی کو ایک شیشی میں بند کرکے رکھ لیا، جو حضرت حسین رضی اللہ (عنہ کی شہادت کے دن خون ہو جائے گی۔ (الصواعق المحرقہ

ابن سعد حضرت شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگِ صفین کے موقع پر کربلا سے گزر رہے تھے کہ اچانک ٹھہر گئے اور اس زمین کا نام پوچھا، لوگوں نے کہا اس زمین کا نام کربلا ہے۔ آپؓ نے فرمایا : میں حضور ﷺ کی خدمت میں ایک روز حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ ﷺ رو رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ ! آپ کیوں رو رہے ہیں؟ فرمایا: ابھی میرے پاس جبرئیلِ امین علیہ

السلام آئے تھے انہوں نے مجھے خبر دی: میرا بیٹا حسینؓ دریائے فرات کے کنارے اس جگہ شہید کیا جائے گا جس کو کربلا کہتے ہیں۔ (مشکوۃ، خصائص کبریٰ)

آپؓ نے 10 محرم الحرام 61 ھ مطابق ستمبر 680 میں شہادت پائی۔ وہ یوم عاشورہ جمعہ کا دن تھا ماہِ محرم الحرام 61 ھ میں یہ واقعہ پیش آیا اس قت سیدنا حسین کی عمر 55 سال کے قریب تھی۔ واقعہ کربلا دغابازی، بے وفائی اور غداری کی عبرت انگیز داستان بھی ہے، اہل کوفہ نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہما کو خطوط لکھ لکھ کر کوفہ بلایا تھا پھر مصیبت میں آپ کا ساتھ چھوڑ دیا تھا، حضرت مسلم اور ان کے دو صاحبزادوں کے خون سے اپنا ناپاک ہاتھ رنگنا غداری بے وفائی کی بہت ہی المناک گھنانی تاریخ ہے، جس کے حرف حرف سے مکروفریب کی بدبو پھیلتی ہے۔ تعزیہ داری، ماتم اور مرثیہ خوانی نے غم حسین رضی اللہ عنہ کو ایسا رنگ دیدیا ہے کہ محرم الحرام کا یہ واقعہ کرب والم، ایک جشن بنادیا گیا ہے من گھڑت واقعات کو اشعار میں بیان کرکے مرثیہ خوانی سے خانوادۂ رسالت اور اہل بیت کی نعوذ باللہ تحقیر ہوتی ہے۔ کاشانہ نبوت اور حرم حسین رضی اللہ عنہ کی پاکیزہ صفات پاک دامن عفت مآب خواتین کو سینہ کوبی اور آہ وبکا کرتے ہوئے دکھایا جاتا ہے نوحہ کرتے روتے بلکتے چاک گریباں کرتے اور بالوں کو نوچتے چلاتے دکھایا جاتا ہے۔ ہندوستان میں چھٹی

(صدی ہجری تک گریہ ماتم کا کہیں وجود نہیں ملتا۔ (تاریخ ابن کثیر

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ 72 آدمی شہید ہوئے ان میں سے بیں خاندانِ بنی ہاشم کے چشم وچراغ تھے۔ جن کے نام درج ذیل ہیں:

حسین بن علی، محمد بن علی، ابوبکر بن علی، علی بن حسین رضی اللہ عنہ بن علی (علی اکبر) عبداللہ بن حسین رضی اللہ عنہ، ابوبکر حسین رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن حسن، قاسم بن حسن، عون بن عبداللہ بن جعفر طیار، محمد بن عبداللہ بن جعفر، جعفر بن عقیل بن ابی طالب، عبدالرحمان بن عقیل، عبداللہ بن عقیل، مسلم بن عقیل، عبداللہ بن مسلم عقیل، محمد بن ابوسعید بن عقیل رحمہم اللہ تعالی۔ اہلبیت نبوی میں زین العابدین، حسن بن حسین رضی اللہ عنہ، عمرو بن حسن اور کچھ شیر خوار بچے باقی رہ گئے تھے، زین العابدین بیماری کی وجہ سے چھوڑ دیے گئے اور بچے شیر خواری کی وجہ سے بچ گئے۔

اللہ تعالی شہدائے کربلا کی قربانیوں کے طفیل ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اسلامی نظریاتی کونسل اور چہرے کے پردے کا استحباب؟؟

مولانا محمد خان شیرانی نے کیا کہا اور اس پر اسلامی نظریاتی کونسل کے اراکین بہ شمول محترمہ سمیعہ راحیل قاضی نے کس طرح ''آمنّا و صدّقنا'' کی، اس کی تفصیلات اخبارات اور میڈیا کے ذریعے سامنے آچکی ہیں، ان کا دہرانا کارے دارد ہوگا، ویسے بھی اس دور میں امت مسلمہ وقت کی قلت کے مسئلے کا شکار ہے۔ میں اس وقت سے اب تک سوشل میڈیا پر بڑی حسرت سے اہل علم کے دلائل کا منتظر ہوں، مگر انھیں توحبِّ یزید اور فسقِ یزید سے فرصت نہیں، وہ تو سانہ کے گزرنے کے بعد اب تک یہ لکیر ہی پیٹ رہے ہیں کہ حضرت حسینؓ اور خانوادہ اہلِ بیت کو کس نے شہید کیا اور کیوں؟ حالاں کہ یہ تمام مباحث تاریخ کا کشادہ سینہ اپنے اندر محفوظ کرچکا ہے۔ شیرانی صاحب اور اراکینِ اسلامی نظریاتی کونسل کا یہ فیصلہ مستقبل میں بے پردگی کے جس سیلاب کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتا ہے، جانے کیوں اس جانب توجہ نہیں؟ کیا اسلام آج کی کوئی چیز ہے؟ کیا پردے اور حجاب کا حکم کوئی دورِ جدید کے مسائل میں سے ہے، جسے حل کرنے کی اب ضرورت پیش آگئی ہے؟ کیا دورِ نبویؐ میں حجاب کو آزاد عورت کا شعار نہیں سمجھا جاسکتا تھا؟ غزوہ خیبر سے واپسی پر مقامِ سرف میں

حضرت صفیہؓ سے حضور ﷺ کی شب باشی اور ولیمے کے بعد صحابہ کرامؓ نے یہ طے نہیں کرلیا تھا کہ اگر صفیہؓ کو نبی ﷺ نے پردہ کرالیا تو ہم سمجھیں گے کہ وہ ام المؤمنین کے طور پر حرم نبوت میں داخل ہوئی ہیں، پردہ نہ کرایا تو یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ وہ باندی ہیں۔ گویا اس دور میں بے پردہ آزاد مسلمان عورت کا کوئی تصور ہی نہیں پایا جاتا تھا۔ سورہ نور میں غضِّ بصر کا حکم مانا کہ مرد و عورت دونوں کو ہے، مگر نگاہ نیچی کرنے کے حکم سے کیا سمجھ میں آتا ہے؟ کس چیز کے دیکھنے سے روکا جارہا ہے؟ لباس کو؟ جوتوں کو؟ یقیناً نہیں، بل کہ چہرے کو۔ یہ چہرے کے پردے کا ثبوت نہیں تو اور کیا ہے؟ سورہ احزاب میں ازواج و بناتِ نبی ﷺ سمیت نساء مؤمنین کو اپنے اوپر جلباب ڈالنے کا حکم کس چیز کے پردے کی طرف راہ نمائی کرتا ہے؟ معلوم بھی ہے جلباب کیا ہے؟ حضرت ابن عباسؓ، ابن عطیہ اندلسیؒ، ابن کثیرؒ متقدمین میں سے جس کی بھی دل کرے تفسیر اٹھا کر دیکھ لیں، وہ کیا کہتے ہیں؟ یہی نا کہ جلباب ایک موٹی چادر ہوتی ہے، جسے خواتین گھر سے باہر نکلتے وقت اپنے اوپر ڈال کر اپنے پورے بدن کو ڈھانپ لیا کرتی تھیں، قرآن نے اس رواج کو برقرار رکھنے کے ساتھ ساتھ مزید یہ اضافہ بھی کیا کہ اسے اپنے چہروں پر بھی ڈال لیا کریں، یہ نقاب نہیں تو اور کیا ہے؟ اب بھی کئی خواتین بڑی چادر لیا کرتی ہیں۔

شیرانی صاحب! اگر چہرے اور ہاتھوں کا پردہ نہیں تو پھر بتلایئے! پردہ کس بلا کا نام ہے؟ کیا ان دو اعضا کے علاوہ بھی جسم کے ظاہری اعضا میں کوئی ایسا ہے جسے دیکھ

کر فساد کا خوف ہو؟ جس کی وجہ سے ہیجانی جذبات بھڑکیں؟ پیغامِ نکاح دینے کے لیے چہرے کا دیکھ لینا کافی کیوں قرار دیا گیا؟ اسی لیے نا کہ یہ پورے جسم کا دیباچہ ہے۔ افسوس! اس عمر میں آپ سے ایسا ایمان سوز فیصلہ کرایا گیا۔ پھر سمیعہ آنٹی کی خاموشی، اس کی وجہ وہی بہتر بتا سکتی ہیں۔

شیرانی صاحب! سورۂ نور، سورۂ احزاب، قرونِ اولی مشہود لہا بالخیر کا عمل کیا یہ شرعی دلائل نہیں، جو آپ نے فرمایا: اس کی کوئی مستحکم دلیل موجود نہیں ہے۔ مانا کہ سورۂ نور میں ''الا ما ظہر منھا'' سے چہرے اور ہاتھ ہی مراد ہیں، مگر یہ استثنا کیوں ہے؟ کیا آپ نے مفسرینِ کرام سے اس کو سمجھنے کی زحمت کی؟ نہیں۔۔۔۔ پھر کسی نشست میں۔۔ یار زندہ۔۔ صحبت باقی!!!

!ہر نماز میں اہتمام کیجیے

توحید الوہیت ، رسالت اور آخرت دینِ اسلام کے تین اہم ترین عقائد ہیں۔ سورہ اخلاص ان تین میں سے ایک یعنی توحید، اللّٰہ سبحانہ و تعالٰی کی مکمل اور جامع تعریف کرتی ہے اور وحدتِ ذاتِ معبود کے اصول تا قیامت طے کرتی ہے۔

یہ چار آیات مبارکہ پر مشتمل ادیان باطلہ ، عقائد فرقِ ضالہ کا رد کرتی ہیکہ اللّٰہ وحدہ لا شریک کے سوا تمام معبود باطل ہیں، لغو ہیں، جھوٹے ہیں، لچر ہیں، سب شیطان کی پھیلائی ہوئی گمراہی اور انسانی خواہشات کی ایجاد ہیں، تخلیق ہیں، صنعتکاری ہیں اور اسی طرح ان کے نام بھی اسی شیطان اور ان کے صنعتکاروں کے دیے ہوئے ہیں، خواہ وہ کسی بھی دور جاہلیت کے ہوں ، زبان و قوم کے ہوں،زمان و مکان کے ہیں، سب شیطان اور گمراہ انسان کے بنائے ہوئے طاغوت ہیں۔

قارئین کرام !ذیل میں احادیث مبارکہ کی روشنی میں اس سورت کے فضائل ذکر کیے جاتے ہیں ،تاکہ ہمیں معلوم ہو کہ یہ کیسی عظیم سورت ہے، جس کی صرف چار آیات کی تلاوت کا ثواب ایک تہائی یعنی 2022 آیات کی تلاوت کے برابر ثواب کا ہے، جس

سے محبت کرنے والوں کو ان کی اس محبت کے بدلے جنت اور اللہ وحدہ لاشریک کی محبت اور دوستی کا سبب ہونے کی بشارت دی گئی ہے۔ایک شخص نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ ! میں سورہ اخلاص سے محبت کرتا ہوں۔آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی محبت تجھے جنت میں داخل کردے گی۔

: سورہ اخلاص کے فضائل

☆......حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر چیز کی کوئی نسبت ہوتی ہے اور اللہ کی نسبت یہ سورتِ اخلاص ہے۔

☆......حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی کو ایک دستے کا امیر بنا کر جہاد کے لیے بھیجا۔وہ ہر نماز میں قرات کے آخر میں سورہ اخلاص پڑھتے تھے۔جب وہ واپس لوٹے تو انہوں نے اس کا ذکر نبی کریم ﷺ سے کیا۔آپ ﷺ نے فرمایا: اسے یہ خبر دو کہ اللہ بھی تمہیں دوست رکھتا ہے۔

☆......حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک انصاری صحابی مسجد قباء کے امام تھے۔ان کی یہ عادت تھی کہ الحمد کے بعد سورہ اخلاص پڑھتے، پھر اس کے بعد کوئی دوسری سورت یا کوئی آیات پڑھتے۔ہر رکعت میں ان کا یہی معمول تھا۔لوگوں پوچھا کہ آپ الحمد شریف کے بعد اس سورت کو بھی پڑھتے ہیں اور اس کے بعد دوسری سورت کو بھی، یا تو آپ سورہ اخلاص ہی پڑھا کریں یا پھر اسے چھوڑ کر دوسری سورت پڑھ لیا کریں۔ انہوں نے فرمایا: میں تو اسے نہیں چھوڑوں گا۔اگر

تم چاہو گے تو میں نماز پڑھاؤں گا اور اگر تم ناپسند کرتے ہو تو میں نماز پڑھانا چھوڑ دیتا ہوں۔ لوگ انہیں اپنے میں سب سے افضل سمجھتے ہیں اور اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ ان کی موجودگی میں کوئی دوسرا نماز پڑھائے۔ ایک دن نبی کریم ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ ان لوگوں نے آپ ﷺ کے سامنے یہ مسئلہ بیان کیا۔ آپ ﷺ نے اس صحابی سے پوچھا کہ تم اپنے ساتھیوں کی بات کیوں نہیں مانتے، تم ہر رکعت میں اس سورت کو پڑھنا لازمی کیوں سمجھتے ہو؟ اس نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! مجھے یہ سورت بڑی پسند ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تجھے اس سے یہ پسندیدگی اور محبت جنت میں داخل کردے گی۔

☆..... حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے کسی کو رات کے وقت بار بار یہ سورت دہراتے ہوئے سنا۔ صبح وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کے بارے میں ذکر کیا۔ شاید اس شخص نے اس سورت کو چھوٹا خیال کیا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: قسم ہے مجھے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے یہ تہائی قرآن کے برابر ہے۔

☆..... ایک اور روایت میں ہے کہ نبی پاک ﷺ نے اپنے صحابہ کرامؓ کو ارشاد فرمایا: کیا تم میں سے کوئی اس بات سے عاجز ہے کہ وہ رات کو ایک تہائی قرآن پڑھ لے۔ صحابہ کرام کو یہ بات بڑی مشکل لگی۔ عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! ہم میں سے کون ہے جو اس کی طاقت رکھتا ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: قل ھو اللہ احد تہائی قرآن کے برابر ہے۔

☆...... حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ حضرت قتادہ بن نعمانؓ پوری رات قل ھو اللہ احد کی تلاوت کرتے رہتے۔ جب نبی کریم ﷺ سے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! یہ نصف یا تہائی قرآن کے برابر ہے۔

☆...... حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ ایک مجلس میں تشریف فرما تھے، فرمانے لگے کیا تم میں سے کوئی نوافل میں تہائی قرآن پڑھ سکتا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کی: ہم میں سے کس میں اتنی طاقت ہے! آپؓ نے فرمایا: قل ھو اللہ احد تہائی قرآن ہے۔ اسی اثناء میں نبی کریم ﷺ تشریف لے آئے۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی یہ بات سنتے ہی فرمانے لگے: ابو ایوب نے سچ کہا۔

☆...... حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ صحابہؓ سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جلدی جمع ہو جاؤ، میں ابھی تمہارے سامنے تہائی قرآن کی تلاوت کروں گا۔ بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ آپ ﷺ حجرہ شریف سے باہر تشریف لائے اور سورہ اخلاص کی تلاوت فرمائی اور واپس لوٹ گئے۔ ہم ایک دوسرے کے ساتھ گفتگو کرنے لگے کہ آپ ﷺ نے تو فرمایا تھا میں تمہارے سامنے تہائی قرآن کی تلاوت کروں گا، شاید آسمان سے کوئی وحی نازل ہو گئی ہے۔ تھوڑی دیر بعد حضور ﷺ باہر تشریف لائے۔ ارشاد فرمایا: میں نے تمہیں کہا تھا کہ میں تمہارے سامنے تہائی قرآن کی تلاوت کروں گا۔ ذرا غور سے سنو۔ یہ سورت تہائی قرآن کے برابر ہے۔

☆...... حضرت ابو درداء، حضرت ابو سعید خدری، حضرت قتادہ، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنھم اور کئی دوسرے صحابہ کرامؓ سے اس کی مثل روایات مروی ہیں۔

حضرت ابی ابن کعبؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے قل ھو اللہ احد پڑھا، اس نے ایک تہائی قرآن پاک پڑھا۔

☆...... امام احمدؒ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قل ھو اللہ احد تہائی قرآن کے برابر ہے۔

☆...... حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تم اس بات سے عاجز ہو کہ ہر روز تہائی قرآن پڑھا کرو۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کی: ہاں ! یا رسول اللہ ﷺ، ہم تو ضعیف اور کمزور ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے قرآن کو تین حصوں میں تقسیم فرمایا ہے۔ قل ھو االلہ احد ایک تہائی قرآن ہے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: کیا تم میں سے کوئی ایک رات میں تین مرتبہ سورہ اخلاص پڑھنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ پھر فرمایا: یہ تہائی قرآن کے برابر ہے۔

☆...... حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا۔ آپ ﷺ نے ایک شخص کو سورہ اخلاص تلاوت کرتے ہوئے سنا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تیری اس سورت سے یہ محبت تجھے جنت میں داخل کردے گی۔

☆...... حضرت عبد اللہ بن حبیبؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ہمیں پیاس

لگی ہوئی تھی۔ رات انتہائی تاریک تھی۔ ہم رسول اللہ ﷺ کا انتظار کر رہے تھے کہ آپ ﷺ ہمیں عشاء کی نماز پڑھائیں۔ آپ ﷺ باہر تشریف لائے اور میرا ہاتھ پکڑ کر ارشاد فرمایا: پڑھو۔ میں خاموش رہا۔ آپ نے مجھے فرمایا پڑھو۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! میں کیا پڑھوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: قل ھو اللہ احد، قل اعوذ برب الناس تین تین مرتبہ صبح و شام پڑھ لیا کرو۔

☆...... حضرت تمیم الداریؓ روایت کرتے ہیں جس نے یہ کلمات دس مرتبہ پڑھے، اس کے نامہ اعمال میں چالیس لاکھ نیکیاں لکھی جائیں گی۔ وہ کلمات یہ ہیں: ''لا الٰہ الا اللہ واحداً احداً صمداً، لم یتخذ صاحبۃً ولا ولداً ولم یکن لہ کفواً احد ''

☆......ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے قل ھو اللہ کو دس مرتبہ پڑھا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک محل بنائے گا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! تب تو ہم اسے کثرت سے پڑھیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے پاس کسی چیز کی کمی نہیں اور وہ بہت پاکیزہ ہے۔

☆......ابو عبیدؒ روایت کرتے ہیں انہوں نے حضرت سعید بن مسیبؓ کو فرماتے ہوئے سنا: نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس نے گیارہ (11) مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھا، اس کے لیے اللہ تعالیٰ جنت میں ایک محل بنائے گا۔ جس نے اکیس (21) مرتبہ پڑھا اس کے لیے دو اور جس نے تیس (30) مرتبہ پڑھا اس کے لیے تین محل بنائے گا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کی: تب تو ہم بہت سے محل بنالیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا: اللہ بڑی وسعت والا ہے۔

☆...... حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے اکیاون (51) مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھی، اللہ تعالیٰ اس کے پچاس سال کے گناہ معاف فرمادیتا ہے۔ (اسے حافظ ابو یعلی موصلی نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے) اور اسی مسند کی دوسری روایت ہے کہ جس نے ایک دن میں دو سو مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھی، اس کے نامہ اعمال میں ایک ہزار پانچ نیکیاں لکھی جائیں گی بشرطیکہ اس پر قرض نہ ہو۔

☆......ایک روایت کے الفاظ ہیں جس نے دو سو مرتبہ قل ھو اللہ احد کی تلاوت کی، اللہ تعالیٰ اس کے پچاس سال کے گناہ معاف فرمادے گا، بشرطیکہ اس پر قرض نہ ہو۔

☆...... نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اپنے بستر پر سونے کا ارادہ کرے وہ اپنی دائیں کروٹ لیٹ کر ایک سو مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا: اے میرے بندے ! اپنی دائیں جانب سے جنت میں داخل ہو جا۔

☆...... حضرت عبد اللہ بن بریدہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مسجدِ نبوی میں داخل ہوا۔ وہاں ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا اور یہ دعا مانگ رہا تھا: " اللّٰھم انّی اسئلک بانّی اشھد ان لا الہ الا انتَ الا حد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفواً احد" آپ ﷺ نے یہ دعا سن کر فرمایا: قسم

ہے اس ذات کی، جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! اس نے اللہ سے اس کے اس اسم اعظم کے ساتھ سوال کیا ہے کہ جس کے ساتھ سوال کیا جائے تو وہ عطا کرتا ہے اور اگر دعا کی جائے تو وہ قبول فرماتا ہے۔

☆...... حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین عمل ایسے ہیں کہ جن کو اگر کوئی ایمان کی حالت میں کرتا ہے تو وہ جنت کے جس دروازے سے چاہے گا، داخل ہو جائے گا۔ جس حور سے چاہے گا، نکاح کر لے گا:

1...... جو اپنے قاتل کو معاف کر دے۔ 2...... خفیہ طور پر قرض ادا کرے۔ 3...... ہر فرض نماز کے بعد دس مرتبہ سورہ اخلاص پڑھے۔

حضرت ابو بکرؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! اگر ان میں کوئی ایک کام کرے۔ فرمایا: اسے بھی وہی درجہ حاصل ہوگا۔

☆...... حضرت جریر بن عبد اللہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے اپنے گھر داخل ہوتے وقت قل ھو اللہ احد پڑھا تو یہ سورت اس کے گھر اور پڑوسیوں کے گھر سے شر کو دور بھگا دیتی ہے۔

☆...... حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ ہم غزوہ تبوک میں حضور ﷺ کے ساتھ تھے، ایک دن سورج ایسے نور اور روشن کرنوں سے طلوع ہوا کہ اس سے پہلے ہم نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ تھوڑی دیر بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جبرئیل! جیسے آج سورج طلوع ہوا، اس سے پہلے ایسا کبھی نہیں دیکھا۔ انہوں نے عرض کی: آپ ﷺ کے صحابی معاویہ بن معاویہ

لیثیؓ مدینہ طیبہ میں انتقال فرماگئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی نماز جنازہ میں ستر ہزار فرشتے بھیجے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: انہیں یہ مقام کیسے حاصل ہوا؟ انہوں نے عرض کیا: یہ دن رات چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے ہر حالت میں قل ھو اللہ احد کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ پھر عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! اگر آپ بھی ان کی نماز جنازہ پڑھنا چاہتے ہیں تو زمین سمیٹ دیتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! حضرت جبرئیل علیہ السلام نے زمین پر پر مارا جس سے تمام درخت اور ٹیلے ہموار ہوگئے۔ آپ ﷺ کے سامنے ان کی چارپائی کو بلند کیا گیا۔ آپ ﷺ اس کا مشاہدہ فرمارہے تھے۔ آپ ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کے پیچھے دو صفیں تھیں، جن میں ستر ہزار فرشتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ ہر صف میں ستر ہزار فرشتے تھے۔

☆...... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ رات کے وقت جب بستر پر تشریف لے جاتے تو ہر رات ان تینوں سورتوں کو پڑھ کر اور اپنی دونوں ہتھیلیوں کو ملا کر دم کرتے اور جہاں تک ہاتھ پہنچ سکتے، اپنے جسم مبارک پر پھیرتے۔ پہلے سر مبارک پر، پھر منہ مبارک پر اور پھر باقی جسم مبارک پر اور یہ عمل تین مرتبہ دہراتے۔

ان فضائل کا حصول ہر مسلمان مرد وزن کے لیے آسان ہے، کیوں کہ بحمد اللہ! یہ سورت ہر کسی کو یاد ہے، تو کیوں نہ ہم آج سے ہی ان فضائل کے حصول کے لیے کمر

بستہ ہو جائیں، تاکہ ہمارے نامۂ اعمال میں یہ تمام اجور وثواب لکھے جائیں۔ اللّٰہ ہم سب کو توفیق ارزانی مرحمت فرمائے۔ آمین۔

واعظ خوش بیان مولانا ندیمؒ بھی جنت مکانی ہوگئے

خطیب العصر واعظ خوش الحان مولانا سید عبدالمجید ندیم شاہ بھی راہی ملک بقا ہوگئے ۔ان کے صاحب زادے مفتی سید فیصل ندیم شاہ کے مطابق ذیابیطس کے معالج سے ملنے کے لئے گھر سے روانہ ہوتے ہوئے ان کی طبیعت اچانک بگڑ گئی،انھیں فوری طور پر پنجاب انسٹی ٹیوٹ آف کارڈیالوجی لے جایا گیا،مگر داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے انھوں نے جان جان آفریں کے سپرد کردی۔

مولانا ندیمؒ ایک کہنہ مشق خطیب تھے،جنھوں نے نصف صدی چار دانگ عالم میں توحید و سنت، خلافت راشدہ، امہات المومنین، اہلبیت رسول ﷺ و صحابہ کرامؓ کی عظمت کے زمزمے گائے،ترانے کہرائے،ڈنکا بجایا اور لاکھوں لوگوں کی روحانی حیات تازہ کا سامان فراہم کیا،اس نے خطابت کا آہنگ شہنشاہ خطابت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سے سیکھا،جو ان کا آئیڈیل بھی تھے اور شاہ جیؒ کی طرح مترنم و دل سوز آواز میں قرآن مجید کی تلاوت ان کی پہچان تھی، وہ ہزاروں کے اجتماع سے کئی کئی گھنٹے مخاطب رہتے، قرآن و سنت کے موتی رولتے،،تلاوت قرآن ایسے مزے سے کرتے کہ جس کی لذت حاضرین کے قلب و ذہن میں پیوست ہو کر رہ جاتی، خود بھی تڑپتے اور ہزاروں لوگوں کو بھی تڑپاتے تھے ۔شاہ جی

کے اس انداز کو بہت سے خطیبوں نے اپنانے کی کوشش کی ہوگی، مگر بلا مبالغہ انھیں اس انداز میں شاہ جی کا نقش ثانی کہا جاسکتاہے۔ ہمیں اس بات کی کوئی مستند تصدیق تو نہ ہو سکی، البتہ غالب گمان ہمارا یہی ہے کہ انھوں نے اپنا تخلص ''ندیم'' بھی شاہ جیؒ سے متاثر ہوکر اختیار کیا ہوگا۔ واللہ اعلم!

بہر حال ان کے مواعظ و خطبات سننے والے جانتے ہیں کہ انھوں نے اپنی خطابت کا مرکزی محور ہمیشہ توحید کی دعوت کو بنائے رکھا، سورہ فاتحہ کو جب وہ اپنے مخصوص انداز سے ترجمے کے ساتھ پڑھتے تھے اور ''ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں'' کے دوران ''ہی'' کے الفاظ پر زور دیتے اور پورے مجمعے سے کہلواتے تھے تو ایک سماں بندھ جاتا تھا۔ یقیناً یہ ایمان افروز منظر وقت کے لات و منات و عزیٰ اور فراعین زماں کے در و دیوار میں لرزہ طاری کر دیتا تھا۔ ہم نے ان کی خطابت کا شباب تو نہیں دیکھا، مگر بڑوں سے سنا ضرور ہے کہ کوئی جلسہ اور پروگرام، خواہ وہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا ہو، جمعیت علمائے اسلام کا ہو، سیرت کانفرنس ہو یا کسی بڑے مدرسے میں دستار بندی کی تقریب، شاہ صاحب کی موجودگی اس کی کامیابی کی دلیل ہوا کرتی تھی۔ ان کے خطبات و مواعظ کی کیسٹیں، اس ی ڈیز، کمپیوٹر و انٹرنیٹ کے دور میں بھی فروخت کا اپنا ریکارڈ برقرار رکھے ہوئے تھیں۔

شاہ صاحب نے اپنی خطابت کو جنس بازار بننے نہ دیا۔ یہ ان کی مقصد و مشن سے وابستگی اور کمال اخلاص ہی کا کرشمہ تھا کہ باوجود کسی قسم کی سیاسی شناخت اور عہدہ و منصب اور روایتی عوامی حمایت نہ ہونے کے باوجود ان کی خطابت کے سامنے مخالفین کے بڑے بڑے خطیبوں کی خطابت ماند پڑ جاتی تھی۔ ان کی خطابت کے شباب کے زمانے میں مخالف مکتبہ فکر کے علامہ محمد شفیع اوکاڑوی کا طوطی بولتا تھا، لیکن وہ کبھی بھی علامہ سید عبدالمجید ندیم کے مقابل نہ آ سکا۔

یہ دور خوش الحان واعظین کا نہیں، لوگ اب سادہ طرز بیان کو پسند کرتے ہیں یا پھر پر جوش خطیبوں کے دل دادہ ہیں، شاید یہی وجہ ہے کہ نوجوانوں میں اپنی تقریبات و پروگرامات میں خوش الحان واعظین کا مدعو کرنے کا رواج ختم ہوتا جا رہا ہے، اس کے باوجود علامہ سید عبدالمجید ندیم شاہ کو پروگراموں میں مدعو کیا جاتا تھا، شاید اس لیے کہ ان کی خوش الحانی صرف خوش گلوئی تک محدود نہ تھی، بلکہ اس میں سوز بھی تھا اور ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کے مصداق ان کی بات مجمع کے دل و دماغ پر اثر کرتی تھی اور ان کا بیان سننے والا ان کی فکر کو نہ صرف قبول کر کے اٹھتا تھا، بلکہ وہ اس فکر کا داعی بن جاتا تھا۔ یورپی اور افریقی ممالک کے دوروں کے دوران ان کی تقریروں سے متاثر ہو کر سیکڑوں غیر مسلم اسلام کے دامن رحمت میں آئے، یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر کے مسلمانوں میں انہیں سفیر اسلام کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔

ہمیں ان کے بیانات سننے کے علاوہ زیارت وملاقات کا موقع نہیں ملا،نہ وہ کوئی میڈیاوخبروں میں رہنے والے آدمی تھے،اس لیے ہم سمیت موجودہ نئی نسل ان سے کماحقہ آگاہ نہ ہو سکی۔ضرورت اس امر کی ہے کہ ان کے متعلقین ان کے خطبات ومواعظ کوکتابی شکل میں شایع کریں،تاکہ ان کی سوچ وفکر زندہ رہ سکے۔

آخر میں ہم خطیب العصر سفیر اسلام حضرت مولانا علامہ سید عبدالمجید ندیم شاہ نوراللہ مرقدہ کے چندزریں خیالات نذر قارئین کررہے ہیں،جوانھوں نے ایک معاصر روزنامے کوانٹرویو دیتے ہوئے ظاہر فرمائے تھے،کہ اس میں ہمارے لیے سوچنے سمجھنے اور عمل کرنے کے لیے بہت کچھ ہے۔ان کا کہنا تھا کہ،:

ہواپانی آگ یہ سب اللہ کے لشکر تھے،پہلے کبھی یہ اتنے برانگیختہ نہ ہوتے تھے جتنا...... آج ہوتے ہیں،سیلاب اور آگ لمحوں میں بستیوں کی بستیاں اجاڑ کر رکھ دیتے ہیں، پانی انسانی زندگی کی ضرورت تھا،اب یہ موت کا پیغام بن کر انسانوں اور جانوروں کو ڈبورہاہے،آن کی آن میں لہلہاتی ہوئی فصلیں برباد کرڈالتا ہے،یہ سب اللہ کا عذاب نہیں تو پھر اور کیا ہے؟

مدارس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا،دینی مدارس معاشرے میں ریڑھ کی ہڈی...... کی حیثیت رکھتے ہیں،لیکن اس سب کے باوجود مدارس کے نصاب میں اصلاحات کی اشد ضرورت ہے۔مدارس میں صرف رٹا لگوایا جاتا ہے،ذہن سازی تو ہوتی ہے

لیکن انسان سازی ناپید ہے۔
افسوس آج کل علما نہیں بلکہ علما نما لوگ تیار ہو رہے ہیں، علماء جیسی وضع قطع رہ ...... گئی ہے، علما ختم ہو چکے ہیں۔ جہاں علم ہوگا وہاں حلم، برداشت، تحمل، عشق و سوز ہوگا۔
ہمارے مدارس نے تو مسجدوں کے موذن اور مظلوم امام تیار کیے، ان میں کوئی بھی...... ابن تیمیہ، شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر، عبدالرحمٰن جامی رحمھم اللہ تعالیٰ جیسا کیوں پیدا نہیں ہو رہا؟
مدارس روشن دماغ تیار کرنے میں لگے ہوئے ہیں، حالانکہ اس دور میں روشن ...... ضمیروں کی ضرورت ہے۔ روشن دماغ کبھی گنگا اور کبھی جمنا میں وضو کرتے اور قبلے بدلتے رہتے ہیں، جبکہ روشن ضمیر لوگ ہی امید کی کرن ہوتے ہیں۔
ان کی اس گفت گو میں دینی مدارس پر تنقید جھلک رہی ہے، لیکن اگر تعصب کی عینک لگائے بغیر حقیقت پسندی سے دیکھا جائے تو یہ کوئی تنقید برائے تنقید نہیں، بلکہ نصف صدی سے توحید وسنت کے زمزمے بلند کرنے والا یہ جہاں دیدہ خطیب اس دور میں اپنے گرد وپیش جو کچھ دیکھ رہا تھا، اس کا تجزیہ، تصویر کشی اور دل سوزی کے ساتھ مرض کی تشخیص ہے۔ کیا واقعی ہمارے نئے فضلائے مدارس کی اکثریت علامہ مرحوم کی ”روشن دماغ“ والی اصطلاح پر پورا نہیں اترتی؟ کیا ہمارا فاضل آج اپنے مفادات، دھن دولت کے حصول، شہرت کی دوڑ میں آگے نکلنے کی

دھن میں گنگا، جمنا سے وضو نہیں کر رہا؟ قبلے نہیں بدل رہا؟ اپنی حالت زار کا مکمل ذمے دار اہل مدارس کو نہیں ٹھہرا رہا کہ انھوں نے مجھے ''بسم اللہ کے گنبد'' میں بند کرکے رکھ دیا، مجھے زمانے کے لیے اجنبی بنا کر رکھ دیا، میری عمر عزیز کا بہترین زمانہ غلام، بابدی، درہم دینار کی لکیر پیٹنے میں گزر گیا؟ یقیناً ایسا ہے، تو پھر طبیب کو الزام دینے کے بجائے کیا ضرورت اس امر کی نہیں کہ اس مرض کا علاج کیا جائے!

مولانا عبدالمجید ندیم شاہؒ مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمودؒ کی درویشانہ سیاست سے سب سے زیادہ متاثر تھے، انھی کے دور میں جمعیت علمائے اسلام سے منسلک ہوئے اور مولانا مفتی محمودؒ کی زندگی میں ان سے پیدا ہونے والی انسیت اور تعلق کو تاحیات نبھایا، وہ مولانا فضل الرحمٰن کے قریب ترین اور بااعتماد دوستوں میں شمار کیے جاتے تھے

۔

اللہ تعالی ان کی بال بال مغفرت فرمائے اور ان کے وابستگان و منتسبین کو ان کے نقش قدم پر چلتے رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

دعائے خلیلؑ اور نوید مسیحاؑ.....ولادت تا عطائے رسالت

رسول اکرم ﷺ مکہ مکرمہ کے مقام شعبِ بنی ہاشم (بعد میں یہ مقام شعبِ ابی طالب کہلایا) میں عام الفیل، جس سال ابرہہ نے ہاتھیوں پر مشتمل ایک بہت بڑا لشکر لے کر مکہ پر حملہ کرنے کی کوشش کی تھی، ربیع الاول بمطابق 22 اپریل 571 عیسوی، موسم بہار میں پیر کے دن صبح کے وقت پیدا ہوئے۔تاریخ ولادت میں متعدد اقوال ہیں، جن میں دو، آٹھ، نو، بارہ شامل ہیں۔ واللہ اعلم !

آپ ﷺ اکثر پیر کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ایک صحابی نے آپ ﷺ سے پیر کے دن روزہ رکھنے سے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

پیر کے دن میری ولادت ہوئی تھی اور اسی دن مجھ پر نزولِ وحی کی ابتدا ہوئی تھی۔ (مسلم شریف)

آپ ﷺ کی والدہ محترمہ کا نام آمنہ بنت وہب تھا۔ آپ ﷺ کے والد محترم جناب عبداللہ بن عبدالمطلب آپ ﷺ کی پیدائش سے تقریباً چار ماہ پہلے ہی وفات پا چکے تھے۔ آپ ﷺ کی پیدائش کے وقت دایہ کے فرائض سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی والدہ شفاؓ بنت عمرو نے انجام دیئے۔

آپ ﷺ کی ولادت سے قبل، شکم مادر میں جلوہ افروز ہونے کے وقت سے ہی غیر معمولی واقعات پیش آنا شروع ہوگئے تھے، سیرت کی کتابوں میں ''ارہاص'' جیسے عنوان سے

ان واقعات کو جمع کیا گیا ہے، ہم ذیل میں چند ایک واقعات کو ذکر کرنے پر اکتفا کریں گے:

جب آپ ﷺ پیدا ہوئے تو حضرت آمنہؓ نے خواب میں دیکھا کہ ان کے جسم سے ایک ایسا نور نکلا ہے جس سے ملک شام کے محلات روشن ہو گئے ہیں۔ (مسند احمد)

آپ ﷺ کی ولادت کے بعد حضرت آمنہؓ نے جناب عبدالمطلب کو ان کے پوتے کی خوشخبری بھجوائی تو وہ بہت زیادہ خوش ہوئے اور آپ ﷺ کو اٹھا کر خانہ کعبہ میں لے گئے، اللہ تعالی کا شکر ادا کیا اور آپ ﷺ کے بارے اللہ تعالی سے خوب دعائیں کیں اور آپ ﷺ کا نام محمد (جس کی سب سے زیادہ تعریف کی جائے) رکھا، اس امید پر کہ آپ ﷺ کی تعریف کی جائے گی۔ آپ ﷺ کی ولادت سے لے کر آج تک تمام آسمان وزمین والے آپ ﷺ کی تعریف کرتے ہیں اور قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

جناب عبدالمطلب نے آپ ﷺ کی پیدائش کے ساتویں دن عرب کے دستور کے مطابق آپ ﷺ کا ختنہ اور عقیقہ کیا اور عقیقے کی دعوت میں قبیلہ والوں کو مدعو کیا۔ دعوت میں شریک ہونے والے لوگوں نے جب عبدالمطلب سے پوتے کے نام کے بارے پوچھا تو جناب عبدالمطلب نے جواب دیا:

میں نے ان کا نام محمد رکھا ہے اور مجھے ہر طرف سے اس نام کی گونج سنائی دے رہی ہے۔ (بیہقی)

آپ ﷺ کا نام حضرت آمنہؓ نے ایک خواب کی بنا پر ''احمد'' (سب سے زیادہ تعریف

کرنے والا) رکھا تھا۔

آپ ﷺ کو آپ کی والدہ کے بعد سب سے پہلے آپ ﷺ کے چچا ابو لہب کی کنیز ثویبہ نے دودھ پلایا، ان کے بعد سیدہ حلیمہ سعدیہؓ نے دودھ پلایا۔ عرب کے شہری باشندوں کا دستور تھا کہ وہ اپنے بچوں کو اچھی آب و ہوا کی خاطر دودھ پلانے والی دیہاتی عورتوں کے سپرد کردیا کرتے تھے، تاکہ ان کے جسم طاقتور اور اعصاب مضبوط ہوں اور وہ خالص عربی زبان سیکھ سکیں۔ اسی دستور کے مطابق آپ ﷺ کو بھی سیدہ حلیمہ بنت ابی ذویب، جن کا تعلق قبیلہ بنو سعد سے تھا،کے سپرد کیا گیا۔ ان کے شوہر کا نام حارث بن عبدالعزیٰ اور کنیت ابو کبشہ تھی۔ اس طرح حارث کے بچے اور بچیاں آپ ﷺ کے رضاعی بہن بھائی ہوئے۔ جن کے نام یہ ہیں عبداللہ، انیسہ اور حذافہ،ان کا لقب شیما تھا، یہ آپ ﷺ کو گود میں کھلایا کرتی تھیں ۔ رضاعت کے دوران حلیمہؓ نے آپ ﷺ کی برکت کے ایسے ایسے مناظر دیکھے کہ وہ حیرت زدہ رہ گئیں ۔آپ فرماتی ہیں کہ :

قحط سالی کے دنوں میں ہمارے پاس ایک کمزور گدھی تھی ،جس سے تیز چلا بھی نہیں جاتا تھا اورایک اونٹنی تھی جو بہت ہی کم دودھ دیتی تھی۔ میرے ہاں بھی غربت کی وجہ سے دودھ بہت کم آتا تھا،جس کی وجہ سے میرا بچہ بے قراری سے بلکتااور روتارہتا تھا۔ جب میں آہستہ آہستہ چلتی ہوئی مکہ پہنچی تو میرے ساتھ روانہ ہونے والی عورتیں مجھ سے پہلے مکہ پہنچ کر دودھ پلانے کے لیے نومولود بچے حاصل کر چکی تھیں ۔ مجھے پتا چلا کہ اب ایک ہی نومولود بچہ باقی ہے اور

وہ بھی یتیم ہے۔ میں نے اسے غنیمت سمجھ کر لینے کا ارادہ کر لیا۔جب میں نے جا کر اس بچہ کو دیکھا تو وہ اتنا خوبصورت لگا کہ اس جیسا بچہ میں نے پہلے کبھی دیکھا ہی نہیں تھا۔ میں نے اس کو اپنی گود میں لیا اور جیسے ہی میں نے اسے اپنے سینے سے لگایا تو مجھے اتنا سکون ملا جس کا بیان الفاظ میں کرنا مشکل ہے۔جب میں نومولود کو لے کر واپس لوٹی تو وہ میری کمزور سی گدھی اتنی تیز چلنے لگی کہ پورے قافلے سے آگے نکل گئی اور کوئی بھی سواری اس کا مقابلہ نہ کر سکی۔

میرے شوہر نے جب اونٹنی کے تھنوں کو ہاتھ لگایا تو وہ بھی دودھ سے بھرے ہوئے تھے۔ میرے سینے میں بھی اتنا دودھ بھر گیا کہ آپ ﷺ نے بھی خوب پیٹ بھر کر پیا اور میرے دوسرے بیٹے نے بھی جی بھر کر پیا۔

آپ ﷺ کو گھر میں لانے کے بعد میری بکریوں نے بھی بہت زیادہ دودھ دینا شروع کر دیا۔

سیدہ حلیمہ سعدیہؓ کی پرورش میں آپ ﷺ نے جب دو سال گزار لیے تو وہ آپ ﷺ کو حضرت آمنہؓ کے سپرد کرنے کے لیے اس حال میں گھر سے روانہ ہوئیں کہ آپ ﷺ کی جدائی کے غم سے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ نبی کریم ﷺ کی والدہ محترمہ آمنہؓ بنت وہب نے جب ان کی یہ حالت دیکھی تو پوچھا:

کیا تم میرے بچے کو کچھ دن اور اپنے پاس رکھنا چاہتی ہو؟

سیدہ حلیمہ سعدیہؓ نے عرض کیا: جی ہاں! اگر آپ کچھ مزید عرصہ انھیں میرے

پاس رہنے دیں تو آپ کی مہربانی ہوگی۔

میری اس درخواست پر انھوں نے خوشی سے مجھے اس کی اجازت دے دی۔ آپ ﷺ کی پہلی مرتبہ آمد ہی سے میرے گھر میں اللہ تعالی کی برکتوں کا نزول شروع ہو چکا تھا، اب نبی کریم ﷺ کے دوبارہ تشریف لانے سے میرا گھر خیر و برکات کے اعتبار سے تمام قبیلے والوں کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ آپ ﷺ مزید دو سال تک حلیمہ سعدیہؓ کے پاس رہے۔

سیدہ حلیمہ سعدیہؓ کے رضاعی ماں ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ ہمیشہ ان کے قبیلے والوں کا ہر طرح سے خیال رکھتے۔ غزوہ حنین کے موقع پر جب حلیمہ سعدیہؓ کے قبیلے کے کچھ لوگ گرفتار کرکے آپ ﷺ کے پاس لائے گئے تو آپ ﷺ نے ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہوئے انھیں رہا فرما دیا۔

رسول اکرم ﷺ کا پوری زندگی میں دو مرتبہ سینہ مبارک چاک کیا گیا۔ پہلی مرتبہ جب آپ حلیمہ سعدیہؓ کی زیر تربیت، اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک دن اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ کھیل میں اور بعض روایات کے مطابق اپنی رضائی بہین کے ساتھ جانور چرانے میں مصروف تھے کہ جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور انھوں نے آپ ﷺ کو لٹا کر آپ ﷺ کا سینہ مبارک چاک کیا، آپ ﷺ کا دل مبارک نکالا اور اس میں سے گوشت کا ایک لوتھڑا نکال کر فرمایا: یہ ٹکڑا شیطان کا حصہ تھا جو باہر نکال دیا گیا ہے۔ پھر آپ ﷺ کے دل مبارک کو سونے کے طشت میں زم زم کے پانی سے دھو کر اس کی جگہ پر رکھ کر سی دیا۔ اطلاع ملنے پر حلیمہ سعدیہؓ اور ان کے

گھر کے لوگ فوراً آپ ﷺ کے پاس پہنچے تو دیکھا آپ ﷺ کا چہرہ مبارک اترا ہوا تھا، پھر سیدہ حلیمہ آپ ﷺ کو لے کر گھر تشریف لے آئیں ۔ (مسلم شریف) اور دوسری مرتبہ معراج کے موقع پر، جس کی تفصیلات حدیث و سیرت کی کتابوں میں موجود ہیں۔

واقعہ شق صدر کے بعد حلیمہ سعدیہؓ کو آپ ﷺ کے بارے خطرہ محسوس ہوا۔ انھوں نے اس واقعہ کے بعد آپ ﷺ کو حضرت آمنہؓ بنت وہب کے پاس مکہ پہنچا دیا اور آپ ﷺ نے اپنی والدہ محترمہ کے سایہ محبت میں تقریباً دو سال گزارے پھر وہ بھی داغ مفارقت دے گئیں، اس کا واقعہ یہ ہوا کہ حضرت آمنہ، ننھے محمد (ﷺ) اپنی خادمہ ام ایمنؓ اور اپنے سرپرست جناب عبدالمطلب کے ساتھ یثرب (مدینہ) تشریف لے گئیں، جہاں آپ ﷺ کا ننھیال اور آپ ﷺ کے والد محترم کی قبر تھی۔ یثرب میں ایک ماہ رہ کر واپس مکہ آ رہی تھیں ، راستے میں بیمار ہو گئیں اور ابواً نامی مقام پر پہنچ کر وفات پا گئیں اور انھیں وہیں دفن کر دیا گیا۔ والدہ محترمہ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کے دادا جناب عبدالمطلب آپ ﷺ کو لے کر مکہ مکرمہ تشریف لائے۔ آپ ﷺ کے دادا آپ ﷺ کی بڑی قدر کیا کرتے تھے۔ وہ آپ ﷺ کو اپنی اولاد سے بھی بڑھ کر چاہتے تھے۔ ان کی ایک خاص مسند تھی جس پر ان کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں بیٹھ سکتا تھا، لیکن وہ اپنی مسند پر آپ ﷺ کو بٹھاتے ، آپ ﷺ کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے اور آپ ﷺ کو دیکھ کر بہت زیادہ خوشی کا اظہار کیا کرتے تھے۔ ابھی آپ ﷺ کی عمر آٹھ سال اور دو ماہ ہی ہوئی تھی کہ آپ ﷺ کے دادا بھی

وفات پا گئے۔

بے سایہ کر دیا رب نے سایہ دار کو

آپ ﷺ کے دادا محترم وفات سے پہلے یہ وصیت کر کے گئے تھے کہ میرے بعد میرے اس پوتے کی کفالت ابو طالب کریں۔ چنانچہ جناب عبدالمطلب کی وصیت کے مطابق جناب ابوطالب نے آپ ﷺ کی کفالت کی ذمہ داری قبول کی۔ جناب ابو طالب آپ ﷺ کے والد محترم کے سگے بھائی تھے۔ وہ آپ ﷺ سے بہت زیادہ محبت کرتے اور آپ ﷺ کو اپنے بچوں سے بھی زیادہ چاہتے تھے۔ وہ بہت زیادہ مالدار نہیں تھے لیکن آپ ﷺ کی کفالت کی ذمہ داری اٹھانے کے بعد اللہ رب العزت نے ان کے تھوڑے سے مال میں خوب.برکت پیدا فرمادی تھی اور ان کا تھوڑا سا مال ان کے پورے کنبے کی ضروریات کے لیے کافی ہو جاتا تھا۔

آپ ﷺ اپنے چچا ابو طالب کی کفالت میں جب بارہ سال کی عمر کو پہنچے ،توجناب ابو طالب نے تجارت کے لیے ملک شام جانے کاارادہ کیا اور اس سفر میں آپ ﷺ کو بھی اپنے ساتھ لے لیا۔ بصرہ شہر کے قریب ایک پادری بحیرہ راہب رہتا تھا، جس کا نام جرجیس اور لقب بحیرہ تھا، وہ انھیں دیکھ کر اپنے گرجا سے باہر نکل آیا اور اس قافلے کی میزبانی کی۔ اس نے آپ ﷺ کے سرپر بادل کو سایہ کرتے ہوئے دیکھ کر آپ ﷺ کے چچا اور قافلے والوں کو بتایا کہ یہ دونوں جہاں کے سردار ہیں اور اللہ تعالی انھیں رحمت عالم بنا کر بھیجیں گے۔ جناب ابو طالب نے اس سے پوچھا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟

اس نے جواب دیا: جب تم لوگ اس طرف آ رہے تھے تو کوئی بھی درخت یا پتھر ایسا نہیں تھا جو انھیں سجدہ کرنے کے لیے نہ جھکا ہو۔ یہ چیزیں نبی کے علاوہ کسی اور کو سجدہ نہیں کرتیں اور میں انھیں مہر نبوت سے بھی پہچان گیا ہوں اور ان کی صفات ہماری آسمانی کتب (تورات اور انجیل) میں بھی موجود ہیں۔ بحیرہ راہب نے جناب ابوطالب سے کہا کہ آپ انھیں ملک شام لے کر نہ جائیں کیوں کہ وہاں انھیں یہود سے بہت زیادہ خطرہ ہے۔ چنانچہ جناب ابو طالب نے آپ ﷺ کو اپنے چند غلاموں کے ساتھ (مکہ مکرمہ واپس بھیج دیا۔ (ترمذی شریف

جب آپ ﷺ کی عمر مبارک بیس سال کی ہوئی تو ذی قعدہ کے مہینہ میں عکاظ نامی مقام پر ایک جنگ، جنگ فجار ہوئی، جس میں ایک طرف قریش اور کنانہ کے قبائل اور دوسری طرف قیس اور غیلان کے قبائل تھے۔ اس جنگ میں پہلے قیس کا پلہ بھاری تھا، لیکن بعد میں قریش کا پلہ بھاری ہو گیا۔ اس میں بہت سے لوگ ہلاک ہو گئے لیکن بعد میں دونوں نے صلح کر لی اور جس گروہ کے زیادہ مقتول تھے، دوسرے گروہ نے ان مقتولوں کی دیت ادا کی۔ اس جنگ میں آپ ﷺ بھی اپنے چچاؤں کے ساتھ شریک ہوئے اور انھیں تیر اٹھا اٹھا کر پکڑاتے تھے۔

اس جنگ کے فورا بعد اسی مہینے میں قریش کے پانچ قبائل (بنو ہاشم، بنو مطلب، بنو اسد، بنو زہرہ اور بنو تمیم) کے درمیان ایک امن معاہدہ طے پایا، جسے حلف الفضول کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔۔ اس معاہدے کی وجہ یہ تھی کہ یمن کا ایک زبید نامی آدمی سامانِ تجارت لے کر مکہ آیا۔ عاص بن وائل نے اس سے سامان

خرید لیا لیکن قیمت ادا نہ کی۔ اس آدمی نے مختلف قبائل سے مدد کی درخواست کی، لیکن انھوں نے اس پر کوئی توجہ نہ دی۔ چنانچہ اس نے ابوقبیس پہاڑ پر چڑھ کر اپنی مظلومیت ظاہر کی اور مدد کے لیے آواز بلند کی۔ اس کی آواز سن کر زبیر بن عبدالمطلب نے لوگوں میں اصلاح کی تحریک شروع کی۔ آپ ﷺ بھی اس کے ساتھ اس مہم میں شریک ہوگئے۔ ان تمام قبائل کے سردار، قبیلہ بنو تمیم کے سردار عبداللہ بن جدعان کے گھر میں اکٹھے ہوئے اور سب نے مل کر یہ معاہدہ کیا کہ آج کے بعد مکہ میں کسی کا ظلم برداشت نہیں کیا جائے گا، ہر مظلوم کی مدد کی جائے گی اور ظالم کو سزا دی جائے گی۔

چنانچہ اس معاہدے کے بعد عاص بن وائل سے زبیدی کا حق لے کر اس کے حوالے کیا گیا۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:۔

میں عبداللہ بن جدعان کے مکان میں ایک ایسے معاہدے (حلف الفضول) میں شریک ہوا کہ مجھے اس کے بدلے میں سرخ اونٹ بھی پسند نہیں اور اگر دورِ اسلام میں بھی مجھے ایسے معاہدے کے لیے بلا جائے تو میں یقیناً اسے قبول کروں گا۔ (بیہقی)

نبی کریم ﷺ جب جوان ہوئے تو تجارت کی طرف رجحان بڑھا، لیکن آپ ﷺ کے پاس اتنی رقم نہ تھی کہ تجارت کر سکیں۔ مکہ کے نہایت شریف خاندان کی مال دار بیوہ خاتون سیدہ خدیجہ بنت خویلد کو جب آپ ﷺ کی صداقت، دیانت، امانت اور خوش اخلاقی کا علم ہوا تو انھوں نے آپ ﷺ کی خوبیوں سے متاثر ہو کر درخواست کی کہ آپ ﷺ ان کی رقم سے تجارت کریں اور انھوں نے یہ پیش کش بھی کی کہ وہ آپ ﷺ کو دوسروں سے بڑھ کر اجرت دیں گی۔ خدیجہ نے اس سفر کے دوران اپنا غلام میسرہ بھی

بھیجا۔ آپ ﷺ جب ان کا مال لے کر تجارت کرنے شام گئے تو اس تجارت میں بہت نفع ہوا۔ آپ ﷺ جب واپس مکہ تشریف لائے تو سیدہ خدیجہ نے اپنے مال میں ایسی برکت دیکھی جو پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ یہ دیکھ کر وہ حیران رہ گئیں اور ان کے غلام میسرہ نے بھی آپ ﷺ کی عمدہ صفات کے بارے میں حضرت خدیجہ کو آگاہ کیا جس سے متاثر ہو کر انھوں نے اپنی ایک سہیلی، نفیسہ بنت منبہ کو بھیج کر آپ ﷺ کو نکاح کی پیش کش کی۔ آپ ﷺ نے ان کی اس خواہش کا اپنے چچاؤں کے سامنے اظہار کیا۔ آپ ﷺ کے چچا سیدنا حمزہ اس رشتہ کا پیغام لے کر سیدہ خدیجہ کے چچا عمرو بن اسد کے پاس گئے، جسے انھوں نے بخوشی قبول کیا اور اس کے بعد سیدہ خدیجہ کا نکاح آپ ﷺ سے کرا دیا۔ نکاح کے وقت آپ ﷺ کی عمر 25 سال جبکہ سیدہ خدیجہ کی عمر 40 سال تھی۔ رضی اللہ تعالی عنھا! آپ ﷺ نے اپنی بھرپور جوانی کے 25 سال صرف ایک بیوہ عورت کے ساتھ گزار دیے۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ آپ ﷺ نے آخری عمر میں جو شادیاں کیں وہ دینی مصلحت کے تحت کیں نہ کہ اپنی ذاتی خواہش کی تکمیل کی غرض سے، جیساکہ دشمنان اسلام پروپیگنڈا کرتے ہیں۔

۔آپ ﷺ کی تمام اولاد، سوائے ابراہیمؓ کے، جو ماریہ قبطیہؓ سے پیدا ہوئے، سیدہ خدیجہؓ سے ہی تھی۔ جن میں پہلے قاسمؓ، پھر زینبؓ، پھر رقیہؓ، پھر ام کلثومؓ، پھر فاطمہؓ، پھر عبداللہؓ، جن کا لقب طیب و طاہر پیدا ہوئے۔ آپ ﷺ کے تمام بیٹے بچپن ہی میں فوت ہو گئے، البتہ تمام بیٹیوں نے عہد نبوت پایا، اسلام لائیں اور ہجرت بھی کی اور وہ سب ،آپ ﷺ کی زندگی میں ہی فوت ہو گئیں

(سوائے سیدہ فاطمہؓ کے ،جو آپ ﷺ کے بعد چھ ماہ زندہ رہیں ۔(سیرت ابن ہشام

جب آپ ﷺ کی عمر مبارک 35 سال کی ہوئی تو ایک زوردار سیلاب آیا، جس سے بیت اللہ کی دیواریں پھٹ گئیں، اس لیے قریش مجبور ہو گئے کہ بیت اللہ کا مقام و مرتبہ برقرار رکھنے کے لیے اسے ازسرنو تعمیر کریں ۔ اس موقعے پر انھوں نے یہ متفقہ فیصلہ کیا کہ خانہ کعبہ کی تعمیر میں صرف حلال مال ہی استعمال کریں گے۔ زانیہ کی اجرت، سود کی آمدنی اور کسی سے ناحق لیا ہوا مال استعمال نہیں کریں گے۔ جب حلال مال اکٹھا کیا گیا تو وہ مال اتنا نہیں تھا کہ جس سے بیت اللہ کو اس کی اصل بنیادوں پر ازسرنو تعمیر کیا جا سکے، لہٰذا انھوں نے مال کی کمی کی وجہ سے شمال کی طرف سے کچھ حصہ تعمیر میں شامل نہیں کیا، بلکہ اس پر ایک چھوٹی سی دیوار اٹھا کر چھوڑ دی۔ یہی ٹکڑا حطیم اور حجر کہلاتا ہے۔ جب خانہ کعبہ کی عمارت حجر اسود تک بلند ہوچکی تو حجر اسود کو اس کی جگہ پر نصب کرنے کے بارے میں قریش کے درمیان جھگڑا ہوگیا۔ ہر قبیلہ کے سردار کی خواہش تھی کہ حجر اسود کو نصب کرنے کا شرف اسے حاصل ہو۔ یہ جھگڑا پانچ دن تک چلتا رہا اور اس قدر شدت اختیار کرگیا کہ قریب تھا کہ حرم میں خون خرابہ ہوجاتا۔ اتنے میں ایک عمر رسیدہ شخص ابوامیہ مخزومی نے یہ تجویز پیش کی کہ صبح مسجد حرام کے دروازہ سے جو شخص سب سے پہلے داخل ہو اسے منصف مان لیں ۔ سب لوگوں نے یہ تجویز منظور کرلی۔ اللہ تعالی کی مرضی ،کہ سب سے پہلے آپ ﷺ مسجد حرام میں داخل ہوئے۔

:لوگ آپ ﷺ کو دیکھتے ہی پکار اٹھے

(ھذا الامین رضینا ہ ھذا محمد (یہ امین ہیں ، ہم ان سے راضی ہیں، یہ محمد ہیں۔
آپ ﷺ کو معاملے کی تفصیل بتائی گئی تو آپ ﷺ نے ایک چادر منگوائی جس میں اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو رکھا اور تمام قبائل کے سرداروں سے کہا:
تم لوگ اس چادر کو کناروں سے پکڑ کر اسے حجر اسود کے مقام تک لے چلو۔
جب وہ وہاں لے گئے تو آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اٹھا کر اس کی مقررہ جگہ پر نصب فرما دیا۔ یہ اتنا عمدہ فیصلہ تھا، جس پر تمام لوگ راضی ہو گئے۔
آپ ﷺ کی رسالت کا تذکرہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تورات، انجیل اور دیگر آسمانی کتب میں بھی کیا اور سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام سے عالم ارواح میں اور ان تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے اپنے اپنے زمانوں میں اپنی امتوں سے عہد وپیمان بھی لیا کہ اگر وہ نبی (حضرت محمد ﷺ) تمہارے دور میں آجائیں تو تم ان کی ہر ممکن مدد اور اتباع کرو۔ ہر آنے والا نبی آپ ﷺ کی خوشخبری لے کر آیا۔ آپ ﷺ کی بعثت سے قبل معاشرہ کفر و شرک کی دلدل میں پھنسا ہوا تھا اور ہر طرف ظلم و ستم کا اندھیرا چھایا ہوا تھا اور مظلوم کی آہ وبکا اور فریاد رسی کے لیے کوئی مسیحا نہیں تھا۔ اجیسے جیسے رسول اکرم ﷺ کی بعثت کا زمانہ قریب آتا جا رہا تھا، عرب میں یہود ونصاریٰ کے مذہبی پیشوا اس بارے میں زیادہ باتیں کرنے لگے تھے، کیونکہ انھوں نے اپنی اپنی مذہبی کتب میں آپ ﷺ کے متعلق جو

کچھ پڑھا تھا، اس کے آثار دن بہ دن ان کی نگاہوں کے سامنے آتے جارہے تھے۔ ذیل
:میں ان کتب سابقہ سے آپ ﷺ کی رسالت کی بشارتوں کو نقل کیا جاتا ہے

زبور میں آپ ﷺ کی رسالت کی بشارت: اللہ عزوجل نے داؤد علیہ السلام سے فرمایا
:

اے داؤد، عنقریب تمہارے بعد ایک نبی آئے گا جس کا نام احمد اور محمد ہوگا۔ وہ اپنی"
قوم میں صادق اور سردار ہوگا۔ میں اس سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا اور نہ ہی وہ مجھ
سے کبھی ناراض ہوگا۔ اے داؤد، میں نے محمد اور ان کی امت کو تمام امتوں سے زیادہ
افضل بنایا ہے۔ اس لیے کہ ان کی امت وہ کام کرے گی جو ان سے پہلے کے انبیا نے
کیے۔ میں نے ان کی امت کو 6 ایسے انعامات دیے ہیں جو انعامات ان سے پہلے کسی
:امت کو نہیں دیے

اگر وہ بھولے سے کوئی غلطی کر بیٹھیں گے تو میں ان کی پکڑ نہیں کروں گا۔-1
وہ غلطی ہو جانے کے فورا بعد توبہ کرلیں گے تو میں ان کی توبہ قبول کرلوں گا۔-2
جو چیز وہ صدقہ کریں گے، میں آخرت میں اس کا بدلہ کئی گنا بڑھا کر دوں گا۔-3
میرے پاس ہر چیز کے خزانے ہیں۔ میں ان کو اپنے خزانوں میں سے کثیر تعداد میں-4
اور بہتر خزانہ دوں گا۔
وہ پریشانی کے وقت صبر کریں گیاور ساتھ ساتھ اِنالِلہِ واِناآاِلیہِ-5

راجعون پڑھیں گے تومیں انھیں جنت نعیم دوں گا۔

وہ مجھ سے جو بھی دعا مانگیں گے ، میں ان کی دعا قبول کروں گا۔ہاں ! اگر کسی 6-
مصلحت کے طور پر قبول نہ کروں تو اس کا اجر آخرت میں ضرور دوں گا۔

تورات میں رسول اکرم ﷺ کی نبوت کی بشارت : سیدنا کعب احبارؓ، جو کہ سابق یہودی عالم تھے، بیان کرتے ہیں کہ :

ہم نے تورات میں محمد ﷺ کے بارے پڑھا ہے کہ : " وہ اللہ کے رسول اور برگزیدہ بندے ہوں گے، نہ تیز مزاج اور نہ سخت دل ہوں گے، نہ بازاروں میں شور و غل کرنے والے، نہ برائی کا بدلہ برائی سے دینے والے، بلکہ در گزر اور معاف کرنے والے ہوں گے۔ مکہ میں پیدا ہوں گے اور طیبہ کی طرف ہجرت کریں گے۔ ان کی حکومت شام تک پھیلی ہو گی اور ان کی امت خوب حمد و ثنأ بیان کرنے والی ہو گی۔ وہ ہر خوشی، غم اور ہر حال میں اللہ عزوجل کی حمد و ثنا بیان کریں گے ہر بلند مقام پر اللہ کا نام اونچا کریں گے۔ تحریف در تحریف کے باوجود اس وقت دستیاب نسخوں میں بھی یہ بشارتیں موجود ہیں، ملاحظہ فرمایئے !

اللہ کا آخری نبی محمد ﷺ فاران (مکہ) کی پہاڑیوں سے دس ہزار قدوسیوں (صحابہ) کے ساتھ جلوہ گرہوا۔ (کتاب پیدائش)

وہ (نبی ﷺ) عربی ہو گا اس کا ہاتھ سب کے خلاف اور سب کا ہاتھ اس کے خلاف ہوگا۔ (کتاب پیدائش)

انجیل میں آپ ﷺ کی رسالت کی بشارت :

سیدنا عیسی علیہ السلام اپنی قوم کو فارقلیط کے نام سے آپ ﷺ کی بشارت سناتے تھے جس کا معنی محمد یا احمد ہے۔ عیسی علیہ السلام نے فارقلیط (آپ ﷺ) کے جو اوصاف ذکر فرمائے ہیں وہ تمام کے تمام آپ ﷺ پر صادق آتے ہیں: ''وہ پوری دنیا والوں کو گناہوں سے روکے گا اور انھیں حق سکھائے گا اور وہ صرف وہی دین بتائے گا جو بذریعہ وحی اسے عطا کیا جائے گا''۔

انجیل میں کہیں آپ ﷺ کی بشارت تسلی دہندہ، کہیں مددگار، کہیں وکیل، کہیں شفیع کے الفاظ کے ساتھ دی گئی ہے۔ ان سب کا مفہوم احمد ہی سے ادا ہوتا ہے، جو حبیب پاک خاتم المرسلین ﷺ کا نام نامی اسم گرامی ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ رب العزت نے سیدنا عیسی بن مریم علیہما السلام کو وحی کے ذریعے اطلاع دی کہ میرے حکم کے بارے میں سنجیدہ رہو اور مذاق نہ کرو، اے نیک عورت کے بیٹے! غور سے سنو اور اطاعت کرو۔ میں نے تمھیں بغیر باپ کے پیدا کیا ہے اس لیے کہ تم تمام لوگوں کے لیے میری نشانی بن جاؤ۔ صرف میری عبادت کرو اور مجھ ہی پر توکل کرو اور اپنی قوم پر یہ واضح کردو کہ اللہ تعالی حق ہے جسے کبھی موت نہیں آتی۔ عربی نبی کی تصدیق کرو جن کے بال گھنگریالے، پیشانی کشادہ، ابرو ملے ہوئے، آنکھیں سیاہ، رخسار سفید اور داڑھی گھنی ہوگی۔ ان کے چہرہ اقدس پر پسینہ موتیوں کی طرح اور اس کی خوشبو مشک کی طرح، گردن چاندی کی صراحی کی طرح حسین، ہنسلی کی ہڈیاں سونے کی طرح خوبصورت، سینے سے لے کر ناف تک انتہائی خوبصورت بال، پاؤں اور ہتھیلیاں گوشت سے

بھری ہوئی ہوں گی اور شخصیت اتنی بارعب ہو گی کہ جب لوگوں کے درمیان بیٹھیں گے تو تمام لوگوں پر چھاجائیں گے اور جب چلیں گے تو ایسا لگے گا جیسا کہ پہاڑ سے اتر رہے ہیں۔ (بیہقی)

قوم کے اندر پھیلی ہوئی خرافات اور برائیوں کو دیکھ کر آپ ﷺ غم زدہ رہنے لگے اور یہ سوچنے لگے کہ انھیں کس طرح ہلاکت سے بچایا جائے؟ یہ غم، کڑھن اور خواہش بڑھتی گئی، یہاں تک کہ آپ ﷺ رمضان کے مہینے میں جبل نور پر واقع غار حرا میں جا کر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی تعلیمات کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے میں مصروف ہو گئے۔ مہینہ پورا کرکے آپ ﷺ بیت اللہ تشریف لائے، بیت اللہ کا طواف کرنے کے بعد اپنے گھر تشریف لے گئے۔ تین سال تک آپ ﷺ کا یہی معمول رہا پھر جب آپ ﷺ کی عمر مبارک 40 سال کے قریب ہوئی تو آپ ﷺ کو سچے خواب آنا شروع ہو گئے، پھر روشنی نظر آنے لگی اور بے جان چیزوں کی آواز سنائی دینے لگی۔

رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں: میں مکہ کے ایک پتھر کو پہچانتا ہوں جو نبوت ملنے سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا۔ (مسلم شریف)

تیسرے سال رمضان کے مہینے میں جب آپ ﷺ کی عمر مبارک 40 سال 6 ماہ اور 12 دن ہو گئی، اور 21 رمضان المبارک بروز پیر بمطابق 10 اگست 610 عیسوی میں آپ ﷺ غارِ حرا میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف تھے کہ اچانک جبرائیل علیہ السلام سامنے آئے اور کہا:

(اِقراء (پڑھیے

۔آپ ﷺ نے فرمایا: مااناِ بقارِی (میں پڑھا ہوانہیں ہوں) جبرائیل علیہ السلام نے
: آپ ﷺ کو اپنے سینے سے لگا کر دبایا پھر کہا

اِقراء (پڑھیے)۔آپ ﷺ نے دوبارہ وہی جواب دیا: مااناِ بقارِی (میں پڑھا ہوانہیں ہوں) سیدنا جبرائیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو تیسری بار سینے سے لگا کر دبایا اور
: کہا

اِقرا بِاسمِ ربِ الذِی خلق خلق الِانسان مِن علق اِقرا وربُ الارم الذِی علم بِالقلمِ علم الِانسان مالم یعلم

اے محمد ﷺ)اپنے رب کا نام لے کر پڑھیے ،جس نے (پورے عالم کو)پیدا کیا۔جس) نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔پڑھیے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے۔جس نے قلم کے ذریعے (انسان کو)علم سکھایا اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جن کا اسے علم نہ
(تھا۔(سورہ علق

ان آیات کو یکھ کر آپ ﷺ گھر تشریف لائے۔اس وقت آپ ﷺ کا دل گھبراہٹ
: کی وجہ سے کانپ رہا تھا۔آپ ﷺ نے سیدہ خدیجہؓ سے فرمایا

مجھے کمبل اوڑھادو، مجھے کمبل اوڑھادو۔انھوں نے آپ ﷺ کو کمبل اڑھادیا۔کچھ دیر بعد آپ ﷺ کی گھبراہٹ ختم ہوئی تو آپ ﷺ نے سیدہ خدیجہؓ کو غار والا پورا واقعہ
: سنایا اور کہا

مجھے اپنی جان کے بارے میں خوف محسوس ہو رہا ہے۔

:سیدہ خدیجہ نے آپ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے کہا

اللہ کی قسم، ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا اس لیے کہ آپ ﷺ (رشتے داروں کے ساتھ) صلہ رحمی کرتے ہیں، بے سہارا لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، تنگ دست لوگوں کی مدد کرتے ہیں، مہمانوں کی میزبانی کرتے ہیں اور مصیبت کے وقت لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے کر گئیں جو کہ عیسائی عالم تھے اور انجیل کا عبرانی زبان میں ترجمہ کر رہے تھے۔ اس وقت وہ بوڑھے اور نابینا ہو چکے تھے۔ سیدہ خدیجہ نے کہا: بھائی جان! آپ اپنے بھتیجے کی باتیں سنیں۔

ورقہ بن نوفل نے کہا: اے بھتیجے، سناؤ۔

آپ ﷺ کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا تھا، آپ ﷺ نے وہ پورا واقعہ سنایا۔ اس واقعے :کو سنتے ہی انھوں نے کہا

یہ تو وہی ناموس (وحی لانے والا فرشتہ) ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا، پھر کہنے :لگے

کاش! میں اس وقت تک زندہ رہوں، جب آپ ﷺ کی قوم آپ ﷺ کو یہاں سے نکال دے گی۔

آپ ﷺ نے پوچھا: کیا واقعی! میری قوم مجھے یہاں سے نکال دے گی؟

ورقہ نے کہا: جی ہاں! جب بھی کوئی رسول آپ جیسا پیغام لے کر آیا تو اس سے ضرور دشمنی کی گئی۔ اگر میں نے تمہارا وہ (نبوت والا) زمانہ پا لیا تو ضرور تمہاری مدد کروں گا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ہی ورقہ وفات پا گئے اور کچھ عرصہ تک

(آپ ﷺ پر وحی کا سلسلہ بند ہوگیا۔ (بخاری شریف

آپ ﷺ بہت زیادہ غمگین رہنے لگے۔ کئی مرتبہ آپ ﷺ پہاڑ کی چوٹی پر تشریف لے کر گئے تاکہ وہاں سے لڑھک جائیں، لیکن آپ، ﷺ جب بھی کسی پہاڑ کی چوٹی پر پہنچتے تو جبرائیل علیہ السلام نمودار ہوتے اور فرماتے کہ :اے محمد ﷺ !آپ اللہ کے برحق رسول ہیں ۔اس تسلی سے آپ ﷺ کے دل کو قرار آجاتا اور آپ ﷺ واپس
(گھر تشریف لے آتے۔ (بخاری شریف

وحی کی یہ بندش اس لیے تھی تاکہ پہلی وحی کی وجہ سے آپ ﷺ پر جو خوف طاری ہوگیا تھا وہ ختم ہوجائے اور آپ ﷺ کے دل میں دوبارہ وحی کی آمد کا شوق وانتظار پیدا ہوجائے۔ جب آپ ﷺ کا شوق وانتظار اس لائق ہوگیا کہ آیندہ وحی کی آمد پر آپ ﷺ اس بوجھ کو بآسانی اٹھالیں گے، تو جبرائیل علیہ السلام دوبارہ تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے دوبارہ وحی نازل ہونے کا واقعہ اس طرح بیان فرمایا

میں چل رہا تھا۔ اچانک مجھے آسمان سے ایک آواز سنائی دی۔ میں نے نگاہ اٹھاکر :" دیکھا کہ وہی فرشتہ جو میرے پاس غار حرا میں آیا تھا، آسمان وزمین کے درمیان ایک کرسی پر اس طرح پر پھیلا کر بیٹھا ہے کہ آسمان کے کنارے اس سے چھپ گئے ہیں ۔ میں اس منظر سے خوف زدہ ہوکر اپنے اہل خانہ کے پاس آیا اور کہا: مجھے کمبل اوڑھادو، مجھے کمبل اڑھادو۔ اہل خانہ نے مجھے کمبل اڑھادیا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ
: آیات نازل فرمائیں

یٰآیھا المدثر قم فانذر وربک فکبر وثیابک فطھر والرجز فاہجر (سورہ ا

(لمدثر 74: آیات 1 تا 5

اے کپڑا اوڑھنے والے۔ اٹھیے اور (لوگوں کو عذاب الٰہی سے) ڈرائیے۔ اور اپنے رب) کی بڑائی بیان کیجیے۔ اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھیے۔ اور (بتوں کی) ناپاکی سے دور (رہیے۔

آپ ﷺ کو نبوت ملنے سے پہلے جنات آسمان سے قریب ہو کر فرشتوں کی باتیں بآسانی سن لیا کرتے تھے، لیکن جب رسول اکرم ﷺ کو نبوت عطا کی گئی تو وحی کو ان کی دخل اندازی سے محفوظ رکھنے کے لیے جنات پر پابندی لگا دی گئی۔ اب جو بھی شیطان باتیں سننے کی کوشش کرتا، اسے انگاروں سے مارا جاتا۔ جب جنات کے آسمانی باتیں سننے پر پابندی لگی تو وہ آپس میں کہنے لگے: اللہ تعالی نے ضرور زمین پر واقع ہونے والے کسی عظیم کام کا فیصلہ کیا ہے۔ اس لیے وہ اس کی تلاش کے لیے زمین میں مختلف ٹولیوں کی صورت میں پھیل گئے۔ ان میں سے ایک جماعت نے آپ ﷺ کو مکہ کے قریب وادی نخلہ میں صحابہ کرامؓ کو فجر کی نماز میں قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے پایا تو وہ جماعت فوراً سمجھ گئی کہ یہی وہ عظیم کام ہے جس کی وجہ سے ہمارے آسمان پر جانے پر پابندی لگا دی گئی ہے۔ لہٰذا یہ جماعت اسی وقت آپ ﷺ پر ایمان لے آئی اور جا کر (اپنی قوم کو بھی تبلیغ کرنے لگی۔ (بخاری، مسلم

: آپ ﷺ پر حسب ذیل طریقوں سے وحی نازل ہوئی

فرشتہ انسانی شکل اختیار کر کے آپ ﷺ کو مخاطب کرتا پھر جو کچھ وہ کہتا آپ

ﷺ اسے یاد کر لیتے۔ کبھی صحابہ کرامؓ بھی فرشتہ کو دیکھتے تھے۔ کبھی آپ ﷺ فرشتے کو اس کی اصل حالت میں دیکھتے۔ اسی حالت میں وہ اللہ تعالی کے حکم سے آپ ﷺ پر وحی نازل کرتا۔آپ ﷺ نے فرشتے کو اصلی صورت میں صرف دو مرتبہ دیکھا۔ کبھی آپ ﷺ کے پاس وحی گھنٹی کی آواز کی صورت میں آتی۔ وحی کی یہ صورت سب سے سخت ہوتی۔ جب فرشتہ آپ ﷺ سے ملتا اور وحی آتی تو سخت سردی کے موسم میں بھی آپ ﷺ کی پیشانی پر پسینہ آجاتا تھا۔ آپ ﷺ اونٹنی پر سوار ہوتے تو وہ بوجھ کی وجہ سے زمین پر بیٹھ جاتی۔ براہ راست اللہ تعالی نے پردہ کے پیچھے سے آپ ﷺ سے گفتگو فرمائی جیسے معراج کی رات میں نماز اور سورہ بقرہ کی آخری دو آیات کا تحفہ دیا اور شرک نہ کرنے والے کے لیے مغفرت کا وعدہ کیا۔ کبھی آپ ﷺ پر سچے خواب کی صورت میں وحی نازل ہوتی۔ آپ ﷺ جو کچھ خواب میں دیکھتے وہ صبح آپ ﷺ کے سامنے آجاتا۔ فرشتہ آپ ﷺ کو دکھائی دیئے بغیر آپ ﷺ کے دل میں (بات ڈال دیتا تھا۔ (بخاری شریف

نبی اکرم ﷺ نبوت سے پہلے بچپن ہی سے عمدہ صفات کے حامل تھے اور آپ ﷺ کی زندگی بھی نبوت ملنے سے پہلے ہی تمام برائیوں سے پاک تھی۔ آپ ﷺ تمام لوگوں سے حسن سلوک سے پیش آتے تھے، غریبوں کا بوجھ اٹھاتے اور مہمانوں کی خوب مہمان نوازی کرتے اور کبھی وعدہ خلافی نہ کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ اپنی قوم میں بہترین کردار، فاضلانہ اخلاق اور بہترین عادات کی وجہ سے ممتاز تھے۔ سیدہ خدیجہ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ بے سہاروں کا بوجھ اٹھاتے، مہمان کی میزبانی فرماتے

اور مصیبت زدہ لوگوں کی مدد فرماتے تھے۔ (بخاری)

آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے جوانی میں کبھی عیش پرستی اور بدکاری کی ہمت نہیں پڑی، بلکہ میرے رب نے مجھے ان تمام برائیوں سے ہمیشہ محفوظ رکھا جو جاہلیت کے زمانہ میں مکہ کے نوجوانوں میں عام تھیں۔ (بیہقی)

آپ ﷺ کا وجود ان تمام خوبیوں اور کمالات مجموعہ تھا، جو متفرق طور پر لوگوں میں پائے جاتے ہیں۔ آپ ﷺ بچپن ہی سے صحیح سوچ، دوربینی اور حق پسندی کے بلند معیار پر فائز تھے۔ آپ ﷺ نے اپنی عمدہ عقل اور روشن فطرت سے لوگوں کے معاملات اور جماعتوں کے احوال کا مطالعہ کیا اور وہ جن بے ہودہ باتوں میں مشغول تھے ان سے بے زاری کا اظہار کیا۔ جب قوم میں برائیاں عام تھیں اس وقت بھی آپ ﷺ نے اپنے آپ کو ہر قسم کی برائیوں سے دور رکھا۔ آپ ﷺ نے پوری بصیرت کے ساتھ لوگوں کے درمیان عملی زندگی کا وقت گزارا۔ جو کام اچھا ہوتا آپ ﷺ اس میں شرکت فرماتے اور ہر برے کام سے دور رہتے تھے۔ آپ ﷺ نے نہ تو کبھی آستانوں کا ذبیحہ کھایا اور نہ ہی غیر اللہ کے لیے منعقد کیے گئے تہواروں میں شرکت کی۔ آپ ﷺ کو بچپن ہی سے خود ساختہ معبودوں سے نفرت تھی اور آپ ﷺ خود ساختہ معبودوں کی قسم کھانا کبھی گوارا نہیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ کے سامنے غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے گئے جانور کا گوشت پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے اسے کھانے سے انکار کر دیا۔ (بخاری شریف)

☆☆☆☆☆☆

ایران خود کو تنہا کر رہا ہے

مسلم ممالک کے اتحاد میں جب ایران کو شامل نہ کیا گیا تو بہت شور مچایا گیا کہ جب یہ تمام مسلم ممالک کا نمایندہ اتحاد ہے تو اس میں ایران اور اس کے ہم خیال مسلم ممالک شامل کیوں نہیں ہیں؟ یہ اعتراض خواہ جس قدر بھی نیک نیتی کے ساتھ کیا گیا ہو، تاہم سعودی عرب کی جانب سے اپنے ہی ایک شہری کو دیگر چالیس سے زاید مجرموں کے ساتھ ،بغاوت کا جرم ثابت ہونے پر، قانونی و شرعی تقاضوں کی تکمیل کے بعد، سزائے موت دینے پر ایران کے اشتعال انگیز رد عمل کا مشاہدہ کرنے کے بعد یہ بات سمجھ میں آ جانی چاہیے کہ اس اتحاد میں بھارت وروس نواز ایران اور اس کے ہم خیال ممالک کو شامل کیوں نہیں کیا گیا؟ یہ بات دو جمع دو چار کی طرح واضح اور ہر قسم کے ابہام سے پاک ہے کہ شیخ باقر النمر کو پھانسی اس لیے نہیں دی گئ کہ ان کا اہل تشیع سے تعلق تھا، یا وہ ایک شیعہ اسکالر، مبلغ یا علمی شخصیت تھے، بل کہ ان پر بغاوت اور سعودی عرب کے اندرونی معاملات میں ایرانی مداخلت کی راہ ہم وار کرنے پر دی گئی۔مانا کہ شیخ النمر کی ہم دردیاں ایران کے ساتھ تھیں، یہ بھی تسلیم کہ وہ ایران کے لیے ،بل کہ دنیا بھر کے اہل تشیع کے لیے ایک قابل احترام شخصیت تھے، لیکن وہ تھے تو سعودی عرب ہی کے شہری ناں..... تو سعودی عرب اپنے کسی مجرم کو پھانسی نہیں دے سکتا،جب کہ وہاں شرعی قانون قصاص نافذ ہے

اور کسی بھی مجرم کو سزا تمام قانونی و شرعی اصولوں کے مطابق جرم ثابت ہونے کے بعد ہی دی جاتی ہے، سو سعودی عرب نے من جملہ اور مجرموں کے شیخ النمر کو بھی پھانسی دے دی۔ایران میں اس نوع کی پھانسیاں ہوتی رہتی ہیں،ایران میں خمینی انقلاب کے بعد سے یہ چلن تسلسل سے جاری ہے۔دور حکومت کسی کا بھی ہو،وہاں مجرموں کو سزائے موت دی جاتی رہی ہے۔بلاشبہ ان میں اکثریا سبھی کا تعلق اہل سنت سے ہوتاہے،توکیا ان کی پھانسیوں کے رد عمل میں دنیا بھر کے اہل سنت سراپا احتجاج ہوجائیں؟دنیاکے مسلم ممالک کی اکثریت کا سرکاری مذہب اہل سنت ہے،توکیا یہ تمام ممالک اپنے ہاں ایرانی سفارت خانے نذر آتش کردیں؟ایران کو سوچنا چاہیے کہ وہ کون سی ریت ڈال رہاہے۔کیاایران کے نقش قدم پر چل کر ایسا کیا گیاتو ایران کے لیے مسائل پید نہیں ہوجائیں گے؟

اگر سعودی عرب کے وزیر خارجہ عادل الجبیر نے یہ کہا ہے کہ ایران کو سعودی عرب کی سلامتی کو نقصان پہنچانے کی اجازت ہر گز نہیں دی جائے گی،توکیا غلط کہاہے؟کیا ایران ہتھیار تقسیم نہیں کرتا ہے؟کیا عرب معاملات میں ایران کی تاریخ مداخلت اور جارحیت سے بھری ہوئی ہے؟کیابحرینی حکومت نے یہ الزام بلاوجہ عاید کیا تھاکہ اس کے ہاں گڑبڑ اور حکومت مخالف مظاہروں میں ایران کا ہاتھ کارفرما ہے۔ ایران کی بحرین، یمن اور دیگر مسلم ممالک میں مداخلت کا کیا جواز ہے؟حال ہی میں ایرانی پاسداران انقلاب کیلیے کویتی اور امریکی

فوجی مقامات اور تنصیبات کی مانیٹرنگ اور تصاویر اتارنے کا اعتراف کرنے والے جاسوسوں کو کویتی عدالت نے سزائے موت سنائی۔ کیا یہ کویت کے اندرونی معاملات میں ایرانی مداخلت کا واضح ثبوت نہیں تھا؟

زیادہ دور جانے کی بات نہیں ،ایران کو اگر اختلاف وہاں کے شاہی نظام سے ہے، جیسا کہ ایران نواز دانش فروش اس بات کا ڈھنڈورا پیٹتے رہتے ہیں، تو عربی زبان کے خلاف ایرانی سرکاری ٹی وی چینل کے پروگرام میں ایرانی شاعر مصطفیٰ بادکوبہ ای نے سخت الفاظ کیوں استعمال کیے؟ مانا کہ یہ ایک سرکاری کلچرل ادارے میں ہونے والے پروگرام کے شرکا میں سے ایک کے عربی کو اہل جنت کی زبان قرار دینے کا رد عمل تھا، لیکن کیا نبی ﷺ کی زبان سے اس قدر عداوت کسی مسلم کہلائے جانے والے ملک کو زیب دیتی ہے؟ دراصل ایرانی شاعر کی ہفوات ایرانی حکومت کی اسی عرب دشمن پالیسی کا اظہار تھے، ہے جس کے تحت اب ایران میں عربی کو فارسی کی ضد سمجھا جاتا ہے۔ کیا یران عربوں کی ضد میں قرآن عربی کا انکار کر سکتا ہے؟

ایران ہی نہیں تمام ایران نوازوں نے بھی اس پھانسی پر اسی قسم کے رد عمل کا اظہار کیا ہے۔ آخر سعودی عرب کی جانب سے اپنے ایک شہری کو پھانسی دینے پر پاکستان، لبنان، شام ، عراق سمیت مسلم دنیا میں اشتعال انگیزی کو ہوا دینے کا

کیا جواز بنتا ہے؟ حسن نصر اللہ کا کہنا ہے کہ آلِ سعود دنیا بھر میں شیعہ اور سنی میں خانہ جنگی کی آگ بھڑکانا چاہتے ہیں۔ کیا یہ اس واقعے کی کوکھ سے شیعہ سنی منافرت کو جنم دینے کی کوشش نہیں ہے؟ ایرانی قدامت پسند روزنامہ حمایت کا یہ کون سا انداز بیان ہے کہ اس نے دھمکی دی ہے: سعودی حکام کو اب یہ حقیقت قبول کرنا پڑے گی کہ خطے میں شیخ نمر کے حمایتی ان سے بدلہ لے کر رہیں گے۔ پاکستان کے چند عاقبت نا اندیش شیعہ راہ نماؤں نے تو یہاں تک کہ دیا کہ سعودی عرب نے اپنی قیادت میں بنائے گئے ممالک کا پہلا تحفہ شیخ آیت اللہ باقر نمر کو قتل کرکے دیا ہے۔ کیا یہ اس وسیع تر 34 مسلم اتحاد کو متنازعہ بنانے کی کوشش نہیں ہے؟

شاید سعودی عرب نے اس سزائے موت کے لیے جس وقت کا انتخاب کیا، وہ درست نہ ہو، لیکن اس تنازعے کو شیعہ سنی منافرت کے بیج بونے کے لیے استعمال کرنا کون سی دور اندیشی ہے؟ کیا شیخ النمر کے ہمراہ جن 46 افراد کو سزا ہوئی وہ اہلسنت عقائد کے حامل نہیں تھے؟ اگر مقتول شیعہ راہ نما کی سزا اہل تشیع کے ساتھ سعودی عرب کے بغض کا نتیجہ تھا، تو باقی لوگوں کو کس جرم میں مارا گیا، جب کہ وہ تو اہل سنت عقاید کے حامل تھے۔

ایران خطے کا ایک ذمے دار ملک ہے۔ وہ اپنے دفاع کا حق رکھتا ہے، لیکن کسی

دوسرے ملک کے اندرونی معاملات میں مداخلت اسے زیب نہیں دیتی۔اس کی انہی حرکتوں نے اسے مسلم بلاک سے الگ ایک ملک بنادیا ہے۔روس اور بھارت سے اعلانیہ اور امریکا واسرائیل سے خفیہ مراسم کے بل بوتے اور سعودی عرب کے شاہی نظام کے کاتمے کی آڑ میں اس کے توسیع پسندانی عزائم کا اصل ہدف کیا ہے؟یہ کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں۔ایران کو چاہیے کہ سمجھ داری سے کام لے اور خطے کے ممالک سے.برادرانہ مراسم استوار کرے، کہیں اس کا ولایت فقیہ کا نظریہ اور توسیع پسندانہ عزائم اسے خطے میں تنہانہ کردیں!!

فرنگیوں کی بالادستی قبول کرتے ہوئے

Written By Farnood Alam مولانا محمد جہان یعقوب

یہ ایک شارٹ کلپ ہے،جس کے تخلیق کار،ہدایت کار،مصنف ، فن کار واداکار سبھی وہی ہیں ، جن کا نام اوپر مذکور ہے۔اس میں یہ تاثر دیا گیاہے کہ ہمیں فرنگیوں کی بالادستی قبول کرتے ہوئے ان کے درمیان مروّج الفاظ مثلاً:

wow,thanks,shit,oh وغیرہ کو سبحان اللہ،ماشاء اللہ،ان شاء اللہ،انا للہ وغیرہ کے متبادل کے طور پر اپنا لینا چاہیے۔اگر ہم ان اول الذکر الفاظ کی جگہ مؤخر الذکر الفاظ کو رائج کرنے کے لیے کوئی تحریکی، تنظیمی یا فکری کوشش کریں گے بھی تو وہ صدا بہ صحرا ثابت ہوگی۔اس لیے کہ انھیں علمی حوالے سے ہم پر غلبہ حاصل ہے،لہٰذا تمدنی وتہذیبی حوالے سے بھی غلبہ انھی کا حق بنتا ہے۔دوسرا تاثر یہ دیا گیا ہے کہ جس طرح اندلس کے علما کی بت معنی علمی موشگافیوں کی وجہ سے ان پر ہلاکوخان عذاب الٰہی بن کر مسلط ہوا تھا،اب بھی علما اسی نوع کے مسائل میں الجھے ہوئے ہیں،لہٰذا انھیں سلام کرکے گزر جایئے،مبادا،آپ بھی کسی ہلاکو خاں جیسے عذاب کی لپیٹ میں ،ان علما کی ہم نشینی کی وجہ سے نہ آجائیں!!

مذکورہ بالا دو پیغامات کے ساتھ ساتھ اس کلپ میں شعائر اسلام کو جس بونڈھے انداز میں تنقید و تضحیک کا نشانہ بنایا گیا ہے، وہ اس پر مستزاد ہے۔

ہم نے جب اس کلپ کو دیکھا تو یقین نہ آیا کہ یہ اسی ہونہار طالب علم کی تخلیق ہے، جو جامعہ کے پروگرامات میں بڑے ترنم سے نعتیں پڑھا کرتا تھا جو تحریر کا ذوق رکھتا تھا اور جامعہ کے اخبار کے اجرا کے بعد ہم سے اپنی تحریروں کی اصلاح لینے آیا کرتا تھا جس کے کالموں کی منور راجپوت صاحب اس ذہن سے اصلاح کیا کرتے تھے کہ آگے چل کر یہ اہل اسلام کی ایک توانا آواز ثابت ہوگا جسے باقاعدہ تحریر کی تربیت اس کے برادر اکبر نے اس غرض سے دی تھی کہ ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی !

جسے ابوالکلام آزاد، عبدالماجد دریابادی، جون ایلیا اور دوسرے معروف اہل قلم کے مطالعے کا مشورہ دینے والوں نے یہ سوچ کر یہ مشورہ دیا تھا کہ ان کے انداز میں اسلام واہل اسلام کی ترجمانی اس نوجوان کے قلم سے پڑھے لکھے اذہان پر مثبت اثر ڈالے گی جس کے چہرے پر سجی سنت رسول دیکھ کر دلی مسرت ہوتی تھی، کہ خلاق عالم نے یہ نور اسے بڑی فیاضی سے عطا فرمایا تھا جانے اسے کس کی نظر لگ گئی؟ یہ اس کے بڑے بھائی کی تربیت کا اثر اس لیے نہیں ہو

سکتا کہ وہ خود اس سے نالاں ہے۔ یہ اس کی مادر علمی کی تربیت کا بھی نتیجہ نہیں، اس نے عصری دانش گاہوں میں تعلیم بھی نہیں پائی، کہ ہم ان کو مورد الزام ٹھہرائیں۔ پھر یہ سب کیا ہے، جس نے اس کی تمام خوبیوں پر ریڈ کراس (غلط کا سرخ نشان) پھیر دیا، یہ جس کی بھی کارفرمائی ہو، مگر امام قرطبی کے الفاظ میں دین سے رشتہ توڑ کر ملنے والی کامیابیوں کی مثال اس شہد کی سی ہے، جس میں زہر ملا دیا جائے۔

میرا چھوٹا بھائی محمد یونس عالم کہاں کھوگیا؟ مجھے اس کی تلاش ہے؟ کیا وہ فرنودیت کو جون ایلیا کی قبر میں دفن کرکے اپنے مرکز کی طرف لوٹ آئے گا؟ ہاں! اسے لوٹ آنا چاہیے... جلد اور بلا تاخیر... ورنہ یہ حقیقت تو تاریخ کے سینے پر ان مٹ سیاہی سے ثبت ہے ہی

اپنے مرکز سے اگر دور نکل جاؤگے
خاک ہو جاؤگے افسانوں میں کھو جاؤگے
اپنی مٹی پہ چلنے کا سلیقہ سیکھو
سنگ مرمر پہ چلوگے تو پھسل جاؤگے

علامہ علی شیر حیدری شہیدؒ

ایک جید عالم دین ،مثالی مناظر،کامیاب قائد،دوررس مدبّر

اللہ تعالیٰ نے دین قیم کی سربلندی وپاسبانی کے لیے ہر دور میں ایسے مردانِ حق آگاہ پیدافرمائے ہیں، جنھوں نے اپنے خونِ جگر سے گلشنِ دین کی آبیاری کی، اس کو سرسبز وشاداب رکھااوراس پر ہونے والے فصلی کیڑوں اور سنڈیوں کے حملوں کا حکمت و جراء ت سے جواب بھی دیا۔ یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ رسول اکرم مخبر صادق سید ولدآدم امام المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے

:

”میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی اور وہ اپنے مخالفین پر غالب رہیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آپہنچے اور عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوجائیں“۔

حضرت امام اہل سنت علامہ مولانا حافظ مفتی علی شیر حیدری اعلی اللہ مقامہ فی الفردوس علمائے حق کی اسی جماعت میں سے تھے۔انھوں نے ساری زندگی دینِ حق کی نشرواشاعت، اعلائے کلمتہ اللہ اور قرآن مجید وسنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کا پیغام پوری امت تک پہنچانے کے لیے جدوجہد کی اور آخر میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے شہادت کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہو کر ایسی حیاتِ جاودانی حاصل کر گئے، جس کے بعد کوئی بھی مسلمان ان کو مردہ نہیں کہہ سکتا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی لاریب کتاب میں نہ صرف شہدا کی حیات کی شہادت و گواہی دی ہے، بل کہ شہید کو مردہ کہنا تو درکنار مردہ گمان کرنے سے بھی منع فرمادیا ہے۔

حضرت امام اہل سنت علامہ مولانا حافظ مفتی علی شیر حیدری اعلی اللہ مقامہ فی الفردوس مجمع المحاسن تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو زہد و تقویٰ، اخلاص و للٰھیت، خشیتِ الٰہی، علم و عمل، فصاحت و بلاغت، جراء ت و شجاعت، دینی غیرت و حمیت، اخلاق کریمانہ، ظالم اور جابر حکمرانوں کے سامنے کلمۂ حق بلند کرنے کا حوصلہ اور دیگر بے شمار خوبیوں سے نوازا تھا۔ حضرت کے علم و فضل و کمال و کردار و جدوجہد کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے علوم و معارف کے سچے عاشق و وارث تھے، وہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے فکر و نظر کے ترجمان تھے، وہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے سچے جانشین تھے، وہ شیخ العالم مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کی سوچ و فکر کے ترجمان تھے، وہ امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم و معارف کے امین تھے، وہ شیخ العرب

والعجم حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے تقویٰ و دیانت، امانت و ذہانت کے امین تھے، وہ متکلم اسلام مولانا علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے کمالِ ذہنی و جمال فکری کا عکس تھے،وہ امیر شریعت علامہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تصویر تھے، وہ مجاہد اسلام شیر سرحد مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃاللہ علیہ کی جراء ت و بہادری اور دلیری کے منادو حدی خواں تھے، وہ متانت و سنجیدگی میں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمان تھے۔کالم کی تنگ دامنی کے پیش نظر میں اس ایک جملے پر اکتفا کرنے پر مجبور ہوں کہ بلاشبہ وہ قیادت وسیادت میں تمام سابقہ قائدین کے سچے جانشین تھے۔محسوس یوں ہوتا تھا کہ وہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے قافلے کے بچھڑے ہوئے کوئی انسان ہیں، ان کو دیکھ کر اللہ والوں کی حقیقت دل میں راسخ ہو جاتی تھی۔

وہ بڑے شفیق اور خلیق انسان تھے، جو ان کی مجلس میں ایک دفعہ گیا، پھر وہیں کا ہی ہو کر رہ گیا، جب وہ مسکراتے تو پھول بکھیرتے۔۔ وہ صاحب کمال بھی تھے اور صاحب جمال بھی۔۔ان کی کس کس خوبی کا ذکر کیا جائے، کہ خلاق عالم نے ان کی ذات میں کردار و گفتار اور اخلاص و عمل کی سلطنت کے اتنے خزانے مجتمع کرکے ودیعت فرمادیے تھے کہ باید وشاید، وہ قحط الرجال کے اس دور میں ،جب القاب وخطابات ارزاں اور کمالات وصفات جنس نایاب بن کر رہ گئی ہیں، قدرت کا ایک

عظیم عطیہ تھے، وہ ہر میدان میں علمائے دیوبند کا خلا پر کرنے کے لیے ایک مختصر سی عمر اور گراں بہا ذمے داریاں دے کر بھیجے گئے تھے، جنھیں انھوں نے کما حقہ نبھایا۔

وہ ایک ماہر اور کامیاب مدرس تھے اور اس میدان میں انھوں نے ہزاروں تشنگان علوم کو سیراب کیا۔

وہ خطابت کے شہسوار تھے، علما کے مجمع میں علمی تقریر کرتے اور عوام کے مجمع میں ان کے فہم اور استعداد کے مطابق بیان کرتے، خاص طور پر جدید تعلیم یافتہ طبقہ ان کے بیانات سے بہت متاثر تھا۔ بر محل عربی، اردو اشعار پڑھنے کا ان کو ملکہ حاصل تھا۔ ان کی تقریر مدلل، منضبط، عام فہم اور دلوں پر اثر کرنے والی ہوتی تھی اور کمال یہ ہے کہ اول سے آخر تک وہ موضوع سے اِدھر ادھر نہ جاتے اور جتنا چاہتے اتنا بولنے پر قادر تھے۔

وہ معاصرانہ چشمک کے نام سے بھی واقف نہ تھے، یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے ہم عصر حضرات کا احترام کرتے، ان حضرات کا نام ادب واحترام سے لیا کرتے، ان کے حوالے بھی دیتے تھے۔ ان کی گفتگو میں مٹھاس اور لطف و کرم کی جھلک ہوتی تھی۔ وہ مشکل بات کو آسان طریقے سے بیان کرنے میں ید طولی رکھتے تھے۔ ان کی بات طویل بھی ہوتی تو سننے والے پہ گراں نہیں گزرتی تھی، ان کی بات میں وزن

ہوتا تھا، وہ حق کہنے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کو خاطر میں لاتے تھے، نہ اس کو نفع و نقصان کے پیمانوں سے ناپنے تولنے کے عادی تھے، بایں ہمہ وہ غیبت نہ کسی کی کرتے تھے اور نہ کسی کی غیبت سنتے تھے، خواہ ان کا کتنا ہی بڑا مخالف کیوں نہ ہوتا۔

علامہ مولانا حافظ علی شیر حیدری اعلی اللہ مقامہ کا ہماری جامعہ بنوریہ عالمیہ میں کثرت سے آنا جانا رہتا تھا، ان کے برادر صغیر و جانشیں مولانا ثناء اللہ حیدری نے تو تعلیم کا آغاز بھی یہی سے کیا، یوں ان کی زیارت کا اکثر موقع ملتا رہتا تھا، میں مجلسوں اور مجلس آرائیوں سے ہمیشہ دور اور جلسوں سے ہمیشہ نفور رہا، سو ان کی زیارت اکثر جامعہ بنوریہ عالمیہ کی چھوٹی مسجد میں نماز ادا کرتے ہوئے ہوتی تھی، ہم ان کے طویل رکوع و سجود اور دعا کو دیکھ کر اکثر سوچا کرتے تھے، یہ تعلق مع اللہ ہی کی دلیل ہے کہ ماشاء اللہ بھاری جسامت کے باوجود اتنی طویل نماز ادا فرماتے ہیں۔ ابھی ان سطور کو لکھتے ہوئے بھی ان کی نماز کا منظر نظروں میں گھوم رہا ہے۔ کبھی کبھار ان کا جامعہ میں بیان بھی ہوتا تھا، وہ اگر فجر کی نماز میں موجود ہوتے تو شہید مظلوم حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری رحمۃ اللہ علیہ، اپنی جگہ انھیں درس قرآن کے لیے آگے کردیا کرتے تھے۔ ان کا اکثر درس منافقین کے حوالے سے ہوتا اور فرمایا کرتے: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے کفار اور

منافقین سے جہاد کرنے کا حکم فرمایا، طالب علمو! بتاؤ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین سے کون کون سے غزوات لڑے؟ پھر سمجھاتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ یہی ہے کہ منافقین سے علمی جنگ لڑی جائے، سو ہم اسی سنت پر عمل کر رہے ہیں۔

یہ راقم کے تعلیمی سال کے آخری ادوار (موقوف علیہ) کی بات ہے کہ ہمیں معلوم ہوا کہ علامہ حیدری اور جبل استقامت مولانا محمد اعظم طارق رحمھما اللہ دونوں حضرات، کراچی تشریف لارہے ہیں، یہ ہمارے ہفت روزہ (اخبارالمدارس) کے اجرا کا تیسرا ہفتہ تھا، تب ہم پر نیا نیا صحافت کا جنون سوار ہوا تھااور اسی سوچ میں غلطاں وپیچاں رہا کرتے تھے کہ کسی بڑی شخصیت کا انٹرویو لیا جائے، سو یہ خبر بھی ہمارے لیے بہت فرحت بخش تھی، اب مسئلہ یہ تھا کہ انٹرویو کہاں ہو؟اور اس کا وقت کیسے لیا جائے؟اس مہم پر ہم نے اپنے ایک مجلسی دوست محمد نسیم خان سواتی کو مامور کردیا، تب وہ کراچی میں ماہ نامہ آب حیات کے نمایندے اور ہماری ہی جامعہ کے طالب علم تھے، انھوں نے ڈاکٹر محمد فیاض خان شہیدؒ سے، جو ان دنوں صدیق اکبر مسجد میں ہوتے تھے، ملاقات کرکے انٹرویو کا ٹائم لے لیا۔ یہ انٹرویو لینے جب ہم صدر کے ایک متوسط درجے کے ہوٹل قصر ناز پہنچے تو فیاض شہیدؒ ہمارے منتظر تھے، ہوٹل کے پہلے فلور پر علامہ علی شیر حیدری کا کمرہ تھا، جس میں ان کے گن مین خواب خرگوش کے مزے لے رہے

تھے، معلوم ہوا کہ قمرین اوپر جبل استقامتؒ کے کمرے میں تشریف فرما ہیں، ہم وہاں پہنچے تو قمرین کسی معاملے میں محو مشاورت تھے، ہمیں دیدار کا خوب موقع ملا، تھوڑی دیر بعد علامہ مولانا حافظ علی شیر حیدری اپنے کمرے میں چلے گئے تو جبل استقامتؒ نے کمال شفقت سے ہمیں وہ مسودہ بھی دکھایا، جو اس مشاورت کے نتیجے میں طے ہوا تھا اور اسے جبل استقامتؒ نے تحریر اور علامہ مولانا حافظ علی شیر حیدری نے املا کرایا تھا، یہ جامعہ حیدریہ میں تخصص کی کلاسوں کے آغاز کا اشتہار تھا۔ اسی سال ہماری جامعہ کے استاذالحدیث علامہ مفتی عتیق الرحمٰن الراعی شہید کردیے گئے، جن کے حالات پر ان کے صاحب زادے کی تحریک پر ہم دو ساتھیوں (میں اور مولانا محمد وسیم میواتی) نے ''داعیٔ قرآن ''کے نام سے ایک کتاب تیار کی، شہیدؒ کے صاحب زادے نے بتایا کہ حضرتؒ نے اس کتاب کا مطالعہ فرمانے کے بعد خاص طور پر میرے مضمون کے متعلق دریافت فرمایا، کہ یہ کس کا قلمی نام ہے؟ غیر معروف ہونے کی وجہ سے وہ میرے نام کو کسی معروف شخصیت کا قلمی نام سمجھے۔ دراصل میں نے اس مضمون میں علامہ مولانا حافظ علی شیر حیدریؒ کے والد حاجی محمد وارث شہیدؒ کے حوالے سے ایک واقعے کا ذکر کیا تھا، تفصیل موجب طوالت ہوگی۔ آیندہ سال حضرتؒ کے ہاتھوں دستار بندی کی سعادت بھی اس ہیچ مدان کے حصے میں آئی۔ الحمدللہ! یادوں کا سلسلہ اسی پر ختم کرتے ہیں، ورنہ حضرتؒ کی شہادت کے بعد ان کی بکثرت زیارتیں بھی ہوتی رہیں، شاید یہ ان کی زندگی میں ان کی صحبت سے محرومی کی تلافی کا کوئی

!قدرتی انتظام ہوگا۔ واللہ اعلم

مجھ جیسے ہیچ مدان کا حضرت کی خوبیوں اور ان کے کمالات پر کچھ کہنا ''جوئے شیر بہانے'' اور ''سورج کو چراغ دکھانے'' کے مترادف ہے۔

حضرت کے علم و عمل ، قوت استدلال اور ان پر اکابر کے اعتماد کے حوالے سے حضرت کے شاگردِ خاص مولانا راجا عبدالرازق کاشمیری کے بیان کردہ چند واقعات ان کے شکریے کے ساتھ ''شنیدہ کے بود مانند دیدہ'' کے اصول کے تحت درج کیے جارہے ہیں، وہ کہتے ہیں :

اللہ تعالی نے میرے شیخ،امام اہل سنت ، قاطع رافضیت، ضیغمِ اسلام حضرت اقدس علامہ مولانا حافظ علی شیر حیدری اعلی اللہ مقامہ کو علم و فضل میں اعلی مقام عطافرمار کھا تھا۔ یوں تو آپ کی ذات میں اللہ تعالی نے بے پناہ صفات ودیعت کر رکھی تھیں، صبر واستقامت، ہمت و حوصلہ، غیرت و دینی حمیت ،ذہانت و متانت،تدریس وخطابت اور قیادت وسیادت جیسے مختلف عناصر کو یکجا کرکے ایک حسین و جمیل پیکر تراشا۔ ان تمام اوصاف میں علم و عمل اور ورع و تقوی کی صفات آپ میں ایسی کوٹ کوٹ کر بھری تھیں، کہ اپنے تو اپنے پرائے بھی ان صفات کے معترف تھے، بلکہ دشمن ان سے ہردم ہراساں بھی رہتا تھا۔

آپ کے علم کی گہرائی اور لاجواب و بے نظیر قوتِ استدلال کا اندازہ اس واقعے

: سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ

ایک مرتبہ بریلویوں کی شیعوں سے بحث ہوئی، فریق اول کا کہنا تھا کہ شیعہ کلمے میں اضافے کے مرتکب ہیں، جبکہ فریق ثانی کا اپنے دفاع میں بریلویوں پر یہ الزام تھا کہ وہ اذان میں اضافے کے مرتکب ہیں، جس کی دلیل کے طور پر انہوں نے اذانِ فجر کو پیش کیا کہ تم نے اس میں '''الصلوٰ خیر من النوم''' کا اضافہ کیا ہے، جو قرآن سے ثابت نہیں، اس پر بریلوی مناظر نے بلا سوچے سمجھے کہہ دیا کہ یہ الفاظ قرآن سے ثابت ہیں۔ یہ سننا تھا کہ شیعوں نے شور مچادیا کہ آئندہ تاریخ طے کرکے اسی عنوان پر مناظرہ کیا جائے، چنانچہ تاریخ طے ہو گئی۔

بعد میں بریلویوں نے ٹھنڈے دل سے غور کیا تو انہیں اپنی شکست صاف نظر آنے لگی، ان کی صفوں میں کھلبلی مچ گئی، بالآخر بریلوی علمانے مناظرہ نہ کرنے کا فیصلہ کیا، کیونکہ موضوع ہی غلط طے ہوا تھا۔ کسی نے تاریخ طے کرنے والوں کو مشورہ دیا کہ اس شرمندگی سے بچنے کے لیے حضرت اقدس علامہ مولانا حافظ علی شیر حیدری سے رجوع کرو، وہ کوئی حل نکال لیں گے۔ بریلوی احباب کو یک گونہ اطمینان ہوا، انہوں نے حضرت سے رابطے شروع کردیے اور ملاقات کرکے انہیں تمام احوال بتائے اور تعاون کی درخواست کی۔ ان کی گفتگو سن کر حضرت نے فرمایا کہ یہ عنوان اور موضوع ہی غلط ہے، جس پر مناظرہ نہیں ہو سکتا۔ یہ دیکھ کر انہوں نے بڑی منت سماجت کی اور اپنے احباب نے بھی حضرت سے باصرار درخواست کی کہ: حضرت ! سنیت

کا مسئلہ ہے، آپ اس مناظرہ کا بوجھ اٹھا لیجیے۔ خلاصہ یہ کہ حضرت نے ہامی بھر لی۔ بریلویوں نے اشتہار لگا دیے کہ اہل سنت کی طرف سے مناظر امام اہل سنت علامہ مولانا حافظ علی شیر حیدری ہوں گے۔ جب اس بات کی اطلاع شیعہ مناظرین کو پہنچی تو ان کے چھکے چھوٹ گئے، ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ انہوں نے راہ فرار اختیار کرنے میں ہی اپنی عافیت سمجھی اور اعلان کر دیا کہ ہم ہرگز مناظرہ نہیں کریں گے۔ ہر چند کہ انہیں سمجھایا گیا کہ ''الصلوۃ خیر من النوم'' قرآن میں نہیں ہے، آپ مناظرہ کریں، فتح آپ کا مقدر ہوگی۔ مگر ان کا کہنا تھا کہ کچھ بھی ہو، ہم مناظرہ نہیں کریں گے کیونکہ علامہ علی شیر حیدری کا علم اور قوت استدلال اس قدر مضبوط ہے کہ وہ الصلو خیر من النوم'' کو قرآن سے ثابت کر ہی دیں گے۔ قارئین کرام! آپ نے'' اندازہ لگایا دشمن بھی آپ کی علمیت اور قوت استدلال کا کس قدر معترف اور آپ سے !ہراساں تھا

:حضرت کے علم و فضل کا ایک اور واقعہ قارئین کی نذر کرتے ہیں

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ کراچی میں ایک شیعہ خاتون نے اپیل کی کہ میرے کچھ اشکالات ہیں، اگر ان کو دور کیا جائے تو میں مسلمان ہونے کے لیے تیار ہوں۔ اس خاتون سے بات کرنے کے لیے ایک جید عالم دین کا انتخاب کیا گیا، جو علوم دینیہ وعصریہ کے ماہر، محقق ومدبر اور مایہ ناز مصنف وخطیب بھی تھے، انہوں نے بڑے احسن انداز سے اس کے اشکالات سنے اور تسلی بخش جوابات دیے، لیکن اس عورت کے کچھ

اشکالات ایسے تھے کہ ان کے جوابات سے اس خاتون کی تسلی و تشفی نہ ہو سکی۔ آخر میں انھوں نے ایک تاریخ ساز جملہ ارشاد فرمایا کہ : یہ میرے علم کا نقص ہے، میرے مذہب کے جھوٹے ہونے کی علامت نہیں۔ اس کے بعد علمانے باہمی مشورے سے حضرت علامہ حیدریؒ کو اس حوالے سے خیرپور سے تشریف لانے کی درخواست کی، حضرت تشریف لائے اور اس خاتون کے تمام اشکالات کے تسلی بخش جوابات دیے۔ کراچی اور ملک کے دوسرے شہروں میں جید علما و مناظرین کی کمی نہیں تھی، لیکن اس کے باوجود علامہ حیدری کا انتخاب اکابر کے ان پر اعتماد کی بین دلیل اور ان کے علم و فضل کا بھی واضح اعتراف ہے۔ ورع و تقوی میں بھی آپ اپنی مثال آپ تھے۔ ہم نے سن رکھا تھا کہ بڑے لوگوں سے دور رہ کر ہی ان سے حقیقی محبت و عقیدت قائم رہتی ہے اور جتنی ان سے قربت بڑھتی اور ان کے روز و شب سامنے آتے ہیں، عقیدت و محبت اور پارسائی کا یہ بھرم ٹوٹ جایا کرتا ہے، لیکن واللہ العظیم ہم نے اپنے حضرت کو قریب سے دیکھا، سفر تو حضر میں ان کے ساتھ رہنے کا بارہا موقع ملا، خوشی و غمی میں، اپنوں اور بیگانوں میں غرضیکہ ہر حال میں دیکھا اور ہمیشہ ہمیں آپ کے ورع و تقوے کی ایک عجیب ہی شان نظر آئی، معمولات کی پابندی، نماز پنجگانہ ہی نہیں، تہجد تک کا اہتمام تلاوت کلام مجید سے رطب اللسان استقامت و عزیمت، صبر و تحمل..... یہ اوصاف آپ میں ہمہ وقت جلوہ گر دیکھے۔ ہم نے آپ کو جب بھی جامعہ حیدریہ میں دیکھا، کسی نہ کسی

دینی وعلمی مشغولیت میں دیکھا،جامعہ میں پہرے کے دوران ہم دیکھتے کہ حضرت تہجد کے بعد جامعہ میں بے خوف وخطر چکر لگا رہے ہوتے تھے،حالاں کہ آپ کو جید علمائے کرام نے کہہ رکھا تھا کہ احتیاطاً فجر اور عشا کی نمازیں بھی گھر پر ادا فرمایا کیجیے،مگر اصحابِ رسول کے اس شیر کی جرات کا یہ عالم تھا کہ جامعہ میں موجود ہوتے تو ہر نماز صفِ اول میں ادا کرتے اور تہجد کے بعد بھی جامعہ کا چکر لگاتے تھے۔سفر میں عام طور پر بڑی تھکاوٹ ہوجاتی ہے اور شریعت نے بھی قصر نماز کی سہولت رکھی ہے،مگر حضرت سفر میں بھی اعمال میں کوئی کمی نہ کیا کرتے تھے۔رمضان المبارک میں سندھ وپنجاب کے اسفار میں مسلسل پروگرامات کی وجہ سے حددرجہ تھکاوٹ ہوجاتی تھی،ایسے ہی ایک سفر کا واقعہ ہے ہم طارق محمود مدنی کے ہاں قیام پذیر تھے،عشا کی نماز کا وقت ہوگیا،سب کا خیال تھا کہ، حضرت صرف نمازِ قصر ادا فرمائیں گے۔کیونکہ مسلسل اسفار وبیانات اور نیند کی وجہ سے آپ کی آنکھیں سرخ ہوگئی تھیں،مگر فرضوں کے بعد حضرت نے آگے بڑھ کر خود تراویح کی نماز کی امامت فرمائی،یہ دیکھ کر ہم حضرت کی اس ہمت پر حیران رہ گئے۔

ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ حضرت کو اللہ تعالی نے محبوبیت بھی عطا فرمائی تھی جو بہت کم کسی کو نصیب ہوتی ہے،علما وطلبہ اور عوام الناس،بوڑھے اور جوان سب ان سے محبت کرتے تھے۔وہ اس شعر کا مصداق تھے،جو حضرت خنساء رضی اللہ عنھا نے اپنے مرحوم بھائی قیس کے مرثیہ میں کہا تھا

وماکان قیس ھلکہ ھلک واحد

ولکنہ بنیان قوم تھدما

اللہ تعالیٰ کی نظر میں وہ کس قدر محبوب تھے،اس کا اندازہ اس شان شہادت سے ہوتا ہے،جو انھیں نصیب ہوئی۔وہ پیر جو گوٹھ میں واقع ایک مدرسے میں درس قرآن وحدیث دے کر واپس تشریف لارہے تھے،دشمن نے ان پر حملہ کرنے کے لیے جن ساعات کا انتخاب کیا تھا،وہ ساعات بھی بڑی عظیم تھیں کہ جب خلاق عالم آسمان دنیا پر تشریف لا کر ندا کراتے ہیں ہے کوئی.....کیا معلوم !حضرتؒ نے کسی ایسی ہی ساعت میں ایسی ہی شان شہادت مانگی ہو،جو قبول کرلی گئی۔میرے ایک دوست ،جو سرکاری ملازم ہیں اور جن کا کسی دینی جماعت سے تعلق نہیں،حضرتؒ کی شہادت کے ایک ماہ بعد خیر پور کے دورے پر گئے تھے تو واپسی میں بتایا کہ اب تک ان کی گاڑی کی سیٹ،جس پر ان کا لہو گرا تھا،معطر ہے۔اہل بصیرت جانتے ہیں یہ کس مقام علیا کی علامت تھی،جو دنیا میں دکھائی گئی۔ان کے قاتلوں کے انجام سے بھی اس حقیقت پر مہر تصدیق ثبت ہوگئی کہ منتقم حقیقی کو انتقام لینے سے دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی،اس نے اپنے ولی کے قاتلوں سے اعلان جنگ کیا ہے،سو اس کا انتقام بھی دنیا میں لے کر دکھادیا۔سبحان تیری قدرت!

اللہ تعالیٰ ان کی شہادت کو اسلام کے غلبے کا ذریعہ بنائے اور امت مسلمہ کو ایسے آبدار
ہیروں کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

علما کی شہادتیں۔۔۔ وجوہات کا تدارک ضروری ہے

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار و مولانا مفتی عبدالسمیع کی شہادت ہوئی تو راقم کا جامعہ بنوریہ عالمیہ (سائٹ ایریا کراچی) میں پہلا سال تھا اور دینی تعلیم کی جانب بھی پہلا قدم، مارچ میں میں نے جامعہ بنوریہ عالمیہ (سائٹ ایریا کراچی) میں درجہ اولی میں داخلہ لیا تھا اور نومبر میں یہ روح فرسا واقعہ پیش آیا، ذہن پر بہت زور دینے کے بعد بھی بس اتنا یاد آتا ہے کہ جامعہ میں تعلیمی سلسلہ منقطع کر کے جامعہ کے تمام اساتذہ اور بڑے طلباء جن میں درجہ ثالثہ اور اس سے اوپر کے درجات کے طلباء شامل ہیں، شہداء کے جنازے میں شرکت کے لیے گئے تھے، جب کہ چھوٹے طلباء کے جامعہ سے باہر نکلنے پر پابندی لگادی گئی تھی، یوں ہم ان عظیم شہدائے کرام کے جنازے میں بھی شرکت سے محروم رہے۔ تعلیمی سال کے اِختتام پر جامعہ بنوریہ عالمیہ میں ختم بخاری و تقسیم انعامات کی تقریب میں مولانا بشیر احمد نقشبندی کو بھی خصوصی طور پر مدعو کیا گیا تھا، ان کا تعارف کراتے ہوئے اسٹیج سیکریٹری نے جب سانحۂ بنوری ٹاؤن کا تذکرہ کیا تو شہداء کے ذکر سے محفل پر ایک سوگ کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی اور جب درجہ ثانیہ کا ایک طالب علم مولانا نقشبندی سے جامعہ کے امتحانات میں اوّل آنے کا انعام وصول کر رہا تھا، تو وہ خود کو اس حوالے

سے خوش قسمت تصور کر رہا تھا کہ حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار صاحب و مفتی عبد السمیع صاحب رحمہما اللہ تعالی کی تو زیارت کا شرف حاصل نہ ہو سکا، مگر آج ان کے ہم سفر ایک زندہ شہید کے ہاتھ سے وہ انعامی کتابیں وصول کر رہا ہے، جو معجزانہ طور پر شدید زخمی ہونے کے باوجود بچ گئے تھے۔ آج جب میرے اور نقشبندی صاحب کے دفتر میں صرف ایک دروازے کا فاصلہ ہے اور ان کی صحبت سے شب و روز استفادے کا موقع مل رہا ہے، تو سوچتا ہوں کہاں وہ لمحات اور کہاں یہ دن !!

اس تفصیل کو ذکر کرنے کا مقصود کسی قسم کی خود ستائی و خود نمائی نہیں، نہ کسی ریکارڈ کی درستی مقصود ہے، بل کہ اس بات کی وضاحت مطمحِ نظر ہے کہ جس شخص کو ان دونوں حضرات کی زیارت کا بھی شرف حاصل نہ ہوا ہو، وہ ان کے بارے میں کیا لکھ سکتا ہے؟ مگر ان دونوں حضرات سے بالواسطہ شاگردی کا شرف کچوکے دے رہا ہے کہ اس شرف کے بھی کچھ تقاضے ہیں، تم نے اپنے اساتذہ سے صرف و نحو اور حدیث میں جو کچھ پڑھا ہے، اس میں ان دونوں شہیدوں کا فیض بھی شامل تھا، سو یہ بے رخی ہے کہ تم قرطاس پر ان حضرات کے سلسلے میں کچھ رقم نہ کرو، بل کہ یہ تمہاری محرومی ہوگی کہ ایک ایسی کتاب میں تمہیں کچھ لکھنے کا موقع میسر آ رہا ہے، جس میں راہِ حق کے متعدد شہداء کے مضامین ہیں، کیا پتا اسی بہانے کتاب کی فہرست میں ان شہداء کے ساتھ مصاحبت ربِّ قدیر کو پسند آ جائے

اور وہ روزِ محشر بھی ان شہداء کے ساتھ تمہارا حشر فرمائے، بس یہ اُمید اور تمنا ہے جو مجھے آمادہ ہی نہیں بل کہ مجبور کر رہی ہے کچھ لکھنے پر، اللہ اس امید کو تمام اہل ایمان کے لیے یقین میں بدل دے۔ آمین۔

میں مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار کی شخصیت کے بارے میں سوچتا ہوں تو دنگ رہ جاتا ہوں۔ یہ بلاشبہ اللہ تعالی کا انتخاب ہی تھا کہ ایک شخص میں اس قدر صفات جمع فرمادیں، جن کا اس قحط الرجال کے دور میں کسی ایک شخص میں تلاش کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ وہ ایک کامل انسان تھے۔ اللہ تعالی نے ان کی ذات میں وہ تمام صفات جمع فرمادی تھیں، جو کسی کامیاب و مثالی انسان میں ہو سکتی ہیں۔ ایک طرف وہ ایک قابل عالم و مفتی تھے، تو دوسری طرف ایک لائق گریجویٹ اور پی ایچ ڈی ہولڈر بھی۔ وہ ایک طرف ایک کامیاب مدرّس تھے تو دوسری طرف ایک مثالی منتظم بھی۔ وہ ایک طرف صاحبِ نسبت ولی اللہ تھے تو دوسری طرف زمانے کی نبض سے بھی واقف و آگاہ ایک بیدار مغز منتظم بھی۔ وہ ایک طرف علومِ آلیہ میں کامل دسترس رکھنے والے استاذ تھے تو دوسری طرف محدثین کی علمی موشگافیوں کی تہ تک پہنچ کر ان سے موتی نکالنے کا ہنر بھی جانتے تھے۔ انھیں تفسیر قرآن کا بھی ایک خاص ذوق حاصل تھا، قدیم وجدید تفسیری مآخذ ہوں یا جدید تفسیری تحقیقات، ان کی دونوں پر یکساں نظر تھی۔ ان کا ایک خاص وصف یہ بھی تھا کہ وہ اہل لسان بھی تھے اور عربی میں مہارت بھی

انھوں نے اہل لسان ہی سے حاصل کی تھی، یوں ان کے تراجم میں دونوں زبانوں کی جوجامعیت، ادبی چاشنی اورجاذبیت نظرآتی ہے، وہ اس میں بلاشبہ یکتائے روزگار تھے۔ ان کے قلم معجزرقم سے ہونے والاعربی سے اردوکاترجمہ پڑھنے والا قاری ہو یا اردو سے عربی ترجمہ پڑھنے والا کوئی صاحبِ ذوق ہو، وہ ان کی تحریر کے سحر میں یوں کھوجاتا تھاکہ اسے ترجمے کاگمان بھی نہیں ہوتا تھا۔اس کے ساتھ ان کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ وہ عبارت میں باریک سے باریک غلطی کو بھی پکڑلیتے تھے۔ مولانا حسین قاسم صاحب نے ایسے متعدد واقعات لکھے ہیں۔

....

اس قوم پرسوائے حسرت وافسوس کے کیاکیا جاسکتاہے، جس نے اس ہیرے کی قدرنہ کی، مفادات کے اسیروں کی نظرصرف اپنے مفادات پر ہوتی ہے، خواہ اس کی بڑی سے بڑی قیمت ہی کیوں نہ دینی پڑے۔ قارئین امریکی سفیرکے وہ الفاظ یقیناًنہ بھولے ہوں گے جواس نے ایمل کانسی کی حوالگی پرکہے تھے کہ یہ پاکستانی اپنے مفادات کے لیے اپنی ماں بہن تک غیروں کے حوالے کرنے سے نہیں چوکتے، تب اس قوم کی رگوں میں کچھ خون تھا، سویہ جملہ بہت برامحسوس کیاگیا، لیکن جب ایک مطلق العنان آمرنے قوم کی آبروڈاکٹرحافظہ عافیہ صدیقی کودشمن کے حوالے کیاتواس قوم کوپتا بھی کئی برس گزرنے کے بعدچلا، مردہ قوم کی رگوں میں حمیت کاخون نہ دوڑا، یہاں تک کہ اس مظلوم دخترِپاکستان کواسی برس کی قید بھی سنادی گئی

اس قوم کی مردہ نبضوں میں احساس کو زندہ کون کرے
جس خون سے قومیں بنتی ہیں اس خون کا سودا کون کرے

سو اتنے بڑے جبالِ علم و عمل کے خاک و خون میں تڑپائے جانے کے باوجود کوئی ارتعاش پیدا نہ ہو سکا، اس دھرتی نے ایسے ایسے علماء کا خون پیا جن کے تقدس کی قسمیں کھائی جا سکتی ہیں اور جن کے زہد و اتقاء پر مسلمانی بھی نازاں ہے، مگر قاتل ہر واردات کے بعد نئی واردات کی پلاننگ میں لگ گیا، قوم بہ دستور خوابِ خرگوش کے مزے لوٹتی رہی اور علماء نے امن پسندی کی پالیسی اپنائے رکھی اور یہ وطیرہ بن گیا: لاشیں اُٹھاؤ، چند دن جانے والوں کے گن گاؤ، پھر سب کچھ بھول کر اپنے کاموں میں مگن ہو جاؤ، اب الحمد للہ! فضا کافی بدل چکی ہے، اس شہر سے آسیب کے سائے اب ہٹتے جا رہے ہیں، قاتل پناہ گاہوں کی تلاش میں ہیں، خونِ مسلم کی ارزانی کا سلسلہ کچھ تھم چکا ہے، کاش! کراچی کی سرزمین پر تڑپائے جانے والے شہداء کے قاتلوں کے گریبانوں تک بھی قانون کا آہنی ہاتھ پہنچے اور وہ اپنے کیے کی سزا کا کچھ مزا اس دارِ فانی میں بھی چکھ لیں۔

آیئے! قاتل تک پہنچنے کے لیے اس وقت کے حالات کا ایک جائزہ لیں، تاکہ اس سفاکی و بربریت کے اسباب و عوامل اور محرکات و مضمرات سامنے آسکیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ سیاست وہ عنصر ہے جو ملک کے دیگر شعبہَ جات پر بلا واسطہ یا بالواسطہ اثر انداز ہوتا ہے، اس لیے کسی بھی ملک کی ترقی اور خوش حالی کا دار و مدار سیاسی استحکام سے وابستہ ہے۔ وطن عزیز میں تو سیاسی تبدیلیوں کے بعد اکثر اداروں پر اس قدر اثرات مرتب ہوتے ہیں کہ بعض اوقات ان کے حلیے بگڑ جاتے ہیں، سیاسی تبدیلیوں کے فوراً بعد معاشی، اِقتصادی، صورتِ حال کے ساتھ امن عامہ میں تبدیلیاں بھی مشاہدہ میں آتی ہیں۔ اس لیے وطن دشمن عناصر کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی ہے کہ ملک میں سیاسی استحکام نہ ہونے پائے۔

۱۹۹۷ء میں بھی ایسی ہی صورتِ حال تھی، عرصہَ دراز کے تجربات و مشاہدات کے بعد پاکستانی قوم نے ملکی تاریخ میں پہلی مرتبہ کسی حکومت کو اتنا بھاری مینڈیٹ دیا تھا اور سیاسی عدم استحکام کی جڑ کاٹ دی تھی۔ ہر وقت کی سیاسی رسا کشی اور لوٹا کریسی کا خاتمہ ہوا تھا۔ حکومت نے آہستہ آہستہ اپنے قدم مضبوط کرکے وطن عزیز کی ترقی کے لیے کام کا آغاز کردیا تھا، لیکن ملک دشمن عناصر نے ایک نئی پالیسی اختیار کی اور امن عامہ کو تباہ کرنے کی کوششیں شروع کردیں،اور نومنتخب حکومت کے ابتدائی ایام ہیں ہی ملکی تاریخ کے متعدد خوف ناک سانحات پیش آئے۔ مثلاً: سانحہ جامعہ خیرالمدارس ملتان، سانحہ لاہور، سانحہ خانقاہ ڈوگراں ان واقعات کے ذریعے مصنوعی فرقہ واریت پیدا

کرنے کی کوشش کی گئی۔ جب مذہبی حلقوں نے دہشت گردی کے ان واقعات کے باوجود کسی ردِ عمل کا اظہار نہ کیا اور ملک بھر کی مذہبی فضا کو زہر آلود ہونے سے بچالیا اور مختلف مکاتبِ فکر کے علمائے کرام نے بھی ذمہ داریوں کو ادا کرتے ہوئے فوراً عوام کی راہ نمائی کی اور حکومت کو دہشت گردی کے خاتمہ کے لیے تعاون کا یقین دلایا، یوں ماضی کی طرح اس بار بھی دینی حلقوں اور مذہبی قوتوں کے تعاون اور بروقت فیصلوں کی وجہ سے ملک دشمن قوتوں کو ایک مرتبہ پھر ناکامی ہوئی۔

ملک دشمن عناصر نے اپنی چالوں کو یوں ناکام اور کوششوں کو یوں رائیگاں جاتے دیکھا تو ایک مرتبہ پھر فرقہ وارانہ فسادات کے ذریعے ملک میں امن و امان برباد کرکے سیاسی عدم استحکام پیدا کرنے کے لیے سرگرم ہوگئے، جس کا نئے سرے سے آغاز ملتان میں نئی دہشت گردی سے کیا گیا، ملتان کے حالات ابھی معمول پر نہیں آئے تھے کہ کراچی میں جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ سید محمد یوسف بنوری ٹاؤن کی گاڑی پر حملہ کرکے جامعہ کے مہتمم و وفاق المدارس العربیہ کے ناظم اعلیٰ مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار اور ان کے دستِ راست معروف علمی شخصیت مولانا مفتی عبدالسمیع رحمہما اللہ تعالیٰ کو بدترین دہشت گردی کا نشانہ بنایا گیا، سفاکی کی انتہاء یہ تھی کہ ان دونوں حضرات کو شہید اور ان کے ساتھ گاڑی میں بیٹھے دوسرے حضرات کو شدید زخمی کرنے پر بھی سفاک قاتل

کا جوشِ درندگی وجذبہ درندگی سرد نہ ہوا، بلکہ گاڑی پر آتش گیر مادہ پھینک کرگاڑی کو بھی خاکستر کردیاگیا، اس کے اسباب و عوامل کچھ بھی ہوں، پشت پناہی کرنے والی قوت کوئی بھی ہو، استعمال ہونے والا ہاتھ کسی کا بھی ہو، مگر یہ طے شدہ بات تھی کہ اس درندگی و سفاکی کابنیادی مقصد ملک میں لوگوں کو مذہبی دہشت گردی کی بنیاد پر سڑکوں پر لانا تھا، اس کے لیے کراچی کاانتخاب کرنے والے اس شہر کی اہمیت سے بہ خوبی واقف تھے کہ ملک کاسب سے بڑا شہر ہونے کی وجہ سے یہاں آنے والا عدم اِستحکام بہت جلدپورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیتاہے، یہاں کی بدامنی کے اثرات چشم زدن میں ملک بھرتک پھیل جاتے ہیں اوریہاں کی اقتصادی ومعاشی ناہم واری پورے ملک کااقتصادی و معاشی پہیہ جام کرکے رکھ دیتی ہے۔

علمائے کرام اورمذہبی طبقے کی دوراندیشی نے اس سازش کو بھی ناکام بنادیا اور ملک دشمن اپنے مذموم عزائم کی تکمیل نہ کرسکا، لیکن اٹھارہ سال گزرنے کے باوجود ہمیں اب بھی علماء اورحکومت واداروں کے درمیان ایک ایسی خلیج نظرآتی ہے، جسے آج تک نہ پاٹا جاسکا۔ پورے ملک کو توایک طرف رکھیں، صرف کراچی ہی کی صورتِ حال میں دونوں طبقوں کے کردارکاجائزہ لیں۔ کراچی میں مولاناڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار و مفتی عبدالسمیع رحمہما اللہ کی شہادت سے شروع ہونے والا سفاکانہ سلسلہ علمائے کرام کی دور اندیشی، امن پسندی،

اداروں اور حکومت سے بے لوث تعاون کے باوجود علماء اور مذہبی طبقے کو صلہ لاشوں، زخمیوں اور الزام تراشیوں ہی کی صورت میں ملا۔ عدالت نے ان دونوں حضرات کے قاتلوں کو ہی نہیں، شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی، امام المجاہدین ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزئی، شہید ختم نبوت مفتی محمد جمیل خان، شہید ناموسِ رسالت مولانا سعید احمد جلالپوری، شہید مظلوم مفتی عبد المجید دینپوری، داعی قرآن مولانا مفتی عتیق الرحمٰن، مفسر قرآن مولانا محمد اسلم شیخوپوری، مولانا محمد امین اور مفتی عبد الصمد سومرو سمیت متعدد علمائے کرام کے قاتلوں کو، جب وہ تختۂ دار سے چند قدم کے فاصلے پر رہ گئے تھے،بری کر دیا۔ کراچی کے تقریباً تمام ہی قابل ذکر دینی مدارس کی گاڑیوں پر حملے ہوئے، جن کے مجرم اوران کے پشت پناہوں کو تاہنوز آئین کا آہنی شکنجے میں کسنے کی کوئی مؤثر کوشش نہ کی جا سکی۔ ایسے ایسے علمائے کرام، جن کی ذات اتحاد کا سمبل، جن کی مساعی کا مرکز و محور اتحاد بین المسلمین تھا، جو ہر قسم کی مسلکی، جماعتی، عسکری سرگرمیوں کو اپنے ہی نہیں اپنے حلقہ اثر کے لیے بھی شجرِ ممنوعہ سمجھتے رہے، جن کی زندگی کا ایک ایک لمحہ مسلمان کو حقیقی معنوں میں مسلمان اوراہل وطن کو سچا پاکستانی بنانے کے لیے وقف رہا، جو رب کا قرآن سکھاتے اوراسلام کے اس مضبوط حلقے کو، جو نہ کبھی ٹوٹنے والا ہے اور نہ ہی چھوٹنے والا تھامنے کی دعوت دیتے رہے، جو بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر، ہر قسم کی مسلکی و سیاسی، لسانی وعلاقائی نسبتوں کو تج کر ملت میں گم

ہونے کا درس دیتے رہے، انھیں دن دھاڑے بھری پری سڑکوں پر اس بے دردی سے نشانہ بنایا گیا کہ انسانیت منہ چھپانے پر مجبور ہو گئی، اس روح فرسا ظلم در ظلم کے بعد بھی دینی طبقے نے اشتعال انگیزی اور قانون کو ہاتھ میں لینے سے گریز کیا، مگر ملا پھر بھی کچھ نہیں۔ قابل گردن زدنی انہی کو ٹھہرایا گیا، حوالات میں انہی کو ڈالا گیا، سرزنش انہی سے کی گئی کہ تمہارا یہ جرم ہے کہ تم روئے کیوں؟

ہم بڑی ذمے داری سے آج یہ بات لکھ رہے ہیں کہ فرقہ واریت مذہبی و مسلکی نہیں، سیاسی مسئلہ ہے۔ کیا پاک فوج جو بلاشبہ آج اس ملک کے عوام اور بالخصوص شہر قائد کے عوام کے لیے مسیحا اور ابرِ رحمت بن چکی ہے، وہ اس مسئلے کے اس پہلو پر غور کرے گی؟ فرقہ واریت کی روک تھام کے لیے نیشنل ایکشن پلان سر آنکھوں پر، لاؤڈ اسپیکر ایکٹ کی پابندی قابل تحسین، ایک دوسرے کی تکفیر پر قدغن بہت خوب، مگر ان سیاست دانوں کی بیٹھکوں، اوطاقوں اور فارم ہاؤسز تک رسائی کب ہو گی، جہاں فرقہ واریت کو ہوا دینے کے منصوبے ترتیب دیے جاتے، اُنھیں رُوبہ عمل لانے کے مشورے اور اسکرپٹ کے مطابق کردار ادا کرنے کے لیے فنکار تلاش کیے جاتے ہیں۔ اصل یہ فنکار نہیں، ان کے اسکرپٹ رائٹر اور اسپانسرز ہیں، ان کی بیخ کنی کے بغیر ماضی کی طرح اب بھی ہر اقدام بے اثر و بے ثمر ہی رہے گا۔ کیا اصحابِ اختیار اس جانب بھی توجہ دیں گے؟

آیئے ! پاکستان کی قدر کریں

ادارہ تالیفات اشرفیہ لاہور کسی تعارف کا محتاج ہے، نہ اس کے مدیر شہیر مولانا قاری محمد اسحٰق ملتانی کا نام اشاعت و طباعت کی دنیا میں نیا ہے اور نہ ہی تھانویؒ مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے اہلِ علم کی وطنِ عزیز پاکستان کے ساتھ والہانہ محبت و تعلق اور جذباتی و نظریاتی وابستگی محتاج بیان ہے۔ مولانا قاری محمد اسحٰق ملتانی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے پاک و ہند میں حکیم الامت مجدد الملت والدّین حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم و افکار کی ترویج او اشاعت کا خاص ذوق عطا فرما رکھا ہے، سو وقتاً فوقتاً ان کے اس ذوق کا عملی نمونہ کسی نئی تالیف کی شکل میں سامنے آتا رہتا ہے۔

زیر تبصرہ کتاب "آیئے ! پاکستان کی قدر کریں" ادارہ تالیفات اشرفیہ کی طرف سے اسلامیانِ پاکستان کے لیے نیا تحفہ ہے۔ اس کے مؤلف و مرتب ملتانی صاحب بذاتِ خود ہیں اور یہ کتاب شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی، فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ اور دیگر مشاہیر ملت کے افادات کا مجموعہ ہے۔

عرض ناشر" میں حضرت ملتانی زید مجدہم نے وطنِ عزیز پاکستان کی جغرافیائی اہمیت"
:کو عالم اسلام کے حالات کے تناظر میں اجاگر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں
ہندوستان میں مسلمانوں پر مظالم ہوں تو انہیں پاکستان میں پناہ ملتی ہے۔ برما کے "
مسلمانوں کی پناہ گاہ بھی پاکستان ہے۔ بنگلادیش کے اہلِ اسلام کی نگاہیں بھی پاکستان کی طرف اٹھتی ہیں۔ افغانستان میں مسلمانوں پر قیامت ٹوٹے تو ان کی پناہ گاہ بھی پاکستان ہی ہے۔ اسی طرح گردو نواح کے مسلمانوں کی پناہ گاہ بھی پاکستان ہی ہے، لیکن خدانخواستہ پاکستان کو کچھ ہوگیا تو سوائے سمندر میں ڈوبنے کے کوئی راستہ نہیں" (ص

7)

یہ حقیقت ہے اور مقامِ افسوس ہے کہ حکمراں و اشرافیہ تو رہے ایک طرف' ایک عام پاکستانی اور بالخصوص نسلِ نو وطنِ عزیز کی اس اہمیت کے احساس و ادراک سے عاری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم آئے روز وطنِ عزیز کی صورت میں ملنے والی اللہ تعالیٰ کی اس عظیم نعمت کی ناقدری کرتے رہتے ہیں اور یہ بھی نہیں سوچتے کہ ہماری اس ناقدری سے ہمارے آباء و اجداد اور اسلاف کی مقدس روحیں کس قدر تڑپتی ہوں گی، جنھوں نے اپنے سروں کو نیزوں کی انیوں میں پرو کر، اموال و اسباب کی قربانی دے کر اور عفت مآب ماؤں، بہنوں نے اپنی عصمتیں لٹا کر یہ مقدس وطن' یہ مہکتا چمن اور یہ عظیم گلشن حاصل کیا تھا۔ ملتانی صاحب نے اس

: مجموعے کی تالیف کا مقصد یہی بیان کیا ہے، لکھتے ہیں

زیر نظرکتاب'' پاکستان کی قدر کریں '' اسی درد کے ساتھ مرتب کی گئی ہے، تاکہ نئی ''
(نسل کو معلوم ہو کہ پاکستان کسی فدوی کی درخواست پر نہیں بنایا گیا۔ (ص 7

اس کتاب کے دو حصے ہیں۔ حصہ اول صفحہ 25 سے شروع ہو کر صفحہ 277 پر مکمل ہوتا ہے' اس حصے میں حصولِ پاکستان سے پہلے کے ادوار کا تفصیلی جائزہ (تحریک آزادی کے محرکات' ہندو بنیے کی سفاکیت اور دوغلی پالیسی 'مسلمانوں کی نسل کشی' انہیں ہندو بنانے کی تحریکیں اور کشت و خون ، نیز لٹی پٹی عصمتوں کی داستان چشم دید گواہوں کے بیانات کی روشنی میں) پیش کرنے کے ساتھ ساتھ بانیان پاکستان علامہ محمد اقبالؒ مولانا محمد علی جوہرؒ' نواب بہادر یار جنگؒ اور قائدا عظمؒ کا کردار ت، تعمیرِ پاکستان میں' حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے مکتبہ فکر کی فکری و عملی مساعیِ جمیلہ کی تصویر کشی کرتے ہوئے کئی ایک تاریخی مغالطوں کا پردہ بھی چاک کیا گیا ہے۔ علمائے دیوبند آج کل جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ: پاکستان ہمارے اکابر نے بنایا تھا۔۔۔ ہماری مروجہ درسی کتب اس دعوے کے دلائل سے خالی ہیں ،جس کی تہ میں دین و اہلِ دین کے ساتھ سیکولر طبقے کا تعصب کارفرما نظر آتا ہے۔۔۔ کتاب کا حصہ اول اس دعوے کو ناقابل تردید دلائل سے اظہر من الشمس کرتا ہے، لہٰذا اس کتاب کا

مدارس کے طلباء و علماء نیز عصری تعلیم گاہوں کے اسٹوڈنٹس کے مطالعے میں ہونا ضروری ہے۔

دوسرے حصے کا تعلق قیام پاکستان کے بعد سے ہے' جو صفحہ 279 سے شروع ہو کر اختتام کتاب (صفحہ 381) تک چلا گیا ہے۔ اس میں سب سے پہلے دستور ساز اسمبلی سے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا خطاب' پھر علامہ مفتی محمد تقی عثمانی برکاتہم کی ایک چشم کشا تحریر ''اہل وطن کی ایک الٹی سوچ'' پھر ان کا ایک بیان بعنوان '' پاکستان کی قدر کریں'' اس کے بعد مفتیِ اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع عثمانی کا ایک خطاب '' پاکستان۔ اہل اسلام کی پناہ گاہ'' اور دیگر مضامین ہیں۔ کتاب کے ماتھے کا جھومر منشی عبدالرحمٰن خان مرحومؒ کی کتاب '' پاکستان کی قیمت'' سے قاری صاحب کا جان دار و شان دار انتخاب ہے اور وطن عزیز کے حوالے سے پروپیگنڈوں اور افواہوں کے ہر زخم کا مرہم حضرت مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کا مضمون '' خاتمہ مسک'' کا مصداق ہے۔ کتاب میں فقیہ العصر مفتی رشید احمد لدھیانویؒ' مفتی محمود اشرف عثمانی اور مولانا محمد زاہد مدظلہم العالیہ کی تحریریں بھی شامل ہیں۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ اور قائدِاعظم محمد علی جناح کے درمیان مکاتبت بھی شاملِ کتاب ہے اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا عکسِ تحریر بھی۔ اس کے علاوہ قاری صاحب نے حسبِ ضرورت ملی نغمے بھی قاری کو بوریت سے بچانے کے لیے شامل کیے ہیں۔ یوں بلا مبالغہ

یہ کتاب اپنے موضوع پر ایک دلچسپ و عمدہ دستاویز ہے۔کتاب عمدہ کاغذ پر کمپیوٹر کمپوزنگ کے ساتھ شائع کی گئی ہے۔ رنگین سروق پر وطن عزیز پاکستان کا جھنڈا اور بیگ ٹائٹل پر پاکستان کے دو جھنڈے لہرا رہے ہیں۔ اللہ کرے' یہ پاک وطن تا قیامت قائم و دائم اور اس کا سبز ہلالی پرچم یونہی لہراتا رہے۔ آمین)

مولانا محمد صدیق جالندھریؒ۔وہ دکان اپنی بڑھا گئے

پاکستان مسجد کی طرح مقدس ہے،اس میں کسی قسم کا انتشار اور تفرقہ پھیلانا خود ” اپنے وجود کو عذاب میں دھکیلنے کے مترادف ہے۔“۔

یہ الفاظ جامعہ خیر المدارس ملتان کے قدیم ترین فاضل اور نصف صدی تک شیخ الحدیث کی مسند پر فائز رہنے والے عالم باعمل مولانا محمد صدیق جالندھریؒ کے ہیں۔ان کی زندگی اور کارناموں کو تعبیر کرنے کے لیے درجنوں عنوانات قائم کیے جا سکتے ہیں۔لیکن میرے نزدیک ان کی زندگی کے جس گوشے کو سب سے زیادہ اور اولین ترجیح کے طور پر سامنے لایا جانا چاہیے وہ ہے ان کی وطن عزیز پاکستان سے والہانہ محبت۔یہ محبت بھی ان کو اپنے بزرگوں سے وراثت میں ملی تھی۔وہ خود بھی تحریک پاکستان کے جانباز سپاہی رہ چکے تھے۔مولانا محمد صدیق جالندھریؒ بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کے رفیق خاص اور تحریک پاکستان کے عظیم قائد مولانا خیر محمد جالندھری کے خاص شاگرد تھے۔انھوں نے پاکستان کو بنتے دیکھا تھا۔ان کی نگاہوں کے سامنے قیام پاکستان کے دوران مسلمانوں نے جس اتحاد ویگانگت اور یک جہتی کا مظاہرہ کیا،اس کے مناظر تھے،انھوں نے اس وطن کے حصول کے لیے لوگوں کو کٹتے، مرتے، سسکتے،تڑپتے،بے گور

وکفن لاشوں، لٹی پٹی عصمتوں اور قربانیوں کو دیکھا تھا، سو وہ موجودہ حالات میں اہل وطن کے اس رویے سے کافی شاکی و نالاں تھے کہ یہ لوگ خود ہی اس شجر سایہ دار کو کاٹنے میں کیوں لگے ہیں۔ان کی اسی سوچ اور فکر کے تناظر میں ان کے مذکورہ بالا کلمات کا مطلب اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے۔وہ اپنے دروس و مواعظ میں بھی حب الوطنی پر زور دیا کرتے تھے اور اسی مقصد کے تحت انھوں نے پاکستان کے حوالے سے ایک کتابچہ بھی مرتب فرمایا تھا۔ضرورت اس امر کی ہے کہ اہل وطن ان کی اس سوچ کے مطابق وطن عزیز سے سچی محبت کریں،یہی انھیں خراج عقیدت پیش کرنے کا بہترین انداز ہے اور وقت کی ضرورت بھی۔

مولانا محمد صدیقؒ جامعہ خیرالمدارس ملتان ہی کے فاضل تھے۔انھیں اس ادارے سے والہانہ محبت تھی۔جامعہ خیرالمدارس کو تعلیم سے تدریس تک اپنا وطن بنایا، مولانا محمد صدیق عالم باعمل، تقویٰ اور اتباعِ سنت کی عظیم الشان مثال تھے۔ وہ استاذ العلما حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ کے مایہ ناز شاگرد اور ان کے علوم و معارف کے امین تھے۔مولانا محمد صدیق نے کم و بیش ساٹھ سال تفسیر و حدیث کا درس دیا۔مولانا کی پوری زندگی درس وتدریس میں گزری،وہ اخلاص و للٰہیت سے بھرپور اسلاف کی چلتی پھرتی نشانی، علم وفضل کی بہار، ہزاروں علماکے استاد اور محدث عصر تھے۔آپ اہل علم کے لئے ایک سایہ دار درخت کی مانند تھے۔انھوں نے الخیر الساری کے نام سے بخاری شریف کی

شرح بھی تصنیف فرمائی، جس کی دس جلدیں منظر عام پر آ چکی تھیں، گیارہویں جلد زیر طبع ہے، جب کہ ایک محتاط اندازے کے مطابق یہ کل پچیس جلدوں پر مشتمل ہو گی۔ اہل علم کا کہنا ہے کہ یہ بخاری شریف کی ایک مفصل اور بے مثال شرح ہو گی۔ ان کی رحلت سے یقیناً اس عظیم کام کی رفتار میں کمی آئے گی، لیکن ان کے متعلقین کو چاہیے کہ وہ اس شرح کی تالیف، تبویب واشاعت کا کام جاری رکھیں اور اسے حالات کی نذر ہونے سے بچائیں، اگر یہ عظیم ذخیرہ طاق نسیاں میں ڈال دیا گیا، تو یہ بہت بڑا المیہ ہو گا۔

مولانا محمد صدیقؒ نے ہمیشہ اعلائے کلمۃ اللہ کی جدوجہد کی وہ تحفظ ختم نبوت کے بے باک مجاہد تھے۔ تحفظ ختم نبوت کے عنوان پر جتنی تحریکیں چلتی رہی ہیں ان سب میں انھیں شریک رہنے کا شرف حاصل رہا۔ ان کو یہ شرف بھی حاصل رہا کہ حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے سابق ناظم اعلیٰ کے داماد اور موجودہ ناظم حضرت مولانا عزیزالرحمٰن جالندھری مدظلہ کے بہنوئی تھے اور خطیب بے مثال امیر شریعت علامہ سید عطا اللہ شاہ بخاریؒ کے رفقائے خاص میں شمار ہوتے تھے، شاہ جیؒ کے صاحب زادے مولانا سید ابوذر بخاریؒ مولانا کے ہم سبق و ہم درس تھے، دونوں حضرات خیر المدارس جالندھر اور پھر ملتان میں ایک ساتھ پڑھتے رہے۔

مولانا محمد صدیق جالندھریؒ کی زندگی میں اتباع سنت کا انتہا درجہ اہتمام تھا۔اپنے دن کو اللہ کے لاڈلے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک، منور، معطر و مشک بار الفاظ کی تعلیم وتدریس میں صرف کرنے کے ساتھ ساتھ وہ عملی طور پر بھی اتباع سنت کا ایک چلتا پھرتا نمونہ تھے۔لوگ انھیں دیکھ کر کسی بھی عمل میں سنت طریقے کو پہچانا کرتے تھے۔معروف وہردل عزیزادیب مرحوم ومغفور اشتیاق احمدؒ نے ایک بار ہفت روزہ ضرب مومن میں شایع ہونے والے اپنے ایک کالم میں اپنا یہ واقعہ ذکر کیا تھا :

’’ 1982 تک میں نے ڈاڑھی نہیں رکھی تھی ... روزانہ شیو کرتا تھا،1982 میں حج کے لیے گیا تو بھی ڈاڑھی نہ رکھی ... حج کے دنوں میں وہاں شیو تو نہیں کی، لیکن حج سے واپس آتے ہی پھر شیو شروع کر دی ... لیکن پھر کیا ہوا ... ایک دن صبح سویرے شیو کرنے کی تیاری شروع کی ... گالوں پر صابن لگایا، پھر ریزر اٹھایا، لیکن ہاتھ گال تک نہ گیا ... اٹھا کا اٹھا رہ گیا ... خود وہیں آئینے کے سامنے کھڑا کا کھڑا رہ گیا ... اس روز ریزر گال تک نہ آسکا ... نہ جانے کیا ہو گیا تھا ... کبھی کسی نے کہا تک نہیں تھا کہ ڈاڑھی رکھ لو ... پھر دوسرے دن بھی شیو نہ کی ... تیسرے دن بھی شیو نہ کی ... بیوی کہنے لگی : کیا بات ہے،آپ آج کل شیو نہیں کر رہے۔جواب دیا : جی نہیں چاہ رہا ... کرلوں گا جب جی چاہے گا۔ کئی دن گزر گئے ... شیو کرنے کو جی نہ چاہا اور اس طرح ڈاڑھی رکھ لی ... لیکن ایک بہت عجیب سوال ذہن میں ابھرا۔

داڑھی رکھی کیسی جائے ... جدھر نظر جاتی ہے ... نئی طرح کی ڈاڑھی نظر آتی ہے ... اگر بیس ڈاڑھیوں والے ایک جگہ جمع کر دیے جائیں ... اور ان کی ڈاڑھیوں کو دیکھا جائے تو سب کی مختلف نظر آئیں گی ... اس سوال نے بہت چکرایا ... خیرا لمدارس ملتان کے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد صدیق جالندھری صاحب سے انھی دنوں نئی نئی علیک سلیک شروع ہوئی تھی ... وہ جھنگ میں جمعہ پڑھانے آتے تھے ... اور میں ان کا خطبہ سنا کرتا تھا ... ایک دن جمعے کے بعد ان سے ذکر کیا ... کہنے لگے: ''یہ دیکھو ... ایسی رکھو۔'' اسی طرح ڈاڑھی رکھ لی۔

آج یہ دونوں شخصیات ہمارے درمیان موجود نہیں، لیکن اس واقعے میں ایک اہم سبق پوشیدہ ہے کہ ہمیں اپنے چہروں کو سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سجانا اور مسنون داڑھی رکھنی چاہیے۔ داڑھی کے نام پر جو فیشن آئے ہیں، وہ داڑھی نہیں، داڑھی کا مذاق ہیں۔ اللہ تعالی ہمیں سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عملی استہزا سے محفوظ فرمائے۔

مولانا محمد صدیق جالندھریؒ تو اپنی خدمات کا صلہ پانے رب قدیر کے حضور حاضر ہو گئے۔ لیکن اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ ان کی رحلت سے ملک بھر کے

دینی حلقے ایک مشفق استاد، ایک مربی و شیخ اور پیکر علم و عمل ہستی سے محروم ہو گئے۔ آپ نے زندگی بھر قال اللہ وقال الرسول کی صدا بلند کیا۔ سیکڑوں علما نے ان سے حدیث پڑھی اور ہزاروں مسلمانوں نے ان کے مواعظ و بیانات سے استفادہ کیا۔ وہ ایک عالم دین ہی نہیں، ایک شفیق استاذ اور امت مسلمہ کے لئے ہمدردی اور محبت رکھنے والے عظیم انسان بھی تھے۔ آپ کے انتقال سے پیدا ہونے والا خلا صدیوں پر نہیں کیا جاسکے گا۔ آپ کے انتقال سے دین اسلام ایک مدبر اور جید عالم دین جبکہ ہزاروں طلبہ ایک شفیق استاذ سے محروم ہوگئے۔ آپ کی وفات سے ملک وبیرون ملک کے اربوں مسلمان یتیم ہوگئے۔ مولانا کی دینی و علمی اور تدریسی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی اوران کا فیض صدیوں جاری و ساری رہے گا۔ ان شاء اللہ!

مرحوم کی نماز جنازہ اسٹیڈیم قلعہ کہنہ قاسم باغ میں ادا کی گئی۔ وفات کی خبر سن کر ملک بھر سے انکے تلامذہ، علما و طلبا، مذہبی و سیاسی قائدین ملتان پہنچ گئے تھے، ان کا جنازہ ملتان کی تاریخ کے بڑے جنازوں میں سے ایک تھا، جس میں شریک ہونے والوں میں ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی ایک کثیر تعداد شامل تھی۔ کسی عہدے و منصب اور نام وری کے بغیر ان کے جنازے میں لاکھوں افراد کی شرکت اس امر کی غماز تھی کہ وہ لوگوں کے دلوں پر حکم رانی کرتے تھے۔

مرحوم نے اپنے پسماندگان میں تین بیٹے چھوڑے ہیں، جو سب کے سب حافظ قرآن ہیں اور ان میں سے تین عالم دین بھی ہیں، جب کہ تین صاحب زادیاں ہیں، آپ کی اہلیہ محترمہ بھی عالم با عمل اور حافظ قرآن تھیں۔ اللہ تعالی ان کے صاحب زادوں اور شاگردوں کو ان کے لیے ذخیرہ آخرت اور عالم بھر میں ان کے فیض کے پھیلنے کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

مستقبل کا دھندلا منظر نامہ۔۔۔۔ تحفظ خواتین بل کے نفاذ کے بعد

بیوی دیر سے گھر آئی۔ شوہر نے حسب سابق اس سے باز پرس کی: دیر سے کیوں آئی ہو؟ یہ کون سا وقت ہے گھر نے کا؟ تمھاری چھٹی تو آٹھ بجے ہو جاتی ہے کالج سے۔۔۔۔۔۔ بیوی نے شوہر کو تو کوئی جواب نہ دیا، واش روم میں گئی، جھٹ سے ٹول فری نمبر ملایا، کال فوراًریسیو کر لی گئی۔ ہیلو۔۔۔۔۔ ہیلو۔۔۔۔ میں بنت حوا بول رہی ہوں۔اس نے کہا۔

آگے سے ایک مردانہ آواز آئی: جی، جی حکم؟اس وقت ہم آپ کی کیا خدمت کر سکتے ہیں؟

بیوی نے بلا تمھید اپنا مقدمہ پیش کر دیا: میرے شوہر نے مجھ پر ذہنی تشدد کیا ہے، موبائل بھجوادیں۔آگے سے آواز آئی:

اوکے۔۔۔۔۔۔۔ اور فون بند ہوگیا۔ بیوی صوفے پر آ کر بیٹھ گئی، شوہر بھی تلملاتا رہا، کہ وہ اس کے سوا کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا۔ خود ہی اٹھا، کچن میں گیا۔ کھانا گرم کیا اور لا کر زہر مار کرنے لگا۔ بچے ماں کا انتظار کرتے کرتے بھوکے ہی نیند کی وادیوں میں جا چکے تھے۔

ابھی اس نے پلیٹ اٹھا کر کچن میں رکھی ہی تھی اور سونے کی تیاری ہی کر رہا تھا کہ پولیس موبائل گھر کے باہر ہارن بجانے لگی۔ وہ باہر کی طرف دوڑا۔اس کا سامنا تین چار پولیس اہل کاروں سے ہوا، سلام کلام کی نوبت آنے سے پہلے ہی اس پر سوال داغ دیا گیا: یہ ابن دم کا گھر ہے؟اس نے مختصر سا جواب دیا: جی۔۔۔۔ آگے

سے رعونت بھرے انداز میں پھر تصدیق چاہی گئی: آپ ہیں ابن آدم؟
جی میں ہوں۔۔۔۔۔۔مگر۔۔۔۔اس وقت۔۔۔۔۔۔آپ لوگ۔۔۔۔۔۔۔۔اس سے پریشانی اور گھبراہٹ میں الفاظ بھی پورے ادا نہیں کیے جا رہے تھے۔
ایک پولیس والا دو لاتیں مار کر بولا: چل موبائل میں بیٹھ، تجھے بتاتے ہیں تھانے تو چل۔۔۔تجھے پتا نہیں پنجاب میں عورتوں کی حکومت ہے۔۔۔اب وہ سمجھا ماجرا کیا ہے؟ اسے اپنی بیوی پر غصہ تو بڑا آیا، مگر کر بھی کیا سکتا تھا، وہ بس دل ہی مسوس کر رہ گیا اور مرتا کیا نہ کرتا موبائل میں دبک کر بیٹھ گیا۔۔جیسے وہ شوہر نہ ہو کوئی عادی مجرم ہو۔۔۔یا پھر کوئی طالبانی کارندہ۔وہ پولیس والوں کو کیا بتاتا، وہ ایک کالج میں اسسٹنٹ پروفیسر ہے، پڑھا لکھا روشن خیال انسان، بیوی کو اس نے جاب سے بھی نہیں روکا، وہ بھی ایک کالج میں پڑھاتی ہے، بچوں کو آیا سنبھال لیتی ہے۔وہ ان سے کچھ بھی نہ کہہ پایا، کیوں کہ وہ اس وقت ایک مجرم تھا۔۔۔اور۔۔۔۔۔بس۔
اس کی گرفتاری کو تین دن بیت گئے۔جس نے بھی سنا بیوی نے گرفتار کروایا ہے، ویمن پروٹیکشن بل کے تحت۔۔تو خاموشی میں ہی عافیت جانی۔
بیوی کالج سے واپسی پر بڑی بے چینی سے گھر کے وسیع دالان میں ٹہل رہی تھی۔اس کو کسی کمی کا بڑی شدت سے احساس ہو رہا تھا۔وہ اپنے آپ سے مخاطب ہو کر خود کلامی کے انداز میں۔۔۔۔اف اللہ! آج تین دن ہو گئے، میرے میاں جی حوالات

میں ہیں، میں اکیلی چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ خود کو کتنا غیر محفوظ تصور کرتی ہوں،کاش میں ایسا نہ کرتی..برا ہو شہباز شریف کا، میرا تو گھر ہی جھونک ڈالا۔اب کیا ہوگا۔۔۔۔سب رشتے داروں نے بھی منہ پھیر لیا۔ایک ہی بات ہے کیوں بند کرایا تھامیاں کو جیل میں،اب بھگتو۔۔۔۔ تھانے والے بھی نہیں سنتے۔رشوت مانگتے ہیں، کہاں سے دوں۔۔۔۔اوپر سے میاں نے بھی دھمکی دیدی ہے کہ رہا ہوتے ہی تجھے طلاق دے دوں گا۔میں کیا کروں؟کہاں جاؤں۔۔۔۔اتنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو لے کر۔تھانے والے بھی کہتے ہیں،طلاق اس کا حق ہے ہم اسے نہیں روک سکتے،ہاں ہم اس کو اس بات کا پابند کریں گے کہ وہ تجھے گھر سے نہ نکالے،ہم اس کو ٹریکنگ کڑے بھی پہنادیں گے،اس کی ایک ایک حرکت کی نگرانی بھی کریں گے۔۔۔۔لیکن ان کو کون سمجھائے۔۔۔۔۔اس طرح گھر میں رہ کر میں کیا کروں۔۔۔شوہر کے سائبان سے محروم ہو کر۔۔۔یہ بھی بھلا کوئی زندگی ہے۔

اف اللہ! میں کیا کروں؟کاش میں مولویوں کی بات مانتی، مولانا فضل الرحمٰن اور مفتی محمد نعیم صحیح تو کہتے تھے یہ خاندانی نظام کو تباہ کرنے والا بل ہے۔۔۔میں اوریا مقبول جان ہی کی سن لیتی، میں تو دین بے زاری میں اندھی ہو گئی تھی۔ان لبرل ، سیکولر دانش وروں نے تو میرا گھر ہی جھونک دیا۔انھیں میرے دکھ سے کیا لینا دینا،خود تو اپنے گھروں میں مزے سے زندگی گزار رہے ہیں۔وہ حقوق نسواں کی سب سے بڑی ٹھیکے دار بننے والی ماروی سرمد بھی فون

نہیں اٹھا رہی، حالاں کہ مفتی محمد نعیم سے الجھنے پر جب میں نے اسے فون کیا تو کتنی خوش ہو رہی تھی، اب کیسے نگاہیں پھیر لیں۔۔۔ شرمین عبید چنائے اور عاصمہ جہانگیر کے دفتر سے بھی دھکے مل رہے ہیں۔۔۔۔ کوئی بھی تو نہیں ہے جو میری اشک شوئی کرے۔ لے دے کے اب بھی میرے غم میں وہی مولوی ہی شریک ہیں جنھیں گالی دیے بنا مجھے چین نہیں آتا تھا، کتنے عظیم ہیں یہ لوگ، خود رابطہ کرکے کہا میاں کو ہم طلاق سے روکنے کی پوری کوشش کریں گے، تم دونوں کے درمیان مصالحت کرائیں گے، خدانخواستہ نباہ نہ ہونے کی صورت میں مجھے پیش کش بھی کہ وہ اپنے بنات کے مدرسوں میں مجھے اور میرے بچوں کو پناہ دینے کے لیے بھی تیار ہیں۔

یہ دانش فروش تو میرا گھر جھونکنے کے بعد اب میری عزت کے بھی پیچھے پڑ گئے ہیں، کہتے ہیں، خبردار، مولویوں کے پاس مدرسوں میں نہیں جانا، وہ تجھے تنگ نظر بنادیں گے، گورنمنٹ کے بنائے ہوئے شیلٹر ہوم موجود ہیں، وہاں پناہ لینا۔۔۔۔۔۔ مگر میں جانتی ہوں وہاں میں لٹ جاؤں گی جنسی درندوں کے ہاتھوں۔۔۔۔۔۔ !!!

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

دورۂ حدیث کی تکمیل، روشن کرنیں، تابناک مستقبل

ہم اس سال دورہ حدیث شریف کی تکمیل کرکے دستار فضیلت حاصل کرنے والے طلبہ اور فراغت پانے والی طالبات کی خدمت میں ان کتب حدیث کے مصنفین کی مبارک زندگیوں کے چند واقعات اس غرض سے رکھ رہے ہیں کہ ان روشن کرنوں سے اپنے تابناک مستقبل کی تعمیر میں مدد لینے کے لیے آج سے عزم کرلیں۔ لیجیے ! ملاحظہ فرمایئے: پہلا منظر۔اس میں محدث اپنی حدیث کی سند بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: یہ حدیث سفیان نے ابوزبیر سے انہوں نے ابراہیم سے سنی'' محدث نے سند بیان کی۔

استاد محترم ! ابوزبیر ابراہیم سے حدیث روایت نہیں کرتے'' درس میں شریک'' ایک گیارہ سالہ بچے نے استاد کی توجہ دلانے کی کوشش کی۔ استاد نے بچے کو جھڑک دیا مگر بچہ اپنی بات پر مصر رہا اور گزارش کی: ''استاد محترم ! اپنی کتاب میں دیکھ لیجیے ''

استاد نے اصل کتاب دیکھی اور واپس آکر بچے سے پوچھا: اصل سند کیا ہے؟
یہ حدیث سفیان نے ابوزبیر سے نہیں بلکہ زبیر سے اور انہوں نے ابراہیم سے '' روایت کی'' بچے نے اصل سند بیان کی۔ استاد نے فورا قلم اٹھایا اور سند کی تصحیح کر لی۔

یہ بچہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم تھا، جو آگے چل کر شیخ الاسلام امیرالمئمنین فی الحدیث امام بخاری کے نام سے مشہور ہوا۔ ولادت 13 شوال 194ھ، وفات 256ھ۔

☆ بھائی! جب درس میں شرکت کرنی ہی ہے تو کچھ لکھا بھی کرو، وقت تو ضائع نہ کرو''۔ ہم عصر ساتھیوں نے بخاری سے کہا، وہ ان کی بات سنتے رہے، یہاں تک کہ 16 دن اسی طرح گزر گئے۔ ملامت کا سلسلہ جاری تھا، چنانچہ تنگ آ کر ساتھیوں سے کہا :

لاؤ! دکھا! تم نے کیا لکھا ہے'' ساتھیوں نے اپنے تحریری نسخے آگے کر دیئے، جن'' میں پندرہ ہزار احادیث لکھی ہوئی تھیں۔ بخاری نے کہا: ''لو، سنو'' اور تمام حدیثیں زبانی اس طرح سنا دیں کہ انہیں سن کر ساتھیوں نے اپنے نسخوں کی اصلاح کی۔ (تاریخ خطیب جلد دوم)

:اب دوسرا منظر ملاحظہ فرمایئے

کاش! تم ایک ایسی کتاب لکھتے جس میں صرف اور صرف صحیح احادیث ہوتیں'' امام" اسحٰق بن راہویہ نے اپنے قابل فخر شاگرد بخاری سے کہا۔ شاگرد اتنی بڑی خدمت کا خود کو اہل نہ پاتا تھا، سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کرے۔ خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور خود کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا پنکھا جھلتا اور مکھیوں کو دور کرتا دیکھا۔ تعبیر واضح تھی کہ اللہ تعالیٰ ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں جو جھوٹ

اور بہتان کی غلاظتیں شامل کی گئی تھیں، ان کو دور کرنے کا کام لینا چاہتا تھا، چنانچہ انتہائی کڑی شرائط پر صحیح بخاری کی تالیف کا آغاز فرمایا۔ ہر حدیث کو لکھنے سے پہلے غسل کیا، دوگانہ ادا کیا اور پھر حدیث درج کی۔ اس طرح 16 سال کے طویل عرصے میں یہ (گلدستہ تیار ہوا جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ قرار پایا۔ (تاریخ خطیب جلد دوم

:ایک اور منظر آنکھوں کے سامنے تازہ کیجیے

امام صاحب! میں چاہتا ہوں کہ آپ بنفس نفیس تشریف لا کر میری مجلس میں اپنی" تصانیف صحیح بخاری اور تاریخ کبیر سنائیں'' امیر بخارا خالد بن احمد نے پیغام بھیجا۔

میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتا۔ یہ علم کی بے توقیری ہے'' امام نے کہلا بھیجا۔''

اگر ایسا ممکن نہیں تو میرے بیٹوں کیلئے ان کتابوں کے درس کا علیحدہ وقت مقرر کر لیں،'' جس میں ان کے ساتھ کوئی شریک نہ ہو'' خالد بن احمد نے آخری درجے میں یہ شرط رکھی۔

میں ایسا بھی نہیں کر سکتا'' امام بخاری نے دوٹوک جواب دیا، چنانچہ اسی خود داری'' کے جرم میں امام بخاری جلا وطن کر دیے گئے۔

:لیجیے! یہ چوتھا منظر ہے

یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم! کس کا انتظار ہے'' ایک اہل اللہ بزرگ نے"

خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ کسی کے انتظار میں پا کر دریافت کیا۔ ''محمد بن اسماعیل بخاری آ رہے ہیں، ان کے انتظار میں ہوں''۔
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔
صبح جب ان اللہ والے بزرگ کو معلوم ہوا کہ امام بخاری وفات پا چکے ہیں تو حساب لگانے سے یہ دن وہی وقت نکلا، جس وقت انہوں نے خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو امام بخاری کا انتظار فرماتے ہوئے دیکھا تھا۔
:اب دوسرے جلیل القدر محدث کی بارگاہ میں چلتے ہیں
جو شخص محمد بن اسماعیل کے مسلک پر ہو، وہ کل سے میرے درس میں نہ آئے'' امام'' محمد بن یحیٰی الذہلی نے اعلان کیا، شرکائے درس میں حج الاسلام امام مسلم بن حجاج رحمہ اللہ (261ھ۔ 206ھ) بھی بیٹھے ہوئے تھے جو امام محمد بن اسماعیل بخاری کو سید المحدثین اور طبیب الحدیث فی ع للہ کہتے اور اپنا مقتدا مانتے تھے۔ امتحان سخت تھا نہ محمد بن یحیٰی کا درس ایسا تھا کہ اسے خیرباد کہہ دیا جائے، نہ امام بخاری کی حمایت ترک کی جا سکتی تھی۔ امام مسلم نے عقل و دل کے معرکے میں دل کا فیصلہ قبول کیا، اسی وقت عمامہ سر پر رکھا، نسخے اٹھائے اور چل پڑے۔ بعد میں امام ذہلی سے جتنی احادیث نقل کی تھیں، وہ بھی واپس کر دیں کہ جو شخص امام بخاری سے بغض و عداوت رکھتا ہو، خواہ وہ کتنا ہی بڑا محدث ہو، اس قابل نہیں کہ اسے استاد کا درجہ دیا جائے۔ (تاریخ

!! خطیب، تذکرۃ الحفاظ) انہی کا تھوڑا تذکرہ اور۔۔۔۔

دوست ! کس حال میں ہو؟'' امام ابو حاتم رازی نے امام مسلم کو وفات کے بعد''
خواب میں دیکھ کر پوچھا۔

فرمایا: ''اللہ تعالی نے میرے لیے جنت کو مباح قرار دیا ہے، جب اور جس وقت
(جہاں جانا چاہوں جا سکتا ہوں''۔ (ابن خلکان جلد دوم

: لیجیے ! یہ ہیں امام ابو عیسیٰ ترمذیؒ

حضرت ! میں نے کسی سے سن کر آپ سے کچھ روایتیں نقل کی ہیں۔ اگر آپ ''
مناسب سمجھیں تو ان کی قرت فرمادیں''۔ امام ابو عیسی ترمذی نے مکہ مکرمہ میں بر
سبیل ملاقات محدث سے درخواست کی۔

ٹھیک ہے تم لکھا ہوا دیکھتے رہو، میں قرت کرتا ہوں''۔ محدث نے درخواست قبول''
کی۔

امام ترمذی نے اپنے سامان میں اس نسخے کو تلاش کیا، جس میں یہ روایتیں تھیں، مگر
وہ ملنا تھا نہ ملا۔ خفت مٹانے کیلئے انہوں نے ایک سادہ کاغذ ہاتھ میں لیا اور یوں غور
سے اسے دیکھنے لگے، جیسے واقعی تقابل کر رہے ہیں۔ اچانک محدث کی نظر خالی کاغذ پر
پڑی۔

تم میرے ساتھ مذاق کر رہے ہو!'' محدث طیش میں آ گئے۔''

ترمذی نے تمام بات عرض کی اور کہا ''حضرت ! مجھے یہ روایتیں اسی طرح یاد ہیں
''جس طرح لکھی تھیں لفظ بہ لفظ

اچھا! ذرا پڑھ کر سنا''۔ محدث نے اتنا بڑا دعوی سنا تو تصدیق کیلئے حکم صادر فرمایا۔''
امام ترمذی نے تمام حدیثیں سنا دیں۔
شیخ کو ان کے محیر العقول حافظہ پر یقین نہ آیا، چنانچہ امتحان لینے کیلئے 40 روایتیں بیان کیں، جو امام ترمذیؒ نے اس سے قبل کہیں نہیں سنی تھیں۔ امام ترمذیؒ نے ایک ہی مرتبہ سن کر وہ اس طرح لفظ بہ لفظ سنائیں کہ غلطی تو درکنار اٹکن بھی نہ آئی۔
اب چلیے ایک اور محدث کی جانب:
''حضرت! آپ قمیص کی ایک آستین کشادہ اور دوسری تنگ کیوں رکھتے ہیں؟''
کسی عقیدت مند نے امام ابو داؤد سجستانیؒ سے پوچھا، فرمانے لگے:
ایک آستین تو اس لیے کشادہ رکھتا ہوں تاکہ اس میں اپنی تحریر کے اجزا رکھ لوں''
جہاں تک دوسری آستین کا تعلق ہے تو اس کا ایسا کوئی سبب نہیں، اس لیے اسراف سے بچنے کیلئے اسے تنگ رکھتا ہوں''۔ (بستان المحدثین)
امام حاکم نیشاپوریؒ کی زندگی کا ایک واقعہ بھی سنتے چلیے:
☆ '''استاد محترم! آج ملک نیشاپور میں بدیع الزماں ابو الفضل ہمدانی آیا ہوا ہے۔ اس کا حافظہ غضب کا ہے۔ بیٹھے بیٹھے سینکڑوں اشعار ادھر سنتا ہے اور ادھر سنا دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ حفاظ حدیث کی میرے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں۔ اس طرح وہ حدیث سے لوگوں کے اعتماد کو ہٹا رہا ہے'' شاگردوں نے امام ابو عبداللہ حاکمؒ کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ بات واقعی تشویش ناک تھی

اور ایسے لوگوں کا ناطقہ بند کرنا ضروری تھا۔
''یہ احادیث اسے دو اور کہو کہ ایک ہفتے کی مہلت ہے یاد کرکے لفظ بہ لفظ سنا دے''
امام نے کچھ احدیث نکال کر شاگردوں کو دیں۔
ایک ہفتے کے بعد اس نے اپنی ناکامی کا اعتراف کیا اور کہا کہ اتنے مختلف الفاظ، انواع و اقسام کے مضامین اور غیر مرتبط کلام کو میں یاد نہیں کر سکتا۔ یوں امام نے اسے آئینہ دکھا دیا۔ (طبقات شافعیہ

یہ حدیث کی کتابیں مرتب کرکے یہ مقدس امانت ہم تک پہنچانے والے جلیل القدر ائمہ محدثین حضرات کے کردار و عمل اور حفظ واتقان کی چند نامکمل تصویریں ہیں، جن سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ حضرات عنداللہ مقبولیت اور عظمت کردار کے کس اعلی مقام پر فائز تھے۔ کاش کہ اپنے خبث باطن کے کریہ آئینے میں ان نفوس قدسیہ کو دیکھ کر احادیث پر زبان طعن دراز کرنے والے پرویزی، مودودی و غامدی وغیرہ کے پیروکار نام نہاد اسکالرز حقائق کی روشنی میں ان ہستیوں کے حزم واحتیاط کا ادراک کرتے لیکن اگر کورہ چشم سورج کی تابناکیوں میں بھی کچھ نہ دیکھ سکے تو قصور سورج کا نہیں اس کا اپنا ہے۔ آخر میں ہم ان کتب حدیث کا درس لے کر سند فراغت حاصل کرنے والے فضلائے کرام کی خدمت میں اتنا عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ آپ کی نسبت اس وقت انبیائے کرام علیہم السلام، صحابہ کرام اور عظیم محدثین کرام سے ہے، ہر لمحہ اس

نسبت کا پاس رکھ کر ہی آپ اس موج عصیاں ور نئی روشنیوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔

اپنے مرکز سے اگر دور نکل جاؤ گے
خاک ہو جاگے افسانوں میں کھو جاؤ گے

☆☆☆☆☆

!!خوگر حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سن لے

مدارس کے طلبہ کلرک بھی نہیں لگ سکتے۔مدرسے کی تعلیم قومی دھارے میں روزگار کی کوئی ضمانت فراہم نہیں کرتی۔ملا کی دوڑ مسجد تک، یہ ملا تو بسم اللہ کے گنبد میں بند ہوتے ہیں، انھیں حاضر و موجود کی کوئی خبر نہیں ہوتی، یہ تو بس حاضر و ناظر کی لایعنی بحثوں میں لگے رہتے ہیں، یہ معاشرے پر ایک ناروا بوجھ ہیں، انھیں تعلیم کے دوران دس بارہ سال پالنے والے والدین ان کی فراغت کے بعد ان سے توقع کرتے ہیں کہ یہ ہمارے بڑھاپے کا سہارا بنیں گے، ناز نخروں سے لائی گئی دلہن امید کرتی ہے کہ میری خواہشات کے تاج محل کی تعمیر کا وقت آ گیا، دوست احباب توقع کرتے ہیں کہ مولوی صاحب اب تک تو اپنے حصول تعلیم کے جھمیلوں میں مصروف تھے۔اب ہماری خوشی غمی میں شریک ہوں گے۔برادری والے توقعات وابستہ کرتے ہیں کہ اب ان کو وقت دیں گے، دوست احباب جو پہلے تو طالب علم سمجھ کر کبھی چائے کھانے کا تقاضا نہیں کرتے تھے۔اب اس فضول خرچی کا بھی تقاضا کرنے لگتے ہیں۔

مدرسے کا فاضل ان تمام باتوں کا تذکرہ اپنے ان مشفق اساتذہ سے کرتا ہے جنھوں نے اسے یہ درس دیا کہ مریں گے ان کتابوں میں، ورق ہو گا کفن اپنا تو وہ اسے ترغیب کا لالی پاپ دینے لگتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجاہدے بھری

زندگی دہراتے ہیں، صحابہ کرامؓ کی کس مپرسی کے واقعات دہراتے ہیں، وہ کہتا ہے محترم! یہ کسی تعلی ہے جس نے مجھے بارہ سال لگانے کے بعد بھی والدین کے بڑھاپے کا سہارا بننے کے قابل نہیں بنایا، میری شادی تو میرے گھر والوں نے مجھے طالب علم سمجھ کر جیسے تیسے کردی، مگر یہ کیسی تعلیم ہے کہ میں اپنی بیوی کے اخراجات بھی پورے نہیں کرسکتا، کیا یہ دینی غیرت کے تقاضوں کے خلاف نہیں کہ میں اس کے لیے بھی دست سوال دراز کروں؟ یہ بارہ سال لگانے کے باوجود میں اتنا بھی معاشی اسٹرکچر بنانے کا اہل نہیں ہوا کہ برادری کی تقریبات میں حصہ لے سکوں، خوشی غمی میں شرکت کرسکوں، کہ وہاں با بھی پیسے کی ضرورت پڑتی ہے، یہ کیسی تعلیم ہے جو مجھے اپنے بچوں اور والدین کی ضروریات کا بھی کفیل نہ بنا سکی، تو اسے سوائے ترغیبوں کے کچھ نہیں ملتا۔ کیا یہ واقعات، یہ ترغیبیں، یہ نصائح اس کے درد کا درماں بن سکتی ہیں؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ کیا یہ المیہ نہیں ہے؟ آپ نے بارہ سال لگانے اور دن رات ایک کرنے کے نتیجے میں اس وارث علم نبوت کو اس قابل بھی نہ سمجھا کہ ایک عام مزدور جتنا ہی مشاہرہ اس کا مقرر کرتے، آپ نے اسے مسجد و منبر کا اہل بنایا، لیکن ائمہ و خطباء کی جو تنخواہیں ہیں، ان پر ایک لطیفہ یاد آیا، لگے ہاتھوں آپ بھی سن لیجیے بادشاہ کے لیے ایک ہاتھی خریدا گیا، بادشاہ نے کہا جو اس ہاتھی کو رلائے گا، اسے انعام واکرام سے نوازا جائے گا، ایک سے ایک مسخرے، اداکار، فن کار، مزاح

کے ماہرین آئے، مگر کوئی ہاتھی کو ہنسانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ آخر میں ایک مولوی صاحب اٹھے جو ایک کونے میں دبکے بیٹھے تھے، وہ ہاتھی کے قریب گئے، اس کے کان میں کچھ کہا تو ہاتھی زار و قطار رونے لگ گیا۔ مجمع حیرت سے بت بنا مولوی صاحب کو دیکھ رہا تھا۔ بادشاہ نے انھیں قریب بلا کر پوچھا: ہم آپ کی کرامت کے قائل ہو گئے، ذرا اس عقدے سے پردہ اٹھایئے کہ آپ نے کیا منتر پڑھا تھا۔ مولوی صاحب گویا ہوئے: منتر و نتر میں کیا جانوں، میں نے تو اس کے کانوں میں اپنی تنخواہ بتائی تھی، جسے سن کر اس کے ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے اور اس نے آنسوؤں کے دریا بہا دیے۔

اب اگر آپ کا طالب علم ادھر ادھر تاک جھانک رہا ہے، کوئی کورس کر رہا ہے، کوئی عصری تعلیم حاصل کر رہا ہے، کہیں تعلقات استوار کر رہا ہے، کسی باطل کے لیے استعمال ہو رہا ہے، کسی کے راتب پر کام کرنے کے لیے صف بندی کر رہا ہے، تو معذرت کے ساتھ، اس کے سوا اس کے پاس اور چارہ ہی کیا ہے؟

وفاق ہائے مدارس اس زاویے سے آخر کب غور کریں گے؟ اس کا کب حل نکالیں گے، پلوں کے نیچے سے کافی سارا پانی نکل چکا ہے، انتظار کس بات کا ہے؟ آپ کے نصاب پر اعتراض کرنے والوں پر چار حرف، لیکن اس مسئلے کا حل نکالنا کس کی ذمے داری ہے؟ لد گئے وہ دور جب گھر کا ہر فرد ولی اللہ ہوا کرتا تھا، فاقوں پر گھر کے بچے

خوشیاں منایا کرتے تھے، خواتین خانہ جھوٹے موٹے پر خوش رہا کرتی تھیں، بیماریاں کم اوران کے علاج سستے تھے۔اب دنیاکے اطوربدل چکے ہیں۔معاف کیجیے! پیٹ کا فتنہ کہ کرآنکھیں چرانے کاوقت گزرچکا، پیٹ کے مسئلے کو حل نہ کیاگیاتو فتنے ٹوٹی مالاکی طرح یوں ہجوم کریں گے کہ سنبھالنامشکل ہوجائے گا۔اللہ کے لیے، اس مسئلے کا حل نکالیے۔مہنگائی کی برق رفتاری کودیکھیے اور مشاہروں کااس سے موازنہ کیجیے۔دردکادرماں لازمی ہے۔آپ نہ کریں گے توکوئی اور کرے گا۔

خوگرحمد سے تھوڑاساگلہ بھی سن لے

شہید مظلوم مفسر قرآن مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہیدؒ

یوم شہادت (13 مئی) کی مناسبت سے خصوصی تحریر

'' اب احتجاجی بیانات جاری ہوں گے، تعزیت کے لیے آنے والوں کا تانتا بندھ جائے گا، تفتیشی ٹیمیں تشکیل دی جائیں گی، سرکاری کارندے مجرموں کے ساتھ آہنی ہاتھوں سے نمٹنے کا اعلان کریں گے پھر چند دنوں یا چند ہفتوں بعد کسی کو شاید یاد ہی نہ رہے کہ کوئی سانحہ بھی پیش آیا تھا۔ نہ مستقبل کے لیے منصوبہ بندی ہوگی، نہ منتشر صفوں میں اجتماعیت کی کوئی سنجیدہ کوشش۔ سکوت اور مصلحت کوشی کی ایک طویل چادر ہوگی جو عوام اور خواص سب کو ڈھانپ لے گی تاآنکہ کسی دوسرے مفتی عتیق الرحمٰن کو نشانہ نہ بنالیا جائے۔ حیرت ظالموں پر نہیں، تعجب تو مظلوموں اور مقتولوں کے ورثا پر ہے جو ظلم پر ظلم سہے جاتے ہیں مگر دستِ گلچیں کو مروڑنے کے لیے منظم نہیں ہوتے۔ اگر مشام جاں کو معطر کرنے والے پھول یکے بعد دیگرے یونہی مسلے جاتے رہے تو ایک وقت آئے گا جب چمن پر خزاں کا تسلط اور ظلمتوں کا بسیرا ہوگا۔ جو قوم یا جماعت ظلم سہنے کی عادی ہوجائے اسے مرگِ مفاجات سے کوئی نہیں بچاسکتا، قانونِ فطرت میں انہی کی مدد کی جاتی ہے جو خود اپنے مددگار ثابت ہوتے ہیں''۔

یہ وہ پردرد کلمات ہیں، جو مفسر قرآن حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوریؒ نے داعی قرآن حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰنؒ کی دردناک واندوہ ناک شہادت پر اپنے کالم میں تحریر فرمائے تھے۔افسوس وہ خود بھی دشمنان اسلام کی تیغ ستم کا شکار ہو کر ہم سے جدا ہو چکے اوراپنی مساعی جمیلہ کا اصل انعام پانے کے لیے اپنے رب غیور کے حضور پہنچ چکے ہیں، یہ کلمات دل ودماغ اور قلب وجگر میں ایک طوفان بر پا کیے ہوئے ہیں۔آپ بھی مفتی عتیق الرحمٰن کے نام کی جگہ مولانا محمد اسلم شیخوپوریکا نام لگائیں اوران سطروں کوایک بار پھرپڑھیں۔کیا قلندر کی ایک ایک بات سوفیصد درست نہیں ؟کیا ہمیشہ سے یہی کچھ نہیں ہوتا آیا ہے؟ تفتیشی ٹیموں کی تشکیل، قاتلوں سے آہنی ہاتھوں سے نمٹنے کے حکومتی بیانات، رسمی وزبانی جمع خرچ۔مجھے بتلایئے !کیااس کے علاوہ بھی اب تک کچھ ہوا ہے؟ مولانا حق نواز جھنگوی اورعلامہ احسان الٰہی ظہیرؒ کی شہادتوں سے شروع ہونے والی خونی لہراب تک مشام جاں کو معطر کرنے والے کتنے پھول اب تک مسلے جاچکے ہیں؟ کتنے علما، حفاظ، قرائے کرام، شیوخ حدیث ، علم وعمل کے کتنے پہاڑ، تقوی وللہیت کے کتنے مجسم نمونے اب تک قاتلوں کی سفاکیت کانشانہ بن چکے ہیں؟کیا زمانہ ان میں سے کسی ایک کی بھی مثال پیش کرسکتا ہے؟نہیں اوریقینا نہیں مگر قاتل کا ہاتھ روکنے والا،اس کے ہتھیار کو توڑنے والا آخر کوئی بھی کیوں نہیں ٹھیک ہے یہ افراد کا نہیں اداروں کا کام ہے، عوام کا نہیں حکومت

کاکام ہے، عدلیہ ومقننہ اور پولیس کافریضہ ہیمگر مجھے ہر سواندھیرے کی دبیز چادر کے سواکچھ نظرنہیں آتا۔کیوں اس قدر نے حسی ، بے بسی وبے کسی چھائی ہوئی ہے؟ قانون سے لیکرحکومت تک، پولیس سے لیکرارباب سیاست وسیادت تک، مریدین سے لیکرعقیدت مندوں اور عقیدت کیشوں تکمیں جس طرف دیکھتاہوں، سکوت مرگ کا سا منظر نظرآتا ہے۔آخر کیوں؟؟

مولانامحمد صدیق جالندھری تواپنی خدمات کا صلہ پانے رب قدیر کے حضور حاضر ہوگئے۔لیکن اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ ان کی رحلت سے ملک بھرکے دینی حلقے ایک مشفق استاد، ایک مربی و شیخ اور پیکر علم و عمل ہستی سے محروم ہو گئے۔ آپ نے زندگی بھر قال اللہ وقال الرسول کی صدابلند کیا۔سیکڑوں علمانے ان سے حدیث پڑھی اور ہزاروں مسلمانوں نے ان کے مواعظ و بیانات سے استفادہ کیا۔وہ ایک عالم دین ہی نہیں ، ایک شفیق استاذ اور امت مسلمہ کے لئے ہمدردی اور محبت رکھنے والے عظیم انسان بھی تھے۔آپ کے انتقال سے پیدا ہونے والا خلا صدیوں پر نہیں کیا جاسکے گا۔آپ کے انتقال سے دین اسلام ایک مدرس اور جید عالم دین جبکہ ہزاروں طلبہ ایک شفیق استاذ سے محروم ہوگئے۔آپ کی وفات سے ملک وبیرون ملک کے اربوں مسلمان یتیم ہوگئے۔

مولاناکی دینی و علمی اور تدریسی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی اوران کا فیض صدیوں جاری و ساری رہے گا۔ان شااللہ!

میرا شہید سے ابتدائی تعارف یوں ہوا کہ میں نے جامعہ بنوریہ عالمیہ میں عالم کورس کے لیے داخلہ لیا تو میں اور ایک دوسرے ساتھی مولانا محمد اسلم شیخوپوری سے ملنے ان کے مکتبے میں گئے، وہ مکتبہ بھی تھا اور شہد و مسواک سینٹر بھی، مولانا عصر اور عشا کے بعد اس میں بیٹھا کرتے تھے۔ ان کا حلیمی شہد یہیں پیک ہوتا تھا، یہیں سے اس کی سیل پر چیزنگ ہوتی تھی، مسواکیں بھی یہیں تراشی اور پیک کی جاتی تھیں، اس کام میں حضرت کا ہاتھ بٹانے والوں میں اکثر تو بڑے درجات کے طلبہ ہوتے تھے جو حضرت کے باقاعدہ شاگرد تھے اور کبھی یہ سعادت ہم جیسے ابتدائی درجات کے طلبہ کو بھی میسر آجایا کرتی تھی۔ ہم ان سے ملاقات کے لیے مکتبے میں حاضر ہوئے، نام بتایا تو فرمانے لگے: ماشاء اللہ! اچھا لکھتے ہو، تمھاری تحریریں ''جنگ'' اخبار کے بچوں کے صفحات میں دیکھتا رہتا ہوں، اس سے ہمارا اڈھیروں خون بڑھ گیا اور ہم نے جامعہ میں بھی تعلیم کے ساتھ ساتھ یہ سلسلہ بھی جاری رکھا۔ ان کی حوصلہ افزائی سے ہم نے الحمدللہ! دینی رسائل وجرائد اور جامعہ بنوریہ کے اپنے ماہ نامہ البنوریہ میں بھی لکھنا شروع کیا۔ ان کی تحریروں کی پروف ریڈنگ کے ذریعے پروف ریڈنگ کی دنیا میں قدم رکھا۔ وہ جامعہ اشرفیہ سکھر کا ماہ نامہ ''الاشرف'' یہیں سے تیار کرتے تھے، اس کی بھی پروف ریڈنگ کی، پھر انھوں نے مولانا محمد ابراہیم صادق آبادی کے توجہ دلانے پر قرآنی نسخوں میں اغلاط کی نشان دہی پر کام شروع کیا تو اس میں بھی ان کے تفویض کردہ

کام کیے، حافظ قرآن نہ ہونے کے باوجود ان کے اعتماد پر پورا اترنے کی کوشش کی،اسی طرح قرآن نمبر کی تمام اشاعتوں میں یہ سعادت حاصل رہی۔ایک طالب علم کے لیے یہ بہت بڑے اعزاز کی بات تھی کہ وقت کی ایک عظیم ہستی اس کو کوئی کام دے رہی ہے، سودل وجان سے ان کے اعتماد پر پورا اترنے کی اپنی سی کوشش رہی۔

مجھے مولانا شہید سے باقاعدہ شرف تلمذ تو حاصل نہ ہوسکا،البتہ ان کی راہ نمائی میرے اب بھی کام آرہی ہے،ان کی ترغیب وتشویق ہی نے جامعہ آنے کے بعد بھی تحریری دنیا سے رشتہ استوار کیے رکھنے پر ابھارا، ورنہ یہ ایک نئی دنیا تھی اور اگر بروقت راہ نمائی نہ ہوتی تو شاید میں اس میدان کو خیر باد ہی کہ دیتا، جس طرح کہ ایک غلط فہمی کی وجہ سے کہانیاں لکھنا چھوڑدیں کہ ان میں جھوٹ ہوتا ہے،جب آنکھیں کھلیں تو کافی دیر ہوچکی تھی ، پھر کوشش کے بعد بھی اپنے اندر موجود کہانی کار کو نہ جگاسکا،حالاں کہ میٹرک تک جنگ اخبار میں میری شایع شدہ کہانیوں کی تعداد کا جو ریکارڈ میں محفوظ کرسکا تھا وہ بھی سو سے متجاوز کہانیوں پر مشتمل تھا۔بہر حال، حضرت سے باقاعدہ شاگردی کا تعلق نہ ہونے کے باوجود الحمدللہ !کافی استفادہ کیااور مجھے اس حقیقت کے اعتراف میں کوئی باک نہیں کہ ان کا میری کردار سازی میں کردار ہے۔

یادوں کے دریچے اگر وا کرنے بیٹھوں تو بات کافی لمبی ہوجائے گی،جس کا یہ مختصر مضمون بھی متحمل نہیں اور اس کی کوئی خاص ضرورت بھی نہیں، للہذا آمدم

برسر مطلب۔۔

مولانا محمد اسلم شیخوپوریؒ کا آبائی تعلق پنجاب کے شہر ضلع شیخوپورہ کے گاؤں لدھڑ کے محمد حسین کے زمیندار گھرانے سے تھا، وہ پیدائشی تو معذور نہیں تھے تاہم دو تین سال ہی کی عمر میں دونوں ٹانگوں سے معذور ہوگئے تھے جب ان پر فالج کا حملہ ہوا تھا، علاج معالجے کی کوشش کے باوجود جسمانی طور پر معذوری دور نہ ہو سکی۔ ابتدائی عصری تعلیم اپنے ہی گاؤں کے قریبی اسکول میں حاصل کی، اور نو سال کی عمر میں چوتھی جماعت میں عصری تعلیم کو ترک کرتے ہوئے قرآن پاک حفظ کرنا شروع کیا صرف گیارہ ماہ کی مختصر مدت میں یہ سعادت حاصل ہوئی، ابتدائی دینی تعلیم اپنے علاقے اور جامعہ نصرت العلوم گجرانوالہ میں حاصل کی، تاہم مختصر عرصے کے بعد اعلی دینی تعلیم کے لیے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کا رخ کیا اور پھر اپنی باقی تعلیم یہیں سے مکمل کی، ان کے اہم اساتذہ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری، مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید، مولانا مفتی احمد الرحمان، مفتی ولی حسن خان ٹونکی، مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہید رحمھم اللہ اور دیگر جید علما شامل ہیں۔

تعلیم سے فراغت کے بعد ایک مرتبہ پھر اپنے گاؤں کا رخ کیا لیکن کچھ ہی عرصے

بعد واپس کراچی آئے ،اور تقریبا پچیس سال تک جامعہ بنوریہ العالمیہ سائٹ ٹاؤن میں بطور مدرس خدمات انجام دیں، اس دوران درس قرآن کا اہتمام بھی رکھا، قرآن کریم کے درس کا ذوق انھوں نے اپنے دو بزرگ اساتذہ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ اور حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتیؒ سے پایا اور وہ اس کا مختلف مواقع پر تذکرہ بھی کرتے تھے۔ مولانا محمد اسلم شیخوپوریؒ نے قرآن پاک کے ساڑھے سترہ پاروں پر مشتمل تسہیل البیان'' کے نام سے تفسیر بھی لکھی جس کی چار جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ انھوں'' نے متعدد کتابیں بھی تصنیف کیں ،ان کی دو کتابیں ''ندائے منبر و محراب'' اور ''پچاس تقریریں'' علما بالخصوص خطبا اور طلبا میں نہایت مقبول ہیں، ۔ایک محدود اندازے کے مطابق مولانا محمد اسلم شیخوپوریؒ کے مختلف موضوعات پر دروس قرآن و حدیث ، کی مجموعی تعداد دو ہزار سے زائد بتائی جاتی ہے جن میں سے اکثر ریکارڈنگ اور تحریر کی شکل میں موجود ہیں۔

آپ کا انداز خطابت نہایت نرالا اور دل نشین تھا، آپ کی زبان سے نکلنے والے الفاظ لوگوں کے دلوں پر اس قدر اثر انداز ہوتے تھے کہ لاکھوں کا مجمع آپ کی ایک آواز پر دین اسلام اور تحفظِ ختم نبوت کیلئے جان کی بازی لگانے تک کے لیے تیار ہو جاتا تھا۔ جس کی ایک واضح مثال غازی علم دین نامی گاڑی بان کا راج پال جیسے با اثر گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو واصلِ جہنم کرنا بھی ہے۔ ان کی

خطابت پر بلا مبالغہ ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کا مصداقِ اتم تھی اور یہ شعر ان کی خطابت پر مکمل صادق آتا تھا

دیکھنا تقریر کی لذت، کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ سمجھا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں تھا

مولانا شہیدؒ کا ایک حوالہ ان کی روحانی عظیم نسبت بھی تھی، وہ ایک سچے عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ایک عالمِ ربانی تو تھے ہی، ساتھ ہی وہ ایک عارفِ ربانی بھی تھے، آپ حصولِ علومِ ظاہری سے فارغ ہونے کے بعد تزکیہ باطن کی طرف متوجہ ہوئے، چناں چہ وقت کے ابن حجر شیخ الاسلام ولی کامل حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ کی خدمت اقدس میں تصوف وسلوک کی منازل طے کیں۔ ان کی طرز پر مسلم شریف کی شرح بھی تالیف کی اور ان کے مشوروں کی روشنی میں تاحیات عملی زندگی گزاری اور جنازہ بھی اپنے شیخ سے پڑھوانے کی وصیت کی، جو پوری بھی ہوئی۔

مولانا شہیدؒ کو تحریر وتقریر اور درس وتدریس میں یکساں اور قابل تحسین مہارت حاصل تھی، یہی وجہ ہے کہ انتہائی مختصر عرصے میں وہ ان تمام شعبوں میں انتہائی مقبول ہوئے وہ گذشتہ دس سال سے ہفت روزہ ''ضرب مومن'' کے لیے '' پکار'' کے نام سے مستقل کالم بھی لکھتے رہے ہیں، جو بعد ازاں کتابی شکل میں

شائع ہوئے اور انتہائی مقبول ہوئے۔ مولانا شہیدؒ نے اپنی باقی ماندہ زندگی خدمت قرآن کے لیے وقف کر دی تھی ،اس سلسلے میں ان کی فکر کی ترجمانی کرتے ہوئے مولانا زاہد الراشدی نے درست فرمایا: ''مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہیدؒ آج کے دور میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی اس تعلیمی وفکری جدوجہد کا اہم کردار تھے جو حضرت شیخ الہندؒ نے مالٹا کی قید سے رہائی کے بعد ہندوستان واپس پہنچنے پر شروع کی تھی کہ مسلمانوں میں اجتماعیت کے فروغ کی محنت کی جائے اور قرآنی تعلیمات عام مسلمانوں تک پہنچانے کی جدوجہد کی جائے۔ مولانا شیخوپوریؒ نے قرآن کریم کے درس کے لیے جو اسلوب اختیار کیا، وہ آج کے نوجوان علما کرام کے لیے مشعل راہ کی حیثیت رکھتا ہے''۔

حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوریؒ ایک مسلمہ حیثیت رکھنے والے جید عالم دین تھے،جو سیاسی وجماعتی وابستگیاں تو ایک طرف ۔۔۔ مسلکی اختلافات کے بھی علمی حدود سے آگے لے جائے جانے کے خلاف اور ہر قسم کے تفرقے کو سمِّ قاتل تصور کرتے تھے۔وہ صرف قرآن کے داعی تھے اور ان کی دعوت وہی تھی جو قرآن کی دعوت ہے یعنی: تحاد،اتحاد اور صرف اتحاد۔وہ اہل حق کے باہمی اختلاف کو حصول منزل کی راہ کا کانٹا سمجھتے اور نجی محفلوں میں اس حوالے سے اپنی مخلصانہ تشویش کا اظہار کرتے رہتے تھے۔وہ صرف حق کے ساتھی تھے اور تمام اہم حق کو اپنا سمجھتے

تھے۔راقم کوان کی صحبت ایک عرصے تک حاصل رہی مگرانہیں ہمیشہ حق کاپرستاراور بے لوث وبے خوف پایا۔اللہ تعالی ان کی شہادت کواپنی بارگاہ میں قبول ومقبول فرماکردعوت قرآنی کے پرچارکاذریعہ بنائے۔آمین !!

اللہ تعالی ان کی خدمات کواپنی بارگاہ میں شرف قبول عطافرماتے ہوئے ان کافیض تاقیام قیامت برقراررکھے اوراہل سنت کوان کامطالعہ کرکے اہل رفض وباطل کی دسیسہ کاریوں کامنہ توڑجواب دینے اورناواقف ونادان عوام کالانعام کے ایمان کی رفض وباطل کی کالی بھیڑوں اورزہریلی سنڈیوں سے حفاظت کرنے کی توفیق عطافرمائے۔

ان کاقاتل کون ہوسکتاہے؟افراد،شخصیات،اندرونی یابیرونی سازش کاراس سے قطع نظریہ بات طے ہے کہ ان کوشہید کرنے والاکوئی مسلمان نہیں ہوسکتا،زمانے کے انحطاط سے انکارنہیں،تاہم ایسی حرکت کوئی مسلمان نہیں کرسکتااورجوکوئی ایسی حرکت کرے وہ مسلمان نہیں ہوسکتا۔قاتل اوراس کے سرپرست خوش نہ ہوں،کہ ہم نے ایک راہ کاروڑاہٹادیاہے،لہذااس پاک دھرتی کی پشت پروہ اپنے بیرونی آقاں کے مغربی تہذیب کورائج کرنے کے منصوبے پرآزادی سے عمل پیراہوسکیں گے،نہیں اورہرگزنہیں،کہ اہل حق کی تاریخ ہی قربانیوں سے عبارت ہے،شہیدکاخون ہی توہے جس سے اس دین کی آبیاری ہوئی ہے۔تاریخ بھی اس بات کی گواہ ہے

اور بوڑھا آسمان بھی اس حقیقت پر شاہد عدل، کہ شہید اپنی جان تو دے دیتا ہے، مگر اس کی قربانی سے اس کے مشن و موقف میں کم زوری و اضمحلال نہیں آیا کرتا، بل کہ جو شہید ہوتا ہے وہ بیج بن کر ابھرتا ہے، بیج بہ ظاہر زمین میں غایب ہو جاتا ہے، مگر گل گلزار بن کر نکلتا ہے۔ ایک بیج سے پھلوں، پھولوں، کلیوں اور بیل بوٹوں کا ایک سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، جو ایک کیاری، ایک باغ، ایک گلشن کی شکل اختیار کر جاتا ہے۔

کون پوچھے گا سفاک قاتلوں اور ان کے پشتی بانوں سے، آخر مولانا محمد اسلم شیخوپوریؒ کا جرم کیا تھا، جو تم نے ان کے معصوم خون سے اپنے ہاتھ رنگین اور اپنا نامہ اعمال سیاہ کر دیا؟ وہ شخص، جس نے خود کو صرف اور صرف قرآن مجید کی عالمگیر دعوت اتحاد و امن کے پرچار کے لیے وقف کر دیا تھا، سفر ہو یا حضر، وعظ و بیان ہو یا مضمون وکالم، درس و تدریس ہو یا عوامی اجتماعات سے خطاب اس کی ایک ہی دعوت تھی: بتان رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی نہ افغانی۔

جو ملک اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا، کیا اس ملک میں اتحاد بین المسلمین کا پرچار قابل گردن زدنی جرم ہے؟ کیا قرآن مجید کا حیات افزا پیغام انسانیت تک پہنچانے کے لیے اپنی صلاحیتیں بروئے کار لانا اور خود کو اس مقصد رفیعہ کے لیے

وقف کر دینے کی سزا یہی ہے کہ اسے خاک وخون میں تڑپا دیا جائے ؟آخر کوئی
!! تو ہو جو قاتل سے پوچھنے کا جگر اور اسے کیفر کردار تک پہنچانے کا جگر رکھتا ہو
مولانا محمد اسلم شیخوپوریؒ کی شہادت کے حقائق اب تک سامنے نہیں لائے جاسکے، حالاں
کہ اس وقت وزیر اعلیٰ قائم علی شاہ نے کہا تھا کہ ان کے قتل کی تحقیقات میں خود کراؤں
گا۔جانے سائیں وہ تحقیقات کب کرائیں گے اور ان کے نتائج کب نکلیں گے ؟اس ایک
ماہ میں تین معروف علمائے کرام مولانا نصیب خان، مولانا سید محمد محسن شاہ اور مولانا
محمد اسلم شیخوپوریؒ شہید کیے گئے تھے۔جس کے حوالے سے تجزیاتی اداروں کا یہی کہنا
تھا کہ ان حضرات کو فرقہ واریت ولسانیت کا مشترکہ ملغوبہ ہم سے جدا کر گیا ہے ۔اللہ
کرے سانحہ صفورا کی طرح اس گتھی کو بھی ہمارے ادارے سلجھا سکیں کہ علمائے کرام کے
خون ناحق سے کس بدبخت نے اپنے ہاتھ رنگین کیے اور اپنا بخت سیاہ کیا؟ملک بھر میں
علمائے کرام کی شہادتیں ایک طرف،ایک شہر کراچی ہی کو لیجیے تو یہاں مولانا ڈاکٹر محمد
حبیب اللہ مختار و مفتی عبد السمیع رحمہما اللہ کی شہادت سے شروع ہونے والا سفاکانہ
سلسلہ علمائے کرام کی دور اندیشی، امن پسندی، اداروں اور حکومت سے بے لوث
تعاون کے باوجود نہ تھم سکا اور الٹا علما اور مذہبی طبقے کو اس امن پسندی کا صلہ لاشوں،
زخمیوں اور الزام تراشیوں ہی کی صورت میں ملا۔ایسے ایسے علمائے کرام، جن کی ذات
اتحاد کا سمبل، جن کی مساعی کا مرکز و محور اتحاد

بین المسلمین تھا، جو ہر قسم کی مسلکی، جماعتی، عسکری سرگرمیوں کو اپنے ہی نہیں اپنے حلقہ اثر کے لیے بھی شجرِ ممنوعہ سمجھتے رہے، جن کی زندگی کا ایک ایک لمحہ مسلمان کو حقیقی معنوں میں مسلمان اور اہل وطن کو سچا پاکستانی بنانے کے لیے وقف رہا، جو رب کا قرآن سکھاتے اور اسلام کے اس مضبوط حلقے کو، جو نہ کبھی ٹوٹنے والا ہے اور نہ ہی چھوٹنے والا تھامنے کی دعوت دیتے رہے، جو بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر، ہر قسم کی مسلکی و سیاسی، لسانی و علاقائی نسبتوں کو تج کر ملت میں گم ہونے کا درس دیتے رہے، انھیں دن دھاڑے بھری پری سڑکوں پر اس بے دردی سے نشانہ بنایا گیا کہ انسانیت منہ چھپانے پر مجبور ہو گئی، اس روح فرسا ظلم در ظلم کے بعد بھی دینی طبقے نے اشتعال انگیزی اور قانون کو ہاتھ میں لینے سے گریز کیا، مگر ملا پھر بھی کچھ نہیں۔ قابل گردن زدنی انہی کو ٹھہرایا گیا، حوالات میں انہی کو ڈالا گیا، سرزنش انہی سے کی گئی کہ تمہارا یہ جرم ہے کہ تم روئے کیوں؟

عدالت نے شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی، امام المجاہدین ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزئی، شہید ختم نبوت مفتی محمد جمیل خان، شہیدِ ناموسِ رسالت مولانا سعید احمد جلالپوری، شہید مظلوم مفتی عبدالمجید دینپوری، داعی قرآن مولانا مفتی عتیق الرحمٰن، مفسر قرآن مولانا محمد اسلم شیخوپوری، مولانا محمد امین اور مفتی عبدالصمد سومرو سمیت ،متعدد علمائے کرام کے قاتلوں کو

جب وہ تختہ دار سے چند قدم کے فاصلے پر رہ گئے تھے بری کر دیا۔ کراچی کے تقریباً تمام ہی قابل ذکر دینی مدارس کی گاڑیوں پر حملے ہوئے، جن کے مجرم اوران کے پشت پناہوں کو تاہنوز آئین کا آہنی شکنجے میں کسنے کی کوئی مؤثر کوشش نہ کی جا سکی۔

ہم بڑی ذمے داری سے آج یہ بات لکھ رہے ہیں کہ فرقہ واریت مذہبی و مسلکی نہیں، سیاسی مسئلہ ہے۔ کیا پاک فوج جو بلاشبہ آج اس ملک کے عوام اور بالخصوص شہر قائد کے عوام کے لیے مسیحا اور ابرِ رحمت بن چکی ہے، وہ اس مسئلے کے اس پہلو پر غور کرے گی؟ فرقہ واریت کی روک تھام کے لیے نیشنل ایکشن پلان سر آنکھوں پر، لاؤڈ اسپیکر ایکٹ کی پابندی قابل تحسین، ایک دوسرے کی تکفیر پر قدغن بہت خوب، مگر ان سیاست دانوں کی بیٹھکوں، اوطاقوں اور فارم ہاؤسز تک رسائی کب ہوگی، جہاں فرقہ واریت کو ہوا دینے کے منصوبے ترتیب دیے جاتے، انھیں روبہ عمل لانے کے مشورے اور اسکرپٹ کے مطابق کردار ادا کرنے کے لیے فنکار تلاش کیے جاتے ہیں۔ اصل یہ فنکار نہیں، ان کے اسکرپٹ رائٹر اور اسپانسرز ہیں، ان کی بیخ کنی کے بغیر ماضی کی طرح اب بھی ہر اقدام بے اثر و بے ثمر ہی رہے گا۔ کیا اصحابِ اختیار اس جانب بھی توجہ دیں گے؟ پہلے بیرونی مداخلت کی بات کی جاتی تو اسے مسلکی منافرت قرار دے کر رد کر دیا جاتا تھا، اب تو غلام رضا نقوی کی ایران میں موت، عزیر بلوچ اور کل بھوشن

یادیو کے ایران ہندوستان گٹھ جوڑ کے حوالے سے انکشافات کے بعد سب عیاں
ہو چکا ہے، کاش کہ اہل اختیار کوئی عملی قدم اٹھائیں، کوئی نیا سانحہ جنم لینے سے پہلے، کسی
اور ہیرے کے ظالموں کی سفاکیت کی نذر ہونے سے پہلے۔ یہ ضروری ہے، مگر کب؟ قوم
منتظر ہے۔

شعبان المعظم وشب برات کی فضیلت اور مروجہ بدعات

یہ شعبان المعظم کا مہینہ ہے، رمضان المبارک کی تیاری کا مہینہ، روزے رکھنے کی مشق کرنے کا مہینہ، رمضان تک باحیات وحفاظت پہنچائے جانے کی دعا کرنے کا مہینہ، یہ فضیلت اس مہنے کے ہر دن اور ہر رات کے ہر لمحے کو حاصل ہے،اس کے ساتھ ساتھ اس مہینے کی پندرھویں رات ایک امتیازی شان بھی رکھتی ہے۔اس حوالے سے گفت گو کرنے سے پہلے ہم آپ کی خدمت میں ایک آیت قرآنی کا ترجمہ پیش کرنا چاہتے ہیں،چناں چہ مہینوں سے متعلق اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں:

مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک کتاب اللہ میں بارہ کی ہے،اسی دن سے جب سے" آسمان وزمین کو اس نے پیدا کیا ہے ان میں سے چار حرمت وادب کے ہیں،، (سورۃ توبہ)

ابتدائے آفرینش سے ہی اللہ تعالی نے بارہ مہینے مقرر فرمائے ہیں، جن میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں، بعض مہینوں کی فضیلت اور اہمیت کتاب وسنت سے ثابت ہے ۔مگر بعض نا سمجھ لوگوں نے، جو بظاہر اصحاب جبہ ودستار ہیں، ماہ شعبان کی فضیلتوں کو کچھ لوگوں نے اس قدر بڑھ چڑھ کر بیان کرنا شروع کردیا کہ ان فضیلتوں کے سامنے ماہ رمضان کی فضیلتیں بھی کم تر نظر آنے لگتی ہیں۔

اس مہینے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر روزہ رکھا کرتے تھے، چناں چہ ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے نہیں دیکھا کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے علاوہ کسی مہینہ میں مکمل ایک ماہ روزہ رکھا ہو، اور میں نے نہیں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ سلم رمضان کے بعد شعبان مہینہ سے زیادہ کسی مہینہ میں روزہ رکھتے ہوں،، (بخاری، کتاب الصوم)

شعبان المعظم کا یوں تو پورا مہینہ ہی عبادت وریاضت کا مہینہ ہے، لیکن اس کی پندرھویں شب کو ایک خاص خصوصیت حاصل ہے۔ علما کے ایک طبقے کے مطابق سور دخان میں لیل مبارک سے بھی یہی رات مراد ہے۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

ترجمہ: ’’تحقیق ہم نے وہ کتاب بابرکت رات میں اتاری ہے، بے شک ہم لوگوں کو ڈرائیں گے، اای رات میں تمام باحکمت امور کی تفصیل کی جاتی ہے‘‘۔

اس رات کو عرف عام میں شب براٖت کہا جاتا ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ براٖت کا معنی ہے: دور ہونا، جدا ہونا، نجات پانا وغیرہ۔ اور اس رات اللہ تعالی کے نیک بندے آخرت کی رسوائی و ذلت سے دور کر دیئے جاتے ہیں اور بدبخت لوگ (یعنی جو اس رات کو اپنے گناہوں سے توبہ نہیں کرتے) اللہ تعالی کی رحمتوں ومغفرتوں سے دور رکھے جاتے ہیں۔ (غنیۃ الطالبین)

لیکن شب برات میں اللہ تعالی کی جانب سے رحمت و مغفرت کی اس قدر برسات کے باوجود کچھ بد نصیبوں کی توبہ کے بغیر مغفرت نہیں ہوتی، چنانچہ "مسند البزار" میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ سے اور "سنن ابن ماجہ" میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالی شعبان کی پندرہویں رات تجلی فرماتا ہے اور تمام مخلوقات کو بخش دیتا ہے، ماسوائے مشرک، کینہ رکھنے والے، اسلام میں نئے فرقے بنانے والے اور چغل خور کے۔ دیگر روایات میں ان لوگوں کے علاوہ کچھ اور گنہگاروں کا بھی ذکر آیا ہے، جو مندرجہ ذیل ہیں:

والدین کا نافرمان (2) شرابی (3) سود خور (4) تکبر کی وجہ سے تہبند ٹخنوں سے (1) نیچے لٹکانے والا (5) رشتے داروں سے بد سلوکی کرنے والا (6) قاتل (7) زانی (8) نجومی (9) عشار (جو محکمہ ٹیکس میں ہو اور لوگوں پر ظلم کرتا ہو) () میوزک، سارنگی، طبلہ اور ڈھول بجانے والا (یعنی گانے بجانے والا) (10) ہمسائے کے ساتھ بد سلوکی (کرنے والا (11) جادوگر، اور (12) شرطہ (یعنی رشوت خور وظالم سپاہی

اس رات کو شب برات باور کرکے مختلف قسم کی مخصوص عبادات بجالانا صلوٰۃ العمری صلوٰۃ الالفیہ، صلوٰۃ الغوثیہ وغیرہ نامی نمازیں پڑھنا اور مروجہ،

دوسری باتیں، جوآج ہر طرف دیکھنے میں آتی ہیں،ثابت نہیں۔اس رسوم وبدعات کے اژدہام کاسبب کچھ توعقیدے کا بگاڑ ہے،کچھ عمل کی خرابی،کچھ رسم ورواج کی پابندی اور کچھ کھانے پینے یعنی پیٹ پوجا کا مسئلہ، حالاں کہ عقیدے کی خرابی، عمل کا بگاڑ، رسم ورواج کی پابندی وغیرہ کو بڑی خوش اسلوبی سے دور کیا جا سکتا ہے۔اہل بصیرت اس کی حقیقت کو سمجھ سکتے ہیں کہ صرف ایک رات عبادت کرکے اپنی خطاوں کا معاف کرالینا اتنا ہی آسان ہے تو پھر روزانہ دعائے سحر گاہی کے لئے نرم وگرم بستر کو خیرباد کہنے کی کیا ضرورت ؟

رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

پھر یہ بھی سوچنے کامقام ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی شب برات آئی، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا زمانہ بھی گزر گیا،تابعین وائمہ اربعہؒ کازمانہ بھی گزرگیا، لیکن کسی سے بھی شب برات کا حلوہ، آتش بازی، مردوں کی فاتحہ خوانی وغیرہ ثابت نہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو اس قسم کی تمام بدعات سے اجتناب کرتے ہوئے سنت صحیحہ کو مشعل راہ بنانا چاہیے، جو راہ نجات ہے۔ اللہ تعالیٰ بدعات سے محفوظ فرمائے۔ آمین

ہم اس مقام پر مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ کے درپر دستک دیتے ہیں، وہ فرماتے ہیں:

شب برات کے متعلق جو یہ مضمون بعض روایات میں آیا ہے کہ اس میں ارزاق وغیرہ کے فیصلے ہوتے ہیں اول تو ابن کثیر نے اس کے متعلق فرمایا کہ یہ روایت مرسل ہے اور ایسی روایت نصوص صریحہ کے مقابلے میں قابل اعتماد نہیں ہوسکتی اسی طرح قاضی ابوبکر ابن عربی نے فرمایا نصف شعبان کی رات کے بارے میں کوئی قابل اعتماد روایت ایسی نہیں، جس سے ثابت ہو کہ رزق اور موت وحیات کے فیصلے اس رات میں ہوتے ہیں بلکہ انہوں نے فرمایا کہ اس رات کی فضیلت میں بھی کوئی قابل اعتماد حدیث نہیں آئی، لیکن روح المعانی میں ایک بلا سند روایت حضرت ابن عباسؓ سے اس مضمون کی نقل کی ہے کہ رزق اور موت وحیات وغیرہ کے فیصلے نصف شعبان کی رات میں لکھے جاتے ہیں اور شب قدر میں فرشتوں کے حوالے کیے جاتے ہیں"۔

حضرت مفتی صاحبؒ مزید لکھتے ہیں: "رہا شب برات کی فضیلت کا معاملہ، سو وہ ایک مستقل معاملہ ہے، جو بعض روایت حدیث میں منقول ہے، مگر وہ اکثر ضعیف ہیں، اسی لیے قاضی ابوبکر ابن عربی نے اس رات کی کسی فضیلت سے انکار کیا ہے۔ لیکن شب برات کی فضیلت کی روایات باعتبار سند کے ضعف سے کوئی خالی نہیں، لیکن تعدد طرق اور تعدد روایات سے ان کو ایک طرح کی قوت حاصل ہوجاتی ہے اس لیے بہت سے مشائخ نے ان کو قبول کیا ہے، کیونکہ فضائل اعمال میں ضعیف روایات پر عمل کرلینے کی بھی گنجائش ہے۔ (تفسیر معارف القرآن)

ان دلائل سے واضح ہوا کہ شب براءت کا ذکر نہ قرآن مجید میں ہے اور نہ احادیث صحیحہ میں ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر کوئی شخص انفرادی طور پر اس رات ذکر و عبادت میں مشغول ہوتا ہے کہ اس کے عقائد کی تطہیر اور اخلاقی رفعت کا باعث بنے اور کسی خاص عبادر کاالتزام نہیں کرتا، تو کوئی حرج نہیں۔ تاہم رات بھر جاگ کر عین فجر کے قریب سو جانے اور فجر کی نماز قضا کرنے سے یہ لاکھ درجے بہتر ہے کہ عشا کی نماز جماعت سے ادا کرکے سو جائے اور فجر کی نماز جماعت سے ادا کرے، حدیث میں ایسے شخص کے لیے بھی شب بیداری کا ثواب بیان کیا گیا ہے۔

یوں تو اس رات کی فضیلت اور اس میں مخصوص عبادات واعمال کے سلسلے میں متعدد روایات کتب حدیث میں موجود ہیں، جن میں سے بعض بالکل من گھڑت، بعض کمزور اور ضعیف اور بعض کسی درجے میں قابل استناد ہیں، ہم اکابر علما و مشائخ کے معمولات کی روشنی میں انتہائی حزم واحتیاط کے ساتھ اس رات میں جن کاموں کی گنجائش ہے، انہیں اس وضاحت کے ساتھ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ ان کاموں میں سراسر بھلائی ہے، اگر کوئی کچھ کرنا چاہے تو یہ کام کر سکتا ہے، ان کاموں کی اس رات کے ساتھ کوئی تخصیص بھی نہیں، بلکہ سال بھر کیے جا سکتے ہیں:

☆.... فقہائے اسلام کا اجماع ہے کہ پندرہویں شعبان کا روزہ اور شب بیداری مستحب ہے۔

☆....اس رات قبرستان جانا سنت نبوی ہے۔ تاہم قبرستان جانا صرف مردوں کے لیے اور انفرادی طور پر ہے۔ آج کل جو اجتماعی شکل میں قبرستان جانا، وہاں میلے کا سا سماں برپا کرنا نیز مرد و زن کا اجتماع حدیث کے خلاف اور متعدد کبائر کا مجموعہ ہونے کی وجہ سے قطعاً جائز نہیں۔

☆.... بعض روایات کے مطابق چونکہ شب براءت کو سال بھر کے اعمال اللہ تعالی کی بارگاہ میں پیش کیے جاتے ہیں۔ لہٰذا شب براءت کو والدین، بھائیوں، بہنوں، رشتہ داروں، ہمسایوں اور دیگر لوگوں سے اپنی زیادتیوں کی معافی مانگ لینی چاہیے، اور اگر کسی کا کوئی حق ذمے میں باقی ہو تو اسکی ادائیگی کر دینی چاہیے، یا پھر صاحب حق سے معافی مانگ لینی چاہیے۔

☆....اسی طرح اس شب میں رب غفور الرحیم سے اپنے تمام گناہوں کی معافی مانگ لینی چاہیے۔ یاد رہے کہ توبہ کیلئے چار چیزیں ضروری ہیں، جن کا اہتمام والتزام کرکے ہی بارگاہ رب العزت سے معافی اور آئندہ کے لیے گناہوں کو چھوڑنے کی توفیق مل سکتی ہے:

1۔ رب کریم کی بارگاہ میں گناہوں کا اعتراف۔

2۔ گذشتہ گناہوں پر سخت ندامت اور آہ و زاری۔

3۔ آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ اور سچا وعدہ۔

4۔ گناہوں کی تلافی۔ مثلاً نمازیں نہیں پڑھیں تو حساب یا اندازے سے بالغ ہونے کے بعد کی تمام فرض اور واجب نمازوں کی قضا، اسی طرح رمضان کے روزوں

کی قضا، اسی طرح جتنے برس کی زکوۃ ادا نہیں کی، حساب یا اندازے سے اس کی ادائیگی۔

☆.... بعض روایات کے مطابق چونکہ یہ رات حکم و قضا کی رات ہے، اللہ تعالی فرشتوں کو سال بھر کا پروگرام دے دیتے ہیں، اس میں موت و حیات، اعمال نیک و بد، ہر قسم کے رزق اور انعامات، مصائب و آلام اور بیماریوں کا پروگرام بھی دیا جاتا ہے، لہٰذا اس شب کو اللہ تعالی سے دنیا و آخرت کے خیر و برکت کی دعائیں مانگنی چاہئیں۔

انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ اسلامیان پاکستان نے اس رات کو بد قسمتی سے آتش بازی اور پٹاخوں کی رات بنادیا ہے، یہ عمل اب باقاعدہ قانون نافذ کرنے والے اداروں کی سرپرستی میں ہورہاہے۔ یہ عمل مختلف گناہوں کا بھی باعث ہے:

اول تو یہ کہ آتش بازی کھلا اسراف و فضول خرچی ہے، اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: "بیشک بغیر کسی غرض کے پیسہ ضائع کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔

دوسرے یہ کہ آتش بازی سے عبادت گزاروں کی عبادت، علما و طلبہ کی تعلیم و تعلم، بیماروں، بوڑھوں اور تھکے ماندے لوگوں کے آرام و نیند میں خلل پڑتا ہے، جو کہ ظلم و زیادتی، عبادات کی سخت توہین اور علم کا نقصان ہے۔

تیسرے یہ کہ آتش بازی سے بسا اوقات دکانوں، گھروں اور قیمتی اشیا کو آگ لگ جاتی ہے، اور ہر سال درجنوں لوگوں کی جانیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا آتش بازی سخت فساد فی الارض" ہے۔ نیز آتش بازی کے بہانے بچے شب بھر گھروں سے باہر رہتے" ہیں، جس کی وجہ سے ان کے غلط ماحول اور غلط سوسائٹی سے متاثر ہونے اور جرائم اور کبیرہ گناہوں کا عادی بن جانے کا قوی اندیشہ ہے، لہٰذا ان وجوہات کے پیش نظر آتش بازی سخت خطرناک اور حرام فعل ہے، جس سے اپنی نئی نسل کو بچانا ہم سب کا فریضہ ہے۔ پھر یہ بھی انتہائی افسوسناک، قابل مذمت اور غیر اخلاقی و غیر شرعی امر ہے کہ بجائے عبادت کے اس مقدس و بابرکت شب کو محض آتش بازی اور پٹاخوں کی گھن گرج کی نذر کر دیا جاتا ہے۔ اس ضمن میں متعلقہ اداروں سے استدعا ہے کہ شادی اور دیگر تقریبات کے موقع پر آتش بازی، پٹاخوں اور دھماکہ خیز اشیا کے استعمال پر پابندی کے قانون پر سختی سے عمل کرائیں اور خلاف ورزی کرنے والوں کو قرار واقعی سزا دیں، تاکہ اس غیر شرعی، غیر اخلاقی اور سراسر نقصان دہ رسم کی بیخ کنی کی جا سکے۔

!برکتیں لوٹ لو

رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہوگیاہے، یہ اللہ تعالی کا ہم پر خاص الخاص فضل واحسان ہے کہ اس نے ہمیں یہ مہینہ ایک مرتبہ پھر ایمان کی سلامتی اور صحت تن درستی کی حالت میں عطافرمایاہے، جس کا ہمیں زبانی اور عملی شکر بجا لانا چاہیے ۔یہ بڑی برکتوں کا حامل مہینہ ہے،آیئے !اس ماہ مبارک کی چیدہ چیدہ برکتوں کا یمان افروزتذکرہ اس دعاکے ساتھ کریں کہ اللہ تعالی ہم سب کو یہ تمام برکتیں اپنی شان فیاضی کے مطابق نصیب فرمائے !آمین

☆.....اس مبارک مہینے کی سب سے بڑی برکت یہ کہ اس مبارک مہینے میں اللہ تعالی کا کلام قرآن عزیزاس کے بندوں کو عطافرمایا گیا۔اللہ کا کلام انسانی ہدایت کا رہنماکلام ہے۔اس کے ذریعے سے لوگوں کو سربلندی نصیب ہوتی ہے۔اس کے حافظ کے دنیااور اخرت میں درجات بلند کیے جاتے ہیں۔اس کے ناظرہ پڑھنے اور تکمیل کرنے والوں کے والدین کے تمام پچھلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔اس کا دیکھنا، پڑھنا، چھونا سنناسب کار ثواب ہے۔اس کے ایک ایک حرف کے پڑھنے پر عام دنوں میں دس دس، نیکیاں ملتی ہیں اور رمضان المبارک کے دنوں میں پڑھنے سے اس کا اجر وثواب ستر گنا بڑھا دیا جاتا ہے۔کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں اس ماہ مبارک میں تراویح میں قرآن مجید کی مکمل تلاوت کرنے، سننے یاسنانے کا موقع

ملتا ہے اور زہے نصیب ان قسمت کے سکندروں کے جو اس کے علاوہ بھی اس ماہ مبارک میں درجنوں قرآن مکمل کرنے کی سعادت سے بہرہ یاب ہوتے ہیں۔

☆......اس مہینے کی دوسری بڑی برکت یہ ہے کہ اس ماہ مبارک کے آخری عشرے میں ایک رات ایسی آتی ہے جس کو لیلۃ القدر (شب قدر) کہا جاتا ہے، اس رات کی عبادت قرآن شریف کے مطابق ہزار مہینوں (تقریباً تراسی برس چار ماہ) سے زیادہ بہتر ہے۔ آج کل تو اتنی عمر بھی نصیب نہیں ہوتی، چہ جائیکہ اتنی طویل ترین عبادت!! حضور اکرم ﷺ نے اس رات کو رمضان المبارک کی اکیس، تئیس، پچیس، ستائیس اور انتیس تاریخ میں تلاش کرنے کا حکم فرمایا ہے، آخری عشرے کا مسنون اعتکاف کرنے والوں کو یہ عظیم رات ملنے کا زیادہ امکان ہوتا ہے۔

☆......اس ماہ مبارک کی تیسری بڑی برکت یہ ہے کہ اس میں نیک اعمال کی قیمت بڑھا دی جاتی ہے، چناں چہ نوافل کا ثواب فرائض کے برابر اور ایک فرض کا ثواب ستر فرائض کے برابر کر دیا جاتا ہے۔

☆......اس ماہ کی ایک برکت یہ ہے کہ یہ صبر کا مہینہ ہے اور حدیث کے مطابق صبر کا بدلہ جنت ہے۔

☆......اس ماہ کی ایک برکت یہ ہے کہ اس ماہ میں سرکش شیاطین قید کر دیئے جاتے ہیں، انہیں طوق پہنا کر اور زنجیروں میں باندھ کر سمندر میں ڈال دیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے وہ انسان کو اس طرح نہیں بہکا سکتے جس طرح سال کے بقیہ گیارہ مہینوں میں بہکایا کرتے تھے، اب مقابلہ اپنے نفس کو انسانوں کے بھیس میں پھرنے والے شیطان کے کارندوں سے رہتا ہے، پھر نفس بھی بھوک پیاس کی وجہ سے مضمحل ہو جاتا ہے، لہٰذا تھوڑے سے مجاہدے سے عبادت واطاعت کی انجام دہی کی راہیں کھل سکتی ہیں، دوسری طرف ایک فرشتہ بھی صبح شام یہ ندا دیتا ہے: اے خیر کے طالب! آگے بڑھ اور اے شر کے دل دادہ! بس کر۔

☆......اس ماہ کی ایک برکت یہ ہے کہ جنت کو سارا سال اس ماہ کے لئے آراستہ کیا جاتا ہے اور اس ماہ میں اس کے تمام دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔

☆......اس ماہ کی ایک برکت یہ ہے کہ جہنم کے تمام دروازوں کو اس مبارک مہینے میں بند کر دیا جاتا ہے۔

☆......اس ماہ کی ایک برکت یہ ہے کہ اس کے روزوں کا بدلہ خود اللہ جل شانہ دیتے ہیں یا بدلے میں خود اللہ جل شانہ مل جاتے ہیں۔

☆.....اس ماہ کی ایک برکت یہ ہے کہ روزے دار کے منہ کی بدبو اللہ تعالٰی کے نزدیک مشک و عنبر کے خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہوتی ہے۔

☆.....اس ماہ کی ایک برکت یہ ہے کہ خشکی اور تری کے جانور اس کیلئے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔

☆.....اس ماہ کی ایک برکت یہ ہے کہ رمضان المبارک میں سحری کھانے والوں پر اللہ تعالٰی اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں۔

☆.....اس ماہ کی ایک برکت یہ ہے کہ روزانہ دس لاکھ آمیوں کو جہنم سے خلاصی کا پروانہ ملتا ہے،مزید یہ کہ یکم رمضان سے آخر رمضان تک جتنی تعداد جہنم سے خلاصی حاصل کرتی ہے، ان کی مجموعہ تعداد آخری دن خلاصی پاتی ہے۔

ڈھونڈنے والوں کو رمضان المبارک کی مزید برکتیں معلوم ہو سکتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اتنی برکتوں کے باوجود کسی شقی اور محروم پر پورا مہینہ گذر جائے اور اسکی مغفرت کا سامان نہ ہو تو اس سے بڑا بدبخت کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس لیے امتِ مسلمہ کو ان برکتوں کے حصول میں کوشاں ہونا چاہیے اور رہنمائے انسانیت ﷺ کے ارشاد مبارک کے مطابق چار چیزوں کی اس مہینے میں کثرت رکھنی چاہیے۔اول: کلمہ لاالہ الااللہ کی کثرت،دوم :استغفار کی کثرت، سوم :جنت کا حصول،چہارم : جہنم

سے امن۔

علمائے کرام نے ان چاروں چیزوں کو اس ایک دعائیہ جملے میں جمع فرمادیا ہے، ہر مسلمان کو یاد کرنا اور ورد رکھنا چاہیے:

لاالٰہ الااللہ استغفرک واتوب الیک واسئلک الجنتہ واعوذبک من النار

ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اے اللہ! میں آپ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں اور جنت کو طلب اور جہنم سے پناہ مانگتا ہوں۔

عید الفطر۔ انعام کا دن

عید الفطر کا تہوار روزوں کی تکمیل کی خوشی میں منایا جاتا ہے۔ رمضان المبارک کا مہینہ گویا تیاری اور احتساب کا مہینہ تھا۔ اس کے بعد عید کا دن گویا نئے عزم اور نئے شعور کے ساتھ زندگی کے آغاز اور دوبارہ نئے حوصلوں کے ساتھ مستقبل کی طرف اپنا سفر شروع کرنے کا دن ہے۔ یوں کہیے کہ رمضان ایک اعتبار سے سمٹنے کا لمحہ تھا، اور عید سعید از سر نو پھیلنے اور آگے بڑھنے کا لمحہ۔ روزے میں آدمی دنیا سے اور دنیا کی چیزوں سے ایک محدود مدت کے لیے کٹ گیا تھا، وہ اپنی خواہش کو روکنے پر راضی ہوا تھا، اب عید کے دن سے وہ دوبارہ بلند مقصد کے لیے متحرک ہوتا ہے۔ گویا یہ آغاز حیات کا دن ہے۔ روزہ جس طرح محض بھوک، پیاس نہیں، اسی طرح عید محض کھیل تماشے کا نام نہیں۔ دونوں کے ظاہر کے پیچھے گہری معنویت چھپی ہوئی ہے۔ روزہ وقتی طور پر عالم مادی سے کٹنا اور عید دوبارہ عالم مادی میں واپس آ جانا ہے۔ عید کا پیغام ہے کہ مسلمان نئی ایمانی قوت اور نئے امکانات کی روشنی میں از سر نو زندگی کی جدوجہد میں داخل ہوں، ان کا سینہ اللہ کے نور سے وشن ہو، ان کی مسجدیں اللہ کے ذکر سے آباد ہوں۔

عید الفطر دراصل بہت سی خوشیوں کا مجموعہ ہے: ایک رمضان المبارک کے روزوں کی خوشی، دوسری قیام شب ہائے رمضان وتراویح کی خوشی، تیسری نزول قرآن، چوتھی لیلۃ القدر اور پانچویں اللہ تعالی کی طرف سے روزہ داروں کے لیے رحمت و بخشش اور عذاب جہنم سے آزادی کی خوشی۔ یہی وہ وجوہات ہیں جن کی بنا پر اسے مومنوں کے لیے خوشی کا دن قرار دیا گیا ہے۔

اسلام ایک مکمل دین اور کامل ضابطہ حیات ہے، جس کے خوشی غمی کے طور طریقے بھی اپنے ہیں، تاکہ اس دین کے ماننے والوں کی انفرادیت قائم رہے۔ الحمد للہ! حدیث کے الفاظ میں: یہ ایسا واضح دین ہے جس کے دن اور رات برابر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے عید کی خوشی منانے میں بھی اپنے نام لیواں کو بے مہار نہیں چھوڑا، بلکہ عید کی ابتدا سے لے کر انتہا تک اس پر مسرت تہوار کو حضور اقدس ﷺ کی سنتوں سے لبریز فرما دیا۔ خوشی کی خوشی عبادت کی عبادت۔ عید کی سنتیں ملاحظہ فرمایئے!

نماز عید کی تیاری کے سلسلے میں اپنے ناخن تراشیں، مسواک کریں، غسل فرمائیں، نئے کپڑے ہوں تو وہ پہنیں یا دھلے ہوئے اچھے کپڑے زیب تن فرمائیں، خوشبو لگائیں۔ مرد حضرات فجر کی نماز محلے کی مسجد میں با جماعت ادا فرمائیں اور کوشش کریں کہ عید گاہ جلد پہنچ جائیں۔ عید الفطر کے دن کچھ کھا کر نماز کے

لیے تشریف لے جائیں، گر کھجوریں دستیاب ہوں تو طاق عدد میں کھجوریں کھالیں یا پھر اور کوئی میٹھی چیز بھی کھا سکتے ہیں۔ایک راستے سے جائیں اور دوسرے راستے سے واپس آئیں تاکہ اس طرح مختلف راستے آپ کی عبادتوں کے گواہ بنتے جائیں۔آتے جاتے تکبیرات تشریق: اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد پڑھتے رہیں، جن میں اللہ تعالی کی کبریائی کا اظہار اور اپنی بندگی کا اقرار ہے۔سب سے اہم کام جو نماز عید سے پہلے کر لینا سنت ہے۔ وہ فطرانے کی ادائیگی ہے۔

الحمد للہ ! تمام تر تنزل و ادبار اور دینی تعلیمات کے سلسلے میں سستی،تساہل و تکاسل کے باوجود بھی اکثر مسلمانوں کی عید میں اسلامی اسپرٹ کی جھلک موجود ہے۔ عید میں اسلامی اسپرٹ کیا ہے؟ اللہ تعالی کو یاد کرنا اور اس کا شکر بجالانا، اپنی خوشیوں کے ساتھ لوگوں کی خوشیوں میں شریک ہونا،اپنے مقصد کو حاصل کرتے ہوئے دوسروں کے حقوق ادا کرنا اور اس بات کے لیے عمل کرنا کہ اللہ کی دنیا ساری انسانیت کے لیے خوشیوں کا محور بن جائے۔چناں چہ ایک ماہ روزہ دارانہ زندگی گزارنے کے بعد مسلمان عید الفطر کے دن آزادی کے ساتھ کھاتے پیتے ہیں۔ اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے دو رکعت نماز عید اجتماعی طور پر پڑھتے ہیں۔ نماز عید کے بعد مسلمان ایک دوسرے سے گلے ملتے ہیں،ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے اور اپنی کوتاہیوں،زیادتیوں اور غلطیوں کی معافی طلب کرتے ہیں۔ صدقہ و خیرات کے ذریعے

معاشرے کے پسے ہوئے طبقات کی مدد کرتے ہیں۔یہ سب چیزیں عید کی اسپرٹ کوظاہر کرتی ہیں۔

آیئے !آخر میں شعب الایمان میں درج اس حدیث مبارکہ پر غور کرتے ہیں،جس میں ہمارے لیے بڑی خوش خبریاں ہیں:

اللہ کے حبیب ﷺ نے ارشادفرمایا: جب عیدالفطر کی رات ہوتی ہے توآسمانوں میں اس کانام انعام کی رات رکھاجاتا ہے اورجب عید کی صبح ہوتی ہے تو اللہ رب العزت فرشتوں کو تمام شہروں کی طرف بھیجتے ہیں، وہ زمین پر اتر کر تمام گلیوں کے سروں پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور ایسی آواز سے، جس کو جن وانس کے سوا ہر مخلوق سنتی ہے، پکارتے ہیں کہ اے امتِ محمدیہ ﷺ !اس ربِ کریم کی بارگاہ کی طرف چلو، جو بہت زیادہ عطا کرنے والا ہے اور بڑے سے بڑے قصور کو معاف فرمانے والا ہے، پھرجب لوگ عیدگاہ کی طرف نکلتے ہیں تو حق تعالی شانہ فرشتوں سے دریافت فرماتے ہیں :کیا بدلہ ہے اس مزدور کا جو اپناکام پورا کرچکا ہو؟وہ عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے معبود اور مالک ! اس کا بدلہ یہی ہے کہ اس کو اس کی مزدوری پوری پوری ادا کر دی جائے،تو اللہ تعالی ارشادفرماتے ہیں:اے فرشتو!میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان کو رمضان کے روزوں اور تراویح کے بدلہ میں اپنی رضااور مغفرت عطا کر دی۔

(بروایت امام بیہقی)

سچ پوچھیے تو حقیقت میں عید صرف ان لوگوں کی ہے جنہوں نے رمضان المبارک کے دنوں کو روزے وتلاوت اور راتوں کو تہجد وتراویح اور آہ سحر گاہی سے مزین رکھا۔ روزہ خوروں اللہ کے چوروں سے معذرت کے ساتھ۔ حدیث کا یہی فیصلہ ہے۔ عید کے موقع پر فیشن اور تفریح، فنکشنوں اور پارٹیوں کی آڑ میں اللہ تعالی کے غضب کو دعوت دینے والے اللہ تعالی کی پکڑ سے ڈریں۔ شریعت نے عید کا آغاز نماز و سنتوں سے کر کے ہمیں یہی درس دیا ہے کہ ایک مسلمان خوشی کے موقعوں پر بھی اسلام سے آزاد نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالی ہمیں ان خوش قسمتوں میں شامل فرمائے جن کے لیے حدیث بالا میں مژدہ رضا و مغفرت سنایا گیا ہے۔ آمین۔

دینی مدارس میں داخلے مکمل، تعلیمی سال کا آغاز

دینی مدارس میں داخلوں کی تکمیل کے بعد نئے تعلیمی سال کا آغاز، باقاعدہ تعلیم کا سلسلہ شروع ہوگیا، گزشتہ سال مدارس کےخلاف اندرونی وبیرونی پروپیگنڈوں کے باوجود نوجوان بچوں بچیوں کی بڑی تعداد نے مدارس کا رخ کرلیا،مدارس اپنی گنجائش سے زاید داخلے دینے پر مجبور، طلبہ وطالبات کی آمد کا سلسلہ تاحال جاری، تمام مدارس انٹری ٹیسٹ میں کامیاب ہونے والے طلبہ کی ضروری اسناد اور کوائف کی جانچ پڑتال کے بعد داخلے دے رہے ہیں،نامکمل کوائف والے طلبہ وطالبات سے معذرت، ملک بھر میں مدارس کے تعلیمی سال کے آغاز پر اپنے بیانات میں علمائے کرام نے کہا ہے کہ پاکستان اور دینی مدارس لازم وملزوم ہیں لیکن چند عناصر مدارس کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں۔ حالانکہ مدارس اسلام اور ملک کے تحفظ کے لئے صف اول کا کردار ادا کررہے ہیں انہوں نے کہا کہ پاکستان کے دشمن یاد رکھیں کہ دینی مدارس کا ہر طالب علم ملکی دفاع کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کرے گا۔ملتان سے ہمارے نمایندے کے مطابق جامعہ خیرالمدارس کے مہتمم وشیخ الحدیث وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے سیکرٹری جنرل مولانا قاری محمد حنیف جالندھری نے کہا ہے کہ اتفاق واتحاد کے ساتھ مدارس کے خلاف اٹھنے والے طوفان کا رخ موڑ دیں گے، دین دشمن قوتوں کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہ

ہوگا، اہل مدارس تقویٰ واخلاص کادامن مضبوطی سے تھامے رکھیں، ملک دشمن عناصر پر کڑی نظر رکھیں، اور ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوں،انھوں نے مزید کہا کہ مساجد اور دینی مدارس شعار اللہ ہیں۔ جن کی تعمیر وآبادکاری ایمان کی نشانی ہے۔پاکستان اسلام کے نام پر قائم ہوا ہے۔اور اس کا مستقبل بھی اسلام سے وابستہ ہے۔انھوں نے کہاکہ مدارس اور وفاق المدارس پاکستان کے اسلامی نظریہ کے تحفظ کے لیے گراں قدر خدمات انجام دے رہے ہیں،انھوں نے واضح کیاکہ مسجد ومدرسہ کی تعلیم حاصل کرنے والے اللہ کے دوست ہیں۔کیونکہ مسجدیں جنتی باغات ہیں ،اور مدرسے محمدی باغات ہیں۔جو انشا اللہ قیامت تک باقی رہیں گے۔اور علوم نبوت سے عوام کو مستفید کرتے رہیں گے۔ مفتی اعظم پاکستان وصدر دارارلعلوم کراچی مفتی محمد رفیع عثمانی نے تعلیمی سال کے آغاز پراپنے پیغام میں اہل مدارس ومساجد سے اپیل کی کہ وہ خوف کی فضا سے نکلیں اور تبلیغ و تعلیمِ دین کافریضہ پوری جرات کے ساتھ اداکریں انہوں نے کہاکہ مدارس تعلیمِ بالغاں،دروسِ قرآن، دروسِ حدیث، حج تربیتی، پروگرامز، ناظرہ قرآن کریم کے مکاتب کاقیام اور سماجی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں، علمائے کرام معاشرے کے تمام طبقات سے اپنا رابطہ مضبوط بنائیں،جامعہ بنوریہ عالمیہ کے رئیس شیخ الحدیث مفتی محمد نعیم نے کہاکہ مسلمان آج اللہ تعالی کے احکام و سنت نبوی کو بھول کر غیروں کے طریقہ کار کو اپنارہے ہیں۔ حالانکہ انسان کیلئے اسلام نے بہت سی آسانیاں پیدا کی ہیں

مگر ہم خود اپنے لئے مشکلات پیدا کر رہے ہیں، انھوں نے زور دیکر کہا کہ دینی طالب علم دہشت گرد نہیں، دہشت گردی کی لہر سے مدارس کا کوئی تعلق نہیں ہے، قانون نافذ کرنے والے اداروں کے لئے ہمارے دروازے کھلے ہیں۔ مدارس دینیہ اسلام کے قلعے ہیں جو انتہائی مشکل حالات میں بھی دین اسلام کی اشاعت میں مصروف عمل ہیں، مشکلات کی پرواہ کئے بغیر دینی و روحانی مشن جاری رکھیں گے۔ دینی اقدار کو پھیلانا، توحید و رسالت کا درس دینا ہمارا مقصد ہے۔ اگر مدرسے نہ ہوتے تو قوم بے راہ روی کا شکار ہو چکی ہوتی۔ ہمارے نمایندے کے مطابق تنظیم المدارس اہلسنت پاکستان کے صدر چیئرمین مرکزی رویت ہلال کمیٹی پروفیسر مفتی منیب الرحمٰن نے کہا کہ ہے کہ مدارس دینیہ کی آزادی پر کسی صورت حرف نہیں آنے دیں گے۔ طاغوتی طاقتیں اسلام کے خلاف برسرپیکار ہیں دینی قوتیں باطل حربوں کو ناکام بنائیں، جمعیت علمائے اسلام کے مرکزی رہنما چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل مولانا محمد خان شیرانی، سینیٹر حافظ حمداللہ نے کہا ہے کہ مدارس کا تحفظ مسلمانوں کا دینی اور اخلاقی فریضہ ہے، اہل مدارس کے ساتھ امتیازی سلوک بند کیا جائے، آج پوری دنیا میں مسلمانوں نے اپنا مقصد چھوڑ کر مغربی طرز زندگی اپنا لی، مدارس نے اسلام کے تحفظ کیلئے علمائے کرام کو پیدا کیا جو امت مسلمہ میں دین کا پرچار کر رہے ہیں، اسلام کے نام پر بنائے جانے والے ملک میں اسلامی تعلیمات حاصل کرنے والوں کو نظر انداز نہ کیا جائے۔ دوسری جانب ملک بھر کے اہل مدارس نے اس اقدام کی پرزور

تائید وحمایت کہ ہے کہ اتحاد تنظیمات مدارس پاکستان کے رکن پانچوں بورڈز اپنے نظام تعلیم میں بورڈز اور یونیورسٹی کے لازمی مضامین کو ہر سطح پر بتدریج شامل کریں گے اوراس کیلئے وفاقی تعلیمی بورڈ کا نصاب اور نصابی کتب ہی رائج کی جائیں گی۔ واضح رہے کہ یہ فیصلہ وفاقی وزارت تعلیم وپیشہ وارانہ تربیت میں وزیر مملکت انجینئر محمد بلیغ الرحمان کے زیر صدارت اہم اجلاس میں کیا گیا تھا۔ اجلاس میں اتحاد تنظیمات مدارس پاکستان کے قائدین مفتی منیب الرحمان، مولانا قاری محمد حنیف جالندھری، مولانا یاسین ظفر، ڈاکٹر عطا الرحمان اور غلام باقر نجفی نے شرکت کی تھی، جبکہ حکومت کی جانب سے سیکرٹری تعلیم و پیشہ ورانہ تربیت محمد ہمایوں، کوآرڈینیٹر نیکٹا احسان غنی، ایڈیشنل سیکرٹری ڈاکٹر اللہ بخش ملک، چیئرمین وفاقی تعلیمی بورڈ ڈاکٹر اکرام علی ملک، رفیق طاہر، ایڈیشنل سیکرٹری مذہبی امور محمد خان کھچی، ڈی جی ایچ ای سی رضا چوہان، ڈی جی وزارت طلعت انجم ودیگر افسران شریک ہوئے تھے۔ اجلاس میں اتحاد تنظیمات مدارس پاکستان کی پانچوں تنظیمات کے بورڈز کو قانونی شکل دینے پر غور کرنے کے بعد اپنے فیصلے میں وزیر مملکت نے کہا کہ اس سلسلے میں امتحانی بورڈز کے ڈھانچے کو پورا کرنا ہوگا، ان کی وزارت اور وہ خود ذاتی طور پر بورڈز کو قانونی شکل دینے کے بارے میں ضروری مراحل طے کرنے کے سلسلے میں مکمل تعاون کریں گے، اہل مدارس نے کہا کہ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس سلسلے میں غیر ضروری تاخیر نہ کی جائے۔

بچوں کو اغوا ہونے سے بچایئے

پہلے معاصر روزنامہ نوائے وقت کی ایک خبر ملاحظہ فرمایئے:

بچوں کے اغوا کی وارداتوں میں خوفناک حد تک اضافہ ہو گیا۔ لاہور کی ماتحت عدالتوں میں 6 ماہ کے دوران بچوں کے اغوا کے 219 مقدمات پیش کئے گئے۔ 6 ماہ میں اغوا اور لاپتہ بچوں کی تعداد 200 سے تجاوز کر گئی جو گذشتہ شرح سے تین گنا زیادہ ہے۔ راوی روڈ، داتا دربار، بھاٹی گیٹ، مغلپورہ اور باغبانپورہ میں سب سے زیادہ بچوں کے اغوا کے واقعات سامنے آئے ہیں۔ صرف راوی روڈ کے علاقے میں 6 ماہ کے دوران 15 بچوں کو اغوا کیا گیا۔ اقبال ٹاؤن ڈویژن سے 19 صدر ڈویژن سے 30 ماڈل ٹاؤن ڈویژن سے 31 بچے اغوا ہوئے جبکہ کینٹ ڈویژن میں سب سے زیادہ 59، بچے اغوا ہوئے۔ سٹی ڈویژن 52 بچوں کے اغوا کے ساتھ دوسرے نمبر پر رہا۔ سول لائن ڈویژن میں سب سے کم 17 بچے اغوا ہوئے۔ 200 زائد اغوا ہونے والے بچوں میں سے صرف 43 بچوں کو بازیاب کرایا جا سکا۔ تھانوں میں بچوں کے اغوا کی 181 ایف آئی آرز درج کی گئی، جو کیس عدالتوں میں بھیجے گئے جبکہ باقی کیس شہریوں نے پولیس کی جانب سے ایف آئی آر درج نہ کرنے پر اندراج مقدمہ کے لیے عدالتوں میں درج کرائے''۔

اس صورت حال سے نمٹنے کے لیے والدین ،اساتذہ، رشتے داروں کو بھی اپنا کردار ادا کرنا چاہیے، تمام ذمے داری پولیس اور اداروں پر ڈالنا اور اپنے حصے کی ذمے داری ادا نہ کرنا کسی طرح بھی مستحسن نہیں۔آج ہم ماہرین کی بتائی ہوئی چند احتیاطی تدابیر آپ سے شیئر کرتے ہیں، جن پر عمل کرکے اس صورت حال پر کافی حد تک قابو پایا جاسکتا ہے۔

ہمارے بچوں کو دن کے کم و بیش اوقات میں مندرجہ ذیل مقامات پر کئی وجوہ کی بنا پر آنا جانا پڑتا ہے۔ 1۔اسکول ، مسجد یا مدرسہ، اکیڈمی، بازار ،دوست یا رشتے داروں کی طرف، پارک یا گراؤنڈ میں کھیلنے کیلیے ! بچہ ان جگہوں میں سے کسی بھی جگہ جائے،اگر احتیاطی تدابیر کی جائیں تو کسی بڑے نقصان سے بچا جاسکتا ہے۔جب بچے خود اسکول جاتے آتے ہوں تو درج ذیل احتیاطی تدابیر پر عمل کریں:

بچے کے کسی ایسے ہم جماعت کو اس کا اسکول جانے آنے والا ساتھی بنا دیں جو آپ کے پڑوس میں رہتا ہو،بچے کے کلاس انچارج کے ساتھ خصوصی رابطہ رکھیں۔اگر بچے کو اسکول سے چھٹی کرنی ہے تو اس کی باقاعدہ فون پر یا بذریعہ درخواست کلاس انچارج کو ضرور اطلاع کریں۔یہ بات بھی خصوصی طور پر اور باقاعدہ ایک انتہائی سنجیدہ معاہدہ کے تحت طے کرلیں کہ اگر بچہ ا اسکول گیٹ بند ہونے

تک اسکول نہ پہنچے تو کلاس انچارج آپ کو گھر پر بغیر کسی تاخیر کے اطلاع دے، تاکہ کسی غیر متوقع واقعہ کی صورت میں آپ فوراً کچھ کر سکیں۔ گھر اور اسکول آنے جانے کے کئی راستے ہوتے ہیں۔ آپ بچوں کو بھی پابند کردیں کہ وہ پنا اپنا روٹ طے کر لیں۔ جس کا سب کو علم ہو۔ کسی ایمرجنسی میں سب سے پہلے وہی روٹ چیک کریں، اسکول سے واپسی کے وقت سے بچہ اگر 1 منٹ بھی لیٹ ہوتا ہے تو سب کام چھوڑ کر فوراً مقررہ روٹ سے ہوتے ہوئے اس کی تلاش میں لگ جائیں، بچے کے خاص دوستوں کے بارے میں مختصر لیکن ضروری معلومات آپ کے پاس ہر صورت موجود بلکہ کسی ڈائری میں درج ہوں: مثلاً، دوست کا نام، گھر کا مکمل ایڈریس، فون، والد کا نام، دفتر یا کاروبار کا پتہ، عہدہ، فون، موبائل وغیرہ، کسی ناگہانی صورت میں آپ کے متوقع مددگار اور قریبی رشتے داروں کی لسٹ بھی آپ کے پاس تحریری صورت میں گھر کسی عام جگہ پر دستیاب ہونی چاہیے۔ بچے کو صرف اسی دوست کے گھر جانے کی اجازت ہو جس گھر کے ہر فرد کے بارے میں آپ مطمئن ہوں۔ بچے سے واپسی کا وقت طے کر کے اسے بھیجیں۔ وہاں پہنچنے پر بچہ یا دوست کے گھر والے آپ کو اطلاع کریں اور واپسی کا جو وقت طے ہے اس پر سختی سے عمل کروائیں۔ دیر کی صورت میں بچے کے دوست کے گھر فوراً رابطہ کریں۔ بچے کی اپنی عمر سے بڑے کسی بھی شخص سے یا کسی لڑکے سے دوستی ہرگز نہ ہونے دیں۔ یہی ہدایات مسجد، اکیڈمی جانے والے بچوں کے سلسلے میں بھی اختیار کی جائیں۔

عموماً دیکھا گیا ہے کہ گھر والے ضرورت کی چیزیں قسطوں میں منگوانے کے عادی ہوتے ہیں یاد رکھیں، جتنی مرتبہ آپ چھوٹے کو باہر بھیجیں گے غیر متوقع صورتحال کا خطرہ بھی اتنا ہی بڑھتا جاتا ہے۔ اس لیے بچے کو بار بار بازار بھیجنے سے گریز کریں۔ اگر بازار گھر سے دور ہے یا راستے میں کوئی بڑی سڑک پڑتی ہے یا چوک آتا ہے تو ایسی صورت میں کوشش کریں کہ بچہ بازار نہ جائے۔ لازم نہیں کہ بچے کے اغوا کا ہی خطرہ ہوتا ہے، مصروف یا چلتے بازار میں بچے کا خدانخواستہ ایکسیڈنٹ وغیرہ بھی ہو سکتا ہے۔ اگر بچے کو بہ امر مجبوری بازار بھیج ہی دیا ہے تو قرآنی آیات اور دعائیں پڑھتے رہیں اور بچے کی واپسی کے وقت کا اندازہ لگا کر رکھیں۔ دوسری صورت میں فوراً بچے کے پیچھے جائیں۔ بچے کو بھی ہدایت کریں کہ وہ خود بھی دعائیں وغیرہ پڑھتا رہے اور ادھر ادھر مصروف نہ ہو۔ یہ بات بچے کے ذہن نشین کرا دیں کہ دکاندار خواہ کتنا ہی جاننے والا یا تعلق والا ہو اگر یہ کہے کہ آپ کو گودام گھر یا فلاں جگہ سے اچھا سودا دے دوں یا فلاں چیز ختم ہے آ وہاں سے دے دوں، تو ہرگز ہرگز اس کی بات نہیں ماننی نہ اس کے ساتھ کہیں جانا ہے۔ بلکہ ایسی صورت میں باقی چیزیں بھی چھوڑ کر فوراً گھر آ جانا ہے۔ مشکوک صورت حال میں اگر نقصان ہو رہا ہے تو ہونے دیں لیکن ایسی صورتحال سے فوراً نکلنے کی کوشش کریں۔

پارک میں چونکہ ہر طرح کے لوگ آتے ہیں اس لیے کوشش کریں کہ وہاں آپ کا بچہ آپ کی یا کسی دوسرے بڑے کی ہمراہی میں پارک میں جائے۔ اور مغرب ہونے سے پہلے پہلے ہر صورت واپس آ جائے۔ بچے کو پارک میں خواہ مخواہ دوستیاں نہ بنانے دیں۔ دوست یا عزیزوں کی طرف ۔ اگر آپ کا بچہ بار بار ضد کرکے اپنے ایک ہی دوست کی طرف جانے کا زیادہ رجحان رکھتا ہے تو یہ الارمنگ صورت حال ہے۔ دیکھیں کہ :۔ اس دوست کے گھر میں آپ کے گھر کی نسبت کون سی چیز، سہولت یا کھلونے زیادہ ہیں جو آپ کے بچے کے لیے باعث کشش ہے: وہاں کھیلنے کو میدان یا کھلی جگہ یا کیبل سے لطف اندوز ہونے کی DVD ہے؟ دوست کے پاس کھلونے زیادہ ہیں؟ وہاں آزادی ہے؟ وہاں کھانا پینا کھلا ہے؟ دوست کے والدین آپ کی نسبت آپ کے بچے سے زیادہ پیار کرتے ہیں؟ اگر ان میں سے کوئی ایک چیز زیادہ وہاں موجود ہیں یا نہیں ہیں تو بچے کا بار بار وہاں جانے کا ضد کرنا خالی از علت نہیں ہے! کیونکہ اس صورت میں یا تو بچہ گھر سے باغی ہو گا اور اپنے گھر کو نفرت کی نگاہ سے دیکھے گا کہ وہاں تو اتنا کچھ ہے اور یہاں کچھ بھی نہیں۔ یا اس کا پڑھنے کا قیمتی وقت کھیل میں ضائع ہو گا۔ وہ احساس کمتری میں مبتلا اور کسی اخلاقی برائی کا شکار بھی ہو سکتا ہے، لیکن منع کرنے کے لیے بچے کے ذہن میں یہ بات ہرگز نہ بٹھائیں کہ وہ امیر لوگ ہیں یا خراب اس لیے ادھر نہ جائیں بلکہ گھر میں ہی اس کو کوئی معقول مصروفیت دیں کہ وہ گھر ہی میں رہنے کو ترجیح دے۔ اپنا وقت دیں۔ خود بچے کے ساتھ وقت نکال کر کھیلیں۔ یہ چیز

.برائیوں سے بچنے کے ساتھ ساتھ بچے کے اعتماد میں بھی اضافہ کرے گی۔ ہماری ایک خامی یہ بھی ہے کہ ہم نے اپنے بچوں کو بتایا ہی نہیں ہوتا کہ لوگ بچوں کو کس طریقے سے اغوا کرتے ہیں اور اغوا ہونے سے کس طرح بچا جا سکتا ہے؟ ہم والدین کی اکثریت اپنے بچوں کی تعلیمی ، جسمانی، روحانی اور کھیل کی بنیادی ضرورتیں بھی پورا نہیں کر پا رہی۔ اس لیے بچے زیادہ تر گھر سے باہر رہنے کو ترجیح دیتے ہیں اور اس طرح کوئی ناخوشگوار واقعہ بھی پیش آ جاتا ہے۔ والدین اپنے بچے کی تعلیمی مصروفیات کے علاوہ بچے کی بیرونی مصروفیات ان کے دوستوں اور ان کی ہر طرح کی سرگرمیوں سے بہت کم آگاہ ہوتے ہیں۔ اپنے بچوں کو ضروری وقت بھی نہیں دے پا رہے ہوتے اور اگر بچہ اپنی کوئی مشکل یا ضرورت بیان بھی کرنا چاہے تو والدین اس کے کچھ کہنے یا اس کی بات پورا کرنے یا سننے سے پہلے ہی اسے جھڑک دیتے ہیں۔ والدین کا یہ رویہ بچوں کی کئی ذہنی اور جسمانی عوارض کی وجہ بھی بنتا ہے۔ اس لیے اپنے بچوں کو کم از کم یہ اعتماد ضرور دیں کہ وہ اپنی ہر بات آپ سے بغیر کسی ڈر خوف کے کہہ سکیں اور اس کام کے لیے اسے کسی خاص دن یا وقت کا انتظار نہ کرنا پڑے۔

ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ آج کل اپنے گردو پیش پر نظر رکھنے اور آج کل کے حالات بچوں کے ساتھ ڈسکس کرنے سے بھی بچوں کے اغوا کو بڑی حد تک روکا جا سکتا ہے بلکہ حالات اور اردگرد سے لاعلمی ہی بچوں کے اغوا کی بڑی وجہ بنتی

ہے۔ مندرجہ ذیل امور جو کسی خاص عنوان کے تحت تو نہیں آتے لیکن ان پر غور کرنے اور بیان کردہ احتیاطی تدابیر اختیار کرنے سے بچوں کے اغوا کو بہت حد تک کم کیا جاسکتا ہے۔جب بھی بچوں کے ساتھ گھر سے نکلیں تو بچوں کی جیب میں کم از کم اتنے پیسے ضرور ڈالیں کہ وہ رکشہ ٹیکسی یا بس سے گھر واپس پہنچ سکیں۔ بچوں کو یہ بھی بتا دیں کہ اگر خدانخواستہ پیسے نہ بھی ہوں تو رکشہ ٹیکسی لے کر گھر آ جائیں۔ پیسے گھر پہنچ کر ادا ہو جائیں گے۔ جب بھی آپ بچوں کے ساتھ واپس گھر آ جائیں تو پھر ہر بچے سے پوچھیں کہ ہم کہاں گئے تھے؟ کس طرح گئے تھے! راستے میں کون کون سی معروف جگہیں اور سٹاپ آئے ہیں؟جو بچہ یہ باتیں اچھی طرح بتائے اسے انعام دیں۔ لیکن باقیوں سے پھر پوچھ کر تمام روٹ ان کے ذہن میں پختہ کر دیں۔ اس طرح کرنے سے بچے کو اپنے ارد گرد کا پتہ بھی چلے گا اور مزید ہوشیار بھی ہو جائیگا۔ وقتاً فوقتاً بچوں کے سامنے ایک غیر متوقع صورتحال یا کوئی ایمرجنسی رکھیں، مثلاً وہ آپ سے بچھڑ گیا ہے! کوئی اس کا پیچھا کر رہا ہے! وہ گھر میں اکیلا ہے! اس کے چوٹ لگ گئی ہے! یا اس کا ہاتھ جل گیا ہے! کمرہ لاک ہو گیا ہے! چھوٹے بھائی کے چوٹ لگ گئی ہے یا اسے کسی چیز نے کاٹ لیا ہے! راستے میں اس کے پیسے گم ہو گئے ہیں یا اس کی جیب کٹ گئی ہے وغیرہ وغیرہ! ان تمام صورتوں میں وہ کیا کرے گا؟ جو کچھ بچہ بتائے اس میں خود ہی اضافہ کرکے بچے کو ہر مشکل صورت سے اچھے طریقے سے نکلنے کا گر بتائیں۔ بچے کو پر اعتماد اور نڈر بنائیں۔ ساتھ ہی اس کو صورتحال کو سمجھنے

اور پھر اسی سے نکلنے اور بچنے کے لیے فوری طور پر رد عمل کرنیوالا بنائیں، اور اس چیز کی بچے کو بار بار تربیت دیں۔ ہمسائے میں بچوں کو بار بار اور بے وقت بھیجنے سے پرہیز کریں۔ اور صرف اسی صورت بھیجیں جب آپ کو پورا یقین ہو کہ گھر میں کم از کم دو خواتین موجود ہیں۔ جب بھی سفر وغیرہ پر نکلیں تو بچوں کے ساتھ اچھی طرح شیئر کر لیں کہ آپ کہاں جا رہے ہیں؟ کن کے گھر جا رہے ہیں؟ ان کا پورا ایڈریس کیا ہے اور یہ کہ ان کے گھر تک کس طرح پہنچیں گے؟ بچے کو اچھی طرح سے سمجھا دیں کہ راستے میں اس نے چوکنا ہو کر آنا جانا ہے، کسی کھیل تماشے میں کھب نہیں جانا۔ اس کے ساتھ ساتھ بچے کی قوت مشاہدہ، قوت فیصلہ کو رد عمل کی صلاحیت کو چیک بھی کرتے رہیں۔

ان ہدایات پر اگر تمام والدین عمل کرنا شروع کر دیں توان شاء اللہ بچوں کے اغوااور تشدد وغیرہ جیسی صورت حال سے بچا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کے پھول کلیون جیسے بچوں کی ہر
قسم کے اشرار سے حفاظت فرمائے اور انھیں اپنے والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک، دل کا چین اور قلب کا سرور بنائے رکھے۔ آمین

عید قرباں اور کانگو وائرس کا چرچا

عید قرباں قریب ہے۔ مسلمان ہوش ربا مہنگائی کے باوجود اللہ تعالی کی توفیق سے جانوروں کی خریداری کر رہے ہیں۔ بعض لوگ ہر معاشرے میں ایسے پائے جاتے ہیں جو اپنے مخصوص مفادات کے اسیر ہوتے ہیں۔انھیں کسی کی جان، ایمان، عقیدہ، نظریہ دین ، دھرم غرض کوئی چیز عزیز نہیں ہوتی۔انھیں صرف اپنے مفادات عزیز ہوتے، ہیں۔ایسے لوگ اکثر کسی قوت کے تنخواہ دار ملازم ہوتے ہیں ، سو انھیں اپنی تنخواہ حلال'' کرنے سے غرض ہوتی ہے۔یہ کسی کے غلام ہوتے ہیں اور ان کا مطمح نظر'' صرف اپنے مائی باپ اور آقا ولی نعمت کی خوش نودی ہوتا ہے۔یہ مجبور ہوتے ہیں۔سو ان مجبوروں کو معذور ہی جاننا چاہیے۔عید قرباں کے نام سے ہی مترشح ہے کہ مسلمان اس عید میں ایک عظیم فریضہ ادا کرتے ہیں، جسے قربانی کہا جاتا ہے۔یہ قربانی کیا ہے؟ یہ ہمیں کسی لبرل اور سیکولر سے پوچھنے کی ضرورت اس لیے نہیں کہ آج سے ساڑھے چودہ سو سال قبل صحابہ کرام رضی اللہ عنھم یہ سوال حبیب کبریا ﷺ سے کر چکے اور جواب آ چکا: یہ تمھارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔گویا،اس کو سمجھنے کے لیے کسی طویل عقلی فلسفے کی ضرورت نہیں ۔ کسی حیل وحجت کی مجال بھی نہیں ، کہ یہ سنت ابراہیمی ہے اور تمھارے دین کا ایک نام ملت ابراہیمی بھی ہے، سو تم اس پر عمل کرو۔اس کے بدلے کیا ملے گا؟اس کا جواب بھی آ گیا: جانور کے

ہر بال اور اون والے جانور کی اون کے ہر بال کے بدلے میں ایک نیکی ملے گی۔یہ جانور پل صراط پر تمھاری سواری کاکام دیں گے۔جانور کا خون زمین پر گرتے ہی تمھارے صغیرہ گناہ معاف ہوجائیں گے۔اب ایک سوال رہ جاتا تھا، کہ کیا ہم اس خطیر رقم سے اللہ تعالیٰ کی خوش نودی کا کوئی اور کام ان دنوں میں ،قربانی کے بجائے کر سکتے ہیں، مثلاً: خدمت خلق، غریب بچیوں کی شادیاں، رفاہ عامہ کے کام ،کہ یہ سب بھی ثواب کے کام ہیں اور اللہ کی رضاوخوش نودی کا حصول ان کے بدلے بھی

ہوسکتاہے۔اس کا بھی آقائے نامدارﷺ نے دوٹوک جواب ارشاد فرمادیا: ان دنوں میں قربانی کے جانور کاخون بہانے سے بڑھ کر کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب ہی نہیں۔لیجیے !اب معاملہ صاف ہوگیاکہ قربانی ہی کرنی ہوگی،اس کا کوئی نعم البدل نہیں اس کے برابر یااس سے بڑھ کر کوئی عمل نہیں ۔یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کو امت، مسلمہ ،اپنی تمام تر دینی پستی کے باوجود اچھی طرح سمجھتی ہے ،یہی وجہ ہے کہ ہر سال قربانی کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہی نوٹ کیا گیاہے۔حالاں کہ قربانی کے خلاف دلائل کے نئے نئے رخ ہر سال سامنے لائے جاتے ہیں۔نئے نئے حربے، نت نئے حیلے، شیطان اپنے دوستوں کو نئی سے نئی باتیں سجھاتارہتاہے، سو دھول اڑائی جارہی ہے اڑائی جاتی رہے گی اور سو باتوں کی ایک بات مسلمان ایک ہی جواب دیں گے ،اپنے، عمل سے بھی اور زبان حال سے بھی

تجھے خودی پسند مجھے خداپسند

تیری جدا پسند میری جدا پسند

ہم کانگو وائرس پر بات کریں گے۔

آج کل قربانی کے جانوروں سے لگنے والی ایک بیماری کا کافی چرچا ہے، جسے کانگو وائرس کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ ایک بخار ہے جس کے بارے میں ماہرین کا یہ کہنا ہے کہ: کانگو بخار یعنی 'کریمین کانگو ہیمرجک فیور' جان لیوا بخار ہے جو مویشیوں کی جلد میں موجود ٹکس (پسو) کی وجہ سے ہوتا ہے، اگر یہ ٹکس کسی انسان کو کاٹ لیں تو وہ انسان فوری طور پر کانگو بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے،اس کے جراثیم ایک متاثرہ شخص سے دوسرے صحت مند شخص کو فوری طور پر لگ جاتے ہیں، یہ ایک متعدی بیماری ہے، جس میں شرح اموات بہت زیادہ ہے۔ فوری علاج پر توجہ نہ دی جائے تو جگر اور تلی بڑھ جاتی ہے، ناک، کان، آنکھوں اور مسوڑھوں سے خون رسنا شروع ہو جاتا ہے اور انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ مریض اس بیماری کے دوسرے ہفتے موت کے منہ میں چلا جاتا ہے۔سب سے زیادہ تشویش ناک بات یہ ہے کہ اب تک اس سے بچاؤ کی کوئی ویکسین موجود نہیں۔

یہ بیماری وطن عزیز میں کب آئی،اس کے حوالے سے کہا جارہا ہے کہ: اس وائرس کی پہلی شکار آزاد کشمیر کے علاقے باغ کی ایک خاتون تھی، ڈاکٹروں کے مطابق یہ مریضہ کانگو وائرس کا شکار ہو کر زرد بخار میں مبتلا ہوئی جس کی وجہ سے وہ

جانبر نہ ہو سکی۔اب تک اس بخار سے ہونے والی اموات کی تعداد دس بتائی جاتی ہے۔ اطلاعات کے مطابق چیک پوسٹیں قائم کی جارہی ہیں ،جو باہر سے شہر میں آنے والے ہر جانور کا طبّی معاینہ کرکے اس میں کانگووائرس کی موجودگی یا عدم موجودگی کی تصدیق کرے گا۔لیکن پنجاب اسمبلی میں جماعت اسلامی کے پارلیمانی لیڈرڈاکٹرسیدوسیم اخترکا یہ سوال وزن رکھتاہے کہ قربانی کے جانوروں میں کانگووائرس ہونے یانہ ہونے کی تصدیق کون کرے گا؟ یہ ضمانت کون دے گا کہ ہسپتالوں یالیبارٹریوں میں کانگووائرس کی تشخیص کیلئے کٹ دستیاب ہے؟عید الاضحیٰ پر جانوروں کی چیکنگ کا کیاطریقہ ہوگا؟یقیناًان سوالات کا جواب ضروری ہے اور اس سلسلے میں جو اقدمات اب تک بروئے کار لائے گئے ہیں وہ ناکافی ہیں۔طبّی ماہرین کا یہ کہنا بھی وزن رکھتاہے کہ اس وائرس کے ٹیسٹ انتہائی اہم ہیں اور ہرلیبارٹری میں ان کی سہولت بھی دستیاب نہیں۔پاکستان،جہاں کی نصف آبادی خط غربت کے نیچے زندگی گزارنے ہر مجبور ہے،جہاں شرح خواندگی بھی حوصلہ افزانہیں،وہاں اس وائرس کی تشخیص جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔غریب جسے دووقت نان جویں میسر نہیں،وہ ان مہنگے ٹیسٹوں کا تحمل کیسے کرے گا؟حکومتوں کی ذمے داری ہے کہ ان مسائل کو حل کرے،صرف ڈراور خوف کی فضاپیدا کرنایاقراردادیں منظور کرنا کافی نہیں۔مویشی منڈیوں میں صرف ویٹرنری

ڈاکٹرز اور اسٹاف کی ہی ضرورت نہیں، وہاں آنے والوں کو فوری طبّی امداد دینے کا بھی خاطر خواہ انتظام ہونا چاہیے۔اب تک مویشی منڈیوں کی صورت حال تو اسی بات کی غمازی کررہی ہے کہ سارا زور جانوروں پر ہے۔

اگر یہ قربانی سے روکنے ہی کی کوئی سازش ہے تو مسلمان ایسی سازشوں کا شکار نہ کبھی پہلے ہوئے ہیں اور نہ ہی آیندہ ہوں گے۔ان شاء اللہ!

اللہ ہم سب کو سنت ابراہیمی پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔آمین!

مولانا محمد جہان یعقوب، انچارج شعبہ تخصص فی التفسیر، جامعہ بنوریہ عالمیہ، سائٹ کراچی،

انتظار کس بات کا ہے؟

محترم مجیب الرحمٰن شامی ایک سینئر صحافی کالم نگار و تجزیہ کار ہیں۔اب وہ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کے محاذ فتح کرنے کے بعد سوشل۔میڈیا کے محاذ کو سر کرنے کی تگ ودو میں مصروف ہیں۔اللہ کرے وہ اس میدان کے بھی فاتح ٹھہریں۔

ایک وقت تھا جب ایران کے خلاف لکھنا شجر ممنوعہ کی حیثیت رکھتا تھا تب ان کا شمار ان دبنگ صحافیوں میں تھا جو یہ جرم پوری دیانت کے ساتھ کیا کرتے تھے۔جنرل ضیاء الحق کے دور میں جب ایرانی انقلاب کے تسلسل کے طور پر پاکستان میں تحریک نفاذ فقہ جعفریہ وجود میں آئی اور اس کے رد عمل میں سپاہ صحابہ کا قیام عمل میں آیا تو شامی صاحب نے اس وقت خبردار کیا تھا کہ فقہ جعفریہ کی ایران نوازی کے جواب میں اینٹی شیعہ جماعتیں سعودی عرب کی چھتری استعمال کریں گی لہٰذا ایران کے توسیع پسندانہ عزائم کا شروع میں ہی گلا گھونٹ دیا جائے۔یہ ایرانی و سعودی مداخلت کا واحد حل ہے شومی قسمت اس جانب توجہ نہ دی گئی دونوں ممالک نے اس موقعے سے فائدہ اٹھایا اور ہمارا ملک شیعہ سنی کا میدان جنگ بن گیا۔یہ اختلاف صدیوں سے تھا اس کے باوجود شیعہ سنی ساتھ رہتے تھے۔ان میں اتحاد تھا۔پیار تھا۔یگانگت تھی۔عبادت اور خوشی غمی کے طور طریقے مختلف تھے

مگر کسی کی عبادت دوسرے کے لیے باعث آزار نہ تھی۔ توہین و گستاخی کا چلن عام نہ تھا۔ یہ ایران سے آنے والے لٹریچر کا اثر تھا جس نے گستاخی کو حصہ عبادت بنا ڈالا۔ صحابہ واہل بیت کے ماننے والے مسلمانوں کے درمیان تفریق ڈال دی۔ کتابوں میں مدفون اختلاف کو ہوا دی۔ اس کا رد عمل بھی آیا اور یوں فاصلے بڑھتے چلے گئے۔ ایران نے اپنے ہم خیالوں پر نوازشات کی وہ بارش برسائی کہ وہ پاکستان سے بڑھ کر اس کی نمک حلالی کرنے لگے۔ سعودیہ نے ایران دشمنی میں اینٹی ایران فیکٹر کو مضبوط کیا یوں حکم رانوں کی تھوڑی سی بے بصیرتی کی وجہ سے دونوں ممالک اپنی باہمی جنگ ہماری سرزمین پر لڑنے لگے اور یہ سلسلہ تاہنوز جاری ہے۔ جغرافیائی و دینی حوالے سے ہم نہ ایران کو ناراض کر سکتے ہیں اور نہ سعودیہ کو۔ یوں فرقہ واریت کا عفریت اس قدر قوی ہو چکا ہے کہ ملک کو نگلنے کے درپے ہے۔

شامی صاحب نے ایسے میں اپنا فرض ایک بار پھر نبھانے کی کوشش کی ہے کہ نہ مفتی اعظم سعودی عرب کا بیان دانش مندانہ ہے اور نہ ہی اس کا ایرانی رد عمل۔ ہمیں ان دونوں ملکوں کی جنگ میں پڑ کر ملکی امن خراب کرنے کا موقع نہیں دینا چاہیے۔

اس میں کیا برا ہے؟ ہمیں اپنے مسائل خود حل کرنے چاہییں۔ ہمیں ملک میں موجود سنی شیعہ اختلاف کا حل سوچنا چاہیے۔۔۔۔۔۔۔ اور خود مختارانہ فیصلہ کرنا چاہیے مبادا ایرانی وسعودی مداخلت ہمارے ملک کو بھی افغانستان و عراق نہ بنا ڈالے۔ خون

کی ندیاں تو یہاں بھی بہت بہ چکی ہیں۔مزید کس چیز کا انتظار ہے؟

صحابیِ رسول۔۔۔خلیفۂ راشد۔۔۔ذوالنورین۔۔۔شہید مدینہ۔۔۔حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سرکارِ دوعالم ﷺ کے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنھم میں سے ہیں۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی تعریف اور ان کے مقام کے حوالے سے کچھ عرض کریں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی تعریف:

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم ان مقدس ہستیوں کو کہا جاتا ہے جنھوں نے حالتِ ایمان میں حضور اکرم ا کی صحبت (اگرچہ ایک لحہ کے لیے ہو) پائی اور ان کی وفات بھی (حالتِ ایمان پر ہوئی ہو۔ (مقدمہ ابن الصلاح، نخبۃ الفکر، اسد الغابہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کا مقام:

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم جس مقدس گروہ کا نام ہے وہ امت کے عام افراد کی طرح نہیں، بلکہ وہ رسول ا اور امت کے درمیان ایک مقدس واسطہ ہونے کی وجہ سے ایک خاص مقام اور عام امت سے امتیاز رکھتے ہیں۔ یہ مقام اور امتیاز ان کو قرآن وسنت کی نصوص و تصریحات کا عطا کیا ہوا ہے اور اسی لیے اس پر امت کا اجماع ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سچے، عادل اور نمونہ ہدایت ہیں۔ اس اجماعی عقیدے کو تاریخ کی راویات کے انبار میں گم نہیں کیا جاسکتا۔ محققین

کا قول ہے کہ اگر کوئی روایت ذخیرہ حدیث میں بھی ان کے اس مقام اور شان کے خلاف نظر آتی ہو تو اسے بھی قرآن و سنت کی نصوص واضحہ اور اجماع کے مقابلہ میں متروک تصور کیا جائے گا۔ ویسے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے مقام کو تاریخ کی روشنی میں جانچنا ایسا ہے جیسے ہیرے کا وزن لکڑی کے ٹال والے سے کروایا جائے۔ اس بات میں کوئی دورائے نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم تاریخی نہیں قرآنی شخصیات ہیں۔ اہل سنت والجماعت کا ہمیشہ سے یہ عقیدہ رہا ہے کہ بنی آدم میں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد فضیلت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنھم ہی کا درجہ ہے۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اگرچہ معصوم نہیں ہیں مگر ان سے جو بھی کام ان کے اپنے شایان شان نہیں تھے اور ان سے صادر ہوگئے تھے، وہ اللہ تعالیٰ نے معاف فرما کر انہیں اپنی رضا کا پروانہ عطا فرما دیا ہے۔ قرآن و سنت میں موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے فضائل کا تقاضا یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو تنقید کا نشانہ نہ بنایا جائے۔ بلکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کا ذکر صرف خیر ہی کے ساتھ کیا جائے۔ اس لیے کہ ان پر تنقید نبی علیہ السلام کے تزکیۂ نفوس پر اعتراض ہے جس کا کوئی مسلمان بقائی ہوش و حواس تصور بھی نہیں کرسکتا۔

اب آیئے ! تیسرے خلیفۂ راشد شہید مدینہ جامع القرآن حضرت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی سیرتِ طیبہ کے اوراق پلٹتے ہیں، کہ ان نفوسِ قدسیہ کا

تذکرہ اہل ایمان کے ایمانی جذبات میں مزید تازگی پیدا کرتا ہے۔

ولادت:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پیدائش عرب کے مشہور شہر مکہ معظّمہ میں ہوئی۔آپ رسول اکی ولادت (عام الفیل) کے چھ سال بعد 576ء میں پیدا ہوئے۔

نام ونسب:

عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان بن ابی العاص بن امیہّ بن عبد شمس اموی قریشی۔(ابن عساکر بحوالہ حضرت عثمان ذی النورین صفحہ ۲۵)

القاب:

آپ کا ایک لقب ذی النورین ہے۔ ذی النورین کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے نکاح میں (ا) نبی علیہ السلام کی یکے بعد دیگرے دو شہزادیاں آئیں۔ پہلے آپ کے نکاح میں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا تھیں جب ان کا انتقال ہوگیا تو آپ انے حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہ کا نکاح آپ کے ساتھ کردیا۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا بھی چھ سال بعد وفات پاگئیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میری چالیس (اور ایک روایت کے مطابق سو) بیٹیاں بھی ہوتیں اور وہ یکے بعد دیگرے انتقال کرتی رہتیں تو بھی میں اپنی بیٹیوں کو یکے بعد دیگر عثمان کے نکاح میں دیتا رہتا۔آپ رضی اللہ عنہ اس شرف کی وجہ سے ذی النورین کہلاتے ہیں۔

آپ رضی اللہ عنہ کی شادی رسول اکی دو بیٹیوں سے یکے بعد دیگرے ہوئی اور

اولاد آدم میں کسی شخص کو بھی یہ اعزاز میسر نہیں کہ دو بیٹیاں کسی نبی کی اس کے عقد میں آئی ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ملائے اعلیٰ (یعنی فرشتوں کے مجمع) میں ذوالنورین کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

اس کی ایک وجہ یہ بھی کہی جاتی ہے کہ آپ نے دو دفعہ ہجرت کی ایک حبشہ کی طرف دوسری مدینہ کی طرف اس لیے آپ ذی النورین کہلائے۔

ایک لقب آپ کا غنی بھی ہے وجہ یہ ہے کہ حضرت عثمان غنیرضی اللہ عنہ عرب (۲) میں سب سے زیادہ دولت مند تھے اسکے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے فیاض طبع بھی بنایا تھا چنانچہ آپ نے اپنی فیاضی اور اپنے مال و دولت سے اس وقت اسلام کو فائدہ پہنچایا (جب اس امت میں کوئی دوسرا ان کا ہمسر موجود نہ تھا۔ (حضرت عثمان ذی النورین

: حلیہ مبارک

آپ کا قد درمیانہ تھا۔ چہرے پر چیچک کے ہلکے داغ تھے۔ رنگ گندمی ہونے کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ حسن و جمال کا پیکر تھے۔ داڑھی گھنی اور لمبی تھی۔ اس کو زرد خضاب سے رنگین رکھتے تھے، جوڑ بڑے بڑے اور مضبوط تھے، ہڈی چوڑی تھی۔ سر پر بال گھنے اور گھونگریالے تھے۔ دونوں شانوں میں زیادہ فاصلہ تھا۔ جلد مبارک نرم (تھی، دانت بہت خوبصورت تھے۔ (ابن عساکر

: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے فضائل

اللہ تعالیٰ نے آپ کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے۔ (۱)

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا (سورۃ فتح آیت ۱۸

ترجمہ: ''بالتحقیق اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے راضی ہوا جبکہ وہ آپ اسے درخت کے نیچے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینے تک جہاد کرنے کی) بیعت کر رہے تھے سو اُن) کے دلوں میں جو کچھ تھا اللہ کو معلوم تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان پر اطمینان نازل فرمادیا اور ان کو لگے ہاتھ ایک فتح دے دی''۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ آیت صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی۔ جب یہ افواہ اڑی کہ قاصد رسول ا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کفار مکہ نے شہید کر دیا ہے۔ اس پر حضور ا نے 1400 صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے بیعت لی۔ کہ جب تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ نہیں لیں گے واپس نہیں جائیں گے اور آپ ا نے اپنے ایک ہاتھ کو عثمان کا ہاتھ قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بیعت پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو رضا کا پروانہ عطا فرمایا۔

اس کے علاوہ خلفائے راشدین، سابقون الاوّلون، کاتبین وحی، مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ عنھم، مجاہدین صحابہ کرام رضی اللہ عنھم، اہل بدر صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے حوالے سے جتنی آیات ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان سب کا بھی مصداق ہیں کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد ثالث اور سابقون الاولون صحابہ

کرام رضی اللہ عنھم میں سے تھے۔ دو بار دین کی خاطر ہجرت فرمائی اور ہر جہاد میں بھی پیش پیش رہے۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عثمان (رضی اللہ عنہ) میری امت میں سب سے زیادہ حیادار اور سخی ہے"۔ (ابو نعیم)

اس کے علاوہ بھی متعدد احادیث میں حضور اکرم ا نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حیا اور سخاوت کی تعریف فرمائی ہے۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عثمان بن عفان دنیا و آخرت میں میرے دوست ہیں۔ (ابو یعلی)

(۴) ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے درمیان میں تشریف رکھتے تھے آپ نے فرمایا کہ ہر شخص اپنے برابر اور دوست و ساتھی کی طرف اٹھ کر چلے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف تشریف لے گئے، ان سے بغل گیر ہوئے اور فرمایا تم دنیا و آخرت میں میرے دوست ہو۔ (ابن ماجہ)

(۵) حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی کا ایک رفیق ہوتا ہے اور میرا رفیق جنت میں عثمان (رضی اللہ عنہ) ہے۔ (ترمذی شریف)

(۶) حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ اول شب سے طلوع فجر تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے ہاتھ

:اٹھا اٹھا کر دعا کرتے رہے اور فرماتے تھے

اے اللہ ! میں عثمان (رضی اللہ عنہ) سے راضی ہوں تو بھی عثمان (رضی اللہ عنہ)
(سے راضی رہ۔ (البدیہ والنہایہ جلد 7 صفحہ 212

اس کے علاوہ بھی آپ رضی اللہ عنہ کی شان میں احادیث وارد ہوئی ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں: امت میں سب سے زیادہ صلہ (۷) رحمی کرنے والے اور اللہ تعالٰی سے سب سے زیادہ ڈرنے والے سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس امت میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بعد عمر (۸) فاروق رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں، پھر عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ پھر میں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہم سب سے افضل (۹) تھے۔

:حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سخاوت

اللہ تعالٰی نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خوب مال عطا فرمایا تھا اور وہ اس مال میں سے بہت زیادہ سخاوت فرماتے تھے، اس لیے اللہ کے رسول ا نے آپ کو غنی کا لقب عطا فرمایا۔ انکی سخاوت کے بے شمار واقعات ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

جب مسلمان ہجرت کرکے مدینہ آئے تو وہاں کا پانی انھیں موافق نہیں آیا (۱)

اور لوگوں کو پیٹ کی تکلیف رہنے لگی۔ شہر کے باہر میٹھے پانی کا صرف ایک کنواں تھا جس کو "بئر رومہ" کہتے تھے اس کا مالک ایک یہودی تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ کنواں خرید لیا جائے تاکہ سب مسلمان اس کا پانی استعمال کریں لیکن سوال یہ تھا اس کی قیمت کہاں سے آئے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ارشاد فرمایا کہ جو شخص بیر رومہ کو خریدے گا اس کے لیے جنت ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ہمت کی اور کنواں خریدنے کے لیے یہودی سے بات چیت کرنے گئے۔ یہودی نے کہا میں کنواں الگ نہیں کر سکتا کیوں کہ میری کھیتی باڑی اور کھانے پینے کا سب دار و مدار اس پر ہے۔ تمھاری خاطر اس کا آدھا پانی قیمت سے دے سکتا ہوں۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بارہ ہزار درہم میں آدھا پانی خرید کر وقف عام کر دیا۔ ایک دن یہودی پانی لیتا اور ایک دن مسلمان لیتے۔ مسلمانوں کی باری آتی تو وہ دو دن کا پانی نکال لے جاتے۔ اگلے روز یہودی کے پاس کوئی نہ جاتا اور وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھا رہتا اس سے یہودی مجبور ہوگیا اور ان نے آٹھ ہزار درہم مزید لیکر سارا کنواں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔

(۲) مسجد نبوی کی توسیع کے لیے نبی اکرم انے ایک موقع پر فرمایا: وہ کون ہے جو فلاں مویشی خانہ کو خرید لے اور ہماری مسجد کے لیے وقف کر دے تاکہ اللہ اس کو بخش دے، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بیس یا پچیس ہزار درہم میں یہ زمین کا ٹکڑا خرید کر مسجد نبوی کے لیے وقف کر دیا۔

(۳) شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ازالۃ الخفاء میں سالمؒ بن عبداللہ بن عمرؓ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ تبوک کے سفر میں جتنی بھوک پیاس اور سواری کی تکلیف درپیش آئی اتنی کسی دوسرے غزوے میں نہیں آئی۔ دران سفر ایک مرتبہ کھانے پینے کا سامان ختم ہوگیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ نے مناسب سامان اونٹوں پر حضورا کی خدمت میں روانہ کیا۔ اونٹوں کی تعداد اتنی کثیر تھی کہ انکی وجہ سے دور سے تاریکی نظر آ رہی تھی، جس کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگو! تمھارے واسطے بہتری آ گئی ہے، اونٹ بٹھائے گئے اور جو کچھ ان پر لدا تھا اتارا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا ''میں عثمان رضی اللہ عنہ سے راضی ہوں اے اللہ! تو بھی عثمان رضی اللہ عنہ سے راضی ہوجا'' یہ فقرہ حضور نے تین مرتبہ فرمایا پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنھم رضی اللہ عنھم رضی اللہ عنہ سے کہا تم بھی عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں دعا کرو۔ (ازالۃ الخفاء)

(۴) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں دو بار مسجد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مزید توسیع کی، اپنی خلافت کے دوسرے سال 26ھ میں اور پھر 29ھ میں دوسری مرتبہ تراشیدہ پتھروں سے اس کی تعمیر کی، ستون پتھر کے بنوا لیے اور چھت میں ساگوان لگوایا۔ اسی طرح آپ رضی اللہ عنہ نے مسجد الحرام کی بھی توسیع و مرمت کروائی۔

(۵) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہر جمعہ کو ایک اونٹ ذبح کرا کر اس کا گوشت راہ خدا میں غربا کو تقسیم کرتے تھے۔

(۶) آپ حج کے موقع پر ۸ ذیقعد کو منیٰ میں اپنی طرف سے تمام حجاج کے کھانے کی دعوت فرماتے تھے۔

(۷) آپ رمضان شریف میں اپنی طرف سے متعدد مقامات مثلاً حرم کعبہ، مدینہ منورہ، کوفہ، بغداد وغیرہ میں کھانے کا انتظام فرماتے تھے۔

یہ تو چند ایک واقعات تھے۔ تفصیلات کے لیے بڑی کتابوں کا مطالعہ فرمائیں۔

خلافت:

جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنھم حملے میں شدید زخمی ہو گئے اور ان کے انتقال کا وقت قریب آنے لگا تو لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت سے پہلے آپ سے درخواست کی کہ اپنے بعد کسی کو خلیفہ مقرر کر دیں۔ پہلے تو آپ تیار نہ ہوئے مگر لوگوں کے زور دینے پر آپ نے چھ آدمیوں کی ایک کمیٹی بنا دی، جس کے ارکان میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ (حضرت نبی ا نے ان تمام حضرات کے جنتی ہونے کی بشارت دی ہے) شام تھے اور فرمایا کہ ان میں کسی ایک شخص کو منتخب کرکے امیر بنالو۔ اس کے بعد حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بن اسود کو حکم دیا کہ جب مجھے دفن کرکے فارغ ہو جائیں تو ان چھ آدمیوں کو ایک مکان میں جمع کرنا تاکہ یہ اپنے

آپ میں سے کسی کو امیر منتخب کرلیں۔اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما)کے بارے میں بطور خاص وصیت فرمائی کہ دوسروں کی طرح انھیں بھی رائے دینے کے لیے بلا لینا لیکن امارت سے ان کو کوئی سروکار نہ ہوگا، فیصلہ کثرت رائے سے ہوگا۔ چنانچہ ان حضرات نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو یہ اختیار دیا کہ وہ جسے چاہیں خلیفہ مقرر کردیں، انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔اس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کی ابتدا یکم محرم 24ھ مطابق 7 نومبر 644ء سے ہوئی۔جس آزادنہ طریقہ سے بلا جبر واکراہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب خلافت ہوا اس کی مثال دنیائے اسلام میں نہ اس سے قبل اور نہ بعد میں ملتی ہے۔آپ کو عوام نے کھلے طور پر بھی منتخب کیا۔ اور نامزد کمیٹی کے فیصلہ کی تائید کی۔ بیعت خلافت سے کسی شخص نے بھی ان کار نہیں کیا بلکہ بیعت کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
ہم نے اپنے میں سے افضل ترین شخص کی بیعت کی اور ہم نے (افضل کے انتخاب ”
میں) کوتاہی نہیں کی“۔

دور عثمانؓ کے نمایاں کارنامے

اسلام میں اول وقف عام مسلمانوں کے لیے بیر رومہ خرید کر کیا۔ (۱)

بیت المال سے مؤذنین کے لیے وظائف کا تقرر فرمایا۔ (۲)

پولیس کا محکمہ قائم فرمایا۔ (۳)

تمام مسلمانوں کو ایک قرات پر متفق کیا، اسی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ (۴)

جامع القران" بھی کہلاتے ہیں۔"

(۵) جگہ جگہ ضرورت کے تحت سڑکیں اور پل تعمیر کرائے۔

(۶) مفتوحہ علاقوں اور ملکوں میں مساجد اور دینی مدارس قائم کیے۔

(۷) ملک شام میں سمندری جہازوں کے بنانے کا کارخانہ قائم کیا۔ جہاں لبنان کے جنگلات سے لکڑی لائی جاتی تھی۔

(۸) مدینہ کو سیلاب سے بچانے کے لیے ایک بند تعمیر کرایا۔

(۹) جگہ جگہ پانی کی نہریں نکلوائیں۔ مدینہ اور دوسرے شہروں میں نئے کنویں کھدوائے۔ غرض تعمیرات عامہ کے پیش نظر دوسرے شہروں میں بھی سرکاری عمارتیں، سڑکیں وغیرہ تعمیر کرائیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے رفاہ عامہ کے بہت کام کرائے۔

(۱۰) عرب میں اسلام سے پہلے سونے اور چاندی کے ایرانی اور رومی سکے رائج تھے۔ آنحضرت ااور خلیفۂ اول حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے وقت میں یہی سکے چلتے تھے۔ جب ایران فتح ہوگیا تو 18ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے ایرانی سکوں کے نمونوں پر مختلف وزن کے درہم ڈھالے گئے اور نقش میں تبدیلی کر دی گئی کسی پر لاالہ الا اللہ اور کسی پر محمد رسول اللہ اور کسی پر صرف عمرؓ تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں جو درہم و دینار ڈھالے گئے ان کا نقش "اللہ اکبر" تھا۔

خلیفۂ راشد کے خلاف زیرزمین سازش

کوفہ کی ایک جماعت جس میں اشتر نخعی، ابن ذی الحبکہ، جندب، صعصعہ بن

الکوار، کمیل اور عمیر بن ضابی وغیرہ خاص طور پر شامل تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ملک کی امارت اور سیاست پر صرف قریش کا حق نہیں۔ دوسرے مسلمانوں نے بھی ملک فتح کیے ہیں۔ اس لیے وہ بھی اس کے مستحق ہیں۔ اسی طرح بصرہ میں بھی ایک سازشی جماعت تھی۔ مفسدین کا سب سے بڑا مرکز مصر تھا جہاں ایک یہودی النسل عبد اللہ بن سبا نے الگ فرقہ بنایا ہوا تھا۔ یہ سب گروہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے اور بنوامیہ کے خاتمے پر متفق تھے۔ عبداللہ بن سبا نے ان سب جماعتوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت پر متحد کر دیا۔ اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ اقدام کیا کہ انھوں نے تمام گورنروں کو مدینہ منورہ میں طلب کیا اور مجلس شوریٰ بلائی گئی جس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مختصر تقریر کے بعد سب کی رائے طلب کی۔ ملک کے مختلف حصوں میں حالات کی تحقیق کے لیے وفود روانہ کیے۔ تمام ملک میں ہس گامی اعلان جاری کیا کہ جس کسی کو گورنر سے شکایت ہو وہ حج کے موقع پر خلیفہ سے بیان کرے۔ حج سے چند دن پہلے بصرہ، کوفہ اور مصر کے فتنہ پردازوں نے آپس میں طے کرکے اپنے اپنے شہر سے حاجیوں کے روپ میں مدینہ منورہ کا رخ کیا۔ شہر سے باہر قیام کرکے اپنے چند سرکردہ افراد کو باری باری حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ (تاریخ طبری۔ البدایہ والنہایہ)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مفسدین کے اجتماع کی خبر سنی تو حضرت علی رضی اللہ

عنہ سے فرمایا کہ آپ ان لوگوں کو راضی کرکے واپس بھیج دیں۔ میں ان کے جائز مطالبات تسلیم کرلوں گا۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سمجھانے پر وہ واپس چلے گئے، لیکن پھر بعد میں مسلح ہوکر مدینہ میں داخل ہوگئے ان کی تعداد 500 کے قریب تھی۔ اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہ حج پر گئے ہوئے تھے۔ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنھم موجود تھے انہیں بھی خلیفۂ وقت کی طرف سے مقابلے کی اجازت نہیں تھی، بلکہ سخت ممانعت تھی۔ باغی انتقام انتقام کے نعرے لگارہے تھے۔ انھوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے خلافت سے دست.برداری کا بھی مطالبہ کردیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے مفسدین سے فرمایا :

"جب تک مجھ میں جان باقی ہے میں اس خلعت (خلافت) کو جو اللہ تعالٰی نے مجھے پہنائی ہے خود اپنے ہاتھوں سے نہیں اتاروں گا اور حضور ا کی وصیت کے مطابق میں اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک صبر کروں گا"۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خلافت سے کنارہ کشی کا مطالبہ مسترد کردیا تاکہ دستور اسلامی کی حفاظت ہوسکے، تو مفسدین نے ان کے گھر کا محاصرہ کرلیا جو چالیس روز سے زائد تک جاری رہا، اس عرصہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل خانہ کا کھانا پینا بند کردیا اور ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا، حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ کو بھی یہ چیزیں نہ لے جانے دیں۔ باغیوں نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت طلحہ رضی

اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی بھی ایک نہ سنی اور جب خلیفہ راشد کے ان ساتھیوں نے جو اس وقت قصر خلافت میں ایک بڑی تعداد میں موجود تھے، مفسدین سے جنگ کرنے کی اجازت طلب کی تو فرمایا:

”میں باہر نکل کر ان سے جنگ کروں تو میں وہ پہلا خلیفہ نہیں بننا چاہتا جو امت محمدی کی خونریزی کرے“۔

پھر فرمایا ”اگر ایک شخص کا بھی ارادہ ہو تو میں اس کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں کہ وہ میرے لیے اپنا خون نہ بہائے“۔

گورنر شام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شام چلے آنے کی درخواست بھی مسترد کردی کہ میں دیارِ رسول کو نہیں چھوڑنا چاہتا۔

جمعرات کو آپ رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت ا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ و حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہیں اور ان سے فرمارہے ہیں: (عثمان ! جلدی کرو ہم تمھارے منتظر ہیں۔ (البدایہ والنہایہ

خلیفۂ راشد کی شہادت کا جاں سوز واقعہ:

باغیوں کو خطرہ تھا کہ حج کے ایام ختم ہونے والے ہیں، حجاج کی واپسی کے بعد ان کے لیے اپنے مقصد کی تکمیل ممکن نہ رہے گی، چنانچہ بالآخر انھوں نے آپ رضی اللہ عنہ کے گھر پر حملہ کردیا۔ حضرت زیاد، حضرت مغیرہ اور حضرت نیار اسلمی رضی اللہ عنھم شہید ہوگئے، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، محمد بن حاطب

رضی اللہ عنہ مروان اور حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ جو دروازے پر متعین تھے، مدافعت میں شدید زخمی ہوئے۔ چار باغی دیوار سے اندر کود گئے۔ اور آپ رضی اللہ عنہ پر پے درپے وار شروع کردیے۔ آپ کی بیوی نائلہؓ نے آگے ہاتھ کیا جس سے ان کی بھی تین انگلیاں کٹ گئیں، بالآخر بروز جمعہ بوقتِ عصر روزے کی حالت میں تلاوت قرآن کے دوران ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو انتہائی مظلومانہ طریقے سے خلیفہ ثالث جامع القرآن کامل الحیاء والعرفان حضرت سیدنا عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقریباً 84 سال کی عمر میں شہادت ہوگئی۔ شہادت کے وقت قرآن مجید کھلا ہوا تھا اور آپ رضی اللہ عنہ سورۃ بقرہ کی تلاوت فرمارہے تھے، آپ رضی اللہ عنہ کے جسم اطہر سے فواروں کی طرح نکلنے والے خون کے پہلے قطرے کو قرآن مجید نے اپنے اندر جذب کیا اور اس آیت پر آپ کا لہو مبارک گرا: ''فسیکفیکہم اللہ'' (اور اللہ تعالیٰ تم لوگوں کے لیے کافی ہوجائے گا) شہادت سے پہلے آپ رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ آخری کلمہ نکلا: ''بسم اللہ توکلت علی اللہ'' (اللہ کے نام کی برکت سے، میں نے اللہ تعالیٰ پر بھروسا کیا)۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر سن کر بڑے افسوس سے فرمایا: '' اے لوگو! اب تم پر ہمیشہ تباہی رہے گی''۔

ان کی یہ بات محض ان کے ظن وتخمین کی پیداوار نہ تھی بل کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اس بات کی نشان دہی فرمائی تھی کہ ۳۵ھ میں اسلام کی

چکی گھومے گی اور یہ بھی فرمایا تھا کہ جب ایک بار مسلمانوں کے درمیان تلوار چل پڑے گی تو وہ پھر کبھی نیام میں نہ جاسکے گی۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ یا حضرت جبیر رضی اللہ عنہ بن مطعم نے نماز جنازہ پڑھائی (اور جنت البقیع کے باغ میں دفن کردیے گئے۔ (رضی اللہ عنہ وارضاہ

مشاہیر کے ایام پر تعطیل ؟

جمہوری معاشرے کا حسن ہے کہ اس میں مشاہیر کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے ان کے ایام ولادت ووفات کو منایا جاتا ہے۔پاکستان میں بھی اس کے قیام کے بعد سے تاہنوز یہ سلسلہ جاری ہے ۔ مشاہیر کے دنوں کو منانے کی وطن عزیز میں ایک سب سے زیادہ رائج صورت یہ ہے کہ ان کے ایام وفات وولادت پر عام تعطیل کا اعلان کیا جاتا ہے۔اس دن تعلیمی اداروں سمیت دفاتر کو تالالگتا ہے۔یوں مشاہیر کے یہ ایام تفریح وآرام یا میل ملاقات کے ایام بھی بن جاتے ہیں کہ چھٹی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ملازمت پیشہ لوگ اس دن اپنے بچوں کے ساتھ تفریح پر نکل جاتے ہیں یااپنے جاننے والے دوست احباب اور بزرگوں سے ملاقات کی غرض سے ان کے ہاں چلے جاتے ہیں۔ان ایام میں چھٹی کا یہ اضافی فائدہ ہے ، ورنہ اس کا جو اصل مقصد ہے یعنی مشاہیر کو خراج عقیدت پیش کرنا، یہ بھی کسی نہ کسی حد تک یوں پورا ہو جاتا ہے کہ ان کی شخصیت اور خدمات کے حوالے سے ٹی وی چینلز پر وگرام نشر کرتے ہیں،مذاکرے اور سیمینارز منعقد کیے جاتے ہیں ، تقریبات کا اہتمام ہوتا ہے،اور کم از کم درجے میں اتنا توضرور ہوتا ہے کہ خلاف معمول چھٹی ہو جانے پر بچے اپنے بڑوں سے پوچھتے ہیں کہ آج ویک اینڈ بھی نہیں ، پھر بھی چھٹی کیوں ہے؟جس کے جواب میں انھیں چھٹی کی وجہ بننے والی شخصیت سے متعارف کرادیا جاتا ہے۔ چھٹی کے ان

فوائد کے پیش نظر ان کی کسی نے مخالفت نہیں کی اور وطن عزیز کے ہر طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگ ان چھٹیوں کے قائل ہیں۔

ذوالفقار علی بھٹو کے بعد میاں محمد نواز شریف وطن عزیز کے وہ دوسرے جہاندیدہ وانقلابی سربراہ ہیں جن کا نام تاریخ میں جہاں دوسرے متعدد حوالوں سے یاد رکھا جائے گا، وہاں چھٹیوں کے حوالے سے بھی ان کی ''اصلاحات'' بھلائی نہ جا سکیں گی۔یہ میاں صاحب کی خوبی ہے کہ انھوں نے دوسرے ایشوز کی طرح اس معاملے میں بھی اصلاحات فرمائیں۔ورنہ دوسرے حکم رانوں نے اس جانب توجہ نہ دی۔اپنے پہلے دور حکومت میں میاں صاحب نے جمعے کی چھٹی ختم کرکے اس کی جگہ اتوار کی عام تعطیل کا فیصلہ کیا۔اس پر کئی حوالوں سے اعتراضات بھی کیے گئے۔ایک قوی اعتراض تو یہ سامنے آیا کہ چوں کہ جمعے کی چھٹی ذوالفقار علی بھٹو کا کارنامہ ہے، جس کی وجہ سے وہ تاریخ میں یاد رکھے جاتے، اس ڈر سے میاں صاحب نے اس کارنامے کی شکل مسخ کر دی ہے۔مذہبی ودینی طبقات کی طرف سے جمعۃ المبارک کے تقدس واحترام اور فضیلت وانفرادیت کو سامنے رکھتے ہوئے اعتراضات کیے گئے۔قصہ کوتاہ ہر قسم کے اعتراضات ہوا میں تحلیل ہو کر رہ گئے اور میاں صاحب نے اپنے فیصلے کو برقرار رکھا۔اسی طرح گزشتہ سے پیوستہ برس انھوں نے ترجمان حقیقت علامہ محمد اقبالؒ کے یوم ولادت کی عام تعطیل ختم کرنے کا اعلان کیا۔اس اعلان کو جانے کیوں ٹھنڈے پیٹوں ہضم کیا گیا اور سیاسی ایوانوں میں

کوئی ہلچل نہیں ہوئی، شاید اس لیے کہ علامہ اقبالؒ کے نظریات کے برعکس آج کل سیاست دانوں کی اکثریت لبرل ازم کی دل دادہ ہے۔ خیر وجہ یہ تھی یا کوئی اور، بہر حال یہ فیصلہ بھی نافذالعمل ہوگیا۔ اس موقع پر پیپلز پارٹی اپنے بانی قائد کو بھی بھول گئی، کہ یوم اقبالؒ کی تعطیل بھی ان کا فیصلہ تھا۔ سب سے پہلے بھٹو صاحب نے 1977 کو سالِ اقبالؒ کے طور پر منانے کا فیصلہ کیا تھا، پاکستان میں یوم اقبالؒ کی تقریبات اس وقت تک 21 اپریل کو یعنی شاعر مشرق کے یوم وفات پر ہوا کرتی تھیں، مگر قومی سطح پر فیصلہ ہوا کہ اب 9 نومبر کو یوم اقبال کے طور پر منایا جائے گا۔ ہم یہ عرض کر رہے تھے ''وسیع تر قومی مفاد'' میں پی پی کو یہ بات یاد نہ رہی اور اس نے میاں صاحب کے اس فیصلے کی، جو انھوں نے امریکا واپسی کے فوری بعد کیا تھا، قبول کیا۔ چھٹیوں کے حوالے سے تیسری انقلابی اصلاح جو میاں صاحب نے کی، وہ گزشتہ برس قلیتوں کے مذہبی تہواروں پر چھٹی کی قرارداد کی منظوری ہے، اب وطن عزیز میں یوم پاکستان، یوم دفاع، یوم قائداعظم کی طرح ہولی، ایسٹر اور دیوالی بھی قومی دن ہیں، ان میں بھی تعطیل کی جاتی ہے اور ذرائع ابلاغ ان تہواروں کے حوالے سے معلوماتی پروگرام نشر کرتے ہیں۔ اس قرارداد پر بحث کرتے ہوئے اوروں کے ساتھ ساتھ وفاقی وزیر اطلاعات جناب پرویز رشید کا بھی یہ ماننا تھا کہ پاکستان میں چھٹیوں کی تعداد دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔ اس کا یہ حل نہ نکالا گیا کہ اس قرارداد کو مسترد کیا جاتا، بلکہ یہ انوکھا حل پیش کیا گیا کہ پاکستان میں چھٹیوں کے معاملہ پر

نظرثانی کرکے اقلیتوں کے تہواروں کی چھٹیوں کے لیے راہ نکالی جائے، سووہ راہ نکالی گئی اور اس کی زد میں مسلمانوں کے بڑے مذہبی تہوار یعنی عیدین کی چھٹیاں آئیں۔

جب بھی دین اسلام کی کسی اہم شخصیت کے ایام ولادت یاوفات وشہادت قریب آتے ہیں تو یہ آواز اٹھتی ہے کہ ان کے دن کو بھی سرکاری سطح پر منایاجائے اور عام تعطیل کااعلان کیا جائے۔اٹھارہ ذی الحجہ حضرت سیدنا عثمان غنیؓ کا یوم شہادت ہے۔اس مناسبت سے ایک بار پھر یہ آواز اٹھائی گئی۔مطالباتی جلوس نکالے گئے۔ریلیاں نکالی گئیں۔اگرچہ مطالبہ کرنے والے بھی بخوبی یہ بات جانتے ہیں کہ ان کے اس مطالبے کو وفاقی حکومت کبھی بھی منظور نہیں کرے گی۔اس کی وجوہات کیا ہیں؟ یہ بات نہیں کہ حضرت عثمان غنیؓ کی شخصیت اس کا استحقاق نہیں رکھتی، یہ بھی وجہ نہیں کہ وہ کوئی متنازع شخصیت ہیں، یہ وجہ بھی نہیں کہ ان کی چھٹی منظور کرنے سے ملک کسی قسم کی انارکی کا شکار ہوجائے گا۔ایسی کوئی وجہ نہیں،اس کے باوجود یہ چھٹی نہیں دی جاسکتی، یہ مطالبہ منظور نہیں کیا جاسکتا، یہ بیل منڈھے نہیں چڑھ سکتی۔

مطالبہ کرنے والوں سے اس کامدعا معلوم کریں تووہ بھی کہتے ہیں کہ ہم اسے کوئی دین کا حصہ نہیں سمجھتے۔ہم ایک جمہوری معاشرے میں رہتے ہیں اور جمہوری

طریقے سے ایک مطالبہ پیش کرتے ہیں۔ اگر شکاگو کے غیر مسلم مزدوروں کی قربانی کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے تعطیل کی جاسکتی ہے تو ایک خلیفہ راشد اور نبی اکرم ﷺ کے دوہرے داماد کے لیے یہ اقدام کیوں بروئے کار نہیں لایا جاتا؟ ان کی چھٹی سے جب ملک کو معاشی طور پر نقصان نہیں ہوتا یا ہوتا ہے مگر ان کی محبت میں گوارا کر لیا جاتا ہے، تو یہاں پیمانے کیوں بدل جاتے ہیں؟ ان کی بات میں کتنا وزن ہے یہ ہم قارئین پر چھوڑتے ہیں، ہمارا نقطہ نظر مگر مشاہیر کے ایام پر تعطیل کے حوالے سے ذرا مختلف ہے، وہ یہ کہ ان کے ایام پر دفاتر میں تو چھٹی ہو، لیکن تعلیمی اداروں میں چھٹی نہ ہو، بس معمول کے تعلیمی وتدریسی عمل کو معطل کرتے ہوئے اس دن اور اس شخصیت کی اہمیت اجاگر کی جائے۔ اس سلسلے میں ہم صرف عصری تعلیمی اداروں کی ہی بات نہیں کرتے، شکوہ ارباب وفا کے طور پر اہل مدارس سے بھی یہ گلہ کرتے ہیں، کہ آپ کے ہاں بھی اس حوالے سے غفلت کی جاتی ہے۔ اگر سرکار ان دینی شخصیات کے ایام پر تعطیل نہیں کرتی تو آپ کے ہاں اس حوالے سے کون سی بیداری پائی جاتی ہے؟ آپ کی حب الوطنی شک وشبہ سے کوسوں دور، لیکن یوم پاکستان، یوم دفاع، یوم قائد جیسے قومی تہواروں پر آپ کے ہاں چھٹی کیوں نہیں کی جاتی، چھٹی نہ سہی، ان دنوں کے حوالے سے کون سی آگہی فراہم کی جاتی ہے؟ الا ماشاء اللہ! اس سال یوم پاکستان کی مناسبت سے مدارس میں ہونے والی ہلچل کو سراہا جانا چاہیے، جو نہیں ہو سکا، لیکن مدارس کو بھی اپنے طرز عمل میں تبدیلی لانی ہوگی۔

حاصل یہ کہ حضرت عثمان غنیؓ ہوں یا کوئی اور دینی شخصیت،ان کے ایام کو سرکاری سطح پر منانے کا اہتمام کیا جانا چاہیے۔ذرائع ابلاغ میں اس حوالے سے معلوماتی پروگرامز اور اخبارات کے خصوصی ایڈیشن ایک اچھا آغاز ہیں،اس کے ساتھ ساتھ تعلیمی اداروں میں بھی تقریبات منعقد کی جانی چاہییں،چاہے وہ اسکولز،کالجز اور یونیورسٹیز ہوں یا مدارس۔سیاسی جماعتوں کو بھی اس سلسلے میں تقریبات کا انعقاد کرنا چاہیے،کیوں کہ خلفائے راشدینؓ،صحابہ کرامؓ،اہل بیت اور بزرگان دین رحمھم اللہ ، کسی خاص طبقے کے نہیں ،ہم سب کے ہیں۔

اہل اسلام کو سال نو مبارک

ہجری سال کا آغاز محرم الحرام سے ہوتا ہے۔ یہاں یہ امر جاننا ضروری ہے کہ عربوں کی اصل تقویم قمری تقویم تھی، مگر وہ مدینہ منورہ کے پڑوس میں آباد یہودی قبائل کی عبرانی (یہودی) تقویم کے طرز پر اپنے تجارتی اور ثقافتی فائدے کی خاطر خالص قمری کے بجائے قمری شمسی تقویم استعمال کرتے تھے۔ رسول اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اس قمری شمسی تقویم کو ہمیشہ کیلئے منسوخ فرما کر خالص قمری تقویم کو بحال رکھا جس کا آغاز ہجرت مدینہ کے اہم واقعے سے کیا گیا تھا، لہٰذا یہ تقویم ہجری تقویم کے، نام سے موسوم ہوئی۔ اس کی ابتدا خود حضور اکرم ﷺ کے حکم سے ہوئی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں سرکاری مراسلات میں ''اسلامی قمری ہجری'' تاریخ کا اندراج لازمی قرار دیا، یہ ان کا ایک ایسا کارنامہ ہے، جو ان کی یاد دلاتا رہے گا۔

انتہائی افسوس ناک امر ہے کہ آج کے مسلمان اور بالخصوص نئی پود کو، جو مستقبل کی معمار و صورت گر ہے، اسلامی ہجری تقویم کے مہینوں کے نام تک معلوم نہیں، اگرچہ دفتری ضروریات کے تحت گریگورین (عیسوی) کیلنڈر کا استعمال درست ہے، تاہم اسلامی مہینوں کے ناموں کا جاننا اور ان کی عظمت وفضیلت کا قائل ہونا بھی فرض

کفایہ ہے۔شریعت محمدیہ ﷺ میں احکام شرعیہ مثلاً: حج وغیرکا دارومدار قمری تقویم پر ہے۔ روزے قمری مہینے رمضان کے ہیں۔نزول قرآن بھی رمضان میں ہوا، عورتوں کی عدت، زکوۃ کے لیے سال گزرنے کی شرط وغیرہ سب قمری تقویم کے اعتبار سے ہیں ۔عیدین یعنی عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کا تعلق بھی قمری تقویم سے ہے۔ناس ہولارڈمیکالے کے وضع کردہ نظام تعلیم کا، جس نے ہمیں اسلاف کی دوسری زریں روایات کے ساتھ ساتھ اپنی اصل ہجری قمری تقویم بھی بھلادی۔ہمیں اپنے بچوں کواہتمام وخصوصیت سے اسلامی سال کے مہینوں کے نام یاد کرانے چاہییں۔

قمری تقویم کی بنیاد زمین کے گرد چاند کی ماہانہ گردش پر ہے اور ہر مہینے کا آغاز نئے چاند سے ہوتا ہے۔قمری تقویم میں تاریخ کا آغاز غروب شمس سے ہوتا ہے اور قمری مہینہ کبھی 29 دن کا اور کبھی 30 دن کا ہوتا ہے۔یوں قمری سال عموما354 دن اور بعض سالوں میں 355 دن کا ہوتا ہے۔اس کے برخلاف موجودہ رائج عیسوی تقویم میں آج کل دن کاآغاز رات بارہ بجے سے ہوتا ہےاوراس میں یہ بھی طے ہے کہ ہر سال کون سامہینہ کتنے دنوں کاہوگا، جب کہ فروری کا مہینہ عام سالوں میں 28 دن کا لیاجاتاہے اور لیپ (چارپر تقسیم ہونے والا ہر چوتھاسال)کے سالوں میں 29 دن کا ہوتاہے۔مہینوں کی یہ تعداد خود ساختہ ہے، کسی قاعدہ یا ضابطہ کے تحت نہیں البتہ سب مہینوں کے دنوں میں مجموعی تعداد365 اور لیپ کے

سالوں میں 366 دن ہوتی ہے۔

اس کے مقابل قمری تقویم میں ابہام ہے، جس میں کئی مصلحتیں پوشیدہ ہیں، مثلاً: بعض اہم مواقع پر اس ابہام سے پیدا ہونے والی انتظاری کیفیت (سسپنس) نہایت مسرت افزا ہوتی ہے، اہل اسلام عید الفطر کے ہلال کی امکانی رؤیت و عدم رؤیت سے پیدا ہونے والی انتظاری کیفیت میں چاند دیکھنے کی والہانہ کوشش کرتے ہیں۔ بچوں، جوانوں بوڑھوں، مردوں اور عورتوں کی چاند دیکھنے کی یہ مسرت آمیز مساعی ایک عجیب سماں، پیدا کرتی ہیں۔ اگر عید وغیرہ کا دن پہلے سے ہی سو فیصد یقین کے ساتھ متعین اور مقرر ہوتا تو یقیناً ہلال عید کی یہ خوشی نصیب نہ ہوتی۔ قمری مہینوں کی موسموں سے عدم مطابقت کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ بعض نہایت اہم احکام شرعیہ مثلاً: صیام رمضان کی تعمیل زندگی بھر میں تمام موسموں میں ممکن ہو جاتی ہے، مثلاً: ایک شخص اٹھارہ بیس سال کی عمر میں رمضان کے روزے رکھنا شروع کرتا ہے اور پچاس ساٹھ برس کی عمر تک جسمانی صحت کے لحاظ سے روزے رکھنے کے قابل رہتا ہے، تو وہ موسم گرما، موسم سرما، موسم بہار اور موسم خزاں یعنی سال کے تمام موسموں میں روزے رکھنے کی سعادت حاصل کر پائے گا۔ اگر اس طرح کے احکام کے لیے شمسی مہینے متعین کیے جاتے تو ساری عمر ایسے احکام کی تعمیل ایک ہی موسم میں ہوتی، بلکہ شمالی نصف کرہ اور جنوبی نصف کرہ کے موسمی تضاد کی وجہ سے بعض علاقوں اور ملکوں کے لوگ

موسم گرما میں اور دوسرے علاقوں کے لوگ موسم سرما میں ان احکام کی تعمیل کے لیے ہمیشہ پابند ہو کر رہ جاتے اور ان احکام کی بجاآوری کے سلسلے میں موسمی تغیرات کا فائدہ نہ اٹھا سکتے، اسلامی تقویم نے ہی یہ بات ممکن بنادی ہے۔اس کے علاوہ ماہرین نے قمری ہجری تقویم کی بعض دیگر خصوصیات بھی بیان کی ہیں، من جملہ ان میں یہ بھی ہے کہ جب سے سن ہجری کا آغاز ہوا ہے اس وقت سے لے کر آج تک اس میں کوئی ترمیم نہیں ہوئی، یہ خصوصیت غالباً صرف قمری تقویم ہی کو حاصل ہے۔ سن ہجری میں ہفتے کا آغاز جمعۃ المبارک کے دن سے ہوتا ہے، جو سید الایام یعنی تمام دنوں کا سردار ہے۔ ہجری تقویم میں شرک ، نجوم پرستی یا بت پرستی کا شائبہ تک نہیں ہے۔ مہینوں اور دنوں کے ناموں کو، دوسری تقاویم کی طرح کسی بادشاہ، سیارے یا دیوی ، دیوتا سے کوئی نسبت نہیں ۔شرائع سابقہ میں بھی دینی مقاصد کیلئے یہی تقویم مستعمل تھی بعد میں لوگوں نے اس خالص قمری تقویم میں تحریف کرتے ہوئے اسے شمسی یا قمری شمسی تقویم میں بدل ڈالا۔اس سال کا آغاز یکم محرم الحرام سے ہوتا ہے،اور محرم الحرام کا یہ دن ہمیں ایک عظیم اور لازوال قربانی کی یاد دلاتا ہے کہ اس دن مرادرسول حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ایک بین الاقوامی سازش کے نتیجے میں شہید کر دیا گیا تھا،اسی طرح اس مہینے کے ابتدائی دس دن ہمیں اہل بیت رسول ﷺ کی فقید المثال قربانی کی یاد دلاتے ہیں کہ دین کی خاطر کیسی کیسی نابغہ روزگار شخصیات کو خاک وخون میں تڑپایا گیا، للذا یہ دین جب بھی قربانی کا تقاضا کرے، ان عظیم

نفوس قدسیہ کی قربانیوں کو یاد کرکے قربانی کے لیے بصد دل وجان تیار ہو جانا، کہ دانہ خاک میں مل کر گل وگل زار ہوتا ہے۔

اہل اسلام کو نئے سال کی مبارک باد دینے کے ساتھ ساتھ ہم یہ پیغام بھی دینا چاہتے ہیں کہ ہمیں اپنی اصل پہچان یعنی اسلامی ہجری سال کو بالکل نہیں بھلادینا چاہیے، بلکہ اس کے نام بھی یاد رکھنے چاہییں اور اسے استعمال بھی کرنا چاہیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ آئندہ چند سالوں میں ہماری نئی پود کے ذہنوں سے یہ تصور ہی محو ہو جائے کہ ہم بھی ایک زندہ جاوید تہذیب وتاریخ کے امین ہیں، ہمارا بھی ایک شاندار ماضی ہے، ہمارا بھی ایک تشخص ہے۔

نصف صدی کا قرض چکا دیا

نام کتاب...... تنویر النبراس علیٰ من انکر تحذیر الناس

مصنف...... حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

صفحات......240

تحقیق...... مولانا حافظ محمد اسحاق، استاذ مرکز اہل السنت، سرگودھا

قاسم العلوم والخیرات بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی صدیقیؒ کی شخصیت وخدمات محتاج تعارف نہیں۔ دارالعلوم دیوبند اور دنیا کے ہر شہر، گاؤں، دیہات، قصبہ، قریہ اور چپے چپے پر قائم مدارس دینیہ ان کی نیکیوں میں تا قیام قیامت اضافے کا باعث بنتے رہیں گے۔ حضرت نانوتویؒ نے کئی علمی شہ پارے بھی یادگار کے طور پر چھوڑے ہیں۔ جن میں سے ایک ''تحذیر الناس'' بھی ہے، جس میں حضرت نانوتویؒ نے مفسر قرآن حضرت سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ایک ارشاد مبارک کی حکیمانہ تشریح فرمائی ہے اور مقام نبوت کو ایک انوکھے، اچھوتے اور دل نشیں مگر ادق انداز میں بیان فرمایا ہے۔ یہ ایک خوانِ یغما ہے، جس سے ہر شخص اپنے ظرف، طلب اور استعداد کے مطابق حصہ پاتا ہے۔ ''تحذیر الناس'' کیا ہے؟ مولانا معین الدین اجمیریؒ کے شاگرد معروف عالم دین مولانا پیر قمر الدین سیالویؒ سے سنیے، وہ فرماتے ہیں:

میں نے تحذیرالناس کو دیکھا۔ میں مولانا محمد قاسم صاحبؒ کو اعلیٰ درجے کا مسلمان ''سمجھتا ہوں، مجھے فخر ہے کہ میری حدیث کی سند میں ان کا نام موجود ہے۔'' (ڈھول کی آواز صفحہ 116)

دوسری طرف کچھ بدنیت وکج فہم لوگ ایسے بھی تھے، جنھوں نے اس کتاب کی اشاعت کے بعد آسمان سَر پر اُٹھالیا۔ ان میں مولانا عبدالقادر بدایونی سرفہرست تھے، انہوں نے ''قولِ فصیح'' کے نام سے باقاعدہ ایک کتاب لکھوا کر تقسیم کی، جس میں سوائے دشنام و بہتان طرازی کے کچھ نہ تھا، میرٹھ کے ایک سفر میں کسی نے حضرت نانوتویؒ کو یہ رسالہ دکھایا، آپؒ نے اسے ملاحظہ فرمایااور جس صفحے سے ''تحذیرالناس'' کے حوالے سے ختم نبوت کی بحث چھیڑی گئی تھی، اسی صفحے کے حاشیے پر اس کا جواب لکھنا شروع کیا، اس کا نام ''ردّ قولِ فصیح'' رکھا جو بعد میں ''تنویرالنبراس علیٰ من انکر تحذیرالناس'' کے نام مشہور ہوا۔

.برادرم حافظ مولانا محمد اسحاق نے تلاش بسیار کے بعد تنویرالنبراس'' کے متعدد نسخے حاصل کیے، ان کا عرق ریزی سے مطالعہ کیا، ان کی تحقیق و تخریج میں اپنی توانائی صرف کی، حاشیے میں وضاحت طلب امور کی وضاحت کی، نسخوں کے متون میں موجود فرق بیان کیے، کہیں حضرت نانوتویؒ کی عبارت آج کل کی علمی سطح سے ماورا نظر آئی تو اسے آسان کیا، حضرت نانوتویؒ نے اس وقت کے مخاطبین

کی سمجھ کو سامنے رکھتے ہوئے اگر کہیں صرف اشارات سے کام لیا تھا تو اس کی وضاحت و تفصیل بیان کردی۔ غرضیکہ مولانا محمد اسحاق صاحب نے علمائے دیوبند پر ''تنویر النبراس' کے حوالے سے اب تک جو تحریری قرض تھا، اسے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے وصال کے تقریباً 138 سال بعد، بحسن و خوبی چکانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

ابتدا میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے حالاتِ زندگی پر بھی محققانہ روشنی ڈالی ہے، تاکہ کتاب کے مطالعے سے پہلے قاری کے سامنے اس عبقری کی شخصیت کا ایک ایسا تاثر ابھر کر آجائے، جو کتاب کے مندرجات کے سمجھنے میں معاون ثابت ہو۔ اس کے بعد مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی کی کتاب ''قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ'' سے ''ردِ قولِ فصیح'' کا تعارف و پس منظر درج کردیا ہے۔ یہ سلسلہ کتاب کے صفحہ نمبر 25 تک چلا گیا ہے۔ ''تنویر النبراس'' کا متن اور اس پر تحقیق و تخریج کا سلسلہ صفحہ نمبر 27 سے شروع ہوتا ہے اور صفحہ 142 پر پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے۔ صفحہ 143 سے آخر کتاب تک استاد محترم حضرت مولانا محمد سیف الرحمٰن قاسم مدظلہ کی کتاب ختم نبوت اور صاحبِ تحذیر الناس'' کو بطور ضمیمہ شامل کیا گیا ہے۔ مولانا سیف'' الرحمٰن نے یہ کتاب سید بادشاہ تبسم بخاری نامی ایک بریلوی مصنف کی کتاب ''ختم نبوت اور تحذیر الناس'' کے جواب میں لکھی ہے اور حضرت مولانا محمد

قاسم نانوتویؒ کی بے غبار شخصیت پر اُڑائے گئے غبار کو صاف کرکے حقیقت کو مجلّیٰ و مصفّٰی کیا ہے۔

کتاب گوناگوں خوبیوں کی حامل ہے۔ کتاب کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس کے آخر میں ممتاز عالم دین، صاحبِ ضیاء القرآن حضرت پیر جسٹس (ر) محمد کرم شاہ کے تحذیر الناس'' کے حوالے سے لکھے جانے والے خط کا عکس ہے، جس کی ابتدا ان الفاظ'' سے ہوتی ہے: ''حضرت قاسم العلوم کی تصنیف لطیف مسمّٰی بہ ''تحذیر الناس'' کو متعدد بار غور وتأمل سے پڑھا اور ہر بار نیا لطف و سرور حاصل ہوا..... جہاں تک فکرِ انسانی کا تعلق ہے حضرت مولانا قدس سرّہ کی یہ نادر تحقیق کئی شپرہ چشموں کے لیے سرۂ بصیرت کا کام دے سکتی ہے، رہے فریفتگانِ حسنِ مصطفوی تو ان کے بے قرار دلوں اور بے تاب نگاہوں کی وارفتگیوں میں اضافہ کا ہزار سامان اس میں موجود ہے۔'' اور اختتامیہ کے طور پر فرماتے ہیں: ''ختم نبوت کا یہ ہمہ گیر مفہوم جو مبداء اور مال، ابتدا اور انتہا کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے ((جو تحذیر الناس میں بیان ہوا ہے۔ راقم) اگر امتِ ''مرزائیہ کی علمی سطح سے بلند تر ہو تو اس میں کسی کا کیا قصور؟

بحیثیتِ مجموعی کتاب ظاہری و معنوی خوبیوں کی حامل ہے۔ اہلِ علم کے لیے گراں قدر تحفہ اور ہر کتب خانے اور لائبریری کی زینت بننے کے قابل ہے۔ (یہ

کتاب مرکز اہل السنت، سرگودھا (0300-3166018)، دارالنعیم، لاہور (0301
مولانا ابوایوب قادری، جھنگ (0301-7227373)، مفتی نجیب، (4441805-
اللہ عمر، کراچی (0334-4725175) سے طلب کر سکتے ہیں

دینی مدارس وجامعات پر اعتراضات..... کتنی حقیقت کتنا فسانہ؟

ہمارے معاشرے کا ایک بہت بڑا المیہ عدم برداشت ہے، مجموعی طور پر ہماری سوسائٹی سے برداشت و تحمل مزاجی رفتہ رفتہ ختم ہوتی جارہی ہے۔ ہمارا دوسرا المیہ یہ ہے کہ ہم کسی بھی چیز کا جائزہ ایک مخصوص عینک سے لیتے ہیں اور رائے پہلے قائم کرچکے ہوتے ہیں جس میں کسی قسم کی تبدیلی کے لیے بھی تیار نہیں ہوتے، اگرچہ زمینی حقائق کی روشنی میں ہماری وہ رائے غلط اور قابل اصلاح ہو، مگر ہم اپنی ہی رائے پر بے جا اصرار کرتے ہیں۔ ہمارا تیسرا المیہ یہ ہے کہ ہم کسی بھی چیز کا منفی پہلو دیکھنے کے عادی ہوچکے ہیں، جس کی وجہ سے ہم اکثر عدل وانصاف کے دامن کو ہاتھ سے چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ اس میں رائے عامہ پر اثرانداز ہونے والے اداروں بالخصوص میڈیا کا بہت بڑا کردار ہے۔ لیکن سارا نزلہ میڈیا پر بھی نہیں گرایا جاسکتا، کیونکہ اللہ تعالی نے ہر انسان کو عقل و شعور کی نعمت عطا فرمائی ہے۔ جس سے کام لے کر درست نتیجے تک پہنچا جاسکتا ہے۔ اسلام نے ہمیں انتہاپسندی نہیں، حقیقت پسندی کا درس دیا ہے۔

ہمارا یہ دعویٰ نہیں کہ دینی مدارس، جن میں ناظرہ قرآن مجید سے لے کر حفظ تک اور ابتدائی دینی تعلیم سے لے کر عالم و مفتی سطح کی تعلیم دینے والے تمام

مدارس شامل ہیں، ہر قسم کی کمی و کوتاہی سے پاک ہیں ،نہ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ مدارس میں اصلاح طلب کوئی بات نہیں ، لیکن یہ ضرور ہے کہ مدارس پر کیے جانے والے اکثر اعتراضات ایسے ہیں ، جنھیں عدل وانصاف کی میزان پر تولا جائے اور غیر جانب داری کی کسوٹی پر پرکھا جائے تو ان کی کوئی منطقی وواقعی حیثیت و حقیقت نظر نہیں آتی۔اس تحریر میں ہماری کوشش ہوگی کہ مدارس پر ہونے والے بڑے بڑے اعتراضات کو سامنے رکھتے ہوئے حقیقت واقعہ سامنے لائی جائے۔

مدارس ملک کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے ادارے ہیں، ان کا نظم و نسق ملکی قوانین کو سامنے رکھ کر بنایا جاتا ہے،ارباب مدارس حکومت کی جانب سے دی جانے والی ہدایات پر عمل کرتے ہیں۔جس کے نظائر تو بے شمار ہیں ،ان میں سے چند کے ذکر کو کافی سمجھتے ہوئے ہم زیادہ تفصیل میں جانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے ۔پرویز مشرف کے دور میں غیر ملکی طلبہ کا پاکستانی مدارس میں داخلہ این او سی کے ساتھ مشروط کیا گیا،اس پر عمل کرتے ہوئے مدارس نے اپنے داخلہ فارم کے ساتھ دیگر دستاویزات کے ساتھ این او سی لازمی کردی، بعد ازاں مزید قدغنیں لگائی گئیں تومدارس میں ان طلبہ کے داخلے کے دروازے سرے سے بند کردیے گئے،اب سوائے معدودے چند مدارس کے، کسی مدارسے میں غیر ملکی طلبہ نہیں اور جن مدارس میں ہیں،ان کی انتظامیہ کے پاس باقاعدہ وزارت خارجہ وداخلہ کے اجازت نامے موجود ہیں۔آرمی پبلک اسکول پر سفاکانہ حملے کے بعد جب ملک کی

سیاسی و عسکری قیادت نے متفقہ طور پر دہشت گردوں کے خلاف نیشنل ایکشن پلان ترتیب دیا، تواہل مدارس نے اس کا خیر مقدم کیا، دہشت گردوں کے خلاف جب آپریشن ضرب عضب شروع ہوا، مدارس نے اس کی حمایت کی۔ مدارس کی رجسٹریشن سے لے کر جیوٹیکنگ تک، ہر قانون کومدارس نے بسر و چشم تسلیم کیااور کسی قسم کی مزاحمت نہیں کی۔ آئے روز ایجنسیاں معلومات لینے کے لیے مدارس میں آتی ہیں، کسی مدرسے نے کبھی کسی ایجنسی کو نہیں روکا اور فوج وپولیس ہویاسول ایجنسیاں، سب کوخوش آمدید کہا، کہ آپ ملک کی سرحدوں کے محافظ ہیں، آپ کواس سلسلے میں ہماری طرف سے جو تعاون چاہیے ہم اس کے لیے تیار ہیں۔

مدارس نے دورجدید کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے نصاب تعلیم میں اصلاح و ترمیم سے کبھی انکار نہیں کیا۔ الحمدللہ! تمام وفاق ہائے مدارس کی باقاعدہ نصاب کمیٹیاں ہیں، جو ضرورت کے تحت نصاب میں تبدیلی کرتی رہتی ہیں۔ مدارس کے نصاب میں سائنس وریاضی، معاشرتی علوم و مطالعہ پاکستان اور اردو وانگریزی نصاب کا لازمی حصہ ہیں۔مدارس میں باقاعدہ اسکول وکالج سسٹم قائم ہے، جس کا متعلقہ بورڈز سے الحاق ہے۔حال ہی میں انٹرمیڈیٹ کے امتحانات میں پنجاب بورڈ سے تینوں امتیازی پوزیشنیں لینے والے مدارس کے طلبہ تھے۔ مدارس کمپیوٹر ٹیکنالوجی کی تعلیم بھی دے رہے ہیں۔ بڑے بڑے مدارس میں باقاعدہ آئی ٹی ڈیپارٹمنٹس قائم ہیں، جو ٹیکنکل بورڈز سے منظور شدہ ہیں اور کورس کی

تکمیل پر بورڈ ان طلبہ وطالبات کا امتحان لے کر باقاعدہ سرٹیفکیٹ جاری کرتے ہیں۔

مدارس اپنے محدود وسائل میں رہتے ہوئے اپنے طلبہ وطالبات کو جدید تعلیم سے بھی روشناس کرا رہے ہیں،مدارس نے اپنے طلبہ وطالبات پر جدید تعلیم کے دروازے کبھی بند نہیں کیے،یونیورسٹیز میں جاکر دیکھا جاسکتا ہے مدارس کے سیکڑوں طلبہ وطالبات M.A،ایم فل اور PH.D کر رہے ہیں۔مدارس میں ماس کمیونیکیشن کی تعلیم بھی دی جاتی ہے،میڈیا ورکشاپس کے ساتھ ساتھ کئی مدارس میں اس کے باقاعدہ شعبے قائم ہیں۔مدارس کے سیکڑوں فضلا اس وقت الیکٹرانک وسوشل میڈیا میں سرگرم خدمت ہیں ،پرنٹ میڈیا میں ان کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے، تقریباً ہر مدرسے کا ہفت روزہ،ماہانہ یا سہ ماہی آرگن، علما وطلبا کے اخبارات میں شایع ہونے والے کالم ومضامین اور تصنیفی وتالیفی خدمات اس پر شاہد عدل ہیں۔یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اردو زبان کی خدمت میں مدارس عصری درس گاہوں سے کہیں آگے ہیں۔

مدارس پر ایک اور الزام بھی بہت عرصے سے لگایا جارہا ہے،وہ ہے دہشت گردی کا الزام،حالاں کہ آج تک کسی مدرسے میں جہادی ٹریننگ ثابت نہیں کی جاسکی۔ کسی مدرسے سے کسی قسم کا کوئی اسلحہ برآمد نہیں ہوا۔ کسی مدرسے نے کسی بھی عسکریت پسند گروہ کی حمایت نہیں کی۔ ہاں ! یہ ضرور ہے کہ ملک کے عظیم تر مفاد میں اہل مدارس نے ہمیشہ ریاست کا تعاون کیا ہے۔یہ نوے کے عشرے کی بات ہے،جب

ریاست نے افغان جہاد اور روس کے سرخ ریچھ کو شکست دینے کے لیے مدارس سے نفری مانگی تھی، مدارس نے یہ نفری فراہم کردی، ان لوگوں کو جہادی ٹریننگ دی گئی، انھوں نے افغانستان میں اپنی کارروائیوں سے روس کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا، تب یہ لوگ مجاہد کہلاتے تھے۔ اب نائن الیون کے بعد، اگر ریاست کی پالیسی بدل گئی ہے اور نئی پالیسی کے مطابق یہ لوگ مجاہد سے دہشت گردی کی سطح پر آچکے ہیں، تو ان لوگوں کے ہاتھ روکنا ریاست کا کام ہے نہ کہ مدارس کا۔ اس کا الزام مدارس کو دینا انصاف کے تقاضوں کے یک سر خلاف ہے۔اس کے باوجود مدارس سے پڑھے ہوئے کسی بھی فرد نے ریاست کی رٹ کو چیلنج کرنے کی انفرادی یا اجتماعی طور پر کوشش کی ہے، تو ہمیشہ مدارس نے اس کے مقابلے میں ملکی قانون کو ترجیح دی ہے۔۔ یہ بات بھی اب کوئی سربستہ راز نہیں رہی ہے کہ عسکریت پسند جماعتوں میں مدارس سے زیادہ کالجوں، یونیورسٹیوں کے لوگ ہوتے ہیں، آپ لشکر جھنگوی اور ٹی ٹی پی سے جماعت الدعوہ، حرکت المجاہدین اور جیش محمد تک، سپاہ محمد سے مجلس وحدت المسلمین تک، خود تجزیہ کرکے دیکھ لیجیے، آپ ہم سے اتفاق ہی کریں گے، لیکن یہ انوکھی منطق ہے کہ اس بنیاد پر کالجز اور یونیورسٹیز پر دہشت گردی کا الزام نہیں لگایا جاتا۔ بایں ہمہ، ملک کے تمام مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے مدارس کی مشترکہ تنظیم اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ نے ہمیشہ حکومت اور اداروں کو یہ پیشکش کی ہے کہ آپ کو کسی بھی مدرسے میں کوئی مشتبہ دہشت گرد کے بارے میں علم ہے تو ہمیں بتلائیں، ہم اسے آپ کے

حوالے کریں گے۔ آپ کو کسی بھی مدرسے کے حوالے سے یہ تحقیق ہے کہ وہ مدرسہ قابل اعتراض سرگرمیوں میں ملوث ہے، تو ہمیں بتائیں ہم اس مدرسے سے لاتعلقی کا اعلان کردیں گے۔ انصاف سے بتلایئے! مدارس اس سے بڑھ کر کیا کرسکتے ہیں؟

حکمراں طبقے کی طرف سے بڑے زوروشور سے یہ بات کی جاتی ہے کہ ہم مدارس کو مین اسٹریم لائن ''اور'' قومی دھارے ''میں لانا چاہتے ہیں۔ مدارس اس بات کا'' خیرمقدم کرتے ہیں، لیکن اس کے لیے اب تک کیا اقدامات کیے گئے ہیں؟ سرکاری ملازمتوں میں ہمارے طلبہ وطالبات کے لیے کوئی کوٹہ مختص نہیں، حکومت نے ہمارے اداروں سے پڑھے ہوئے ٹیلنٹڈ افراد کو استعمال کرنے کے لیے کون سا موقع فراہم کیا ہے؟ اہل مدارس اوران طلبہ وطالبات کے سرپرست، سبھی یہ چاہتے ہیں کہ یہ لوگ، جن کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہے، مدارس سے تعلیم وتربیت حاصل کرنے کے بعد'' مین اسٹریم لائن'' میں جائیں اور ملک وقوم کی خدمت کریں، لیکن جب وہاں خود ہی دروازے بند کردیے گئے ہیں، تو اس میں قصور کس کا ہے؟ کسی بھی کالج/یونیورسٹی میں جاکر معلوم کیجیے ہمارا کتنا بڑا طبقہ عصری تعلیم حاصل کررہا ہے، لیکن فرسٹ ڈویژن میں کامیاب ہونے کے باوجود وہ ملازمتوں سے محروم رہتے ہیں۔ آخر کیوں؟ اس ناانصافی کے خلاف آواز اٹھانا کس کا کام ہے؟ کیا مدارس سے وابستہ ہونا اتنا بڑا جرم ہے کہ انہیں جائز اور

قانونی حقوق سے بھی محروم کر دیا جائے؟

مدارس پر ایک اعتراض یہ ہے کہ یہ اپنے ہاں پڑھنے والوں کی ایسی وضع قطع بناتے ہیں کہ وہ اپنے اس گیٹ اپ میں معاشرے کے لیے اجنبی نظر آتے ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ داڑھی پردہ اور کرتہ شلوار، مدارس کا مخصوص گیٹ اپ نہیں، یہ ہمارے نبی ﷺ کا عطا کردہ گیٹ اپ ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ آپ مغربی لباس پہنیں مولوی کو برداشت ہے، وہ اس پر کوئی اعتراض نہیں کرتا، کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ یہ آپ کا انسانی حق ہے، جو آپ سے سلب نہیں کیا جاسکتا، پھر اگر مولوی اور طالب علم داڑھی اور کرتے شلوار کا استعمال کرتا ہے تو آپ اسے یہ انسانی حق دینے کے لیے آمادہ کیوں نہیں ہیں؟ پردہ مسلمان عورت کا پیدائشی حق اور دینی فریضہ ہے، آپ مسلمان عورت کو یہ حق دینے کے لیے تیار کیوں نہیں ہیں؟ کیا یہ تنگ نظری نہیں کہ مولوی ومدرسہ تو آپ کی وضع قطع پر کوئی قدغن نہیں لگاتا اور آپ کو ان کی وضع قطع تک برداشت نہیں۔

جہاں تک مدارس کے نظام میں خامیوں کا تعلق ہے تو اس سے انکار نہیں۔ ہزاروں طلبہ وطالبات کو چوبیس گھنٹے قیام و طعام اور صحت و تعلیم کی سہولیات فراہم کرنے والے اداروں میں اگر خال خال کسی انتظامی خامی اور کمی کا نظر آنا کوئی انوکھی بات نہیں۔ اخلاقی کمزوریاں بھی ہو سکتی ہیں، کیا یہ سب کچھ

ہاسٹلز میں نہیں؟ جہاں بھی اتنا بڑا مجمع ایک ساتھ رہے گا، وہاں اکّا دکّا کمزوریاں ہونا لازمی امر ہے، لیکن مدارس میں اس کا تناسب نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس کے باوجود اس سلسلے میں مدارس میں بہتر سے بہتر انتظامات بھی کیے جاتے ہیں۔

ہاں! ارباب مدارس پر ایک اعتراض، جو پورے زور وشور سے کیا جانا چاہیے، وہ یہ ہے کہ مدارس اپنے فضلا کو معاشی استحکام فراہم کرنے میں ناکام ہیں، مدارس میں انتظامیہ اور عملے کے درمیان ایک بہت بڑی خلیج حائل ہے۔ اہل اہتمام کا شاہانہ کروفر اور وہاں خدمات انجام دینے والوں کی ناگفتہ بہ مالی حالت، یہ ایک بہت بڑا سوالیہ نشان ہے۔ مدارس کو اس پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے کہ وہ آٹھ سے دس سال تمام علوم وفنون پڑھنے کے باوجود اپنے فاضل کو، جو ان کے ہاں خدمات انجام دیتا ہے، ایک چپراسی کے برابر بھی مشاہرہ نہیں دیتے۔ اس کے برعکس یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ جو لوگ عصری درس گاہوں کے پڑھے ہوئے ہیں اور ان اداروں میں کوئی خدمت انجام دیتے ہیں، ان کا مشاہرہ بھی معقول ہے۔ المیہ ہے کہ عربی وفارسی کی دقیق ترین کتابیں پڑھانے والوں، جنھوں نے اس مقصد کے لیے اپنی عمریں وقف کی ہوتی ہیں، کی خدمات کی یہ قدر ہے کہ ان کو ایک مزدور کے برابر بھی مشاہرہ نہیں ملتا، دوسری طرف مہتمم حضرات اور ان کے چمچوں کے بیرونی دورے، پر تعیش زندگی، شاہانہ لائف اسٹائل، بلاشبہ یہاں بھی امیر شہر اور غریب شہر والی وہ

تفریق نظر آتی ہے، جو عارف شفیق نے اس شعر میں بیان کی ہے
غریب شہر تو فاقے سے مر گیا، عارف
امیر شہر نے ہیرے سے خود کشی کر لی
اسی طرح مدارس کو ایک قدم اور بھی اٹھانا چاہیے، وہ یہ کہ ان کی حب الوطنی کسی شک وشبہ سے بالاتر ہے، تاہم اگر وہ مشاہیر کے ایام پر تعطیل کر لیا کریں، تو ان کی حب الوطنی کو چار چاند لگ جائیں گے۔

یاد رکھیے! ان مدارس اور علمائے کرام کے دم سے اللہ تعالیٰ کا دین زندہ ہے، مدارس علوم دینیہ کے مراکز ہیں، انہیں قائم رہنے دیجیے، یہ دین اور قرآن وسنت کی نرسریاں ہیں، ان کی آبیاری کیجیے، حکیم الامت شاعر مشرق علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ کے اس خطبے میں موجود پیغام کو سمجھنے کی کوشش کیجیے، انھوں نے کہا تھا:
"ان مکتبوں کے اس طرح رہنے دو، غریب مسلمانوں کے بچوں کو اس میں پڑھنے دو، اگر یہ مُلّا اور درویش نہ رہے تو پتا ہے کیا ہوگا؟ جو ہوگا میں اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں۔ اگر ہندوستانی مسلمان ان دینی مدارس کے اثر سے محروم ہو گئے، تو بالکل ایسا ہوگا جس طرح اندلس میں مسلمانوں کی 800 برس کی حکومت کے باوجود آج غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈرات اور الحمراء کے نشانات کے سوا، اسلام کے ماننے والوں اور اسلامی تہذیب کے آثار کا کوئی نقش نہیں

کوئٹہ میں موت کا رقص، پس چہ باید کرد؟

ملک میں امن وامان کی صورت حال پہلے کے مقابلے میں بہت بہتر ہو گئی ہے۔الحمدللہ! نہ اب کراچی پہلے کی طرح آسیب زدہ رہا ہے اور نہ ہی کوئٹہ میں خوف ودہشت کا عفریت ننگا ناچ رہا ہے۔دھماکے کم ہو گئے ہیں۔عوام نے سکون کا سانس لیا ہے۔اس میں پاک فوج کا کردار کسی سے مخفی نہیں، بلکہ اصل کریڈٹ جاتا بھی فوج ہی کو ہے۔کوئٹہ کی تو آبادی سے زیادہ چیک پوسٹیں قائم ہیں۔سیکورٹی ہر وقت الرٹ ہے۔اس کے باوجود ایک بار پھر کوئٹہ کو خون میں نہلا دیا گیا ہے۔اس بار نشانہ پولیس ٹریننگ سینٹر میں تربیت حاصل کرنے والے ریکروٹ بنے ہیں۔ان کے غم میں پورا ملک سوگ میں ڈوبا ہوا ہے، ہر شخص ان کے لواحقین کے دکھ کو اپنے دکھ کی طرح محسوس کر رہا ہے۔اللہ کرے ان کے خون کی سرخی سے امن وآشتی کی صبح نو طلوع ہو جائے۔ ہمارے سیکورٹی اداروں کی مستعدی کسی شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ان کی تیز نگاہیں مستقبل کے خطرات کو بھی قبل از وقوع بھانپ لیتی ہیں۔اب بھی کہا جا رہا ہے کہ دہشت گردوں کی صف بندی کی ہمیں پہلے سے اطلاع تھی۔ان کا منصوبہ عاشورہ میں شہر کو لہو لہو کرنے کا تھا، جس میں ناکامی کے بعد پولیس ٹریننگ سینٹر پر یہ بزدلانہ حملہ کیا گیا۔لشکر جھنگوی العالمی ہو یا جماعت الاحرار، ہر واقعے کے

بعد ان کے نام لیے جاتے ہیں، یا یہ خود ذمے داری قبول کر لیتے ہیں۔ ان کی تلاش میں ملک بھر میں سرچ آپریشنز بھی ہوتے رہتے ہیں۔ کومبنگ آپریشنوں میں بھی ان کو ہدف بنایا گیا، پھانسیاں بھی ان کے لوگوں کو دی جا چکی ہیں، ان کی کمر توڑنے کے دعوے بھی ہر سطح پر کیے جاتے رہے ہیں، یہ انکشاف بھی نیا نہیں کہ دوسرے صوبوں میں ناکامی کے بعد انھوں نے بلوچستان کا رخ کر لیا ہے۔ لیکن سوال مگر یہ ہے کہ کیا یہ اس قدر طاقت ور ہیں کہ ریاست اب تک ان کا قلع قمع نہیں کر سکی۔ ان کی فنڈنگ کے ذرائع مسدود ہیں، ان کا جماعتی شیرازہ بکھیرا جا چکا ہے، ان کے شہ دماغ اکثر مارے گئے ہیں یا پس دیوار زنداں ہیں، سہولت کار بھی دھرے جا چکے ہیں، پھر..... اس کے باوجود یہ اتنے طاقت ور اب بھی ہیں۔ اس کی وجوہات پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

سول ہسپتال حملے میں شہادتوں کے بعد مولانا محمد خان شیرانی نے کہا تھا کہ ہمیں حقیقت پسندی کا ثبوت دینا چاہیے، دشمن ہمارے بیچ میں ہے، ہم میں سے ہے، آخر ہم اس بات کا اعتراف کیوں نہیں کرتے۔ ان کی تقریر عوامی ترجمانی پر مشتمل تھی۔ عوام یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہیں کہ آخر ہمیں کب تک تر نوالہ سمجھا جاتا رہے گا، ہم اس خوف کی فضا سے کب نکلیں گے، ٹی ٹی پی کا خوف کچھ کم ہوا تو جماعت الاحرار سامنے آ گئی، اس کے حصار سے کچھ آزاد ہوئے تو لشکر جھنگوی العالمی کا عفریت ہمیں نگلنے کے لیے پر تولنے لگا، آخر ریاست ان کا قلع قمع کرنے میں کیوں ناکام ہے۔ مانا کہ اب روز روز دھماکے نہیں ہو رہے، پہلے جیسی خوف

ودہشت کی فضانہیں ہے، لیکن دہشت گرداپنے پر ہدف میں کامیاب کیوں ہو جاتا ہے؟اس کے خلاف پہلے سے صف بندی کرنا کس کی ذمے داری ہے؟اتنے بڑے ٹریننگ سینٹر کی دیواریں مٹی کی تھیں،اس جانب پہلے توجہ کیوں نہ دی گئی۔کیایہی ہوتارہے گاکہ واقعہ ہونے کے بعد،اداروں کو ہوش آئے گا؟نقصان ہونے سے پہلے اس کی پیش بندی کرنادانش مندی ہے،زخم کھاکر توہر کوئی چوکنا ہوجاتاہے۔یہاں توزخم کھانے کے بعد بھی بیداری کاجو عالم ہوتاہے،وہ کسی مخالف کی نہیں ،وزیرداخلہ کی زبانی سنیے،اسلام آباد میں نیشنل پولیس اکیڈمی اسلام آباد میں پاسنگ آؤٹ پریڈ کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے انھوں نے اس کی ٹائمنگ کی جانب یوں اشارہ کیا: ہمارا یہ مسئلہ ہے کہ کسی بھی واقعہ کے بعد 20 دن تک ہم الرٹ رہتے ہیں اس کے بعد پھر معمول پر آجاتے ہیں۔چوہدری صاحب ! جن کے پیارے خون میں نہلادیے گئے ان سے ذراپوچھیے،ان کاغم بھی کیا20 ہی دن بعد ختم ہوجاتاہے؟جن کے سہاگ اجڑ گئے قوم کی ان ماؤں بیٹیوں سے معلوم کیجیے ،کیاان کے جیون ساتھی بھی 20دن بعدانھیں دوبارہ مل جاتے ہیں؟جن بچوں کے سرسے باپ کا سایہ چھن گیا،ان سے دریافت کیجیے،کیاان کے بابا 20دن بعد پھر واپس آجاتے ہیں؟ایسے خاندان توزندہ درگور ہوجاتے ہیں۔مائیں جوان بیٹوں کے غم میں جیتے جی قبروں میں اترجاتی ہیں۔گھروں کے چولہے بجھ جاتے ہیں۔اس باپ کے کرب کااندازہ لگایئے،جس نے بیٹے کوخون پسینے کی کمائی سے پڑھالکھاکریہاں تک پہنچایاکہ میرے بڑھاپے کا سہارابنے گا،جب اس کی دہلیز پر جوان بیٹے کی لاش لائی جاتی ہے،تواس کے

ارمانوں کے آبگینے کس بری طرح ٹوٹ جاتے ہیں۔

دشمن آسان ہدف اب بھی نہیں،اس کے محرکات پر غور کیا جائے، دشمن کے ساتھ رورعایت برتنے کا کوئی جواز نہیں۔ کلبھوشن یادیو کی گرفتاری پر بھارتی حکومت کا رویہ خود بھی اس کی اہمیت کے ثبوت کے لیے کافی تھا،وہ اب تک آپ کی جیل میں ہے۔کیا اب بھی وہ قابل گردن زنی نہیں ؟کیا وہ دو بھائی، جن کو دو سال قبل پھانسی دی گئی اور اب عدالت نے انھیں بے گناہ قرار دیا ہے، کلبھوشن سے بڑے مجرم تھے؟قوم کا مطالبہ ہے کہ اس جاسوس کو فوری کیفر کردار تک پہنچایا جائے،اتفاق فاؤنڈری میں ملازمت کرنے والے ان چالیس بھارتی باشندوں کا بھی قوم کو بتایا جائے، جن کی نشاندہی ڈاکٹر طاہر القادری نے کی تھی، وہ کہاں گئے؟مانا کہ دفع الوقتی کا یہ ایک اچھا طریقہ ہے کہ کسی پر الزام لگا دیا جائے، لیکن کہیں اس سے اصل دشمن کو شیلٹر تو فراہم نہیں ہو رہا؟آپ کو کسی اور کو مجرم بنانے میں مصروف دیکھ کر اس کے حوصلے بلند تو نہیں ہو جاتے اور وہ نئے حوصلے سے اگلی واردات کی تیاری تو شروع نہیں کر دیتا؟مانا کہ دہشت گردی کے تانے بانے سرحد پار سے ملتے ہیں،افغانستان سے اس پر کوئی مؤثر احتجاج کیوں نہیں کیا جاتا؟راکا نام ہر واقعے میں زیر لب ہی کیوں لیا جاتا ہے؟کیا ”ر“ اکو کھلی آزادی ہے کہ وہ جو چاہے گل کھلائے؟

ضرورت اس امر کی ہے کہ ”را“ ہو یا جماعت الاحرار، لشکر جھنگوی العالمی ہو یا بلوچ لبریشن آرمی، اگر مضبوط شواہد ہیں تو ان کا ناطقہ بند کیا جائے۔ ان کے ایک ایک فرد اور ان کے سہولت کاروں کو نشان عبرت بنایا جائے۔ ان کی پشت پناہی کرنے والا ملک خواہ وہ بھارت ہو یا افغانستان، سعودی عرب ہو یا ایران، اس کی آنکھوں میں آنکھیں، ڈال کر احتجاج کیا جائے۔ اس کے سفیر کو ملک بدر اور تمام سفارت خانوں کو بند کیا جائے۔ ان کے ساتھ ہر قسم کے تعاون و تناصر کا سلسلہ ختم کیا جائے۔ جس طرح فاٹا وزیرستان میں پاک فوج اور سیکورٹی اداروں نے دہشت گردوں کے خلاف اسٹینڈ لیا ہے، یہی انداز ملک بھر میں اپنانے کی ضرورت ہے۔ اگر ہم دہشت گردوں کے خلاف ایکشن لینے اور ان کے سہولت کاروں کی سرکوبی کرنے میں اسی طرح تذبذب کا شکار رہے، مصلحتوں اور دباؤ کو خاطر میں لاتے رہے، تو خاکم بدہن، یہ سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوگا۔

یوم اقبالؒ اور شاعر مشرق کا پیغام

ڈاکٹر سر علامہ محمد اقبالؒ بیسویں صدی کے معروف شاعر، مصنف، قانون دان، سیاستدان، اور تحریک پاکستان کی اہم ترین شخصیات میں سے تھے۔علامہ اقبالؒ نے ابتدائی تعلیم سیالکوٹ میں ہی حاصل کی اور مشن ہائی سکول سے میٹرک اور مرے کالج سیالکوٹ سے ایف اے کا امتحان پاس کیے۔ زمانہ طالبعلمی میں انھیں میر حسن جیسے استاد ملے جنھوں نے آپ کی صلاحیتوں کو بھانپ لیا۔ اور ان کے اوصاف خیالات کے مطابق آپ کی صحیح رہنمائی کی۔ شعر و شاعری کا شوق بھی آپ کو یہیں پیدا ہوا۔ اور اس شوق کو فروغ دینے میں مولوی میر حسن کا بڑا دخل تھا۔ایف اے کرنے کے بعد آپ اعلیٰ تعلیم کے لیے لاہور چلے گئے اور گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے اور ایم اے کے امتحانات پاس کیے یہاں آپ کو پروفیسر آرنلڈ جیسے فاضل شفیق استاد مل گئے جنھوں نے اپنے شاگرد کی رہنمائی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ 1905 میں علامہ اقبال اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان چلے گئے اور کیمبرج یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا اور پروفیسر براؤن جیسے فاضل اساتذہ سے رہنمائی حاصل کی۔ بعد میں آپ جرمنی چلے گئے جہاں میونخ یونیورسٹی سے آپ نے فلسفہ میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ابتدا میں آپ نے ایم اے کرنے کے بعد اورینٹل کالج لاہور میں تدریس کے فرائض سرانجام دیے لیکن آپ نے بیرسٹری کو مستقل طور پر اپنایا۔ وکالت کے

ساتھ ساتھ آپ شعروشاعری بھی کرتے رہے اور سیاسی تحریکوں میں بھرپور انداز میں حصہ لیا۔ 1922 میں حکومت کی طرف سے سر کا خطاب ملا۔

ان کی شخصیت کے کئی عنوان ہیں۔علامہ اقبالؒ کی شخصیت کا سب سے معتبر حوالہ یہ ہے کہ وہ سچے عاشق رسول ﷺ تھے۔ان کا اس بنیاد پر کشمیر کمیٹی سے استعفاد دینا کہ ایک قادیانی کو اس کا سربراہ مقرر کیا گیا تھا،آپ کے عشق رسالت ﷺ کا بین ثبوت ہے۔ ان کے رونگٹے رونگٹے میں رسول ﷺ کا عشق پیوست تھا اور اس آفتاب عالم تاب ﷺ کے ذکروتذکرے کے انوارت سے اقبالؒ کی شاعری منور ہے۔ مولانا عبدالسلام ندویؒ لکھتے ہیں: ڈاکٹر صاحبؒ کی شاعری محبت وطن اور محبت قوم سے شروع ہوتی ہے محبت الٰہی اور محبت رسول ﷺ پر اس کا خاتمہ ہوتا ہے، وہ اول وآخر سچے مسلمان اور عاشق رسول ﷺ تھے۔

وہ شاعر مشرق اور پاکستان کے قومی شاعر ہیں۔علامہ اقبالؒ حساس دل و دماغ کے مالک تھے۔آپ کی شاعری زندہ شاعری ہے، جو ہمیشہ مسلمانوں کے لیے مشعلِ راہ بنی رہے گی یہی وجہ ہے کہ کلام اقبالؒ دنیا کے ہر حصے میں پڑھا جاتا ہے اور مسلمانان عالم اسے بڑی، عقیدت کے ساتھ زیر مطالعہ رکھتے ہیں۔اقبالؒ نے نئی نسل میں انقلابی روح پھونکی اور اسلامی عظمت کو اجاگر کیا۔وہ اردو اور فارسی میں شاعری کرتے تھے، شاعری میں ان کا بنیادی رجحان تصوف اور احیائے

امتِ اسلام کی طرف تھا،اس کی وجہ یہ ہے کہ اقبالؒ کے ابتدائی دور کی شاعری حب وطن کے جذبہ سے سرشار ہے، اپنے وطن ہندوستان سے ان کی والہانہ محبت اور پھر فرنگیوں کے تحت ان کی غلامی نے انھیں بہت متاثر کیا، پھر قیام یورپ کے دور نے اقبالؒ کے ذہنی اور فکری ارتقا میں ایک انقلاب پیدا کردیا، یہاں سے ان کی فکر میں وسعت اور دل میں ایک عالمگیر اخوت کا جذبہ پیدا ہوگیا، جس کے نتیجے میں وہ ایک ایسی عالمگیر جمعیت کا تصور ڈھونڈنے لگے، جس میں سب کے لیے اخوت و ہمدردی اور عدل و انصاف ہو اور یہ تصور انھیں اسلامی تعلیمات میں نظر آیا۔

اصنافِ شاعری کے لحاظ سے اقبالؒ کا کلام غزل، مرثیہ، مثنوی، مناظر فطرت، رباعیات، ظریفانہ و طنزیہ، قومی اور وطنی نظموں سبھی اصناف سخن پر محیط ہے۔ بجاطور

پر اقبالؒ ہماری زبان کا پہلا شاعر ہے جس نے ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کیا کہ شاعر کا کوئی پیام بھی ہوا کرتا ہے، جس کا تعلق ہماری اجتماعی زندگی سے بھی ہوسکتا ہے۔

ڈاکٹر مسلم عزیز درانی نے درست کہاہے: حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ ایک عظیم شاعر تھے،ان کی ولولہ انگیز شاعری نے ہندوستان کے محو خواب مسلمانوں کو جھنجھوڑ کر بیدار کردیا۔ ان کا فکر انگیز کلام پاک و ہند کے مسلمانوں

کا ہی نہیں ، پوری ملت اسلامیہ کا درخشاں سرمایہ ہے۔

وہ ایک سیاست دان بھی تھے۔1926 میں پنجاب اسمبلی کے ممبر کی حیثیت سے عملی سیاست کاآغاز کیا، پھرآل انڈیا مسلم لیگ میں شامل ہوگئے۔انھیں مصور پاکستان کہاجاتاہے، کیوں کہ سب سے پہلے ایک علیحدہ ملک کاتصور انھوں نے ہی پیش کیا تھا،یہی بحیثیت سیاست دان ان کا سب سے نمایاں کارنامہ ہے،یہ تصور انھوں نے1930 ء میں الہ آباد میں مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے پیش کیا تھا،1931ء میں انھوں نے گول میز کانفرنس میں شرکت کرکے مسلمانوں کی نمائندگی کی تھی۔تاریخی خطبہ الہ آباد میں ان کا پیش کیاہوا نظریہ بعد میں پاکستان کے قیام کی بنیاد بنا، گوکہ وہ خود اس نئے ملک کے قیام کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ کے اور قیام پاکستان سے تقریباً9برس قبل وہ انتقال کرگئے۔

علامہ اقبالؒ کے متعلق حضرت مولانا سید عطاللہ شاہ بخاریؒ نے کہا: ”اقبال کو نہ قوم سمجھی نہ انگریز سمجھا، قوم سمجھتی تو کبھی غلام نہ رہتی اور انگریز سمجھ لیتا تو اقبال بستر مرگ پر نہ مرتا بلکہ پھانسی کے پھندے پر مرتا“۔

شاہ جی کے یہ الفاظ آج کی سیاسی و قومی قیادت پر بھی حرف بہ حرف صادق آتے ہیں۔اقبالؒ کا نام تو سب لیتے ہیں، عقیدت کا دم تو سب بھرتے ہیں، لیکن ان کے پیغام کا پاس ولحاظ کسی کو نہیں۔آج جب قوم فرقہ واریت، قومیت وصوبائیت، تعصب وعصبیت اور افتراق وانتشار کا شکار ہے،یوم اقبالؒ ہمیں یہ پیغام دیتا ہے کہ آپس کی نفرتوں کو محبت میں بدل دو اور متحد ہو جاؤ۔ وقتی فائدے سے بالاتر ہو کر ملک و قوم کے لیے سوچو۔ کہیں فرقہ واریت ہے اور کہیں ذاتیں، یہ زمانے میں پنپنے کی باتیں نہیں ہیں۔رنگ وخوں کے بتوں کو پاش پاش کرکے ملت میں گم ہوجاؤ۔اپنی اپنی ڈیڑھ انچ کی مسجدیں اور دکانیں سجا کر نہ بیٹھو،یاد رکھو!فرد ربط ملت سے قائم ہے، تنہااس کی کوئی حیثیت نہیں۔کیا ہے کوئی، جو شاعر مشرق کے اس پیغام پر کان دھرے؟

جنسی خواہش اور اسلامی تعلیمات

اللہ تعالیٰ نے جانداروں کی نسل کے اس دنیا میں بڑھانے کے لیے ایک طریقہ متعین فرمارکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جانداروں کی تمام اقسام میں سے ہر ایک قسم میں مذکر و مؤنث ایک مخصوص طریقے سے ملیں جس کو عرفِ عام میں ہمبستری مجامعت) کہا جاتا ہے۔ اس طریقے سے ملنے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے مؤنث) کے اندر عمل کو قرار دلوا کر اولاد کی افزائش فرماتے ہیں۔ (بعض جانداروں میں براہِ راست اولاد کے بجائے انڈوں کی صورت میں ابتدا ہوتی ہے اور ان انڈوں سے اولاد فراہم کی جاتی ہے اس کا اصول دانشمندوں نے یہ بتلایا ہے کہ جن جانداروں کے کان باہر ہیں ان کے یہاں براہِ راست اور جن کے کان ظاہر نہیں ہیں اُنہیں انڈوں کے (ذریعے اولاد سے نوازا جاتا ہے۔

انسانوں کے علاوہ جتنے جاندار ہیں وہاں اس عمل کے لیے قیود اور شرائط نہیں ہیں کوئی بھی مذکر کسی بھی مؤنث کے ساتھ اس عمل کا فائدہ اٹھاتے ہوئے نسل کے بڑھنے کا ذریعہ بن سکتا ہے لیکن انسان جانداروں میں اشرف المخلوقات بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کا خلیفہ بھی ہے اسے بھی اگرچہ نسل بڑھانے کے لیے یہی طریقہ مرحمت فرمایا گیا ہے لیکن اس کے استعمال سے پہلے اس کے لیے رشتے بھی

طے کیے گئے ہیں اور ان رشتوں میں اس عمل کا جواز نکاح کے بعد رکھا گیا ہے گویا کہ یہ عمل جو نسل کے بڑھانے کے لیے انتہائی ضروری اور واحد عمل ہے غیر محارم سے نکاح سے پہلے انہیں اختیار کیا جاسکتا اور محارم کے ساتھ کسی بھی صورت میں اس کا جواز نہیں ہے لہٰذا شرفاء اس عمل کے لیے نکاح کا طریقہ اختیار کرتے ہیں جو کہ اسلام سے پہلے بھی انسانی معاشرے میں رائج تو تھا لیکن اس میں بھی بہت ساری قباحتیں شامل تھیں۔ اسلام نے آکر اس میں اصلاحات فرمائیں اس تمہید کے بعد یہ بات طے ہو گئی کہ اگر کوئی مرد یا عورت بغیر نکاح کے آپس میں یہ عمل دہراتے ہیں تو وہ اسلام کے حلاف عمل کرتے ہیں اور ان کا یہ عمل اسلام کے رُو سے زنا کہلائے گا۔

ہمبستری کے اندر اللہ تعالیٰ نے اگرچہ لذت رکھی ہے اور مذکر اور مؤنث دونوں کی طبیعتوں میں اس کی طرف میلان اور جھکاؤ رکھا ہے لیکن ہمبستری کا مقصد افزائش نسل یعنی توالد و تناسل لہٰذا اسے حقوق زوجیت کا نام بھی دیا جاتا ہے اور اسی مقصد اور نیت سے یہ ہمبستری ہونی چاہیے۔

محض مستی نکالنے، ہیجان ختم کرنے اور دوستیاں قائم کرنے کے لیے یہ عمل نہیں ہونا چاہیے لہٰذا اپنی منکوحہ تک محدود رہنا چاہیے اور اس کے ذریعے سے انسانی، فطری ذوق کی تکمیل بھی ہوتی رہتی ہے لہٰذا غیر کی طرف متوجہ ہونے

کی ضرورت بھی باقی نہیں رہتی اس لیے کہ اس کا مقصد توالد وتناسل رکھا گیا ہے اور غیر عورت سے ہمبستری کرنے کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اولاد کا نسب بھی خراب ہوجاتا ہے لہٰذا کوئی شریف اس بات کو گوارا نہیں کرے گا۔

:زنا کیا ہے؟

کسی مرد و عورت کا بغیر عقد نکاح کے جو کہ ایجاب و قبول پر مشتمل ہوتا ہے آپس میں ہمبستری کرنا زنا کہلاتا ہے۔ (نیز اسلامی جہاد کے نتیجے میں غلام بنائی جانے والی باندیاں، مجاہدین کو بطور انعام ملا کرتی تھیں جو وہ اپنے پاس باعتبار خدمت کے رکھتے تھے اُن باندیوں کے ساتھ بغیر عقد نکاح کے بھی ہمبستری جائز تھی۔

دورِ حاضر میں ایسی باندیاں ناپید ہیں ان باندیوں کی خرید وفروخت بھی جائز تھی اور غیر مجاہدین بھی بازار سے خرید کر انہیں اپنی مملوکہ بنالیا کرتے تھے اس مملوکہ سے بھی ہمبستری بغیر نکاح کے جائز تھی۔ البتہ یہ مملوکہ اگر کسی کے نکاح میں ہو تو اُس کے علاوہ کسی اور کے لیے اس سے ہمبستری کرنا جائز نہیں تھا۔ نیز ان باندیوں کو ان کے مالک اخروی ثواب کی خاطر یا کسی گناہ کے کفارے کے طور پر بھی آزاد کردیا کرتے تھے جن کی ترغیب وحکم انہیں اسلام نے دے رکھا تھا) ان کے آزاد ہونے کے بعد ان کی) باندی ہونے کی حیثیت

ختم ہو جاتی تھی جس کے بعد اُن سے بغیر نکاح کے ہمبستری جائز نہیں تھی۔ واضح رہے کہ آج کے دور کی گھروں میں کام کرنے والی نوکرانیاں باندیوں کی تعریف میں نہیں (آتیں لہٰذا اُن کے ساتھ بھی بغیر عقد نکاح کے ہمبستری جائز نہیں۔

:زمانہ جاہلیت میں رائج شادی کے مختلف طریقے

1...... مرد ایک یا بہت سی عورتوں کا مالک ہوتا تھا اس کا مقصد عورتیں جمع کرنا ہوتا تھا اور عورت کی حیثیت عام مال و متاع جیسی ہوتی تھی۔ عرفِ عام میں اِسے زواج البعولۃ کہا جاتا تھا۔

2...... دو مرد اپنی اپنی بیویوں کا ایک دوسرے کے ساتھ تبادلہ کیا کرتے تھے جس میں نہ عورت کو بتلایا جاتا تھا۔ نہ اُس سے قبول کروایا جاتا تھا، نہ مہر کی ضرورت ہوتی تھی یہ بھی عورت کا تذلل کا ایک ذریعہ تھا عرف عام میں اس کو زواج البدل کہتے تھے۔

3...... عورت اور مرد بغیر کسی خطبہ کے نکاح اور تقریب کے آپس میں کسی ایک مدت مقررہ اور خاص مہر پر متفق ہو جاتے تھے، مقررہ مدت ختم ہوتے ہی بغیر طلاق کے نکاح خود بخود ختم ہو جاتا تھا اور نکاح کے نتیجے میں مہیا ہونے والی اولاد ماں کی طرف منسوب ہوتی تھی۔ عرفِ عام میں اسے نکاح متعہ کہتے تھے۔

4...... مرد وار عورت آپس میں بغیر نکاح، خطبہ اور مہر کے ایک دوسرے کے ساتھ آپس میں رہ پڑتے تھے۔ اور اس دوستی کے نتیجے میں ازدواجی تعلقات قائم کرتے

تھے، باہمی رضامندی سے یہ تعلق قائم ہوتا تھا اور باہمی رضامندی سے یہ تعلق ختم ہوجاتا تھا اور اگر اولاد ہوتی تھی تو وہ ماں کی طرف منسوب ہوتی تھی اس کو عرف عام میں نکاح الخذن کہا جاتا تھا۔ (یہ طریقہ آج کل مغربی معاشرے میں جاری و ساری ہے۔)

5...... جنگ کے بعد جو قیدی ہاتھ لگتے تھے اور فاتح کے لیے مفتوح کی عورتیں مال وغیرہ سب مباح تھیں یہ عورتیں فاتح کی ملکیت ہوجاتیں چاہے وہ انہیں بیچ دے یا ان سے مباشرت کرے یا کسی کو تحفہ میں دے دے۔ صبح سے شام تک عورتیں غلام کی طرح بکتی رہتی تھیں اس میں بھی خطبہ، نکاح، مہر کی ضرورت نہ تھی۔ عرف عام میں اسے نکاح الضعینۃ کہا جاتا تھا۔

6...... ایک شخص اپنی زیرِ کفالت رہنے والی لڑکی کا نکاح کسی شخص سے اس شرط پر کردیتا تھا کہ وہ اپنی کسی بہن یا بیٹی سے اس کا نکاح کرائے گا اس میں بھی مہر مقرر کرنا ضروری نہ تھا ایسے نکاح کو عرف عام میں نکاح شغار کہا جاتا تھا، آج کل ایسے نکاح کو "وٹہ سٹہ" کی شادی کہتے ہیں۔ اس میں اور اس وقت کے نکاح شغار میں فرق یہ تھا کہ نکاح شغار میں مہر مقرر نہیں ہوتا تھا۔ وٹہ سٹہ میں تمام اسلامی نکاحی شرائط پوری کی جاتی ہیں۔

7...... ایک شخص اپنی بیوی کو کسی دوسرے خوبصورت مرد کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارنے کے لیے بھیج دیا کرتا تھا اور خود اس سے الگ رہتا تھا تاکہ اس کی نسل اس سے خوبصورت پیدا ہو اور حمل کے ظاہر ہونے کے بعد وہ عورت دوبارہ

اپنے شوہر کے پاس آجایا کرتی تھی۔ عرف عام میں اِسے نکاح الاستبضاع کہا جاتا تھا۔

8...... دس آدمی ایک ہی عورت کے ساتھ مباشرت کیا کرتے تھے اور جب اس عورت کے ہاں اولاد ہوتی تو وہ ان سب کو بلواتی اور ان میں سے جس کے لیے چاہتی تو کہتی کہ یہ بچہ تیرا ہے اور اس مرد کو اس سے انکار کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔ عرف عام میں اس کو نکاح الرسہط کہا جاتا تھا۔

9...... دس آدمی یا دس سے زیادہ کسی ایک عورت سے ہمبستری کے تعلقات رکھ سکتے تھے، نکاح الرسیط اور اس میں فرق یہ ہے کہ نکاح الرسہط میں دس کی تعداد متعین ہوتی تھی اور اس میں تعداد کی کوئی قید نہیں ہوتی تھی، دس سے زیادہ افراد بھی شامل ہو سکتے تھے زیادہ کی کوئی حد نہ تھی۔ دوسرے یہ کہ ان مردوں میں سے کسی کی طرف بچہ منسوب کرنا عورت کا نہیں بلکہ مرد کا کام ہوتا تھا۔ اور وہ مرد اس بات کو قیافہ شناسوں سے طے کرایا کرتے تھے۔ عرف عام میں اس کو نکاح البغایہ کہا جاتا تھا۔

نکاح کیا ہے؟

اسلام نے مندرجہ بالا تمام نکاحوں کو مسترد کرتے ہوئے اس میں اصلاحات کرکے ایک مستقل آسان اور پاکیزہ نکاح عطا فرمایا ہے جس میں نکاح کے بعد وہ عورت کسی بھی غیر مرد (محارم وغیر محارم) سے ازدواجی تعلقات قائم ہی نہیں کر سکتی۔

نیز اس میں دو گواہوں کی، مہر مقرر کرنے کی اور عورت کی طرف سے ایجاب اور مرد کی طرف سے ماضی کے صیغے کے ساتھ قبول کرنے کی لازمی شرط ہے۔ ان شرائط کے ادا کرنے کے بعد دو مرد و عورت آپس میں میاں بیوی بن جاتے ہیں اور یہی دونوں ایک دوسرے کے حقوق زوجیت کی ادائیگی کے واحد ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اس طرح ان دونوں کے آپس کے حقوق زوجیت کے ادا کرنے سے شہوانی ہیجان ختم ہوتا رہتا ہے اور عفت و عصمت کی راہیں مضبوط ہوتی رہتی ہیں۔ اور اس کے محدود ہونے کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس عنوان سے فحاشی کا راستہ بند ہو جاتا ہے، جسے قرآن مجید نے (وَسَآءَ سَبِيْلًا) کہا۔

نکاح شرعی کے دیگر مقاصد و فوائد :

جب بچہ اور بچی بلوغت کی عمر کو پہنچتے ہیں تو وہاں شہوانی خواہشات کی تکمیل کا داعیہ ان کے ذہنوں میں پیدا ہوتا ہے، نکاح شرعی کے ذریعے سے ان کے اس داعیے کی تکمیل ہوتی رہتی ہے لیکن نکاح کا مقصد صرف ان جذبات کا پورا کرنا نہیں ہوتا اس بچے اور بچی سے بلوغت کی عمر تک پہنچنے پر ایک باکردار انسان بنانے کے لیے نئی زندگی کا آغاز کرایا جاتا ہے۔ اس باکردار زندگی میں آپس کے حقوق زوجیت کے علاوہ دیگر حقوق کی ادائیگی کا بھی ایک دوسرے کو ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے، بچوں کی افزائش نسل کے ساتھ ساتھ ان کی دیکھ بھال

اور تعلیم و تربیت کی ذمہ داری بھی ڈالی جاتی ہے۔ معاشرتی حوالے سے گھر کے دیگر افراد اور ہمسائے کے حقوق بھی ان پر لازم کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ نکاح کے ذریعے سے نئی زندگی کا شروع کرنے والا اپنا گھر بساتے ہوئے دوسروں کے حقوق بھی ادا کرتا رہتا ہے یہ مقاصد اور فوائد زنا میں پائے ہی نہیں جاتے۔ زنا سے ان حقوق سے فرار کا داعیہ پیدا ہوتا ہے اور معاشرے میں جسمانی اور معاشرتی انارکی پھیل جاتی ہے اور زانی مرد وعورت بے راہ روی کی زندگی اختیار کر لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اس کے اوپر بند باندھتے ہوئے اس کے سد باب کے لیے ارشاد فرمایا کہ (ولا تقربوا الزنی) "کہ زنا کے قریب بھی نہ جاؤ"۔ یہاں قرآن نے زنا نہ کرنے کے حکم کے بجائے زنا کے قریب جانے سے بھی منع فرمایا ہے۔ یعنی وہ تمام باتیں جو زنا کی طرف لے جاتی ہیں ان تمام باتوں سے قرآن منع کر رہا ہے تجربہ اور مشاہدے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ بے حیائی، بے حجابی، بے لباسی اور ایسے تمام لباس جس سے مرد و عورت کے ستر چھپے نہ رہیں، ایسی تمام تقریری و تحریری باتیں، ایسے تمام افعال، برہنہ و نیم و برہنہ تصویریں، فحش و نیم فحش شاعری، فحش و ننگی فلمیں، ہر قسم کا رقص، ٹیلیفونک اور موبائلی رابطے، انٹرنیٹ چیٹنگ، انٹرنیٹ کیفے، بچوں اور بچیوں کی مخلوط تعلیم، مرد و عورت کی بے حجابانہ مخلوط تقاریب، مرد و عورت کی آپس میں غیر ضروری گفتگو، عورت کا نامحرم سے نرم و ملائم لہجے میں بات کرنا، مرد و عورت کی بد نظری، فحش باتوں کا سننا وغیرہ وغیرہ داخل ہیں۔ اگر انسان شریعت

کے اس روکے جانے والے حکم پر عمل کرلے تو یقیناً دنیا سے زنا کا تقریباً خاتمہ ہوجائے۔

:زنااور نکاح کے درمیان ایک واضح فرق

جب سے دنیا قائم ہوئی ہے اس وقت سے لے کر آج تک دنیا کے تمام انسانوں میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ وہ نکاح اعلانیہ طور پر کرتے ہیں اس کی نہ صرف اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے دوسروں کو اطلاع دی جاتی ہے بلکہ اس تقریب میں شرکت کی دعوت بھی دی جاتی ہے۔ ناراض رشتہ داروں ہر ممکن طریقے سے راضی بھی کہا جاتا ہے جبکہ زنا ایک ایسا مکروہ، قبیح اور بُرا فعل ہے کہ جس کی خود زانی اور زانیہ فخریہ طور پر اعلان نہیں کرتے بلکہ چھپ چھپا کر خفیہ طور پر اس عمل کو کیا جاتا ہے گویا کہ انسانی فطرت بھی اسی سے نفرت کرتی ہے اور اس کے غلط اور بُرا ہونے کا احساس رکھتی ہے۔ اگر ان کے نزدیک یہ اچھا کام ہوتا تو وہ ضرور شادی کی طرح اس کا اعلان کرتے اور اس سے پہلے تقریب کا اہتمام کرتے۔

:زنا کے نقصانات

زنا کے ذریعے سے پیدا ہونے والی اولاد کا نسب مشتبہ ہوجاتا ہے یقین کے ساتھ ......1 نہیں کہا جاسکتا کہ زانیہ کی یہ اولاد کس مرد کی ہے؟

2...... جب بچے کا نسب مشتبہ ہوگیا تو اس کی پرورش کا ذمہ دار کوئی مرد نہیں بنتا اس طرح ایک بچے کا ضائع ہوجانے کا یقینی خدشہ پیدا ہوجاتا ہے۔ اور وہ بچہ سرپرست نہ ہونے کی وجہ سے تباہ و برباد اور طرح طرح کی برائیوں میں مبتلا ہوکر دنیا کے امن و چین کی تباہی کا ذمہ دار بنتا ہے۔

3...... اگر زنا کے ذریعے سے حمل ٹھہر جائے اور زانیہ اسقاط کرادے اور وہ حمل چار ماہ سے زائد کا ہو تو زنا کے ساتھ ساتھ زانیہ قتل کی مجرم بھی ہوگی اور یہ نسل انسانی کے انقطاع کا ذریعہ بھی بنے گی۔

4...... زانیہ ایک سے زائد افراد کے ساتھ اپنے ازدواجی تعلقات قائم کرتی ہے لہٰذا نتیجہ کے طور پر اس عورت پر کسی کو بھی دسترس حاصل نہیں ہوسکتی۔ تمام مرد اس پر قبضہ کرنے کی طرف کوشش کریں گے اور وجہ ترجیح کسی کو بھی حاصل نہ ہوگی۔ اس سے نہ صرف معاشرے میں کشیدگی پھیلے گی بلکہ قتل و غارت گری کا بازار بھی گرم ہوگا۔

5...... جس عورت کو زنا کی لَت پڑ جاتی ہے کوئی بھی شریف النفس آدمی اُسے قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوسکتا۔ معاشرے میں ایسی عورت سے نفرت کا اظہار دیکھا جاتا ہے۔ اور وہ ذلت آمیز نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔

6...... زنا کے اس عمل کے نتیجے میں کسی خاص مرد کو کسی خاص عورت سے کوئی خاص محبت باقی نہیں رہے گی جس کو جہاں موقعہ مل گیا جس کو چاہا بلا لیا، اپنی مستی نکال لی، نتیجے میں انسان اور حیوان میں کوئی فرق باقی نہیں رہے گا۔

زنا کے ذریعے سے صرف جنسی تقاضے پورے کیے جا سکتے ہیں ایک انسان باکردار......7 شخصیت کا رُوپ نہیں دھار سکتا۔ جبکہ معاشرے میں باکردار انسان ہی تعمیر انسانیت اور تعمیر معاشرہ کے کام آتا ہے۔

شریعت میں زنا کی حیثیت:

قرآن مقدس میں جگہ جگہ زنا کی مذمت بیان کی گئی ہے کہیں فرمایا (انہ کان فاحشہ وساء سبیلا) (بنی اسرائیل 32) ''یقیناً وہ بڑی بے حیائی اور بُری راہ ہے۔''

کہیں فرمایا: (انہ کان فاحشۃ ومقتا وساء سبیلا) (نساء 22) ''بے شک یہ بری بے حیائی اور نفرت کی بات تھی اور بہت بُرا طریقہ تھا۔''

کہیں فرمایا (ولا یزنون......یلق اثاما) (فرقان 68) ''اور زنا نہیں کرتے اور جو کوئی ایسا کرے گا اس کو سزا سے باقہ پڑے گا۔''

نبی ﷺ جب کسی عورت سے بیعت لیتے تھے تو انہیں چند باتوں سے منع کیا جاتا تھا جس میں زنا بھی شامل ہے (ولا یزنین ولا یقتلین) (ممتحنہ 12) ''اور (وہ عورتیں) بدکاری نہیں کریں گی اور اپنے بچوں کو قتل (بھی) نہیں کریں گی۔''

قرآن مجید میں ایک مقام پر ارشاد ہے (وذروا ظاھر الاثم وباطنہ) انعام 120) ''اور چھوڑ دو گناہ کے ظاہر کو (بھی) اور اس کے باطن کو (بھی)۔''

احادیث میں زنا کی مذمت بیان کرتے ہوئے فرمایا (مامن ذنب بعد الشرک اعظم

عنداللہ من نطفۃ وضعھا رجل فی رحم لا یحل لہ) ’’شرک کے بعد کوئی گناہ اس نطفہ سے بڑھ کر گناہ نہیں ہے جس کو کوئی شخص کسی ایسے رحم میں رکھے جو شرعاً اس کے لیے حلال نہ تھا۔‘‘ (ابن کثیر جلد 3 صفحہ 38)

نبی ﷺ کا ایک اور ارشاد ہے (لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مومن۔ ایاکم ایاکم) زناکار جس وقت زنا کرتا ہے اس وقت مومن نہیں ہوتا۔‘‘ (مشکوٰۃ باب الکبائر) اس’’ کی وضاحت نبی اکرم ﷺ نے اپنے ایک اور فرمان میں اس طرح فرمائی (اذا زنی العبد خرج منہ الایمان فکان فوق راسہ کالظلۃ فاذا خرج من ذلک العمل یرجع الیہ الایمان) مشکوٰۃ باب الکبائر) ’’بندہ جب زنا کرتا ہے اس وقت ایمان اس سے نکل جاتا ہے اور) اس کے سر پر سایہ بن کر ہوتا ہے اور زانی جب فعل زنا سے فارغ ہوتا ہے تو ایمان اس ’’کی طرف پلٹ آتا ہے۔

زانی کے ساتھ آخرت میں سلوک:

واقعہ معراج میں نبی ﷺ کا گزر ایک ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے سامنے ایک ہانڈی میں پکا ہوا گوشت رکھا ہوا تھا اور دوسری ہانڈی میں کچا اور سڑا ہوا بدبودار گوشت پڑا تھا اور ان لوگوں کی حالت یہ تھی کہ کچا اور سڑا ہوا گوشت کھا رہے تھے اور پکا ہوا نہیں کھا رہے تھے، حضور ﷺ نے پوچھا کہ یہ لوگ ہیں؟ جبرئیل امین نے جواب دیا کہ یہ آپ کی امت کے وہ لوگ ہیں کہ جو حلال بیوی یا

شوہر کو چھوڑ کر حرام کاری اور زنا میں مبتلا رہتے ہیں یعنی زناکار مردوں اور زناکار عورتوں کی مثال ہے۔ (تفسیر روح البیان جلد 5 صفحہ 111)

زناکے ذریعے دنیامیں ہلاکتیں:

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ زنا کسی قوم میں عام نہیں ہوتا مگر ان میں بکثرت موت ہوتی ہے۔ (مشکوۃ صفحہ 459)

اسی طرح نبی ﷺ کا ایک اور ارشاد ہے کہ جس قوم میں جب زنا پھیل پڑتا ہے تو اُسے قحط سالی کی مصیبت میں مبتلا کیا جاتا ہے اور رشوت کی گرم بازاری ہوتی ہے تو اس پر خوف طاری کر دیا جاتا ہے۔ (مشکوۃ صفحہ 313)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ جس قوم میں بدکاری پھیل جاتی ہے اللہ تعالیٰ اس قوم میں مصیبت کو پھیلا دیتا ہے۔ (تاریخ ملت جلد 2 صفحہ 40)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ماظھرالربووالزنا فی قریۃ اور اذن اللہ باھلا کھا) (الجواب الکافی صفحہ 220) ''کسی بستی میں سود اور زنا جب پھیل پڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بستی کی ہلاکت کی اجازت مرحمت فرما دیتا ہے۔''

زنا کی سزا:

زنا کی سزا پر گفتگو سے پہلے اس بات کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ اسلام

کو سزائیں دینے سے ایسا شغف نہں ہے جتنا جرائم کے سدباب سے ہے۔ لٰہذا زنا کے ثبوت کے لیے اسلام نے شرائط بہت سخت رکھی ہیں جو درج ذیل ہیں :

زانی اور زانیہ کو زنا کرنے کی حالت میں چار مرد دیکھیں یہ ایک انتہائی مشکل امر......1 ہے کہ زنا بھی کھلے عام نہیں کیا جاتا، کہیں چھپ چھپا کر ہی ہوتا ہے ایسے میں اگر ایک آدمی کی نظر پڑ بھی گئی تو دیگر تین آدمیوں کے جمع کرنے تک وہ اپنے اس عمل سے فارغ بھی ہو چکے ہوں گے سوچنے کی بات ہے! اسلام نے نکاح جس کے ہزاروں گواہ بن سکتے ہیں وہاں دو ہی گواہ رکھے ہیں اور زنا جس کا ایک گواہ بھی ملنا مشکل ہے اس کے ثبوت کے لیے بیک وقت چار گواہ مانگے ہیں۔

یہ چار گواہ اپنی گواہی میں معتبر بھی ہونے چاہییں اگر ان میں سے کوئی گواہ......2 جھوٹا ثابت ہوا تو اُسے قاضی اَسّی (80) کوڑوں کی سزا دے گا اسے اصطلاح میں حد قذف کہتے ہیں اور اس ڈر سے کوئی آدمی بغض، حسد عداوت، کینہ کو بنیاد بنا کر جھوٹا الزام لگا ہی نہیں سکتا۔

ان گواہوں کی گواہی کے بعد زنا ثابت ہو جانے پر جو شرعی سزا دی جائے گی اس......3 کی تکمیل سے پہلے اگر کوئی گواہ اپنی گواہی سے دستبردار ہو جائے تو زانی اور زانیہ کی سزا بھی موقوف ہو جائے گی وغیرہ وغیرہ۔ مندرجہ بالا ثبوت کی شرائط کی روشنی میں زنا کی سزا جو رکھی گئی ہے وہ درج ذیل ہے :

زانی اور زانیہ اگر غیر شادی شدہ ہیں تو اُنہیں سو سو (100) کوڑوں کی سزا (ا)

دی جائے گی۔

اگرزانی اور زانیہ شادی شدہ ہیں توزنا ثابت ہونے کی صورت میں انہیں ایک (۲) گڑھا کھود کر اُس گڑھے میں کھڑا کیا جائے گا اور عوام الناس کو جمع کرکے کہا جائے گا کہ انہیں اس وقت پتھر سے مارا جاتا ہے جب تک کہ ان کی موت واقع نہ ہوجائے۔ اصطلاح میں اس کو سنگسار کرنا کہتے ہیں۔

:زنا کی سزاکے بارے میں ایک غلط فہمی

مسلمان تو شرعی سزا سے کسی صورت میں انکار نہیں کرسکتا چاہے اس کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ لیکن دورِ حاضر میں بعض گمراہوں کی طرف سے یہ غلط فہمی پھیلائی جارہی ہے کہ زناکے ثبوت پر دی جانے والی اسلامی سزاایک وحشیانہ فعل ہے (نعوذ باللہ) جبکہ اگر قتل کردینا ہی مقصود ہے تو آج دیگر کئی آسان ذرائع یہ مقصد حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اس وحشیانہ سزا کا کیا جواز ہے؟

ان کی خدمت میں یہ مؤدبانہ عرض ہے کہ جب اسلام نے اس سزا کو نافذ فرمایا اس وقت بھی قتل کردینے کا دوسرا آسان ذریعہ موجود تھا یعنی تلوار سے اس کا سر قلم کردیا جاتا لیکن اس ذریعے کے موجود ہونے کے باوجود سنگسار کی سزا کا نافذ ہونا ایک بہت بڑی مصلحت کی وجہ سے ہے جیساکہ اوپر ذکر کیا گیا کہ اگر کوئی گواہ منحرف ہوجائے تو سزا موقوف ہوجائے گی۔ بتلایئے! تلوار سے قتل

کردینے کی صورت میں اس مصلحت پر عمل کیا جاسکے گا؟ زانی یا زانیہ گواہوں کے نہ ہونے کی صورت میں اپنے اس زنا کے فعل سے منکر ہو جاتے ہیں تو بھی اُن کی سزا موقوف ہو جائے گی۔ بتلائیے ! تلوار سے قتل کرنے کی صورت میں اس پر عمل کیا جاسکتا تھا؟ لہٰذا اس عقلی دلیل کے بعد منقول شدہ اسلامی، شرعی سزا کو تسلیم کرلینے میں ہی عافیت ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نافذ کردہ حد ہے اور اس کے بارے میں شک و شبہ یا انکار کرنا اپنے ایمان کو خطرے میں ڈال دینے کے مترادف ہے۔

جس نے دستور میخانہ بدل دیا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کافرمان ہے: اللہ تعالی اس امت کے لیے ہر سو سال کے سرے پر ایسے بندے پیدا کرے گا جو اس کے لیے اس کے دین کو نیا اور تازہ کرتے رہیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ایک ہزار سال گزرنے کے بعد امام ربانی شیخ احمد سرہندیؒ سے دین کی تجدید و حفاظت اور احیائے شریعت کا جو عظیم کام رب ذوالمنن نے لیا وہ اسلام کی پوری تاریخ میں ایک خاص امتیازی شان رکھتا ہے اور اسی وجہ سے ان کا لقب ''مجدد الف ثانی'' ایسا مشہور ہو گیا کہ بہت سے لوگ ان کا نام تو نہیں جانتے، لیکن انھیں مجدد الف ثانی کے معروف لقب ضرور پہچانتے ہیں ۔حضرت مجدد الف ثانی، جن کا اصل نام احمد فاروقی سرہندیؒ تھا، کا شمار ان جلیل القدر بزرگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے دین حق کے لیے کفر و شرک کا خم ٹھونک کر مقابلہ کیا اور اسلام کے پرچم کو کچھ اس مضبوطی سے ایستادہ کیا کہ ان شا اللہ ! یہ پرچم تا قیامت لہراتا رہے گا۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کا نسب مبارک ستائیس (27) واسطوں سے امیر المؤمنین حضرت عمرفاروق رضی اللہ عنہ سے ملتاہے، گویا آپ کی رگوں میں اس مشہور فاتح اعظم کا خون تھا، جس نے مختصر سی فوج اور بے سروسامانی کے باوجود وقت

کی دونوں سپر پاوروں فارس وروم کے ظالم وجابر باشاہوں قیصر وکسریٰ کا غرور خاک میں ملا کران کو سرنگوں ہونے پر مجبور کردیا تھا،اپنے زورِ بازو اور قوتِ تدبر سے عظیم ترین سلطنتوں کے تخت الٹ دیے تھے اور اپنی روحانی قوتوں سے مستحکم کفریہ تہذیبوں کی بنیادیں ہلادی تھیں۔اس نسب اقدس پر خود حضرت کو بھی ناز تھا۔بقول شاعر

نسب تحریر کیا ہو اس شہ گردوں مقامی کا
شرف خورشید پاسکتا نہیں جس کی غلامی کا
شہنشاہوں کے دل ہیبت سے جس کی ہوگئے پانی
وہی فاروق اعظمؓ نام ہے جدّ گرامی کا

اسلام کے اس درویشِ باصفا، مصلحِ اعظم کا نامِ نامی و اسم گرامی احمد، لقب بدرالدین، کنیت ابوالبرکات ،منصب مجدّد الف ثانی اور عرف امام ربانی اور محبوب صمدانی تھا۔

آپ کا مذہب حنفی اور مسلک نقشبندیہ تھا، جو تمام سلاسلِ تصوف کا جامع ہے۔آپ 14 شوال 971 ھ بمطابق 26 جون 1594 ء،بروزِ جمعہ مشرقی پنجاب کے شہر سرہند میں پیدا ہوئے۔

آپ کی ولادت سے پہلے آپ کے والد ماجد نے، جو اپنے وقت کے جید عالم اورظاہری و باطنی علوم کے جامع تھے ،ایک عجیب خواب دیکھا،انھوں نے دیکھاکہ تمام

دنیا میں تاریکی و ظلمت پھیلی ہوئی ہے، سوّر، بندر اور ریچھ لوگوں کو ہلاک کر رہے ہیں یکایک ان کے سینے سے ایک نور نکلتا ہے اور اس میں ایک تخت ظاہر ہوتا ہے۔ اس، تخت پر ایک شخص تکیہ لگائے بیٹھا ہے۔ اس کے سامنے تمام ظالموں اور ملحدوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کیا جا رہا ہے اور کوئی شخص بلند آواز سے کہہ رہا ہے: جاء الحق

(وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا (سورہ اسراء: 81

ترجمہ: حق آگیا اور باطل مٹ گیا اور بے شک باطل مٹنے ہی والا تھا۔

صبح کو انھوں نے اس خواب کی تعبیر وقت کے ولی باصفا حضرت شاہ کمالؒ سے دریافت کی، تو انھوں نے فرمایا کہ تمہارے ہاں ایک بچہ پیدا ہوگا، اس سے الحاد و بدعت کی ظلمت و تاریکی دور ہوگی۔

شیخ احمد سرہندیؒ کو کم سنی میں ہی مدرسے میں بٹھا دیا گیا، جہاں آپ نے تھوڑے ہی عرصے میں قرآن مجید حفظ کر لیا، پھر آپ نے اپنے والد شیخ عبد الاحد فاروقیؒ سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے سیالکوٹ چلے گئے اور آپ نے فقط سترہ سال کی عمر تک تمام علوم ظاہری کی سند حاصل کر لی۔ ظاہری علوم سے فارغ ہونے کے بعد آپ حضرت باقی باللہؒ کے مرید ہو گئے، جنھوں نے اپنے لائق مرید کو باطنی علوم سے بھی مالا مال کر دیا۔ آپ کی شخصیت اور زہد و تقویٰ سے ،تھانیسر کا حاکم شیخ سلطان بہت متاثر ہوا

چناں چہ اس نے آپ سے اپنی صاحب زادی کا نکاح کرنے کی خواہش ظاہر کی ۔آپ نے حاکم کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سلسلے میں میرے والد محترم سے بات کی جائے۔ حاکم نے جب آپ کے والد سے گفتگو کی تو انہوں نے اس پیشکش کو قبول کرلیا۔

ایک روز حضرت مجدد الف ثانی قضائے حاجت کے لیے بیت الخلاء تشریف لے گئے تو آپ نے دیکھا کہ وہاں مٹی کا ایک پیالہ پڑا ہوا ہے اور اس پر اسم " اللہ " نقش ہے۔ آپ نے اس پیالے کو وہاں سے اٹھایا اور واپس تشریف لائے، پانی منگا کر اپنے دست مبارک سے اس کو دھویا اور اچھی طرح پاک کیا۔ پھر اس کو ایک سفید کپڑے میں لپیٹ کر اونچی جگہ رکھ دیا اور ان کا معمول تھا کہ جب پانی پیتے تو اسی پیالے میں پیتے تھے ۔آپ فرماتے تھے کہ اس عمل نے جس قدر فیوض و برکات پہنچائے وہ صد سالہ ریاضت و مجاہدہ سے بھی ناممکن تھے۔

حق تعالیٰ نے آپ کو ظاہری و باطنی ، صوری و معنوی ہر قسم کے کمالات کا جامع بنایا تھا، ظاہری شکل و صورت ایسی محبوب تھی کہ جو دیکھ لیتا تعریف کیے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔اتباعِ سنت کا جذبہ، بدعات سے بے حد نفرت واحتراز آپ کے خصائص حمیدہ میں سے تھا ۔معمولی معمولی باتوں میں بھی اتباعِ سنت کا بے حد اہتمام فرماتے تھے۔امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں آپ ایک امتیازی شان

رکھتے تھے۔ اس میں نہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا ڈر اور نہ کسی کی ایذا رسانی کا خوف ہوتا، کوئی بڑے سے بڑا خطرہ آپ کو یہ فریضہ ادا کرنے سے نہیں روک سکا۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی حیات مبارکہ کا ہر آپ کے مجدد ہونے کی شہادت دیتا نظر آتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے مسلمانوں کو تعلیم دی تھی کہ وہ ہندوؤں میں جذب نہ ہوں اور نہ ہی ان کے رسوم و رواج کو اپنائیں، کیوں کہ مسلمان اور ہندو دو الگ الگ قومیں ہیں، رسم و رواج کے خلاف آواز اٹھائی، قبر پرستی سے منع فرمایا۔

مجدد الف ثانیؒ نے اصلاح تصوف کی طرف خاص توجہ دی، لوگوں پر شریعت کی ظاہری اور باطنی صورت عیاں کی، سماع اور رقص و سرود سے لوگوں کو باز رہنے کی تاکید فرمائی۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے دور میں بعض اہل علم سمجھے جانے والے مفاد پرستوں نے نظریہ توحید کو مسخ کرکے عوام کے سامنے پیش کیا، تو آپ نے نظریہ توحید پر مکمل بحث کی، اس طرح آپ نے بگڑے ہوئے معاشرے میں قرآن و سنت کی تعلیم کو عام کیا، اپنی فہم و فراست سے مسلمانوں کی راہ نمائی کی اور مختصر سی مدت میں مسلمانوں میں ذہنی انقلاب پیدا کرکے انہیں بے دینی کا قلع قمع کرنے کے لیے تیار کیا۔ ان کی تعلیمات اور کوششوں سے برصغیر میں تحریک احیائے دین کا آغاز ہوا۔ عوام الناس کی روحانی واخلاقی اصلاح، علمائے سوء کی نشان دہی اور ان کی اصلاح، علمائے حق کو ان کا صحیح مقام

دلانا، ارکانِ سلطنت اور بادشاہِ وقت کی اصلاح، گم راہ اور بدعتی فرقوں کی نشان دہی اور ان کے شر و فساد سے مسلمانوں کو آگاہ فرما کر صحیح عقائدِ اسلام کی طرف راہ نمائی، یہ ایسے کارنامے ہیں جو آپ کے نامہ عمل میں صدقہ جاریہ بن کر تا قیامت جگمگاتے رہیں گے۔

اکبر آپ کی مخالفت کرنے والوں میں پیش پیش تھا۔ اکبر نے اپنی حکومت میں غیر مسلموں کو ممتاز عہدوں پر فائز کیا اور ہندو عورتوں کو اپنی ازواج میں داخل کیا اس کے علاوہ اکبر نے ایک نیا دین " دین الٰہی "یا "دینِ اکبری" رائج کیا اور بادشاہ کو، سجدہ لازم کرکے انکار کرنے والے بے شمار مسلمانوں کو شہید کرایا۔ ان حالات کو دیکھ کر حضرت مجدد الف ثانیؒ نے لوگوں کو بتایا کہ اکبر کا جاری کردہ دین گم راہی کے سوا کچھ نہیں ۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اکبر کے الحاد کو روکنے کے لیے انتھک کوششیں کیں ۔ اس سلسلے میں انہوں نے رسالہ "اثبات نبوت "لکھا، جس میں اسلام کی مکمل عکاسی کرتے ہوئے اکبر کے "دین الٰہی "کو الحاد قرار دیا۔ اس پر اکبر بادشاہ آپ سے ناراض ہوگیا اور آپ کی مخالفت کرنے لگا۔ یہ سلسلہ اکبر کی وفات تک جاری رہا۔

اکبر کی وفات کے بعد اس کا بیٹا جہانگیر تخت نشین ہوا۔ اس نے بھی اپنے باپ کی رسوماتِ باطلہ کو بدستور رائج رکھنے کی کوشش کی۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے

دینِ حق کی سربلندی کے لیے جہانگیر سے بھی ٹکر لی۔ جہانگیر کے دور تک آپ کا حلقہ ارادت بہت وسیع ہو چکا تھا، یہاں تک کہ آپ کے حلقہ اثروارادت میں امرا، صوفیا اور برسر اقتدار لوگ بھی داخل ہو چکے تھے۔آپ نے تمام لوگوں کو ہندوستان کے مختلف علاقوں میں اسلام کی تبلیغ کے لیے بھیجا تھا۔ یہ دیکھ کر جہانگیر نے سرہند کے حاکم کو ایک خط لکھا کہ ہم شیخ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔حاکم سرہند نے آپ کو دربار شاہی میں آنے کی دعوت دی، آپ نے دعوت قبول کرلی اور دربار جہانگیری میں تشریف لے گئے۔دربار میں تشریف لے جانے سے پہلے آپ نے فرمایا کہ ہم دربارِ شاہی کے اصولوں اور آداب کی پابندی نہیں کر سکتے، کیوں کہ سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے حکمرانوں کے لیے، نہیں چناں چہ جب آپ دربار میں داخل ہوئے تو بغیر سجدہ کیے آگے بڑھتے گئے، یہ دیکھ کر تمام درباری حیرت زدہ ہوگئے،آپ نے فرمایا: اس وقت تک تو یہ پیشانی کسی غیراللہ کے سامنے نہیں جھکی اور اللہ سے امید ہے کہ وہ آئندہ بھی میری حفاظت کرے گا اور یہ پیشانی غیراللہ کے آگے نہیں جھکے گی۔ اس طرح اپ نے سجدہ تعظیمی کے شرکیہ قانون کے بخیے ادھیڑ دیے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گوالیار کے قلعے میں آپ قید کردیے گئے، حضرت مجددؒ نے وہاں بھی اپنا کام جاری رکھا، دیکھتے ہی دیکھتے قید خانے کی کایا ہی پلٹ گئی، بادشاہ کو اطلاع دی گئی کہ اس قیدی نے حیوانوں کو انسان اور انسانوں کو فرشتہ بنا ڈالا ہے۔حقیقت واقعہ سے آگاہی پاکر بادشاہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا، اس نے پایہ تخت پر آنے کی

دعوت دی اور اپنے بیٹے شاہ جہاں کو استقبال کے لیے بھیجا، حضرت مجددؒ تشریف لے آئے تو بادشاہ اپنی گزشتہ گستاخیوں کی معذرت چاہنے لگا۔ آپ نے اس موقع سے فائدہ اٹھایااور بادشاہ سے دور اکبری کے منکرات وبدعات کی منسوخی کا مطالبہ کیا، یہ نگاہ ولی کااثر تھاکہ وہی بادشاہ جواب تک ان منکرات وبدعات کاسب سے بڑا محافظ وپشتی بان تھا،اس نے ان کے منسوخ کرنے کافرمان جاری کردیا، اس طرح نصف صدی کی گھٹا ٹوپ تاریکی کے بعد ایک مرتبہ پھر اسلام کو اس ملک میں سربلندی حاصل ہوئی ۔حضرت مجدد الف ثانیؒ ایک صوفی باصفا، ولی کامل اور عالم باعمل تھے۔ان کی تصانیف کافی تعداد میں ہیں ، جن کے ذریعے آپ نے اپنے پیغامات کی نشرواشاعت فرمائی ۔ ان کی تصانیف میں سرفہرست مکتوبات مجدد الفِ ثانیؒ ، معارفِ لدنیہ، رسالہ اثباتِ نبوت، مکاشفاتِ غیبیہ ،رسالہ بسلسلہ حدیث، رسالہ حالاتِ خواجگان نقشبند، رسالہ تہلیلیہ، رسالہ آداب المریدین وغیرہ ہیں۔

اپنی عمر کے آخری شعبان میں حسبِ معمول پندرہویں شب کو عبادت کے لیے خلوت خانہ میں تشریف لے گئے۔ صبح کو جب گھر میں تشریف لے گئے تو بی بی صاحبہ نے کہا کہ معلوم نہیں آج کس کس کا نام دفترِ ہستی سے کاٹا گیا؟ یہ سن کر حضرت امامؒ نے فرمایا : تم تو بطور شک کہہ رہی ہو، کیا حال ہوگا اس شخص کا جس نے خود اپنی آنکھ سے دیکھا ہو کہ اس کا نام دفترِ ہستی سے محو کیا گیا۔ اس کے

بعد آپ نے ارشاد و ہدایت کا سب کام صاحب زادوں کے سپرد کر دیا اور اپنا تمام وقت قرآن مجید کی تلاوت واذکار میں صرف فرمانے لگے۔ وفات سے چند ماہ پہلے آپ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اپنی عمر تریسٹھ برس معلوم ہوتی ہے۔ بقرہ عید کے دنوں میں سانس کی تکلیف اور بخار شروع ہوا۔ 12 محرم کو فرمایا کہ بس اب چالیس پچاس دن کے اندر مجھ کو اس عالم فانی سے سفر کرنا ہے، 28 صفر کو تریسٹھ برس کی عمر میں آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اللہ ان کی قبر پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین !!

! سندھ اسمبلی کا منارٹی بل۔ سراسر اسلام دشمنی

ہمیں اس بات پر کوئی حیرت نہیں ہوئی کہ سندھ اسمبلی نے اقلیتی ارکان کے پیش کردہ اس منارٹی پروٹیکشن بل کو کثرت رائے سے منظور کرلیاہے، جس کے تحت اٹھارہ سال سے کم عمر افراد کا قبول اسلام معتبر نہیں، 18 سال سے زائد عمر کا شخص 21 روز تک قبول اسلام کا اعلان نہیں کرسکتا، جبری اسلام قبول کرانے والے یعنی کلمہ پڑھانے والے اور نکاح خواں کیلئے کم از کم 5 سال یا عمر قید کی سزا مقرر کی گئی ہے، کلمہ اور نکاح پڑھانے والے شخص کی مذکورہ مقدمہ میں ضمانت بھی نہیں ہوسکے گی۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ یہ بل اس ملک کی نظریاتی اساس اور قوانین کے مطابق ہے، بل کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ سندھ اسمبلی میں جو لوگ بیٹھے ہیں، چاہے ان کا تعلق اہل اقتدار سے ہو یا اپوزیشن سے، وہ سب اسلام مخالف سوچ اور عزائم رکھتے ہیں اور شاید کرپشن کے بعد یہ دوسرا ایک نکاتی ایجنڈا ہے جس پر یہ سیاست دان متحد و متفق ہیں۔

وزیر اعلیٰ سندھ سید مراد علی شاہ کے بر سر اقتدار آنے کے بعد سے لے کر اس بل کی منظوری تک، ان کے بیانات کا جائزہ لیجیے، آپ کو یہی نظر آئے گا کہ سائیں کہ لڑائی اگر کسی سے ہے تو وہ اسلام اور اسلامی اقدار سے ہے۔ موصوف موسیقی

کو سندھی ثقافت کا حصہ قرار دے کر ببانگ دہل کہہ چکے ہیں کہ اسکولوں ،کالجوں میں رقص وموسیقی کی تعلیم دیے کا سلسلہ جاری رہے گا۔راجا داہر کو اپنا ہیرو ماننے اور محمود غزنوی و محمد بن قاسم سے دامن چھڑانے والوں سے کیا توقع کی جاسکتی ہے، سوائے اس کے کہ وہ اسلام کی ہر علامت کو بیخ وبن سے اکھیڑنے کی اپنی سی کوشش کرتے رہیں گے۔بقول شاعر

تم سے امید وفا ہوگی، جسے ہوگی

ہمیں تو دیکھنا یہ ہے کہ تو ظالم کہاں تک ہے

دوسری طرف اپوزیشن کا بھی یہی عالم ہے۔زیادہ پرانی بات نہیں اپوزیشن لیڈر خواجہ اظہار الحسن اسمبلی اجلاس میں اس بات پر آپے سے باہر ہو رہے تھے کہ مدارس کی رجسٹریشن کا بل ایک بار پھر کیوں پیش نہیں کیا گیا۔ان کا کہنا تھا مسائل کی بنیادی وجہ یہی دینی مدارس ہیں، نیشنل ایکشن پلان کے تحت ان مدارس کو شکنجے میں کسنا لازمی ہے، ورنہ امن کے قیام کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکے گا۔ان سے کیا توقع رکھی جاسکتی ہے؟دوسری جماعتوں کے اراکین کی بھی کم وبیش یہی حالت ہے۔پی ٹی آئی کے ممبر اسمبلی خرم شیر زمان پچھلی بار اسکولوں میں قرآنی تعلیم لازمی قرار دینے کے حق میں بولے تھے۔اس بار شاید اس لیے نہیں بولے کہ انھیں بھی تنبیہ کی گئی ہوگی کہ آپ کا تعلق ایک لبرل پارٹی سے ہے،ذرا احتیاط !!

وطن عزیز کو سیکولر بنانے کے ایجنڈے پر تیزی سے عمل کیا جارہا ہے۔ خیبر پختونخوامیں نظام ونصاب تعلیم ایک امریکی این جی او کے ہاتھوں گروی رکھا جاچکا ہے، جس کی پیش کردہ تجاویز میں ایک بنیادی نکتہ یہ بھی ہے کہ ملک میں انتہاپسندی کی وجہ یہ بھی ہے کہ اسلام کو واحد دین برحق کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، لہٰذا ایسا نصاب بنایا جائے جس میں اس ''انتہاپسندانہ سوچ'' کا قلع قمع کیا جائے، گویا مسجد بھی اچھی، مندر گرجا اور کلیسا بھی اچھا کالالی پاپ مستقبل کے معماروں کو دیا جائے، تاکہ جب ملک کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں آئے تو وہ ''اسلامیت'' کی سوچ سے پاک صاف ہو کر سوچ اور دو فیصلہ کر سکیں۔ وہاں رائج نصابی کتابوں سے نہ صرف اسلامی اصطلاحات اور حضور اکرم ﷺ وخلفائے راشدین ومسلم سلاطین وفاتحین کے اسباق ختم کیے گئے ہیں، بل کہ بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح ومصور پاکستان علامہ محمد اقبال کی سیرت پر مشتمل اسباق بھی اس پالیسی کی زد میں آچکے ہیں۔ وہاں کی دینی قیادت اور مذہبی زعما اس کے خلاف کافی زور وشور سے آواز بلند کرتے رہے، ان میں مولانا سمیع الحق، مولانا محمد شہاب الدین پوپلزئی بطور خاص پیش پیش تھے، لیکن اب راوی چین ہی چین لکھ رہا ہے، شنید ہے کہ اپنا اپنا حصہ لیا جاچکا ہے، اللہ کرے ایسا نہ ہو! حیرت انگیز طور پر قائد جمعیت مولانا فضل الرحمٰن کے ایجنڈے میں اس ''عمرانی سازش'' کے خلاف کوئی قدم بوجوہ شامل نہیں رہا اور تاحال نہیں ہے، حالاں کہ وہ سب سے زیادہ خیبر پختونخوا حکومت کے خلاف بولتے ہیں اور عمران خان تو انھیں لگتے ہی سراپا خطا ہی

خطا ہیں۔

آمدم بر سر مطلب، وطن عزیز کو سیکولر و لبرل بنانے کا دعویٰ کئی بار وزیر اعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف بھی کر چکے ہیں۔ ان کی مدبرانہ قیادت میں اس جانب سفر دھیرے دھیرے جاری ہے۔ سندھ حکومت ہو یا پنجاب حکومت، اس کے بیسیوں اقدامات اس سلسلے میں شاہد عدل ہیں۔ شنید یہ بھی ہے کہ حالیہ دورہ امریکا میں میاں صاحب قانون توہین رسالت کے حوالے سے بھی ''پیش رفت'' کا وعدہ کر آئے ہیں۔ میڈیا وقتاً فوقتاً عوام کے اذہان میں یہ بات بٹھاتا رہتا ہے کہ توہین رسالت کے قانون کا استعمال غلط ہو رہا ہے، اس قانون کی وجہ سے اقلیتی برادری خود کو ہر وقت غیر محفوظ تصور کرتی ہے، مسلمان اپنے اقلیتی مخالفین کے خلاف اس قانون کو ایک انتقامی حربے کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یہ جھوٹ اس شد و مد سے بولا جاتا رہا ہے، کہ اب اس پر سچ کا گمان ہوتا ہے۔ پروپیگنڈے کا ہتھیار اس قدر کارگر ہے کہ اب عام مسلمانوں میں بھی اس قانون کے حوالے سے وہ ''جذباتیت'' نظر نہیں آتی، جو اس سے پہلے نظر آتی تھی۔ زمین ہموار کی جا رہی ہے، کسی مناسب وقت کا انتظار ہے۔ اللہ نہ کرے کہ یہ سیاہ کارنامہ بھی میاں محمد نواز شریف کے دور حکومت کے اعمال نامے کا حصہ بنے۔

اسی طرح مجموعی طور پر ملکی نصاب تعلیم میں بھی اس حوالے سے تبدیلیوں پر

کام جاری ہے، گزشتہ دنوں سینئر کالم نگار جناب انصار عباسی نے بھی اس جانب توجہ مبذول کرائی ہے۔علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے امتحان میں اپنی بڑی بہن کے حوالے سے پوچھا جانے والا سوال، اسلام آباد میں ایک تعلیمی ادارے کی طالبات کا لیڈی پیڈز دیواروں پر چسپاں کرکے احتجاج کرنا، آغا خان بورڈ کا بڑھتا اثر ورسوخ، یہ اوراس نوع کے اقدامات اسی کا پیش خیمہ ہیں۔پرائمری تک قرآنی تعلیم کو لازمی قرار دینے میں بھی یہ سوچ کارفرما نظر آتی ہے کہ گراس روٹ لیول کی دینی تعلیم کے لیے بچوں کو مسجد ومدرسہ جانے سے روکا جائے، کہ جب قرآن اسکول ہی میں پڑھایا جارہاہے تو مسجد ومکتب میں جانے کی کیا ضرورت، یوں قوم کے شاہین بچوں کا رشتہ دینی اداروں سے کاٹا جائے اورابتدائی دینی تعلیم کے مکاتب ومدارس کی اہمیت کم کی جائے۔کیا یہ سب اس تاثر کومزید مضبوط نہیں کررہا کہ ملک سے اسلام کو دیس نکالا دینے کا فیصلہ کرلیا گیاہے۔

اب ہم آتے ہیں سندھ حکومت کے حالیہ بل کی طرف۔اس کی جزئیات پر بحث کیے بغیر ہر منصف مزاج شخص اس بل سے یہ نتیجہ نکال سکتاہے کہ اس کا مقصد اندرون سندھ کے باسیوں کے تیزی سے قبول اسلام کے رجحان کی حوصلہ شکنی کرناہے۔جبری قبول اسلام کی روک تھام، توایک بہانہ ہے، کیوں کہ ایسے واقعات آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں۔اگر کہیں ہیں بھی تواس میں اسلام کا کوئی کردار نہیں۔اسلام تو واضح اعلان کرتاہے کہ وقبول اسلام میں کوئی جبر نہیں۔امت مسلمہ کی پوری

تاریخ پر نظر دوڑایئے، یہی نظر آئے گا کہ جب چار دانگ عالم میں اسلامی سلطنت وخلافت کا ڈنکا بجتا تھا، جب عرب وعجم اور شرق وغرب سب اسلام کے زیر نگیں تھے، اس وقت بھی کسی پر سلام قبول کرنے کے لیے جبر نہیں کیا گیا، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک بڑھیا کو لایا گیا کہ یہ دنیا سے جانے والی ہے، ہم اسے اسلام قبول کرنے کے لیے کہہ رہے ہیں لیکن یہ نہیں مانتی۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس کی رائے پوچھی، پھر اس کی رائے کا احترام کرتے ہوئے فرمایا: اسے اختیار ہے اسلام قبول کرے یا نہ کرے، کیوں کہ اسلام قبول کرنے کے لیے کسی پر جبر کی کوئی گنجائش نہیں۔ اسلام تو ایک نور ہے، جو اللہ تعالیٰ اپنے منتخب بندوں کے دلوں میں ڈال دیتے ہیں، اس کا تعلق ظاہر سے نہیں باطن سے ہوتا ہے۔ سندھ اسمبلی کے ہندو اراکین اسمبلی ہوں یا مسلم اراکین اسمبلی، اگر انھیں اس حقیقت کا ادراک ہوتا تو وہ یہ سیاہ بل پیش نہ کرتے، کیوں کہ اس بل کے ذریعے چاہے جتنے پہرے بٹھا دیے جائیں، جس کے دل میں اللہ تعالیٰ اسلام قبول کرنے کا نور ڈال دیں گے، وہ اسلام کی طرف آ کر ہی رہے گا، چاہے آپ اس کو اٹھارہ برس کی عمر تک اس کے اعلان سے روکے رکھیں، اسے کسی سیف ہاؤس میں رکھ کر اسلام سے ہٹانے کی کوشش کریں، اس کو کلمہ پڑھانے والوں کو قید کی سزاؤں کے ذریعے روکیں، غرض یہ تمام حربے ظاہر پر تو چل سکتے ہیں، باطن پر ان میں سے کوئی حربہ کارگر نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی غیر مسلم کسی مادی مفاد یا شادی وغیرہ کی غرض سے اسلام کا سہارا لینا چاہتا ہے اور اسلام اس کے باطن میں نہیں اترا، تو اس کی

اسلام کو حاجت بھی نہیں، ایسوں کا آنے سے نہ آنا بہتر ہے۔ جو مخلص ہو کر اسلام قبول کرنا چاہتے ہیں ان کی راہ میں، اس بل کے ذریعے آپ مشکلات پیدا کردیں گے، کہ آپ اس پر قادر ہیں، لیکن جو مسبّب الاسباب ہے وہ اس سے نکلنے کے لیے بھی غیبی راہیں ہموار کرنے پر قادر ہے۔ ہمیں اس بل کی شقوں کو دیکھ کر ایک لطیفہ یاد آگیا، لیجیے! آپ بھی لطف اندوز ہوں۔

ایک بادشاہ کا باز گم ہوگیا، اس نے شہر کے داخلی وخارجہ دروازے بند کرادیے، یوں اپنی سمجھ میں اس نے باز کے ''فرار'' کے تمام راستے مسدود کردیے، لیکن وہ اس حقیقت کو تو بھول ہی گیا کہ باز تو فضاؤں میں اڑنے والا پرندہ ہے، دروازے بند کرکے اس کا راستا نہیں روکا جاسکتا۔ بس یوں سمجھ لیجیے، سندھ حکومت نے باز کو ''فرار'' ہونے سے روکنے کے لیے کچھ ایسا ہی انتظام کیا ہے۔ ایسے انتظامات کو زیادہ سے زیادہ ''دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے'' کا مصداق قرار دیا جاسکتا ہے۔